Regd No L 1872 April 1941 Establishe

تیر اندازی کے بین اقوامی ٹورنمنٹ میں پولینڈ کی ٹیم لڑکیاں

اب پنجاب یونیورسٹی کی موسیقی کی اُستاد ہیں

ودا

اس پرچہ میں جس قدر مضامین شائع ہو رہے ہیں ان سب کا کاپی رائٹ بحق عصمت محفوظ ہے

رسالہ عصمت دہلی

۱۹۵۹ء

تینتیواں سال | بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۴۱ عیسوی | جلد ۶۶ نمبر ۴

فہرست مضامین

۵ تصاویر

چندہ سالانہ پیشگی مع محصول ڈاک چار روپیہ ممالک غیر سے دس شلنگ۔ قسم خاص آرٹ کاغذ کا ایڈیشن دس روپے روسا سے پچیس روپے۔ والیان ریاست سے سو روپے۔
ممالک غیر سے ایک پونڈ فی پرچہ ایک روپیہ۔

رسالہ عصمت ہندوستان کے بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں پر ہیگنز اسے اینڈ وہیلر کے بک سٹال پر بھی مل سکتا ہے

باہتمام ابو الحسین مولوی محمد امان الرحمٰن پرنٹر پبلشر محبوب المطابع برقی پریس دہلی میں چھپا

اصل نسل خاوند

۹

از حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمتہ

پیاری حسن آرا بیگم۔

تمہارا خط آیا۔ بہن سچ سمجھنا تین دن اور تین رات جب تک تم یہاں رہیں۔ دن عید اور رات شبرات افسوس پل مارتے ختم ہو گئے۔ اور وہی کوسوں کا فاصلہ اور منزلوں کی دوری ہو گئی۔ حُسنا وہ کیا مبارک وقت جب دو بچپن کی سہیلیاں سات برس کی بچھڑی ایک دوسرے سے گلے مل رہی تھیں۔ دیکھئے اب وہ وقت کب نصیب ہوتا ہے۔ اور ہوتا ہے یا نہیں۔ یہ بھی خدا جانے کیا اتفاق تھا کہ تم سہارنپور جاتی یہاں ٹھیر گئیں ہر کجا حیدرآباد اور کجا میرٹھ۔ بچے تو تمہارے سامنے ہی سو گئے تھے تمہیں رخصت کر کے جب میں پلنگ پر لیٹی بچپن کے دن آنکھ کے سامنے تھے۔ خدا کی شان ہے۔ ایک وہ وقت تھا۔ کہ دم بھر ایک دوسرے سے جدا نہ تھے۔ خالہ جان کہا کرتی تھیں۔ کہ یہ دونوں تو جڑواں ہیں۔ دیکھئے گھر کیونکر بساتی ہیں۔ یا آج کا دن ہے۔ کہ دنوں راتوں۔ مہینوں اور برسوں ایک دوسرے کی صورت کو ترسیں۔ اور دیکھنی نصیب نہ ہو۔ دنیا کے جھگڑے ایسے کہ وہ امنگیں اور ترنگیں سب خاک میں مل گئیں۔

کیوں پیاری حُسنا پیپل والے گھر کا جھولا یاد ہے؟ سلیمہ گرم گرم پھلکیاں تل تل کر لا رہی تھی۔ اور ہم دونوں لہک کر ملہار گا رہے تھے سلیمہ کا خیال آنے سے دل پر سانپ لوٹ گیا۔ نگوڑی کرموں جلی کی ایسی تقدیر پھوٹی کہ چھ ہی مہینے میں سب اُف ہو گیا۔ یہ ہم سے کس بات میں ہیٹی تھی تمہیں کیا یاد نہ ہوگا۔ اس کا جوڑا چڑھاوا مجھ سے تم سے دو نو سے بہتر تھا۔ ان ہی بیوی کے جہیز پر تو اِس سرے سے اُس سرے تک سارا بازار بول اٹھا تھا صد آفرین اس کی ماں کو جس نے رنڈاپے میں بیٹی اس شان سے رخصت کی۔ جھومر۔ جھلنیاں۔ لچھے۔ چوڑیاں چیز بھی جو اس کے پاس نہ ہو۔ دوہرا اور تہرا۔ سادہ الگ۔ جڑاؤ الگ۔ گوندنی کی طرح لدی ہوئی تھی۔ مگر ایک میاں بے ڈھنگے پن نے سب خالصے لگا دیا۔ دھڑی دھڑی کر کے بیچا اور دانت کریدنے کا تنکا تک نہ چھوڑا۔ اللہ بخشے چچی نے کتنا کچھ سمجھایا کہ دیکھ سلیمہ کی ماں کیا غضب کرتی ہے۔ جب لڑکا ہی پڑھا لکھا نہیں تو اس ہڈی کو کیا آگ لگا[ئے] اری بے وقوف اس لڑکے کو بیٹی دینا بیٹی کے واسطے دوزخ مول لینا ہے۔ الف کے نام ب اسے نہیں آ[تی] بدمعاشوں کی صحبت میں وہ بیٹھے۔ مرغ وہ لڑائے۔ کبوتر وہ اڑائے۔ اری نادان اسے اپنے ہی چک چا[ک] لونڈوں سے فرصت نہیں۔ پرائی جنی کو کیا بھرے گا؟ تو تو اپنی عمر پوری کر چل بسے گی۔ اور اس بے چاری کو جنـ[ـم]

مُردہ بن جائے گی۔ اس لڑکے سے فلاح ہونی نہیں۔ اس اصل نسل بڈھی کو لے کر کیا نچوڑنا ہے؟ مگر خدا پھوپی جان کی روح نہ شاد ملے۔ اسی اپنی ایک دُھن پر اڑی رہیں۔ جواب دیا تو یہ پڑھے لکھے کو کیا آگ لگانی ہے۔ جب خاندان میں ہی نہ ہوئی؟ مجھے یہ ست بے بھرا پن نہیں بھاتا کہ دولت کے کارن آدمی اپنے خاندان کو بٹہ لگا دے۔ قندھار کے آئے اصل نسل کے ولایتی جن کی یہ عزت کہ بادشاہ تک نے بڑے اخوندوں کے سامنے کبھی پیٹھ نہیں کی۔ ایسے لڑکے نصیب کسے ہوتے ہیں اور کون کہتا ہے کہ پڑھا لکھا نہیں ہیں نے تو آپ اس کے ہاتھ کا تعویذ دیکھا ہے۔ موتی پروتے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ مرغوں اور کبوتروں کی جو کہو۔ اس میں گناہ کیا ہوا؟ دن بھر چچا کے ساتھ درگاہ میں بندھا بیٹھا رہتا ہے۔ گھڑی آدھ گھڑی کو بھی نہ کھیلے۔ تو آخر لڑکا ہے۔ فرشتہ تو ہے نہیں۔ سارا تہ بھرا پڑا ہے۔ ہو تو سا اولیا اللہ ہے۔ جسے رات دن اللہ رسول سے فرصت نہیں۔ مجھے تو یہ لڑکا تلی کے ہاگوں پھینکا ہے۔ بھلا میرے کہاں ایسے نصیب کہ اخوندجی والوں کے قدم میرے گھر پر آئیں۔ میں نے تو یہ سب ہی کچھ دیکھ لیا ہے۔ اب آگے لڑکی کی تقدیر۔ ماں باپ تو ساتھی ہیں کرم کے نہیں۔ حسنا بہن جب ماں ہی کی آنکھوں پر خدا نے پٹی باندھ دی۔ تو پھر میں کون اور تم کون؟ تین سات تین ہزار اپنے پاس تھا۔ وہ دیا۔ ہزار بارہ سو قرض لے کر دیا۔ پانچ ہزار آخر کچھ جان ہی رکھتے ہیں یا نہیں ہاتھی کا پاؤں ہیں۔ شبھ بھیں واہ واہ ہو گئی۔ داماد صاحب کی کچھ دن تو وہ آؤ بھگت ہوئی کہ ساس اور ختیا ساس دونوں اردلی میں کھڑی رہیں۔ داماد کیا تھا۔ پھوٹی آنکھ کا دیدہ۔ یا ندیدے گھر کا ملیدہ تھا۔ جہاں آنے کی خبر ہوئی اور دروازوں پر کنڈیاں پڑ گئیں کہ کوئی منہ سے ٹوکے نہیں۔ گھر بھر ہے کہ آنکھیں بچھا رہا ہے۔ داماد صاحب اس فکر میں کہ بس چلے تو ساس اور ختیا ساس دونوں کو بیچ کر مرغ لڑا لوں۔ کچھ دن تو قرض دام پر گزر ہوئی۔ آج ساس سے کل ختیا ساس سے۔ مگر روز کے خرچ کو کہاں سے آئے؟ کھیتی تو کبھی ہی نہیں تھی۔ بیوی کے گہنے کی نوبت آئی۔ بالیاں چھنیں۔ تیتے چلے پہنچیاں پہنچیں۔ انگلیاں گئیں۔ غرض یہ کہ بیوی کے بدن پر تار تک نہ رہا۔ کچھ دن تک ساس بھنا بھرتی رہیں۔ ان کے مرنے سے وہ سہارا بھی گیا۔ پڑھے لکھے ہوتے کہیں دس پانچ کی نوکری ڈھونڈتے۔ سو کس کا پڑھنا اور کس کا لکھنا۔ دن بھر کبوتر اڑائے اور مرغے لڑائے۔ زیور گیا۔ برتن بکے۔ اور فاقوں پر گذر ہونے لگی۔ لوگ کہتے ہیں اولاد نعمت ہے۔ میں کہتی ہوں ہوت میں نعمت۔ نہ ہوت میں مصیبت۔ کچھ ٹھکانا بھی ہو۔ دو نہیں چار نہیں۔ غضب خدا کا نو لڑکے پانچ لڑکیاں۔ چودہ بچے۔ خدا کا قہر سمجھو۔ تو جب میں تیورس سال اللہ رکھے سلمہ کے بیاہ پر گھر گئی ہوں۔ تو بلوایا تھا میں اس کی شکل دیکھ کر سکتے میں رہ گئی۔ مردوں کی سی صورت لونڈیوں کا سا حلیہ۔ پہچانی تک نہیں گئی ہیں خبر نہیں کس کام کو باہر نکلی۔ دیکھتی ہوں۔ تو تخت پر منہ موڑے بیٹھی ہے۔ اماں جان نے کہا چھوٹی دلہن ہے تو ملو۔ پاس جا کر دیکھا تو سچ مچ میرا دوڑ کر گلے ملنا تھا کہ آنکھ سے زار و قطار آنسو کی لڑیاں بہنے لگیں۔ اٹھا کر اندر لائی۔ پاس بٹھایا۔ باتیں کیں۔ اس کی مصیبت بھری داستان سن کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ میں کوئی پندرہ دن اکھٹے ٹھیری چلتے وقت اس کو اپنے ساتھ لے آئی تحصیل میں میاں کو نوکر رکھوا دیا۔ اب دوسری تحصیل بابت میں بدلی ہو گئی۔ بدنصیب اپنے دن پورے کر رہی ہے اور خاندانی شرافت کو پیٹ رہی ہے۔

عورتوں میں عملی ذوق

مدت العمر جمود کی کیفیت ہندوستانی مسلمان خواتین میں طاری رہنے کی وجہ سے ان کے احساسات قریب قریب مردہ ہو چکے ہیں۔ اگرچہ فی زمانہ تعلیم نسواں کے حامیوں نے عورتوں کو تحصیل علوم کی طرف مائل کرا دیا ہے۔ مگر یہ بھی اسی حد میں محدود ہوتے ہیں۔ ان کا ذوق علم بس محدود دائرہ نصابی کتابوں تک رہتا ہے جنہیں رٹ کر وہ سال بسال امتحانوں میں بیٹھتی اور کوششوں کی مناسبت سے کامیاب اور ناکام رہ جاتی ہیں۔ بس ایک ہی راہ پر لاٹھی سے سب کو ہانک کر چلانے سے ہمارے لیڈر اور ریفارمر پھولے نہیں سماتے۔ اور اپنی تحریک پر نازاں ہیں۔ کہ یہ بار آور ثابت ہوگئی۔ یہ کبھی نہیں سوچتے کہ ہر شخص بخیال خویش خبطے دارد کا مسئلہ چھوڑ بحث ہے۔ اکثر لڑکیاں بچپن سے میٹرک تک کولہو کے بیل کی طرح مصروف رہ کر امتحانات میں کامیابی تو ضرور حاصل کر لیتی ہیں۔ مگر واقفیت کی بنا پر انہیں کوری ہی سمجھئے۔ لطف یہ کہ نصاب اتنے میں اتنی مہلت ہی نہیں ملتی کہ وہ اور باتوں کی طرف متوجہ ہوں۔ خانہ داری میں ملاقات۔ اصول معاشرت جیسے اہم موضوع تشنۂ توجہ رہ جاتے ہیں۔ مردوں میں یہ تعلیم چنداں نقصان دہ نہیں کیونکہ انہیں تو سرکاری ملازمت اعلیٰ نہ سہی کلرک بننا ہی غنیمت ہے۔ مگر عورتوں کیلئے عام واقفیت خانہ داری۔ بچوں کی پرورش و دیگر اصول معاشرت سے ناواقف رہنا ان کی آیندہ زندگی کیلئے سخت نقصان دہ ہے

والدین کا فرض ہے کہ لڑکیوں کو ایسی تعلیم و تربیت دیں کہ ہر مسئلہ میں انہیں عملی تجربات کا ذوق پیدا ہو اور وہ صرف کتابی اور خیالی مضامین رٹ کر اپنی قابلیت کا نقش نہ جمائیں بلکہ جملہ امور میں دسترس پیدا کر کے اس کو مفید اور کار آمد بنانے کی کوشش کریں۔ فرض کیجئے کہ اسکول میں ہمیں حفظان صحت کے مسائل پر وہ تمام اصول بتائے گئے ہیں جن سے کہ صحت عامہ میں ترقی ہو رہی ہو۔ گھریلو چیزوں اور کھانے پینے کی چیزوں کی صفائی۔ پانی کے متعلق احتیاط۔ دودھ کے فوائد اور اس میں وٹامن موجود رکھنے کی ترکیبیں۔ سبزیوں کو پکانے میں احتیاط وغیرہ وغیرہ۔ لازم تو یہ ہونا چاہیے کہ اس ترتیب کے بعد ہمارا عمل وہی ہونا چاہئے۔ مگر دیکھنے میں یہی آتا ہے کہ جن نیک بختوں کو اس کی تعلیم دی جاتی ہے وہ اُلٹ کر بھی کبھی ان باتوں پر متوجہ نہیں ہوتیں۔ چہ جائیکہ اس کا عملی مظاہرہ کریں اور اپنے گھر میں اوروں کو سکھائیں۔ صرف اسکو رٹ کر بوقت امتحان دُھرانا ہی گویا اس تعلیم کا ماحصل قرار دیا جاتا ہے۔ حفظان صحت کے متعلق احتیاطیں تو درکنار ان کی عدم توجہی کی وجہ سے معاملہ بد سے بدتر ہو جاتا ہے۔ سب کام ملازمین پر چھوڑ دینے کی وجہ سے وہ انتہائی غلاظت اور پھوہڑ پن سے انجام دیتے ہیں۔

کتابوں میں جن باتوں کو پڑھ کر اس پر عمل نہیں کیا گیا تو اسکو پڑھنے سے فائدہ۔ اسی طرح اسکول میں سلائی کٹائی کشیدہ کاری اور مختلف دستکاریاں سکھائی جاتی ہیں۔ جنکو اسکول سے نکلنے کے بعد شاذ ہی دُھرایا جاتا ہے۔ اگر حالات درست رہے تو پھر کسی معمولی سلائی کی بھی نوبت نہیں آتی۔ اور بعض گھرانوں میں یہ بھی رائج ہے کہ لڑکیاں دستکاریوں اور کشیدہ کاری سے تو ضرور دلبستگی رکھتی ہیں مگر معمولی روزانہ لباس کی سلائی درزیوں کے دست کرم پر چھوڑ دی جاتی ہے اور آمدنی کا ایک معتدبہ رقم اس پر صرف کرنی پڑتی ہے۔ اور بوقت ضرورت اپنے جسم کی پوشاک سینے اور قطع کرنے سے قاصر رہتی ہیں۔ برعکس اس کے دیکھئے غیر قوموں کی عورتیں کیسی اچھی سلائی اور کٹائی جانتی ہیں اور اس فن میں مہارت رکھتی ہیں اسے بھی عملی طریقے سے انجام دیکر وسیع کاروبار کی مالک نظر آتی ہیں۔ ہماری ہندوستانی بہنیں خواہ وہ کسی فن میں کیسی ہی مہارت رکھیں گی مگر اس کو عملی طریقہ سے وسعت دینے اور سود و منفعت کرنے سے ہمیشہ احتراز کریں گی۔

عموماً غیر قوموں کی خواتین کیک پیسٹری۔ مٹھائیاں بنا کر تجارتی پیمانہ پر اسے فائدہ بخش ہنر سمجھ کر فروغ دیتی اور ایک آمدنی

تعداد زوجین اور شادی

شادی چونکہ سوسائٹی کی پیدا کردہ رسم ہے اس لئے ہر سوسائٹی میں عورت و مرد کے صرف وہ تعلقات جائز تسلیم کئے جاتے ہیں جو اس خاص سائٹی کے قوانین کے تحت میں ہوں بعض سوسائٹیوں میں بیک وقت صرف ایک مرد اور ایک عورت شادی کے رشتہ میں منسلک کئے جا سکتے ہیں اور بعض میں ایک مرد اور کئی عورتیں اور کہیں ایک عورت اور کئی مرد اور بعض قوموں میں جہاں ایک مرد کو کئی عورتیں رکھنے کا حق حاصل ہے۔ وہاں عورت کو بھی اجازت ہے کہ وہ کئی مردوں کو اپنے خاوند بنا کر رکھے۔ آپ تعجب نہ کیجئے یہ سندباد جہازی کے کسی خیالی جزیرہ کی باتیں نہیں ہیں اور نہ دو چار ہزار برس پیچھے کی ہندوستان کے مغربی ساحل مالابار میں آج بھی نایر قوم میں ایک عورت کو کئی مرد اور مرد کو کئی عورتیں رکھنے کا اختیار ہے اور وہ ایسا کرتے ہیں اور ان کی سوسائٹی اس کو برا نہیں سمجھتی۔ نایر وحشی لوگ نہیں ہیں انہیں بڑے بڑے تعلیم یافتہ اور قابل لوگ بھی موجود ہیں شمالی ہند میں ہمالیہ پہاڑ کے علاقوں میں چار چار پانچ پانچ مردوں کے صرف ایک ہی بیوی ہوتی ہے۔ ہندوؤں میں مرد اگر چاہے تو سو بیویاں رکھ سکتا ہے اور مسلمانوں کو بھی ضرورت کے وقت سخت شرائط کے ساتھ چار بیویاں تک رکھنے کی مذہبًا اجازت ہے۔

فطرت کیا چاہتی ہے

اس سوال کا جواب کہ فطرتًا مرد کو جوڑا بنا کر رہنا ضروری ہے یا نہیں بہت مشکل ہے۔ تجربہ یہ بتاتا ہے کہ ہزار ہا سوشیل مذہبی اور رواجی بندشیں ہوتے ہوئے مرد عمومًا ایک عورت پر اکتفا کرنے سے غفلت کرتا رہتا ہے۔ بعض ماہرین کہتے ہیں کہ یہ اس کی فطرت ہے اور بعض کہتے ہیں کہ جوڑا بنا کر رہنا انسانیت ہی نہیں انسان کو فطرت ثانی ہو چکا ہے اور وہ ایسا کرنے پر بفطرتًا مجبور ہے۔ بہرحال گلہ و گروہ میں رہنے والے جانوروں کی طرح زندگی گذارنے کیلئے مرد کو فطرت مجبور کرتی ہے یا نہیں لیکن یہ مسلمہ ہے کہ وہ ایسا کرنے کی خواہش ضرور کرتا ہے اور تجربہ یہ بتاتا ہے کہ وہ ہر زمانہ میں ایسا کرتا ہی رہا ہے۔ اُس کا یہ فعل ہمیشہ انسانی محبت ازدواجی مسرت اور خاندانی بہبودی کی جڑیں کاٹتا رہا ہے۔

جانوروں میں کیا ہوتا ہے

پرندوں میں جو دو انڈے دیتے ہیں اُن کے دونوں بچے عمومًا جوڑا بنا کر رہتے ہیں، اُنہیں بعض کی محبت اور رفاقت کا یہ عالم ہے کہ ایک مر جائے تو دوسرا بھی چند ہی دنوں میں اپنی جان دے دیتا ہے۔ لیکن ایک قسم کی مرغیوں پر مشاہدہ کرنے سے معلوم ہوا کہ جہاں ان کے کسی گروہ میں نر و مادہ کی تعداد برابر ہو وہاں وہ جوڑا بنا کر رہتے ہیں اور جہاں نر کم اور مادہ زیادہ ہوں وہاں ایک نر کے ساتھ کئی کئی مادہ رہتی ہیں اور جہاں نر زیادہ ہوں وہاں کئی کئی نر بھی ایک مادہ کے ساتھ رہتے نظر آتے ہیں، اس طرح گویا فطرت ضرورت کی ماتحتی کرتی ہے۔ اب اُن دوسرے پر والے جانوروں کو لیجئے جو مدت تک ایک انڈا روز دیتے ہیں۔ ان میں جوڑا بنا کر رہنے کی علامت نہیں پائی جاتی، اسی طرح چرندے اور درندے بھی عمومًا گلہ و گروہ میں رہتے ہیں سوائے چند بڑے جانوروں کے مثلاً شیر ہمیشہ جوڑا بنا کر رہتا ہے۔ بندروں میں گوریلا بندر ہمیشہ جوڑا بنا کر رہتا ہے اور اس کی مادہ کی طرف اگر کوئی اور گوریلا بندر رُخ کرے تو یہ اُس پر خونخوار حملہ کر دیتا ہے اور اگر مادہ راغب نظر آئے تو نر اُس کو جان سے مار دیتا ہے۔ بعض جوڑا بنا کر رہنے والے جانور بھی گروہ میں رہنے کے عادی ہیں مثلاً کبوتر لیکن اُن میں وہ عادتیں نہیں ہوتیں جو گروہ میں پیدا ہونے والے جانوروں مثلاً مرغیوں گائیوں بکریوں وغیرہ میں ہوتی ہیں۔

انسان کس قسم کے جانوروں سے تعلق رکھتا ہے

انسان جوڑا بنا کر رہنے والے جانوروں میں سے نہیں ہے۔ وہ گلہ و گروہ میں پیدا ہوتا رہتا ہے اس لئے وہ فطرتًا آزاد منش ہوتا ہے لیکن اس کو عقل و تمیز کی وجہ سے جانوروں پر فوقیت ہے اور وہ ایسے جذبات و احساسات کا بھی مالک ہے کہ اُس کو جانوروں سے ممتاز کرکے انسان بناتے ہیں وہ جنسی کشش ہی نہیں ہے انسانی محبت و رفاقت کی اہمیت سے بھی واقف ہوتا اور انسانیت کی تکمیل کا خواہشمند نظر آتا ہے۔ یہ انسانی امتیاز

اُس کو جانوروں کی طرح گروہ میں آزادمنش رہنے سے متنفر اور جوڑا بنا کر رہنے پر مجبور کرتا ہے۔ لیکن چونکہ وہ گلہ و گروہ میں رہنے والے جانوروں میں سے ہے اور فطرتاً آزادمنش اس لئے وہ جوڑا بنا کر رہتے ہوئے آزاد رہنا چاہتا ہے۔ صدیوں کا تجربہ بتاتا ہے کہ باوجود مذہب، سوسائٹی، قانون، رسول، پیغمبر، اوتار، ریفارمر، سوشیل لیڈر اور باوجود پُرجوش و پُرزور دعوے انسانیت تہذیب و ترقی انسانوں کا بڑا گروہ ہمیشہ انسانیت سے دور اور حیوانیت کی طرف بہت زیادہ مائل رہا ہے۔ لہٰذا مرد کی بدچلنی کے قصے اور اُس کی آزادمنش طبیعت کے مظاہرے عام ہیں۔ یہ تو فطرت ہوئی اب انسانیت کی طرف رجوع کیجئے تو شخصی رجحان یہ چاہتا ہے کہ انسانی جذبات کی تکمیل کی راہ میں کوئی بھی رکاوٹ نہ ہو، نہ نسلی ضرورت سدِّ راہ ہو سکے اور نہ سوسائٹی کے رواج اور قوانین، انسانی محبت اُس انفرادی آزادی کی خواہشمند ہے جو سوسائٹی کی بہبودی کے عموماً منافی ہوتی ہے۔ اس لئے انسانی زندگی کی یہ بڑی زبردست ٹریجڈی ہے کہ سوسائٹی نہ مکمل حیوانیت کو برداشت کرتی ہے اور نہ مکمل انسانیت کی روادار۔ نہ سوسائٹی یہ چاہتی ہے کہ انسان جانوروں کی طرح بے لگام رہے اور نہ یہ کہ وہ محبت کرنے والے اپنے روحانی جذبات کی تکمیل کیلئے سوسائٹی کے رواج و قانون کو ٹھکرا دیں۔

کیا سوسائٹی میں ایک مرد کی ایک ہی عورت سے شادی ہر حالت میں ضروری ہے نہیں یہ ضروری نہیں کہ انسان ہر حالت میں پرندوں کی طرح جوڑا ہی بنا کر رہے۔ جنسی تعلقات کی غرض بچوں کی پیدائش ہے اور یہ غرض بلا شادی کے بھی پوری ہو سکتی ہے، انسان کی عقل و تمیز کا نتیجہ سوسائٹی اور اس کے قوانین ہیں۔ جنسی تعلقات کو انسانی جامہ پہنانے اور بچوں کی پیدائش کو سوسائٹی کی بہبودی کی غرض بنانے کے لئے انسان نے شادی کی رسم ایجاد کی۔ لہٰذا جنسی تعلقات کو سوسائٹی اپنی ضرورت کے مطابق کرتی رہتی ہے۔ وہ اس معاملہ میں نہ شخصی خواہش اور نہ ذاتی غرض کی پرواہ کرتی اور نہ فطرت کے اصولوں میں ترمیم و تنسیخ کرنے میں دریغ کرتی۔ سوسائٹی جو اپنے لئے اچھا سمجھتی ہے کرتی ہے اور اس کی یہ امتیازی خصوصیت ہی انسان کو انسان بناتی ہے۔ اس اصول کے لحاظ سے جس سوسائٹی میں عورتوں اور مردوں کی تعداد برابر ہو وہاں ایک مرد کو ایک عورت سے شادی کرنا چاہیئے اور جہاں عورتیں زیادہ ہوں وہاں ایک مرد کو کئی عورتیں اور جہاں مرد زیادہ ہوں وہاں ایک عورت کو کئی مرد جائز ہونا چاہئیں اور دنیا میں غور سے دیکھئے تو یہ تمام شکلیں حسبِ ضرورت موجود بھی ہیں لیکن ترقی یافتہ سوسائٹی میں اس سادہ اصول ہی پر شادی کا انحصار نہیں ہوتا ہے بلکہ شخصی، اقتصادی، مذہبی اور دیگر قوانین بھی ہیں جو اس رسم پر گہرا اثر ڈالتے رہتے ہیں۔ مثلاً ایک مرد جب کسی عورت کو اپنی بنا لیتا ہے تو وہ نہیں چاہتا کہ کوئی دوسرا مرد بھی اُس کی اس ملکیت میں شریک ہو۔ اسی طرح ایک عورت بھی یہ گوارا نہیں کرتی کہ اُس کے پسندیدہ مرد کی توجہات کی کوئی اور عورت بھی مرکز بن جائے۔ اس ذاتی و شخصی خواہش نے اُن قوموں میں جہاں انفرادی آزادی کا زور رہا ہے اور جہاں اس معاملہ میں اجتماعی ضرورت کا کم خیال کیا جاتا ہے ایسے قوانین اختراع کرائے ہیں کہ جن کی رو سے ایک مرد کو ہر حالت میں صرف ایک ہی عورت سے شادی کی اجازت ملتی ہے۔ لیکن کیا یہ قوانین سوسائٹی کی ہر ضرورت کو پورا کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ ایسی سوسائٹی میں اگر کسی وقت عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہو جائے جیسا کہ یورپ جنگ عظیم کے بعد ہوا نتیجہ غیر معمولی بداخلاقی اور بدچلنی، عورت کی لاچاری و بے بسی اور قوم کی بربادی اور تباہی ہوتا ہے۔ رہا اُن قوموں کا سوال کہ جن میں مرد زیادہ ہوں تو یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ سوسائٹی کے لئے یہ ضروری ہونا چاہیئے کہ ایک عورت کو کئی کئی مرد رکھنے کی اجازت ہونا چاہیئے۔ لیکن ایسا غیر متمدن سوسائٹی ہی جائز کر سکتی ہے۔ ایک ترقی یافتہ سوسائٹی کے لئے جہاں یہ ضروری ہے کہ وہ ایک مرد کو کئی کئی بیویاں کی اجازت دیدے وہاں سوسائٹی کی بہبودی کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ ایک عورت کو کئی کئی خاوندوں کی بھی اجازت دینے میں حق بجانب ہو شخصی و فطری ضرورت کے لئے تو یہ برداشت کیا جا سکتا ہے کہ کئی کئی مرد ایک عورت کو رکھ لیں۔ لیکن اس میں سوسائٹی کا خاص فائدہ نہیں ہوتا اور خصوصاً شادی کی غرض کو پورا کرنے کے لئے تو ایسے فعل کی اجازت بیکار و بے سود ہے۔

تعداد زوجین کے لحاظ سے شادی کی اقسام۔ جو لوگ اس کے قائل نہیں کہ ابتدائے آفرینش میں صرف ایک مرد

اللہ نے پیدا کیا اور اس کی بائیں پسلی سے عورت، بلکہ جو یہ تسلیم کرتے ہیں کہ آدم سے مرد و نسلِ انسانی ہے وہ انسان کے جنسی تعلقات کی ابتدائی صورت کے متعلق مختلف خیال آرائیاں کرتے ہیں۔ ایک گروہ کا یہ خیال ہے کہ ابتدا میں مرد و عورت آزادانہ طور پر رہتے تھے اور اس کے ثبوت میں آجکل کی غیر ترقی یافتہ افریقہ، آسٹریلیائی وحشی قوموں کے تعلقات کے حوالوں کو پیش کرتے ہیں۔ ان قوموں میں ایک فرقہ کے متعدد مردوں کو دوسرے خاص فرقہ کی عورتوں سے جوڑنا سکے، ٹوٹم کے مطابق ہوں تعلقات کی اجازت ہوتی ہے تو ایسے بھی ہر عورت حرام ہوتی ہے، لیکن ٹوٹم کے ہر مرد کو ہر عورت اور ہر عورت کو ہر مرد جائز ہوتا ہے جوڑا اپنانے کی ضرورت نہیں ہوتی اس کو "گروہ کی شادی" کہا جاسکتا ہے۔ بعض ماہرین کا خیال ہے کہ گروہ کی شادی کا نہ کبھی وجود تھا اور نہ اب ہے۔ بہرحال اس پر سب کا اتفاق ہے کہ ابتدائی صورت میں نسائی دور تھا عورت مرد کو اپنے ساتھ رہنے کی اجازت دیتی تھی لیکن وہ ہمیشہ ایک ہی مرد کی پابند نہیں ہوتی تھی بچے عورت سے منسوب ہوتے تھے اور خاندان بھی عورت ہی کا کہلاتا تھا لیکن عورت خوب اُس وقت بھی خود مختار نہ تھی خاندان کا سردار اُس وقت بھی مرد ہی تھا جو خاوند کے بجائے عورت کا بھائی ہوتا تھا۔ اس طرح عورت کی حفاظت اُس کے بھائی اور بچوں کی نگرانی ماموں کے ذمہ ہوتی تھی اور باپ کا کوئی خاص دخل نہ تھا۔ اس نسائی دور میں خاندان نامکمل تھا اور چونکہ سوسائٹی کی بنیاد خاندان پر ہے اس لئے سوسائٹی بھی نامکمل تھی لہٰذا شادی کی رسم اپنی معمولی صورت میں موجود نہیں تھی۔ نسائی دور میں جنسی تعلقات "گروہ کی شادی" کی کمزور شکل میں تو نہ تھے لیکن ان پر کوئی خاص پابندیاں بھی نہ تھیں، اس کیفیت کو دور کی "نامکمل شادی" کہتے ہیں۔ جب مرد کو یہ علم ہوگیا کہ وہ بچہ کا باپ ہوتا ہے تو اُس نے عورت کی آزادی پر قیود عائد کردیں اور خاندان کی سرداری اپنے ہاتھ میں لے لی تاکہ وہ اپنے ہی بچوں کی کفالت اور پرورش کا بار اُٹھائے اور دوسروں کے بچے اُس کے سر نہ پڑجائیں، اس خیال کا ثبوت "کونیاگ" قوم کے موجودہ رواج سے ملتا ہے کہ اُس قوم میں شادی شدہ عورت سے بدچلنی کے جرم میں مرد کو زبردستی اُس کا خاوند بننا پڑتا ہے اور خاندان کے اخراجات کے بارے میں بھی حصہ لینا پڑتا ہے۔ جب مرد کا خاندان پر راج ہوگیا تو اُس نے عورت کو پنی نظری ہی نہیں اقتصادی ضرورت کی بھی لونڈی بنا لینے میں احتراز نہیں کیا اس طرح ایک مرد کے کئی کئی بیویاں کرلینے کا رواج پیدا ہوگیا جو کسی نہ کسی شکل میں آجتک موجود ہے، ہر مذہب، ہر سوسائٹی نے اسکی اجازت کسی نہ کسی طرح ہمیشہ دی اور آج یورپ میں باوجود دعویٰ ترقی و تہذیب قولاً اور قانوناً نہ سہی عملاً یہ رواج کثرت سے جاری ہے۔ "متعدد ازدواج کی شادی" ہوئی، بعض قوموں میں ضرورتاً یا رواجاً کئی کئی مرد ملکر ایک عورت سے شادی کرلیتے ہیں جیسا ہندوستان کی ٹوڈا قوم، ہمالیہ پہاڑ کے رہنے والوں، تبت اور معمولی طور پر نیپال اور پنجاب کے بعض ضلع کے سکھوں میں ہوتا ہے۔ عموماً کئی بھائی ملکر ایک بیوی کرلیتے ہیں لیکن بعض بعض جگہ بھائیوں کی بھی قید نہیں ہوتی، قدیم انگلستان میں اسکا عام رواج تھا، اسلام سے پیشتر عرب میں بھی ایسا ہی ہوتا تھا، قدیم ہندوستان کی بھی چند مشہور مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ مثلاً پانچ پانڈو بھائیوں نے ایک "دروپدی" سے شادی کرلی تھی، اُن کے والد بزرگوار نے اس کے خلاف بڑا سخت احتجاج کیا اور گوپانڈوں نے واسکی دیوی جس کے دس خاوند تھے اور سات رشیوں کی ایک بیوی کی مثالیں پیش کیں اُس بزرگ نے اس رسم کو ذلیل و مکروہ گردانا۔ ہر متمدن سوسائٹی آج اس رسم کے خلاف ہے "یہ متعدد خاوندوں کی شادی" ہوئی۔ پانچویں قسم کی شادی وہ ہے جس میں ایک مرد اور ایک عورت جوڑا بنا کر رہتے ہیں یہ شخصیت اور انسانیت کی ترقی و تکمیل کیلئے بیحد مفید اور ضروری ہے لیکن اسکو جبراً اور قانوناً ہر صورت و حالت میں منوانا انسانی فطرت و ضرورت سے منافی کرنا اور سوسائٹی کی آزادی پر قیود عائد کرنے کے مترادف ہے۔ اسمیں کوئی شک نہیں کہ جہاں ایک مرد کو کئی بیویوں کی اجازت ہوتی ہے وہاں اس جواز کی آڑ میں مرد عموماً نفس پروری کو انسانی جامہ پہنانے کی کوشش کرتا ہے لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ سوسائٹی میں متعدد بیویاں رکھنے کے جواز کی ضرورت پڑتی ہے اور ایک مرد کے ایک بیوی کا قانون سوسائٹی کے لئے نامکمل ثابت ہوتا ہے آئیے اب غور کریں کہ ایک متمدن سوسائٹی بوقت ضرورت مرد کو کئی بیویوں کی کیوں اجازت دیسکتی ہے اور عورت کو یہی حق دینا کیوں ضروری نہیں ہے۔ (باقی آئندہ)

کپتان ڈاکٹر نصیر الدین احمد

جلوس کا قصہ دہراتا میں بھی اس سے ہنس ہنس کر باتیں کرتی تھی۔ جب میں پانی لانے کے لیے اس کو گود سے اُتار کر چلی گئی اور تھوڑی دیر بعد پانی لے کر واپس آئی تو میں نے دیکھا کہ وہ زمین پر خاموش بیٹھا ہوا کچھ سوچ رہا ہے۔ میں نے پانی دیا مگر اس نے پینے سے انکار کر دیا میں نے بہت کچھ سمجھایا مگر وہ مانتا ہی نہ تھا۔ وہ زمین پر لوٹ رہا تھا میں حیران تھی کہ آخر اس کو یکایک کیا ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ خود ہی کپڑوں پر سے خاک جھاڑتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور میری طرف دیکھ کر کہنے لگا۔ "اماں میں تم سے یہ دریافت کرنا بھول گیا تھا کہ میں اپنا لال کوٹ اور ٹوپی پہن کر باجوں کے ساتھ گاؤں میں اِدھر اُدھر گھومتا پھروں گا۔" میں نے ہنس کر کہا "بیٹا ہم غریب آدمی ہیں ہمارے پاس لال کوٹ اور ٹوپی کہاں۔" یہ سُن کر اس نے پھر مجھ سے پوچھا "تو کیا میرے لئے تمہارے پاس لال کوٹ اور ٹوپی نہیں ہے تم غلط کہتی ہو۔ موہن مجھ سے کہتا تھا کہ چھوٹے سرکار کو لال کوٹ اور ٹوپی اُن کے ماں باپ نے پہنایا ہے۔ کیا تم میری ماں نہیں ہو اچھا جاؤ اب ہم روٹی نہیں کھائیں گے۔"

میں اس کو روٹھتا ہوا دیکھ کر منانے کے لئے اس کی طرف دوڑی۔ مگر وہ اپنا ہاتھ مجھ سے چھڑا کر اس پہاڑ کی طرف بھاگ گیا۔ جہاں سے بہت رات گئے تم اور میں اُس کو ڈھونڈھ کر جھونپڑی کی طرف لائے تھے۔"

اگرچہ کہ وہ چھ برس کا تھا مگر بلا کا ہوشیار تھا۔

اتنا کہہ کر رادھا خاموش ہو گئی کیونکہ اب اس کی آواز بھرّائی تھی اور اس کی آنکھوں میں آنسو اُمنڈ رہے تھے۔

"تم سچ کہتی ہو رادھا وہ بہت ہی ہوشیار تھا۔ اچھا اُس نے پھر کبھی تم سے کوٹ اور ٹوپی مانگا تھا؟"

"نہیں تو اس نے پھر کبھی نہیں مانگا البتہ میں اُسے کوٹ اور ٹوپی پہنا کر سینے سے لگانا چاہتی تھی"۔ رادھا نے ساری کے آنچل سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"کیا کہا، تم اسے کوٹ اور ٹوپی پہنانا چاہتیں یہ کیسے رادھا"۔

سنو وہ بچہ تھا اس کی ضد بچپن کی ضد تھی وہ دوسرے دن سے سب کچھ بھول گیا اس نے پھر کبھی مجھ سے کوٹ اور ٹوپی نہیں مانگی۔ اس طرح کئی مہینے گذر گئے ایک دن شام کے وقت وہ دوسرے بچوں کے ساتھ جھونپڑی کے پیچھے کھیل رہا تھا میں جھونپڑی میں چولھے کے پاس بیٹھی ہوئی آگ سلگا رہی تھی۔ وہ سب بچے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ میں کان لگائے ہوئے ان کی باتیں سُن رہی تھی۔ موہن اس سے کہہ رہا تھا کل پھر ہم چھوٹے سرکار کو دیکھنے جائیں گے۔ کیا تو بھی چلے گا وہ تھوڑی دیر تک خاموش رہا شاید وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ موہن نے پھر کہا کیا تو نہیں چلے گا نہیں میں نہیں چلوں گا۔ میری ماں کہتی تھی کہ ہم غریب آدمی ہیں ہمارے پاس کوٹ اور ٹوپی کہاں ہیں تو۔ . . . شاید وہ کچھ اور کہنا چاہتا تھا مگر موہن کا چھوٹا بھائی دوڑتا ہوا آیا اور اُس نے اپنے بھائی کو گھر چلنے کو کہا میں روٹی کو جلتا چھوڑ کر جھونپڑی کے چھت کے سوراخ سے دیکھنے لگی۔ میرا بچہ سر جھکائے خاموش کھڑا تھا وہ تنہا تھا۔ شاید وہ میرے وہی الفاظ ہم غریب آدمی ہیں

ہمارے پاس کوٹ اور ٹوپی کہاں دل ہی دل میں یاد کرکے آزردہ ہو رہا تھا۔

اب مجھے افسوس ہو رہا تھا کہ میں نے کیوں ایسی بات کہدی جس سے میرا دل آزردہ ہوگیا ہے میں نے تہیہ کرلیا کہ اب میں اس کے لئے کوٹ اور ٹوپی تیار کروں گی اور اس پر موتی بھی ٹانکوں گی جب میرا لال وہ کوٹ اور ٹوپی پہنے گا تو اس کو سینے سے لگا کر خوب پیار کروں گی۔

مگر میرے پاس تو پیسے نہیں تھے پھر بھلا کوٹ اور ٹوپی کیوں کر تیار ہو گی میں نے خوب سوچ کر یہ صلاح ٹھہرائی کہ موہن کی ماں کے پاس جا کر کچھ دھان بیچ دوں اگرچہ گھر میں دھان آئندہ فصل تک کھانے کے لئے بھی ناکافی تھے مگر میں نے ارادہ کرلیا کہ آئندہ سے شام کا کھانا ترک کردونگی اس طرح میرے ایک وقت کے جو دھان بچ گئے تھے وہ بیچ کر کوٹ اور ٹوپی کا کپڑا خریدونگی۔ دوسرے دن میں دھان لئے ہوئے موہن کی ماں کے پاس گئی اور اس کے ذریعہ وہ دھان فروخت کئے مجھے دھان کے معاوضہ میں سوا روپیہ ملا۔ میں نے موہن کے باپ کے ذریعہ اس ایک روپیہ چار آنے میں کوٹ اور ٹوپی کا کپڑا اور موتی منگوائے اور فرصت کے وقت موہن کی ماں کے پاس جا کر کوٹ اور ٹوپی تیار کرنے لگی۔

کچھ دن بعد جب کوٹ اور ٹوپی تیار ہوگئی تو میں نے اس پر موتی ٹانکنے شروع کئے مگر اس دوران میں میرا بچہ بیمار ہوگیا اس کو شدت کا بخار چڑھنے لگا وہ دن بدن کمزور ہوتا جا رہا تھا اس کے مرنے سے صرف ایک دن پہلے موتی ٹانکے جا چکے تھے میں وہ لیکر اپنے بچے کے بستر کے قریب پہنچی وہ بہت ہی کمزور ہوگیا تھا اور بستر پر لیٹا ہوا پانی مانگ رہا تھا میں دوڑ کر پانی لے آئی جب وہ پانی پی چکا تو میں نے کہا۔ بیٹا کیا تم لال کوٹ اور ٹوپی پہن کر بابو جی کے ساتھ بستی میں گھومتے نہیں پھروگے؟

"نہیں اماں ہم غریب آدمی ہیں۔ ہمارے پاس کوٹ اور ٹوپی کہاں"۔

میں اس کے اس جواب پر ہنس دی اور اپنی بغل میں سے کوٹ اور ٹوپی نکال کر اس کے ہاتھ میں دیدی حیرت کے ساتھ کوٹ اور ٹوپی کو تھوڑی دیر تک گھورتا رہا اس کے چہرہ پر مسرت کے آثار نمایاں تھے اس نے وہ کوٹ اور ٹوپی میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

اماں اب میں یہ کوٹ اور ٹوپی پہن کر بابو جی کے ساتھ گھومتا پھرونگا اتنا کہہ کر وہ چیخنے لگا میں پریشان ہو کر اس کی طرف بڑھی وہ سر کے درد کی شکایت کر رہا تھا اس کے تھوڑی دیر بعد ہی جب تم کھیت سے واپس آئے اس وقت تک وہ بیہوش ہو چکا تھا۔ وہ رات بھر بیہوش رہا میں اسکے سرہانے تمام رات بیٹھی رہی۔ صبح ہو جانے کے بعد اس کو ہوش آگیا جب تم ڈاکٹر کو بلانے جھونپڑی سے باہر جا چکے تھے اس نے اپنی دونوں آنکھیں کھولدیں اور میری طرف غور سے دیکھنا شروع کردیا میں خوشی کے مارے اچھل پڑی اس لئے کہ شدید بیماری کیوجہ سے وہ کئی دن سے بالکل نحیف و ناتواں ہوگیا تھا اس کے چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی مگر اس وقت تو اسکی آنکھیں چمک رہی تھیں اور اسکے چہرے پر دوبارہ تازگی آگئی تھی وہ بولنے کی کوشش کر رہا تھا مگر اسکے حلق میں کوئی چیز اٹک کر اسکی آواز روک رہی تھی۔ اس نے آہستہ سے کہا جسکو میں نے اچھی طرح سن لیا "اماں اب میں کوٹ اور ٹوپی پہنکر بابو جی کے ساتھ گھومتا پھرونگا" اس کے بعد پھر وہ کچھ نہ کہہ سکا اس نے صرف ایک ہچکی لی جسکے ساتھ ہی روح کی آواز بند ہوگئی وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی بڑھے کسان کا گلا بھی گھٹ رہا تھا اور وہ بڑھیا کے بازو کو تھام کر تسلی دینے لگا۔ مگر اس کو بھی ضبط نہ ہوسکا وہ دوسری طرف منہ پھیر کر خود بھی رو رہا تھا۔

مرزا مہدی حسین حیدرآبادی

عدم سے وجود میں

بچہ کی پیدائش پر

میرے بچے تیری آمد سے ہوا دل باغ باغ
ہے اندھیرے گھر کا میرے تو ہی اک روشن چراغ

تیری آمد کا رہا کرتا تھا ہم کو انتظار
یاد کرتے تھے تو ہو جاتے تھے اکثر بےقرار

تو ہی اے بچے! حجابِ قدس میں مستور تھا
نور کے دریا میں تو بھی اک حبابِ نور تھا

رنگہائے گل کے پردے میں تو ہی تھا خندہ زن
تیرے ہی نغموں سے تھے مسحور تیرے ہم وطن

تیری ہی موجِ تبسم تھی گلوں میں رنگ و بو
تو ہی تھا بطنِ صدف میں موتیوں کی آبرو

تو ہی تھا ہر جنبشِ بادِ سحر میں عطر بیز
تو ہی شبنم بن کے تھا صحنِ چمن پر اشک ریز

کشت زاروں کی ہری چادر میں تو خوابیدہ تھا
کرمکِ شب تاب کی ضو میں تو ہی پوشیدہ تھا

رات کی ظلمت میں بن جاتا تھا تو ہی اک حجاب
قلبِ دریا میں بڑھاتا تھا تو ہی کیا اضطراب

شام کی رنگیں شفق میں تو ہی رنگ آمیز تھا
چاند کے پرتو میں تو ہی اضطراب انگیز تھا

ماں کی آنکھوں میں سماجاتا تھا تو ہی بن کے خواب
تو ہی اُس کی آرزوؤں کا تھا اک رنگین باب

چاند بن جاتا تھا۔ جاکر آسماں پر تو کبھی
دیکھ کر ہوتی تھی جس کو ایک بامعنی خوشی

اپنی ماں کو اپنے جلوؤں سے لبھا لیتا تھا تو
دور ہی سے اپنے نغموں کو سنا دیتا تھا تو

بیٹھ کر تاروں کے جھرمٹ میں ترا ہنسنا کبھی
یاد آتا ہے ہمیں تیرا وہ عہدِ زندگی

اب خلش یہ ہے کہ وہ جلوے ترے محدود ہیں
یعنی رنگا رنگیاں پہلے جو تھیں مسدود ہیں

ثاقب کانپوری

خط و کتابت کے وقت خریداری نمبر ضرور لکھئے ورنہ تعمیل ارشاد نہ ہو سکے گی۔ منیجر

یکسانیت

تم نے اکثر ایسے لوگ بھی دیکھے ہوں گے جو زندگی کی یکسانیت سے چیخ اٹھتے ہیں۔ ایک ہی وضع کے صبح و شام ایک ہی نہج پر گذرنے والے روز و شب ان کے تخیل کی وادیوں میں الجھن سی پیدا کر دیتے ہیں۔ جن کو احساس ہوتا ہے بعض وقت اگر کسی سے ذرا جھگڑا ہی ہو جائے تو ان کا جی ہلکا ہو جاتا ہے۔ کسی قسم کی غیر معمولی جنگ یا جھڑپ سے طبیعت کا ایک بوجھ اتر جاتا ہے۔ کبھی کبھی تو قدرت کے اس منظم پروگرام پر غصہ آتا ہے کہ کیوں اس میں ذرا کچھ تبدیلی نہیں ہوتی۔ یعنی ایسی کوئی بات جس کا ہمیں پہلے سے علم نہیں۔ یہ صبح، اس کے بعد دھیرے دھیرے دوپہر، پھر یہ دوپہر ڈھل کے شام اور پھر تاروں کی آنکھ مچولیوں میں رات کی سکینت اور خاموشی۔ جی چاہتا ہے اس منظم شیرازہ میں کبھی کچھ تھوڑی سی گڑبڑ ہو جائے۔ لیکن جس کا جی چاہتا ہے وہ ہو بھی کیوں۔ قدرت کے سنجیدہ کارپرداز ہمارے جی کے اس انوکھے فلسفہ پر غور کرنے لگتے ہوں گے۔ کہ یہ انسان بھی عجب بلا کا پتلا ہے کہ اس کو کہیں قرار نہیں۔

جنگ ایک طرح سے اچھی اور دلچسپ چیز بھی ہے کیونکہ یہ امن و سکون کی زندگی کو بدامنی و اضطراب سے بدل دیتی ہے۔ لوگ سکون و طمانیت کے عادی ہو کر عیش پسند و بے حس ہو جاتے ہیں۔ زندگی میں انہیں مزہ ملنے لگتا ہے تو وہ دوسروں کی زندگی بدمزہ کر دیتے ہیں۔ انسانی روح کو تھوڑا بہت بے اطمینان بھی ہونا چاہیئے جسمانی تعیش روح کی نزاکتوں کو مفقود کر دیتا ہے۔ اپنے سے گرے ہوئے طبقہ کی مصیبتوں کا احساس باقی نہیں رہتا۔ دولت و آرام کا نشہ انہیں اندھا بنا دیتا ہے اسی طرح بیماری۔ اس کا ہونا بھی ضروری ہے۔ ہر شخص کا پیدائشی حق ہے کہ وہ کبھی کبھی بیمار ہو جائے۔ اس وقت تک صحت کی حقیقی مسرتوں سے انسان لاعلم رہتا ہے نیز مفلسی و غریب الوطنی کی بیماری اور ان کی کلفتوں سے محض ناآشنا پرہیز انسان کے لئے چونکہ ضروری ہے۔ اور ظاہر ہے کہ بیماری میں ہی انسان پرہیز کر سکتا ہے۔ قدرت کے مظاہرے کتنے دلچسپ ہوتے ہیں۔ اور ان کی دلچسپی میں بعض وقت ایک طوالت و بے کیفی سی پیدا ہو جاتی ہے اگرچہ وہ یکساں طور پر دلچسپ ہی ہوں۔ غور کر کے دیکھئے تو بے ربطی، تغیر، تبدل، انقلاب، جدوجہد، ان الفاظ کے گورکھ دھندے میں ایک زندگی ہے، سرگرمی ہے، ایک چہل پہل ہے، ایک جان ہے۔ یکسانیت سے یہ کوسوں دور ہیں۔

بعض وقت تو اپنی ہستی سے بھی نفرت ہو جاتی ہے۔ اپنی فطرت کی یکسانیت سے تنفر سا پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر انسان فطری طور پر سچا ہے تو اس کا جی چاہتا ہے کبھی جھوٹ بول کر تھوڑی سی گڑبڑ اور چہل پہل مچا دے۔ ایک جھوٹ اور وہ بھی سفید جھوٹ کیا کچھ ہنگامے نہیں پیدا کر دیتا۔ اور کبھی کبھی اسی قسم کے ہنگاموں کو دل چاہتا ہے۔ کسی وقت غالب کے اس شعر کی لطافتوں میں کھو جانے کے لئے طبیعت چاہتی ہے ؎

رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو

اور کبھی بالکل اس کے برعکس جی چاہتا ہے کہ غدر مچا رہے۔ مصیبتوں اور ٹھوکروں کا سامنا کر کے ان سوتے ہوؤں کو قدرت جھنجھوڑ کر اٹھا دے جن کے دل کی حس ہی مٹ گئی ہے۔ جو کسی غریب کی آہ کو سنکر اس کا مضحکہ اڑاتے ہیں جن کا دل پتھر سے زیادہ سخت اور برف سے زیادہ سرد ہے۔ قدرت ان کو بے چین کر دے تاکہ وہ مضطرب طبقہ کے آلام و افکار سے بھری ہوئی عبرت ناک زندگی کا کچھ دیر مطالعہ کریں۔ وہ سب اس طرح جاگ اٹھیں جیسے کوئی خواب پریشاں دیکھا ہو جو دکھی کی پکار پر برگشتہ خاطر ہو جاتے ہیں۔ جن کے من کی حس ہی مٹ گئی ہو خدا ان کے اس پتھر اور فولاد جیسے من کو پارے کی طرح پگھلا دے۔ غرضکہ کسی چیز کی بھی زیادتی کثرت و یکسانیت سے وحشت و الجھن سی ہونے لگتی ہے۔ نہ معلوم کیوں۔ قدرت کو خود سیدھی سادھی زندگی پسند نہیں۔ اسی لئے دنیا میں نت نئے انقلاب ہوتے ہیں۔ یکساں طور پر کبھی کسی کی نہیں گذری۔ جو لوگ دنیا سے اکتا جاتے ہیں سنا ہے دنیا بھی اُن سے اکتا جاتی ہے۔ کیا واقعی ہ یکسانیت پسند طبائع کی زندگی ایک غیر فطری زندگی معلوم ہوتی ہے۔ وہ بھی کوئی جیون ہے جس میں انقلاب کے جوار بھاٹے نہ ہوں آئیں اسی یکسانیت سے اکتا کر شاعر چیخ اٹھتا ہے ؎

اے کاتب تقدیر نوشتہ میرا دستور نہیں کیا نظر ثانی کا

ممکن ہو اس نظر ثانی کے بعد اس کے نوشتہ تقدیر میں کچھ خوش آیند تبدیلی ہو جائے۔

زندگی کی کسی چھوٹی بڑی بات میں توازن نہیں ہے۔ اور اس توازن کا نہ ہونا ہی انسانی فطرت کے لئے ایک ضروری سزا ہے۔ بلکہ یہ سزا ہی معراج ہے۔ ہم ہوش و حواس کی دنیا میں سانس لیتے لیتے اتنے مغرور اور آپے سے باہر ہو جاتے ہیں کہ بڑے جوش میں آ کر اتراتے ہوئے یہ گنگنانے لگتے ہیں ؏

دیوانہ بنانا ہے تو دیوانہ بنا دے

مگر جب واقعی کسی حادثہ یا کمزوری اعصاب کی وجہ سے قدرت ہمیں دیوانہ بنا دیتی ہے تو دیکھنے والے ہمارا تماشہ دیکھتے ہیں۔ ہماری عبرت انگیز زندگی پر سب ہنستے ہیں۔ ہماری حرکتوں پر نکتہ چینی ہوتی ہے۔ ہم پر فقرے کسے جاتے ہیں۔ ہمارا خاصہ تماشہ ہو جاتا ہے اور تماشائیوں کا ہجوم الگ۔ ہاں روح لیکن یہ سب کیا ہے؟ یہ عقل و ہوش کی زندگی بعض وقت اتنی کیوں اجیرن ہو جاتی ہے کہ بے اختیار ہماری زبان سے یہ مہمل مصرعہ نکل جاتا ہے جس کے مفہوم سمجھ کر ہی انسان دیوانہ ہو جائے۔ ایک موسیقی اور لطف اس کے گانے میں ضرور ہے۔ ایک ایسا سرور جس سے انسان مست و بیخود ہو جاتا ہے۔ ایسے موقع پر اگر ہم اس نظریہ پر ایمان لے آئیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں کہ شاعری پیٹ بھرے کا سودا ہے اور شاعری زندگی اور حقیقت سے گریز کا نام۔ شاعر ایسی زندگی کو بیکار سمجھتا ہے جس میں کوئی ہنگامہ نہ ہو۔ اس کے نزدیک ایسی یکساں زندگی ایک بے کیف و بے لطف سلسلہ ہے۔ کوئی منچلا شاعر تو بڑا دل و جگر کر کے ؏

بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا

کا فتویٰ سُنا دیتا ہے۔ غالب کی آنکھوں کو تو تماشہ سے غرض ہے اب اس کی انہیں پروا نہیں کہ سامان محشر ہی کیوں نہ رونما ہو جائیں۔ مختصر یہ کہ زندگی ہنگامہ پسند ہوتی ہے۔ ہنگامہ و چہل پہل ہی سے اس کا رس ہیں۔ کوئی چیز مخل اوقات ہو تو بے لطفی کے ساتھ ایک لطف و سرور بھی ملتا ہے۔ سکون و آرام بعض وقت بلائے بے درماں بن جاتے ہیں۔ اخبار روزانہ نکلتے ہیں۔ کوئی انہیں خاص طور پر دیکھنے کی زحمت نہیں اُٹھاتا۔ لیکن یہی روزانہ اخبار کسی پر تہمت، بہتان، حملے اور اعتراض کی بوچھاڑ لئے جب نکلتا ہے تو اس کی مانگ بڑھ جاتی ہے۔ گالیاں کوئی سُنتا ہے۔ نشانِ ملامت کوئی بنتا ہے تو مزہ کسی اَور کو ملتا ہے۔ ان اخبارات کے کالم دس دس پندرہ پندرہ وقت پڑھ کر بھی دل ٹھنڈا نہیں ہوتا۔ کسی کے عیب انسان کتنی دلچسپی سے سنتا ہے۔ ویسے ہی کسی کی تعریف پہلے تو یہ کہ زندگی میں یہ لفظ کبھی شرمندۂ معنی نہ ہوا۔ مرنے کے بعد بھی اگر کہیں کسی کی نیکیوں کا بیان ہو تو سُننے سے طبیعت اُکتانے لگتی ہے۔ یہ تقاضائے فطرتِ انسانی ہے!! خیر تو ان معترضہ جملوں کو نظر انداز کر کے آپ صرف یکسانیت کے مسئلہ پر غور کیجئے کہ یہ لفظ اپنے اندر کتنی تبدیلیوں کے لئے کروٹیں بدل رہا ہے۔

کسی نے یکساں زندگی کو ٹھہرے ہوئے پانی سے تشبیہ دی ہے اور ظاہر ہے کہ ٹھہرے پانی میں بدبو ہو جاتی ہے۔ بہتا پانی صاف و شفاف ہوتا ہے۔ کبھی وہ آبشار کی شکل میں پتھر کے قلب کو چیرتا ہوا نکل جاتا ہے، کہیں نہر کی شکل میں آس پاس کی خودرو جھاڑیوں کو سیراب کرتا ہے تو کہیں ندیوں اور سمندروں میں محدود ہو کر کسی طوفان کا منتظر رہتا ہے۔

جہاں بانو۔ ایم اے (عثمانیہ)

لیموں

زکام ہو گیا ہو تو ایک لیموں گرم راکھ میں دبا دیں۔ جب پک کر پھوٹ جائے تو اس میں ایک چمچہ شہد ملا کر دن میں تین چار مرتبہ استعمال کریں۔ جب تک فائدہ نہ ہو جائے۔

بخار کی حالت میں اگر حرارت بڑھ گئی ہو تو مریض کو ایک لیموں چوسنے کو دیں۔ حرارت کم ہو جائے گی۔

کچا لیموں کاٹ کر سرکہ میں ملنے سے بال نرم و ملائم ہو جاتے ہیں۔ کھجلی اور خشکی بھی دُور ہو جاتی ہے۔ سر میں درد ہو تو لیموں کاٹ کر ماتھے اور کنپٹیوں پر ملنے سے آرام ہو جاتا ہے۔

لیموں کے رس میں کشتہ جست ملا کر آنکھوں میں لگانے سے سُرخی۔ خارش دُھند وغبار کو فائدہ ہوتا ہے۔

دل و جگر کے تمام امراض کو دُور کرتا ہے خون صاف کرنے کے لئے بہترین دوا ہے۔ رات کو سوتے وقت چہرہ پر ملنے سے جلد نکھارتا ہے کیل چھائیاں دُور ہو جاتی ہیں۔ صبح سویرے اُٹھ کر ایک پیالہ پانی میں لیموں ڈال کر پینے سے معدہ، جگر، انتڑیوں اور تلی کے امراض دُور ہو جاتے ہیں۔

گلشن آرا پروین۔ ایبٹ آباد

ایک بہن سے ملاقات

اپریل کی چھٹیاں تھیں میں اور ماموں جان ملتان جا رہے تھے۔ صبح کا سہانا وقت ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی جہاں تک نظر جاتی سرسبز گھاس لہلہا رہی تھی جس پر پانی کے سفید قطرے مثل موتیوں کے پڑے ہوئے تھے۔ آسمان پر صاف شفاف نیلگوں کبھی سفید سفید بادلوں کے ٹکڑے دیکھ کر قدرت کی صناعیاں نظر آتی تھیں میں کھڑکی سے سر لگائے محو حیرت دیکھ رہی تھی گاڑی فراٹے بھرتی ایک سیاہ فام کوہ پیکر اژدہے کی طرح پھنکارتی رینگتی جا رہی تھی کہ اچانک میری نظر ایک خاتون پر پڑی جو سامنے کی سیٹ پر ایک تکیہ سا برقعہ سر کے نیچے رکھے لیٹی ہوئی ایک انگریزی اخبار دیکھ رہی تھیں۔ لباس نہایت سادہ مشرقی تھا مجھے ان کے لباس اور سادگی کو دیکھ کر خیال ہوا کہ یہ انگریزی کیا جانتی ہوں گی محض ان کی ایک بناوٹ ہے۔ جیسے کہ عام طور پر شہروں میں دیکھا جاتا ہے یہ انہیں جاہل لوگوں میں سے ہوں گی جو شام کے وقت پورے اپٹوڈیٹ بن کر ہاتھ میں ہندوستان ٹائمز یا گزٹ وغیرہ دبائے جس سے ان کی پوری قابلیت کا اظہار ہو سکے تفریح گاہوں میں مٹر گشت کرتے نظر آتے ہیں۔ لیکن اگر کہیں کچھ پڑھنے لکھنے کا موقعہ آجائے تو کوئی غریب ناخواندہ اپنا کوئی خط وغیرہ پڑھوانے لگے تو بس اب کیا تھا کچھ نہ کچھ بہانہ کر کے اور کان دبا کر بھاگتے ہیں تو ان لوگوں کو اس قدر نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہوں کہ اگر میرا بس چلے تو فوراً کان پکڑ کر ان کو دریائے جمنا کے کنارے پہنچا آؤں۔

میں ہمت کر کے ان خاتون کے قریب جا بیٹھی انہوں نے نہایت شفقت کے ساتھ اپنے پاس بیٹھنے کو جگہ دی اور نہایت شریفانہ انداز میں سبب دریافت کیا۔ پہلے تو میں یہ دیکھنے چلی آئی تھی کہ آپ کیا پڑھ رہی ہیں انہوں نے آہستہ سے جواب دیا کہ یہ انگریزی کا اخبار ہے۔ بیٹھے بیٹھے طبیعت گھبرائی تو یہ دیکھنے لگی میں نے ان سے دو چار خبریں سننے کو کہا تو معاملہ ہی برعکس نکلا انہوں نے جھٹ دو چار خبریں سنائیں۔ میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی ان کے لب و لہجہ سے کافی تعلیم کا اظہار ہوتا تھا اور اب جو انہوں نے مجھ سے انگریزی میں باتیں کرنا شروع کر دیں تو میں سوائے چار پانچ باتوں کے اور کسی کا جواب بھی نہ دے سکی۔ اور وہ یہ محسوس کر کے کچھ اداس ہو گئیں۔ میں نے بات کا رخ پلٹتے ہوئے کہا "کیا آپ تنہا سفر کر رہی ہیں"۔ وہ بولیں۔

"نہیں میرے خاوند بھی ہیں جو برابر والی گاڑی میں بیٹھے ہوئے میرے ساتھ ہیں۔۔۔ انہی کا یہ اخبار ہے جو دراصل میرے پاس رہ گیا تھا۔ میں نے کہا آپ کے خاوند کونسے محکمے میں ملازم ہیں تو معلوم ہوا کہ انشورنس کمپنی کے ایجنٹ ہیں۔ یہیں تک گفتگو ہونے پائی تھی کہ انہوں نے باہر کھڑکی کی جانب دیکھتے ہوئے کہا بہن غالباً ظہر کا وقت ہو گیا ہوگا میں نماز پڑھ لوں تو پھر اور باتیں کروں گی۔ اتنا سنتے ہی مجھے اور بھی تعجب ہوا۔ تعلیم اس قدر اچھی اور نماز روزہ کی پابند۔ لباس میں اس قدر سادگی اور ایک معمولی ایجنٹ سے شادی۔ نماز سے جب وہ فارغ ہوئیں اور میں نے حالات پوچھے تو انہوں نے میرے اصرار پر کہا بہن اب میں اپنے والدین کی ایک ہی بیٹی ہوں میرے تین بھائی بھی تھے لیکن دو تو بچپن ہی میں فوت ہو گئے۔ بڑا بھائی جو کہ لکھنؤ میڈیکل کالج میں تعلیم حاصل کر رہا تھا اچانک طاعون کے مہلک مرض میں مبتلا ہو کر دو دن میں اس جہان فانی سے کوچ کر گیا۔ آہ میری آنکھیں ابھی تک اس کی متلاشی ہیں۔ کان ابھی تک اس کی دلکش آواز سننے کے لئے ترس رہے ہیں۔ مجروح دل اس کے لئے بے قرار ہے۔ مگر اب وہ محال ہے اتنا کہنے کے بعد ان کی آنکھیں پرنم ہو گئیں اور آواز حلق میں اٹک کر رہ گئی۔ میرے تسکین دینے پر پھر انہوں نے سلسلۂ کلام یوں جاری کیا

راشد کے فوت ہوجانے کے بعد والدین کو ہر وقت فکر رہتی اور وہ ہر طرح مجھے خوش رکھنے کی کوشش کرتے کیونکہ اب سوائے میرے اور کوئی نہ تھا۔ ایک دن میں حسبِ معمول تفریح کے لئے گئی ساتھ ملازمہ بھی تھی، بہار کا آغاز تھا، شام کا وقت، اس وقت خاموش سمندر کے کنارے کنارے شبنم سے دھلے کھیتوں میں پاپیادہ چلنا کس درجہ مسرت خیز ہوتا ہے جبکہ ہر شخص اپنے آپ کو نوجوان محسوس کرنے لگتا ہے اور مردہ اُمیدیں اور جوانی کے بھولے بسرے خواب از سر نو شگفتہ ہوجاتے ہیں۔

میں سمندر کے کنارے گذرتی ہوئی ایک سڑک پر چل رہی تھی غلے کے پودے ساکت و جامد کھڑے تھے سمندر میں لہریں آہستہ آہستہ اٹھ رہی تھیں اس وقت میرے ذہن میں کوئی خیال جاگزیں نہ تھا۔ میرا دل نہایت اطمینان کی حالت میں تھا اور میرے قدم ہلکے پھلکے معلوم ہوتے تھے مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی سنہری خواب دیکھ رہی ہوں جس کو آدمی کو کبھی سیری نہ ہو دولت عزت راحت کے سنہری خواب' میرا جی چاہتا تھا کہ یہیں رہ جاؤں۔ آخر ملازمہ نے کہا گھر چلو کافی دیر ہوچکی ہے۔ میں واپس آکر کمرے میں پہونچی اور خادمہ کو لباس تبدیل کرنے کے لئے کہا وہ فوراً نائٹ ڈریس لے آئی۔ بہن اس زمانہ میں میرا خیال لندن اور پیرس کی شوقین طبع خواتین سے کم نہ تھا بلکہ میرا پایہ ان سے بھی کہیں آگے بڑھا ہوا تھا۔ اس لئے کسی کی ذرا سی غلطی بھی ایسی ناگوار معلوم ہوتی کہ پیشانی پر بل پڑجاتے۔ غصہ سے چہرہ تمتما اُٹھتا اور اپنے نوکروں میں سے جن کی ذرا سی غلطی ہوتی اس کو کافی سزا دے بیٹھتی اس لئے اس روز بھی نائٹ ڈریس لانے والی کو بے انتہا سزا محض اس بات پر دی کہ اس میں کل رات کی شکنیں جو سونے سے پڑگئی تھیں ابھی تک موجود تھیں۔ دربان کو بلا کر نائٹ ڈریس واشنگ فیکٹری کو بھجوا دیا اور والدہ کے کمرے میں جاکر نوکروں کی شکایت کی کہ آپ نے مجھے اس قدر کم فہم و جاہل نوکر عطا کئے ہیں کہ وہ میرا کوئی کام بھی ٹھیک نہیں کرتے میں ابھی اور کچھ کہنا چاہتی تھی کہ والد صاحب بھی ٹینس گراؤنڈ سے واپس آگئے چند منٹ تک میری تسلی و تشفی کرتے رہے کیونکہ وہ مجھے ذرا بھی رنجیدہ دیکھنا گوارہ نہ کرتے اتنے میں کھانے کی گھنٹی بجی اور ہم تینوں اٹھ کر کھانا کھانے چلے ہمارا کھانے کا کمرہ بھی تاج محل ہوٹل کے کسی خاص کمرے سے کم نہ تھا۔ علاوہ آرائشی فرنیچر کے صدر میں ایک بہت بڑی میز لگی ہوئی تھی جس کے چاروں طرف کرسیاں تھیں اور اس پر کھانا چنا جاتا تھا کیونکہ ہمارا سارا خاندان مغربی فیشن کا دلدادہ تھا ہمارے یہاں پردہ نماز روزہ یا دیگر اسلامی مشرقی رسوم کچھ نہ تھیں۔ خیر کھانے کے بعد میں اپنے کمرے میں آگئی اور لباس تبدیل کرکے جو پریس ہوکر آگیا تھا پلنگ پر لیٹ گئی آسمان بالکل صاف تھا ہوا نہایت خوشگوار تھی۔ لیٹتے ہی مجھے ناصر کا اور اس کے ساتھ آئندہ زندگی بسر کرنے کا خیال آیا۔ یہ میرا ماموں زاد بھائی تھا اور میں اسی کے ساتھ منسوب کی گئی تھی۔

میری چچا زاد بہن ساجدہ کی بچپن سے ہی میرے بھائی راشد سے منگنی ہوئی تھی۔ راشد کے فوت ہوجانے کے بعد ناصر کو اکیلا ولایت بھیج دیا گیا۔ راشد زندہ رہتا تو دونوں جاتے۔ مگر اب ناصر کو اکیلا جانا پڑا۔ اور اس کے ولایت سے واپس آنے پر میری تاریخ شادی کی مقرر ہوچکی تھی۔ میں نے اور ساجدہ نے بی اے پاس کرلیا تھا۔ ہاں تو میں کچھ سوچ رہی تھی اور انہی خوش کن خیالات میں نہ معلوم کس وقت نیند آگئی اور میں سوگئی میرا خیال ہے کہ مجھے سوئے ہوئے تھوڑا وقت ہی گذرا ہوگا کہ میں نے ایک بہت ڈراونا خواب دیکھا جس کی وجہ سے میں بیہوش ہوکر پلنگ سے نیچے گر پڑی۔ جس وقت میری آنکھ کھلی دیکھا چاروں طرف سب جمع تھے اور مجھے ہوش میں لانے کی تدبیریں کر رہے تھے میں اپنے کمرے میں موجود تھی میرا دل دھڑک رہا تھا آنکھوں سے آنسو جاری تھے تھوڑی دیر بعد اوسان درست ہوئے تو کچھ سوچ کر اٹھی وضو کیا اور وظیفہ فجر ادا کرنے میں مشغول ہوگئی اگرچہ مجھ کو اس وقت نماز نہ آتی تھی لیکن نیت نماز ہی کی تھی اس لئے نہ معلوم کس کس طرح سجدے کئے ہوں گے اور نہ معلوم کیا پڑھا ہوگا۔ ہمارے خاندان میں پہلا موقعہ تھا کہ نماز پڑھنے کا شرف مجھے حاصل ہوا اور کچھ غلط سلط سجدے کئے اور اس دن سے میرے خیالات میں بہت سا تغیر

ہو چکی تھی۔ نماز اب میں ہر وقت کی ادا کرتی ہوں۔ ناصر کا خیال میرے دل سے کم ہوتا گیا۔ اس نے اس کی شادی ساجدہ سے کردی گئی۔ جو کہ میری بھاوج بننے والی تھی میرے اور ناصر کے خیالات میں زمین و آسمان کا فرق تھا وہ مغربیت میں ڈوبا ہوا۔ میں مشرق کی دلدادہ۔ ناصر شادی کے چار ماہ بعد پھر ولایت گیا مگر وہیں کا ہو گیا۔ کسی انگریز خاتون سے شادی کرلی اور نو دس سال سے وہیں ہے۔

میری شادی میری مرضی کے مطابق ایک غریب لیکن شریف اور نیک نوجوان سے کردی گئی۔ راحت کے پہلے سے سامان تو موجود نہیں مگر بہت خوش ہوں۔ لوگوں نے غلطی سے زر و جواہر کے ڈھیروں کو مسرت کا مرکز سمجھ رکھا ہے حالانکہ خوشی زر و جواہر میں نہیں دل کے اطمینان اور طبیعت کے سکون میں ہے۔ وہ آجتک میرے ذراسے اشارے پر اپنی جان قربان کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ اور میں بھی ان کی مہربانیوں سے اس قدر خوش ہوں! لیکن آہ ساجدہ تقدیر کی بہت خراب نکلی۔ ساجدہ خوبصورت ہے تعلیم یافتہ ہے۔ مگر ناصر نے ولایت جا کر اُسے طلاق دیدی۔ اور وہ بیچاری آج تک خستہ حالت میں ہے۔ میں بیوہ ہوں، مگر اس قدر خوش ہوں کہ . . . . السّلام علیکم۔ خدا حافظ۔

میں چونک پڑی دیکھا تو گاڑی اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر کھڑی ہے۔ وہ پلیٹ فارم پر اُتر چکی تھیں نہ گاڑی چھوٹ گئی غالباً وہ میری وجہ سے بہت دیر کے بعد اُتریں۔ لیکن مجھ پر اس قدر محویت طاری تھی کہ ان کا پتہ وغیرہ بھی دریافت نہ کرسکی اگر یہ مضمون ان کی نظر سے گذرے تو وہ ضرور اس پتہ پر مجھے یاد فرمائیں۔

مس امتہ المحمودہ

(بنت شیخ محمد عبداللہ صاحب اگزیکیٹو انجنیر۔ گوبند رام اسٹریٹ چاہ جٹان۔ سیالکوٹ)

باقی صفحہ ۲۴۳ کا

قرین عقل نہیں اس سلسلہ میں کسی کی کوشش اگر کامیاب ہوسکتی ہے تو ان خواتین کی جن کو خدا نے بیٹے کی نعمت عطا فرمائی ہے ان کو چاہیئے کہ اس نعمت کے شکرانہ میں اپنے ہم جنسوں کی بہبودی کی کوشش کریں اپنے اور اپنے گھر والوں کے خیالات بدلیں زر پرستی کو چھوڑ کر سیرت اور اخلاق کی خوبیوں کی قدر کریں۔ ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ بالکل جہیز قبول ہی نہ کریں اور ننگی بچی بہو کو لا کر خود اس کی تمام ضروریات کی تکمیل کریں مطالبہ کرنا ہماری زیادتی ہوگی ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ وہ سیرت اور اخلاق پر روپیہ کو ترجیح نہ دیں ایک اچھے اخلاق والی لڑکی کو صرف اُسی قدر جہیز کے ساتھ قبول کریں جو اُس کے ماں باپ بسہولت فراہم کرسکیں اور اگر سامان ماں باپ کی ظاہری حیثیت سے کم ہو تو طعن و تشنیع سے بہو کے دل و جگر کو نہ چھیدیں۔ اگر انہوں نے اتنا بھی کرلیا تو بیڑا پار ہے بہت جلد حالات کی معقول اصلاح ہو جائے گی۔ کیا ہماری ہزاروں عصمتی بہنوں میں چند بھی ایسی بلند حوصلہ نہ نکلیں گی جو اپنی قوم کی بے کس لڑکیوں کی خاطر اس کی عملی کوشش شروع کردیں؟

دُردانہ (حیدر آباد دکن)

جہیز

ان تمام قابل اصلاح رسوم میں جنہوں نے ہماری معاشرت کو گھن لگا رکھا ہے سب سے زیادہ اصلاح کے قابل رسم جہیز کی ہے خصوصاً حیدرآباد دکن میں یہ ایک اہم ترین مسئلہ ہو گیا ہے۔ اکثر زبانوں سے یہ الفاظ نکلنے لگے ہیں کہ اگر صورتِ حال میں جلد کوئی اصلاح نہ ہوئی تو عجب نہیں کہ زمانہ جاہلیت کی دختر کشی کا پھر سے رواج ہو جائے۔ یہ رواج ہو یا نہ ہو لیکن وہ دن میرے خیال میں دور نہیں جبکہ بنگال کی طرح یہاں بھی لڑکیوں کی خودکشی کے واقعات سننے میں آنے لگیں کیونکہ ان حالات کا نتیجہ آخر اور کیا ہو سکتا ہے کہ سینکڑوں نوجوان لڑکیاں جو ہر طرح شادی کے قابل ہیں محض جہیز کی کمی کی وجہ سے کنواری بیٹھی ہیں۔ اور ماں باپ خصوصاً بیچاری ماں ان کی وجہ سے دنیا ہی میں دوزخ کا عذاب بھگت رہی ہے رات دن کی فکر و پریشانی نے صحت میں گھن لگا دیا ہے اکثر جگہ مجبور ہو کر باپ ہر طرح کے کردنی و ناکردنی ذرائع حصول دولت کے لئے اختیار کر لیتے ہیں اور پھر اس کے نتیجہ کے طور پر ذلت و پریشانی میں مبتلا ہوتے ہیں کہیں تعلیم کے شوقین ہونہار لڑکوں کی تعلیم کو صرف اس لئے روکنا پڑتا ہے کہ سینہ پر رکھی ہوئی سل کسی طرح ہٹائی جاسکے خود میرے واقف کاروں میں آجکل اس کی مثال موجود ہے تعلیم کا بے انتہا شوقین لڑکا اعلیٰ تعلیم کے لئے ترس رہا ہے لیکن اس کے لئے اتنی کفایت بھی نہیں ہوتی ہے کہ وہ نصاب کی کتابیں تک نہیں خرید سکتا۔ بڑی دشواریوں سے کام چلاتا ہے اور بہن صاحبہ کے نئے قیمتی جوڑے تیار ہو رہے ہیں۔ لیکن باوجود اس زبردست قربانی کے انیس ۱۹ بیس سال کی عمر ہو جانے کے باوجود کوئی بر نہ مل سکا۔ ایک جگہ معاملہ تقریباً پختہ ہو چکا تھا لیکن جیسے ہی انہیں جہیز کی تفصیل معلوم ہوئی انہوں نے فوراً دوسری جگہ معاملہ کر لیا جہاں سامانِ جہیز کے علاوہ دو مکانات بھی دئے گئے۔ کچھ زیادہ عرصہ نہیں گذرا اخبارات میں شائع ہو چکا ہے کہ ایک صاحب نے اپنی بیٹی کی شادی سے ایک روز قبل صرف اس لئے خودکشی کر لی کہ ساہوکار نے پختہ وعدہ کرنے کے بعد عین وقت پر قرض دینے سے انکار کر دیا تھا اور وہ موعودہ جہیز دینے سے قاصر تھے۔ یہ ایسا واقعہ تھا۔ اگر کوئی زندہ قوم ہوتی تو فوراً کوئی نہ کوئی حل اس کا سوچا جاتا۔ مگر ہماری بے حسی کی انتہا ہے کہ کان پر جوں تک نہ رینگی اور وہی حالات بدستور موجود ہیں بلکہ اور بدتر ہوتے جا رہے ہیں۔ عرصہ کے بعد اس مرتبہ لیڈیز کانفرنس کے اجلاس میں اس کے متعلق تجویز پیش ہوئی اور کچھ بحث و مباحثہ بھی ہوا عملی نتیجہ کا ابتک انتظار ہے لیکن حسب عادت اور حسب توقع معاملہ صفر ہی رہا بھلا ایسی رسموں کی اصلاح کہیں صرف ریزولیوشن پاس کر لینے سے ہوتی ہے یہ تو ایسا اہم مسئلہ ہے کہ کانفرنس اپنے اجلاس کا تمام وقت صحیح طریقہ کار کے متعلق بحث و تمحیص کیلئے وقف کر دیں اور پھر سال بھر تک تمام اراکین پوری سرگرمی کے ساتھ عملی نتائج کے حصول کی کوشش کریں تو کبھی جا کر اس کا کچھ حق ادا ہو سکتا اور بیداری کی امید ہو سکتی ہے۔ ورنہ تجاویز پاس کر دینے سے اگر اصلاح ہو سکتی تو آج ہماری قوم نہ معلوم عروج کی کس منزل پر ہوتی کیونکہ تجاویز پاس کر لینے کا فن تو ہم نے بھی خوب سیکھ لیا ہے۔

میرا ہمیشہ سے خیال ہے کہ اس کی اصلاح نہ تو قانون سے کما حقہ ہو سکتی ہے نہ یہ لڑکی والوں کے کرنے کا کام ہے کیونکہ وہ تو دل سے چاہتے ہیں کہ اسکی اصلاح ہو مگر بے بس ہیں کیونکہ غرض ان کی ہوتی ہے عجیب زمانہ آیا ہے یا تو وہ کیفیت تھی کہ لڑکے والے منت خوشامدیں کرتے تھے طرح طرح کے وعدے وعید ہوتے بقول کسے پرتے پھٹتے اور جوتیاں ٹوٹتیں تب کہیں لڑکی والوں کی منظوری حاصل ہوتی اب یہ تمام مراحل خود لڑکی والوں کو طے کرنے پڑتے ہیں۔ جو لوگ ایسے ہیں جو اس کو اصول کے خلاف برا سمجھتے ہیں وہ پچیس پچیس سال تک بیٹیوں کو بٹھا رکھنے پر مجبور رہتے ہیں۔ اور اس کے بعد بھی کامیابی ممکن نہیں۔ جب تک کہ وہ کسی نہ کسی حد تک اپنے اصول سے نہ ہٹیں۔ اس لئے لڑکی والوں کو اس کا ذمہ دار سمجھنا کسی طرح (باقی صفحہ ۲۴۲ پر)

اپریل فول

راجکماری بالوجہ ایم بی بی ایس کا تقرر حال ہی میں گوجرانوالہ ہوا ہے۔ کئی برس دہلی جیسے پُر رونق شہر میں بسر کرنے کے بعد اب گوجرانوالہ میں طبیعت اُداس رہتی ہے۔ لیکن شاہدہ کا دَم غنیمت ہے۔ دونوں نے ایام کالج اکٹھے گذار تھے۔ اور اب خوش قسمتی سے شاہدہ کے خاوند کا تبادلہ بھی گوجرانوالہ ہوگیا تھا۔ راج کماری کو جب اپنے کام سے فرصت ملتی تو شاہدہ کے ہاں جا پہنچتی۔ شاہدہ اپنی پُر مذاق طبیعت کے باعث کالج بھر میں ہر دل عزیز تھی۔ اور اب بھی وہ ہر دم ہنسنے اور ہنسانے کے لئے تیار رہتی۔

راج کماری کا آج کا دن نہایت مصروفیت میں گذرا۔ کئی آپریشن کرنے پڑے۔ شام کو تھک ہار کر گھر پہنچی آرام کرسی پر لیٹی سستا رہی تھی کہ یاد آیا شاہدہ نے سینما چلنے کے لئے کہا تھا۔ فلم دیکھنے کی خواہش شاہدہ کی صحبت کا خیال۔ جی للچا آیا۔ تھکاوٹ کی پرواہ نہ کی۔ شوفر کو کار لانے کا حکم دیا۔ اور ڈریسنگ رُوم کی طرف چل دی۔

ٹھیک اس وقت ---- سڑک پر سے رونے چلّانے کی آواز آئی۔ آواز اس قدر ہولناک تھی کہ راج کماری کانپ اُٹھی۔ دروازہ کھولا باہر جھانکا ’ایں! یہ کیا!! چار آدمی ایک چارپائی کندھے پر دھرے اس کی کوٹھی کے احاطہ میں داخل ہو رہے تھے۔ اور ان کے پیچھے پیچھے ایک عورت واویلا کرتی چلی آرہی تھی۔ راج کماری کے دل پر اوس پڑگئی۔ فلم نہ دیکھنے کا رنج اور مزید کام کرنے کا خوف!! اس کا دل بیٹھ گیا۔

راج کماری بُت کی طرح ساکن کھڑی، سامنے پڑی ہوئی چارپائی کو دیکھ رہی تھی۔ دفعتاً بڑھیا آگے بڑھی اور راج کماری کے پاؤں پر گر کر بولی۔

”مس صاحبہ خدا کے لئے میری بچی کی جان بچا لیجئے!۔ ہائے میری اکلوتی نازوں کی پالی بیٹی کوئی دَم کی مہمان ہے“۔

”صبر کرو! صبر!! پرماتما کی کرپا سے کبھی مایوس نہ ہونا چاہیئے“۔ راج کماری نے بڑھیا کو قدموں پر سے اُٹھاتے ہوئے تسلی بخش لہجہ میں کہا۔ ”لیکن اسے ہوا کیا؟“

”میری بیٹی کوٹھے پر سے گر پڑی۔ ہڈیاں چکنا چُور ہوگئیں۔ اور وہ اس وقت سے ہوش میں نہیں آئی“۔ یہ کہتے کہتے بڑھیا نے پھر زور زور سے رونا شروع کیا۔

راج کماری ہمیشہ سے فرض شناس واقع ہوئی تھی۔ فوراً تیار ہوگئی۔ اس لڑکی کی جان بچانے کی ہر ممکن کوشش کی جائے گی۔ لیکن وقت بہت قیمتی ہے۔ چارپائی ہسپتال لے جانے کا حکم دیا۔ نرسوں اور کمپونڈروں کو آپریشن رُوم تیار کرنے اور اوزار درست کرنے کے لئے فون کیا۔ شاہدہ خواہ مخواہ انتظار کرتی رہے گی۔ اپنے نہ آنے کی معذرت کی

دوسطریں کاغذ پر گھسیٹ ڈالیں۔ اور ملازم کو اس کے ہاں فوراً رقعہ پہنچانے کی تاکید کر کے خود بھی اسپتال کی طرف چلدی۔
چارپائی آپریشن رُوم میں پڑی تھی۔ نرسیں صاف و شفاف لباس پہنے مستعدی سے ادہر اُدہر کام میں مصروف نظر آتی تھیں۔ بڑھیا باہر برآمدہ میں تہنیں سسکیاں بھر رہی تھی۔ راج کماری کمرے میں داخل ہوئی اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے چارپائی پرسے چادر اُٹھائی۔
"ہیلو! راج کیا فلم دیکھنے نہ چلوگی؟" کہتے ہوئے دم توڑتی ہوئی لڑکی اُٹھ کھڑی ہوئی۔
راج کماری گھبرا کر ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔ یہ لڑکی تو موت سے ہمکنار ہو رہی تھی۔ لیکن ہیں! یہ تو شریر شاہدہ ہے، اور آج فرسٹ اپریل ہے۔

(۲)

اُرے محمود! کیوں مُنہ بسورتا پھر رہا ہے؟
مونی کیا بتاؤں، ابھی بھائی جان کا تار آیا ہے۔ ابا بیمار ہیں۔ بہت سخت بیمار"۔ محمود نے آستین سے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے جواب دیا۔
" ارے ایک سچ کہتا ہے! مونی کو یقین نہ آیا پوچھا" ابھی کل ہی تو ابا کا خط آیا تھا کہ ہر طرح خیریت ہے۔ یہ ایک دم بیمار کیسے ہوگئے؟
' مانی! میں کیا جانوں؟ میرا بستر بند کہاں ہے۔ میں پہلی گاڑی سے گھر چلا جاؤں گا"۔
محمود بغرض تعلیم چند ماہ سے اپنے ماموں کے ہاں آیا ہوا ہے۔ اسے پڑھنے کا بہت شوق ہے۔ لیکن اُس کے ماموں زاد بھائیوں نے اُس کا دم ناک میں کر رکھا ہے۔ بیچارے کو ہر وقت اُتو بنائے رہتے ہیں۔ وہ اُداس اُداس رہتا ہے۔ گو پڑھائی میں بھائیوں سے کہیں زیادہ ہوشیار ہے۔ لیکن ان کے سامنے اس کی خاک نہیں چلتی۔
محمود کو اپنے آبا سے بیحد محبت ہے۔ اس نے اپنے جیب خرچ میں سے روپے بچائے تھے تاکہ نئی ٹوپی خرید سکے۔ لیکن اب وہ یہ روپیہ کرائے پر صرف کر دے گا۔ اور کچھ نہیں تو اپنے ابا کا مُنہ آخری وقت تو دیکھ سکے گا۔
محمود اپنے کپڑے وغیرہ درست کر رہا تھا کہ اتنے میں اس کے دونوں ماموں زاد بھائی آگئے۔
' محمود میاں! آج کرکٹ کا میچ ہے۔ دیکھنے چلوگے؟' ارشد نے پوچھا
" جی نہیں! یہ تو اس وقت گدھے کی سواری کریں گے!" امجد نے شرارت بھرے لہجہ میں اضافہ کیا۔ محمود کی آنکھوں میں جو آنسو بھرے تھے وہ اُمنڈ آئے۔
ارے روتا کیوں ہے کوئی گدھے پر بٹھا کر تیرا مُنہ تو کالا نہیں کر رہا!" امجد نے ایک اور تازیانہ لگایا۔
" جا بھائی تو بھی عجیب مسخرا ہے۔ محمود غریب روتا ہے اور تو بناتا ہے۔ یہ کہتے ہوئے اور زیر لب مسکراتے ہوئے

ارشد نے محمود کو گلے لگا لیا اور پوچھا "سچ بتا بات کیا ہے؟"

"ابا بیمار ہیں۔ تار آیا ہے۔ میں گھر جا رہا ہوں" محمود نے زور زور سے سسکیاں بھرتے ہوئے کہا۔

"اوہو یہ بات ہے۔ ہمیں سخت رنج ہے" دونوں بھائیوں نے بیک وقت کہا۔

"کونسی گاڑی سے جا رہے ہو؟" امجد نے پوچھا۔

"میل سے جاؤں گا" محمود نے آنسو پونچھتے ہوئے جواب دیا۔

گاڑی دو گھنٹہ لیٹ تھی۔ محمود گھر پہنچا تو شام ہو چکی تھی۔ ڈرتے ڈرتے صحن میں قدم رکھا۔ دیکھتا کیا ہے باپ آرام سے بیٹھا حقہ پی رہا ہے۔ "ارے تو کہاں؟" محمود کو دیکھتے ہی اس کے منہ سے نکلا "کم بخت مجھے پہلے ہی ڈر تھا کہ تو پڑھنے سے جی چرا رہا ہے۔ آج ہی امجد کا خط آیا تھا کہ تو اسکول سے بھی غیر حاضر رہتا ہے۔ ان کے کہنے پر بھی کتاب کھول کر نہیں دیکھتا۔ اور بہت جلد کوئی بہانہ تراش کر گھر واپس آنا چاہتا ہے"۔

یا الٰہی یہ کیا غضب! پڑھائی سے دل چرانا۔ امجد کا خط۔ باپ کی بیماری کا تار۔ محمود کو زمین چکر کھاتی نظر آنے لگی۔ دفعتاً دروازے پر دستک ہوئی "تار!" والا محمود کے نام کی ایک تار لایا تھا۔ کانپتے ہوئے ہاتھوں سے کھولا صرف اپریل فول لکھا تھا۔ اور بھیجنے والے ارشد و امجد تھے۔

اب خط اور تار کا راز مجھ پر عیاں ہو چکا تھا!!

سرور رعنا۔ بی اے

مومنہ

ہر گام پر نگاہ سوئے روح لم یزل	دنیا کے رنج و عیش سے آزاد مومنہ
خوش ہے کہ دل متاع تجلّی سے ہم کنار	دنیا کی گو نظر میں ہے ناشاد مومنہ
ہر سانس و نفس ذکر ہے ہر لمحہ صرف فکر	اللہ کا ہے دہر میں ارشاد مومنہ
ثابت قدم صراط شریعت پہ مثل کوہ	باطل کے حق میں صورت جلاد مومنہ
ارض و سما ہیں اُس کے سہارے رکے ہوئے	قدرت کے انتظام کی بنیاد مومنہ
گر ہو نگاہ رابعہ بصری پڑھو اسے	میثاق اولیں کی ہے رُوداد مومنہ
صبر و رضا۔ قناعت و عفت۔ حیا و حلم	رکھتی ہے یہ صفات خداداد مومنہ
دنیا کے غم کو تحفہ سعیلی کا جان کر	سینے سے ہے لگائے ہر اُفتاد مومنہ
ہے گوش دل نوائے پس پردہ سُن رہا	طوطی مثال رکھتی ہے استاد مومنہ
کرتی ہے شرح قلب زبان نظر سے کچھ	ہوتی نہیں ہے مائل فریاد مومنہ

ایمان ساجدہ ہے یہ اے خواہران بزم
اک گل ہے۔ جان گلشن ایجاد مومنہ

ساجدہ بنت دانش شاہجہانپوری

مراقش

مراقش جو ایک عرصہ تک سلطنت عثمانیہ کا ایک صوبہ رہ چکا ہے اپنی زرخیزی اور خام پیداوار کے باعث ایک عمدہ ملک ہے جس پر اس صدی کے ابتدائی سالوں میں یورپین استعمار پرستوں کی للچائی ہوئی نظریں پڑنے لگی تھیں۔ قیصر سنہ ۱۹۱۴ء سے قبل مراکو کو تقسیم کرا لینا چاہتا تھا لیکن انگلستان، فرانس، سپین اور امریکہ اس پر راضی نہ ہوئے اور طے یہ پایا کہ مراقش بین الاقوامی ماتحتی میں آجائے۔ لیکن اس بین الاقوامی ماتحتی کے پردے میں فرانس نے بازی مار لی۔ اس نے ذرا سے ساحلی علاقہ کے بدلے میں انگلستان کی دوستی اور اطالیہ کی غیر جانبداری خرید لی۔ اتفاقاً اس ساجھے کی ہنڈیا کو چوراہے پر پھوٹنا تھا۔ یہاں بے چینی پھیلی اور بدامنی پیدا ہوئی اس پر ہوائی جہاز اور فوجیں امن قائم کرنے کے بہانے ملک بھر میں گھس گئیں اور کیا بلا کا پڑ ڈیرے ڈال دیئے مراقشی قبائل کو ان غیر ملکیوں کا قبضہ پسند نہ آیا۔ وہ یہ سمجھے کہ یہ سب سلطان کی کارروائی ہے وہ مولائے حفیظ سلطان کے بھائی سے مل گئے اور سخت بغاوت ہوئی۔ حفیظ نے تخت پر قبضہ کر لیا۔ اب فرانس سے دوچار ہونا پڑا جس نے دباؤ ڈالا کہ وہ پرانے قرضے ادا کرے جن کی مقدار ایک ارب فرانک تھی۔ یہ قرضے ۵ فیصدی سود پر قرض لے کر ادا کئے گئے۔ اور اس کے لئے ملک کے محاصل گروی رکھنا پڑے۔ قبائل اس کی تاب نہ لا کر معاً عبدالحفیظ پر چڑھ گئے اور اسے گھیر لیا۔ حفیظ نے فرانس سے مدد مانگی۔ وہ تو پہلے ہی اس کی تاک میں تھا اس نے دس ہزار لشکر جرار مع سامان جنگ بھیج دیا۔ جرمنی کو فرانس کی یہ دھینگا دھینگی ایک آنکھ نہ بھائی پہلے تو وہ طرح دے کر خاموش رہا۔ پھر جب جرمن سفیر پر یہ الزام لگایا گیا کہ وہ فرنچ سپاہیوں کو فوج سے بھاگنے پر ابھارتا ہے اور اس کی پاداش میں اسے گرفتار کر لیا گیا ہے تو اس کے صبر کا پیمانہ چھلک گیا سفیر کا گرفتار ہونا جرمنی کی توہین تھی۔ دونوں طرف لڑائی کی تیاریاں ہونے لگیں اور امید تھی کہ جرمنی اب حملہ کرنے ہی والا ہے کہ اتفاق سے جرمنی کا ساتھی آسٹریا ہنگری بوہیمیا کے جھگڑے میں الجھ گیا اس لئے طوعاً وکرہاً جرمنی نے معاملہ رفع دفع کر دیا۔ لیکن جب جرمنی نے دیکھا کہ مراکو کو فرانس کا ڈاکو ہضم کر گیا تو اس نے سنہ ۱۹۱۱ء میں فرانس سے یہ سمجھوتہ کر لیا کہ وہ فرانس کا قبضہ مراکش پر تسلیم کر لیگا بشرطیکہ وہاں کی اقتصادی آزادی قائم رہے۔ یہ بڑا عجیب پھندا تھا جس میں جرمنی نے اپنی ڈپلومیسی سے فرانس جیسے گھاگ کو پھانس لیا۔ اقتصادی آزادی سے جرمنی کا مطلب یہ تھا کہ ریلوے تار وغیرہ ایک بین الاقوامی کمپنی کو دیدئے جائیں جس میں زیادہ حصص جرمنی اور فرانس کے ہوں ابھی آپس میں یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ مراکش میں فسادات ہو گئے اور فرانس نے جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے فوج بھیج دی۔ سپین نے یہ دیکھ کر فوراً مراکش کے اس حصہ پر قبضہ کر لیا جس کا اسے دینے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ اب جرمنی نے بھی یہ طے کیا کہ اس گڑبڑ سے فائدہ اٹھا کر کوئی ملک دبا لینا چاہئے۔ جرمن وزیر اعظم نے چپکے سے مراکش کی بہترین بندرگاہ پر ایک جنگی جہاز لا ٹکایا کہ جبتک فرانس مراکشی کانفرنس کی خلاف ورزی کا تاوان جرمنی کو ادا کرے گا (تاوان میں کوئی ملک دیا جائے) یہ جنگی جہاز وہاں سے نہ ٹلے گا۔ آغادر کی بندرگاہ میں جرمن جنگی جہاز کا آنا تھا اس سے دنیا کی سیاست میں ایک ہلچل پڑ گئی لیکن خود فرانس خاموش رہا۔ آخر جرمنی نے خود اشارہ کیا کہ فرنچ کانگو کا ایک حصہ غنیمت میں دے کر یہ معاملہ طے کر لو۔ فرانس نے جواب دیا کہ اگر جرمنی ٹاگولینڈ اور کیمرون (جو جرمن مقبوضات تھے) دے کر بھی اسے خریدنا چاہے تو بھی اسے کانگو کے وہ حصے نہیں مل سکتے۔ اس سوکھے جواب پر جرمنی کو اپنی تنہائی کا بڑا احساس ہوا جس پر اس نے کہا فرانس اور انگلستان نے دنیا کو آپس میں بانٹ لیا ہے اب وقت آیا ہے کہ جرمنی اپنے مناسب مطالبات پیش کرے۔ اتنے میں لامتعارض نے

جرمنی کی اس حرکت کے خلاف بہت سخت تقریر کردی جس میں لڑائی کی دھمکی بھی تھی۔ اب قصہ سٹ پٹا گیا اور صلح ہو جانے لگا۔ ادھر جرمنی میں اقتصادی بدامنی بھی پھیل گئی اور مہاجنوں کی مخالفت سے ڈر گئی۔ فرانس اور جرمنی میں اس شرط پر صلح ہو گئی کہ تمام ملکوں کے مال پر محصول یکساں رہیں گے۔ جرمنی کو فرنچ کانگو میں ایک لاکھ مربع میل دیا جائیگا۔ لیکن جرمنی کو اس موقع پر منہ کی کھانی پڑی اس کا کانٹا اس کے دل سے نہ نکلا۔ جرمنی کا جھگڑا چکا کر فرانس نے مراکش میں من مانی پالیسی اختیار کر لی۔ اسپین کو ساحل کی دوسو میل لمبی اور چھ سو میل چوڑی زمین دیکر خاموش کر دیا بس برائے نام سلطان کے خلیفہ کی حکومت رہنا قرار پائی۔ مگر وہ اسپین ہائی کمشنر کے پنجے میں اسیر رہا۔ سب ملا کر ۱۸ ہزار مربع میل یعنی کل رقبے کا ۱/۲ اب رہ گیا فوجی اہمیت والا شہر طنجیرا سے بین الاقوامی کر دیا گیا۔ اور اب جو باقی رہا وہ سب مراقش فرانس کا اور اس کے باپ کا ہو گیا۔ فرانس کو سلطان کو ہٹانے میں نفع و کا ڈر نظر آیا اس لئے ۱۹۱۹ء میں اسے اپنی سایہ عاطفت میں لے لیا یعنی ایک عدد ریزیڈنٹ جنرل وہاں لا بٹھایا۔ اسی زمانہ میں مراکشی پولیس نے بغاوت کر دی اور ۸۰ فرانسیسی تہ تیغ کر دیے پھر یہ بغاوت سارے ملک میں پھیل گئی جسے ریفی بغاوت کہتے ہیں۔ مولائے حفیظ جس نے مجبوراً اپنے غلامی نامے پر دستخط کئے تھے چالاکی سے فرانس کی پنشن قبول کر کے حکومت اپنے بھائی مولائے یوسف کو دیکر چلا گیا۔ فرانسیسی فوجیں منتظر تھیں لیکر اندر گھس گئیں اور ایک ایک کر کے شہر پر شہر فتح کرنا شروع کر دیا اور ملک میں ریلیں، ہسپتال اور فوجی چوکیاں قائم کرنا شروع کر دیں۔ سسیل روڈز نے جو کہا ہے کہ "ریلوں میں گولیوں سے کم خرچ ہوتا ہے اور نفع زیادہ ہوتا ہے۔" فرانسیسیوں نے مراقش کو ریلوں کی ہتھکڑیوں میں جکڑ لیا۔ اسلامی کالج کھول دیے تاکہ باشندوں کی ہمدردی حاصل ہو جائے۔ بغاوت کے زمانہ میں جرمنی نے باغیوں کی دل کھول کر مدد کی۔ جس کا فرانس نے صلح نامہ ورسائی میں اچھی طرح بدلہ لے لیا۔ اسپین کو اپنے مراقشی علاقوں میں قدم جمانے مشکل ہو گئے۔ وہ وہاں کے جنگجو قبائل سے لڑتا رہا اور اسی لڑائی میں اپنی گھریلو جمہوریت بھی کھو بیٹھا۔ مراقش کی آزادی چھیننے کی قیمت اسے اپنی آزادی تک قربان کر دینی پڑی۔ لیکن پھر بھی وہاں کے پہاڑی علاقوں پر قبضہ نہ ہو سکا اور یہ لوگ عاجز آ گئے۔ ریف کے سردار غازی عبدالکریم نے اسپینیوں کی تربیت یافتہ فوجوں کو کئی بار ہرایا اور اس کے بعد انہوں نے فرانس کے علاقوں میں علم جہاد بلند کیا اس وقت تک فرانس نے اپنا علاقہ ریف کے جنوب تک جہاں سے عبدالکریم کے لوگوں کو غلہ ملتا تھا بڑھا لیا تھا۔ ریفیوں کی پیدل فوج اتنی عمدہ تھی کہ فرانس کو اسپین سے مل کر لڑنا مناسب معلوم ہوا اور اس نے اپنے عمدہ افسروں کو ریفی لڑائی میں بھیجدیا۔ جب فرانس نے بارہ ہزار آدمی اور لاکھوں اشرفیاں ضائع کر کے عبدالکریم کو اپنے پہاڑی مقامات میں بھاگ جانے پر مجبور کر دیا تو بھی ریف کے بہادروں کا جوش و ولولہ ختم نہ ہو سکا اور اس بغاوت کا زور ۱۹۲۶ء سے پہلے ختم نہ ہوا۔ دیکھئے افریقہ کے شمالی ساحل پر جہاں طارق رح کی یادگار جبرالٹر پر فوجی تناؤ ہو رہا ہو کیا جنگی ڈرامے کھیلے جانے والے ہیں۔ فرانس کے بہترین فوجی ماہروں کا خیال ہے کہ دنیا کی سب سے مہیب آنے والی جنگ غالباً اسی سرزمین پر ہونے والی ہے۔

زبیدہ زریں

جدید ترکی خواتین

تاریخ بہت کم مثالیں ایسی عورتوں کی پیش کرتی ہے جنہوں نے زمانہ جنگ میں اپنے ملک کو غنیم کے حملوں سے بچانے کے لئے میدان کارزار میں مردوں کا ساتھ دیا ہو گا۔ مگر ترک خاتون اس خصوصیت کی مالک ہے کہ جب کبھی اس کی قوم کو نازک حالات سے دوچار ہونا پڑا وہ مکان کی چاردیواری سے باہر نکل آئی اور ہر میدان میں مردوں کے زور و قوت میں اضافہ کا باعث ثابت ہوتی رہی۔ جنگ عظیم کے بعد جب غیور ترک قومی آزادی حاصل کرنے کے لئے سرفروشانہ جہاد کر رہا تھا اس وقت ترکی خاتون نے حرم سرا کے اندر مستور رہنا گوارا نہیں کیا بلکہ مادر وطن کو دشمن کے پنجہ سے چھڑانے کے لئے اپنے آرام کو تج کر بیتابانہ میدان رزم میں پہونچ گئی اور اپنے باپ، بھائی اور شوہر کے دوش بدوش وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے جو تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں گے۔

جنگ عظیم کے زمانہ تک دنیا کے مہذب سے مہذب ملک کی خاتون کی حیثیت خاندان بچوں اور مردوں کیلئے جلوہ نمونہ اخلاق کی تسلیم کی جاتی تھی لیکن اناطولیہ کی ترک خاتون نے اس حد سے اپنا عملی قدم آگے بڑھایا اور اپنی قوم کو بتا دیا۔ مردوں کو ہر وہ امداد پہنچائی جس کی زمانہ جنگ میں ضرورت ہو سکتی تھی۔ بڑے شہروں کی بیشمار خواتین جو اس قسم کی ہمت طلب خدمات انجام نہیں دے سکتی تھیں وہ بھی اس زمانہ میں خاموش ہو کر نہیں بیٹھیں۔ بلکہ جنگ آزادی کی امداد کے لئے ہر ممکن تحریک میں حصہ لیتی رہیں مالی امداد کے علاوہ ان کی کوششوں سے عورتوں کی کافی تعداد بحیثیت رنگروٹ کے قومی فوج میں داخل ہو گئی۔

جس سرگرمی اور جذبہ ایثار کے ساتھ ان خواتین نے جنگ آزادی میں حصہ لیا ہے اس کا کسی قدر اندازہ صرف ایک واقعہ سے کیا جا سکتا ہے جسے ڈاکٹر جنرل عابج انگورہ نے اسی زمانہ میں اپنے ذاتی مشاہدات کے ذیل میں تحریر کیا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ میں ۱۹۲۱ء میں ایک مختصر جماعت کے ساتھ "بنی بولا" جا رہا تھا رات کے وقت جب ہم اناطولیہ کی سنسان سڑک پر سے گزر رہے تھے ہمارے کانوں میں اچانک گھڑگھڑاہٹ کی آواز آئی۔ اس زمانہ میں اناطولیہ جنگ کا مرکز بنا ہوا تھا اس مکدّر فضا میں گھڑگھڑاہٹ کی آواز سخت خطرے سے خالی نہ تھی مگر ہم لوگوں نے اپنا سفر جاری رکھا یہاں تک کہ آواز کے بالکل قریب پہونچ گئے۔ وہاں معلوم ہوا کہ ایک بیس سالہ ترک لڑکی ایک بیل گاڑی ہانکے لئے جا رہی ہے۔ گاڑی گولہ بارود اور اسلحہ جنگ کے اسباب سے بھری ہوئی تھی اور پہاڑ کی ناہموار چٹانوں پر چل رہی تھی اور یہی سبب اس زور کی گھڑگھڑاہٹ کا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر لڑکی سے دریافت کیا۔

"تم کہاں جا رہی ہو؟"

ڈاکٹر مذکور لکھتا ہے کہ میں اس بہادرانہ شان اور معصومانہ تبسم کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا جس کے ساتھ اس نے جواب دیا۔

"میدانِ جنگ کی طرف"

"میں نے پھر اس سے سوال کیا۔

"ایسی اندھیری رات میں انسان کو ستاروں کے درمیان تمیز نہیں معلوم ہوتا؟"
"لڑکی نے حقارت آمیز انداز سے اپنے شانوں کو جنبش دی اور کہا" ذرا کی یہاں کون سی بات ہے۔ یہ پہاڑ ہیں یا گلاب کی جھاڑیاں۔ میں ان سے کیوں ڈروں؟"
"میں نے پھر پوچھا" کیا تمہارا کوئی عزیز اس جنگ میں شریک ہے؟"
"اس نے جواب دیا۔ میرا باپ بھائی اور شوہر سب لڑائی پر جا چکے ہیں۔ دشمن قریب ہے اب مجھے کس بات کے انتظار کی ضرورت ہے؟"
ڈائرکٹر موصوف کہتا ہے کہ اناطولیہ کے سفر کا یہ ایسا نظارہ تھا جو میرے دل پر نقش ہو گیا ہے اور جسے میں آخر دم تک کسی طرح فراموش نہیں کرسکتا۔
انگورہ کے وسط شہر "یولوس اسکوائر" میں ایک عورت کا شاندار مجسمہ نصب ہے جو اپنی پیٹھ پر توپ کا بھاری گولہ اٹھائے ہوئے ہے۔ یہ مجسمہ اناطولیہ کی ایک مجاہد خاتون کا ہے جس نے جنگ آزادی کے زمانہ میں مردانہ وار بہادری کے جوہر دکھائے تھے اور اپنے بعد آنے والی نسلوں کے لئے حُبّ وطن کی غیر فانی مثال چھوڑ گئی ہے۔
یہ صحیح ہے کہ جنگ آزادی کے زمانہ میں ترکوں نے عورتوں کی آزادی کے مسئلہ پر کسی توجہ کا اظہار نہیں کیا لیکن یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس پر کسی قسم کا اعتراض وارد نہیں کیا جا سکتا جس زمانہ میں فرزندان قوم مادر وطن کی حصول آزادی کے لئے جنگ کر رہے تھے اُس وقت ان مباحث کے چھیڑنے کا انہیں موقع ہی نہ تھا۔ لیکن اختتام جنگ اور صلح نامہ لوزان کے بعد ہی یہ مسئلہ ترک قوم کی توجہات کا مرکز بن گیا۔ اطمینان کا اولیں سانس لیتے ہی قوم کے واجب الاحترام رہنما اتاترک مرحوم نے جب سلطنت ترکی کا پہلا دورہ کیا اُس وقت سب سے پہلا قدم اسی سلسلہ میں اُٹھایا گیا۔ اس سفر میں اتاترک نے جتنی تقریریں کیں ہر ایک میں خواتین کے مسئلہ آزادی پر خاص طور سے زور دیا۔
اصلاحات ملک کی اسکیم کی ترتیب دیتے وقت اتاترک نے عورتوں کی ترقی کے مسئلہ کو بطور خاص اپنے پیش نظر رکھا۔ اُن کا قول تھا کہ "کسی قوم کی ترقی کا راز اس کے نونہالوں کی بہترین تربیت میں مضمر ہوتا ہے اور یہ اہم مقصد قوم کی ماؤں کی ذہنی و دماغی قوتوں کو ترقی دے کر حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس کے ساتھ اُن کا یہ خیال بھی تھا کہ گھر کی چار دیواری میں عورتوں کو قید کر دینے کے معنی یہ ہیں کہ قوم کی نصف طاقت کو معطل کر دیا گیا۔ لہذا ترک قوم کی آئندہ ترقی کے لئے اولین ضرورت اس بات کی ہے کہ ترکی ماؤں کی جائز آزادی اور دماغی تربیت کی طرف خاص توجہ کی جائے
اتاترک نے خواتین کی تعلیم و تربیت کا مسئلہ خود اپنے طاقتور ہاتھوں میں لیا۔ تعلیم، ملازمت، سیاسی و آئینی مجالس کونسلیں، کاروباری معاملات غرض زندگی کی ہر منزل میں ترقی کے تمام دروازے عورتوں پر کھول دیئے گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خواتین میں حوصلہ کی ایک لہر دوڑ گئی اور تھوڑے ہی عرصہ میں سیاست اور سماج کے ہر شعبہ میں اُن کی کافی تعداد برسر کار نظر آنے لگی۔
جس وقت سے یورپ میں امن کی فضا مکدر ہوئی ہے اور حکومتوں نے ایک عالمگیر جنگ کے اندیشہ سے اپنی قوتوں کو مستحکم کرنا شروع کیا۔ اس وقت تمام یورپ میں صرف ترکی خواتین ہی تھیں جنھوں نے حکومت کی فوج میں مردوں کے دوش بدوش کام کرنے کا عزم بالجزم کر لیا نہ صرف عزم بلکہ بہت ہی جلد انھوں نے اس ارادہ کو عملی جامہ بھی پہنا دیا جنگ

عظیم کے زمانہ میں ترکی خواتین فوجوں کو سامان رسد پہنچانے، میدان جنگ میں سپاہیوں کو پانی پلانے، زخمیوں کو میدان سے اٹھاکر لانے اور ان کی مرہم پٹی کا کام انجام دیتی تھیں۔ لیکن اب انھوں نے اپنی سرگرمی کا قدم اس حد سے بہت آگے بڑھا دیا ہے وہ فوج کے ہر حصہ میں کثرت کے ساتھ داخل ہوگئی ہیں۔ بری فوج کے دستوں سے لے کر ہوائی بیڑہ تک ان کی کثیر تعداد کام کررہی ہے آجکل جنگ میں فضائی قوت کی بنا پر فتح و شکست کا فیصلہ کیا جا رہا ہے۔ ترکی خواتین نے اس ذیل میں خاص حصہ لیا ہے قریب ماضی میں انھوں نے دنیا کے مشہور ہوا بازوں کو مقابلہ پر ہرایا ہے جس طرح شکست فاش دی ہے اس کی تفصیلات اخبارات میں کئی بار آچکی ہے۔

فن خطابت کو مہذب قوموں میں ہمیشہ خاص اہمیت حاصل رہی ہے۔ یہی چیز قوموں کے مردہ دلوں میں ترقی کی روح پیدا کرتی ہے۔ افسردہ رگوں میں غیرت و حمیت کا خون دوڑاتی ہے۔ جذبات میں جوش و خروش کے طوفان برپا کرتی ہے۔ مشہور فاتحین عالم نے ان نازک موقعوں پر جب کہ تلوار کی زبانیں بند ہوگئیں تھیں اپنی اسی خداداد قوت کے ذریعہ حیرت انگیز کامیابی حاصل کی۔ محمود غزنوی، طارق اور نپولین کی تقریریں تاریخ میں آجتک یادگار ہیں۔ ہٹلر اسی قوت سے کام لے کر اپنی فوجوں کو آگ اور خون کے سیلاب میں دھکیل دیتا ہے۔ ترکی خواتین نے بھی اس فن میں خاصی ترقی کی ہے۔ ہزارہا آدمیوں کے مجمع میں جہاں بہترین مدبر، ادیب اور مقرر موجود ہوتے ہیں وہ اپنی آتش نوا تقریر سے حاضرین میں جوش، ادا، اولوالعزمی نفرت اور محبت کے جذبات مشتعل کر دیتی ہیں۔

دفتر کی کلرکی سے لے کر وزارت کے اعلیٰ منصب تک اور میونسپلٹی کی ممبری سے لے کر پارلیمنٹ آئین سازی کی رکنیت تک ہر جگہ انھوں نے اپنے لئے گنجائش نکال لی ہے۔

باوجود اس قدر آزادی اور علمی و عملی ترقی کے ترک خاتون کا دل و دماغ ان تمام آلائشوں سے قطعی پاک ہے جو مغربی نسوانیت کو حد درجہ ذلیل و پست کر چکی ہیں۔ ترک خاتون کی شکل و صورت کو جمال قدرت کا آئینہ کہا جاسکتا ہے۔ اس کا مزاج نفاست پسند اور لباس نہایت پاکیزہ ہوتا ہے مگر اس میں فضول زیب و زینت کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ عام گذرگاہوں، تفریح گاہوں اور جلسوں میں اس کا آنا جانا ہوتا ہے لیکن خود نمائی کے لئے نہیں، مصنوعی نزاکت اور ناز آفرینی کی بجائے اس کی ذات فولادی قوت، آہنی عزم اور جرات و ہمت کا نمونہ ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس کی حیثیت ممتاز نظر آتی ہے

خانگی زندگی میں ترکی خاتون نسوانی اخلاق کی اعلیٰ مثال ہوتی ہے۔ والدین کی اطاعت، شوہر کی پرستش، اولاد کی پرورش اس کے خاص اوصاف ہیں۔ ان باتوں میں وہ ہندوستان کی شریف خواتین سے بہت زیادہ مشابہ ہے لیکن فرق یہ ہے کہ ہندوستانی مستورات کا حال و مستقبل تاریک ہوتا ہے برخلاف اس کے ترکی خاتون کا حال تابناک اور مستقبل حوصلہ افزا ہوتے ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ عہد طفولیت ہی سے زندگی کی ہر منزل کے لئے اسے اپنے پیروں پر کھڑا ہونا سکھایا جاتا ہے۔ یہاں اس کی خانگی زندگی میں سے صرف ایک مثال شوہر پرستی کی دی جاتی ہے۔ مشہور ترک خاتون خالدہ ادیب خانم جس زمانہ میں وزارت تعلیم کے اعلیٰ عہدہ پر ممتاز تھیں اس وقت سلطنت میں اشاعت تعلیم کی اسکیم زیر عمل لانے کے باعث کام کی بہت کثرت تھی۔ راحت و آرام کا بہت کم وقت نصیب ہوتا تھا۔ سوء اتفاق سے اس زمانہ میں ان کے شوہر بیمار ہوگئے باوجود انتہائی مصروفیت کے وہ اپنے شوہر کی تیمارداری اور دوا و خوراک کی تیاری خود کرتی تھیں اس زمانہ میں انھیں علاوہ اپنے عہدہ کے فرائض کے سیاسی جلسوں میں شرکت اور دور دراز مقامات پر جانا پڑتا

بھی کرنا پڑتی تھیں۔ دوسرے ممالک کے لوگوں سے ملنا بھی پڑتا تھا۔ لیکن وہ اپنا پروگرام اس طرح مرتب کرتی تھیں جس سے اُن کے شوہر کی دوا اور کھانے کے اوقات میں کوئی خلل واقع نہیں ہونے پاتا تھا۔ اسی دوران میں ایک بڑے جلسہ کے روبرو کسی سیاسی موضوع پر انھیں تقریر کرنی تھی۔ تقریر کے بعد سوالات کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ ان کے جواب دینے میں انھیں اتنی دیر ہوگئی کہ شوہر کے کھانے کا وقت آگیا گھڑی دیکھتے ہی دفعتاً وہ بیقرار ہوگئیں۔ موٹر کو پوری رفتار سے چلا کر گھر آئیں اگرچہ مسلسل مصروفیت کے باعث بہت مضمحل ہوگئی تھیں۔ لیکن گھر پہنچ کر کپڑے تبدیل کئے بغیر سیدھی باورچی خانہ پہونچیں اور کھانا تیار کر کے شوہر کے سامنے لے آئیں لوگوں نے کہا کہ ملازمہ سے بھی یہ کام لیا جا سکتا تھا۔ اس پر انھوں نے جو جواب دیا وہ قوم کی لڑکی کے لئے سبق آموز ہے۔ انھوں نے کہا عہدہ کی خدمات کی ادائگی اور سیاسی جلسوں کی شرکت میرا قومی فرض ہے اور شوہر کی خدمات میرا نسوانی فرض ہے ہر ایک فرض کو اپنے وقت پر ادا ہونا چاہئے" کاش ہمارے ملک کی تعلیم زدہ لڑکیاں اس سے سبق حاصل کریں۔

ترکی گھرانوں میں جن بچوں کی پرورش کے لئے دائیوں اور آیاؤں کی ہلیں ملازم نہیں ہوتی۔ ماں اپنے بچے کو خود ہی دودھ پلاتی ہے اور زمانہ رضاعت کی خدمات خود انجام دیتی ہے دائیوں سے بچہ کو دودھ پلوانا تو ہین تصور کیا جاتا ہے اُن کے یہاں ایک مشہور مثل ہے کہ ترک بچہ ترک باپ کا خون ہوتا ہے۔ ترکی ماں کا دودھ پیتا ہے اور اسی کے آغوش میں پرورش پا کر اپنے خاندانی لیاقت و شرافت کے جوہر حاصل کرتا ہے۔"

ترکی خواتین ضبط تولید کے مجرمانہ جنون میں مبتلا نہیں ہیں بلکہ ترقی کرنے والی قوموں کی طرح اُن کے یہاں اولاد کی پیدائش نہایت مبارک سمجھی جاتی ہے جب کسی گھرانے میں لڑکا پیدا ہوتا ہے تو یہ نوید مسرت سارے کنبہ میں پہنچائی جاتی ہے خاندان کی عورتوں کی آمد شروع ہوجاتی ہے بچہ صاف وشفاف ملبوس میں ماں کے قریب ایک کھٹولے پر ہوتا ہے۔ ہر خاتون بچہ کو دیکھ کر مبارکباد دیتی ہے۔ اور زچہ و بچہ کے لئے تحفے پیش کرتی ہے یہ سلسلہ کئی روز تک جاری رہتا ہے۔ جہاں عورتیں جب بچہ کی شکل و شباہت کی بابت آپس میں بات چیت کرتی ہیں تو اس کے حسین ہونٹوں روشن چہرہ اور اُبھرے شانوں کو قوم کے کسی اولوالعزم فاتح یا رہنما سے تشبیہ دیتی ہیں۔ اور زچہ کے شاندار مستقبل کی پیشین گوئی کرتی ہیں۔ یہ امید افزا باتیں سن کر ماں کی آنکھیں فرط مسرت سے چمکنے لگتی ہیں۔

چھوٹے بچے جب کسی بڑی بوڑھی کو سلام کرتے ہیں تو ہمارے ملک کے خلاف جہاں یہ دعا دیجاتی ہے کہ خدا کرے بری طرح کمر جھکے منہ پوپلا ہو بال سفید ہوں ترک بزرگ خاتون یہ دعا دیتی ہے کہ کاش تو تیمور کی طرح ملکوں کو فتح کرے اتاترک کی طرح دشمنوں کو شکست دے قوم کا نشان ساری دنیا پر بلند کرے وغیرہ۔

یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ ترک خاتون کی زندگی خشک اور صرف سپاہیانہ وضع کی ہوتی ہے نہیں۔ بلکہ اس کی زندگی میں مفید دلچسپیوں کا کافی حصہ ہوتا ہے۔ اُسے فنون لطیفہ مثلاً مصوری موسیقی باغبانی وغیرہ کا نہایت شوق ہوتا ہے گھروں میں دروازوں کے رنگین و منقش پردے نفیس چادروں اور شالوں کے گل بوٹے میز پوش تصاویر سب اسی کی دستکاری کے رہین منت ہوتے ہیں جس گھر میں خانہ ساز سامان آرائش جس قدر زیادہ ہوتا ہے اسی قدر وہ گھر ممتاز سمجھا جاتا ہے خاتون خانہ اپنے مہمان بہنوں کو اپنی مصنوعات فخر کے ساتھ دکھا دیتی ہے اور اپنی صناعی کی داد چاہتی ہے غیر ملکی اشیا سے گھر کی آرائش کو غلط مانند ذہنیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

موسیقی سے بھی ترک خواتین کو فطرتاً دلچسپی ہوتی ہے لیکن موسیقی کے کمال ہوٹلوں یا عام مناظر پر نہیں دکھائے جاتے ترکی

عصبیت اس بات کو کسی طرح گوارا ہی نہیں کرسکتی۔ اطمینان کے لمحوں یا خانگی تقاریب کے جلسوں میں ترکی لڑکیاں جب دف و چنگ پر کوئی نغمہ چھیڑتی ہیں تو فضا مسحور ہو جاتی ہے۔ لیکن ان کی آواز اہل خاندان کے کانوں کی حد سے آگے نہیں گزرنے پاتی۔ باغبانی سے اُسے خاص شغف ہے۔ لڑکیوں کے جدید نصاب تعلیم میں باغبانی کا کورس خاص طور سے داخل کیا گیا ہے ہر متوسط حال ترک کے مکان میں ایک چھوٹے سے پائیں باغ کا ہونا ضروری ہے اس میں پودوں کی داغ بیل پھولوں کا انتخاب گملوں کی ترتیب سب خواتین ہی کے حسن مذاق کا نمونہ ہوتی ہے

مذہب کو جنس لطیف کے ساتھ ہمیشہ ایک خاص مناسبت رہی ہے۔ ترک خاتون اس وصف سے نمایاں طور پر متصف ہوتی ہے۔ ترک بچوں کی تربیت دو بنیادوں پر کی جاتی ہے۔ مذہب اور قومیت ان دونوں کی ابتدائی تعلیم کا فرض بھی ماں ہی انجام دیتی ہے اتاترک کی والدہ نے اُنھیں اسی اصول پر تربیت دی تھی اسی کا نتیجہ تھا کہ فتح سمرنا کے موقع پر لاکھوں دشمنوں کے مقابلے میں اس بہادر جنرل کے ایک ہاتھ میں تلوار تھی اور دوسرے ہاتھ میں تسبیح۔ "استقلال آزادی" کے بعد مخالفین نے ترکوں کو عالم اسلام کی ہمدردی سے محروم کرنے کے لئے جو شرمناک کوشش شروع کر دی تھی اُس میں منجملہ اور الزامات کے ترکوں پر ایک یہ الزام بھی لگایا تھا کہ ترک اسلام کو ترک کر چکا ہے۔ لیکن باطل کا پردہ بہت جلد چاک ہو گیا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ اگر روئے زمین پر زندہ مسلمان ہے تو ترک ہے اور زندہ اسلام ہے تو ترکوں کے پاس ہے۔ عہد حاضر کا نوجوان ترک آذان کی آواز سن کر جس بے تابی سے مسجد کی طرف قدم بڑھاتا ہے اور ترکی فوجوں میں نماز کے جو قوانین نافذ ہیں وہ انہیں اسلام کی شیدائی ماؤں کے دودھ کا اثر ہے جو نوجوانوں کے ہر رگ و ریشہ میں سرایت کئے ہوئے ہے۔

ترکی لڑکیوں میں تعلیم کا عام رواج ہے۔ چھوٹے سے چھوٹے گاؤں میں بھی لڑکوں کی طرح لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام ہے۔ جملہ علوم و فنون کی تعلیم کے دروازے لڑکیوں کے لئے کھلے ہوئے ہیں۔ غیر ممالک میں جاکر تعلیم حاصل کرنے کے لئے انہیں معقول وظیفے دیئے جاتے ہیں فارغ التحصیل ہونے کے بعد مناسب سرکاری عہدوں پر انہیں مامور کیا جاتا ہے۔ ترکوں کے تعلقات مغربی قوموں سے برابری کے ہیں اور ترکی عورتوں کو مغربی خواتین سے ملنے جلنے کا بہت زیادہ اتفاق ہوتا رہتا ہے۔ مگر باوجود اس ربط و ضبط کے مغربی نسوانیت کی بے راہ روی کا سیلاب ترک خواتین کو اپنے ساتھ بہا لیجانے میں سخت ناکام رہا ہے مغربی تعلیم سے بہرہ یاب ہو کر ترک لڑکیاں غلط آزادی اور بے راہ روی کا شکار نہیں ہو جاتیں بلکہ ان کے اعلیٰ اخلاق ذاتی خوبیوں اور قوم پرستی کے جوہر چمک اٹھتے ہیں۔

یہ ہیں نہایت مختصر حالات اُس اولوالعزم قوم کی خواتین کے جو آج نہایت عزت کے ساتھ زندہ ہے اور جس میں آئندہ زندگی کے روح پرور آثار نمایاں طور سے نظر آ رہے ہیں۔ کاش کہ ہمارے ملک کی مغرب زدہ لڑکیاں جو آزادی اور علم و حکومت اور دولت و ثروت میں ان سے منزلوں پیچھے ہیں۔ ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کریں۔

مائل نقوی (بھوپال)

تربیت اطفال

مسلمانوں کی موجودہ ذہنیت کچھ اس قسم کی ہے کہ باتیں بہت اور عمل حد درجہ کم بلکہ ندارد۔ جلسوں میں تجاویز کی بھرمار جو اور عمل الشاذ کالمعدوم۔ اخبار اور رسالوں میں مضامین کا طومار مگر میدانِ عمل میں صفر۔

اسی ذیل میں تربیت اطفال بھی ہے۔ عرصہ سے اس پر خامہ فرسائی ہو رہی ہے۔ لیکن آج تک یہ نہیں سنا کہ اس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے فلاں جگہ اقدام کیا گیا۔ میں نے کوشش کی تھی کہ بچوں اور بچیوں کا ایک گروہ حقیقی تربیت سے آراستہ کر کے قوم کے سامنے پیش کر دوں لیکن قوم نے پوری اعانت نہ کی۔ میں نے تقریر سے تحریر سے اور تبادلہ خیالات سے ہر ممکن کوشش کی کہ دار الاصلاح کا ایک بورڈ بنا دوں جو مجھ کو اخراجات کی فکر سے سبکدوش کر کے اصل مقصد "تربیت" کو عملی جامہ پہنانے کے لیے جم کر بیٹھنے کی آزادی دیدے۔ مگر ایسا نہ ہوا اور مجھ کو بار بار اخراجات کے لئے ملک میں دورہ کرنا پڑا کیونکہ پچاس بچوں کا ہر قسم کا خرچ معمولی چیز نہ تھی۔ اس دورے کی وجہ سے اصلی مقصد فوت ہوتا تھا۔ اور میرا ضمیر کہتا تھا کہ جب مقصد کی تکمیل نہیں ہو سکتی تو قوم سے چندہ لینا ہرگز جائز نہیں۔ آخر جب میں بورڈ بنانے کی کوششوں میں ناکام ہوا تو میرے لئے سوائے اس کے چارہ کار نہ تھا کہ میں دار الاصلاح کو بند کر دوں یا دار الاصلاح کو قوم کے ہاتھ میں دینا چاہتا تھا اور قوم باوجود تربیت تربیت کی پکار کے اس سے گریز کرتی تھی۔ میں صرف قوم سے اس اسکیم پر عمل کرنے کی جو تربیت کے لئے مرتب کی تھی کامل آزادی چاہتا تھا اور قوم سے متمنی تھا کہ آمدنی اور خرچ کے شعبہ کو وہ اپنے ہاتھ میں لے کر مجھکو اس کی فکر سے مامون کر دے۔ میرے کام کو سراہا گیا میری اسکیم کو تسلیم کیا گیا لیکن یہ سب زبانی جمع خرچ ہی تک محدود رہا۔ میں نے اس کے بعد ارادہ کر لیا کہ اب کوئی کام ایسا نہ کروں گا جس کی برداشت کی طاقت مجھ میں نہ ہو۔

میرا مقصد صرف اس بیان سے یہ ظاہر کرنا ہے کہ مسلمان صرف باتیں کرنا جانتے ہیں اور صرف ان کاموں میں خون لگا کر شہید ہونے کو تیار رہیں جن میں فوری شہرت یا وجاہت کے حصول کی امید ہو۔ اور

اب تک اسی روش پہ ہے اکبر مست و بے خبر   کہہ دے کوئی عزیز من فصل بہار ہو چکی

زندہ قومیں اپنا عزیز وقت باتوں میں صرف نہیں کیا کرتیں وہ فوراً عملی اقدام کرتی ہیں۔ یورپ کو جانے دو ہندوستان میں سوائے مسلمانوں کی ہر قوم اپنی بقا اور اپنے استحکام و قوت کے کاموں میں مصروف ہے۔ دہلی میں ہنود کی تربیت گاہیں مختلف ناموں سے متعدد موجود ہیں۔ گروکل کانگڑی کی شاخیں ملک کے ہر شہر اور ہر قصبہ میں کھلی ہوئی ہیں۔ اس کے مقابلے میں مسلمانوں کے پاس کیا ہے؟ صرف رسالوں اور اخباروں میں مضامین۔ ہماری مثال سان کے پتھر کی ہے کہ وہ لوہے کو تیز کر کے چیزوں کو کاٹنے چھانٹنے کے لائق بنا دیتا ہے لیکن خود پتھر ہی رہتا ہے۔

ہم مایوس نہیں ہوتے ہمارے مذہب میں مایوسی کفر ہے لہٰذا اس تمہید کے بعد تربیت کے متعلق اپنے مختصر خیال پیش کئے دیتے ہیں۔ کہ شاید "جاگنے والے اسی بانگ درا سے دل ہوں" مگر ہم خود اس کو لے کر کھڑے ہونے کو تیار نہیں۔ ہاں اگر کوئی صاحب ہمت کریں تو ہم اپنی حقیر خدمات پیش کرنے کو آمادہ ہیں۔

تربیت - تربیت دو قسم کی ہے (۱) تربیت قوائے ذہنی اور (۲) تربیت قوائے بیرونی جسم۔

قوائے ذہنی میں چھ چیزوں کی تربیت ہے، پانچوں حواس اور ایک فہم و ادراک۔ قوائے بیرونی کی تربیت تین چیزوں پر مشتمل ہے (۱) ہاتھ (۲) پیر اور (۳) دانت۔

حواس خمسہ سب جانتے ہیں کہ سننا، دیکھنا، سونگھنا، ذائقہ چکھنا، اور مس کرنا یعنی چھونا ہیں۔ انسان بڑا ہو یا بچہ جس چیز میں اس کو دلچسپی ہے اُس کو نہ سنکر بھولتا ہے نہ دیکھکر نہ سونگھ کر فراموش کرتا ہے نہ چکھ کر نہ چھو کر کیونکہ وہ اپنے حواس خمسہ کو اپنی دلچسپی کی وجہ سے پوری توجہ سے استعمال کرتا ہے۔ پس بچوں کے حواس خمسہ کی تربیت کے لئے دلچسپی پیدا کرنے کی ضرورت ہے تاکہ حواس عادی ہوکر صحیح کام کرنے لگیں پہلے زمانے کی مائیں اپنے بچوں کو ایسے کھیل کھلایا کرتی تھیں جن سے یہ حواس تربیت پاکر بیدار ہو جاتے تھے (ان کھیلوں کو حواس مقصد کو مدنظر رکھ کر ہم کو کھلانے گئے۔ اگر ضرورت ہوئی تو پھر کبھی پیش کرینگے) آجکل یورپ میں فروبل اور منٹسوری وغیرہ طریق پر کام کیا جاتا ہے۔

حواس خمسہ اگر صحیح کام کرنے لگیں تو فہم و ادراک خود بخود بڑھنے لگتے ہیں۔ کیونکہ فہم و ادراک کا انحصار انہیں حواس پر ہے۔ پس ضروری ہے کہ جو کچھ سنے یا دیکھے یا سونگھے یا چکھے یا چھوئے اس میں غلطی نہ کرے تاکہ نتیجہ صحیح نکال سکے۔ آجکل مدارس اور مکتبوں کی تعلیم میں ان باتوں پر بالکل توجہ نہیں کی جاتی اور گھروں میں تربیت ہوتی نہیں ہم نے خود دیکھا کہ دو برس مدرسہ میں پڑھا کتاب زبانی یاد ہے مگر لفظ یا حرف شناسی مفقود ہے یہ قصور جہاں اُستاد کا ہے وہاں والدین کا بھی ہے جو جلدی جلدی کتابیں ختم کرانا چاہتے اور استعداد پیدا کرنے کی پرواہ نہیں کرتے جس کا خمیازہ آگے چل کر بڑی جماعتوں میں یا بڑے ہوکر دنیا کے کاروبار اور قومی کاموں کو بھگتنا پڑتا ہے جسکے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں واقعات اور حالات خود شاہد ہیں کہ مسلمان زندگی کی ہر ضرورت میں دیگر اقوام سے اس قدر پیچھے ہیں کہ نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اور اگر کچھ کرتے بھی ہیں تو صرف دوسروں کی نقل خواہ وہ اُن کے لئے بحیثیت قوم مفید ہو یا مضر۔ انھوں نے دیکھا کہ غیر قومیں تعلیم سے آگے بڑھیں وہ بھی اس کا غل مچانے لگے لیکن اس پر غور نہ کیا کہ وہ تعلیم کونسی ہے جس نے ان کو آگے بڑھایا اور اس میں کس تربیت کا رنگ ہے۔ یا دیکھا کہ غیر اقوام سودی لین دین کرتی ہیں تو ان کو بھی سود جائز کرنے کی فکر ہوئی اور دیکھا کہ اغیار ملکی چیزیں پردہ نہیں کرتیں۔ تو یہ سمجھ کہ ان کی ترقی کی یہی وجہ ہے وغیرہ مگر ان امور کے حسن و قبیح پر انھوں نے غور نہیں کیا۔ اس کی اصل وجہ وہی بچپن میں تربیت ذہنی کا نہ ہونا ہے اس قسم کے امور پر یہ صحیح نظر نہ ڈال سکے۔ یہ اثرات تعلیم کا بھی ہے جو بغیر تربیت حاصل کئے انھوں نے مدارس میں حاصل کی اور اس میں غیر قوم کے عناصر مخفی تھے۔

حصول علم کے یہی پانچ ذرائع ہیں۔ اگر یہ صحیح کام کرنے اور پاک صاف ہیں تو غلطی کا امکان باقی نہیں رہتا۔ مثلاً ایک سانپ پڑا ہو اور ہم دیکھ کر یہ نہ معلوم کرسکیں کہ اصلی ہے یا ربڑ کا تو یہ علم نہ کہلائے گا اور ہم غلطی کا ارتکاب کرسکیں گے کیونکہ ہمنے دیکھا تو ضرور مگر اس کے مالہ اور ما علیہ پر غور نہ کرنے کی وجہ سے علم حاصل نہ ہوسکا اور دھوکا کھایا۔ پس صحیح تربیت وہی ہوسکتی ہے جس میں فہم و ادراک کا ساتھ ساتھ نشو و نما ہو۔

ہم ایک دفعہ شکار کو گئے۔ ہمارے ساتھ گاؤں کا ایک آدمی بھی تھا جو شکار کھلایا کرتا تھا۔ جنگل میں پہنچے تو بے شمار ہرنوں کے کھروں کے نشان نظر آئے ہم نے بھی دیکھے اور اس شکاری نے بھی۔ مگر ہمارے لئے صرف اتنا علم تھا کہ اس جنگل میں ہرن ہیں لیکن شکاری نے کہا کہ کالا ہرن ابھی گیا ہے اور قریب ہی کسی کھیت میں بیٹھا ہوگا اور وہ اس کے نشانوں پر ہم کو لے گیا۔ اور ہمنے اس کو مار لیا۔ اتنے کھوجوں میں تازہ کھوج اور وہ بھی کالے ہرن کا اور پھر یہ معلوم کر لینا کہ قریب ہی ملے گا اور یہ سب پیر کا نشان دیکھنے سے یہ ہے صحیح تربیت مگر شکاری کی یہ تربیت صرف ہرن کے ہی کھوج تک محدود تھی اور اس کی

بنادت کا تجربہ تھا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ حواس خمسہ کے صحیح کام کرنے سے بھی صحیح اور مکمل علم نہیں ہوسکتا جب تک ہر پہلو کی جانچ نہ کرلی جائے۔ پس بچوں کی تربیت میں یہ جملہ امور پیش نظر رہنے چاہئیں۔

قوائے جسم ہمارے بچے بے پرواہی کی وجہ سے بہت نقصان کیا کرتے ہیں اور چینی یا شیشے کے برتنوں کا تو کچھ پوچھنا ہی نہیں۔ اصل یہ ہے کہ ان کو ہاتھوں سے کام کرنا سکھایا ہی نہیں گیا۔ ان کو نہیں معلوم کہ کس چیز کو کس طرح اور کہاں سے پکڑنا چاہئے

پہلے زمانے میں ہماری مائیں ہمکو کاغذ موڑ کر اور کاٹ کر بیسیوں چیزیں بنانا سکھاتی تھیں۔ تیلیوں اور سرکنڈوں کی میز کرسی پلنگ وغیرہ بنا کر تعلیم دیا کرتی تھیں جس سے مقصد ہاتھوں اور آنکھوں کی تربیت تھا۔ آج کل بلڈنگ برکس۔ وینے برکس۔ میکینو۔ پیپر کٹنگ و پیٹنگ اور ٹرننگ وغیرہ کی ایجادیں اسی غرض سے کی گئی ہیں۔ لیکن بچے کھیلنا نہیں جانتے۔ اگر ان کو اکیلا چھوڑ دیا جائے تو وہ توڑ پھوڑ اور کاٹ پیٹ کر کوڑا بنا دیں گے۔ لہٰذا یہ فرض بڑوں کا خصوصًا ماں کا ہے کہ کھیل میں دلچسپی پیدا کرکے بچوں کو بنانا سکھائے اور کھیل کے بعد سب چیزوں کو بچوں سے اٹھوا کر ڈھنگ سے اُن کے سامنے رکھے اور جب ذرا بڑے ہوجائیں تو پھر اپنے سامنے ان سے رکھوائے تاکہ ان کو چیزوں کو رکھنے اور ان کی ترتیب کا ڈھنگ آئے اور ان کی انگلیاں صحیح کام کرنے لگیں۔ آنکھیں جگہ کا اندازہ کریں اور سمجھ اپنا کام کرے۔ اس کے علاوہ بچوں سے گھر کا چھوٹا موٹا کام لینا خصوصًا ان کو اپنا کام خود کرنے کا عادی بنانا بھی اس میں ممد و معاون ثابت ہوگا۔ انکی تندرستی کے لئے بھی مفید ثابت ہوگا اور محنت کی عادت پڑے گی۔ پیپر کٹنگ پیٹنگ اور ٹرننگ کی کتاب انگریزی میں ہے۔ عزیزم رازق الخیری اس کا اردو ترجمہ کرکے یا کراکے خواتین کے سامنے پیش کریں تو میرے خیال میں بہت بڑی خدمت انجام دیں گے۔ اس کی مدد سے تربیت کے علاوہ گھر میں بہت سی چیزوں کو بنا لینے کی خود ماؤں میں بھی اہلیت اور قابلیت پیدا ہوجائے گی۔

فہم وادراک زمانہ ماسبق میں مائیں فرصت میں بیٹھکر آسان پہیلیاں بچوں سے بوجھوایا کرتی تھیں اتا یہ دیکر ان کو ننھے فہم وادراک کی مدد کرتی تھیں۔ اور ایسے کھیل کھلایا کرتی تھیں جن کا اثر قیافہ کی قوۃ پر پڑ کر فہم اور ادراک کو بڑھاتا تھا آج یہ چیزیں متروک ہیں۔ مگر ضرورت ہے کہ اُن کو پھر واپس لایا جائے۔ اور مائیں جو آجکل قوم کی اصلاح میں مشغول ہیں آئندہ قوم کی تعمیر کے لئے بھی کچھ وقت نکالیں۔

اگرچہ دونوں اقسام تربیت لازم و ملزوم ہیں اور ایک دوسرے سے وابستہ لیکن تربیت حواس کا اثر قوائے فکریہ پر براہ راست نہیں پڑتا اور اس کی وجہ سے سوچنے کا مادّہ پیدا نہیں ہوتا اور تربیت نامکمل رہتی ہے اگر یہ مادہ پیدا نہ ہو۔

تحریر باوجود اختصار کی کوشش کے طویل ہوگئی اور ہم اس کو ختم کرتے ہیں لیکن آخیر میں اتنا ضرور عرض کرینگے کہ ہر شہر میں بچوں اور بچیوں کی تربیت کا انتظام ہوسکتا ہے مگر فی بچہ ۲ عہ ماہوار فیس ہوگی جس میں کرایہ مکان۔ ملازم۔ پانی کا انتظام۔ صفائی فرش۔ کھلونے اور ان کی ٹوٹ پھوٹ شامل ہے۔ بچوں کی عمر ۳ سال سے کم اور پانچ سال سے زیادہ نہ ہو۔ کل زمانہ تربیت ۴ سال ہوگا مگر پانچ سال کی عمر کے بچوں کا زمانہ ۲ سال ہوگا۔ ۷ برس کی عمر میں تعلیم شروع ہوجاتی ہے۔ لہٰذا خاص تربیت ۷ سال کی عمر تک ہوسکتی ہے۔ اس عرصہ میں علاوہ تربیت مذکورہ بالا کے بچے اردو پڑھتے۔ جمع تفریق ضرب تقسیم تک حساب جانتے اپنی عمر کے مطابق انگریزی اور عربی بولتے اور پڑھتے اور بہت سی معلومات سے واقف ہوسکتے ہیں۔

مگر ہم یہ جانتے ہیں کہ مسلمان اپنی پیاری اولاد کے لئے یہ خرچ ہرگز برداشت نہ کرینگے۔

محمد عبد الغفار الخیری

ہماری نسلوں کی گمراہی

موجودہ زمانہ جس کو مغربی تعلیم وتہذیب کے دلدادہ ترقی کا زمانہ کہتے ہیں حقیقت میں ہماری نسلوں کے اخلاق و اطوار کے حق میں سمِ قاتل ثابت ہو رہا ہے اور اس کی دو زبردست وجوہ ہیں۔

(۱) ہندوستانیوں کا طرزِ معاشرت۔ (۲) موجودہ زمانہ کی رفتار۔

ہم بڑے فخر کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ ہمارے بچے بھونرے کے پلے ہوئے ہیں۔ اُن کو دُنیا کی بُرائی بھلائی سے کوئی سروکار ہی نہیں ہے۔ ایسے بھونے بھالے اور سیدھے سادھے ہیں کہ کسی بات میں مین میخ نکالنا جانتے ہی نہیں۔ جو جس نے کہہ دیا انہوں نے فوراً یقین کر لیا۔ سچ پوچھیے تو یہ چیز خوش ہونے کی نہیں بلکہ رونے کی ہے دُوراندیشی عقلمندی اور بچوں کے حق میں حقیقی دوستی یہ ہے کہ ہم ان کے اخلاق و اطوار کو مستحکم اور مضبوط بنانے کے واسطے دُنیا کے معاملات اور ان کے نشیب و فراز سے اچھی طرح انہیں آگاہ کر دیں۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ ہم لوگ زمانہ کی بے ربطگی اور دُنیا کی برائیوں کو اپنی اولاد سے اس طرح چھپاتے ہیں گویا ان تمام بُرائیوں کے ذمہ دار ہم خود ہیں۔ ایک بچہ بازار میں کسی بدحواس شرابی کو دیکھ کر باپ سے سوال کرتا ہے کہ ابا اس آدمی کو کیا ہوا۔ والد صاحب اپنے خیال میں دانائی سے کام لیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ "بیٹا یہ شخص دیوانہ ہے اس کی طرف نہ دیکھو۔"

شراب چونکہ ایک تباہ کن چیز ہے اس لئے اپنی دانست میں تو وہ یہی کوشش کرتے ہیں کہ لفظ شراب کی اصلیت سے ان کا بھولا بھالا اور سیدھا سادا بچہ واقف نہ ہو لیکن یہ بچہ ہمیشہ بچہ ہی رہے گا؟

اور والد صاحب کب تک اور کہاں تک لیپا پوتی کرتے رہیں گے؟

اگر آپ کا بچہ سوال کرے کہ "شراب کیا چیز ہے اور واقعی اگر آپ چاہتے ہیں کہ وہ کبھی شراب نہ پئے تو شراب کو شربت کہہ کر بچہ کی تسلی نہ کیجئے بلکہ اس کو بتایئے کہ شراب کیا چیز ہے اُس کو سمجھایئے کہ شراب کیسے مکروہ طریقے سے بنائی جاتی ہے۔ اور اس کے ذہن نشین کیجئے کہ شراب کے کیا کیا نقصانات ہوتے ہیں۔ آپ شراب کی اصلیت کو اس طریقہ سے بیان کیجئے کہ بچہ کے دل میں خود بخود اس کی ہیبت پیدا ہو جائے۔

آپ اکثر سُنتی اور اخبارات میں پڑھتی ہوں گی کہ ایک آٹھ دس سال کی بچی کو پریشان کرنے کے جرم میں ایک بدمعاش کو چودہ سال کی قید سخت ہو گئی۔ کبھی آپ نے اس پر بھی غور فرمایا کہ یہ سب کیوں ہوا؟ یہ وہی بھونرے میں پلی ہوئی سیدھی سادی بچی ہے جس کو شراب کو شربت اور شرابی کو دیوانہ کہہ کر بہلایا جاتا تھا۔ شاید آپ یہ خیال کریں کہ اتنی ذرا سی بچی۔ اس غریب کی بساط ہی کیا تھی۔ لیکن آپ کا خیال صحیح نہیں اگر اسی بچی کی تربیت صحیح طریقے پر کی جاتی اور

اس کی عمر کے موافق تھوڑی بہت آگاہی بھی اس کو ہوتی رہتی تو کسی خونخوار درندے کے پنجے میں آسانی سے نہ آسکتی تھی۔ ایک ننھی سی پاؤں تلے کی چیونٹی کی بھی کچھ بساط ہوتی ہے۔ لیکن کیا آپ کو نہیں معلوم کہ وہی حقیر چیونٹی کس طرح ایک ہیبت ناک عظیم ہاتھی کی ہلاکت کا باعث ہوتی ہے۔

کبھی آپ نے غور بھی فرمایا کہ ہر صوبہ ہر ضلع اور ہر شہر میں طوائفوں کی تعداد کتنے جلدی بڑھ رہی ہے۔ اور بے شمار انجان سیدھے سادے لوگ اپنے ہاتھوں اپنی زندگی برباد کر رہے ہیں۔ آخر ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ اور اس کے کیا اسباب ہیں، یہ صحیح اور یقیناً صحیح ہے کہ یہ گروہ قابلِ نفرت اور لائق ملامت ہے اور اخلاق کی دنیا میں یہ خدا کی بدترین مخلوق ہے لیکن کیا اس بے غیرت قابلِ صد ملامت گروہ کو پیدا کرنے والے قابلِ عزت اور لائق افتخار ہیں؟ آپ کہیں کہ پیدا کس نے کیا اور پروان کس نے چڑھایا؟ سنئے اور غور بھی فرمایئے کہ اس کے تمام تر ذمہ داران کے والدین ہیں۔ جنہوں نے ان کو پال پوس کر دنیا کی نگاہوں میں ایک ذلیل اور بدترین ہستی بنا دیا۔ کوئی طوائف اللہ میاں کے گھر سے طوائف بن کر نہیں آئی۔ ماں باپ کے تغافل اور بے وقوفی نے ہی تو اس کو بے غیرتی والے جیتی کے عمیق گڑھے میں ڈھکیل دیا۔ ہم ہندوستانیوں کی بے شمار سیدھی سادی اور بھولی بھالی معصوم لڑکیاں جنہیں دنیائے نشیب و فراز سے بے خبر رکھا جاتا ہے نامعقول مردوں کے دامِ محبت میں گرفتار ہو کر فرار ہو جاتی ہیں۔ اور آئے دن ایسی خبروں سے اخبارات کے کالم کے کالم سیاہ نظر آتے ہیں۔ اس کا سبب یہی ہے کہ ناعاقبت اندیش والدین لڑکیوں کو چالاک اور عیار مردوں کے اس دھوکہ فریب کو جس کو محبت سے تعبیر کیا جاتا ہے ناواقف رکھتے ہیں وہ نہیں بتاتے کہ اس محبت کی اصلیت کیا ہے اور نہیں سمجھاتے کہ اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔

والدین کا یہ نہایت ضروری فرض ہے کہ وہ اپنی لڑکیوں کو بتا دیں اور ان کے دل و دماغ میں پیوست کر دیں کہ ایسی محبتیں تمہاری زندگیوں کو برباد اور تمہارے ناموس کو بٹہ لگا دیں گی۔ یہ ہی لڑکیاں زبردست دھوکہ کھانے کے بعد جب ہر طرف نگاہ دوڑاتی ہیں تو ان کو محسوس ہوتا ہے کہ دنیا ہمیں پھاڑ کھانے کو تیار ہے اور سوسائٹی ہمارے جسم میں تھوک رہی ہے۔ صورت شکل کے اعتبار سے اور عادت و اطوار کے لحاظ سے بے شمار لڑکیاں ان سے بدتر ہیں مگر دنیا میں ان کے لئے عزت و محبت ہے اور ان کے لئے ہر طرف سے دھر دھر پھٹ پھٹ اور لعنت و ملامت۔ اب لازمی طور پر انہیں ایک ایسی دنیا کی جستجو ہوتی ہے جو ان کو قدر دانی کے ہاتھوں سے لے اور جھوٹی محبت کی نگاہوں سے دیکھے۔ بالآخر انہیں اس بے غیرت فرقے میں جگہ مل جاتی ہے جو قابلِ نفرین اور لائق ملامت ہے۔ بڈھے مرد سے جوان لڑکی کی شادی، شوہر کے بے پناہ مظالم، افلاس اس بے غیرت زندگی کے یہ اسباب بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن نسبتاً بہت کم موجودہ زمانہ کی طوائفوں میں زیادہ تر وہی سیدھی سادی لڑکیاں نکلیں گی جن کے ماں باپ نے ان کو زمانہ کی مکاریوں اور برائیوں سے بے خبر رکھ کر بھولے پن میں پالا تھا۔

بداخلاقیوں کی بہتات کی دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم لوگ مغرب کی اندھا دھند تقلید کر رہے ہیں اور اُس کو باعثِ عزت سمجھتے ہیں۔ ہمارے آجکل کے ناٹک اور سینما بے شمار اخبارات و رسائل نوجوانوں کو گناہ کی دعوت دے رہے ہیں اور ہمارے بیشتر مضمون نگار فحش اور اشتعال انگیز مضامین لکھتے ہیں جس کے ذمہ دار ایڈیٹر صاحبان ہیں کہ وہ ایسے مضامین شائع کر کے ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ اور قوم کو آوارگی کی پٹی پڑھاتے ہیں اور پھر غضب تو یہ ہے کہ بہت سی خواتین بھی اس لائن میں خوب خوب کمالات دکھا رہی ہیں۔ عورتیں جو شرم و حیا کی دیویاں کہلاتی تھیں اب مضمون نگار بن کر "ادب لطیف" کے وہ پھول جھاڑ رہی ہیں کہ الٰہی تیری پناہ! چوتھائی صدی قبل کسی مرد کے قلم سے بھی ایسے الفاظ ادا نہ ہو سکتے تھے جو اب شریف بیگمات کے قلم سے نکل رہے ہیں!

پہلے زمانہ میں بائسکوپ تھے اور نہ یہ "ڈانس" مخرب اخلاق کتابوں کی بھرمار تھی اور نہ اشتعال انگیز مضامین کی بہتات۔ اس لئے اُس وقت کے بچوں کو زمانہ کی مکاریوں ناہمواریوں کو سُوجھانے کی اس قدر ضرورت نہیں تھی لیکن اس نازک وقت میں کہ ہر ہر قدم پر بے شمار اژدہے اور خوفناک درندے ہماری نسلوں کو برباد کرنے کے لئے مُنہ پھاڑے کھڑے ہیں۔ زندگی کے کٹھن اور مشکل راستے سے گذرنے کے لئے ضرورت ہے کہ ہم اپنے بھولے بھالے بچوں کو اِن موذیوں سے آگاہ کر دیں۔ اور اُن پر روز روشن کی طرح ظاہر کر دیں کہ تمہاری ذراسی لغزش تمہاری ساری زندگی کو تباہ و تاراج کر دے گی۔ اور تمہارے خاندان کے نام پر وہ دھبہ لگ جائے گا۔ جس کا چھٹنا پھر ناممکن ہے اور پھر تمہارے ساتھ تمہارے عزیز بھی دنیا کو مُنہ دکھانے کے قابل نہ رہیں گے۔

آمنہ نازلی

شوہر کا انتظار

شام آئی پھیکا پڑتا جا رہا ہے آسماں
پڑتی ہیں میداں پہ اُونچے کوہ کی پرچھائیاں

گنگناتی ہے ندی رنگین نغمے شام کے
کھت اُڑاتی جا رہی ہے کھیلتی کہسار سے

پانی بھرنے کو چلی ہیں گاؤں کی سب لڑکیاں
گر رہی ہیں کیف زا ہونٹوں سے جنگی بجلیاں

بکریاں لے کر چلے آتے ہیں چرواہے سبھی
گونج رہی ہے ان کے نغموں سے فضا میں بھیرویں

ڈھور ڈنگر غل مچاتے آ رہے ہیں تھان پر
گرد میں آلودہ گاؤں کی فضا ہے سر بسر

میں مگر مغموم ہوں مایوس ہوں رنجور ہوں
نالہ کش ہوں اس لئے میں درد سے مجبور ہوں

گاؤں میں رونق ہے لیکن وہ ابھی آئے نہیں
دل کو آتی ہے تسلّی آتے ہی ہوں گے کہیں

ہل کو کاندھے پر دھرے آتے ہی ہوں گے خیر سے
مجھ سے ملنے کی خوشی میں ڈھور ڈنگر ہانکتے

میری سکھیاں کھیلتی ہیں میں ہوں محوِ انتظار
خیر اُجڑے باغ میں بھی مسکرائے گی بہار

ن۔ س۔ حجاب جالندھر

جنگل میں چند روز

اب کے کرسمس کی تعطیل ہم لوگوں نے سی پی میں چاندا ضلع کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں گذاری - یہ گاؤں پچاس ساٹھ گھروں پر مشتمل تھا - اور ایک لمبے گھنے جنگل کے اندر ہے - ہم لوگ شکار کے ارادے سے گئے تھے - اور مجھے یوں بھی "کیمپ لائف" دیکھنے کا شوق تھا کیونکہ مجھ کو کبھی بڑے شہروں کے سوا گاؤں میں رہنے یا دورہ کرنے اتفاق نہیں ہوا - شکار کے لحاظ سے چاندا کے اطراف بہترین سمجھے جاتے ہیں - کیونکہ ان کے جنگلوں میں شیر تیندوا - سابر چیتل - ریچھ ملتے ہیں - کئی جھیلیں بھی آس پاس ہیں - اس لئے ہر قسم کی چڑیوں کے شکار کے لئے بھی اچھی جگہ ہے - یہاں مگر بھی مل جاتا ہے - مختصر یہ کہ ہر قسم کے شکار کے لئے یہ علاقہ بہت ہی مشہور ہے -

ہم لوگ جن کے مہمان تھے - وہ دونوں بہت عمدہ شکاری ہیں اور جنگل کے متعلق حیرت انگیز واقفیت رکھتے ہیں - ایک ایک جانور کی عادات اور پاؤں کے نشانات وغیرہ سے یہ دونوں ایسے واقف ہیں جیسے شہر کے لوگ "ٹرانک سگنلز" سے -

ہم لوگ ڈیرے میں ٹھہرے تھے لیکن ڈیرہ کیا تھا اچھا خاصا بنگلہ - دو کمرے تھے سونے کا کمرہ اور بیٹھنے کا کمرہ برآمدہ اور غسل خانہ - ہماری میزبان صاحبہ کا انتظام ایسا تھا کہ شہر سے میلوں دور ہر چیز موجود اور ہر طرح کا آرام - ہمارے علاوہ کچھ اور لوگ بھی مہمان ٹھہرے ہوئے تھے - بچے اور نوکروں کی بھی کافی تعداد تھی - لیکن اتنے بڑے کارخانہ کا انتظام وہ اس حسن و خوبی سے کرتی تھیں کہ بغیر داد دئے نہیں رہا جاتا -

موسم نہایت ہی خوشگوار تھا - سی پی میں سخت سردی تو پڑتی ہی نہیں - کرسمس کے ہفتہ میں کسی قدر زیادہ تھی لیکن اتنی نہیں کہ ناگوار ہو - ہم لوگ روز صبح اٹھ کر شکار کی تلاش میں روانہ ہو جاتے تھے - اور ایک آدھ سابر یا چیتل مار لاتے تھے - یہاں اس قدر کثرت سے شکار ہے کہ جھنڈ کے جھنڈ چیتلوں کے نظر آتے ہیں اور سابر بھی بہت سے دکھائی دیتے ہیں - لیکن چونکہ شیر کے شکار کو آئے تھے اس لئے ایک دو چیتل ہی مارے وہ بھی کھانے کے لئے چیتل اتنا خوبصورت اور معصوم جانور ہے کہ مجھ کو تو اس پر بڑا ہی رحم آتا تھا - اور میں مرا ہوا چیتل یا سابر دیکھ کر بہت ہی کڑھتی تھی - اس میں شک نہیں کہ شکار ایک ظالمانہ کھیل ہے لیکن سمجھ میں آسکتا ہے کہ اس سے کیوں لطف حاصل ہوتا ہے - انسانی زندگی اب تمدن اور تہذیب کی ترقی سے اس قدر زیادہ محفوظ اور پُرامن ہو گئی ہے کہ اس میں خطرہ کا کوئی جزو باقی نہیں رہا - اور خطرہ کا جزو زندگی میں ایک پُرلطف ہیجان پیدا کرتا ہے - اور اسی ہیجان کے لئے لوگ شکار کھیلتے ہیں - خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا - اب ہمارا پروگرام سنیئے - ہم لوگ روزانہ صبح شکار کی تلاش میں

جایا کرتے تھے۔ صبح کی جاں بخش ہوا میں ڈرائیو خود ہی بہت پُرلطف چیز تھی پھر شکار کی تلاش اسے اور بھی پُرلطف بنا دیتی تھی۔ ہم لوگ چاروں طرف نظریں دوڑاتے رہتے تھے کہ شاید کوئی جانور مل جائے۔

شکار کے بہت سے اُصول ہیں جو مجھے معلوم نہ تھے مثلاً چلتی موٹر میں سے گولی نہیں چلا سکتے سوائے خطرناک موقعوں کے یعنی ایسے جانوروں پر جن سے خطرہ ہو جیسے شیر تیندوا وغیرہ موٹر سے اُتر کر گولی چلانے کا قاعدہ ہے۔ اکثر تو موٹر ٹھہراتے ٹھہراتے اور اُترتے اُترتے جانور بھاگ جاتا ہے اور یہی مقصد بھی اس اصول کا ہے یعنی جانور کو پورا موقعہ جان بچانے کا دیا جائے۔ اگر اس پر بھی وہ نہ بھاگ سکے یا نہ بچ سکے تو مار دو۔ مادہ کو کبھی نہیں مارتے اور نر بھی جب تک اس کے سینگ مکمل نہ ہوں نہیں مارتے۔ جانور کو زخمی کر کے چھوڑ دینا بھی بُرا سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ اس سے اس کو خواہ مخواہ کی ایذا ہوتی ہے۔ اگر نشانہ لگنے کا یقین نہ ہو تو نہیں مارا جاتا۔ یا اگر زخمی جانور بھاگ جائے تو پوری کوشش کی جاتی ہے اور میلوں اس کے پیچھے چل کر اس کا خاتمہ کیا جاتا ہے۔ یہ نہیں کہ بندوق اُٹھائی گولی چلا دی اور چلتے بنے۔

ہمیں روزانہ صبح کچھ نہ کچھ ملا۔ پہلی صبح کو ایک بہت بڑا سا بارہ سنگھا بالکل ہی قریب سڑک کے کنارے کھڑا تھا اور ایک ہی گولی میں ختم ہو گیا۔ ہم لوگوں کے پہنچتے پہنچتے مر چکا تھا۔ اس نے چند چیزیں اس جگہ پر نشان کے لئے چھوڑ دیں اور واپس ڈیرہ جا کر نوکروں کو بھیج کر اُسے منگوا لیا۔ سانبر کی کھال کے جوتے سوٹ کیس وغیرہ بہت عمدہ بنتے ہیں۔ سانبر کئی دفعہ ملے۔ تین دفعہ چیتل، ویسے نظر بہت سے جانور آئے۔ دس ساڑھے دس بجے کے قریب واپس آتے منہ ہاتھ دھو کر کھانا کھاتے پھر کچھ دیر تک بیٹھے باتیں کرتے۔ اس کے بعد اگر شیر کا گارا ہو جاتا تو مچان پر جانے کی تیاریاں شروع ہوتیں یا پھر بطخوں چڑیوں کے شکار کو روانہ ہوتے۔ چائے کا سامان ساتھ رکھ لیا جاتا اور سات آٹھ میل دور کسی جھیل پر پہنچ کر چائے پی جاتی اس کے بعد مرد بندوقیں لے کر شکار کو روانہ ہوتے۔ ہم لوگ جھیل کے کنارے بیٹھ کر نشانہ لگانے کی مشق کرتے۔ ہم لوگوں میں سے ایک کا نشانہ بہت درست تھا۔ وہی مجھے نشانہ بازی سکھاتی تھیں۔ سامنے مٹی کی ہنڈیاں مٹکے رکھ لئے جاتے اور ان پر چھرے لگایا کرتے۔ بڑا لطف آتا تھا۔

شام تک دو ایک بطخیں ایک دو چہے سرپ وغیرہ لے کر ہماری پارٹی کے مرد واپس آتے اور موٹروں میں بیٹھ کر واپس اپنے ڈیرے کو روانہ ہو جاتے۔ راستہ میں برابر جانور تلاش کرتے رہتے۔ اگرچہ ملنے پر مارتے بہت کم تھے۔ لیکن ان کو ڈھونڈنے میں بھی مزہ آتا تھا۔ ان کے ملنے پر شکار کرنے کا ارادہ ہمیشہ نہیں ہوتا تھا۔ اُمید یہ ہوتی تھی کہ شیر تیندوا یا ریچھ جیسا بڑا شکار شاید اس طرح سے مل جائے اور ملا بھی لیکن اس کا ذکر پھر آئے گا۔

ہمارے پہنچنے کے دوسرے دن گارا ہو گیا یعنی جو بھینس کا بچہ موقعہ کی جگہ دیکھ کر شیر کے لئے باندھ دیتے ہیں اس کو شیر نے آ کر مار دیا اس سے یقین ہو گیا کہ اس جگہ کے آس پاس کہیں شیر بیٹھا ہو گا۔ شیر کی عادت ہے کہ وہ جانور

کو مارکر پورا نہیں کھاتا بلکہ صرف ایک آدھ ٹکڑا کھا لیتا ہے اور دوسرے دن پھر اسی کو کھانے وہیں آتا ہے۔ شیر کے دوبارہ آنے سے پہلے اس جگہ مچان باندھ کر بیٹھ جاتے ہیں اور جب وہ آتا ہے تو مار ڈالتے ہیں۔ صرف اسی بات پر اکتفا نہیں کیا جاتا کہ مچان بندھوا کر اس جگہ ٹھہر گئے جہاں شیر اپنے شکار کو چھوڑ گیا ہے بلکہ کوشش کرکے شیر کو وہاں لایا جاتا ہے۔ مچان پر بیٹھنے کے بعد پچاس ساٹھ آدمی جنگل کے دوسرے حصے میں شور مچانا شروع کرتے ہیں۔ چیخ چیخ کر اور باجے بجا بجا کر شیر کو پریشان کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تاکہ شیر گھبرا کر اُدھر سے اِدھر آنکلے یعنی جس طرف مچان بندھے ہوئے ہیں۔

ہم صبح کے شکار سے واپس آئے تھے کہ معلوم ہوا اگارا ہوگیا سب کو بڑی خوشی ہوئی۔ جلدی جلدی کھانا کھاکر سب نے مچان پر بیٹھنے کے لئے خاکی کپڑے بدلے۔ اور موٹر میں بیٹھ کر جنگل کی طرف روانہ ہوئے۔ موٹر صرف تھوڑی دُور پہنچی تھی کیونکہ اس کی آواز سے شیر کے بھڑک جانے کا اندیشہ تھا۔ اس لئے باقی راستہ ہاتھی پر سوار ہوکر طے کیا۔ میرے لئے یہ بھی نیا تجربہ تھا اور جس وقت ہاتھی اُٹھنے لگتا تو مجھے ایسا معلوم ہوتا کہ ہم لوگ اب اس پر سے لڑھک جائیں گے۔ میرے ساتھ راجہ صاحب پیر پور کی بچی تھی۔ وہ اور ہم ہر دفعہ ایک دوسرے کو لپٹ جاتے اور یہ سوچتے کہ اب لڑھکے اب لڑھکے۔

مچان سے پچاس گز کے فاصلہ پر ہاتھی پر سے بھی اُتر پڑے اور پیدل چلنا شروع کیا۔ اب ہر ایک بالکل خاموش تھا کہ شیر کہیں ذرا سی آہٹ بھی نہ پالے۔ دبے پاؤں مچان پر چڑھے۔ کل تین مچان تھے۔ جس میں ہم سب الگ الگ بیٹھ گئے۔ ہم اور صاحب ایک مچان پر دم سادھ کر بیٹھ گئے۔ "ہانکا" یعنی لوگوں کی چیخ و پکار شروع ہوگئی۔ ہم لوگ بندوق لئے ساکت بیٹھے تھے۔ "ہانکا" قریب آتا جاتا تھا۔ لیکن شیر کا پتہ نہ تھا۔ کئی دفعہ پتّوں کی کھڑکھڑاہٹ سُنکر صاحب نے بندوق سنبھالی لیکن کچھ بھی نظر نہ آیا۔ آنکھیں جنگل کو چھان رہی تھیں۔ کان آہٹ پر لگے ہوئے تھے۔ خاموشی کا یہ عالم تھا کہ سانس لیتے ہوئے بھی ڈر معلوم ہوتا تھا کہ آواز نہ نکل جائے۔ اس صورت میں تقریباً دو گھنٹے گذر گئے۔ مجھے غنودگی سی آرہی تھی کہ اتنے میں پھر کھڑکھڑاہٹ سے چونکی ہوئی۔ کھڑکھڑاہٹ کی آواز اور قریب آرہی تھی۔ اور ایک دم سے سامنے سے شیر تیزی سے جاتا ہوا دکھائی دیا۔ اُنہوں نے فوراً نشانہ ٹھیک کرکے بندوق چلائی۔ دَن سے آواز ہوئی اور شیر وہیں اُلٹ کر گر پڑا۔ اور پھر ایک دم سے اُٹھ کر بھاگا۔ یہ سب ایک منٹ میں ہوا۔ اور وہی جنگل جہاں اس قدر گہری خاموشی چھائی تھی۔ آوازوں سے گونجنے لگا۔ مار ڈالا۔ مرگیا یا نہیں۔ مارو اور گولی مارو۔ دیکھو بھاگے نہیں وغیرہ وغیرہ۔ دَنادَن کئی فیر اور ہوئے۔ اتنے میں شکاریوں میں سے ایک چلایا "وہ ہے حضور وہ ہے"۔ "بیٹھا ہوا"۔ "مرگیا" ہم لوگوں نے اپنے مچانوں سے چیخ کر پوچھا "پتہ نہیں صاحب پڑا ہوا ہے ابھی تو"۔ جواب ملا۔ بہت دیر تک سوال وجواب ہوتے رہے۔ ہمارے مچانوں سے شیر اب نظر نہیں آرہا تھا لیکن

ہمارے پیچھے درختوں پر جو بیٹھے تھے ان کو دس گز پر شیر پڑا ہوا نظر آ رہا تھا۔ بہت دیر تک جب اس نے بالکل حرکت نہیں کی اور لکڑیاں پھینک کر اس کے مر جانے کا یقین کر لیا گیا تو ہم سب اترے اور وہاں تک پہنچے جہاں شیر مرا پڑا تھا۔ گولی دل پر لگی تھی اور خون نکل رہا تھا۔ یہ اس قدر طاقت ور جانور ہوتا ہے کہ ایسا کاری زخم کھانے کے بعد بھی دس گز تک اور بھاگا۔ بہت بڑا موٹا تازہ شیر تھا۔ سب نے اس کی کھال کی بڑی تعریف کی اور صاحب کو مبارک باد دی کہ آنے کے دوسرے ہی دن انہیں شیر مل گیا۔ ہم سب کی تصویریں شیر کے ساتھ کھینچی گئیں جو افسوس کہ روشنی کی کمی کی وجہ سے صاف نہیں آئیں۔ اس کے بعد ہم لوگ ہاتھیوں پر بیٹھ کر واپس آئے۔ تمام راستہ ہاتھی ہی پر طے کیا۔ یہاں پر میدان میں خوب آگ جل رہی تھی اور آس پاس کرسیاں پڑی ہوئی تھیں وہاں بیٹھ گئے اور اپنے اپنے تاثرات کا موازنہ کرنا شروع کیا۔ کچھ دیر بعد باجوں کی آواز آنی شروع ہوئی۔ میں چونکی کہ یہ کیا۔ ہماری میزبان صاحبہ نے کہا گاؤں والے شیر کو اٹھا کر لا رہے ہیں اور ہمیشہ اسی طرح گاتے بجاتے لاتے ہیں۔ انکو شیر کے شکار کی بڑی خوشی ہوتی ہے۔ ایک دفعہ پھر سب نے شیر کو دیکھا اس کو ناپا گیا تو نو فٹ آٹھ انچ لمبا تھا۔ واحد صاحب نے کھال اتارنے کے متعلق ہدایات کیں اور ہم لوگ واپس اپنی اپنی جگہ آئے۔ تھوڑی دیر بعد غسل کیا اور پھر کھانا کھایا۔ روز یہی پروگرام رہتا۔ صبح شکار پھر کھانا اور آرام دوپہر کو اگر گارا ہو گیا تو مچان پر بیٹھنا۔ یا بطخوں کے شکار کیلئے جھیلوں پر جانا۔ شام کو آگ کے ارد گرد سیاست شاعری وغیرہ۔ تین دفعہ اور مچان پر بیٹھے لیکن شیر پھر نظر نہیں آیا۔ البتہ آنے سے ایک روز قبل شام کو واپس آتے ہوئے ایک تیندوا راستہ میں یونہی مل گیا۔ ہم لوگ موٹر میں سیر کو نکلے تھے اندھیرا ہو چلا تھا اور واپس ہونے ہی کو تھے کہ اچانک سامنے سے ایک تیندوا دکھائی دیا موٹر روک کر فوراً ہی دن دن فیر کئے لیکن تیندوا کود کر جنگل میں جا چھپا۔ ہم میں سے ایک نے ایک جھنڈ میں گرتے دیکھ لیا تھا۔ لیکن اب اندھیرا ہو چکا تھا اور یہ یقین نہ تھا کہ وہ مر چکا ہے اس لئے اندر جا کر اسے تلاش نہ کر سکتے تھے۔ قریب کے گاؤں میں جا کر خبر کر دی کہ ایک تیندوا زخمی ہوا ہے اور رات تلاش کرنے کی ہدایت کر کے واپس ڈیرہ آ گئے وہ رات ذرا پریشانی کی کٹی کیونکہ خوف تھا کہ مبادا تیندوا زخمی ہو کر ہاتھ سے نکل نہ گیا ہو۔ کیونکہ زخمی شیر یا تیندوا نہایت خطرناک ہوتا ہے۔ صبح تلاش میں روانہ ہوئے تلاش کرنے والے ہاتھی سیدھے اسی جھنڈ کی طرف گئے جہاں تیندوا گرا تھا۔ دو منٹ کے بعد وہ چلائے کہ مرا پڑا ہے۔ یہ سنکر بڑی خوشی ہوئی سب نے مبارکباد دی۔ جاتے جاتے بغیر کوشش کے ایک تیندوا مل گیا اب ہمارے پاس تین شیر اور تین تیندوے کی کھالیں تھیں۔ اب دونو قسم کی چار چار ہو گئیں۔ اس تیندوے کو موٹر ہی پر لاد دیا۔ رات بھر میں بالکل اکڑ گیا۔ اسکی کھال بہت عمدہ تھی اور وہ دو چھ فٹ کے قریب لانبا تھا۔ اسے لاد کر گھر لائے تو معلوم ہوا کہ پھر ایک گارا ہو گیا ہے۔ اگرچہ ہم اس روز روانہ ہونے والے تھے لیکن شیر کے لالچ میں ایک روز اور ٹھہر گئے لیکن کچھ ہاتھ نہ آیا۔ دوسرے روز صبح کو واپس ناگپور روانہ ہوئے۔ ہماری موٹر شیر تیندوے سانبر چیتل کی کھالوں سے لدی ہوئی تھی چیتل کا گوشت بطخ ہرن مور وغیرہ الگ تھے۔ آتے آتے ہیں ایک ریچھ کا بچہ مل گیا۔ جسے بچوں کیلئے لے آئے۔ بچے ریچھ کا بچہ دیکھکر خوب اچھلے کودے۔ سب نے شیر اور تیندوے کی کھالوں کی تعریف کی اور چیتل کے گوشت کے کباب آخری دفعہ کھائے گئے۔

شائستہ اکرام اللہ

چند خطرناک دوائیں

یقیناً یہ بہت بڑی غلطی ہے کہ معمولی معمولی شکایت پر ڈاکٹر یا حکیم کی طرف رجوع کیا جائے اور جو روپیہ سخت محنت اور مشقت سے کمایا گیا ہو وہ خوشی خوشی بھر بھر مٹھی حکیموں ڈاکٹروں کی نذر کر دیا جائے۔ سمجھدار بیبیاں چھوٹی موٹی شکایتوں کا اپنے یا اپنے بزرگوں کے تجربوں کی بنا پر خود ہی معقول علاج کر لیتی ہیں لیکن اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ تجربہ تو ہے نہیں کسی نے ہمدردی کے خیال سے کوئی علاج بتا دیا اور جھٹ شروع کر دیا اور پھر سخت نقصان اُٹھایا۔ ڈاکٹر نما جرّاح اور حکیم نما وید جو دوائیں بتاتے ہیں اُن کا صحت پر بہت ہی بُرا اثر ہوتا ہے۔ مگر ظاہری خوبیوں کو لوگ دیکھتے ہیں نقصانات پر غور نہیں کرتے۔ بعض بعض حالتوں میں تو علاج نے بھی رواج کی صورت اختیار کر رکھی ہے۔ مثلاً کوئی بچہ یا بوڑھا کہیں گر پڑا اور گھر والوں نے سمجھ لیا کہ اس کو کافی چوٹ لگی ہو۔ بس پھر کیا تھا دودھ میں پھٹکری گھول گھول کر دی جانے لگی نہ اس کی کوئی مقدار ہے۔ نہ ناپ تول جتنی جس کے ہاتھ آئی دوا میں ڈال دی اور پلا دی۔ پھٹکری کی مقدار کے لئے صرف اپنے اندازہ ہی کو کافی سمجھا جاتا ہے۔ اگر پھٹکری پینے والا کافی قوی ہوا تو وہ ہضم کر لیتا ہو ورنہ بصورت دیگر کبھی نہ کبھی یہ اپنا اثر ضرور دکھاتی ہے اور کمزور پر تو بہت جلدی اثر کرتی ہے۔ پھٹکری پینے والے کو کھانسی ہو جاتی ہے اگر مرض سے لاپرواہی برتی گئی تو دمہ یا سِل کی شکایت ہو جاتی ہے۔ مگر پلانے والے کو کبھی بھول کر بھی اس طرف خیال نہیں آتا۔

مردار سنگ۔ اسی طرح اکثر گھریلو دواؤں میں مردار سنگ استعمال ہوتا ہے لیکن یہ بہت بُری چیز ہے۔ مرہم وغیرہ یا لیپ کے لئے بہتر ہے مگر کھانے کی دواؤں میں بھول کر بھی نہیں ڈالنا چاہیئے۔ اس سے آنتوں میں زخم پڑ جاتے ہیں اور پورے جسم پر ورم ہو جاتا ہے۔ اکثر یہ مرض استسقا کی صورت اختیار کر لیتا ہے جس سے مریض جانبر ہی نہیں ہوتا۔

پارہ۔ ایسا ہی پارہ ہے جس کیلئے یہ مشہور ہے کہ اگر عورت کھالے تو پھر اس کے ہاں بچہ نہیں ہوتا۔ اکثر عورتیں اس کو کھا لیتی ہیں اور پھر بعد میں پچھتاتی ہیں۔ کیونکہ صحت سے ہمیشہ کے لئے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔ بالعموم تو نکل جاتا ہے لیکن اگر ہضم ہو جائے یا کشتہ (پھونکا ہوا) کھایا جائے تو بجد نقصان دہ ہے۔ پارہ کا کشتہ اُن دواؤں میں لوگ زیادہ ڈالتے ہیں جو خاص مقوّیات بناتے ہیں کشتہ معدہ زبان و حلق و دماغ کے لئے سخت مضر ہے اس کے کھانے سے جذام اور خناق وغیرہ بیماریاں ہو جاتی ہیں کانوں کے لئے مضر ہے اس کے دھوئیں سے رعشہ پیدا ہوتا ہے۔ کوڑھ کی کئی قسمیں ہوتی ہیں جذام بھی ان ہی قسموں میں سے ہے شروع صورت ایسی ہوتی ہے کہ جسم پر سرخ سرخ دھبّے پڑتے ہیں ان سے پانی بہتا ہے۔ خناق میں زبان کے نیچے حلق میں تالو میں سوراخ ہو جاتے ہیں یہ دونوں بیماریاں بہت مشکل سے جاتی ہیں۔ رعشہ یعنی جسم کا کانپنا ایسا مرض ہے کہ ایک بار ہو کر پھر نہیں جاتا۔ پارہ سے کانوں میں اور ناک میں بھی زخم ہو جاتے ہیں اور دماغ اپنا فعل ٹھیک نہیں کرتا۔ اکثر اس کو استعمال کرنے والے بد دماغ بیوقوف سے ہو کر رہ جاتے ہیں اس قدر خطرناک چیز کو عوام نے ایسی معمولی چیز بنا دیا ہے۔

اسبغول۔ اس کو لوگ پیچش میں بہت زیادہ استعمال کرتے ہیں اگر کوٹ کر کھایا جائے تو زہر قاتل ہے۔ پیس کر کھایا جائے تو آنتوں میں چمٹ جاتا ہے اس سے آدمی مر جاتا ہے۔ اسبغول کی بھوسی یا مسلّم اسبغول پیچش میں دیا جاتا ہے۔ پیچش دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک کاذب (جھوٹی) دوسری صادق (سچی) جو پیچش جھوٹی ہوتی ہے اس میں پیچش کی دوائیں مضر ثابت ہوتی ہیں۔

اور غلط علاج سے مریض قریب المرگ ہوجاتا ہے۔ پیچش کی پہچان کے لئے حکما اسبغول استعمال کرتے ہیں۔ شب کو سوتے وقت مریض کو اسبغول کھلا دیا جائے اگر صبح کو پاخانہ میں اسبغول نکلے تو سچی پیچش ہے نہ نکلے تو جھوٹی ہے۔ سچی پیچش میں قابض دوائیں دی جائیں تب فائدہ ہوتا ہے جھوٹی پیچش میں جب تک مسہل سے پیٹ صاف نہ ہوجائے دوائیں نہ دینا چاہئیں۔ اکثر مریض ہلاک ہوجاتا ہے۔ کبھی بغیر سمجھے دوا نہ دینا چاہیئے اسبغول کو بعض لوگ دوا سمجھ کر استعمال کرتے ہیں۔ اس کا زیادہ استعمال بدن کو لاغر اور سرد کرتا ہے کمزوری حد سے سوا ہوجاتی ہے۔

زنگار۔ بھی ایک ایسی ہی چیز ہے جسے دہلی میں زنجار کہتے ہیں یہ سرکہ اور تانبہ سے بنتا ہے۔ اکثر وید و جراح ناک کی دانتوں کی پھوڑیوں وغیرہ کی دواؤں میں استعمال کرتے ہیں۔ مگر اس سے بہت بچنا چاہئے۔ قطعی حلق اور معدہ میں نہ پہنچنا چاہیئے حلق میں سوزش اور زخم پیدا کرتا ہے۔ معدہ میں پہنچکر قے دست کا باعث ہوتا ہے۔ اگر زیادہ پہنچ جائے تو دق ہوجاتی ہے اکثر لوگ کمانے کے لئے یہی زہر بنا کر لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں جس سے فائدہ کم نقصان بہت زیادہ ہوتے ہیں جس دوا میں تیزابیت زیادہ ہو وہ زود اثر بہت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جلد لوگ اس دوا کے قائل ہوجاتے ہیں۔ مگر اس کے پورے اثر سے ناواقف ہوتے ہیں۔

انگر۔ جس کو فارسی میں شنگرف کہتے ہیں اور جسے عام طور پر اشنجرف کہتے ہیں۔ یہ دو قسم کا ہوتا ہے ایک معدنی دوسرا مصنوعی۔ گندھک اور پارہ پکا کر بنتا ہے۔ گھلیو دواؤں میں بہت استعمال ہوتا ہے مردوں کے لئے یہ اچھی چیز ہے مگر کھانے والی دواؤں میں بجائے نقصان دہ ہے۔ یہ خاص کر ان ادویات میں وید وغیرہ استعمال کرتے ہیں جو کہ خاص مقویات وغیرہ ہوتی ہیں اور شرمناک بیماریوں کے لئے بے حد فائدہ مند بتاتے ہیں۔ لیکن حکماء اس کو خطرناک بتاتے ہیں بمثل زہر کے۔ اس سے انسان مشکل سے جانبر ہوتا ہے۔ اس کا استعمال خفقان۔ خناق۔ پیدا کرتا ہے۔ اکثر لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ جو خطرناک بیماریوں میں مبتلا ہو کر صحت کو کھو دیتے ہیں اور پھر دوائیں کھاتے ہیں۔ ان کو آخیر عمر میں خفقان یا خناق ہوجاتا ہے یا سل ہوجاتی ہے اور دق تو عام مرض ہو ہی گیا ہے۔ اس کا زیادہ تر سبب بغیر سمجھے ایسی دواؤں کا استعمال ہوتا ہے۔ علاج تجربہ کار اور ماہر ڈاکٹر یا حکیم کا کرنا چاہیئے یہ نہیں کہ جس نے جو بتا دیا اس پر عمل شروع کر دیا۔ اس کا نتیجہ بہت خراب ہوتا ہے۔

مسز حمید لکھنوی

کنول سے

نشے میں چور ہے بہکی ہوئی سی ہے ہستی
نگاہِ صبح میں مچلی ہوئی سی ہے مستی

ابھی اُفق سے پرے آفتاب پنہاں ہے
ابھی قمر میں تجلّیٔ شب نمایاں ہے

ابھی اُفق کے کنارے ہے دُھند سا باقی
ابھی ہیں لیلیٔ شب کے نشانِ پا باقی

مٹے ہوئے سے پڑے ہیں کہیں کہیں تارے
کبھی کبھی چمک اُٹھتے ہیں چند مہ پارے

کنول کے ہونٹوں پہ قطرے جو تھرتھراتے ہیں
تو سطحِ آب پہ تارے سے جھلملاتے ہیں

عروسِ شب کے سمٹتے ہیں کاکلِ شب رنگ
چھلک ہی پڑنے کو جامِ اُفق سے ہے اب رنگ

اُفق سے بہنے کو ہے ایک نور کی دھارا
لرز رہا ہے فضا کے اثر سے نظارا

جھلک رہی ہے سحر عالمِ سویدا میں
ہجومِ نور نہیں دامنِ ثریّا میں

حریمِ شب میں ہیں سب نذرِ انتظامِ سفر
اب ہو چکا ہے ستاروں میں اہتمامِ سفر

میں نرم گھاس پہ ندی کے اک کنارے پر
کھڑی ہوں محوِ نظامِ فضا ہیں قلب و نظر

کنول کا بال سا پھیلا ہوا ہے پانی میں
کہ جیسے رُوحِ محبت ہو زندگانی میں

کنول کے خوشوں سے اک پھول ہو گیا ہے الگ
بہت ہی دُور سے بہتا وہ آ رہا ہے الگ

ہر ایک موج اُسے کر رہی ہے شاخ سے دُور
وہ دھیرے دھیرے بہا جا رہا ہے نیند میں چُور

کنول! اے عرشِ بریں کے ستارۂ سیمیں!
جبینِ آبِ منوّر پہ قشقۂ سیمیں!

تو کِس فلک سے جُدا ہو کے آ رہا ہے بتا
تو کِس اُفق پہ طلوع ہونے جا رہا ہے بتا

چلا ہے شاخ سے اس طرح تو جُدا ہو کر
کہ جیسے جائے کسی سے کوئی خفا ہو کر

تو جا رہا ہے کدھر اے کنول بتا تو سہی
کہ مُدّعائے سفر اے کنول بتا تو سہی

ہوں میں بھی تیری طرح اک مسافرِ محزوں
نہیں نصیب مری رُوح و دل کو کیفِ سکوں

فضا کی دل پہ کچھ ایسی ہیں بندشیں طاری
کہ مجھ کو بارِ الم سے نہیں سبکساری

ہجومِ خاک سے تنہا نکل کے جاؤں کہاں؟
مجھے بھی ساتھ لئے چل تو جا رہا ہے جہاں

مجھے بھی ننھی سی کشتی میں دے ذرا سی جگہ
مجھے بھی وسعتِ رُوحی میں دے ذرا سی جگہ

کہ بن کے راہِ محبت میں ہم سفر دونوں | چھیں یہ تارِ نفس آج توڑ کر دونوں
وہاں چلیں کہ جہاں روح کو ملے تسکیں | فسانۂ غمِ آدم نہ سُن سکوں میں کہیں
جہاں نہ بندِ غلامی ہو وجہ بربادی | سرِیمِ زیست میں روشن ہو شمعِ آزادی
جہاں سکون و محبت کی حکمرانی ہو | ہر ایک شئے پہ جہاں رنگِ جاودانی ہو
جہاں ستارۂ اُمید چھپ نہ جاتا ہو | بلائے یاس کا چہرہ نظر نہ آتا ہو
جہاں حکومت و محکومیت نہ ہو کچھ بھی | جہاں نہ کفر ہو اور معصیت نہ ہو کچھ بھی
جہاں نہ دستِ فنا میں ہو طائرِ ہستی | جہاں نہ روح پہ طاری ہو ظلمتِ پستی
وہ فنا سے بہت دُور ہم نکل جائیں | پھر اس جہانِ فنا میں نہ لوٹ کر آئیں

غرض جہان ہم سے الگ کہیں لے چل
فنا سے دُور ہو جو سرزمیں وہیں لے چل

گوہر اقبال خورزبیری میرٹھی

بھیڑئیے کی طرح بھوکا لالچی اور خونخوار

بارہا میں نے آدم کے بچے کو یہ فقرہ دہراتے سُنا ہے "بھیڑیا کیسا بھوکا لالچی اور خونخوار"۔ سچ ہے میں نے پیٹ کی آگ بجھانے کی خاطر بہت سی بھیڑ بکریوں کو لقمہ بنایا کئی دفعہ تو بھوک کی شدت مجھے گائے بیل اور گھوڑے تک کے شکار پر مجبور کر چکی ہے۔ آدم کی اولاد میں ایسے بھی بہت اشخاص ہیں جو ایک شکار کیا قصبوں کے قصبے شہروں کے شہر اور ملکوں کے ملک ایک آن واحد میں نگل جاتے ہضم کر جاتے ہیں اور ڈکار تک نہیں لیتے۔ انسان سب کچھ ہڑپ کر جاتا ہے۔ اس کے باوجود بھی کوئی یہ نہیں کہتا "انسان کی طرح بھوکا لالچی اور خونخوار"۔ میں اپنے خونخوار دانتوں سے شکار کی چیر پھاڑ کرتا ہوں اور انسان اپنے خطرناک لیکہ تباہ کن دماغ سے مخلوقِ خدا کو برباد کر دیتا ہے۔ انسان بھی جب جانوروں کا شکار کرتا ہے ڈاکے ڈالتا ہے جان بوجھ کر دہقان کے خرمن پر بجلی گراتا ہے اور پھر وہ اشرف المخلوقات کہلاتا ہے۔

ہم دونوں لالچی ہیں اگرچہ میں کھانے کی تلاش میں صرف اسوقت جاتا ہوں جب مجھے کھانے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے لیکن وہ بلاوجہ اور بلاضرورت لقمتیں اڑاتا ہے۔ میں کھانا اس وقت کھاتا ہوں جب مجھے بھوک ستاتی ہے۔ آدم کا بچہ دن میں چار بار کھانا کھاتا ہے۔ کھانے کی طرح وہ پانی بھی بلاضرورت پیتا ہے اور تو اور وہ محبت اس وقت کرتا ہے جب اس میں محبت کا جذبہ ایک حد تک معدوم ہوتا ہے۔ جب دو بھیڑیوں میں سے ایک کا شکار ہوتا ہے تو میں اس امر کو کامل وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ کھانے والا بھیڑیا بھوکا ہوگا اور دوسرا شکم سیر لیکن جب انسانوں میں سے ایک کا شکار ہوتا ہے اکثر یہ ہوتا ہے کہ بھوکا تو فاقہ پر فاقہ کرتا ہے اور بعض وقت سیر ہو کر پیٹ میں مزید خوراک ٹھونسنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایک امیر آدمی اپنی رفیقۂ حیات کے لئے جانور کی کھال کا کوٹ خریدتا ہے میں بھی ایک فرض شناس خاوند ہوں لیکن میرے بھیجے میں یہ خیال کبھی نہیں سمایا کہ میں بھی اپنی بیوی کو انسانی کھال میں ملبوس دیکھوں! یعنی ہم بھی خواب چالاک ہے جس نے کسی نہ کسی طرح سے انسان کو یقین دلادیا ہے کہ وہ بیچاری لومڑی کی کھال بھیڑئیے کی کھال سے کہیں اچھی ہے اور کبھی فیشن کے لحاظ سے بہت اچھی سمجھی جاتی ہے۔ بس اب کیا ہے ہم مزے سے رہتے ہیں۔ ہم اپنے گوشت پوست کے مالک ہیں۔ یہ بیچاری لومڑی کی شامت آگئی ہے۔ ایک بھیڑیا (خونخوار) گزیکم

نجمہ

(سلسلے کے لئے فروری کا رسالہ دیکھئے)

جمیلہ جمیل اور قمر تینوں نجمہ سے رخصت ہوکر جمیل منزل پہنچے۔ دولہن یہاں ان کی منتظر تھیں۔ قمر کو زنان خانے میں لاکر نئی دولہن سے ملوانا جمیل کے لئے سخت دشوار تھا۔ خاندان کے بزرگ کسی غیر کے سامنے دولہن کا ہونا ناپسند کرتے۔ مگر جمیل کو یہ کسی طرح گوارا نہ تھا کہ ان کا جان سے زیادہ عزیز دوست بغیر ان کی بیوی کو دیکھے چلا جائے۔ اس کے انتظام کے لئے جمیل اور جمیلہ دولہن کے کمرے میں آئے۔ جمیلہ نے آتے ہی رشتہ دار لڑکیوں اور خادماؤں کو کمرے سے باہر بھیج دیا کہ اب دولہا دولہن کھانا کھائیں گے۔ اور پھر جمیل سے کہا "بھائی جان قمر بھائی کو آپ غسل خانے سے لے آئیں۔ اتنے میں کھانا منگاتی ہوں۔ لیکن یہ تو بتائیے کھانا اس وقت میز کرسی پر تو ہو نہیں سکتا۔" "بہن جمیلہ اس کی ضرورت نہیں جس طرح ہم روز کھاتے ہیں اسی طرح ہوگا۔ دولہن کے آگے چنوا دو۔" جمیل نے جواب دیا اور قمر کو لانے باہر چلے گئے تو جمیلہ نے دولہن سے کہا "دیکھئے بھابی جان خود بھی بھائی جان سوٹ پہنے ہوئے ہیں اور قمر صاحب بھی دونوں زمین پر بیٹھ کر کس طرح کھا سکیں گے۔" دولہن نے کہا "ہوگی تو دقت ہی لیکن جیسی اُن کی رائے۔" جمیلہ نے سر سے پیر تک دولہن کے زیورات و لباس پر نظر ڈال کر کہا "بھابی جان آپ کی سجاوٹ میں بھی بھائی جان کی رائے شامل ہے۔ یا صرف آپ کی اپنی ہی؟ میرے خیال میں اس وقت اگر آپ کوئی خوبصورت سی ساڑھی پہنتیں تو بہت اچھا تھا۔" "میں اپنی رائے سے کچھ نہیں کرتی۔ وہ چلتے وقت کہہ گئے تھے کہ قمر صاحب سے ملنے کے لئے تم اسی حالت میں رہنا ایک ہندوستانی دولہن اس خاص لباس میں ہی اچھی معلوم ہوتی ہے۔ ساڑھی تو روزمرہ کی چیز ہے۔ اسی لئے دیکھو میں نے کتنا زیور لاد دیا ہے۔ جھومر بھی لگا لیا ہے۔ اور تو اور پیروں تک میں دیکھو پازیب چھاگل۔ رام جھول اور لچھے چاروں چیزیں بھری ہیں۔" اور اپنے پیر جو بڑے بھاری پائنچے میں چھپے ہوئے تھے نکال کر جمیلہ کو دکھاتے۔ واقعی ان کے چھوٹے چھوٹے اور گورے پاؤں جن میں شادی کی مہندی لگی ہوئی تھی جگمگاتے سنہری جڑاؤ زیورات میں بہت خوبصورت معلوم ہو رہے تھے۔ دولہن اس وقت چوتھی کا جوڑا زیب تن کئے ہوئے تھیں۔ سبز کمخواب کا بڑا بھاری پاجامہ اور سرخ جارجٹ کا بھاری کام دار کارچوبی جال کا دوپٹہ تھا جو تیز برقی روشنی میں آنکھوں میں چکاچوند پیدا کر رہا تھا۔ اس پر پھولوں سے دولہن سجائی گئی تھی اور قیمتی سنہری مسند پر گاؤ تکیہ سے ٹیک لگائے عجیب انداز ناز و ادائے دل فریبانہ سے متمکن تھیں۔ جمیلہ کو اس وقت وہ بہت ہی خوبصورت و دلکش معلوم ہوئیں اور انہوں نے یہ کہتے ہوئے "خدا بری نظر سے بچائے بھابی جان تو اس وقت یہاں کی مخلوق ہی نہیں بلکہ پرستان سے آئی ہوئی پریوں کی ملکہ معلوم ہو رہی ہیں۔ جب ہی تو دولہا میاں نے یہ لباس رکھا۔" بٹوے سے نکال کر مٹھی بھر روپے ان پر تصدق کر کے پھینک دئے۔

جمیلہ سے اس قدر اپنی تعریف سُن کر دولہن نے کہا "بنانا تو کوئی آپ سے سیکھے۔ جمیلہ بیگم کوئی کتنا بھی بنے سجے تم جیسا حسین نہیں بن سکتا۔" ہنسی مذاق ہو رہا تھا اتنے میں کھانا چنا جا چکا تھا۔ ڈریسنگ روم کا دروازہ کھٹکھٹایا گیا۔ جمیلہ سمجھ گئیں اور پردہ اٹھا کر دونوں بھائیوں کو کمرے میں لائیں۔ دولہن اور جمیلہ کے علاوہ اس وقت صرف ایک خادمہ نسترن پانی پلانے کے لئے کمرے میں تھی۔ جو دولہن کی انا کی بیٹی اور خواص خاص تھی جس وقت وہ دونوں کمرے میں آئے دولہن نظریں نیچی کئے

اسی طرح بیٹھی رہیں۔ چونکہ فرش کی نشست تھی وہ دونوں دُلہن کے قریب جُھکے جمیل نے دُلہن سے کہا "یہ ہیں میرے عزیز از جان دوست مسٹر قمر آپ دُلہن ہونے کی وجہ سے فضول شرم نہ کریں اِن کو کھانا کھلائیں اور خوب باتیں کریں کیونکہ یہ ابھی تین گھنٹے بعد کلکتے سے جانیں گے اور پھر کہیں آئندہ گرمی میں کسی پہاڑ پر ملیں گے۔" پھر یہ دونوں دسترخوان کے قریب دو زانو ہو کر بیٹھ گئے۔ دُلہن نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا: "اس قدر واپسی کی کیوں جلدی ہے۔ دو ایک روز اور قیام کرتے"۔ قمر بولے "میرا خود جانے کو جی نہیں چاہتا مگر جلد جانا ضروری ہے۔" "ہم تو اصرار کر کر کے تھک گئے یہ نہیں مانتے اب دیکھنا ہے کہ آپ کے کہنے کا کچھ اثر ہوتا ہے یا نہیں"۔ جمیل نے کہا اس پر دُلہن بولیں "میرا بھی کیا اثر ہوگا ابھی ہی تو ملاقات ہے"۔ جمیلہ نے کہا "بھابی جان پہلی ملاقات کا تو ضرور اثر ہوتا ہے۔ کیونکہ غیریت ہوتی ہے تکلف و لحاظ کی وجہ سے کہنا ماننا پڑتا ہے"۔ جمیل نے کہا "جمیلہ کا خیال بالکل درست ہے قمر تم کو تکلف اور لحاظ کا بھی خیال رہے"۔ قمر نے سنجیدگی سے کہا "بیشک زندگی میں آج تک میں نے ایسی تصویر کبھی نہ دیکھی تھی اور میرے لئے شادی کا یہ دلکش لباس بھی ایک عجیب چیز ہے۔ بہت سی شادیاں دیکھیں اور دُلہنیں بھی مگر اُسی روز کے لباس میں مسز جمیل تو مجھ کو اس وقت زمین پر رہنے والی نہیں بلکہ کوئی آسمانی مخلوق دکھائی دے رہی ہیں واللہ شادی کے لئے یہی لباس موزوں ہے"۔ جمیل بولے "اسی لئے محض تمہیں دکھانے کو میں نے ان سے کہا تھا کہ شادی کا جوڑا پہنیں۔ شکر ہے تم میری بیوی سے مل کر خوش ہوئے۔ بیوی تو تمہیں اپنا عزیز بھائی بنا چکی یہ ذرا شرمائیں گی تمہارے سامنے نہیں بتائیں گی بعد میں پوچھوں گا یقین ہے یہ بھی تم سے مل کر خوش ہوئی ہوں گی"۔ قمر نے کہا "پیچھے بتایا تو ہیں کیا اس وقت معلوم ہو جائے تو خوشی بھی ہو۔ ہمیں تو ایک اور بڑا خوف ہے کہ مسز جمیل تم کو اپنا مخلص عزیز بھی خیال کریں گی یا نہیں۔ کیونکہ میری آپ کی پُرانی دوستی ہے اور میں راز دار رہا ہوں"۔ یہ کہتے ہوئے قمر نے دُلہن کی طرف ایک معنی خیز نظر سے دیکھا جس کو وہ سمجھ گئیں اور جمیل نے کہا "وہ ایسی بدگمان نہیں ہیں"۔ پھر دُلہن نے قمر کی طرف شرمگین نگاہوں سے دیکھا اور جواب دیا "قمر صاحب میں جمیل صاحب کے کل پہلے رشتہ داروں اور دوستوں سے نہایت خلوص سے ملتی ہوں اور یہ ہی خیال کرتی ہوں کہ وہ بھی مجھ سے خلوص ہی سے پیش آرہے ہیں اور مجھ کو تو گذشتہ زمانے کا خیال ہی نہیں کرنا چاہیئے۔ جمیل صاحب کے ماضی سے میرا کوئی تعلق نہیں میں تو حال کو جانتی ہوں۔ دیکھتی ہوں اور خدا کا شکر ہے کہ بہت اچھا پاتی ہوں"۔ نئی دُلہن کے یہ خیالات معلوم کر کے قمر کو بہت خوشی ہوئی اور وہ جمیل سے مخاطب ہو کر بولے "جمیل تم بہت خوش نصیب ہو جس کو خدا نے ایسی سمجھ دار رفیق حیات دی خدا مبارک کرے شاید گیارہ بجنے والے ہوں گے اب ہمیں کھانا اور باتیں ختم کرنا چاہئیں۔ ٹرین کا وقت قریب ہے"۔ اور اپنی جیب سے ایک چھوٹی سی ڈبیہ نکال کر اپنے دونوں ہاتھوں پر رومال پھیلا کر ڈبیہ رکھی اور رونما آگے بڑھ کر دُلہن کو پیش کر کے کہا "گو یہ ناچیز تحفہ اس قابل نہیں کہ آپ کی خدمت میں پیش کیا جائے لیکن اُمید ہے کہ میری خوشی کے خیال سے آپ اس کو قبول کر کے مجھے مشکور کریں گی"۔ جمیل نے جلدی سے وہ مخملی ڈبیہ اُٹھا کر کھولی اور ایک ہیرے کی سہ رنگی انگشتری نکال کر قمر کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا "اوہو کس نخرے اور تکلف سے تحفہ دے رہے ہیں۔ انگوٹھی خود ہی پہنا دیتے"۔ اور خود بیوی کا ہاتھ قمر کی طرف بڑھا دیا۔ تو اُنہوں نے نہایت ادب کے ساتھ نیچی نظروں سے بھاوج کی اُنگلی میں انگشتری ڈال دی اور یہ کہہ کر "اُمید ہے میری محترم بھاوج اس خاکسار کو بھی یاد کر لیا کریں گی"۔ کھڑے ہو گئے جمیل اور جمیلہ بھی اُٹھے "ہاں اسی لئے تو انگوٹھی دی گئی ہے کہ وہ یاد کیا کریں"۔ جمیل نے ہنس کر کہا: "جمیں قمر نے جمیلہ بیگم کا فوٹو باجی جان کے دکھانے کے لئے ویسے تو کہا تھا"۔ جمیل نے میز سے البم اُٹھا کر دو تصویریں نکالیں ایک تو مسز جمیل کی تھی جو تنہا اپنے باغیچہ میں کھڑی تھیں اور قریب

کی جھاڑی سے گلاب کا پھول توڑ رہی تھیں اور دوسری میں جمیلہ ایک خوبصورت نوجوان کے ساتھ کھڑی تھیں۔ اس کو دیکھ کر قمر حیران ہوئے اور جمیل سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ "تم نے نہیں دیکھا یہ مسٹر رفیق آئی۔سی۔ایس ناگپور جمیلہ کے شوہر ہیں۔ وہ پرسوں صرف چند گھنٹے کے لئے شادی میں شرکت کے لئے آئے تھے۔ بہت ضروری کام تھا اسی روز واپس ہو گئے۔ ہاں یاد آیا میں تم کو ان سے نہیں ملوا سکا۔" یہ سنکر قمر ششدر رہ گئے وہ اس وقت تک جمیلہ کو کنواری لڑکی سمجھے ہوئے تھے۔ کیونکہ ان کے زمانہ قیام میں جمیلہ اور اس کے شوہر کا ذکر ہی نہیں آیا تھا نہ معلوم کیوں ان کو شادی کا حال معلوم کر کے کچھ خوشی نہ ہوئی ان کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا اور کچھ افسردگی سی چھا گئی۔ جمیلہ برابر ان کی طرف دیکھ رہی اور ان کی بدلی ہوئی حالت کو پہچان رہی تھی کیونکہ اس کو اول ملاقات سے یہ شبہ ہو گیا تھا کہ قمر اس کو کنواری لڑکی خیال کر رہے ہیں۔ جمیل کا خیال دوسری طرف تھا وہ اپنی بیوی کے قریب بیٹھ کر کچھ سرگوشی کر رہے تھے۔ ان کی بیوی جو اپنی دستکاری کی چیزیں جہیز میں لائی تھیں وہ اس میں سے چند چیزیں قمر کو تحفہ دینا چاہتی تھیں اور جمیل سے مشورہ کرنے کے بعد نسترن سے الماری میں سے وہ چیزیں نکلوا رہی تھیں۔ قمر نے دونوں فوٹو رومال میں لپیٹ کر جیب میں رکھ لئے۔ جمیلہ کی دی ہوئی سنہری زنجیر جو دو دن سے اس کے پاس تھی سب کی نظر بچا کر ہاتھ میں لی اور نیچی نظر کئے ہوئے جمیلہ کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا "لیجئے بہن یہ آپ کی زنجیر ہے میں واپس کرنا بھول گیا تھا۔ اب اگر یاد نہ آتا تو میرے ساتھ ہی چلی جاتی۔ دلی شکریہ آپ سب صاحبان کا۔ میں اب رخصت ہوتا ہوں۔" یہ کہہ کر اپنا رخ دیوار کی طرف کر لیا۔ جمیل اور شکیلہ بھی اٹھ کھڑے ہوئے اور وہ تحائف ایک سوٹ کیس میں بند کر کے نسترن سے کہا کہ اس کو باہر بھیجدو قمر صاحب کے ساتھ جائے گا۔" قمر نے دونو بیگمات کو سلام کیا اور باہر چلے گئے۔ جمیل بھی ان کے ساتھ اسٹیشن تک گئے اور سوار کرا کے واپس ہوئے۔ قمر سوار ہوتے ہی اپنے بستر پر لیٹ گئے دل میں سوچنے لگے کہ مجھ سے کیسی بڑی غلطی ہوئی۔ میں نے جمیلہ کو کیوں کنواری لڑکی سمجھا۔ خدا معاف کرے۔ اس کی شادی سے لاعلم تھا میں تو یہ ارادہ کر رہا تھا کہ گھر پہنچ کر باجی جان سے جمیل کے نام خواستگاری کا خط لکھواؤں گا۔ اسی الجھن میں ان کو نیند آگئی۔ گاڑی تیز رفتاری سے کلکتہ چھوڑ رہی تھی اور ہر لمحہ وہ اس مقام سے دور ہوتے جاتے تھے جس کو چھوڑنے کا ان کو بید رنج تھا۔

جمیل جب ان کو روانہ کر کے اسٹیشن سے نکلے تو خیال آیا کہ شام نجمہ بہت رنجیدہ و پریشان تھی اور میں نے یہ وقت بیوی کے ساتھ کس دلچسپی سے گذارا کاش راستے ہی میں تو ہے۔ ذرا دیکھتا چلوں کہ اب کس حالت میں ہے۔ یہ ارادہ کر کے وہ نجمہ کے مکان پر اترے دیکھا کہ بالکل اندھیرا ہے۔ حیران ہوئے اپنی ٹارچ جیب سے نکالی برآمدے میں جا کر ڈرائنگ روم کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ ہاتھ رکھتے ہی کواڑ کھل گیا۔ اندر داخل ہوئے۔ وہاں بھی بالکل اندھیرا تھا۔ بیڈ روم میں آئے۔ مسہری اپنی جگہ پر موجود تھی مگر اس پر بستر وغیرہ کچھ نہ تھا تمام کمرے پر نظر ڈالی سوائے فرنیچر کے اور کچھ نظر نہ آیا۔ یہ بہت گھبرائے کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ چار گھنٹے کے اندر اندر یہ کیا ہو گیا۔ اگر نجمہ زیادہ بیمار ہو گئیں اور ڈاکٹر انہیں اپنے گھر یا ہسپتال لے گئے ہیں تو ان کا اسباب تو ہوتا۔ چاروں کمروں میں پھر کر دیکھ لیا کوئی چیز ان کی نظر نہ آئی۔ بہت پریشان ہو کر چند منٹ کے لئے ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔ اور سوچنے لگے کہ اب کیا کرنا چاہیئے رات زیادہ آگئی تھی اور وقت ایسا نہ تھا کہ وہ پرنسپل صاحبہ سے کچھ دریافت کر سکتے۔ ڈاکٹر کا گھر بھی نہیں جانتے تھے۔ کچھ سمجھ میں نہ آیا تو مجبوراً اٹھ کر گھر روانہ ہو گئے مگر نجمہ کی اچانک گمشدگی کا ذکر ابھی بیوی سے نہ کیا۔ رات بھر بہت فکرمند رہے اور صبح چھ ہی بجے کمرے سے نکل گئے اور کچھ دیر بعد پرنسپل صاحبہ کی کوٹھی پہنچے وہاں جا کر معلوم ہوا کہ دو دن قبل وہ استعفے دے چکی تھیں۔ کل شام جب ہم پارٹی سے واپس آئے تو تھوڑی دیر بعد

اُن کا خط ملا کہ گھر سے ایک ضروری تار ابھی ملا ہے اور میں بہت جلد کلکتہ چھوڑ رہی ہوں"۔ یہ سُنکر جمیل کچھ دیر وہیں خاموش بیٹھے رہے۔ بس شریفہ نے چائے منگوائی مگر اِن سے نہ پی گئی وہ دیکھ رہی تھیں کہ یہ بہت زیادہ پریشان ہیں۔ آخر انہوں نے سوال کیا" مسٹر جمیل نجمہ بیگم کیا آپ کی کوئی عزیز تھیں۔ بہت ہی اچھی لڑکی تھیں۔ مگر نہ معلوم وہ ہر وقت کیوں مغموم رہتی تھیں۔ ہم نے تو چاہا کہ ان کی زندگی کو خوشگوار بنا دیا جائے مگر اُن کو یہ بھی منظور نہ ہوا میرا ارادہ انگلینڈ جانیکا ہے۔ میرا خیال تھا کہ ان کو اپنی جگہ مقرر کرا جاؤں۔ اُنہوں نے یہ بھی نہ مانی۔ مجھ کو یہ لڑکی بیحد پسند تھی"۔ جمیل کچھ کہنا چاہتے تھے مگر آواز اِن کے گلے میں رُک رہی تھی بمشکل اتنا کہا اور کھڑے ہوگئے "وہ میری کوئی رشتہ دار نہ تھیں مگر اپنی خوبیوں کی وجہ سے مجھ کو بہت عزیز تھیں"۔ سلام کیا اور روانہ ہوگئے۔

گھر پہنچے مگر بہت پریشان رہے۔ آج کسی بات میں دل نہ لگتا تھا۔ اپنے باہر کے کمرے میں بیٹھے تھے کہ صبح کی ڈاک ملی ایک ہی خط تھا۔ نجمہ کا ہینڈ رائٹنگ دیکھ کر جلدی سے لفافہ چاک کیا لکھا تھا:۔

"بھائی جمیل۔ تسلیم

ابھی ابھی آپ مجھ سے رخصت ہو کر گئے ہیں۔ میرا دل یہ چاہتا ہے کہ اسی وقت دُنیا سے رُخصت ہو جاؤں لیکن یہ میرے اختیار سے باہر ہے۔ خدا سے ڈرتی ہوں۔ اچھا اب کلکتہ سے تو رخصت ہوتی ہوں۔ اب یہاں رہنا بہت ہی نامناسب ہے۔ میں یہاں رہی تو آپ ضرور کبھی کبھی آیا کریں گے۔ جو اب بالکل مناسب نہیں موجودہ حالات پر غور کرنے کے بعد میں نے یہ فیصلہ کیا ہے۔ انسان ہی کو سب سختیاں اُٹھانی پڑتی ہیں۔ میں ابھی تیاری کر رہی ہوں اور دس بجے کی ٹرین سے کلکتہ سے روانہ ہو رہی ہوں۔ اللہ آپ کو شاد و آباد رکھے۔ خدا حافظ۔

آپ کی بہن نجمہ"

اس خط کو پڑھ کر ان کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا سر پکڑے خاموش بیٹھے رہے۔ اس حالت میں وہ گھر میں جانا نہ چاہتے تھے۔ تم بھی جا چکے تھے کوئی ان کا ہمراز نہ تھا جس سے بیان کرکے کچھ تسکین حاصل کرتے۔ آخر جمیلہ کا خیال آیا اور خط لئے ہوئے اس کی کوٹھی یعنی خالہ جان کے گھر آئے اور سیدھے جمیلہ کے کمرے میں پہنچے۔ وہ رات ایک بجے ان کے گھر سے آئی تھیں۔ صبح دیر تک سوتی رہیں۔ اب بیدار ہو چکی تھیں اور پلنگ ہی پر چائے بھی پی لی تھی۔ لیکن لباس شب خوابی نہیں بدلا تھا۔ وہیں بیٹھی ڈاک دیکھ رہی تھیں۔ شوہر کا خط ملا تھا اس کو پڑھ رہی تھیں کہ جمیل صاحب پہنچے اور جاتے ہی ان کی آرام کرسی پر لیٹ گئے۔ رات کا سب واقعہ سُنایا اور نجمہ کا خط بھی دے دیا۔ یہ ہی لڑکی اب ان کی اس رنج میں غمخوار ہمدرد تھی۔ خط پڑھ کر اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور بہت دیر تک دونوں یہ حسرت ناک ذکر کرتے رہے۔ جمیلہ نے چائے منگوا کر پلائی اور وہ بہت دیر بعد گھر گئے۔

(باقی آئندہ)

نذر سجاد حیدر

رسول اللہ کی آنکھوں کے تارے

زمانے بھر سے اعلیٰ، سب سے بہتر نہ ان کا کوئی ثانی ہے نہ ہمسر
خدا کے لاڈلے جانِ پیمبر غرض ایک ایک تھا ماہِ منور
ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ

کوئی عابد کوئی مشہور عادل کوئی شرم و حیا میں فردِ محفل
تہوّر میں کسی کو نام حاصل غرض یہ چاروں کے چاروں تھے کامل
ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ

نبیؐ کا کوئی سچ جی سے فدائی کسی نے دشمنوں پر کی چڑھائی
مسلّم تھی کسی کی پارسائی کسی کی عرشِ اعظم تک رسائی
ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ

مسلمانوں کی عزت کو سنبھالا انہیں چاہِ مذلت سے نکالا
زمانے میں نظر آیا اجالا نہ کیوں چاروں کا ہو پھر بول بالا
ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ

کیا اسلام کا روشن ستارا جو کرنا چاہیئے وہ کر دکھایا
یہ چاروں تھے حبیبِ حق کے شیدا جو دشمن ان کا وہ دشمن نبیؐ کا
ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ

ثنا کی ان کی محبوبِ خدا نے غضب ہے پھر کوئی ان کو نہ مانے
کوئی کیا مرتبے کو ان کے جانے سرِ عرشِ بریں ان کے ٹھکانے
ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ

بجا اسلام کا ڈنکا انہیں سے یہ اوج و مرتبہ پایا انہیں سے
غرض اسلام زندہ ہے انہیں سے نہ کیوں پھر دل لگے اپنا انہیں سے
ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ

یہ ہیں اسلام کے روشن ستارے غریبوں بے نواؤں کے سہارے
رسولؐ اللہ کی آنکھوں کے تارے انہیں پیارے تو ہیں ہم کو بھی پیارے
ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ

الٰہی کور چشموں کو نظر دے اٹھا دے سامنے سے سارے پردے
محبت ان کی سب کے دل میں بھر دے الٰہی سب کو شیدا ان پہ کر دے
ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ

دعا ڈبائیوی

ہماری غذا

ہم روزانہ دو تین مرتبہ غذا تو کھاتے ہیں لیکن یہ نہیں جانتے کہ غذا کن اجزا سے مرکب ہے۔ سنئے ہماری غذا پانی، دھاتی نمک۔ کاربوہائیڈریٹس۔ چربیوں۔ پروٹینس (Proteins) فضلہ اور وٹامنس حیاتین (ا۔ ب۔ ج۔ د اور و) سے مرکب ہے۔ پانی اور دھاتی نمک وجود نباتات و ترو تازہ ترکاریوں میں پایا جاتا ہے۔ کاربوہائیڈریٹس شکر اور نشاستہ کا مرکب ہیں جو آلو، روٹی، مکارونی (Macaroni) شکر گیہوں اور جو میں پائے جاتے ہیں۔ چربی کا فعل یہ ہے کہ جسم میں توانائی اور حرارت پیدا کرے۔ پروٹائیڈس (Proteids) کا وجود مچھلی، انڈوں، بیف، گوشت، بعض قسم کی پھلیوں اور ان کے بیجوں جیسے مٹر، لنٹلس (ایک قسم کی دال) اور پنیر میں ہوتا ہے۔ پروٹائیڈس کی ہمیں اس لئے ضرورت ہے کہ انہیں کے ذریعہ رگ پٹھوں کی درستی اور جسم کی ساخت میں مدد ملتی ہے۔ اس لحاظ سے بڑوں کی نسبت بچوں کے جسم کو بناوٹ اور نشوونما کے لئے پروٹائیڈس کی زیادہ ضرورت ہے۔

فضلہ ہماری غذا کا ایسا جزو ہے جو کسی عنوان قابل ہضم نہیں۔ وہ جسم سے بحیثیت ایک بیکار مادے کے خارج ہو جاتا ہے۔ لیکن آنتوں میں سے جب وہ گذرتا ہے تو اپنی ناقابل ہضم قابلیت کے ذریعے آنتوں میں ہلکی سی خراش پیدا کر کے قبض کی شکایت کے دور کرنے میں مدد معاون ثابت ہوتا ہے۔

اب ہمیں اس بات پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ غذا کے کھانے کا مقصد کیا ہے۔ سنئیے! اولاً اس لئے کہ غذا کے ذریعے ہماری نشوونما ہو۔ دوسرے یہ کہ ہمارا عصبی نظام اپنی اصلی حالت پر قائم رہ سکے۔ تیسرے یہ کہ غذا کے ذریعے طاقت اور حرارت پیدا کی جائے جو زندگی کے لوازمات سے ہیں۔ پروٹائیڈس (Proteids) کے ذریعے نشوونما ہوتی ہے۔ اور فضلہ اپنی شکل میں قائم رہ سکتا ہے۔ کاربوہائیڈریٹس اور چربی کے ذریعے قوت اور حرارت پیدا ہوتی ہے۔ یہ یاد رہے کہ غذا کے صرف یہی اجزا جو پروٹائیڈس کاربوہائیڈریٹس اور چربی پر مشتمل ہیں نہ تو قوت ہی پیدا کر سکتے ہیں اور نہ ہی فضلہ کو اصلی حالت پر قائم رکھ سکتے ہیں جب تک کہ غذا کے دوسرے اہم اجزا جن کو حیاتین کہا جاتا ہے ان کے ساتھ شامل نہ کئے جائیں یہ امر کسی قدر وقت طلب ضرور ہے کہ حیاتین کی صحیح تعریف کی جا سکے اور یہ بتایا جائے کہ آخر یہ ہے کیا چیز؟ فرض کرو کہ تمہارے پاس ایک موٹر کار ہے تو یہ ضروری ہے کہ اس کے چلانے کے لئے پٹرول اور آئل بھی ہو۔ مگر یہ یاد رہے کہ آپ من بھر پٹرول سے بھی اپنی موٹر کو حرکت نہیں دے سکتے جب تک کہ انجن میں بھک سے سلگنے والے مادے میں برقی چنگاری نہ پہنچائی جائے۔ بس سمجھ لو کہ ہماری غذا میں حیاتین کی بھی ایسی ہی اہمیت ہے یعنی بغیر حیاتین کی موجودگی کے ہماری پوری غذا بیکار ہے اور اسی طرح فضلہ بھی بیکار محض ہوگا۔ مسلسل تجربوں کے بعد سائنس نے اب تک سات قسم کی حیاتین (ا۔ ب۔ ج۔ د۔ ہ۔ و اور

زکا پتہ چلایا ہے جن کی تفصیل معہ خواص ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

حیاتین الف (حیاتین A) یہ جز جسمانی نشوونما کے لئے نہایت ضروری ہے اور متعدی امراض کی مدافعت کا بھی کام دیتی ہے۔ اس کے علاوہ اس حیاتین کا کام یہ بھی ہے کہ جسمانی نشوونما کی قوت کو بحال رکھے اور عمر کے ہر حصہ میں صحت و تندرستی کا دارومدار بھی اسی پر ہے۔ وہ غذا جو عموماً ہرے یا پیلے رنگ ہوتی ہے اس میں حیاتین زیادہ تر پائی جاتی ہے۔ سبز ترکاریوں بکرے کی چربی، دودھ، پالک، میٹھے آلو، تازہ گوبھی، مٹر، گاجر، آلو، ککڑی، چقندر، کے پتے، لال اور پیلے ٹماٹر، خوشبودار ترپوز، اناناس، پپائی، سنگترہ، خوبانی، بالائی، مکھن، انڈے کی زردی، کاڈلیور آئیل، بعض مچھلیوں مثل سالمن، ہیرنگ اور میکریل میں بھی پائی جاتی ہے۔ ہماری غذا میں حیاتین الف کی کمی کے باعث بچوں میں رکٹ نامی مرض پیدا ہوتا ہے جس کی علامتیں یہ ہیں کہ مریض کی ہڈیاں نرم پڑجاتی ہیں اور بعض وقت ٹیڑھی بھی ہوجاتی ہیں۔ اور اس حیاتین کی کمی کے سبب آنکھ کے متعدی امراض بھی رونما ہوتے ہیں۔ مزید برآں کان، منہ اور حلق کے غدود، اور بعض دفعہ گردے اور مثانہ کی شکایتوں کا باعث بھی اس کی کمی ہوتی ہے۔ معمولی طریقہ پر بند رکھ کر پکانے سے یہ حیاتین ضائع نہیں ہونے پاتی لیکن اگر برتن کھلا ہو اور زوردار آنچ کے ساتھ اس کو پکایا جائے تو یقیناً تباہ ہوجائے گی۔ اس لئے بہتر صورت یہ ہوسکتی ہے کہ چاہے دودھ ہو یا سبز ترکاریاں پکاتے وقت اس بات کا خیال رہے کہ اول تو پکانے کے برتن کو ڈھانکا نہ جائے۔ اور دوسرے یہ کہ اس کے نیچے نرم آنچ ہو۔

حیاتین ب۔ یہ حیاتین بھی جسمانی نشوونما میں بڑی حد تک مدد کرتی ہے۔ مگر بھوک پیدا کرنے اور اس کے بڑھنے میں جز ولازمی ہو۔ اور ہاضمہ کے راستہ میں جس قدر بھی اعصاب ملتے ہیں ان سب کو تقویت پہنچاتی ہو۔ ہماری غذا میں اس حیاتین کا سرے ہی سے غائب رہنا اعصاب کی کمزوری اور بعض اوقات ان کے بالکلیہ بیکار ہوجانے کا باعث ہوتا ہے۔ اور اس سے بیری بیری نامی بیماری بھی پیدا ہوتی ہے۔ یہ حیاتین سبز ترکاریوں۔ آلو۔ گاجر۔ سوکھی خوبانیوں۔ انڈے کی زردی۔ میوؤں۔ کلیجی۔ آٹے۔ سپاری۔ مٹر۔ مسور۔ کاہو۔ گردے۔ پیاز۔ شلجم۔ سقیمہ اور میٹھے آلو۔ انگور۔ لیموں۔ سنگترے۔ اناناس۔ موز۔ سیب۔ آڑو۔ تازہ مٹر۔ کھجور۔ چیری۔ پالک۔ گوبی کا پھول اور سبز کاہو میں بھی پائی جاتی ہے۔

سبز ترکاریوں اور انڈے کی زردی میں الف اور ب دونوں میں حیاتین پائی جاتی ہیں۔ اس لحاظ سے ہر وقت کی غذا میں ان دونوں اجزا کا رہنا نہایت ضروری ہو۔ حیاتین ب آسانی کے ساتھ پانی میں حل ہوجاتی ہو اس لئے اگر سبز ترکاریوں میں پکاتے وقت زیادہ پانی ڈالا جائے تو حیاتین ب پانی میں حل ہوجائے گی اور ترکاری اُبالنے کے بعد جب پانی کو پھینک دیا جائیگا تو اس کے ساتھ حیاتین ب بھی ضائع ہوجائے گی۔ لہذا اس حیاتین کو محفوظ کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ترکاریوں کو اُبالنے کی بجائے بھاپ کے ذریعے گلاکر پکایا جائے تاکہ حیاتین ب ضائع نہ ہونے پائے۔ حیاتین ب کی کمی کے باعث جوڑوں کا درد اور پورے جسم میں اندرونی بے ترتیبیاں پیدا ہوسکتی ہیں مثلاً اپنڈسائیٹس وغیرہ اس کے علاوہ

اس کی کمی کے باعث ہم مختلف قسم کے متعدی امراض کا بھی شکار ہو جاتے ہیں۔ وہ تمام غذائیں جن میں حیاتین ب موجود ہو قبض کو توڑتی ہیں اور اس طرح ہماری صحت اور تندرستی کا باعث بنتی ہیں۔

حیاتین ج۔ اس حیاتین کا وجود ان سبز ترکاریوں میں پایا جاتا ہے جو بغیر سوڈے کے صرف بیس منٹ تک اُبال کر پکائی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ آدھ پکے ہوئے پھلوں۔ جیسے کہ سنگترے لیموں یعنی سوائے انگور کے تمام پھلوں اور ترکاریوں میں بغیر پکے ہوئے سبز سلاد، مٹر، پالک۔ رائی۔ خرفہ۔ پیاز اور ٹماٹوں میں بھی یہ حیاتین پائی جاتی ہے۔

اشیاء کے گرم کرنے یا سکھانے سے حیاتین ج مفقود ہو جاتی ہے۔ حیاتین ج کے بہترین فوائد حاصل کرنے کا جو اُصول یہ ہے کہ کچی ترکاریاں کھائی جائیں۔ حیاتین ج کا پتہ نوخیز اناج۔ بادام۔ مٹر، مسور۔ اور چنے میں بھی چلتا ہے۔ بچوں اور بڑوں سب کے لئے حیاتین ج کا روزانہ استعمال نہایت ضروری ہے۔ خاص طور پر دانتوں کے ماہر اس بات پر زور دیتے ہیں کہ دانتوں کی تقویت اور مضبوطی کے لئے غذاؤں میں حیاتین ج کا وجود لازمی ہے۔ حیاتین ج کی ایک اور خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ خون کو صاف رکھتی ہے۔ جس کے باعث متعدی امراض کا اندیشہ بہت کم رہتا ہے۔ جلدی امراض اور پھوڑوں وغیرہ میں ترک کا ازالہ حیاتین ج کی کثرت سے استعمال سے ہو جاتا ہے نیز یہ حیاتین مرض اسکروی، [illegible] میں بھی مفید ہے۔

حیاتین د ایک ایسا مادہ ہے جس کے متعلق سائنس جاننے والوں نے بہت کم معلومات حاصل کی ہیں۔ اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ جسم کو بڑھائے اور ہڈیوں کو مضبوط کرنے میں کیلشیم یا چونے کے اجزا کا اضافہ کرے۔ نظامِ عصبی کے لئے چونا نہایت ضروری ہے اگر اس کی کمی واقع ہو تو ہڈی گلنے کا مرض رونما ہو جاتا ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بھی بیان کیا ہے رکٹس ہڈیوں کی بیماری ہے جو زیادہ تر بچوں میں ہوتی ہے۔ حیاتین د کا وجود زیادہ تر کاڈ لیور آئل اور دھوپ میں پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ الٹرا وائلٹ ریز میں بھی یہ موجود ہے۔ اب اس بات کا علم ہو چکا ہے کہ اگر غذا الٹرا وائلٹ ریز بنا کر دی جائے تو بچوں میں ہڈی گلنے کی بیماری نہیں پیدا ہوتی۔

حیاتین ہ قوت کے لئے نہایت ضروری ہے۔ اس حیاتین کا سب سے اہم کام یہ ہے کہ اپنی غذائیت کے مادے سے فولادی اجزا پیدا کرے۔ حیاتین ہ کی کمی کے باعث جسم پیلا پڑ جاتا ہے اور خون کی کمی اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ وہ پتلا پڑ گیا اور اس میں فولادی اجزا بڑی حد تک کم ہو گئے ہیں۔ یہ حیاتین زیادہ تر ملائی، سبزی کے تیلوں، تل کے تیل، کوکونٹ آئل اور کیڑا کھائے ہوئے گیہوں میں پائی جاتی ہے۔

حیاتین و مرض بیری بیری کی سب سے بہتر مدافعتی دوا ہے۔ اس کو پکانے ہی غائب ہو جاتی ہے۔ اس حیاتین کے متعلق اس سے زیادہ معلومات نہیں ہیں۔

اب آپ حیاتین ز کا بھی کچھ حال سن لیجئے۔ اس میں شک نہیں کہ حیاتین ز جسم کے ہر حصے میں مفید ثابت ہوتی ہے لیکن اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کے استعمال سے چہرہ پر کچھ ایسی رونق رہتی ہے کہ بڑھاپا بڑھاپا نہیں

معلوم ہوتا۔ اگر اس حیاتین کے استعمال میں مسلسل کمی واقع ہو تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جسمانی بڑھاؤ رک جاتا ہے۔ وزن میں کمی واقع ہوتی ہے، منہ آنا شروع ہوتا ہے، ہاضمہ خراب ہو جاتا ہے اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جسم کا چمڑا بہت ہی حساس ہو جاتا ہے اور کبھی تو پھوڑے پھنسیاں اور چھالے بھی نکل آتے ہیں۔ جسم میں اس حیاتین کے عدم وجود کے باعث پلاگرا نامی مرض پیدا ہو جاتا ہے۔ پلاگرا نہایت ہی خطرناک قسم کا مرض ہے جس میں جسم سکڑ جاتا ہے اور مریض بے قابو ہو جاتا یہ مرض بڑھتے بڑھتے مریض کو اس نوبت پر پہنچاتا ہے کہ اس کی جسمانی طاقت بالکل ہی کم ہو جاتی ہے، آنکھیں چوندھیا جاتی ہیں، منہ بدمزہ ہو جاتا ہے اور اعصاب زخم آلودے ہو جاتے ہیں۔ یہ حیاتین دودھ، مکھن، پنیر، انڈے، کلیجی، ہرے پتوں، روٹی شلجم، موز، پالک، چقندر کے پتوں میں پائی جاتی ہے۔ یہاں تک تو آپ نے حیاتین کے حالات اور خواص سے واقفیت حاصل کر لی اب ہم آپ کو یہ بتائیں گے کہ آپ کے لئے موزوں غذا کیا ہو سکتی ہے جس میں حیاتین کے اجزا زیادہ ہوں۔ ایک متناسب غذا کا خاکہ ذیل میں دیا جاتا ہے۔

حیاتین ا۔ دودھ، گھی، انڈے۔
حیاتین ب۔ کاہو، پالک، مٹر، انڈے۔
حیاتین ج۔ سنگترے، لیموں، ٹماٹر، پیاز۔
حیاتین د۔ زیادہ سے زیادہ دھوپ میں بیٹھنا اٹھنا۔
حیاتین ہ۔ غلہ مثل لوبیا، نباتاتی تیل اور موز۔

اگر کوئی شخص باقاعدگی کے ساتھ روزانہ مذکورہ بالا حیاتین کے استعمال کو جاری رکھے تو لازماً اس کی صحت بہتر رہے گی۔ ذیل میں ان چند اغذیا کو درج کیا جاتا ہے جن میں حیاتین کے اجزا نام کو نہیں ہیں۔ مثلاً۔
زیتون کا تیل۔ بند ڈبوں کا گوشت، شوربے۔ نمکین گوشت۔ پنیر۔ سفید مچھلی۔ بند ڈبوں کے میوے اور ترکاریاں چاکولیٹس۔ بتاسے۔ کھانڈ۔ میدہ اور اس کی روٹی۔ سفید چاول۔ ساگودانہ۔ شربت اور جام۔ ان اشیاء میں پنیر کی شکل اختلافی ہے اس لئے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس میں حیاتین کا مادہ موجود ہے لیکن ایک گروہ اس کے وجود سے انکار کرتا ہے۔ اس لئے ہم نے اس کو ہر دو شکلوں میں ظاہر کر دیا ہے۔ بہرحال جو بھی ہو ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ اپنے لئے ہر وقت ایسی غذا مہیا کرے جو نہ صرف معدہ کو بھرنے کا کام دے بلکہ جسمانی قوت کو برقرار رکھتے ہوئے صحت و تندرستی کا باعث بھی بنے۔

جی ام خان۔ حیدرآباد دکن

بیگم اور دیوی

از خان بہادر حافظ محمد ولایت صاحب آئی۔ ایس بجاو

گذر مُسلم کی بیوی کی بہت رو دھو کے ہوتی ہے
وہ دن بھر پان کھاتی ہو۔ مگر قسمت کو روتی ہے
میاں کا بیشتر رہتا ہے خود و نوش ہوٹل میں
خدا جانے کہاں ان کی بسر اوقات ہوتی ہے
میاں آئیں گے سینما سے لگا ہے انتظار اس کو
وہ تارے گن رہی ہے اور تمام مخلوق سوتی ہے
انہیں کا حوصلہ ہے عقد ثانی اور ثالث کا
انہیں کے واسطے رو رو کے بیوی جان کھوتی ہے
انہیں معلوم ہو گی قدر و قیمت اس کی محشر میں
ہر اک آنسو جو اس کی آنکھ سے گرتا ہے موتی ہے
یہ تارِ اشک جو تم دیکھتے ہو اس کی آنکھوں سے
حقیقت میں قیامت کے لئے موتی پروتی ہے

وطن میں اور بھی بستے ہیں جو ہر وقت ہیں شاداں
سبب یہ ہے کہ بیوی کی مکاں میں قدر ہوتی ہے
زن و شو میں محبت اور اُلفت ہے بہت باہم
جہاں برتاؤ اچھا ہے وہاں خدمت بھی ہوتی ہے
صفائی اس کے چوکے اور برتن کی ذرا دیکھو
خوشی سے کام خود کرتی ہے گو راجہ کی پوتی ہے
گھڑی کی طرح ہردم کام میں مصروف ہے بیوی
نہانے کے لئے شوہر کے خود پانی سموتی ہے
یہ حُسنِ انتظامِ خانہ داری دیکھئے اس کا
کہ پانی بھر کے لائے اور پھر دھوتی بھی دھوتی ہے

پُرانا زمانہ

ہم کس صفائی سے اپنی بات چیت میں اس لفظ کا استعمال کرتے رہتے اور اب سے تیس چالیس سال پہلے کو پُرانا زمانہ سمجھ لیتے ہیں۔ حالانکہ پُرانا زمانہ ایک دوسری ہی چیز ہے جس کا تصور تھوڑی دیر کے لئے آدمی کو حیرت زدہ کر دیتا ہے کہ اللہ غنی ہم کیا سے کیا ہو گئے اور ابھی نہ معلوم اور کیا کیا ہوتے جائیں گے۔

پُرانے زمانے میں جب دُنیا نئی نئی آباد ہوئی تھی تو بیچارے انسان پر کیا گزرتی تھی۔ اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ جانور تو ہر حال میں مگن رہتے ہیں انہیں نہ جب کوئی فکر تھی نہ اب ہے مگر اس غریب کو اپنے رہنے کا ٹھکانہ بنانا تھا۔ اپنی بھوک پیاس کا انتظام کرنا تھا۔ تن پوشی کی فکر تھی۔ اپنے آپ کو اور اپنے کنبے کو دشمنوں یعنی درندوں اور حشرات الارض سے بچانے کا سامان کرنا تھا۔ اور یہ سب کیوں تھا؟ صرف اس لئے کہ اس کو عقل و سمجھ عطا ہوئی تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ جس نے یہ کہا ہے کہ ؏

انساں بنا کے کیوں مری مٹی خراب کی؟

اس نے بہت ٹھیک کہا ہے۔ ساری آفتیں اسی غریب اشرف المخلوقات کے لئے تھیں اور ہیں۔ ذرا غور کیجئے کہ جب نہ مکان ہوگا نہ کپڑا نہ برتن تو اس کی کیسے گذر ہوتی ہوگی۔ کسی پہاڑ کی کھو میں رہنا اور گھاس پات جنگلی پھل اور اُن کے بیج کھانا۔ جہاں دریا قریب ہو وہاں ہزار مصیبتیں اُٹھا کر مچھلیاں پکڑنا کیونکہ اس زمانے میں ڈوری بنسی اور جال کا کہاں پتہ۔ اسی طرح جہاں موقع مل جائے وہاں پتھر لکڑی وغیرہ سے کوئی کمزور سا جانور مار لینا اور نکیلے پتھروں کی مدد سے ہاتھوں اور دانتوں سے نوچ نوچ کر اس کا گوشت کھال سے الگ کرنا اور چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے اسے کھانے کے قابل بنانا۔ پھر اگر اسی اثنا میں کوئی بڑا جانور یا درندہ مل جائے تو جہاں تک ہو سکے اس سے لڑ کر اپنا شکار اور اپنی جان بچانے کی کوشش کرنا اور کچھ بس نہ چل سکنے پر شکار چھوڑ کر صرف اپنی جان لے کر بھاگنا اور چھپ رہنا۔ اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے ہر وقت نئی نئی ترکیبیں نکالنے کے سوچ بچار میں لگے رہنا۔ رات ہونے پر خیال کرنا کہ یہ چمکتا ہوا آگ کا گولہ کہاں جا کر چھپ جاتا ہے جس سے مجھے اتنی سردی لگنے لگتی ہے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ بہت دنوں تک اس غور و خوض میں رہنا اور مغرب کی طرف دُور تک جا جا کر پتہ لگانے کی کوشش کرنا۔ اور ناکام رہنے پر اس تلاش کو چھوڑ کر اس فکر میں پڑ جانا کہ اب سردی سے بچنے کی کیا تدبیر کرے۔ پھر کبھی اتفاقیہ جنگل میں آگ لگتے دیکھنا اور اس کے متعلق سوچنا کہ یہ کیا چیز ہے کس طرح پیدا ہو گئی۔ ساتھ ہی اپنے کھانے کا بہت سا سامان ضائع ہو جانے کا رنج اور تجربہ کہ اس سے گرمی حاصل ہوتی ہے۔ کسی مرے ہوئے جلے ہوئے جانور کی حالت دیکھ کر یہ خیال کرنا کہ یہ بڑی خوفناک چیز ہے اور اس سے گوشت کو چکھ کر یہ معلوم کرنا کہ اب اس کا کھانا آسان ہو گیا ہے اور مزیدار بھی ہے۔ عرصہ تک اس پریشانی میں رہنا کہ یہ کارآمد اور عجیب چیز کہاں سے مل سکتی ہے۔ آخر کبھی پتھر کی رگڑ سے چنگاریاں نکلنے اور ان سے ہاتھ پیر جلنے پر اس عقدے کا حل ہونا۔ پھر طرح طرح کی آزمائشوں کے بعد ہزار مصیبتوں سے آگ بنانا اور اس کو قائم رکھنے کی کوششیں کرنا۔ اس پر شکار کا گوشت بھونا اور چربی اور ہڈیوں کی حالت پر متعجب ہونا۔ ہڈیوں کو کام میں لانے کی ترکیبیں سوچنا۔ پھر کبھی آندھی مینہ وغیرہ سے پریشان ہونا۔ اور یہ سمجھنا کہ ایسے وقت میں کھوہ کے اندر ہی رہنا بہتر ہے۔

پھر گھر میں بیٹھے بیٹھے یہ سوچنا کہ آخر یہ آفتیں آتی کیوں ہیں۔ ان سے بچنے کی کونسی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ آخر اس کے ذہن میں اس خیال کا آنا کہ کوئی مجھ جیسوں سے بھی بڑھ کر کام کرنے والے لوگ ہیں جنہیں میں نہیں دیکھ سکتا۔ وہ یہ سب کرتے ہوں گے۔ اور ان میں بڑی طاقت ہوگی۔ وہ یہ سب جھگڑا کیوں کرتے ہیں؟ شاید وہ آپس میں لڑتے ہوں گے۔ یا انہیں میری کسی بات پر غصہ آگیا ہوگا۔ تو لاؤ انہیں خوش کرنے کی کچھ تدبیر کروں وہ کھاتے پیتے تو ضرور ہوں گے۔ کیونکہ کوئی بھی بغیر کھائے پیئے نہیں رہ سکتا۔ اس لئے انہیں کھانے ہی کو کچھ دینا چاہیئے۔ یہ سب سوچ سمجھ کر اپنے شکار کا بہترین حصہ بھون کر کہیں کسی اونچی اور پوشیدہ جگہ پر رکھ آنا۔ پھر اگر اتفاق سے کوئی اچھی بات پیش آئے تو یہ سمجھنا کہ اب وہ غیر معمولی طاقت کے مالک یا دیوتا مجھ سے خوش ہوگئے ہیں اور انہوں نے مجھے یہ انعام دیا ہے۔ پتھروں کا گھِسنا دیکھ کر یہ سمجھ لینا کہ اس سے گھِس گھِس کر اوزار بنائے جا سکتے ہیں۔ اس خیال کو عملی جامہ پہنانا اور اپنے کام کی نئی نئی چیزیں بنا کر خوش ہونا۔ انہیں اپنا مال سمجھ کر حفاظت سے رکھنا۔ پیاس کی تکلیف اٹھانے پر پانی رکھنے کے لئے برتن کی ضرورت کا احساس۔ کھالوں کو جوڑ جوڑ کر لباس تیار کرنے کے لئے سوئی تاگے سے کام لینے اور ان کے تیار کرنے کا ارادہ۔ اپنے کسی عزیز کے مرجانے پر اس کی جدائی کا صدمہ۔ اس کی جسمانی حالت کا بگڑتے دیکھنا اور اسے اس حالت سے بچانے کے لئے طرح طرح کی تدبیریں کرنا۔ آہستہ آہستہ اس کا بہت کچھ جان لینا اور مکان بنانا۔ کھیتی باڑی کرنا۔

یہ سب کتنے مشکل کام ہونگے جو اس نے صدیوں میں جا کر اپنے اور دوسروں کے تجربوں سے سیکھے ہوں گے۔ پھر بھی اگر وہ اس وقت کہیں سے آ جائے اور آپ اسے دیکھیں تو یقیناً آپ اسے وحشی ہی کہیں گی۔ کیونکہ اس کے بال اور ناخن بڑے بڑے ہوں گے۔ زیادہ تر جسم کھلا ہوا اور سخت میلا ہوگا۔ اسے باتیں کرنی نہیں آتی ہوں گی اور زیادہ تر چھپ کر رہنا اسے پسند ہوگا لیکن سچ پوچھئے تو اس وحشی نے دنیا میں بڑے بڑے کام کئے ہیں۔ اور [illegible] اپنے تجربے [illegible] کرنے کے قابل اپنے بچوں کو [illegible] دنیا میں کوئی ترقی کا نام بھی نہ ہوتا۔ [illegible] ان کے موجدوں کے نام سب سے لئے جاتے ہیں۔ مگر جس نے پہلے پہل [illegible] دریافت کی جس نے سب سے پہلے برتن بنایا۔ جس نے چراغ جلا کر رات کا اندھیرا دور کیا۔ جس نے کھیتی کا طریقہ ایجاد کیا اس کا حال کوئی نہیں جانتا اور ان سب چیزوں کے موجد کا لقب وحشی ہے۔ کیا دنیا ہے اور کیا اس کا انصاف۔

و۔ ا

چھوٹے ناگپور کے باشندے

چھوٹے ناگپور کے باشندوں میں پانچ خاص قوم ہیں جو آدمی بالی کہلاتی ہیں اُن کی تفصیل یہ ہے :-

منڈا (۵۵۰۰۰۰) ہوس (۲۴۰۰۰۰) سنتھال (۹۷۱۳۰۰)، خاریہ (۱۴۷۰۰۰) اور اراون (۶۳۸۰۰۰) اراون دراویڈین نسل سے ہیں یہ جنوب سے آئے تھے۔ خاریہ کے بارے میں یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کہاں سے آئے تھے اور کس قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ منڈا یہاں کی مشہور اور خاص قوم ہے جس میں سنتھالی اور ہوس بھی شامل ہیں، یہ قوم بہت قدیمی ہے یہ ہندوستان میں آریوں سے قبل آئی تھی۔

عبادت - ان کا عقیدہ ہے کہ پہاڑ اور دریا میں چند بونگا (دیوتا) ہیں جو دنیا کی ساری طاقت پر حاوی ہیں، اس لئے یہ انہیں کی پرستش کرتے ہیں۔ یہ بیماری کو انہیں بونگا (دیوتا) کی ناراضگی کا سبب خیال کرتے ہیں اور بیمار پڑنے پر انہیں کی پوجا کیجاتی ہے۔ ان فرقوں میں ایک اوجھا ہوتا ہے بیمار پڑنے پر وہ بلایا جاتا ہے اور مریض کو دیکھ کر کہہ دیتا ہے کہ کون بونگا (دیوتا) ناراض ہیں اور اس کی تلافی کے لئے کس قسم کی قربانی کرنی چاہیئے۔ ایسے موقعہ پر یہ لوگ سفید بکری، سیاہ مرغی، یا سور کے بچہ کی قربانی دیتے ہیں۔

تہوار - ان کے یہاں مشہور تہوار تین ہیں یعنی میگ، ناگ اور با میگ ماگھ کے مہینہ میں منایا جاتا ہے اس موقعہ پر یہ لوگ نیا لباس پہنتے ہیں اور اچھی غذا کھاتے ہیں امیروں کے یہاں ضیافت کا سلسلہ بھی رہتا ہے۔ ناگ اس تہوار کو شکار سے تعلق ہے سال مالی کے درخت میں آگ لگا دی جاتی ہے اور جوان آدمی ایک ہی ضرب میں کاٹ دینے کی کوشش کرتا ہے ان کا عقیدہ ہے کہ اس سے قدیم جنگ کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ با ان کا سب سے بڑا تہوار ہے یہ پانچویں چیت کو منایا جاتا ہے جب وقت کہ سال کا درخت پھول سے شاداب ہوتا ہے انہیں دو دن اور دو رات تک رقص و راگ جاری رہتا ہے۔ اس موقعہ پر شادی شدہ عورتیں اپنے الدین کے گھر جا کر اپنے بچپن کے گھروں میں تہوار مناتی ہیں اور یہ راگ الاپتی ہیں :-

بانگ لے کا تنک باتنگ لے ہو
دلی نگسے کا نہ پنگ دبی تنگ لے
سارا جوم بالے نیک باتنگ لے ہو
سورا ساگین نے کا نن ینگ والی تنگ لے

ترجمہ - میری ماں مجھے آراستہ کردو مجھے پھولوں سے سنوار دو۔
میرے ابا میرے سر پر پھولوں کا تاج رکھ دو
میرے سر پر تاج رکھ دو
میری اماں سال کے پھولوں سے مجھے سجا دو
سال کی نئی کلی سے میرے سر کی زیبائش کرو
میرے ابا میرے سر پر تاج رکھ دو

تفریح - رقص و راگ انکی خاص تفریح ہے یہ صرف تہوار پر ہی نہیں بلکہ سال بھر جاری رہتا ہے۔ ہر ایک گاؤں میں عوام کے اکھاڑے ہیں جہاں گاؤں کے مرد و عورت جمع ہو کر رقص و راگ کرتے ہیں۔

میلہ - جاڑے کے زمانہ میں کھیتوں سے غلہ جمع کرنے کے بعد ایک میلہ لگتا ہے اسکا نام بودس ہے ان کے میلے میں خرید و فروخت نہیں ہوتی بلکہ مرد و عورت اکٹھے ہو کر رقص و راگ کی محفل گرم کرتے ہیں۔

شکار - چونکہ جنگل کے رہنے والے ہیں شکار سے دلچسپی ہے اور خاصکر منڈا سنتھال اور ہوس تو بڑے شکاری ہوتے ہیں۔ ان کے یہاں دستور ہے کہ جب مرد شکار سے واپس آتے ہیں تو عورتیں مرحبا اور تعظیم کے لئے ان کے پاؤں دھوتی ہیں۔

تعلیم - ادمی بالیوں میں ابھی تعلیم اتنی زیادہ نہیں ہے لیکن اب علم کی قدر ہو رہی ہے اور آہستہ آہستہ یہ لوگ تعلیم یافتہ ہو رہے ہیں۔

شہر بانو

شمیم مرحومہ

عزیزی سید سعید الحسن صاحب بی اے بی ٹی رضوی کسمنڈوی کی بڑی بہن جناب شمیم صاحبہ نے گذشتہ سال ۱۲ ستمبر ۱۹۴۰ء - ۱۷ رجب ۱۳۵۹ھ کو انتقال کیا۔ شمیم، مرحومہ کا تخلص تھا، اور انور فاطمہ نام۔ وہ عربی اور فارسی دونوں زبانوں کی مروجہ تعلیم پوری حاصل کر چکی تھیں۔ اس کے علاوہ انگریزی تعلیم بھی انٹرمیڈیٹ تک پائی تھی۔ لکھنؤ کے مشہور زنانہ کالج کرسٹھویٹ گرلز کالج میں پروفیسر تھیں۔ اگرچہ مرحومہ شمیم کو اردو کی دنیائے ادب میں کوئی شہرت حاصل نہ تھی لیکن بہت اچھی شاعرہ، سمجھدار ادیب اور مضمون نگار تھیں۔ نہایت شائستہ اور علم دوست بھی۔ انہیں شاعری سے ایسی دلچسپی تھی کہ جب کبھی دنیا کے بکھیڑوں سے فرصت پاتیں شعر کہہ لیا کرتی تھیں۔ مگر اپنے لئے، نہ کلام چھپوانے کا شوق نہ حصول شہرت کا ذوق۔ ذوقِ سلیم کی مالک تھیں۔ لیکن افسوس اُن کی زندگی نے وفا نہ کی اور عین جوانی کے عالم میں وفات پا کر ہمیشہ کے لئے ہم سب سے دور ہو گئیں۔

عزیزی سعید سلمہٗ نے مجھے جو خط لکھا ہے وہ اُن کے دلی تاثرات سے لبریز اور انتہائی درد انگیز ہے۔ انہیں مرحومہ کے کلام اور اُن کی طبعی خصوصیات کی نسبت جو کچھ مختصراً لکھا ہے وہ پیش کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ وہ لکھتے ہیں:-

"میری بہن شاعرہ تھیں مضمون نگار تھیں اور ادیب تھیں علم و ادب اُن کا زیور تھا اور شرافت و اسلامیت اُن کا شعار۔ اُن کا کلام مؤثر اور مرصع، مضامین پختہ اور لطیف مگر شہرت سے بے نیاز ہی نہیں بلکہ اکثر متنفر رہیں۔ انہوں نے مشاعروں کی ہنگامی محفلوں نے کبھی انور فاطمہ شمیم کا نام نہ سنا۔" مرحومہ شمیم کی طبعی خصوصیات کے بارے میں سعید صاحب کا بیان یہ ہے کہ:-

"مرحومہ اپنی علمیت کے باوجود پردہ اور شرافت کی پابند تھیں۔ اس پر علم کی زینت پھر اخلاقی اور روحانی بلندی!"

مرحومہ کی وفات پر استاد مولانا صفی نے یہ تاریخ کہی ہے۔ فرماتے ہیں۔

شمیم سخن سنج رحلت نمود — غمش بر دلم داغِ دیگر فزود
صفی! سالِ فوتش ازیں برشمر — شمیم در بہشت بریں، برمر

۳۹۰ + ۹۶۹ = ۱۳۵۹ھ

اپنے دوسرے گرامی نامے میں جناب سعید سلمہٗ نے بہن مرحومہ کا کچھ کلام بھی عنایت فرمایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"آج دل چاہتا ہے کہ اپنی شمیم باجی کے چند اشعار آپ کو سناؤں۔ کچھ ادھر سے کچھ اُدھر سے۔ انتخاب کا خیال ملحوظ رکھ کر نہیں بلکہ صرف اپنے حافظہ کی قوت پر بھروسہ کر کے۔ فرماتی ہیں۔

دفعتاً اٹھی نگاہِ فتنہ پرور خود بخود — خود بخود پیدا ہوا آشوب محشر خود بخود

غایتِ تخلیق جب مجھ پر عیاں ہو جائے گی — سازِ ہستی سے مرے برپا فغاں ہو جائے گی
میں وہ بلبل ہوں خزاں میں لوں اگر نام بہار — اک قفس کیا سبز شاخ آشیاں ہو جائے گی

لبوں پہ آہ خلش دل میں آنکھ میں آنسو — سوا اس کے محبت میں اور کیا ہوگا

مرے دم سے دنیائے الفت ہے قائم — کہو تو بدل دوں نظامِ محبت
کہا نظروں نظروں میں حال پریشاں — دیا جھکے جھکے پیامِ محبت

ترے کے جلوۂ رنگیں کی خاطر — بہت الجھی ہوں مرگِ ناگہاں سے

خدارا رحم کر اے دردِ پیہم! نکل جائے نہ نام اُن کا زباں سے

مناظرِ عیش اب کہاں ہیں ستم فلک کے اٹھا رہی ہوں
ہے حسنِ رنگیں نظر میں میری میں یاس سے مسکرا رہی ہوں

اُداس چہرہ، نظر فسردہ، لبوں پہ ہلکا سا کچھ تبسم
نہیں تم اس کو ہنسی نہ سمجھو میں اپنے غم کو چھپا رہی ہوں

لذیذ کس درجہ تھی حکایت شمیم اُن سے جو کل کہی تھی
وہی فسانہ دراز کرکے میں آج دل کو سنا رہی ہوں

ان تعلقات محبت کی بنیاد پر، جو سعیدسلمہٗ کو میرے ساتھ ہیں اُنہوں نے اصرار کیا کہ باجی شمیم کی وفات پر ضرور کچھ لکھئے اصرار اس قدر اثر انداز، ایسا درد وغم میں ڈوبا ہوا۔ اور اتنا شاعرانہ تھا کہ میری طبیعت اثر پذیر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ انکار کی تاب تھی ہی کہاں۔ غرضکہ انتشیم کے ذیل میں یہ چند شعر موزوں ہوگئے اور میرا ناصہ شعری ہر کہ جبتک طبیعت اثر پذیر اور پوری آمادہ تراوش نہ ہو شعر کا غذ پر نہیں لکھتا۔ مرحومہ کی وفات اور سعیدسلمہٗ کے درد بھرے خطوط سے دل پر چوٹ لگی اور چند شعر موزوں ہوگئے یہ اشعار میرے دلی جذبات کے ترجمان اور آئینہ دار ہیں۔ ناظرین اور ناظراتِ عصمت پڑھ کر اثر اندوز اور لطف پذیر ہوں۔ تو مرحومہ بہن شمیم کے لئے رحمت اور مغفرت کی دُعا فرمائیں۔

شمیم موت نے تیری عجیب حال کیا
دلِ شگفتہ کو وقفِ غم و ملال کیا

وہ دل جو شاد اور آباد تھا مسرت سے
اسے ہلاکِ ستم، غم سے پائمال کیا

کسے خبر تھی کہ خوشیاں یہ چند روزہ ہیں
ہزار حیف نہ اندیشۂ مآل کیا

کسی طرح اجل سے ابھی نہ تھی اُمید
جو اس طرح ہمیں بربادِ جان و مال کیا

بہن شمیم ہمیں داغ دیکے جائیں گی
کبھی بھی ہم نے نہ اس بات کا خیال کیا

یہ زخم وہ ہے بھرے گا نہ عمر بھر ہمدم!
یہ تو نے آہ عبث عزمِ اندمال کیا

یہ داغ وہ ہے کہ تازہ رہیگا مرنے تک
اجل سے مل کے فلک نے بڑا کمال کیا

یہ رنج ہجر وہ جاں سوز رنج ہے جس نے
دمِ ستم زدہ کو اور بھی نڈھال کیا

وہ جس کی ذات تھی سرمایہ دارِ علم و ادب
اُسی نے عین جوانی میں انتقال کیا

وہی شمیم کہ نازاں تھا جس پہ ذوقِ سخن
اُسی کی موت نے ہر عیش کو وبال کیا

وہ سانحہ الم افزا ہے آہ یہ جس نے
دلِ فسردہ کا جینا بھی اب محال کیا

وہی شمیم کہ جس کا سخن تھا جانِ ادب
خدا نے جس کو ادیب اور خوش مقال کیا

جو بات کی تو شگفتہ کیا ہر اک دل کو
کیا کلام تو دلچسپ و بے مثال کیا

وہ اس کی زندگی سادہ، عمر بھر جس نے
نہ حبِّ عیش، نہ کچھ شوقِ جاہ و مال کیا

کہیں زمانے میں ہوتی ہیں بیبیاں ایسی
خدا نے صاحبِ علم اور ذی کمال کیا

ہزار حیف کہ عمر اتنی مختصر پائی
کہ زندگی میں نہ عیش اُس کے چند سال کیا

عزیز روتے ہیں، غم سارے خاندان کو ہے
ہر ایک دل کو مصائب نے پائمال کیا

دیا ہے داغِ یتیمی غریب بچوں کو
عزیز بھائی کو، شوہر کو خستہ حال کیا

غضب کہ چھین لیا موت نے انہیں ہم سے
ستم کو مورد اندوہ و رنج و ملال کیا

کہو سعید سے محوی کہ صبر سے لیں کام
بہت کیا غمِ خواہر بہت ملال کیا

یہی سلف کا وطیرہ ہے قابلِ تقلید
ہزار رنج ہوئے شکرِ ذوالجلال کیا

محوی صدیقی لکھنوی

فوٹوگرافی

(سلسلہ کے لئے دسمبر ۱۹۴۰ء کا پرچہ دیکھئے)

لینز کیوں اور کس لئے استعمال کیا جاتا ہے

لینز یا عدسہ فوٹوگرافی کے فن میں کیوں سب سے زیادہ اہم اور ضروری چیز ہے؟ یہ ایک ایسا معقول سوال ہے جس کا ہم نہایت مفصل جواب اس مضمون میں دیں گے۔ اور کوشش کریں گے کہ نہایت آسان طریقہ سے اس کے متعلق تمام ضروری باتیں آپ کو سمجھا دیں۔ گو بغیر لینز یا عدسہ کے بھی تصویر لی جا سکتی ہے جیسے کہ اس مضمون کے کسی دوسرے باب میں اس کے متعلق ضروری ہدایتیں دی گئی ہیں۔ لیکن دراصل لینز کیمرے کے لئے اسی قدر ضروری چیز ہے جس قدر انسان کے لئے آنکھوں کی ضرورت ہے پس گر فوٹوگرافی کے جملہ سامان میں ایک عمدہ لینز یا کسی عمدہ لینز کا کیمرہ نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ بغیر اس کے تمام سامان بیکار ہے۔ چنانچہ کیمرہ کے انتخاب کے وقت اس کے لینز کی قسم پر غور کرنا اور اس کی خصوصیت کا علم ہونا بھی حد ضروری ہے۔

فوٹوگرافی کے لئے خاص طور سے لینز زیادہ تر جرمنی۔ امریکہ اور انگلینڈ وغیرہ میں بنتے ہیں۔ اب تھوڑے دنوں سے ہندوستان میں بھی تیار ہونے شروع ہو گئے ہیں۔ یہ بہت اعلیٰ درجہ کے صاف و شفاف شیشہ سے سادہ وغیرہ ملا کر بنائے جاتے ہیں۔ بازار میں سینکڑوں قسم کے ملتے ہیں اور ایک مبتدی کے لئے عمدہ لینز کا انتخاب پیچیدہ معمہ کے حل کرنے سے کم مشکل نہیں۔ لیکن ایک خاص نکتہ غالباً اس مشکل کو حل کر دے گا۔ وہ یہ ہے کہ موجودہ تمام اقسام کے لینزوں میں ہر ایک لینز خاص اور محدود مقصد کو پورا کرتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی لینز نزدیک کی اشیاء کی تصویر لینے کے لئے خاص طور سے بنایا گیا ہے تو وہ دور کی اشیاء کی تصویریں نہیں لے سکتا۔ یا اگر کوئی لینز صرف آدمی کی شبیہ (Portraits) لینے کے لئے تیار کیا گیا ہے تو وہ کبھی گروپ کی ویسی ہی صاف اور مکمل تصویر نہیں لے گا۔ اور یہ بات دوسری ہے کہ ایک قسم کے لینز سے دونوں کام زبردستی لئے جائیں جیسے کہ اکثر مبتدی اور شوقین فوٹوگرافر لیتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ پیشہ ور ماہر فوٹوگرافروں کی تصویروں سے قطع نظر کر کے دیکھا جائے تو عام شائقین کی تصویروں میں لینز کے نقائص پائے جاتے ہیں۔ قبل اس کے ہم چند اور ضروری کارآمد اقسام کے لینزوں کے نام و کام بتائیں۔ اس سوال کا جواب ذرا صراحت سے دیتے ہیں کہ "لینز کیوں استعمال کیا جاتا ہے"۔

اس سوال کا جواب سمجھانے سے قبل ہم بتانا چاہتے ہیں کہ ہر ایک ظاہری چیز روشنی پھینکتی ہو گی۔ وہ کیسی ہی خفیف ہو مگر یہ روشنی ایک جگہ مجتمع نہیں دکھائی دے سکتی۔ بلکہ اس کی بے شمار شعاعیں جو اس چیز کے نقطہ یا ہر ذرہ سے نکلتی ہیں اس طرح پھیل جاتی ہیں جس طرح باغ کے نل میں سے پانی نکل کر بے شمار کیاریوں میں پھیل جاتا ہے اور یہ شعاعیں آفتاب کی پر نور کرنوں میں اس طرح جذب ہو کر گم ہو جاتی ہیں جیسے پانی کا ایک قطرہ اگر پانی سے بھرے گلاس میں ڈالا جائے تو وہ اس میں مل کر نظر سے غائب ہو جائے۔ تجربہ کے طور پر اگر ایک فوٹوگرافی کی پلیٹ یا فلم کسی ظاہری چیز کے سامنے رکھی جائے تو اس کی روشنی کی ان نامعلوم اور خفیف کرنوں کا سیلاب جو اس چیز سے نکل رہا ہے پلیٹ کی نازک سطح پر پہنچے گا اور اس سطح پر جہاں روشنی کی شعاعیں پڑیں گی ایک قسم کی کیمیائی تبدیلی ہو جائے گی۔ پھر اگر اسی طرح بطور تجربہ ایک نئی پلیٹ ایک منٹ کے لئے کسی مکان کے سامنے رکھی جاتے تو اس مکان کا ہر ایک حصہ اپنی

روشنی کی کرنوں سے پلیٹ کی سطح پر اثر ڈالے گا۔ چنانچہ اس سطح پر ایک جگہ بہت زیادہ اثر پڑے پر دکھائی دیگی مگر یہ اثر مکان کی چمنی کی شعاعوں کا نہ ہوگا بلکہ دروازہ یا کھڑکی کی تیز روشنی کی کرنوں کا ہوگا یہاں تک کہ پلیٹ کی سطح پر کوئی ایسی جگہ باقی نہ رہے گی جو روشنی سے بچی ہو۔ پھر اگر اس پلیٹ کو باقاعدہ ڈیولپ کیا جائے تو وہ بالکل سیاہ ہو جائے گی اور کسی مصرف کی نہ رہے گی۔ اس کا کیا سبب ہے؟ اس کا سبب یہ ہے کہ مکان کی روشنی کی تمام شعاعیں تیزی سے چاروں طرف پلیٹ پر پڑتی ہیں۔ اور اس کے ایف پلیٹ کے مرکب کی تمام سطح کو یکسر تبدیل کر دیتی ہیں۔ اگر خاص خاص اور تیز و مدہم روشنی کی کرنیں اس پر پڑتیں تو تمام پلیٹ اس طرح سیاہ اور بے مصرف نہ ہوتی بلکہ اس سے مکان کی نہایت عمدہ تصویر کھینچتی۔

روشنی کی کرنوں کا انتخاب

اب یہاں قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کیا طریقہ یا علاج ہے کہ جس سے روشنی کی صرف وہی شعاعیں پلیٹ پر پڑیں جن کی (تصویر کھینچنے کے لئے) ضرورت ہے اس کا واحد علاج یہ ہے کہ وہ شعاعیں جن کی ضرورت نہیں۔ ہم ایک پردہ کے ذریعہ سے روک دی جائیں جس کی معمولی ترکیب یہ ہے کہ پلیٹ اور اُس چیز جس کی تصویر لی جائے۔ مثلاً مکان ... کے درمیان ایک دھندلا (روشنی پروف) پردہ لگا دیا جائے اور اس پردہ کے بیچ میں اس قدر چھوٹا سا سوراخ ہو کہ اُس چیز (مکان) کے ہر ایک جز کی ہی کرنیں اس میں سے گذر کر پلیٹ پر پڑیں جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اُس چیز (یعنی مکان) کا ہر ایک حصہ مثلاً چمنی کی روشنی کی کرنیں پلیٹ کی خاص جگہ پر اثر ڈالیں گی اور دروازے و کھڑکی کی کرنیں پلیٹ کے دوسرے حصہ پر اثر کریں گی لیکن چمنی اور دروازے کے عین مرکزی نقطے سے جو روشنی کی شعاعیں درخشاں ہوں گی اُن کو دھندلا پردہ (اسکرین) کاٹ دے گا۔

یہ اُصول پن ہول فوٹوگرافی کا ہے (اس مضمون کا مفصل بیان آگے آئے گا) یہی وہ اُصول ہے جس پر موجودہ ترقی یافتہ فوٹوگرافی کی بنیادیں قائم ہیں جس کی صراحت اس کتاب کے پہلے باب میں کی جا چکی ہے کہ سوراخ کے ذریعہ سے حساس پلیٹ یا فلم صرف وہی شعاعیں قبول کرتی ہے جو اس چیز کی شکل و صورت قائم رکھنے کے لئے ضروری ہیں اور باقی بے مصرف کرنیں پردہ کا باریک سوراخ اندر جانے سے روک دیتا ہے۔

صرف مطلوبہ شعاعیں پلیٹ یا فلم پر پڑنے کے لئے ضروری ہے کہ پردہ کا سوراخ نہایت چھوٹا اور صاف ہو۔ حساس پلیٹ کی سطح کی جو تھوڑی بہت چمک ہوتی ہے وہ بھی بہت ہلکی اور نازک ہوتی ہے اس لئے پلیٹ کے چاندی کے نمک پر کیمیائی تبدیلی کرنے کے لئے طویل ایکسپوزر (کئی منٹ تک) کی ضرورت ہوتی ہے۔

لینز کا کام

لینز کے استعمال سے سوراخ کا قطر (سائز) بڑی آسانی سے بڑھایا جا سکتا ہے۔ یعنی اگر سوراخ پر شیشہ (لینز) رکھ دیا جائے تو بہ نسبت خالی سوراخ کے اُس وقت روشنی بڑی تیزی کے ساتھ (اندر) داخل ہوگی۔ اس اُصول پر ایکسپوزر کی بجائے منٹوں کے سیکنڈ کے دسویں حصے سے ایک ہزارویں حصے تک گھٹائی جا سکتی ہے۔

ہم ایک ایسا تجربہ کسی معمولی موٹے شیشے کے ٹکڑے یا پانی[1] سے کر سکتے ہیں۔ اگر ان دونوں میں سے کوئی چیز سوراخ پر جھکا کر رکھی جائے تو روشنی کی کرنیں چاروں طرف سے سمٹ کر اس کی راہ سے بالکل سیدھی اور عجلت کے ساتھ اندر داخل ہونگی۔

فرض کیجئے اگر ہم پردہ پر بجائے اس چھوٹے سوراخ کے جو پہلے سے ہے اس سے بڑا سوراخ کریں اور اس میں کوئی معمولی مجوف لینز لگا دیں تو کیا نتیجہ برآمد ہوگا؟ لینز کے چاروں طرف کا جھکاؤ مکان کی چمنی (جس کا ذکر اوپر ہوا) سے روشنی کی شعاعیں خارج کرنے اور

[1] کیونکہ پانی کے بھی وہی اوصاف ہیں جو شیشے ہیں۔

اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کرے گی اور لینز کے بیچ کے point سے کو اس قابل کرے گا کہ شعاعیں چاروں طرف سمت کر اس کی راہ سے اندر داخل ہوں اور پلیٹ کے ایک حصہ پر گریں (یعنی کرنیں پلیٹ کے چاروں طرف پھیل کر نہ گریں) اور جو کرنیں بغیر لینز یا پردہ کے مکان کے فرش یا کھڑکی پر پڑتی ہیں وہ لینز کے ذریعہ سے صرف پلیٹ کے ایک ہی حصہ پر پڑ کر چمنی کی شکل و شباہت پلیٹ کی (حساس) سطح پر نمایاں کرنے کی موجب ہوں۔ اسی طرح مکان کے دوسرے حصے (جو لینز کے سامنے ہیں) روشنی کی شعاعیں بھی علیحدہ علیحدہ (ایک دوسری سے مل کر نہیں) خارج کر کے پلیٹ کے ہر ایک حصہ پر پڑیں۔

لینز کا اُصول

لینز کے مزید فرائض سمجھانے کے لئے ہم پھر اس بات کا اعادہ کرتے ہیں کہ اس کائنات میں ہر ایک ظاہری چیز روشنی کا انعکاس کرتی اور روشنی ہوتی ہے بیشمار شعاعوں کا مجموعہ چونکہ دنیا میں ہر ایک چیز نہایت چھوٹے اور نظر نہ آنے والے ہزاروں لاکھوں نقطوں یا ذرّوں سے مل کر بنی ہے۔ اس لئے یہ شعاعیں اس چیز کے ہر ایک نقطہ سے نمودار ہوا کرتی ہیں چنانچہ وہ شعاعیں جن کی بابت ہم اوپر کہہ چکے ہیں کہ چمنی سے خارج ہو رہی ہیں چمنی کے ہزاروں نقطوں (یا ذرّوں) سے نکل کر منتشر ہو رہی ہیں۔

آپ ذرا یہ معلوم کریں کہ لینز شعاعوں کو ایسے نقطے سے جیسا کہ چمنی کا سب سے زیادہ چمکدار کونا ہے (کونا [illegible]) کیونکر کھینچ کر اندر پلیٹ پر ڈالتا ہے۔ اگرچہ یہ نقطہ ظاہر میں روشنی کا نقطہ معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقتاً یہ نقطہ بھی بے شمار چھوٹے چھوٹے نقطوں کا مجموعہ ہے۔ اور ان نقطوں سے ہی شعاعیں خارج ہو کر لینز کی سطح پر پڑیں گی اور چونکہ لینز کی سطح مجوف (ابھری ہوئی) ہوتی ہے اور اس قاعدہ کلیہ کے مطابق کہ اس شکل کا لینز روشنی کی شعاعوں کو جو اس پر پڑتی ہیں قدرتاً جھکا دیتا ہے۔ یہ شعاعیں بھی چاروں طرف سے اس اصول پر جھک جاتی ہیں اور لینز سے ایک خاص فاصلہ پر وہ اس نقطہ پر جو مرکز شعاع (فوکس) کہلاتا ہے باہم مل جاتی ہیں۔ یہ لینز سے مرکزی نقطے تک کا فاصلہ لینز کا "فوکل لینتھ" کہلاتا ہے۔ دیکھو شکل ۱۹۔ اس کا کچھ ذکر فوکس لینے کے ضمن میں بھی آئے گا۔ بہرحال اس تشریح سے یہ تو واضح ہو گیا ہے کہ بجز اس کے کہ پلیٹ لینز سے کسی خاص فاصلہ پر رکھی گئی ہو عام طور سے چمنی کے نقطہ کی شعاعیں پلیٹ کی سطح پر صرف ایک جگہ (Spot) پر اثر نہیں ڈالیں گی۔ بلکہ بجائے اس کے بہت سے مقامات (Spots) پر اثر کریں گی۔ بس اسی طرح روشنی کی شعاعیں جو مکان کے ہر ایک چمکدار نقطے سے نمودار ہوں گی پلیٹ کی حساس سطح پر بھی اثر ڈالیں گی۔ اگر پلیٹ مرکز شعاع (فوکس) سے باہر ہو تو اس کی سطح ایسی ہو جائے گی جیسے اس پر بادلوں کا ایک جال سا پھیل گیا ہو۔ اس کو فزّی (Fuzzy) سطح کہتے ہیں اس لئے سوائے ان معمولی کیمروں کے جن میں فوکس کے لئے کوئی بندش نہیں ہوتی تمام کیمروں میں فوکس ملانے کا معقول انتظام ہوتا ہے اور ان کیمروں سے فوکس ملاتے وقت صحیح فاصلہ دیکھ لینا ضروری ہے کیوں کہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ فوکس تو ظاہر میں ٹھیک ہو گیا لیکن بعد میں تصویر ٹیڑھی یا بالکل خراب آتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس چیز سے جس کی تصویر لی گئی ہے کیمرے کے لینز یا پلیٹ تک کا فاصلہ صحیح نہیں ہوتا۔
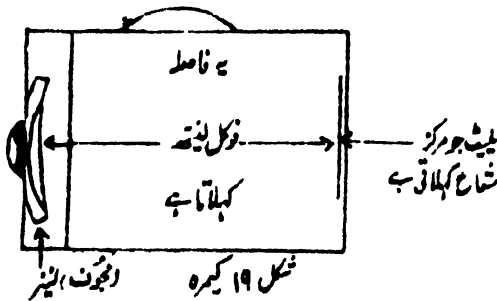
شکل ۱۹ کیمرہ

سید رضا احمد جعفری

محبّت

لوگ مجھ سے سوال کیا کرتے تھے ۔ "محبت کیا ہے ؟"

میں انہیں اپنی سمجھ کے مطابق مناسب جواب دے دیا کرتا تھا، مگر یہ اس زمانے کی باتیں ہیں جب میں خود محبت کے حقیقی معنوں سے بے خبر تھا ۔ میرا دل برف کے مانند سرد تھا ۔ اُس میں محبت کی ایک شعاع بھی نہ تھی ۔

تجربات نے میرے پہلے خیال کو غلط کر دیا ۔

آج میں خود لوگوں سے پوچھتا ہوں ۔ "محبت کیا چیز ہے ؟" میں ایک ایک سے دریافت کرتا ہوں ۔

"میرے سینے میں یہ آگ کیوں سُلگ رہی ہے ؟"

یہ کیسا ہاتھ ہے جس کی نازک اُنگلیاں میرے کلیجے کو ہر وقت مسلتی رہتی ہیں ۔

میں اندر ہی اندر کیوں بُجھا جا رہا ہوں ؟ میرا دل شمع کی طرح کیوں پگھل رہا ہے ؟

میں جنون کی حالت میں دریا کے کنارے چلا گیا ۔ کہ شاید اس کی رقصاں لہروں کا نظارہ میرے قلبِ مضطرب کو تسکین دے سکے ۔ ایک گوشے میں بیٹھا ہوا بڑبڑایا ۔ "محبت کیا چیز ہے ؟"

ایک سال خوردہ بزرگ لاٹھی ٹیکتا ہوا اُس طرف سے گذرا ۔ اُس کا جسم کمزوری کی وجہ سے کانپ رہا تھا ۔

اُس نے میری صدا سُنی ، اور مسکرا کر کہا ۔ "محبت ایک فطری کمزوری ہے جو ہمیں اپنے بزرگوں سے ورثہ میں ملی ہے ۔"

وہ چلا گیا لیکن اُس کا جواب مجھے مطمئن نہ کر سکا ، میں نے پھر آواز بلند کہا "محبت کیا چیز ہے ؟"

ایک بوڑھی عورت کا اُدھر سے گذر ہوا ۔ اُس نے میری دردانگیز صدا سُنی ۔ اُس نے نمناک آنکھوں سے کہا ۔

"محبت عہدِ شباب کا وہ شیریں خواب ہے ، جو منت کشِ تعبیر نہیں جس کی لذت تمام عمر لوح دل سے محو نہیں ہوتی ۔"

یہ جواب بھی مجھے مطمئن نہ کر سکا ، پھر وہی صدا میرے دل سے نکلی ۔ "محبت کیا چیز ہے ؟"

جواب میں ایک خوبصورت نوجوان یہ گاتا ہوا گذر گیا ۔ "محبت قوت ہے ، مسرت ہے ، لذت ہے ۔"

میں اپنے خیالات یکجا نہ کرنے پایا تھا کہ ایک فلسفی میرے قریب آیا وہ ایک موٹی سی کتاب بغل میں دبائے ہوئے تھا ۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے ۔ میری طرف اس نے غور سے دیکھا ۔ میں نے اُس سے دریافت کیا "محبت کیا چیز ہے ؟"

اُس نے اپنی پیشانی کو شکن آلود کرتے ہوئے کہا ۔

"محبت ۔ محبت موت کی طرح انسانی قالب کی ماہیت تبدیل کر دینے والی چیز ہے ۔"

اسی اثناء میں ایک علم ہئیت کے ماہر کا اُدھر سے گذر ہوا ۔ ہاتھ میں دُوربین تھی ۔ اور نگاہیں آسمان پر جم رہی تھیں ۔ میں نے پوچھا "تمہارا ذہن آسمان تک کی خبر لاتا ہے ، کیا تم یہ بتا سکتے ہو ، محبت کیا چیز ہے ؟"

بولا "محبت وہ کشش ہے ، جس کی وجہ سے ستارے آسمان پر اپنی اپنی جگہ قائم ہیں ۔"

اس جواب سے بھی میں مطمئن نہ ہوا ۔ میں پھر اپنے خیال میں ڈوب گیا ۔

اب پھر وہی سوال وردِ زبان تھا ۔ "محبت کیا چیز ہے ؟"

میری صدا ایک بچے نے سُنی جو اپنی گیند اُچھالتا دوڑا چلا آتا تھا۔ اس نے جواب دیا "محبت میری امی ہیں۔ محبت میرے ابا ہیں"۔ ان دونوں کے سوا اور کسی کے پاس محبت نہیں"۔

اس خورد سال بچے کا جواب پُر معنی ضرور تھا۔ مگر محبت کے حقیقی معنی پھر بھی میری سمجھ میں نہیں آئے۔

میں بار بار یہی پکارتا تھا "محبت کیا چیز ہے؟ محبت کیا چیز ہے"؟

شام کی تاریکی کاجل کی طرح برسنے لگی۔ پرندے اپنے گھونسلوں میں چلے گئے۔ دریا کا پانی ساکن ہو گیا۔ لوگوں کی آمد و رفت بند ہو گئی۔

سکین میں بدستور وہیں بیٹھا اپنے آپ سے سوال کر رہا تھا۔ محبت کیا چیز ہے؟ محبت کیا چیز ہے؟

یکایک میری نگاہیں آسمان کی طرف اُٹھیں۔ بادلوں میں سے کوئی جھانک کر کہہ رہا تھا۔

"محبت خدا ہے! خدا محبت ہے"!

میرے مُنہ سے بے اختیار چیخ نکل گئی۔ میں بیہوش ہو کر گر پڑا۔ ہوش میں آنے پر میں نے لوگوں کو اپنے گرد گھیرا ڈالے ہوئے پایا۔ میں ان سے کہہ رہا تھا۔

"محبت کرو۔ اور خدا ہو جاؤ"۔

(از جرمہ) مس کملا چٹرجی مراد آبادی

دُنیا

دنیا نام ہے ایک پیر زال ساحرہ کا۔

یہ نام ہے ایک پیچیدہ گتھی کا جسے سُلجھانے میں وقت افلاطون اور ارسطو کے دماغ بھی ایک عقدہ بن جائیں۔

یہ سراب ہے اور سراسر دھوکہ۔ فریب اور دغا۔ بچہ دنیا میں آتے ہی روتا ہے۔ آنکھیں کھولتے ہی چیختا ہے کیونکہ فطرت اُس کے پیش نظر لامحدود اور اہم ذمہ داریاں کر دیتی ہے۔

دُنیا دار المحن ہے۔ صدہا قسم کی مصیبتیں۔ ہزارہا جھگڑے۔ فضول جھگڑے دن رات کا آرام حرام کر دیتے ہیں۔

دُنیا ایک ایسی دشوار گذار گھاٹی ہے جس پر ایک قدم بھی موقع پڑنے سے انسان تحت الثریٰ تک پہنچ جاتا ہے۔

دُنیا ایک امتحان گاہ ہے۔ جس میں صبر۔ ایثار۔ محبت مشکل ترین امتحانات ہیں۔

دُنیا میں رہ کر اگر انسان اُس سے علیحدگی کا متمنی ہو یعنی اس کے اسرار کے عقدہ کو وا کرنے کو لغو سمجھے تو وہ انسان حقیقی معنوں میں انسان کہلانے کا مستحق نہیں۔ کیونکہ دُنیا کا دوسرا نام جدوجہد ہے۔ ہمیں کتنا اُس جوگی کی عقل پر افسوس آتا ہے۔ جو ہاتھوں کو محض اس لئے بیکار کر کے خشک کر دیتا ہے کہ نہ یہ ہوں گے نہ میں گناہوں کا مرتکب ہوں گا۔

دُنیا مقام ہے اُن عالی ظرف انسانوں کا جن کا مُنہ ناکامیوں اور ہر حوادث کے تھپیڑے زخمی کر دیتے ہیں۔ مگر وہ ایک شانِ استغنا سے یہ کہہ کر آگے بڑھ جاتے ہیں کہ ناکامیاں انسان کے کیرکٹر کو پختہ کر دیتی ہیں۔

دُنیا اُن کا ساتھ دیتی ہے جو اُس کی ناکامیوں سے مایوس نہیں ہوتے۔

دُنیا اور اُس کے بند صنوں کے نوحہ خواں اکثر بودے اور پست حوصلہ کے انسان ہوتے ہیں۔ صم

۳۳ دنیا میں حیات کا کوئی لمحہ بھی۔ حسنت و آرام سے نہ گذارو کیونکہ اجتہاد ہی میں کامیابی کا راز مضمر ہے۔

صفیہ غلام حیدر (ادیب) شیخوپورہ

سالگرہ نمبر عصمت جون میں شائع ہو گا۔ اس کے لئے مضامین اور تصویریں اپریل میں بھیج دیجئے۔ ایڈیٹر

پستہ قد سے ہو۔ اپنی ملنے والیوں کے ظرافت آمیز فقروں کی پروا نہ کرو۔ چھوٹے بنڈلوں میں اچھی اچھی چیزیں ہوا کرتی ہیں۔ عزیز اور قیمتی تحفے چھوٹی چھوٹی ڈبیوں میں ہی پیش کئے جایا کرتے ہیں۔

بدصورت سے ہو تو ہمیشہ اس کی دولت کی وجہ سے تم اس کے دل بربادی احسان نہ سمجھو۔ اگر تم اچھی بیوی ہو تو وہ جو کچھ تمہیں دیتا ہے کوئی احسان نہیں۔ تمہاری قدر و قیمت اس سے کم نہیں۔

خوبصورت سے ہو۔ اگر تمہاری بہت سی آرزوئیں پوری نہ ہوسکیں تو اس خوب پر چھوڑ دے نہ ہو یاد رکھو۔ شادی کرتے وقت اس کی مالی حالت بالکل تمہارے سامنے تھی۔

فضول خرچ ہو تو اسے اپنے قابو میں لے آنے میں تامل نہ کرو۔ فضول خرچی نہایت بری عادت ہے جس طرح بنے اس کا انسداد ہونا ضروری ہے۔

کاہل سے ہو تو اس کے ساتھ تعلقات میں تم بالکل عملی نہ ہو۔ ان کی مزاجداری کی ضرورت ہے پھر وہ بڑے اچھے شوہر ثابت ہوتے ہیں۔

چالاک سے ہو تو اس سے مسابقت نہ کرو۔ سادہ اور سیدھی بیویوں کو ایسے لوگ خوب نبھا جاتے ہیں۔

خانہ نشین سے ہو تو اسے سیر سپاٹے پر مجبور نہ کرو۔ اگر تم اس کے آرام کا خیال رکھو اور تمہاری باتوں میں معقولیت ہوگی اسے خود تمہاری تفریح کا خیال آنے لگے گا۔

خانگی ٹوٹکے

انڈے کی زردی سفیدی سے علیحدہ کرنی ہو تو کسی برتن میں قیف رکھ کے انڈا توڑیں۔ سفیدی نلکی میں سے نیچے چلی جائے گی اور زردی قیف میں رہ جائے گی

میتھی کریم cream، جلد کے رنگ میں نکھار پیدا کرتی ہے۔ ملائم روئی سے چہرے پر خوب لگائیں اور خشک ہو جانے دیں۔ صبح کو جو لگی رہ جائے دھو کے صاف کردیں۔ جلد نرم و نازک ہو جائے گی۔

سٹرابیری کے رس Strawberry juice سے گردن کی جلد بہت عمدہ ہو جاتی ہے۔

ململ کی تھیلیوں میں جئی کا oatmeal اور اورس روٹ orris root ملا کے منہ باندھ دیں اور نیم گرم پانی میں ڈال کے اس سے نہائیں۔ پانی نرم ہو جائے گا اور جلد پر اچھا اثر پڑے گا۔

روغن زیتون سے بالوں اور جلد کو بڑا فائدہ پہنچتا ہے۔ اسے استعمال کرنے سے پہلے گرم کر لینا چاہیئے اور لگانے کے بعد جذب کرنے والی روئی سے پونچھ ڈالنا چاہیئے۔

محمد ظفر

مشورہ

رسالہ عصمت کے مارچ ۱۹۵۱ء کے پرچہ میں صفحہ ۸۰ پر "یہ دنیا واقعی دار المحن ہے" کے عنوان سے جو نظم چھپی ہے اسے پڑھ کر میرا خیال ہے کہ شعر اس وقت کہا جائے جب کم از کم الفاظ کی صحت کا تو یقین ہو۔ یا اگر یہ نہیں تو اشاعت سے قبل کسی سے اصلاح ہی لے لے۔ بھلا اس نظم میں الفاظ حزن۔ سوختن۔ امن بھی قافیہ میں آسکتے ہیں؟ پھر پانچویں شعر میں چاند و سورج میں "و" کا استعمال بھی ملاحظہ طلب ہے۔ اور آٹھویں شعر میں عُمر کو عُمَر باندھنا ظاہر کرتا ہے کہ درست اشعار کہنے کے لئے ابھی عمر درکار ہے۔ امید ہے بہن صاحبہ اس مشورہ سے ناراض نہ ہونگی۔

بیگم ابوالاعجاز ازل

سیر بین

کتابوں کی بیش قدری

ہندوستان بیچارے میں کتابوں کی کیا قدر ہوگی۔ مصنف ساری عمر محتاج ہی رہتے ہیں۔ کوئی خوش قسمت ہی آسودگی حاصل کرسکا ہوگا۔ امریکہ میں دولت کی ریل پیل ہے تو کتابوں کی قدر بھی اس قدر بڑھ گئی ہے کہ انگلستان سے پُرانی کتابوں کے نسخے لاکھوں روپیوں میں کھینچے چلے جارہے ہیں اور انگلستان دانتوں میں اُنگلی دبائے حسرت سے اس سودے کو دیکھ رہا ہے۔

جنگ عظیم کے بعد انگلستان میں تو اقتصادی بدحالی پھیلی جس کی وجہ سے لوگوں نے اپنی مقبوضہ نایاب کتابیں امریکی متجسسوں کو اچھی اچھی قیمتوں میں دے ڈالیں۔ امریکہ کے لکھ پتیوں نے انگلستان وغیرہ میں اپنے گماشتے بھیج بھیج کے کونہ کونہ چھان مارا کہ جہاں کہیں نایاب کتاب ہو جس قیمت پر مل سکے لے کے اُن کے پاس بھیجدی جائے۔ تاکہ وہ ایسے ذخیرہ کے مالک ہوجائیں کہ محسود اقران ہوں۔ چنانچہ ایک ایسے گماشتہ نے ایک کتاب وینس اینڈ ایڈونس کے چوتھے ایڈیشن کے لئے دولاکھ روپیہ ادا کئے۔ یہ کتاب ۱۵۹۹ء میں چھپی تھی۔ اس کے بعد لوگ دوڑ دوڑ کے اپنی کتابیں بیچنے لگے اور ان کتابوں کا امریکہ میں سیلاب جاری ہوگیا۔ گولڈ سمتھ کے ہاتھ کا مسودہ ۴۷ ہزار پونے سات سو روپیہ میں خریدا گیا۔ یہ گماشتہ ۲۲ دفعہ انگلستان اپنی جستجوؤں کے سلسلے میں آچکا ہے۔ شکسپیر کی پہلی کتاب ایک لاکھ ۳۳ ½ ہزار روپیہ میں خریدی گئی۔ امریکہ میں اس کے پہنچتے ہی ایک اور شخص نے اسے ایک لاکھ اسی ہزار روپیہ میں خریدلیا مگر چند روز بعد اسے یہ معلوم کرکے بڑی مایوسی ہوئی کہ شکسپیر کی اس سے بھی بڑھیا کتاب برطانوی عجائب خانہ میں موجود ہے وہ سمجھا تھا کہ میں ہی لے اُڑا۔ انجیل کی وہ مطبوعہ جلدیں بھی بڑی نایاب سمجھی جاتی ہیں جن میں غلطیاں پائی گئیں اور چھاپنے والوں پر اس وقت ان کی بے پروائی پر بڑے بڑے جرمانے ہوئے۔ یہ انجیلیں اپنی غلطیوں کے ناموں سے مشہور ہیں۔ مثلاً شیرہ والی انجیل قاتلوں کی انجیل وغیرہ۔

ایک نہایت پُرانی انجیل ۳ لاکھ ۴۳ ہزار روپیہ میں خریدی گئی۔ انگلستان سے دو کتابیں جو نایاب سمجھی جاتی ہیں امریکہ جانے سے بڑی مشکل سے روکی گئیں۔ جب وہ بکنے لگیں تو کئی کتب خانے انہیں خریدنے کے لئے متحد ہوگئے لیکن قیمت دینے کی مشکل پیش آئی تو ایک مالدار آدمی بڑھا اور اُس نے ایک سال کے وعدہ پر بلاسود یہ رقم اپنے سرمایہ میں سے دیدی۔ ایک کی قیمت ۹ لاکھ ۰ ۴ ہزار روپیہ تھی اور دوسری کی ۹ لاکھ ۲۰ ہزار روپیہ۔

عجیب شوق

کتابوں کے شوق کا ذکر اُوپر آگیا۔ اب بعض بڑے بڑے آدمیوں کے عجیب عجیب شوق سُن کے لُطف حاصل کیجئے۔ بچوں کو تو طرح طرح کی چیزیں جمع کرنے کا شوق ہوتا ہی ہے۔ بڑے ہوکے وہ ان سے بیزار ہوتے جاتے ہیں مگر بعض بڑے ہوکر بھی اپنے شوق نہیں چھوڑتے۔ پُرانی کتابیں ہوں یا مسودے سکے ہاتھی دانت کے کام ڈاک خانہ کے ٹکٹ چینی کے برتن وغیرہ سب ہی شوق کے ذیل میں آتے ہیں۔ وہ کتنے ہی مصروف ہوں مگر اپنے اندوختہ کو دیکھنے اور اس کی پڑتال کرنے کے لئے وقت نکال ہی لیتے ہیں اور انہیں دیکھ دیکھ کے خوش ہوا کرتے ہیں۔

شاہ جارج پنجم کو ٹکٹ جمع کرنے کا شوق تھا۔ ان میں سے بعض ایسے ہیں جو بیچے جائیں تو بڑی قیمت حاصل ہو۔ پریزیڈنٹ ولسن کو چینی کے برتن جمع کرنے کا شوق تھا۔ اُس کے گماشتے دنیا کے گوشہ گوشہ میں نایاب برتنوں کی تلاش میں سرگرداں رہتے تھے۔

بعضوں کو ایسی چیزوں کو اکٹھا کرنے کا شوق ہوتا ہے جو بالکل فضول ہوتی ہیں مگر جمع کنندہ کی نظروں میں وہ بے بہا ہوتی ہیں۔

مثال کے طور پر ہنری فورڈ دنیا کے بہت بڑے موٹر ساز کو رسالے جمع کرنے کا شوق ہے۔ ایسے ایسے رسالے اس کے پاس ہیں جن کا نام بھی کسی نے نہ سنا ہوگا۔ ایسے رسالے جو ایک دفعہ نکل کے پھر نہ نکلے ہوں وہ نہایت ہی شوق سے لیتا ہے۔ ہر زبان کا رسالہ اس کے پاس موجود ہے۔ سب سے قیمتی وہ ایک ایسے رسالہ کو سمجھتا ہے جو شاہنشاہ جاپان اپنے ہاتھ سے نئے درباریوں کے پڑھنے کیلئے چند ماہ کے نہایت باریک پارچوں پر لکھا کرتا تھا۔

ڈاکٹر مارک زینو سلوینیہ کا صدر دو عجیب شوقوں میں مبتلا تھا۔ دوسری زبانوں کی قواعد اور مختلف جائے جمع کرنا دیوانگی کی حد تک پہنچا ہوا تھا۔ زمانہ قدیم سے لے کے موجودہ زمانہ تک کے جگہ جگہ کے ٹکٹ اور نمبر اس کے پاس تھے۔ یہی حال قواعد کا تھا۔ سیام کا بادشاہ دیا سلائی کے بکسوں کے لیبل ہی جمع کیا کرتا تھا۔ مصر کی وبہ ستے کے خاص خاص موقعوں کے لئے بنے ہوئے ڈبوں تک کے سیل اس کے پاس تھے۔ مارشل فوچ کو پائپ منہ میں رکھ کے تمباکو پینے کے انگریزی حقے جمع کرنے کا شوق تھا۔ حالانکہ وہ خود پائپ نہ پیتا تھا۔ سگار پیا کرتا تھا۔ ایک مشہور فرانسیسی ناول نویس حالانکہ لامذہب تھا مگر عالمان دین کے لباس اکٹھے کیا کرتا تھا۔ مشرق اور مغرب کے مقتدیان دین کے لباس ایک دوکان دار سے کو منگا منگا کے دیا کرتا تھا۔ سابق ولیعہد جرمنی کو تلواریں جمع کرنے کا شوق تھا۔ جب وہ ہندوستان آیا تو یہاں سے گورکھوں کی ککری لے گیا۔ ہالینڈ کی سابقہ ملکہ کو ریل وغیرہ کے ٹکٹ جمع کرنے کا جنون تھا۔ ٹریم ہو یا بس ہر ایک کا ٹکٹ جمع کرتی تھی۔ کہیں قطعی جب ریلیں نہ تھیں اور گھوڑے گاڑیاں چلا کرتی تھیں اس وقت تک کے ٹکٹ اس کے پاس ہیں۔

ناخنوں کی گواہی

چھوٹے ناخن تیز مزاجی طبیعت کا اظہار ہیں۔ تنگ ہوں تو سمجھو کہ یہ شخص شرارت پھیلانے والا ہے۔ لمبے ہوں تو نیک طبیعت مگر وقتی طبیعت میں کچھ شبہ بھی رہتا ہے۔ ٹیڑھے ناخنوں والا آدمی دھوکہ باز ہوتا ہے۔ گول ناخنوں سے طبیعت کی سرکشی ضد اور حسد شعلوں جیسی ظاہر ہوتی ہے۔ ناخن گول ہونے کے ساتھ ساتھ چھوٹے ہوں تو طبیعت میں غصہ ہوگا۔ لیکن صفائی کرنے پر جلد آمادہ ہوجائیگا۔ ناخن پر گوشت ہوں تو طبیعت میں نرمی سستی اور تن آسانی پائی جائے گی۔ اگر ناخنوں کی جڑوں میں سفید نشان ہو تو چالاکی کے مقابلہ میں دیانت داری زیادہ دیکھی جائے گی۔ چاندوں کی شکل ناخنوں میں زیادہ نمایاں ہو تو وہ شخص دنیا میں نام پائے گا۔ ناخنوں میں مٹی کے نشان بھرے رہیں تو طبیعت میں کچھ بد دماغی کا رجحان پایا جائے گا۔ ناخن کے سرے ہی پر سرخی ہو تو اس کے یہ معنی ہیں کہ یہ شخص جلد غصہ میں آجاتا ہے۔

دیو آدمی

ایک آدمی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کا قد ۹ فٹ تین انچ تھا لیکن اس کو عام طور سے مبالغہ آمیز خیال کیا جاتا ہے مگر ایک شخص کی موت نے سب کی توجہ اس کی طرف کر کے کہلوا دیا ہے کہ وہ دنیا کا سب سے لمبا اور دیوہیکل آدمی تھا۔ وہ مرتے وقت ۸ فٹ [illegible] انچ تھا اور اس کا قد برابر بڑھ رہا تھا۔ اس کا نام رابرٹ وڈلو تھا۔ جب وہ پیدا ہوا تو اس کا وزن تقریباً سوا چار سیر تھا جو معمول سے کچھ یونہی زیادہ تھا۔ چھ مہینے کی عمر میں اس کا وزن تقریباً دس سیر ہوگیا اور ۹ ماہ میں وہ اتنا بڑا ہوگیا جتنا چار برس کا بچہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد وہ جلد جلد بڑھنے لگا۔ پانچ سال کی عمر میں وہ اوسط درجہ کی عورت کے قد کے برابر ہوگیا۔ ۵ سال کی عمر میں اس نے اسکول چھوڑ دیا تھا جس کا وزن ۳ من سے کچھ زیادہ تھا۔ ۱۰ سال کی عمر میں اس کا قد ۶ فٹ چار انچ تھا اور اس کا وزن پورے ۳ من کے قریب تھا۔ اس وقت اس قدر بڑھ گئی تھی کہ وہ اپنے باپ کو ایک ہاتھ سے اٹھا لیتا تھا۔ اس کے والدین کے لئے کچھ مشکل پیش آنے لگی۔ نہیں کیا پتہ تھا کہ ان کا بچہ دیو ہو جائے گا۔ ان کے گھر کی چھتیں زمین سے صرف ۷½ فٹ اونچی تھیں۔ گھر میں وہ سیدھا کھڑا ہوتا تھا مگر بجلی کے قمقموں کے متعلق خطرہ رہتا تھا کہ اس سے ٹکرا کے

ٹوٹ نہ جائیں۔ دروازوں میں سے وہ دُھڑ جھک کے نکلا کرتا تھا۔ بعض کارخانے اُسے اپنے اور اشتہار کے لئے مفت پہنے دیتے تھے۔ ۱۹۳۶ء میں ایک کمپنی نے اُسے جوتے مفت بنوا کے دئے جو ۲۶ ۔ ۱ انچ لمبے تھے۔ اور اُن کی لاگت ساڑھے دو سو روپیہ آئی۔ اُس کا پاؤں بعد میں ۵ ۔ ۳ ۔ ۱ انچ تک بڑھ گیا۔ ۱۹۳۳ء میں اس کے لئے ایک خاص پلنگ بنوایا گیا جو ۸ فٹ سے زیادہ لمبا تھا لیکن سال بھر ہی میں وہ لڑکے کے لئے چھوٹا ہو گیا۔ اس لئے والدین نے اس کا خیال کرتے ہوئے ۹½ فٹ لمبا پلنگ بنوایا کہ کم از کم تین سال تک یہ کام دے جائیگا۔ جب اس کا قد ۸ فٹ دس انچ اور وزن ۶ من ہو گیا تو اس کے والدین کو اس کے کھلانے پلانے میں تکلیف ہونے لگی۔ ایک وقت میں مثلاً اُسے ۴½ چھٹانک سنگترہ کا رس، تین سیر ۲ چھٹانک دودھ، دلیے کا ایک پورا ڈبہ آٹھ انڈے بارہ توس پانچ پیالے قہوہ اُسے مہیا کرنے ہوتے۔ جب وہ کسی ہوٹل میں کھانا کھاتا تو لوگ اپنا کھانا بھول جاتے۔ اُس کا تماشہ دیکھتے رہتے۔ ایک مرتبہ اُس نے اپنے کھانے کے وقت ۷ پیالے قہوہ کے خالی کئے۔

اس کا جسم موزوں تھا۔ کیمرہ کا بکس اپنی مٹھی میں بخوبی چھپا لیتا تھا اور کسی کو محسوس بھی نہ ہوتا کہ کوئی غیر معمولی بات ہے۔ ایک ہاتھ اور دوسرے میں کوئی فرق نہ معلوم ہوتا۔ اُس کے وزن کی زیادتی کی وجہ سے اُس کے پاؤں چپٹے تھے اور چلنے میں وہ بھدا معلوم ہوتا تھا۔ اُس کے ہونٹ موٹے اور باہر کو نکلے ہوئے تھے۔ ناک موٹی اور ٹھوڑی گہری تھی۔ آواز جھوجھری تھی گویا گلے میں مستقل خراش ہے۔ گھٹنے اور ٹانگیں بے حس تھیں۔ پاؤں میں کانٹا چبھ جاتا تو اُسے معلوم بھی نہ ہوتا۔ یہی اس کی موت کا باعث ہوا۔ ٹخنے میں کچھ چبھ گیا اسے پتہ نہ چلا۔ جب وہ آبلہ کی شکل ہو گیا تو اُس نے پاؤں کو دیکھا جس میں بعد میں زہر باد ہو گیا اور مر گیا۔ اُس کے والدین اُسے غربت کی وجہ سے کالج نہ بھیج سکے۔ سرکس والے اُسے لئے لئے پھرتے تھے۔ لیکن اسے یہ طرز معاش پسند نہ تھی۔ لوگ اُسے آنکھیں پھاڑ کے دیکھتے تو اسے ناگوار ہوتا۔ لیکن مصوّر اس کا فوٹو لے کر اسے اُجرت دیتے تو اسے وہ ناپسند نہ کرتا تھا۔

جانوروں کی پیش گوئی

جنگلی قوموں اور جانوروں کی حس مہذب انسان سے بہت زیادہ ہوتی ہے۔ تہذیب کے جدید ترین آلات جس میں ان کی گرد بھی نہیں پا سکتے۔ جب جانوروں میں یہ خوبی ہے کیا انسان میں نہ ہوگی جو جنگلی بھی تو آدمی ہی ہے۔ مہذب آدمیوں میں یہ حس عدم استعمال سے بیکار ہو جاتی ہے۔

کتے رویا کرتے ہیں، آدمی اُنہیں مار کے بھگایا کرتے ہیں کیونکہ اسے منحوس سمجھا جاتا ہے۔ جب کوئی حادثہ قریب ہوتا ہے تو کتے بُری آواز میں روتے ہیں جو سُننے والے کے دماغ پر بُرا اثر ڈالتا ہے۔ اکتوبر ۱۹۲۳ء کے سفر میں ٹوکیو جاپان کے پایہ تخت میں اتنا سخت زلزلہ آیا کہ بے شمار گھر زمین کے برابر ہو گئے۔ ایک رات پہلے لاکھوں کتے وہاں بُری طرح روئے ان کے علاوہ ہر قسم کے جانوروں سے بے چینی کے آثار نمایاں تھے۔ ایک آدمی ایک اصطبل کا مالک تھا۔ اُس کا بیان ہے کہ ساری رات اُس کے گھوڑے ہنہناتے بدکتے اور زمین میں سُم مارتے رہے اور چند رسّے تڑا کے بھاگ جانے کے لئے زور لگاتے رہے۔ بڑی مشکل سے اُنہیں قابو میں رکھا گیا۔

اٹلی جاپان جنوبی امریکہ اور دُنیا کے بعض دیگر حصص میں سائنس کے جدید ترین آلات نے زلزلہ کے آنے کی خبر دی لیکن کتوں نے بھونک بھونک کر ان کا برابر اعلان کیا۔ ملاحوں کا بیان ہے کہ ڈوبتے ہوئے جہازوں میں سے ہی نہیں بلکہ اُن سے بھی جن پر چند روز بعد کوئی حادثہ پیش آنے والا ہوتا ہے۔ چوہے مفرور ہو جاتے ہیں۔ بعض دفعہ یہ دیکھا گیا ہے کہ موسم نہایت خوشگوار ہے اور کسی قسم کی خرابی نظر نہیں آتی۔ وہ سمندر سے زمین پر کود کود کے تیرتے ہوئے پاس کی کسی خشکی پر پہنچ جاتے ہیں۔ بلیوں میں بھی یہ صفت دیکھی گئی ہے۔

۱۹۱۴ء کی جنگِ عظیم میں تارا نامی جہاز میں ایک کالی بلی تھی جسے جہاز والے اپنے لئے شگونِ نیک سمجھ کے ساتھ رکھا کرتے تھے۔ بلی مالٹا تک بہت خوش رہی۔ جہاز لنگر اُٹھانے ہی والا تھا کہ بلی کود کے تیرتی ہوئی کنارے کی طرف چلی۔ ملاحوں کو اس کا

بزمِ عصمت

بزم عصمت میں صرف وہی خطوط درج کئے جاتے ہیں۔ (۱) جن میں نمبر خریداری کا حوالہ ہو (۲) خط بہت مختصر ہو (۳) ایسی استفسار نہ ہو جس کے جوابات عصمت میں پہلے ہی شائع ہو چکے ہوں (۴) ادارہ کے انتظامی امور یا مضامین کے بارے میں کوئی بات نہ ہو (۵) سپید کاغذ پر روشن سیاہی سے لکھا ہوا ہو۔ ایڈیٹر

اپنے بچے کی صحت یابی کی خوشی میں دس روپیہ کی حقیر رقم ارسال ہے۔ نیز کوئی بہن صاحبہ کسی ایسی کتاب کا پتہ بذریعہ عصمت بتا کر ممنون کریں کہ جس میں اونی کام کے نمونے اردو میں ہوں۔

بیگم احسن محمد صاحب بڑودہ

میری پیاری آپا جان محترمہ بیگم اے حفیظ الدین احمد صاحب بی اے ایل ٹی کو اللہ پاک نے ۱۴ فروری ۱۹۶۱ء کی صبح کو ایک حسین نور نظر لخت جگر عطا فرمایا۔ دعا ہے کہ خدا اس کو عمر خضر و اقبال سکندری عطا فرمائے اور اسلام اور قوم کا سچا پرستار اور باعث فخر ہو۔ محترمہ بہن محمودہ بانو صاحبہ امراوتی نے حیدر آباد ریڈیو پروگرام کا جو پتہ دریافت کیا ہے وہ یہ ہے "محکمہ نشریات لاسلکی سرکار عالی حیدر آباد (دکن)" آنسہ بلقیس بنت کپتان یار محمد صاحب صدیقی

میں نے جو سیاہ تیل تیار کیا ہے اس کے متعلق دریافت حال کے لئے متعدد خطوط آتے رہتے ہیں۔ عدیم الفرصتی کے سبب اکثر جواب دینے میں بہت دیر ہو جاتی ہے۔ دوسرے مجھ کو نہ اس سے بزنس کرنا ہے نہ کوئی فائدہ اٹھانا ہے صرف مقصد یہ ہے کہ اپنی بہنوں کو اشتہاری دھوکہ سے بچاؤں لہذا اس کے لئے کچھ مختصر سا اشتہار دینا ہوا اگر مجبوراً مفصل لکھتی ہوں تاکہ ضرورت مند بہنوں کو معلوم ہو جائے نہ ان کو تکلیف ہو اور مجھ کو فرصت مل جائے۔

تیل کی خاصیت۔ بال بڑھاتا اور مضبوط کرتا ہے گھنے کرتا ہے سفید بالوں کو سیاہ کرتا ہے جڑ سے سیاہ بال اگاتا ہے دماغی کمزوری و خشکی دور کرتا ہے۔

چھوٹی یا دو اونس کی بوتل کی قیمت سوا چار روپیہ ہے۔ پتہ۔ مسز حمید کلب کوٹھی نمبر ۵

رسالہ عصمت کے کسی گذشتہ پرچے میں محترمہ مسز محمد یوسف صاحبہ کا نوٹ حسن افزا پاؤڈر (حسن افزا کریم) کے متعلق پڑھ کر کئی بہنوں نے اسے خریدنے کے بعد مختلف باتیں پوچھی ہیں اور بعض بہنوں نے اپنے صحیح اور پورے ایڈریس بھی نہیں لکھے چونکہ بذریعہ عصمت اُن بہنوں کے استفسارات کے پورے جواب بھیجنے مشکل ہیں۔ لہذا بذریعہ عصمت گذارش ہے کہ وہ اپنا پورا پتہ لکھ کر براہ راست گلشن سٹور کیو ملفات جواب طلب کریں۔ مالک گلشن سٹور۔ ک ۔ ن ۔ سید مقفلہ

بجواب خریدار نمبر ۲۰۶۰ آنولہ کا تیل گھر پر نکال کر استعمال کریں انشاء اللہ تعالی فائدہ ہوگا۔ عرق آنولہ نصف سیر۔ روغن تل نصف سیر۔ عرق گھر پر نکالا ہوا ہو۔ دونوں اجزا کو ملا کر خوب پکائیں حتی کہ عرق خشک ہو جائے۔ بوتل میں بھر کر رکھیں اور روزمرہ استعمال کریں۔ یاشاہ بیگم امروہہ خریدار نمبر ۹۲۰۹

اگر کسی عصمتی بہن یا بھائی کو معلوم ہو کہ نیم کا تیل گھر پر کس طرح نکالا جاتا ہے تو ضرور مطلع فرمائیں۔

قریباً دو سال کا عرصہ ہوا کہ ایک بہن نے عصمت میں گلگند کھینے ایک سرمہ کے بارے میں لکھا تھا۔ لوگوں نے ان سے مانگ مانگ کر اس قدر پریشان کر دیا کہ انہوں نے اسکی ترکیب عصمت میں چھپوا دی تھی اب نہ تو وہ پرچہ میرے پاس ہے اور نہ ان بہن کا پتہ۔ چونکہ بہت سی دوائیوں کے نام کوئی نہیں جانتا میں نہایت شکر گذار ہونگی مندرجہ ذیل پتہ وہ محترم بہن اپنے پتہ سے اطلاع دیں۔ بیگم عبد القادر معرفت ڈپٹی کمشنر۔ جیکب آباد ۔ سندھ

مارچ کے رسالہ عصمت میں بہن مس انیس بگرامی صاحبہ نے سر کی خشکی اور بال بڑھنے کیلئے دوا پوچھی تھی جس کے لئے میں ایک تیل بتاتی ہوں استعمال کریں خشکی کی شکایت کبھی نہ ہوگی اور بال بھی لمبے ہونگے تیل کا نام سنبل گیسو ہیر آئل ہے اور اس پتہ سے ملتا ہے اصغر برادرس پوسٹ بکس نمبر ۱۰ دہلی۔ رضیہ بیگم خریدار نمبر ۲۰۵۰

دوربین

بلقان نرغہ میں: بلغاریہ نے ترکی سے معاہدہ کیا جس میں حفظ امن کے قیام کا مضبوط اقرار کیا گیا۔ اور ترکی سے بگاڑنے کی کوئی صورت پیدا نہ ہونے دینے کا وعدہ کیا گیا۔ اس پر جرمن حلقوں میں بڑی خوشیاں منائی گئیں جس کی بظاہر کوئی توجیہہ نہیں کی جا سکتی۔ انگریزوں نے اس معاہدہ کو اپنے لئے باعث تعجب نہیں بتایا کیونکہ ترکی سے برطانیہ کے بہت زیادہ دوستانہ تعلقات ہیں اور اس گہری دوستی سے جرمنوں کو ایک قسم کی وحشت ہے۔ اسی اثنا میں بلغاریہ جرمنی کے اتحاد ثلاثہ میں شامل ہو گیا اور جرمنوں کو اپنے ملک پر قابض ہونے دیا۔ جرمنی اور بلغاریہ کی فوجیں ترکی سرحد پر جمع بتائی جاتی ہیں۔ جرمنی یوگوسلاویہ پر بھی ڈورے ڈال رہا ہے اور اس کی فوجوں کا رُخ اب یونان کی طرف ہے۔ بلغاریہ نے جرمنوں کے داخلہ کے متعلق یہ عذر پیش کیا کہ اس سے جرمنی نے درخواست کی تھی کہ محدود مدت کے لئے جرمن فوج کو بلغاریہ میں داخل ہونے دیا جائے تاکہ امن و سکون قائم رہ سکے۔ اس کا کوئی مطالبہ ایسا نہیں ہوا جس سے اس کے پڑوسی ملکوں پر کسی قسم کی زد پڑتی ہو۔ خیال یہ ہے کہ بلغاریہ کو یہ لالچ ہے کہ لڑائی ختم ہونے کے بعد اسے یا تو سالونیکا مل جائیگا یا کوئی بندرگاہ یونان کے علاقہ میں سے اسے دیدی جائے گی۔ انگریزوں نے رومانیہ کی طرح بلغاریہ سے بھی سفارتی تعلقات منقطع کر لئے ہیں۔

جاپان کے منصوبے: سیام اور فرانسیسی ہند چینی میں جو جنگ شروع ہو گئی تھی اس میں جاپان پنچ بنا اور جنگ ختم کرا دینے کے لئے ٹوکیو جاپان کے دار السلطنت میں کانفرنس ہونے لگی۔ جاپان نے فیصلہ کیا کہ فرانس اپنے مقبوضہ ملک کا وہ حصہ سیام کو دے دے جسے وہ اپنا حق سمجھتا ہے۔ فرانسیسی حکومت نے پہلے تامل کیا تو جاپان نے دھمکی دی کہ وہ اپنی فوجیں اس قضیہ کو ختم کرانے کے لئے ہند چینی میں اتار دیگا۔ وشی کی فرانسیسی حکومت نے ہند چینی کو ہدایت کی کہ وہ جاپان کے مطالبات منظور کر لے۔ چنانچہ اس کے پیش نظر گفت و شنید ہو رہی ہے۔ اس اثنا میں جاپان برابر اپنی فوجی نقل و حرکت میں مصروف ہے۔ اس نے جنوبی چین کے صوبہ کوانٹن میں چند مقامات پر اپنی فوجیں اتار دی ہیں اور پک ہائی کی بندرگاہ پر قبضہ کر لیا ہے جو سرحد ہند چینی سے صرف ۵۰ میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہاں سے چین کو سامان جنگ جایا کرتا تھا۔ علاوہ ازیں اس علاقہ کے ۲۵۰ میل لمبے ساحل پر متعدد مقامات پر قبضہ کر لیا۔ اور کوانگ ہائی کے قریب سن دو ئی سے ٹرشان تک ۸۵ میل لمبی ریل چھین لی ہے۔ اس ساحل پر سو سے زیادہ جاپانی جہاز پہونچ لئے ہیں جن میں تباہ کن جہاز بھی ہیں۔

آسٹریلیا نے علیحدہ سفارتی تعلقات قائم کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے جس کے یہ معنی نہ سمجھے جائیں کہ اس سے بحرالکاہل میں قیام امن کو تقویت ہوگی تو تعلق برطانیہ سے بطور مادر وطن کے بدستور قائم رہے گا۔ آسٹریلیا نے اپنی پالیسی کی وضاحت کر دی ہے کہ ہم اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے بالکل تیار ہیں مگر جہاں تک ممکن ہوگا جنگ کے پہلو اس علاقہ میں پیدا نہ ہونے دیں گے۔

اٹلی کی شکستیں: اٹلی البانیہ میں بدستور پٹتا رہا۔ اس نے نئی جارحانہ کارروائی شروع کی اور خود مسولینی

امرتسر میں سونا دو (۲) روپے تولہ ہو گیا

ناظرین دیکھئے اس سونے کے متعلق دنیا کیا کہتی ہے۔ جس گھر میں یہ اصلی امریکن نیو گولڈ گیا وہاں سے دوبارہ سہ بارہ فرمائش آئی۔ یہ سونا ایک لاجواب چیز ہے اصلی سونے اور اس سونے میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔

جناب لالہ رام پرکاش صاحب ساہنی دہلی سے ۲۵ نومبر کو تحریر فرماتے ہیں آپ کا امریکن نیو گولڈ کا پارسل ملا۔ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی چیز واقعی کمال کی ہے آپکے امریکن نیو گولڈ اور اصلی سونے میں کوئی فرق نہیں آپنے اس نئی چیز کو تیار کر کے دنیا کی سب سے بڑی ضرورت کو پورا کر دکھایا ہے۔ پندرہ ۱۵ تولہ سونا فوراً میرے دوست کیلئے ارسال کر دیویں۔ اس کے بعد آپ کو اور بھی آرڈر دیا جاویگا۔ یہ سونا کسوٹی پر اصلی سونے کا رنگ دیتا ہے اصلی سونے کی طرح کوٹا اور پگھلایا جاتا ہے۔ بالکل اصلی سونے کے برابر ہے ہوشیار سے ہوشیار صراف بھی مشکل سے پہچان کر سکتا ہے۔ اس کے بنے ہوئے زیورات ہر جگہ پسند کئے جا رہے ہیں۔ اس سے ہر قسم کے زیورات آجکل کے فیشن کے مطابق تیار ہو سکتے ہیں۔ مندرجہ بالا فرمائش کو غلط ثابت کرنے والے کو دس ہزار روپیہ نقد انعام دیا جائیگا۔ قیمت صرف مشہوری کی خاطر ایک تولہ دو روپیہ ۲ عہ تین تولہ پانچ روپے آٹھ آنہ چھ تولہ دس روپے۔ پندرہ تولہ بائیس روپیہ ۲۲ چالیس تولہ پچاس روپیہ (ضروری نوٹ) ہر تین تولہ کے خریدار کو پیکنگ خرچ مفت چھ تولہ یا اس سے زیادہ منگوانے والے خریدار کو محصولڈاک و پیکنگ دونوں بالکل معاف۔ پندرہ ۱۵ تولہ کے خریدار کو ایک عدد اصلی گھڑی بالکل ٹھیک وقت دینے والی چابی ۳۰ گھنٹہ گارنٹی دس سال مفت بطور انعام دی جاوے گی۔

گارنٹی:۔ اگر پسند نہ ہو تو قیمت فوراً واپس ہو گی۔ جلدی منگوالیں ورنہ ختم ہونے پر مایوس ہونا پڑے گا۔

ملنے کا اصلی پتہ:۔ میسرز امریکن پبلسٹی کمپنی پی۔ او بکس 27/28 آئی ڈی۔ امرتسر (پنجاب)

محاذ پر گیا۔ اس کا خیال تھا کہ اس سے سپاہیوں میں نئی روح پیدا ہو جائے گی اور یونانی فوج پسپا کر دی جائے گی مگر اس کے جانے کے بعد ہی یونانیوں نے اطالویوں کو پے در پے کئی شکستیں دیں۔ کئی فوجیں کٹ گئیں اور ہزاروں اطالوی گرفتار کر لئے گئے یونانی تیپے لینی پر قابض ہو گئے۔ یہ ایک مستحکم مقام تھا کہ ہفتوں سے یہاں اطالوی جمے ہوئے لڑ رہے تھے اب بندرگاہ دیلونہ تک راستہ صاف ہے جس کے بعد پھر ایڈریاٹک کا سمندر یونانیوں کا پالوس ہوگا۔

حبش میں انگریزوں نے حجی گا نا پر قبضہ کر لیا حبش کا بہت سا حصہ ان کے ہاتھ آ گیا۔ اطالوی سومالی لینڈ اور اریٹریا کا بیشتر حصہ انگریزوں کے قبضہ آ گیا اور برطانوی سومالی لینڈ کا پایہ تخت بربرہ کر انگریزوں نے فتح کر لیا اور سارے ملک کو وہ پھر فتح کرنے والے ہیں۔ تریپولی پر اطالویوں کے خلاف دباؤ بڑھتا جا رہا ہے۔

مصر سے ۸۰ میل طرابلس کے اندر جیالوب انگریزوں نے حملہ کر کے اطالیوں سے چھین لیا۔

برطانیہ کی جنگ:۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ نے آخر قیل و قال کے بعد انگلستان کو ادھار اور پٹہ کے اصول پر سامان جنگ کی امداد کا قانون نافذ کر دیا۔ اس سے انگلستان کا پلہ بھاری ہو گیا ہے۔

اور انگریزوں کا جرمنی کو پچھاڑ دینا ممکن الوقوع ہو گیا ہے۔ جرمنی اس سے متحیر ہو گیا ہے گو دعوے کرتا ہے کہ امداد برطانیہ تک پہونچنے نہ دی جائیگی کیونکہ آبدوز کشتیاں اپنا کام کر کے امدادی جہازوں کو ڈبو دیا کریں گی۔ مگر امریکہ نے اعلان کر دیا ہے کہ جب امداد کا عزم کر لیا گیا ہے تو امداد ضرور برطانیہ میں پہونچا کے رہیگا۔

برطانوی ہوائی جہازوں نے اٹلی میں چھتریوں کے ذریعہ کچھ سپاہی اتارے جو گرفتار ہوئے مگر جنگی مدعا پورا کر لیا گیا۔

ناروے میں لونوٹن جزائر پر حملہ کر کے جرمنوں کا اقتدار خاک میں ملا دیا گیا۔ تقریباً روزانہ جرمنی کے اہم جنگی مقامات پر ہوائی بمباری کر کے سخت نقصان پہونچایا جا رہا ہے جس سے جرمنی ششدر رہ گیا ہے۔ جرمنی نے بھی اپنے ہوائی حملوں میں شدت پیدا کر دی ہے۔ اور برطانوی صنعتی اور جنگی مقامات پر شدت کی بمباری کر کے سخت نقصان پہونچایا۔ آبدوزوں نے جہازوں کے ڈبونے کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ ادھر اس نے فرانس کو ابھار دیا ہے جس سے وہ برطانیہ کے سر ہو رہا ہے کہ وہ فرانس کی ناکہ بندی کر کے انھیں فاقوں سے نہ مارے۔ اگر کھانے پینے کی چیزیں برطانیہ لے وہاں نہ آنے دیں تو وہ جنگی جہازوں سے اس ناکہ بندی کو توڑے گا مگر برطانیہ اپنی بات پر جما ہوا ہے کہ اگر سامان خوراک جرمنی کے ہاتھ نہ پڑے اور فرانسیسیوں ہی کے کام آئے تو اسے اس کے روکنے کا خیال بھی نہیں ہے۔ بصورت موجودہ وہ ناکہ بندی کو ڈھیلا نہیں کر سکتا۔

بلقان میں روس نے جرمنی کے روز افزوں اقتدار پر اعتراض کرنا شروع کر دیا ہے۔ ترک برابر انگریزوں کی حمایت کا اظہار کر رہے ہیں۔ یگوسلاویہ بظاہر جرمنی کے سامنے جھک جانے سے گریز کر رہا ہے اور ترکی اور روس نے بھی اسے تنبیہ کر دی ہے مگر بعد کی خبروں سے پایا جاتا ہے کہ یگوسلاویہ شائد کسی قسم کا سمجھوتہ جرمنی سے کر لے۔

بحر اوقیانوس کا اکھاڑہ:۔ عنقریب بحر اوقیانوس زبردست جنگوں کا اکھاڑہ بننے والا ہے۔ مسٹر چرچل وزیر اعظم انگلستان نے اپنی تقریر میں اس خطرہ کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

جرمنی کے دو بڑے جنگی جہاز انگریزی بحری بیڑے کی کڑی نگرانی سے بچ کے انگلستان اور امریکہ کے درمیان دو تہائی فاصلہ طے کر کے رسد سامان حرب کے جہازوں کو ڈبونے کے لئے پہونچ گئے ہیں۔ ان کی تقویت سے آبدوزیں بھی دم

کریں گی اور جو سامان جہاز جرمنی کو لے جائیں گے ان کی حفاظت بھی یہی کریں گے۔ امریکہ نے فیصلہ کر لیا ہے کہ فوراً ہی پچاس جہازوں میں ضروری سامان برطانیہ بھیجا جائے گا اور ان کی حفاظت امریکہ کے جنگی جہاز کریں گے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ جرمنی ان جہازوں کو ڈبونے کی کوشش میں ان جنگی جہازوں سے ٹکرائے گا اور یہی وجہ ہوگی جس پر امریکہ جنگ میں کود پڑے گا اور امریکہ کے شریک جنگ ہوتے ہی معاہدہ کے مطابق جاپان بھی بحرالکاہل میں اپنی جنگی نقل و حرکت شروع کر دے گا۔ گویا جنگ ایک نئی صورت اختیار کرنے والی ہے۔

تاروں کا جھرمٹ:

بیگم صاحبہ بھوپال نے میدان جنگ کے سپاہیوں کے لیے سگرٹ ریڈیو سیٹ اور آسائش کی دیگر اشیاء بھیجی ہیں۔

فروری میں ریڈیو کے ۳۵۶۱ نئے لائسنس جاری کیے گئے۔ فروری میں کل ۱۰۴۲۲۳ لائسنس جاری ہوئے۔ پچھلے سال اس ماہ میں ۸۵۷۰ جاری ہوئے تھے۔ سارے ہندوستان میں کل لائسنسوں کی تعداد اس ماہ کے آخر میں ۱۲۲۹۸۷ تھی اور سال گذشتہ ۹۰۶۹۸ تھی گویا ۱۲ ماہ میں ۲۷۲۸۵ نئے لائسنس دے گئے۔

سر شاہ محمد سلیمان جج فیڈرل کورٹ ۱۱ مارچ کی آدھی رات کے وقت ۵۵ سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔ افسوس ہے لائق مسلمان کم جیتے ہیں۔ غیر مسلم اس سلسلہ میں خوش نصیب ہیں۔ سنہ ۲۰ء میں ۳۴ سال کی عمر میں الہ آباد ہائیکورٹ کے جج ہوئے۔ سنہ ۳۲ء میں وہاں کے پہلے ہندوستانی چیف جسٹس ہوئے۔ سنہ ۳۹ء سے دہلی کی سب سے بڑی عدالت کے ممبر بنائے گئے۔ قانون کے علاوہ سائنس میں بھی ان کی شہرت ساری دنیا میں پھیلی ہوئی تھی۔ بہت بڑے ریاضی داں اور ادیب بھی تھے۔

۱۰ مارچ تک قرضہ جنگ میں ۲۵ کروڑ ۷۵ لاکھ روپیہ ہندوستانیوں نے دیا ہے جس میں ۲۲۳۳۱۰۰ روپیہ بلا سود کے ہے۔

امریکہ میں ایک نیا جھپٹنے والا جہاز بنایا گیا ہے جو اس لڑائی میں کام آئے گا۔ اس کی رفتار آزمائش کے وقت ۶۲۰ میل فی گھنٹہ پائی گئی اور اس نے ۲۱ ہزار فٹ سے ایک دم جھپٹا مارا۔ دو سال ہوئے امریکہ کے جہازوں کی رفتار ۵۷۵ میل فی گھنٹہ تھی۔

اس سال جدید بجٹ کے مطابق نئے ٹیکسوں سے ۶ کروڑ ۱۶ لاکھ روپیہ وصول کیا جائے گا۔ ان میں سب سے اہم دیا سلائی کا ٹیکس ہے جو دگنا کر دیا گیا ہے۔ اس سے ۱ کروڑ روپیہ زائد وصول ہوگا۔

اسپین کا سابق بادشاہ الفانسو روم میں ۵۵ سال کی عمر میں فوت ہوگیا۔

اعلیٰحضرت نظام حیدرآباد نے اپنا دہلی کا محل دوران جنگ تک جنگی شفاخانہ کے لیے دے دیا۔

نئی دہلی کے ڈاکخانہ سے خزانچی نے ایک ڈبہ کے ۳۸۶۴۰ روپیہ امپیریل بینک میں جمع کرنے کے لیے چلا۔ ڈاکخانہ کے چند ہی قدم کے فاصلہ پر ایک موٹر کار رکی اور دونوں کو لوہے کی سلاخوں کی ایک ایک ضرب لگا کر نوٹوں کا تھیلا لے کے پانچ آدمی موٹر میں چمپت ہوئے۔

ضلع امرتسر کے ایک درجن دیہاتوں پر چھاپے مار کے پولیس نے ۲۵ آدمی پکڑ کے ان کے قبضہ سے ہزاروں جعلی سکے برآمد کیے۔ یہ گروہ اب تک دو لاکھ جعلی سکے چلا چکا ہے۔ وہ ایک ہفتہ میں ۶ ہزار روپیہ تیار کر کے متعدد آڑھتیوں کے ذریعہ بازار میں چلا دیتے تھے۔

انگریزی اور جرمنی کھانے	ترکی اور عربی کھانے	ایرانی اور افغانی کھانے	بنگالی اور بہاری کھانے	کشمیری اور مدراسی کھانے
گجراتی اور پنجابی کھانے	حیدرآبادی اور برمی کھانے	انگلینڈ کھانے	دلی اور لکھنؤ کے کھانے	پشاوری اور سندھی کھانے

سینکڑوں قسم کے کھانے تیار کرنے کی اُردو زبان میں بے نظیر کتاب

عِصمتی دسترخوان حِصہ اوّل

جس کی ایک نمایاں خصوصیت جو اس موضوع کی اور کسی کتاب میں نہیں ہے یہ ہے کہ تمام ترکیبیں تجربہ کرنے کے بعد لکھی گئی ہیں اس لئے ترکیبیں بالکل صحیح ہیں اور وزن بالکل درست! ہندوستان بھر کے ہر حصہ کی تقریباً عصمتی بہنوں نے اس کتاب کی تیاری میں حصہ لیا ہے اور ایڈیٹر صاحب عصمت کی اہلیہ محترمہ آمنہ نازلی صاحبہ نے بڑی محنت سے کتاب مرتب فرمائی ہے۔ اور پکانے کے انتظام اور کھانوں کے متعلق نہایت قیمتی ہدایات اور مضامین درج کئے گئے ہیں۔ ایک ایک چیز کئی کئی قسم کی تیار کرنے کے لئے بھی عصمتی دسترخوان سے بہتر کتاب ملنی ناممکن ہے مثال کے طور پر دو چیزوں پڈنگ اور کبابوں کی فہرست ملاحظہ فرمایئے۔

پلم پڈنگ	انجیر پڈنگ	دال کے کباب	کباب بیضہ مرغ	تاشش کباب
کھوپرے کی پڈنگ	امتنہ پڈنگ	آلو کے کباب	کچے قیمہ کی ٹکیاں	شامی کباب
تالی بھری پڈنگ	بیر پڈنگ	کچے آلو کے کباب	گوشت کے میٹھے کباب	آنتوں کے کباب
مجموعہ پڈنگ	جلیبیوں کی پڈنگ	ناریل کے کباب	کباب مرغ مسلم	انگریزی کباب
روز پڈنگ	میوہ دار پڈنگ	پھلی کے چینی کباب	سیخ کے چٹ پٹے کباب	اردی کے کباب
اناناس پڈنگ	کشمش پڈنگ	سیخ کے کباب	پھلی کے شامی کباب	اور کئی کئی قسم کے
کمزور بیماروں کے لئے	بالائی پڈنگ	پنیر کے کباب	دہی کے کباب	کباب

یہ صرف دو چیزوں کی فہرست ہے

اسی سے کتاب کا اندازہ کر لیجئے۔ چاول سلونے اور میٹھے مونیلی کھیر فیرنی۔ سادے اور ترکاری کے سالن مچھلی مرغ جیلی بسکٹ کیک۔ دالیں مٹھائیاں۔ حلوے۔ چٹنیاں۔ مربے۔ اچار۔ سموسے بھنے پوری کچوریاں پراٹھے۔ روٹی۔ بغرض ہر قسم کے کھانوں کی بڑی بڑی اچھی ترکیبیں ہیں اور ہر چیز کی کئی کئی صحیح ترکیبیں! اس کتاب کا ہر گھرانے میں ہونا ضروریات میں سے ہے ہندوستان بھر میں اس کی دھوم مچ گئی بہت سی عورتیں اس کتاب کی بدولت عمدہ عمدہ ذائقہ دار کھانے پکانے لگیں۔ لڑکیوں کو یہ کتاب اشد ضروری ہو کر جہیز میں دیجاتی ہے سینکڑوں خواتین نے اس کی تعریف میں خطوط بھیجے ہیں اور کتنے ہی مردوں نے اس کتاب کی اشاعت پر مؤلفہ و پبلشر کا شکریہ ادا کیا ہے۔ اس کی مقبولیت کا اندازہ اس سے کر لیجئے کہ چند ہی سال میں آٹھوں ایڈیشن نکل گئے۔ قیمت دو روپے مجلد سوا دو روپے۔ حصہ دوم مشرقی مغربی کھانے عہ مجلد عہ

عصمتی ہنڈ کلیا

یہ کتاب بچیوں کے لئے ہے تاکہ وہ شادی سے قبل کھانا پکانے کے فن میں ماہر ہو جائیں اور ایک کنواری بچی کو جو کچھ جاننا چاہئے عملی طور پر اس سے واقف ہو جائے سوا سو کھانوں کی نہایت عمدہ ترکیبیں بچیوں ہی کے مطلب کی درج کی گئی ہیں یہ خوبی ہے کہ کھانے پکانے کے متعلق نہایت مفید مضامین اور کارآمد ہدایتیں بھی ہیں قیمت صرف ۸؍

ناشتہ

دوپہر اور رات کے کھانے سے قبل صبح اور تیسرے پہر کیا کیا ناشتہ کیا جاتا ہے اس موضوع پر قابل قدر کتاب جس میں چائے۔ کوکو۔ شربت لسی۔ فالودہ۔ آئس کریم۔ بسکٹ۔ کیک۔ توس۔ کوفتے وغیرہ وغیرہ نیز ہندوستان کے ہر صوبے اور ہر حصے کے مختلف قسم کے ناشتوں کی کئی کئی ترکیبیں ہیں گویا اس کتاب کی بدولت آپ جس حصہ ملک کا مہمان سامنے آ جائے اسی کے مطلب کی چیز پیش کر سکتے ہیں۔ قیمت ۱۰؍

بچوں کے کھانے

ننھے بچوں کو اصول صحت سے کس قسم کی غذا دی چاہئے۔ کون سے کھانے مفید ہیں اور وہ کس طرح تیار ہوتے ہیں۔ اس موضوع پر بے نظیر کتاب جس میں بچوں کے صحت بخش اور مفید کھانوں کی درجنوں تجربہ کی ہوئی صحیح ترکیبوں کے علاوہ کئی نہایت کارآمد مضامین بھی ملک کے قابل ڈاکٹروں اور تجربہ کاروں کے لکھے ہوئے ہیں قیمت ۸؍

بیماروں کے کھانے

بیماروں کے جو کھانے بہت مفید ہیں اس میں صرف انہی کی ترکیبیں ہیں اور کئی قابل تجربہ کار ڈاکٹروں نے اس کی تیاری میں حصہ لیا ہے تمام ترکیبیں تجربہ کی ہوئی ہیں۔ مضامین بھی بے انتہا مفید و قابل قدر ہیں ہر گھر میں اس کتاب کا ہونا ضروری ہے قیمت ۱۰؍

مذاقیہ کھانے

دولہا بھائی سے، نندوئی سے سہیلیوں سے مہذب مذاق کرنے کے لئے نہایت دلچسپ کتاب جس کی ہر ترکیب صحیح ہے بیہودہ عامیانہ مذاق کی جگہ اس کتاب سے شائستہ مذاق کرو۔ اور اس ہنسنے ہنسانے والی کتاب سے زندہ دلی کا ثبوت دو۔ لڑکیوں کی شادی کے وقت دولہا بھائی کی تواضع کے لئے لڑکیاں یہ کتاب نہایت شوق سے منگاتی ہیں۔ قیمت ۶؍

عصمتی دسترخوان حصہ دوم
مشرقی مغربی کھانے

باعتبار مضامین پہلے حصہ پر بھی فوقیت رکھتا ہے تقریباً ۱۰۰ صفحوں کے نہایت ہی کارآمد اور قابل قدر مضامین ہیں۔ چند عنوانات یہ ہیں۔ ہماری خوراک اور غذا کے متعلق تحقیقی مضامین۔ کھانے کے اصول۔ کھانے کی حفاظت۔ جرمنی باورچی خانہ۔ جاپانی باورچی خانہ۔ کچی سبزی۔ ترکاریوں کے خواص۔ کھانے کا کمرہ۔ اناج کا صندوق ایرانی دعوت وغیرہ وغیرہ۔ ترکیبیں سب نئی اور آزمودہ ہیں اور ایک ایک چیز کی متعدد ترکیبیں۔ عربی۔ ایرانی۔ ترکی۔ جاپانی عراقی۔ روسی۔ اطالوی۔ انگریزی۔ فرانسیسی کھانوں کی اچھی اچھی ترکیبیں ہیں۔ عصمتی دسترخوان بغیر حصہ دوم کے مکمل نہیں یہ بھی بہت مقبول ہوا ہے۔ قیمت عہ مجلد عہ۔ عصمتی دسترخوان مکمل یعنی دونوں حصوں کی قیمت للعہ۔ مجلد للعہ

پتہ منیجر عِصمت بُک ڈپو دھلی

محصول ڈاک بذمہ خریدار۔ محصول ڈاک بذمہ خریدار۔

Regd. No. L. 1872 May 1941 Established 1906

زنانہ دستکاری کی مفید کتابیں
عصمتی کروشیا
گلدستہ تارکشی
گوٹہ کناری کا کام
چمنستان خیالی
عصمت بک ڈپو دہلی

ایمان پر قائم رہنے کے لئے مسلمانوں کے بے مثل جنگی کارنامے، فرزندانِ ایران کا سرفروشانہ مذہبی جوش۔ ایرانیوں کا یہ دانہ دار وطن پر قربان ہونا اسلام اور نصرانیت کی لڑائیاں۔ مگر دو ایمان کے معرکے قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی ولولہ خیز جانبازیاں اور حسن و عشق کے جذباتِ لطیفہ کی حقیقت طرازیاں دیکھنی ہوں تو یہ تاریخی ناول پڑھئے۔ کنواری لڑکیاں نہ پڑھیں یہ

عروسِ کربلا علامہ مغفور کے تمام تاریخی ناولوں میں یہ بلحاظ درد و اثر کے ممتاز ہے۔ کربلا کے تاریخی واقعات پہلے ہی کچھ کم درد انگیز نہیں اس پر مولانا کے قلم گوہر ریز نے قیامت ڈھادی ہے کسی جگہ ہچکی بندھ جاتی ہے۔ اس پر لطف یہ ہے کہ محبت کا دلآویز افسانہ ہے۔ بہت مشہور کتاب ہے ہزاروں کی تعداد میں فروخت ہو چکی ہے قیمت ۴ر

یاسمین شام حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ثانی کے عہد کی اسلامی جنگ ہلال و صلیب کے معرکے اسلام کی فتح اور تسخیر شام کے حالات۔ اس کے ہمراہ حسن و محبت کی داستان نہایت متانت اور تہذیب سے لکھی گئی ہے۔ قیمت ۴ر

محبوبۂ خداوند طرابلس کے مقدس خداوند کا رئیس شمالی افریقہ کی حسینہ سفیرہ کو قابو میں کرنے کے لئے اپنے ذہنی دعووں میں کیا کیا کرتب دکھاتا ہے یہ ایک راز ہے جو محبوبۂ خداوند کے مطالعے سے حل ہوگا۔ حضرت عثمانؓ خلیفہ ثالث کے زمانہ میں اسلام اور عیسائیت کے معرکہ آرائیوں کے حالات لکھے گئے ہیں۔ قیمت ۱۲ر

شہنشاہ کا فیصلہ عہد عباسی کے بغداد کا دلچسپ افسانہ ایک شخص اپنی بیوی کی شادی کن اسباب کے تحت ایک دوسرے شخص سے کرتا ہے۔ ایک مصیبت زدہ ماں کا بے گناہ بچہ کس وجہ سے واجب القتل ٹھہرایا جاتا ہے۔ ملکہ اپنے حصول مقصد کے لئے کیا کیا کوششیں کرتی ہے اور آخر میں کس خوبی سے شہنشاہ کا فیصلہ دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ کر دیتا ہے۔ قیمت ۴ر

شاہین و درّاج مصور غم حضرت علامہ راشد الخیری مرحوم کا وہ معرکۃ الآرا تاریخی ناول جس نے مصنف کی سحر نگاری کا بڑے بڑے ادیبوں کو قائل کر دیا تھا۔ علامہ مغفور کا سب سے پہلا تاریخی ناول ہے جس میں محبت کے جذبات لطیفہ کو نہایت لطف اور رنگینی سے بیان کیا گیا ہے بلحاظ زور قلم اور جذبات نگاری اردو ناولوں میں یہ قصہ نہایت نمایاں درجہ رکھتا ہے۔ پانچواں ایڈیشن قیمت ۸ر

منظر طرابلس تسخیر طرابلس کے لئے مسلمانوں کا جوش ایمانی حضرت زبیر بن عوام کی بے مثل بہادری ایثار و شجاعت محبت کے کشمکش کہ جس میں بے گناہ لڑکی کی قربانی حقیقی بہن کے ہاتھوں بھائی کا قتل۔ مذہبی پیشوا کی سیاہ کاریاں۔ قیمت ۵ر

دُرِّ شہوار ایران۔ مازندران۔ سیستان کی ہولناک لڑائیوں کا مرقع، بہرام کے شجاعانہ کارنامے اور ملکہ کے احسانات، شہزادی سبطورہ کی فراست اور بہادری اور روزبہ کی مکاری اور فریب۔ قیمت صرف ۸ر

سودائے نقد جس سے معلوم ہوگا کہ مرد کا نکاح ثانی اور اسلام میں عورت کی حیثیت کیا ہے یہ افسانہ بتائے گا کہ جوان بیٹی کی شادی نہ کرنا سوسائٹی کا کیا زبردست گناہ ہے دو سگی بہنوں کی کوششیں اور حقیقی ماں کے ہاتھوں جوان بیٹی کا قتل

تیغِ کمال اگر آپ کو غازی اعظم مصطفیٰ کمال کے مفصل حالات یونان کے برخلاف مسلمانوں کی کوشش اور فتح کے منظر دیکھنے ہیں تو اس کتاب کو ملاحظہ کیجئے جس میں پہلی مسلمانوں کے راز افشا کئے گئے ہیں شکست یونان کے درد انگیز مناظر جانباز ترکوں کی شجاعت اور کمال پاشا کا کمال قیمت عہ

مضامین اور افسانوں کے جدید مجموعے

قرآنی قصے ان نبیوں اور رسولوں کے مقدس حالات جن کا قرآن مجید میں ذکر ہے حضرت علامہ راشد الخیری نے ننھے مسلمان بچوں کے لئے ان کی سمجھ کے مطابق انہیں کی بولی میں مگر اپنے خاص رنگ میں لکھے تھے۔ قیمت صرف عہ

عروسِ مشرق وہ مضامین جو یورپ کی اندھا دھند نقالی اور مغربی تہذیب کے زہر آلود اثر سے محفوظ رکھنے کے لئے مرحوم مصور غم نے تحریر فرمائے تھے ان میں ان مشرقی خوبیوں کو جو روز بروز مٹ رہی ہیں اور جن پر ہندوستان کے بسنے والے ناز کرتے تھے مؤثر پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے۔ قیمت ۱۰ر

گردابِ حیات حضرت مصور غم نے عورتوں کی اصلاح معاشرت میں جو بے بہا تیر بہدف مضامین عام فہم پیرایہ میں عصمت میں لکھے تھے ان کا مجموعہ ان افسانوں نے بے شمار عورتوں کو افسانہ نگار بنا دیا اور سینکڑوں عورتوں کی زندگی سنور گئی۔ عہ

بزمِ رفتگاں اردو ادب کے غیر فانی نثر کے مرثیے جو ملک کی مایۂ ناز خواتین اور باکمال شعرا و ادبا کی یاد میں لکھے گئے تھے اور جو معدنِ ادب کے بیش بہا جواہر ریزے ہیں ایک ایک فقرہ اور ایک ایک جملہ درد و اثر میں ڈوبا ہوا ہے۔ قیمت عہ

گدڑی میں لعل لڑکیوں اور عورتوں کو گھر ہنرمند اور کفایت شعار بننے اور کامیاب زندگی بسر کرنے کے لئے خانہ داری کے متعلق نہایت ہی مفید مشورے دلنشین پیرایہ میں۔ یہی ہیں وہ مضامین جنھوں نے ہزاروں عورتوں کی زندگی میں انقلاب پیدا کر دیا اور وہ کامیاب گھر والی بن کر خوش گوار زندگی گذارنے لگیں۔

سیاحتِ ہند جو ہندوستان کے مختلف مقامات کی تعلیم یافتہ خواتین و حضرات کا تذکرہ جس سے مختلف صوبوں کی معاشرت، تمدن سے واقفیت ہوتی ہے اور علامہ مرحوم کی طبیعت و عادات و خصائل کا بھی پتہ چلتا ہے۔ قیمت عہ

دادا لال بجھکڑ پانچ نہایت ہی پُر لطف مزاحیہ قصے جنہیں پڑھ کر ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جائیں۔ ولایتی ننھی اور نانی عشو کے سلسلہ کی تفریحی لیکن نتیجہ خیز کتاب جس سے

معلوم ہوتا ہے کہ مصنف مرحوم علیہ الرحمۃ ظرافت نگاری میں بھی کس درجہ کمال رکھتے تھے۔ قیمت ۸/

بے فکری کا آخری دن اور دوسرے مضامین کنواری بچیوں کے لئے جن کا مقصد یہ ہے کہ اُن میں اچھی عادات و خصائل پیدا ہوں۔ وہ اپنے فرائض کو سمجھیں۔ قیمت چار آنہ ۴/

نالۂ زار غمگین دل مضطر کے درد انگیز مضامین جن میں عورت کی مختلف حیثیت پیش کی گئی ہے۔ عورتوں کی مظلومیت کا مرقع اوران کے مصائب و آلام کی دردانگیز داستانیں ہیں جنہیں پڑھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ اور سنگدل سے سنگدل انسان کی آنکھیں نم ناک ہو جاتی ہیں۔ قیمت ۱۲/

احکام نسواں قرآن مجید کے وہ احکام جو عورتوں سے متعلق ہیں مع ترجمہ و تفسیر جس نے مسلمان عورتوں کی ایک اشد ضرورت کو پورا کر دیا۔ کتب زنانہ لٹریچر میں نہایت اہمیت رکھتی ہے اور ہر مسلمان خاتون کے پاس رہنی چاہئے۔ اس کی پوری قدر و قیمت مطالعہ کے بعد ہی معلوم ہو سکتی ہے۔ قیمت ۱۲/

دعائیں حضرت علامہ مغفور کی سب سے آخری تصنیف مصنف مرحوم علیہ الرحمۃ نے اپنے مخصوص رنگ میں اردو زبان میں نثر و نظم کی یہ دعائیں لکھی تھیں جو اس قدر سنگدل اور دردناک ہیں کہ ڈوبی ہوئی ہیں کہ ایک ایک جملہ اور ایک ایک مصرعہ مطالعہ کرنے کے پانی ہو جاتا ہے۔

دلی کی آخری بہار ساٹھ برس پہلے دلی کیا تھی۔ مرد، عورتیں، بوڑھے، بچے کس طرح بے فکری اور سادگی کے ساتھ زندگی کا لطف اٹھاتے تھے۔ میلے ٹھیلے کس طرح مناتے اور سیر و تفریح کس طرح کی جاتی تھی۔ اس کتاب میں قدیم معاشرت، محبت، تعلقات اور خود داری کی درد انگیز کہانیاں اور بربادی دلی کے جگر خراش افسانے ہیں۔ قلعہ معلی کی کوثر سے دھلی ہوئی زبان میں مصنف نے فسانۂ شب ستم کر دردمند دلوں کو تڑپا دیا ہے۔ قیمت صرف ایک روپیہ۔ عہ/

محسن حقیقی مسلمانوں کے آقا و مولا سردار دو جہاں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی۔ ... واقعات مصنف عصمت کے قلم سے اور اس قدر موثر پیرایہ میں کہ آنکھ سے آنسو نکل پڑیں۔ مجالس میلاد کے متعلق چند اصلاحی مضامین بھی اس کتاب میں ہیں۔ قیمت چھ آنہ ۶/

داستان پارینہ تاریخی مضامین کا مجموعہ جن میں متعصب غیر مسلم مورخوں کے ان حملوں کا جواب بھی دیا گیا ہے جو مسلمان بیگمات اور حکمرانوں پر کئے جاتے ہیں۔ افسانوں سے زیادہ دلآویز ہیں۔ قیمت با تصویر ۱۲/

بلبل بیمار لڑکیوں کی تعلیم اور تربیت اور پردہ کے مختلف پہلو پر طبقۂ نسواں کے سب سے بڑے نباض نقاش ...

عمر کی اس منزل کے بعد جو بیش بہا مضامین تحریر فرمائے تھے ان کا بے انتہا قیمتی مجموعہ۔ قیمت ۱۰/

مسلی ہوئی پتیاں دلی کی بیگماتی زبان میں زنانہ خطوط حیات انسانی کے وہ راز جن کو پڑھ کر بے ساختہ جی چاہتا ہے کہ الفاظ کو اٹھا کر آنکھوں پر رکھ لیجئے۔ ۶/

چمنستان مغرب خانہ داری۔ تاریخ معاشرت۔ ادب غرض ہر موضوع پر جو خواتین کے لئے مفید ہو سکتا ہے۔ انگریزی زبان کے چند بہترین مضامین کے عام فہم ترجمے جن میں حضرت علامہ مغفور کا خاص رنگ جھلک رہا ہے۔ قیمت عہ/

حور اور انسان اب سے قریباً تیس سال قبل رسالہ تمدن میں علامہ مغفور نے حقوق نسواں کی حمایت میں چند نہایت موثر و دردانگیز افسانے تحریر فرمائے تھے جنہوں نے تعلیم یافتہ مردوں میں ایک تہلکہ مچا دیا تھا۔ ان کا مجموعہ ۱۲/

بساط حیات چار مختصر افسانوں کا مجموعہ حیات انسانی کے متعلق جانوروں کا مشاہدہ اور مطالعہ چاروں افسانے دلآویز اور نتیجہ خیز ہیں۔ قیمت ۴/

نشیب و فراز ... نے اپنی اپنی زندگی کا کوئی اہم واقعہ یا مشاہدہ بیان کیا ہے۔ ہر افسانہ ... دلچسپ ہے بلکہ نسوانی زندگی کے کسی نہ کسی پہلو پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔ قیمت ۴/

مسلمان عورت کے حقوق جو مسلمان زندگی خوشگوار بنانے کے آرزومند ہیں اور جو یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام میں ان کی کیا وقعت اور کیا درجہ ہے وہ اس مجموعہ کا مطالعہ کریں جس میں مسلمانوں کی ترقی اور بہتری کا ذریعہ ممکن ... ان مضامین کو پڑھے ... قیمت بارہ آنہ ۱۲/

ساجن موہنی بہت سی بیبیاں باوجود کوشش کے شوہر کو خوش نہیں رکھ سکتیں کیونکہ انہیں شوہر کے گر ہی نہیں معلوم۔ اس مجموعہ کا مطالعہ صرف شادی شدہ خواتین ہی کے لئے بے انتہا مفید ہے بلکہ ان لڑکیوں کے لئے بھی جن کی عنقریب شادی ہونے والی ہے۔ قیمت ۴/

زیور اسلام لڑکیوں اور عورتوں کے لئے نہایت موثر مذہبی مضامین جن کے مطالعہ سے انہیں معلوم ہوگا کہ ان کی ہستی کیا معنی رکھتی ہے اور آئندہ زندگی کو خطرات سے بچا کر ایک مسلمان کی حیثیت سے پر لطف اور با اطمینان زندگی کس طرح بسر کی جا سکتی ہے۔

شادی کا انتخاب اس وقت اولاد کی شادی ماں باپ کے لئے نہایت نازک مسئلہ ہے۔ اس کتاب میں اولاد کی شادی کے بارے میں بیش بہا مشورے دئے گئے ہیں۔ قیمت ۸/

عالم نسواں ان ملکی اور غیر ملکی واقعات پر جو خواتین بالخصوص مسلمان عورتوں سے متعلق تھے حضرت علامہ مغفور کا اپنے مخصوص پیرایہ میں تبصرہ۔ تحریک نسواں۔ بیداری نسواں۔ آزادی نسواں۔ حریت نسواں پر گراں بہا خیالات۔ قیمت ۸ر

فریب ہستی وہ بیش بہا مضامین جو اصلاح معاشرت اور اصلاح اخلاق کے متعلق ہیں اور جن کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ کس طرح مسلمان گھرانے اندر ہی اندر گھن کی طرح کھوکھلے ہو رہے ہیں۔ اور ان کی حالت درست ہونے کی کیا تدابیر ہیں۔ ۶ر

بکھری ہوئی پتیاں مختلف موضوعات کے متفرق مضامین۔ انشائے لطیف اور کئی درد انگیز نظمیں بھی ہیں۔ گویا اس مجموعہ میں حضرت علامہ مغفور کی کئی حیثیتیں نظر آتی ہیں۔ قیمت ایک روپیہ چھ آنے۔ ۱؎۶ر

خدائی راج اور دوسرے افسانے اردو کے سب سے پہلے محسنہ افسانہ نگار کے آخری افسانوں کا بے مثل مجموعہ جس میں حیات انسانی کی عجیب و غریب پیچیدہ گتھیوں کو سلجھایا گیا ہے۔ اور جذبات انسانی کی بے مثل ترجمانی کی گئی ہے۔ پلاٹ۔ مکالمہ۔ کردار نگاری۔ مناظر نویسی۔ جذبات نگاری ہر اعتبار سے یہ افسانے ترقی کے بہترین افسانوں میں سے ہیں جن پر اردو ادب ہمیشہ فخر کرے گا۔ قیمت ایک روپیہ۔ عہ ر

یادگار تمدن تمدن حقوق نسواں کی حمایت میں پہلا اور آخری مردانہ رسالہ تھا۔ اس کے ایڈیٹر کی حیثیت سے علامہ مغفور نے جو مضامین تحریر فرمائے تھے ان کا مجموعہ۔ طرز بیان اسقدر دلآویز ہے کہ بار بار پڑھنے کو دل چاہتا ہے۔ قیمت ۶

تصانیف محترمہ خاتون اکرم جنت مکانی

گلستان خاتون محترمہ خاتون اکرم ہندوستان کے بہترین افسانہ نگاروں میں نہایت ممتاز درجہ رکھتی تھیں گلستان خاتون متفقہ طور پر اردو کے بہترین افسانوں کا مجموعہ تسلیم کی گئی ہے اور اس میں وہ سبق آموز مؤثر اور دلآویز افسانے ہیں جو زنانہ لٹریچر میں غیر فانی درجہ رکھتے ہیں۔ اس سے پہلے کسی ہندوستانی خاتون کے ایسے بلند پایہ افسانوں کا مجموعہ نہیں چھپا۔ ملک کے تمام مشہور اخبارات اور رسائل اور نامور اہل قلم مردوں اور عورتوں نے نہایت شاندار ریویو کئے ہیں۔ دیباچہ مولانا راشد الخیری ایڈیٹر عصمت نے لکھا ہے۔ تمام کتاب آرٹ کاغذ پر چھپی ہے۔ بار سوم قیمت ۱؎ہ

پیکر وفا دلآویز نتیجہ خیز افسانہ جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ وفا عورت کی خلقت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ اور شریف بیوی اپنے شوہر کے لئے ایسی ایسی قربانیاں کر دکھاتی ہے کہ دنیا حیرت میں رہ جائے۔ قیمت ۸

بچھڑی بیٹی ایک دلچسپ سبق آموز افسانہ۔ ایک لڑکی ماں باپ سے بچھڑ جاتی ہے۔ اس کی جدائی میں ماں باپ کی جو کیفیت ہوتی ہے۔ صرف کتاب پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ برسوں کے بعد وہی لڑکی اس طرح ملتی ہے کہ جنت مکانی کی بے مثل افسانہ نگاری کی داد دینی پڑتی ہے قیمت ۶ر تیسری بار چھپی ہے

جمال ہمنشیں جنت مکانی کے بے مثل ادبی مضامین کا نہایت حسین شاندار مجموعہ۔ رسالہ حرم کی رائے۔ یہ مضامین بہ لحاظ زبان و خیال نہایت بلند ہیں اور ان کی اشاعت اردو زبان پر بڑا احسان ہے۔ قیمت عہ ر میرا ایڈیشن قریب ختم ہے۔

تصانیف محترمہ صغرا ہمایوں مرزا صاحب ایم آر اے ایس لندن

مشیر نسواں یا زہرہ ایک دلچسپ اخلاقی ناول جس میں لڑکیوں کو بہت سی بیش بہا اخلاقی باتیں بتائی گئی ہیں۔ قصہ دلچسپ اور نتیجہ خیز ہے۔ طرز بیان نہایت آسان اکابرین قوم نے جسے پڑھ کر شاندار ریویو کئے تھے۔ قیمت ۴ر

سرگذشت ہاجرہ دلچسپ اور سبق آموز قصوں کے پیرایہ میں اخلاقی اور اسلامی جواہرات کا بیش بہا ذخیرہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ازدواجی زندگی میں جو بدمزگی پیدا ہو جاتی ہے، عورت اکثر کس طرح دور کر سکتی ہے قیمت ۱۰ر

موہنی ایک اخلاقی معاشرتی افسانہ۔ ایک شہزادی شوہر کے انتقال پر گھر بار چھوڑ کر جنگلوں میں ماری ماری پھرتی تھی یہاں تک کہ ایران پہونچتی ہے اور وہاں عجیب طریقہ سے شوہر سے ملاقات ہوتی ہے ایران کی معاشرت اور جہانداری زچہ خانہ شادی بیاہ رسم و رواج پر دلچسپ معلومات بھی ہیں۔ قیمت ۱۰

تحریر النساء لڑکیوں اور عورتوں کے لئے جدید طرز پر خط و کتابت کی مفید کتاب۔ اخلاقی۔ معاشرتی مذہبی سبقوں کا لاجواب دلچسپ مجموعہ۔ یہ کتاب انشا کی انشا ہے اور نتیجہ خیز سبق آموز مضامین کا مجموعہ بھی۔ قیمت ۱۲ر

اخلاقی و اصلاحی ناول و افسانے

شہید وفا سید کی محبت کی سچی داستان دنیا فراموش نہیں کر سکتی اس نے سید کی محبت میں فنا ہو کر وہ مصیبتیں اٹھائیں جس کی تاب شاید ہی کوئی انسان لا سکے۔ مشہور افسانہ نگار محترمہ امۃ الوحی صاحبہ کے اس کامیاب افسانہ کے ساتھ و نہایت سبق آموز افسانے اور بھی ہیں۔ قیمت عہ ر

انوری بیگم اردو کی نامور افسانہ نگار محترمہ طیبہ بیگم مسز نواب خدیو جنگ بہادر کا نہایت دلآویز ناول ہے جس میں حیدرآباد کے ایک شریف معزز و اعلیٰ تعلیم یافتہ گھرانے کی بلند معاشرت دکھلائی گئی ہے پلاٹ میں نہایت دلکشی اور طرز بیان میں بے تکلفی اور سادگی ہے۔ قیمت ۱؎

دولت پر قربانیاں

تعلیم یافتہ اور روشن خیال لڑکی کا آسائش سے گر غیر کفو میں شادی کرنے سے حکم پدری دینا ہوگا برادری کے نااہل لڑکے سے شادی کرنے کے دردناک نتائج اور دولت کے لالچ میں سوکن پر بیٹی بیاہنے کا عبرت ناک انجام ۸ر

چار رخ

عصمت کی مشہور انشا پرداز محترمہ انیس فاطمہ کا لکھا ہوا ایک نتیجہ خیز افسانہ جس میں چار عورتوں کی عبرت گیر اور سبق آموز آپ بیتی ہے۔ مغربی تمدن کی اندھا دھند تقلید۔ عیسائی مشنریوں کی صحبت۔ رواج کی پابندی کے دردناک نتائج۔ قیمت ۴ر

جاں باز

جس میں ایک معزز اعلیٰ تعلیم یافتہ گھرانے کے حالات نہایت ہی دلچسپ پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں۔ زبیدہ اپنے منگیتر کے لئے کیا کیا قربانیاں کرتی ہے۔ مسٹر قمر ایک کم حیثیت مغربی لڑکی کے ہاتھوں کس طرح اپنی پرمسرت زندگی کو تباہ کرتے ہیں۔ خاندان حسن کا ایک سچا دوست تمام مشکلات کو حل کرتا اور اپنے دوست کی خاطر کیسی کیسی قربانیاں کر دیتا ہے۔ یہ ایسے باب ہیں کہ آپ عش عش کریں گے۔ از محترمہ مسز سجاد حیدر صاحبہ قیمت ۱۲ر

فیروزہ

ایک دولت مند مگر غیر دیسی لڑکی کا افسانہ غم۔ شرافت اور انسانیت کی دل ہلا دینے والی قربانیاں جن سے معلوم ہوگا کہ کس وجہ سے ایک شریف عورت اپنے شوہر کو ایک دوسری عورت کے حوالہ کر دیتی ہے۔ لالچ، بے ایمانی، ہنگامی جذبات کے قابل نفرت مرقعے احسان فراموشی محسن کشی کے کمینہ حملے اور استقامت استقلال اور دور اندیشی کی فتح۔ از حمیدہ بیگم صاحبہ۔ قیمت ۸ر

نغمات موت

محترمہ حجاب امتیاز کے دلآویز مضامین کا مجموعہ جو انہوں نے اپنی والدہ مرحومہ کی یاد میں لکھے تھے یہ مضامین مصنفہ کے دلی جذبات کا آئینہ اور نظم نما نثر کا بہترین نمونہ ہیں۔ مصنفہ کے انداز بیان کی دلکشی اور ان کے شاعرانہ خیالات کی نزاکت و رفعت پورے طور پر نغمات موت میں نمایاں ہیں۔ قیمت ۶ر

ادب زریں

محترمہ حجاب امتیاز کا طرز تحریر ملک کی دوسری مشہور انشا پرداز خواتین سے بالکل جدا نہایت دلچسپ ہے۔ وہ نثر میں خوب شاعری کرتی ہیں ان کے چھوٹے چھوٹے لطیف مضامین بلند تخیل عبارت کی رنگینی اور جذبات کی ترجمانی کا بہترین نمونہ ہوتے ہیں اس مجموعہ میں پچاس مضامین ہیں جن میں سے اکثر مختلف رسائل میں شائع ہو کر خراج تحسین وصول کر چکے ہیں۔ قیمت ۸ر

غیرت کی پتلی

محترمہ خاطرہ بیگم صاحبہ منشی فاضل کا لکھا ہوا ایک سبق آموز اور دلچسپ قصہ جس میں تین مختلف الخیال عورتوں کے حالات ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ اولوالعزمی اور ہمت سے عورت کس طرح بگڑا ہوا گھر بنا سکتی ہے۔ قیمت ۶ر

دودھ کی قیمت

اور ۷ اور مختصر افسانے اور ایک ڈراما جو منشی پریم چند نے خاص طور پر عورتوں کے لئے لکھے تھے یہ مجموعہ منشی جی کے بہترین افسانوں کا ہے قیمت ۱۲ر

روحانی شادی

یہ اصلاحی ڈراما منشی پریم چند نے عصمت کے لئے لکھا تھا۔ پلاٹ۔ مکالمہ۔ کیرکٹر ہر اعتبار سے کامیاب نتیجہ خیز سبق آموز ہے۔ دلچسپ اور دلآویز ہے۔ عبرت ناک بھی اور کافی تفریحی مزاحیہ بھی۔ اصلاح معاشرت پر نہایت موثر اور بلند پایہ ڈراما ہے۔ قیمت ۶ر

دامن باغباں

مشہور افسانہ نگار ڈاکٹر رشید احمد صدیقی کے افسانے۔ جذبات نگاری میں ڈاکٹر صاحب کو کمال حاصل ہے اور زبان روزمرہ عام فہم لکھتے ہیں دامن باغباں ڈاکٹر صاحب کے ۷ سبق آموز افسانوں کا مجموعہ ہے جو اردو کے بہترین افسانوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ قیمت صرف عہ ر

افسانۂ حرم

لڑکیوں کے لئے ایک فاضل جرنلسٹ نے دس کہانیاں لکھی ہیں اور ہر کہانی سے کوئی نہ کوئی مفید نتیجہ نکلتا ہے۔ لڑکیاں کتاب کو نہایت دلچسپی سے پڑھیں گی۔ طرز بیان میں دلآویزی ہے عبارت بہت ہی آسان عام ہندوستانی گھرانوں کی کیفیت نہایت خوبی سے دکھائی گئی ہے۔ قیمت ۸ر

آئینۂ جمال

یعنی دو مشہور شاعرہ محترمہ نفیس جمال صاحبہ کی ۹۶ نظمیں اسلام کے دور اولیں کی سبق آموز منظوم کہانیاں اور قومی کی تڑپ منظر قدرت کی مصوری۔ جذبات نسوانی کی صحیح ترجمانی موسیقی کی لطافت وہ کیا خوبی ہے جو آئینۂ جمال میں نہیں۔ خوف خدا پاس مذہب حب الوطنی ایثار ہمت بہادری کے جذبات اس کے مطالعہ سے پیدا ہوتے ہیں قیمت ۱۲ر

شمع خاموش

دو مشہور شاعرہ محترمہ بیگم لکھنوی کی دلآویز اور پُر اثر نظموں کا مجموعہ مع دیباچہ مولانا راشد الخیری یہ نظمیں ہندوستانی مسلمان عورتوں کی مظلومیت کے صحیح ترجمان ہیں اردو رسائل میں شائع ہو کر مقبول ہو چکی ہیں۔ یہ شعر درد سے لبریز ہے پڑھ کر آنسو نکل آتے ہیں کسی خاتون کے کلام کا ایسا دردانگیز مجموعہ اب تک نہیں چھپا زبان آسان اور عام فہم قیمت ۶ر

کچھ اور مفید زنانہ کتابیں

تاریخی لطیفے

دنیا کے نامور مصنفوں، شاعروں، بادشاہوں، شہزادیوں وغیرہ کے لطیفے جو دائرہ تہذیب سے باہر ہیں نہ ذومعنی مگر ان سے ہنسی بھی آئے گی معلومات بھی بڑھیں گی قیمت ۸ر

ہنسی کی باتیں

یہ کتاب ہندوستان کے معزز گھرانوں کی محترمہ خواتین کے لئے جمع کی گئی ہے مہذب لطیفے ہیں جنہیں پڑھ کر سنجیدہ انسان بھی ہنسے بغیر نہ رہ سکے۔ لطف یہ ہے کہ دائرہ تہذیب سے گرا ہوا کوئی لطیفہ نہیں۔ مہذب ظرافت کی بہترین کتاب ہے قیمت ۸ر

عقل کی باتیں

دنیا کے بڑے بڑے آدمیوں پیغمبروں بادشاہوں مصنفوں شاعروں وغیرہ

اور افسانوں کے وہ سات مقالات جو برسوں کے تجربات پر مبنی ہیں۔ جن میں جنسی خوشی کامیابی سے زندگی گذارنے کا راز اور جن میں جذبات انسانی کی پیچیدہ سے پیچیدہ گتھیاں سلجھانے کا اصل ہے جو دل بہلانے غم غلط کرنے کا ذریعہ ہیں۔ قیمت ۸/

تندرستی ہزار نعمت عصمت کی مایہ ناز مضمون نگار محترمہ زہرہ بیگم صاحبہ فیضی بمبئی کے نہایت مفید مضامین جن میں صحت قائم رکھنے کے چند اصول بڑی خوبی سے بیان فرمائے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ اپنی سیاحت امریکہ اور یورپ کے تجربات بھی تحریر فرمائے ہیں قیمت صرف ۴/

بچوں کی تربیت بچوں کی پرورش و تربیت پر بہترین کتاب پہلے شریف گھرانوں میں بچوں کی پرورش میں جن جن باتوں کا خیال رکھا جاتا تھا۔ آج جن بیدردیوں پر افسوس ظاہر کی جاتی ہیں اس وقت پہلے میں کام ہوتا تھا وہ سب اس میں جمع کی گئی ہیں۔ قیمت ۱۰/

پردہ و تعلیم اس کتاب سے معلوم ہوگا کہ تعلیم نسواں کی طرف سے غفلت کرنے سے مسلمانوں کو کیسا شدید نقصان پہونچ چکا ہے اور اب ان کی ترقی و بہتری کی کیا صورت ہے اس کتاب میں پردہ پر مختلف پہلوؤں سے بحث کی گئی ہے۔ اور قرآن و حدیث سے ثابت کیا گیا ہے کہ ہندوستان کا مروجہ پردہ درست نہیں ہے۔ قیمت بارہ آنہ - ۱۲/

خواتین اندلس اندلس یعنی اسپین میں مسلمانوں نے ۸۰۰ سال تک حکومت کی ہے مسلمانوں کے زمانہ میں سرزمین اندلس (اسپین) نے ایسی ایسی باکمال خواتین پیدا کی تھیں جنھوں نے علوم و فنون کے دریا بہا دئے تھے۔ یہ ان کا تذکرہ ہے جس سے معلوم ہوگا کہ اس زمانہ میں طبقہ نسواں کیسی کیسی اعلیٰ پایہ کی شاعر ادیب مصور۔ خوشنویس۔ بذلہ گو۔ حاضر جواب موجود تھیں۔ قیمت ۶/

زنانہ بستہ دس چھوٹی کتابوں کا مجموعہ (۱) بسم اللہ کی کتاب (۲) گنتی کی کتاب (۳) کھیل کی کتاب (۴) لکھنے کی کتاب (۵) نماز کی کتاب (۶) کھانے پکانے کی کتاب (۷) تندرستی کی کتاب (۸) تہذیب ادب اخلاق کی کتاب۔ (۹) پردہ کی کتاب (۱۰) خانہ داری کی کتاب یا دولہن کا اصلی جہیز۔ جو کتاب جس مضمون پر ہے مکمل ہے بچیوں اور لڑکیوں کے لئے زنانہ بستہ نہایت ہی مفید اور بڑے کام کی کتاب ہے۔ قیمت صرف عہ/

بچوں کے لئے بچوں ہی کی زبان میں ۵ کتابیں

مختصر دنیا انگریز سیاح گلیور صاحب بالشتیوں کی دنیا میں چلے گئے تھے جنھیں بالشتئے دیو کہتے تھے یہ سیاح کبھی درجنوں بالشتیوں کو ہتھیلی پر اٹھا لیتا تھا اور سیکڑوں بالشتیوں کا جو کھانا ایک شام کے لئے تیار ہوتا تھا ایک لقمہ میں ختم کر دیتا تھا عجیب دلچسپ کہانی ہے۔ ۵/

بچوں کی دنیا روس کے مشہور مصنف ٹالسٹائی کی ہمیں کہانیاں جن سے جو بچوں کے لئے مصنف نے لکھی تھیں چند بہترین کہانیوں کا ترجمہ بچوں ہی کی زبان میں کیا گیا ہے جن سے علاوہ دلچسپ ہونے کے بچوں کے اخلاق درست ہوتے ہیں ان میں نیکی۔ ہمدردی۔ حب الوطنی۔ ہمدردی۔ ایثار کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ قیمت ۷/

مزیدار کہانیاں چھوٹے بچوں کے مطلب کی انھیں کی زبان میں لکھی ہوئی کہانیاں اسقدر دلچسپ کہ بغیر ختم کئے بچے چھوڑ نہ سکیں مع تصویر۔ قیمت عہ/

جاپانی کہانیاں مسز فضلی صاحبہ نے اپنے شوہر کے ساتھ جاپان میں کئی سال رہکر بچوں کے مطلب کی نہایت عمدہ سبق آموز کہانیاں جمع کی ہیں اور بڑی قابلیت سے اردو میں لکھی ہیں۔ جاپانی بچوں کی یہ بہت مشہور پسندیدہ کہانیاں ہیں تصویریں بھی دی گئی ہیں۔ قیمت عہ/

شہزادی نیلوفر اور دوسری نہایت مزیدار دلچسپ کہانیاں چھوٹے بچوں اور بچیوں کے لئے از محترمہ سردیجہاں صاحبہ رعنا۔ قیمت ۱۲/

آئینہ موٹر موٹر کے متعلق اردو میں کئی کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔ مگر وہ سب مل کر آئینہ موٹر کا پاسنگ بھی نہیں ہیں اس کتاب میں موٹر انجن کے ہر حصہ کے اصول سلیس اور عام فہم عبارت میں سمجھائے گئے ہیں۔ اس کتاب کی مدد سے ہر پرزے کے متعلق کافی واقفیت ہو جاتی ہے۔ ڈرائیور اور کٹ پ کی پریشانیوں کی نوبت نہیں آتی اور بہت سا روپیہ اور وقت ضائع ہونے سے محفوظ ہوتا ہے ۱۲/

آفتاب زندگی مولانا سیماب اکبرآبادی نے اس دلچسپ قصہ میں ایک لڑکی کے کنوارپنے کے حالات دلنشین پیرایہ میں لکھے ہیں اور فضول اور نقصان دہ رسموں پر مدلل بحث کی ہے۔ واقعات دلاویز اور طرز بیان دلکش ہے۔ قیمت ۶/

شباب زندگی آفتاب زندگی کا دوسرا حصہ ہے۔ جس میں شمس النسا کی شادی اور بعد کے حالات ہیں۔ اس ضمن میں جو مصائب اور جو تکلیفیں اور جو آرام اور جو راحتیں اس نے اٹھائیں اور جو تجربے اس نے حاصل کئے وہ سننے اور پڑھنے اور گرہ میں باندھ لینے کے قابل ہیں۔ قیمت ۶/

پھول پھلواری پھولوں کی کاشت کیاری اور باغیچہ کی تحقیقات اور انگریزی ہندوستانی اور ہر موسم اور ہر قسم کے پھولوں کے متعلق نہایت مفید اور کارآمد معلومات اور عورتوں کے لئے قابل قدر تحفہ۔ قیمت ۸/

دیہاتی گیت نامور ادیب اکبر اعظم صاحب کریوی نے دیہاتی گیت بڑی محنت سے جمع کئے ہیں اور ان کے معنی اور مطلب بھی عام فہم زبان میں بیان کئے گئے ہیں۔ قیمت ۸/

عصمتی بہنیں

اگر ان قواعد کی پابندی کریں تو

تو اُن کو کبھی بھی شکایت کا موقع نہ ملے

(۱) عصمت ہر مہینے کی ۳۰ تاریخ کو شائع ہو کر روانہ کیا جاتا ہے تاریخ تک بند ہو جاتا ہے تو بذریعہ دفتر پہنچایا جاتا ہے۔ اشاعت میں ہمارے دفتر سے کبھی دیر نہیں ہوتی لیکن اگر ڈاک خانہ کی غلطی سے وقت پر پرچہ نہ ملے تو ۱۰ تاریخ تک کارڈ لکھ کر خریداری کے حوالہ سے دوبارہ پرچہ منگا لیں۔ اس کے بعد قیمتاً ملے گا (۲) اگر ایک مقام سے دوسرے مقام کو تبادلہ ہو جائے تو جیب پر خریداری نمبر کے حوالہ سے فوراً دفتر کو تبدیلی پتہ کی اطلاع دیدی جائے کئی کئی ماہ بعد پتہ بدلوانا دفتر کو سخت نقصان پہنچاتا ہے۔ کیونکہ صحیح پتہ نہ ہونے کی وجہ سے پرچہ تلف ہو جاتا ہے اور خریدار بہن کو شکایت رہتی ہے کہ دفتر سے نہیں بھیجا گیا۔ حالانکہ تمام خریداروں کو ۳۰ تاریخ کو رسالہ بھیج دیا جاتا ہے۔ ہر بہن کا فرض ہے کہ جب پتہ تبدیل کریں فوراً دفتر کو اطلاع دیدیں (۳) جب بھی خط لکھیں خریداری نمبر ضرور لکھیں۔ ورنہ تعمیل میں کئی دن لگ جائیں گے۔ اگر آپ کو خریداری نمبر یاد نہ ہو یا آپ نے نوٹ نہ کیا ہو تو جوابی پوسٹ کارڈ بھیج کر دفتر سے معلوم کیجئے۔ کیونکہ بغیر خریداری نمبر لکھے آپ کے خط کی تعمیل فوراً نہ ہو سکے گی (۴) جواب طلب امور کے لئے جوابی پوسٹ کارڈ یا تین پیسے کا ٹکٹ بھیجئے۔
(۵) منی آرڈر کی کوپن پر خریداری نمبر اور پتہ ضرور درج فرمایئے
(۶) خریداروں کو چندہ کی میعاد ختم ہونے کی اطلاع ایک ماہ پہلے دیدی جاتی ہے۔ اگر کسی بہن کو خریدار رہنا نہیں ہے تو دفتر کو مطلع کر دیں اور اگر پرچہ بدستور جاری رکھنا ہے تو پانچ روپیہ للعہ منی آرڈر کے ذریعہ آئندہ سال کا چندہ بھیج دیں۔ انکاری اطلاع یا چندہ نہ آنے پر وی پی بھیجا جاتا ہے۔ وی پی واپس کر کے شدید نقصان پہنچانا تعلیم یافتہ بہنوں کے لئے زیبا نہیں۔ اگر کوئی بات دریافت طلب ہو تو بھی وی پی ضرور وصول کر لینا چاہیئے۔

براہِ کرم ان باتوں کا ہمیشہ خیال رکھیئے

منیجر

مضمون نگاری کے قواعد

مضمون نگاروں کو عصمت کے لئے مضامین بھیجنے سے پہلے ان باتوں کا ضرور خیال رکھنا چاہیئے۔ تاکہ ان کا وقت اور محنت بیکار نہ جائے (۱) مضامین کاغذ کے ایک رُخ پر روشن سیاہی سے لفظ ثانی مناسب ترمیم و اصلاح کے لئے کاغذ کے ایک سطر چھوڑ کر خوش خط لکھنے چاہئیں (۲) ڈیڑھ کے اندر کے خاتمہ پر مضمون نگار کا صحیح نام اور پورا پتہ درج ہونا ضروری ہے (۳) طویل مضمون کے لئے تین تین چار چار ماہ کے بعد بھی ممکن ہے کہ جگہ نہ نکل سکے۔ لیکن چھوٹے چھوٹے مضامین بلا دیر رسالہ ہو سکتے ہیں۔ اس لئے مضمون نگار جہاں تک ممکن ہو مضمون مختصر لکھیں اور کم سے کم لفظوں میں اپنے خیالات کا اظہار کریں (۴) مضمون کسی کتاب یا رسالہ سے نقل ہو یا ترجمہ یا اخذ ہو تو مصنف کا نام اور کتاب یا رسالہ کا حوالہ ضرور دیا جائے (۵) عصمت کے لئے صرف وہ مضامین ارسال کئے جائیں جو عصمت ہی کے لئے لکھے جائیں وہ مضمون ہرگز نہ بھیجے جو کسی اور پرچہ کو بھیجا جا چکا ہو (۶) مضامین کے لئے پرانے پامال عنوانات جن پر بار بار عصمت میں مضامین شائع ہو چکے ہیں منتخب نہ کرنے چاہئیں نئے نئے موضوعوں پر چھوٹے چھوٹے مضامین جو اسلوب بیان ندرت خیال وغیرہ کے اعتبار سے دلچسپ سمجھے جا سکتے ہیں خوشی کے ساتھ شائع کئے جاتے ہیں (۷) مضامین میں تہذیب و سنجیدگی کا پورا خیال رکھنا چاہیئے جو مضامین ذاتیات سے آلودہ ہوتے ہیں یا جن سے کسی فرقہ یا کسی شخص کی دل آزاری ہو سکتی ہے رد کر دیے جاتے ہیں عصمت مذہبی جھگڑوں کا اکھاڑہ نہیں ہے۔ عصمت کے لئے ایسے مضامین بھیجنے چاہئیں جو ہندو مسلمان عیسائی سکھ غرض سب کے لئے مفید ہوں۔
(۸) مضامین کی زبان سلیس اور عام فہم ہونی چاہیئے۔ رنگین اور مقفیٰ عبارت ہمیں ناپسند ہے۔ فارسی عربی انگریزی الفاظ کثرت سے لکھنے سے مضمون بھدا ہو جاتا ہے۔ (۹) جو مضامین عصمت میں شائع ہوتے ہیں ان کا دائمی حق اشاعت بحق عصمت محفوظ ہوتا ہے (۱۰) عصمت سال کے بہترین سال کے بہترین پرچوں میں تین یا سو روپیہ کے انعامات مضمون نگار خواتین میں تقسیم کرتا ہے اور حسب استطاعت مضمون نگاروں کو معاوضہ بھی دیتا ہے۔ غیر مسلم خواتین کے مضامین خوشی سے شائع کئے جاتے ہیں جو خواتین و حضرات ان قواعد کی پابندی نہیں کرتے اُن کے مضامین ناقابل اشاعت ہوتے ہیں۔

ایڈیٹر

اپریل ۱۹۴۱ء کے عصمت میں بہن دردانہ صاحبہ کا مضمون "جہیز" دیکھ کر مجھے بڑا تعجب ہوا کیونکہ اب تک یہ رسم صرف بنگالیوں کے یہاں سُننے میں آتی تھی اور وہ بھی ہندوؤں کی کہ جہیز تو ایک طرف ۔ ہاں ایک خاص رقم لڑکے کو نقد الگ دینی پڑتی ہے ۔ مسلمانوں میں بس اتنی ہی بات تھی کہ وہ شادی کے بعد عید بقرعید وغیرہ تہواروں میں بیٹی داماد کو تہواریاں وغیرہ دلاتے ہیں اور بچوں کی پیدائش کے موقعہ پر سب کو جوڑے دیتے ہیں ۔ مگر حیدرآباد کے لئے یہ آج پہلی مرتبہ سُننے میں آیا کہ جہیز نے یہ آفت ڈھا رکھی ہے کہ بھائیوں کی تعلیم رُکے باپ کو خودکشی کی نوبت آئے ۔ ہاں ایک مرتبہ کسی حیدرآبادی نے یہ اشتہار دیا تھا کہ ایک صاحب جائداد لڑکی کی ضرورت ہے اور جب کسی نے خط و کتابت شروع کی تو پھر باقاعدہ جائداد کی تفصیل دریافت کی گئی اور یہ پوچھا گیا جہیز کیا کیا ملے گا؟ لڑکی والوں نے یہ سُنکر کانوں پر ہاتھ رکھے ۔ ایسے لالچی اور ذلیل طبیعت کے آدمی سے فلاح کی کیا اُمید ہوسکتی ہے ۔ جو بیوی کے مال پر دانت رکھے ۔ مگر اس وقت یہ خیال نہیں آیا تھا کہ یہ حیدرآباد کا دستور ہے بلکہ یہ سمجھا کہ مختلف طبیعتیں ہوتی ہیں کوئی ایسا بھی لالچی ہوگا۔

خدا کا شکر ہے کہ یو۔پی میں ابھی تک یہ باتیں دیکھنے سُننے میں نہیں آئیں اگر کہیں لڑکے والوں نے دبی زبان سے یہ پوچھا بھی کہ "آپ کے یہاں سے کیا کیا زیور ملے گا ۔ معلوم ہوجائے تو ہم دوسری قسم کی چیزیں چڑھانے کے لئے بنوا دیں ۔ ایسا نہ ہو کہ دوہری دوہری وہی چیزیں ہوجائیں اور کام میں کبھی نہ آسکیں"۔ تو اکثر لڑکی والے یہی جواب دیتے ہیں "صاحب آپ تو یہ سمجھ لیجئے کہ خالی لڑکی آپ کو ملے گی ۔ دینے دلانے کا کیا سوال ہے جو ہمیں خدا توفیق دے گا اور اس کے نصیب کا ہوگا مل جائے گا ۔ جو آپ کی حیثیت ہو آپ چڑھا دیجئے ہمیں اس سے کچھ بحث نہیں اپنی اپنی عزت کا سب کو خیال ہوتا ہے"۔ چنانچہ عین شادی کے وقت تک کوئی بات اِدھر سے اُدھر نہیں ہونے پاتی ۔ جہیز اور چڑھاوے کا حال اسی وقت کھُلتا ہے جبکہ وہ سامنے آتا ہے ۔ اور اس وقت بھی جو کچھ رائے زنی ہوتی ہے وہ عموماً غیروں کی طرف سے ہوتی ہے ۔ لڑکی والے برابر یہی کہتے رہتے ہیں کہ "جناب جس نے بیٹی دیدی اُس نے سب کچھ دے دیا ۔ بیٹی کو ایک دن کا دینا نہیں ہے ساری عمر دئے جاؤ ۔ پھر بھی جو کچھ دیا بہت دیا" ادھر لڑکی والے جوڑوں اور چڑھاوے وغیرہ پر اعتراض سُنتے ہیں تو یہ کہہ کر ٹال دیتے ہیں "جوڑے چڑھاوے میں کیا رکھا ہے لڑکا محنتی شریف ہو خاندان اچھا ہو۔ یہ چیزیں تو صندوقوں میں بند رہتی ہیں اصل چیز تو قدردانی ہے ۔ جو نظریں اس وقت ہیں ان میں فرق نہ آئے اور جس طرح ہاتھوں چھاؤں کرکے لے جارہے ہیں ایسا ہی برتاؤ رہے ۔ اگر آپ کے لوگوں نے بڑھا چڑھا کر اُمیدیں دلا رکھی ہیں تو ان سے اس کا جواب طلب کیا جاتا ہے"، کیوں صاحب آپ نے تو یہ کہا تھا یہ اب کیسی بات ہوئی"، مگر اس بات کی بڑی کوشش کی جاتی ہے کہ سمدھیانے والوں کے کان تک کسی قسم کی شکایت نہ پہنچے اور دلوں میں نہ فرق نہ پڑے ۔ اگر اتفاق سے کوئی ایسی بات ہوجائے تو وہ کہتے ہیں "ہمارے یہاں کسی نے کچھ نہیں کہا یہ اُوپر والوں کی باتیں ہیں اس کا تو ہمیں خیال کرنا چاہیئے نہ کہ آپ کو"۔ اگر کبھی کوئی تنگ خیال آدمی دُلہن کے جہیز پر اعتراض کرتا ہے تو عزیز اور رشتہ دار اُسے سمجھا دیتے ہیں کہ کوئی ایسی بات مُنہ سے نہ نکالو جس سے شرمندگی ہو ۔ اُنہوں نے جو کچھ دیا اپنی بیٹی داماد کو دیا آپ کیوں اعتراض کرتے ہیں ۔ لوگ کہیں گے آپ جہیز کے بھوکے ہیں، وہ صاحب ہوکے جہیز پر اُدھار کھائے بیٹھے ہیں"۔

باوجود اس قسم کی سیر چشمی کے اظہار کے اپنی حیثیت سے بڑھ کر جہیز دینے کی کوشش کی جاتی ہے ۔ بعض اوقات روپیہ قرض

لے کر اس کی کو پیدا کیا جاتا ہے نہ تاکہ سُبکی نہ ہو۔ جہیز کی نمائش کی جاتی ہے۔ بس یہ دکھاوا ساری خرابیوں کی جڑ ہے کہ دونوں کی واہ وا
کی اُمید اعتراضات کا خوف منتی والوں کا دیوالہ نکلوا دیتا ہے۔ اگر یہ دستور اٹھ دیا جائے تو پھر اس کی اصلاح آسانی سے ممکن ہے
بند عند وقت چلے جائیں۔ و اگر زیادہ ہوں تو یہ بھی ضرورت نہیں کہ اسی وقت سب جائیں۔ ذرا سی ہمت کی ضرورت ہے کہ
دو چار دن کے شور و شر کو برداشت کر لیا جائے اور چاہے کوئی کتنے ہی اعتراض کرے یا دیکھنے کا شوق ظاہر کرے اس کا خیال
نہ کیا جائے۔ اس پر جو اعتراض ہوں گے ان کا جواب مشکل نہیں جس سے انسان ڈرے اور اپنے آپ کو تباہ کر دے۔ بالکل صاف
سچی اور ایمان کی بات تو یہی ہے کہ صاحب اپنی اولاد کو دینے میں دوسروں کو گواہ بنانے کی کیا ضرورت ہے۔ ہر شخص اپنی اولاد
سے محبت کرتا ہے اور جو کچھ اسے میسر ہوتا ہے کبھی اسے دینے میں دریغ نہیں کرتا۔ پھر اس کا سب پر اظہار کرانے سے کیا فائدہ؟
ہاں اگر لڑکے والوں کی نسبت بدگمانی ہو کہ وہ سب خود لے لیں گے یا بیچ کھائیں گے تو بے شک مجمع عام میں اس کا دکھا دینا
بہتر ہے بلکہ سب دیکھنے والوں سے تحریری شہادت لے لی جائے تو اچھا ہے ورنہ یوں تو جہیز کا دکھانا میرے نزدیک ایسی ہی
بات ہے جیسے کوئی اپنے بچوں کو کھانا کھلاتے وقت سب محلے والوں کو بلا کر دکھائے۔ اور گرمی جاڑے کے موسم میں جب
نئے کپڑے بنائے تو سب رشتہ داروں کو اکٹھا کرے اور خوب اچھی طرح سب کو دکھا دکھا کر سمجھا دے کہ یہ چیزیں اس بچے کی ہیں
اور یہ اس کی۔ اور اسی طرح جب وہ پڑھنے کے قابل ہوں تو سالانہ کورس کی کتابوں وغیرہ کی نمائش ہوا کرے۔ اور ساتھ ہی سال
بھر کا کاغذ پنسل چاقو روشنائی جاذب وغیرہ کا اور اگر ماسٹر رکھا جائے تو اس کی تنخواہ کا پورا پورا حساب لکھا ہوا تمام میل جول
والوں کے سامنے پیش کیا کرے۔ تاکہ تمام آدمی دیکھیں اور کہیں کہ اللہ غنی کیا دل گردے کے ماں باپ ہیں جو اولاد کے لئے یوں
بے دریغ روپیہ خرچ کر رہے ہیں اور اگر کسی کی حیثیت ان اخراجات سے زیادہ سمجھیں تو پھر اس پر اعتراض شروع کر دیں اور
سارے میں ہجو اڑاتے پھریں۔ جہیز کا دکھاوا ایک ایسی عام بات ہے کہ ہلکی چیزیں زیور اور برتن کی قسم کی چیزیں کہلانے لگی ہیں۔
جو دیکھنے میں قیمتی معلوم ہوں مگر در اصل اتنی لاگت کی نہوں۔

بہرحال اس سلسلے میں امیروں ہی کو پیش قدمی کرنی چاہیئے تاکہ دوسرے ان سے سبق حاصل کرنے میں جھجک نہ محسوس
کریں۔ اس وقت بھی ہمارے سامنے ایک زبردست مثال موجود ہے۔ بھوپال میں والی ریاست کے خاندان میں اس طرح
شادیاں ہوتی ہیں کہ دولہا دلہن کو مسجد میں لے جا کر عقد نکاح کی رسم ادا کر دی جاتی ہے اور حاضرین میں چھوارے تقسیم کر دئے
جاتے ہیں۔ بس اللہ اللہ خیر صلا۔ نہ جہیز نہ چڑھاوا کچھ بھی کسی کے سامنے نہیں آتا۔ کیا وہاں کسی چیز کی کمی ہے لیکن اپنی رعایا
کے سامنے خود اپنی مثال پیش کر کے راہ راست پر لانے کے لئے کتنا بڑا ایثار ہے۔ تمام جذبات کو پس پشت ڈال کر شرعی
سادگی کا بے مثل نمونہ دکھایا جاتا ہے۔

و - ا

برنیر کا ہندوستان

اورنگ زیب کے عہد میں ایک فرانسیسی ڈاکٹر برنیر ہندوستان آیا تھا۔ وہ کئی سال اس ملک میں رہا اور یہاں کے لوگوں کے رسم و رواج اور طرز معاشرت کے متعلق کافی واقفیت حاصل کی۔ اس کو فارسی اچھی طرح آتی تھی۔ اس لئے اس کو ہندوستان کے متعلق کافی معلومات باسانی حاصل ہو گئیں۔

یہ شخص انتہائی درجہ کا متعصب تھا اور مشرقیوں سے اس کو نفرت سی تھی اس لئے اس نے جو کچھ ہندوستان کے متعلق لکھا ہے اس پر جانب داری کا شبہ نہیں ہو سکتا۔ باوجود اس کے تعصب کے اس کو کئی موقعوں پر مسلمانوں کے علم و کمال ان کی روا داری اور ان کی طرز معاشرت کے اعلیٰ معیار کا اعتراف کرنا پڑا ہے۔

برنیر کی کتاب بہت ضخیم نہیں لیکن پھر بھی کئی سو صفحوں پر مشتمل ہے اور اس کا ایک مختصر سا اقتباس بھی کافی طویل ہوگا۔ لہٰذا اس مضمون کے لئے میں نے صرف وہ چند باتیں لے لی ہیں جن کے متعلق عام طور سے لوگوں کا غلط خیال ہے۔ مثلاً مکان کی سجاوٹ ایک مغربی چیز سمجھی جاتی ہے۔ لوگوں کا یہ عام طور سے خیال ہے کہ ہندوستان میں اپنے مکانوں کے آراستہ کرنے کا شوق یا مذاق نہ تھا۔ برنیر اس کے بالکل برخلاف لکھتا ہے۔ اس کا مشاہدہ ہے کہ ہر امیر اور رئیس کا مکان بہت آراستہ ہوتا تھا اس کے الفاظ ہیں :-

"مکان کے ہر کمرے کے فرش پر چار انچ موٹا گدا بچھا ہے جس پر گرمیوں میں سفید چادر اور جاڑوں میں ریشمی قالین پڑا ہوتا ہے۔ کمرے کے نمایاں حصہ میں دو چار زریں گدے ہوتے ہیں جن پر نازک ریشمی پھول بنے ہوتے ہیں اور جن میں چاندی سونے کا کام بھی ہوتا ہے۔ یہ گدے گھر کے مالکوں اور معزز مہمانوں کے لئے مخصوص ہوتے ہیں۔ ان گدوں پر کمخواب کے تکیے ہوتے ہیں اور گھر کے دوسرے حصوں میں بھی مخمل ساٹن اور کمخواب کے تکیے ہوتے ہیں۔ جن پر لوگ ٹیک کر بیٹھتے ہیں۔ کمرے کے چاروں طرف زمین سے ۶ فٹ اونچے طرح طرح کے محراب ہوتے ہیں۔ ان میں چینی کے پھول دان اور پھولوں کے گملے رکھے ہوتے ہیں۔ چھت سنہری اور رنگین ہوتی ہے مگر انسان یا جانور کی تصویریں نہیں ہوتیں کیونکہ شرعاً ممنوع ہیں۔"

غذا کے متعلق بھی ہمارا خیال ہے کہ پھل کھانے اور پھلوں کے فوائد ہم نے انگریزوں سے سیکھے ہیں۔ رسالوں کے مضمونوں میں ہمیشہ پھل کھانے کی تاکید ہوتی ہے اور انگریزوں کا حوالہ دیا جاتا ہے کہ دیکھئے وہ لوگ پھل کس قدر کھاتے ہیں اور ہم لوگوں میں اس کا رواج نہیں ہمیں معلوم ہی نہیں کہ کبھی وہ زمانہ بھی تھا کہ پھلوں سے ہمارے دسترخوان کبھی خالی رہتے ہی نہ تھے۔ اعلیٰ سے اعلیٰ اور قیمتی سے پھل کھانے کھلائے جاتے تھے اس کے متعلق بھی برنیر کی زبانی سنیئے :-

"پھلوں کا ایک بازار ہے جو بہت شاندار ہے۔ اس میں متعدد دکانیں ہیں جن میں گرمیوں کے موسم میں بلخ، بخارا، سمرقند کے میوہ جات مثلاً بادام۔ پستے۔ اخروٹ خوبانی چلغوزے اور آلو بخارے کثرت سے ملتے ہیں اور جاڑوں میں ان ہی ملکوں سے آئے ہوئے تازے انگور سیاہ اور سفید روئی میں لپٹے ہوئے۔ کئی کئی قسم کے سیب اور ناشپاتیاں انار ہوتے ہیں اور اعلیٰ درجے کے خربوزے ہوتے ہیں اور یہ پھل بہت مہنگے ہوتے ہیں۔ ایک خربوزے کی قیمت ڈھائی روپے سے کم نہیں ہوتی۔ لیکن یہ بہت

پسند کیا جاتا ہے اور امیروں کے خرچ کی یہ ایک مستقل رقم ہے۔ مثلاً میرے آغا رجن کے یہاں برنیر مہمان تھا) صبح کے ناشتہ کے لئے پھل کم سے کم بیس روپیہ کے خریدتے ہیں"۔

مکان کس وضع کے ہوتے تھے یہ بھی سن لیجئے:۔

"اس ملک میں اچھا مکان وہ سمجھا جاتا ہے جو کشادہ اور ہوادار ہو۔ ایک اچھے مکان میں متعدد صحن ہوتے ہیں۔ باغ ہوتے ہیں درخت تالاب ہوتے ہیں اور کمروں کے اندر بھی چھوٹے چھوٹے فوارے ہوتے ہیں۔ کشادہ خوبصورت اور سجے ہوئے تہ خانے ہوتے ہیں جن میں بڑے بڑے پنکھے لگے ہوتے ہیں جن میں ۱۲ سے ۴ بجے تک آرام کیا جاتا ہے جب کہ سخت گرمی پڑتی ہو بعض لوگ تہ خانوں کی بجائے خس خانوں کو زیادہ پسند کرتے ہیں (یہاں خس خانے کی تفصیل ہے) مکان وہ اچھا سمجھا جاتا ہو جو ایک وسیع پھولوں کے باغ میں ہو۔ جن میں چار پانچ بڑے بڑے کمرے ہوں اور جن میں ہر طرف سے ہوا آتی ہو۔ کوئی ایسا مکان نہیں جس کی چھت نہ ہو جس پر رات کو لوگ سویا کرتے ہیں۔ یہ چھت خوابگاہ سے ملحق ہوتی ہے۔ تاکہ بارش یا طوفان صبح کی خنک ہوا۔ یا اوس سے بچنے کے لئے پلنگ بآسانی اندر کرلئے جائیں"۔

لباس کس قدر نفیس ہوتا تھا اور کس کس اہتمام سے تیار کیا جاتا تھا اس کا اندازہ برنیر کے بیان سے ہوتا ہے وہ کہتا ہے کہ:۔

"بیگمات جس ململ کا استعمال کرتی تھیں وہ اس قدر نازک ہوتی تھی کہ ایک رات میں پھٹ جاتی تھی۔ کمخواب اطلس اور زربفت امیروں کے روزانہ لباس کا کپڑا تھا اور گھر پر لباس تیار کرایا جاتا تھا"۔

ان باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہماری معاشرت کا معیار کس قدر اونچا تھا اور اب کتنا گر گیا ہے جس کی وجہ ہمارا افلاس ہے۔ یہ تو خیر معاشرت کے متعلق غلط فہمیاں تھیں۔ اس سے بڑھ کر غلط فہمی مسلمانوں کے مذہبی رواداری کے متعلق ہندوؤں کو اور خود مسلمانوں کو ہے۔ برنیر جو ایک بہت ہی متعصب عیسائی تھا اور جسے اسلام سے سخت بغض تھا وہ اپنے خطوں میں اسلامی رواداری کا ذکر کرنے پر مجبور ہے۔ اور یہ ذکر چونکہ ضمناً اور غیر ارادی طور پر ہے اس لئے اہمیت رکھتا ہے وہ ستی کا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ "کس قدر ظالمانہ اور وحشیانہ رسم تھی"۔ اور اس کے بعد کہتا ہے کہ "مسلمان بادشاہوں نے وقتاً فوقتاً کوشش کی کہ یہ رسم کسی طرح سے بند کردی جائے لیکن چونکہ وہ ہندوؤں کے مذہبی معاملات میں دخل دینا پسند نہیں کرتے تھے اور ان کی پالیسی مذہبی آزادی کی ایسی ہے کہ وہ اس رسم کو جبراً بند نہ کرسکے"۔

یہ اس بادشاہ کے عہد میں لکھا جارہا ہے جس کو الزام دیا جاتا ہے کہ وہ ہندوؤں کا دشمن تھا۔ ہندوؤں کو کتنی مذہبی آزادی حاصل تھی اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ برنیر نے ان کو اپنے تمام مذہبی فرائض آزادانہ اور بغیر روک ٹوک ادا کرتے دیکھا۔ برنیر نے اورنگ زیب کے عہد کے ہندوستان کا حال لکھ دیا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب یورپ میں ایک ہی مذہب کے ایک ہی فرقہ کے لوگ دوسرے پر سخت ظلم کرتے تھے۔ آئرلینڈ کے کیتھولکس کو کیتھولک ہونے کے جرم میں ان کی جائداد تک سے محروم کیا جاتا تھا۔ وہ حکومت میں حصہ لینے سے معذور تھے۔ لیکن ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت میں ہندو اس قسم کی قیود سے قطعی آزاد تھے۔ کیتھولک فرقہ والوں کو پراٹسٹنٹ آزادی سے عبادت کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ لیکن اسلامی حکومت میں ہندو گہن اور دوسرے مذہبی تہواروں کے موقعوں پر جوق در جوق جمع ہوتے تھے۔ اور اپنے مذہبی فرائض ادا کرتے تھے۔ اور ان پر کوئی پابندی نہ تھی۔ برنیر نے ایک گہن کے موقعہ کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں وہ کہتا ہے کہ:۔

"مغل بادشاہ اگرچہ مسلمان ہے لیکن اس رسم کے ادا کرنے کی اس کی طرف سے اجازت ہے کیونکہ وہ نہیں چاہتا یا شاید اتنی ہمت نہیں کرتا کہ ہندوؤں کے آزادانہ طور سے ان کے مذہبی فرائض ادا کرنے میں دخل دے۔

مسلمانوں کی آزاد خیالی صرف رواداری پر ہی منحصر نہ تھی وہ ہندو فلسفہ کی عزت کرتے اور ان سے واقفیت بھی رکھتے تھے۔ برنیر کہتا ہے کہ:۔

"آغا جس کے یہاں وہ مہمان ہے سنسکرت سے بہت دلچسپی رکھتا تھا اور اس نے برنیر کی معلومات کے لئے متعدد پرانی سنسکرت کی کتابیں حاصل کی تھیں۔ لیکن ایک کتاب ایسی تھی جو برنیر حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن باوجود کوشش کے آغا اس کے لئے وہ حاصل نہ کر سکا کیونکہ آغا کے ہندو پنڈت نے اس کے دینے سے انکار کیا اور آغا اس پر جبر نہ کر سکتا تھا"۔

برنیر نے اورنگ زیب کے عہد کی سیاسی حالتیں لکھی ہیں جو بہت دلچسپ ہیں اور اس زمانہ کی تاریخ پر کافی روشنی ڈالتی ہیں۔ شاہ جہاں کے چاروں بیٹوں کی باہمی جنگ کا حال اس نے بڑی تفصیل سے لکھا ہے:۔

"اس خانہ جنگی میں اورنگ زیب کچھ اچھے رنگ میں نظر نہیں آتا۔ دارا شکوہ کے پر حسرت انجام پر بہت افسوس ہوتا ہے اور اس زمانے کے قریب اور وفاداری کی ایک جھلک نظر آتی ہے"

برنیر نے جو کچھ لکھا ہے وہ ایک مورخ کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک سیاح کی حیثیت سے سنی سنائی باتوں پر اس کی معلومات کا انحصار ہے اس لئے یہ رائے صحیح نہ ہو گی کہ اس نے جو کچھ لکھا سب واقعات ہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ جو کچھ اس نے لکھا ہے اس سے اس زمانہ کا بہت کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔ مسلمانوں کی مذہبی استقامت کا بھی وہ ذکر کرتا ہے اور تعریفاً نہیں تو کنایتاً اس لئے زیادہ قابل اعتبار ہے۔ وہ جس پر پیس کو خط لکھ رہا ہے اس کو جواباً لکھتا ہے کہ "جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے عیسائی مشنری ان کا کچھ نہیں کر سکتے دس ہزار برس بھی کوشش کریں تو مسلمانوں کو عیسائی نہیں بنا سکیں گے"۔ یہ برنیر کے اپنے الفاظ ہیں وہ کہتا ہے۔

"میں خاص کر مسلمانوں کی طرف سے بالکل مایوس ہوں۔ میں نے تقریباً ہر ایک مشنری جگہ دیکھی ہے اور میں تجربہ سے کہتا ہوں کہ ہندوؤں کو عیسائی بنانے میں جو کامیابی ہو تو ہو لیکن دس برس میں بھی ایک مسلمان عیسائی نہ بن سکے گا"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد گذشتہ میں ہماری مذہبی استقامت فنا نہیں ہوئی تھی۔ برنیر کہتا ہے کہ "اگرچہ مسلمان حضرت عیسیٰؑ اور بی بی مریمؑ کی عزت کرتے ہیں۔ لیکن وہ اپنے مذہب سے ہٹنے والے نہیں"۔

اگرچہ امیر اور رئیس بہت خوشحال تھے لیکن غریب اس زمانے میں بھی بہت ہی خستہ حال اور امیروں کے لئے مشق ستم بنے ہوئے تھے۔ برنیر نے جگہ جگہ یہ بات لکھی ہے کہ غریبوں کی حالت اچھی نہیں وہ امیروں کے رحم پر جیتے ہیں۔ اگر زمیندار یا وہ امیر جس کے ہاں غریب ملازم ہے اچھا ہوا تو اس کی قسمت۔ ورنہ اس کے ظلم کے خلاف غریبوں کے پاس کوئی حربہ نہ تھا۔ حکومت کی طرف سے لوگ فریاد سننے آیا کرتے تھے۔ لیکن ان تک فریاد پہنچنے نہ پاتی تھی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ باوجود اتنے دولت و ثروت کے حکومت قائم نہ رہ سکی کیونکہ حکومت کی بنیاد غریبوں کی خوشحالی ہے اور بنیاد ہی مضبوط نہ رہی تھی۔ بہرحال برنیر کا سفرنامہ نہایت ہی دلچسپ کتاب ہے اور آج سے ڈھائی سو سال پہلے کے ہندوستان کی ایک جھلک دکھائی دیتی ہے۔ اس کو پڑھ کر احساس ہوتا ہے کہ ہم کتنے بدل گئے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ یہ کہ ہم کتنے کم بدلے ہیں۔ اگر برنیر کی کتاب سے ہندوستان کا لفظ ہٹا دیا جائے اور پھر وہ کتاب پڑھنے کو دی جائے تو پڑھنے والے کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ ہندوستان کی حالت لکھی گئی ہے۔

شائستہ اختر سہروردی

خودداری

یوں تو انسان مختلف جذبات کا مجموعہ ہے، لیکن جس میں خودداری کا جذبہ ہوتا ہے وہ ہمیشہ ہر جگہ سر بلند رہتا ہے۔ خودداری کے معنی ہیں اپنی عزت اپنے وقار اور اپنے اعزاز کو قائم رکھنا اور غرور کے معنی گھمنڈ، تکبر اور ایسی حالت کے ہیں جہاں پہونچکر آدمی اپنے تئیں شرف الانسان محسوس کر کے شیطان کا مجسمہ بن جاتا ہے، اور اپنے روبرو سب کو ذلیل و حقیر سمجھنے لگتا ہے۔ اگرچہ دونوں جذبوں کے معنی و مفہوم میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ تاہم دونوں کی حدیں ملتی ہوئی ہیں۔ اس لئے ایک خوددار کو اپنے اس جذبہ کا تجزیہ ہر وقت کرتے رہنا چاہیئے۔

خودداری وہ جوہر ہے جو آدمی کو انسان بنا دیتا ہے۔ یہ اشرف و اعلیٰ جذبہ کسی کے روبرو سرنگوں نہیں ہونے دیتا۔ طمع و حرص کے سنہری و روپہلی جال میں کبھی نہیں پھنسنے دیتا۔ اور افلاس کی حالت میں دستِ سوال دراز کرنے سے باز رکھتا ہے۔

ایک خوددار طالب علم اپنی جماعت میں سر بلند رہتا ہے، ایک خوددار شاعر کبھی کسی کی شان میں مبالغہ آمیز قصیدہ نہیں کہہ سکتا۔ ایک خوددار سپاہی اپنے سپہ سالار کا کبھی کوئی غیر معقول حکم نہیں مان سکتا۔ اور ایک خوددار لیڈر اپنی قوم کے ساتھ کبھی کسی حال میں غداری نہیں کر سکتا۔ اس جذبہ کا حامل جان و مال سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ اس میں رحم و کرم عدل و انصاف اور جرأت کا مادہ بدرجہ اتم ہوتا ہے اور بلاوجہ کسی بڑے آدمی کی ہاں میں ہاں نہیں ملاتا۔ سچائی اور صاف گوئی کا پابند ہوتا ہے۔ آبروریزی کے بدلے آبِ حیات کو بھی ٹھکرا دیتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بدرجہا بہتر ہے۔ افلاس و مفلسی کی حالت میں یہ اپنے اس جذبہ کا احترام حاتم کی سخاوت رستم کی طاقت اور لقمان کی حکمت سے بھی زیادہ کرنے لگتا ہے، بشرطیکہ وہ اس کا اہل ہو۔

یہ جذبہ اکثر فطری ہوتا ہے، اور اپنے اوپر اعتماد و بھروسہ کرنے سے بدرجہ اتم ہو جاتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ خود اعتمادی ہی کا دوسرا نام خودداری ہے۔ ایک خوددار کبھی کسی کا محتاج و غلام نہیں ہو سکتا، کبھی کسی سے توقعات قائم کر کے تکلیف میں نہیں پڑتا۔ یہ ذلت کے عیش پر ہمیشہ تکلیف و مصیبت کو ترجیح دیتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ذرائع و وسائل اختیار کئے بغیر دنیا کا کاروبار نہیں چل سکتا، لیکن اس حال میں بھی یہ حسن خودداری کو نہیں بھولتا۔ افلاس کی حالت میں بڑے سے بڑا انسان ڈگمگا جاتا ہے، پست ہمتی اور بزدلی مایوسی دنیا کی ہم، اس کے اعضا کو مضمحل و کمزور کرتی رہتی ہے لیکن باوجود اس کے یہ ان تمام بلاؤں اور ان تمام آفتوں سے محفوظ رہتا ہے۔ وہ ہمیشہ اندر ایک سکون و آسودگی محسوس کرتا ہے۔

لیکن افسوس کہ یہ شریفانہ و محترم جذبہ ہندوستان سے مفقود ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اور اگر کہیں پایا بھی جاتا ہے تو دبا ہوا مرجھایا ہوا سسکتا ہوا اور دم توڑتا ہوا۔ اس کا سبب ملک کا ناموافق ماحول ہے۔ اور اس کی ذمہ داری والدین اور سوسائٹی پر ہے۔ سکولوں اور کالجوں کی درسگاہیں بھی جو نصابِ تعلیم کے ناخدا ہیں۔

حکومت کو اس طرف توجہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ والدین بچے کے پیدا ہوتے ہی اس کے ترقی پذیر دماغ کو طرح طرح کے خوف دلا کر ڈراونے قصے اور کہانیاں سنا سنا کر بزدل سے بزدل ترین بنا دیتے ہیں۔ سوسائٹی بداخلاق ہے، اور درسگاہوں کے ذمہ دار افراد اس سے خالی الذہن۔ رفتہ رفتہ اس جذبہ کا فقدان اس درجہ پہونچا ہے، جو وسیع ترین غار سے گہرا اور شب تاریک سے

زیادہ سیاہ ہے۔ اور یہاں کی مخلوق کو آنکھوں میں آنکھ سے تو کیا اپنی ایجاد کردہ اُس نئی خوردبین سے بھی دیکھیں جو چاند کی آبادی کو دیکھ سکتی ہیں، سورج کے آتشیں دریاؤں کو دیکھ سکتی ہیں، مشتری کی مخلوق، اور زہرہ و مریخ کی جاندار آبادی کو بھی دیکھ سکتی ہیں۔ تو ہندوستان کی آبادی کو وہ نہیں دیکھ سکتیں۔ وہ تو وہ اب اگر ہم بھی اپنے آپکو دیکھنا چاہیں تو نہیں دیکھ سکتے کہ ہم کون ہیں؟ کیا ہیں؟ کہاں ہیں؟ غالب نے شاید یہ شعر ایسی ہی حالت کے لئے کہا تھا کہ

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی   کچھ ہماری خبر نہیں آتی

خودداری، دولت و ثروت اور خطاب ملنے سے نہیں آتی، گہوارہ میں نہیں ڈھلتی ہے۔ اور نہ دیبا و حریر میں ملفوف رہتی ہے بلکہ یہ تو جوع و عطش کی بےچینی سے پیدا ہوکر روئے کار آتی ہے۔ بشرطیکہ اس حال میں انسان کے دماغ کا توازن قایم رہ سکے۔ اگرچہ توازن قایم رہنا آسان نہیں ہے، بلکہ اس کے حاصل کرنے کے لئے روحانی تکلیف واذیت ہوتی ہے، لیکن جو شخص، جو خاندان اور جو قوم اس منزل کو عبور کر جاتی ہے، وہی اس زمین پر سرفرازی و سربلندی حاصل کرلیتی ہے۔ اور یہ اُسی حال میں ہوتا ہے جبکہ فطرت کی طرف سے اس کو اس نوع کا جذبہ عطا کیا گیا ہو۔ اور اگر کہیں یہ اکتسابی بھی ہوتا ہے تو اپنی شان قائم رکھنے میں اور انسانیت نوازی کے باب میں نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔

میرے نزدیک جس میں خودداری کا جذبہ نہیں، وہ انسانیت کے جذبہ سے گرا ہوا ہے، اور اسی کے لئے غالب نے کہا ہے کہ ع

آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

اکثر و بیشتر کیا روزانہ دیکھا جاتا ہے کہ جب آدمی کسی معمولی حالت سے کسی ممتاز عہدے یا درجے پر پہونچتا ہے تو اس کا دماغ بالکل ایک نشہ باز کی طرح ہوجاتا ہے۔ یہ عہدہ یا درجہ خواہ عالمانہ حیثیت کا ہو، رہنمایانہ ہو، حاکمانہ ہو یا مالی ہو، انسان کے دماغ کا پارہ حقیقتاً چڑھ جاتا ہے اور حاکمانہ حیثیت میں تو یقیناً بلا شک و شبہ اس میں پندار و غرور پیدا ہوجاتا ہے اور اس لئے وہ اپنے تئیں مافوقِ بشر سمجھنے لگتا ہے۔

وہ اپنی معمولی حالت کے عجز و انکسار، رواداری و خودداری کو بھول جاتا ہے اور اسی طرح فراموش کردیتا ہے گویا کبھی اس پر عامیانہ دور گذرا ہی نہیں تھا۔ اس کی دنیا ہی بدل جاتی ہے۔ اس کو عوام سے کوئی دور کا واسطہ بھی نہیں ہوتا، یہاں تک کہ اپنے غریب و مفلس عزیز و اقارب کو چھوڑ اور عزیزترین دوستوں سے منہ موڑ لیتا ہے اس کی نگاہ میں عزت ہے ان کی جن کے ہاتھ میں طاقت ہو، دولت ہے، اور قانون، اس لئے ان کا ساتھ دینے میں نجات ہے۔ وہ اسی گروہ کی آنکھ سے دیکھتا ہے۔ اسی کے کانوں سے سُنتا ہے اور اسی کے دماغ سے سوچتا ہے۔ ایسی حالت میں خوداعتمادی و خودداری کو اعتباری باتیں سمجھ کر ٹھکرا دیتا ہے۔ محکومانہ حالت کیوجہ سے ہندوستان میں یہ وبا متعدی مرض کی طرح برابر پھیلتی جارہی ہے۔ لیکن تعلیم یافتہ گروہ بھی نہیں سمجھتا کہ یہ مرض تپ دق، طاعون، اور کالرے کا حکم رکھتا ہے کسی معمولی سے معمولی مرض سے غفلت کرنا اپنے تئیں ہلاکت کی طرف لے جانا ہے۔

ہم نے خودداری کو معمولی بات سمجھ کر ٹھکرا دیا۔ ہم خودداری سے اتنی دور ہوگئے کہ اب ہم اس کا احساس تک نہیں کرسکتے یہی وجہ ہے کہ یورپ بیدار ہے اور ہم خفتہ۔ خودداری کی تعلیم مردوں کے لئے مفید ہے اور عورتوں کے لئے مفیدترین۔

امام اکبر آبادی

میری عزیز بہنوں

اے میری پیاری بہنو خواب گراں سے جاگو
آنکھوں کو اپنی کھولو دُنیا کا رنگ دیکھو
بہنو یہ میٹھی نیندیں سونے کے دن نہیں ہیں
کرنے ہیں کام لاکھوں۔ اس کو ذرا تو سوچو
کچھ وقت کی خبر ہے کب تک پڑی رہو گی
بستر کو اب تو چھوڑو۔ یوں کروٹیں نہ بدلو

جاگے ہیں بعض ہم میں اور کتنے سو رہے ہیں
جاگے جو ہیں وہ بیٹھے سوتوں کو رو رہے ہیں
افسوس وقت کو ہم یوں کر رہے ہیں ضائع
ساتھی جو تھے مقابل منزل کے ہو رہے ہیں
میں بحرِ ارتقا میں اغیا ذربدامان
ہم ہیں کہ پاس جو ہے وہ بھی ڈبو رہے ہیں

ہیں غیر آسمانِ رفعت پہ آج تاباں
اور ہم ہیں قعرِ پستی میں وائے زار و نالاں
گلزارِ قوم اپنا وقفِ خزاں ہے کب سے
اغیار کی فضا میں ہر دم ہے باد و باراں
افسوس بدنصیبی ۔ ہیہات نامرادی
سینہ ہو کیوں نہ بریاں آنکھیں ہوں کیوں نہ گریاں

اے بہنو! کیوں ہماری ہے یہ زبون حالت؟
چھایا ہے کیوں ہمارے مطلع پہ ابرِ نکبت ؟
راحت کی بدلیاں کیوں ہم پر نہیں برستیں ؟
ڈھل جائیں جس سے یکسر گرد و غبارِ کلفت !
کیوں ہے ہماری شمعِ ہستی چراغِ سحری ؟
گلشن پہ اپنے کیوں ہے بادِ خزاں کی آفت ؟

جتنے ہیں آسمانِ رفعت پہ آج تاباں !
ہیں بحرِ ارتقا میں جتنے گہر بداماں
ہے فرد فرد ان کا تعلیم کا فدائی
ہے علم ان کی خواہش ہے علم انکا ارماں
ہے علم مال ان کا ۔ ہے علم ان کی دولت
ہے علم ان کی پونجی۔ ہے علم ان کا ساماں

بہنو تمہاری آنکھیں ہوتیں جو آج بینا
علم و عمل کا سُرمہ ان میں لگا جو ہوتا
اور آج گوش شنوا ہوتا تمہیں جو حاصل
کس چیز کی کمی تھی کس بات کا تھا رونا؟

اب بھی جو جاگ جاؤ تو ہے بس غنیمت　　فضل خدا سے اب بھی ممکن ہے کام بننا

گر آسماں نصیحت یہ ہے تمہیں جتانا　　گر چاہتی ہو باغ اسلام میں تم لہکنا
بزم جہاں میں عسرت کی تم اگر ہو خواہاں　　اک بات میں کہوں گا ۔ مانو جو میرا کہنا
پورا گناہ سمجھو ۔ پورا عذاب سمجھو !
محروم علم رہنا ۔ مصروف جہل رہنا !!

آسی رام نگری

تتلی

روش فضا پر تیرتی ہوئی حسین تتلی "کسی جذبہ بے اختیار سے چکر کاٹ رہی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے نسیم سحر کے دل نواز راگ سننے کا اشتیاق اسے چین نہیں لینے دیتا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

یا خوش رنگ پھولوں کی نامعلوم خوشبو کی تلاش بے قرار کر رہی ہے ۔ ۔ ۔ یا شاید عالم تصور میں دیتائے بہار کا راز حل کرنا چاہتی ہو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

فرط شوق سے جھلملاتی ہوئی کلی کلی اور روش روش اڑتی تتلی ایسی معلوم ہو رہی ہے جیسے سنہرے لباس میں ملبوس پری کائنات کو اپنے رقص سے محظوظ کر رہی ہو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

سہیمن چمکدار پروں اور بے ضرر معصوم آرزوؤں والی تتلی کو دیکھ کر بعض اوقات مجھے یہ احساس ہوتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ جیسے جنت کی رنگینیوں سے تخلیق شدہ ۔ کوئی مقدس روح مصروف گلگشت چمن ہو ۔ ۔ ۔

اللہ محمودہ رضویہ کراچی

۲۰ مئی کو بنات دہلی کا کہانی نمبر شائع ہوگا ۔　　منیجر

تلک لگانا

شرم تلک کا مرض ایک وبا کی طرح مسلمان بہنوں میں پھیل رہا ہے ۔ آجکل جہاں دیگر نت نئے فیشن ایجاد ہو رہے ہیں وہاں تلک بھی نمایاں نظر آتا ہے اور محض خوبصورتی کے لئے لگایا جاتا ہے ۔ مگر اسلام ہمیں اس امر کی ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ ہم دوسری اقوام کی تقلید کر کے نہ صرف نقال کہلائیں بلکہ اپنے اسلامی امتیاز بھی کھو دیں ۔ ذرا تصور کیجئے اگر ہمیں کسی ایسی مجلس یا پارٹی میں شریک ہونا پڑے جہیں ہندو بہناں بھی شریک ہیں اور ان کے ساتھ مسلمان بہنوں کا تلک بھی اپنی نمایاں شان دکھا رہا ہو اس وقت ایک تیسرا شخص کیا امتیاز کر سکتا ہے کہ کونسی مسلم عورت ہے ۔ فرض کیجئے اس حالت میں ایک ہندو بہن آپکو اپنا ہم مذہب سمجھ کر کہتے کہیں تو اس وقت آپ کیا جواب دیگی کہ بہن معاف کیجئے میں ہندو نہیں "اس کے جواب میں کہیں" میں نہیں سمجھ سکی کہ آپ مسلمان ہیں " میں تو نہیں سمجھ سکتی کہ کوئی غیرت مند مسلمان بہن اس طرح کا بھر فقرہ پر شرمندہ نہ ہوں ۔ کس قدر افسوسناک امر ہے کہ ہم اپنے طریق مذہب کو بھلا دیں ۔ بس ہمیں اسلامی حدود کے اندر رہتے ہوئے اپنی زندگی بسر کرنی چاہیئے ۔ سچ تو یہ ہے کہ ہمارا سنگھار شرافت ہے اور تلک حیا ہے نہ وہ جو دوسری قومیں ماتھے پر لگاتی ہیں ۔

ام حمیدہ بیگم

ماہرین نفسیات نے سائیکلو انالیسس (Psychoanalysis) کے انکشافات کے ذریعہ انسانی فطرت پر جو بسیط روشنی ڈالی ہے اس کے ذریعہ گو یہ درست ہے کہ بہت سے قدیمی قائم کردہ نظریوں کو بدلنا پڑا ہے۔ مگر اس کے باوجود بعض وجوہ ایسی بھی ہیں جن پر ایک خاص رائے قائم کرکے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ فلاں امر کی وجہ سے۔ فلاں واقعہ کا ظہور پذیر ہونا لازمی ہے۔ مثلاً سیڈیزم کے متعلق یہ خیال کہ ان ہی لوگوں کو دوسروں پر ظلم کرنے یا ایذا رسانی کا ذوق ہوتا ہے جن کو عام حالات میں وہ کامیابی اور ترقی حاصل نہ ہو سکی جس کے وہ طالب تھے۔ یا جس پر کسی نے ظلم و جبر کیا تھا اور اب وہ موقع پاتے ہی کسر نکالنے پر تُل جاتے ہیں۔

سیڈیزم دراصل ایک اعصابی مرض ہے جو اکثر اوقات گھر کی ناخوش آیند اور ساکت فضا کی وجہ سے بدرجہ اتم ہمارے طبائع پر غالب ہو جاتا ہے۔ اور ہندوستانی گھروں میں عام طور پر پابندی سے ایسی سنجیدہ خاموش اور غم پسند زندگی بسر کرنے کی عورتوں کو تعلیم دی جاتی ہے کہ وہ ان کی فطرتِ ثانی بن جاتی ہے۔ مثال کے طور پر لیجئے کہ جہاں بچیاں دس بارہ سال کی ہوئیں اُن پر پابندیاں عائد کر دی گئیں۔ اب وہ اپنے ہم عمر لڑکوں کے ساتھ مِل جُل کر نہیں کھیل سکتیں۔ ذرا سی دوڑ دھوپ پر بے شعور، بے ڈھنگی وغیرہ کے خطابات دئے جاتے ہیں۔ خواہ لڑکے کیسی ہی شوخیاں کریں۔ گھر کی ساری چیزوں کو اُلٹ پُلٹ کر رکھ دیں۔ یا ان سے کھیل کر قیمتی چیزوں کا نقصان کر دیں مگر انہیں کوئی عیب جوئی کی نگاہ سے نہیں دیکھتا اور نہ ان حرکات کو ناشائستہ قرار دیتے ہیں۔ برخلاف اس کے اگر لڑکیوں نے زور سے قہقہہ لگایا یا ہم عمر چھوٹے بھائیوں کے ساتھ گیند کھیلنے میں شریک ہو گئیں۔ یا بھائیوں کی سائیکل پر چڑھنے کی مشق کی تو فوراً بُری طرح اُنہیں ڈانٹ پلا دی جاتی ہے۔ جس سے اُن کی اُمنگیں بالکل مردہ ہو جاتی ہیں۔ اب بتلایئے وہ غمگین پسند نہ ہوں گی تو اور کیا ہوں گی۔ رفتہ رفتہ یہی غمگین پسندی ان کی فطرت ثانی بن جاتی ہے۔ جس سے نہ صرف ان کی صحت و طبائع پر بُرا اثر پڑتا ہے بلکہ وہ قبل از وقت بوڑھی ہو جاتی ہیں۔

ہماری ہندوستانی ذہنیت ہمیشہ اس امر کی متقاضی ہے کہ جہاں تک بنے ہم غیر معمولی متانت پسند انتہائی سنجیدہ اور درد و غم میں ڈوبی ہوئی نظر آئیں۔ شاید اس لئے کہ دُنیا دار المحن ہے یا اس لئے کہ اُنہیں وہ درجہ حاصل نہیں تھا جو مردوں کو حاصل ہے۔ لیکن یہ یقین کر لینا صحیح نہیں کہ دوسروں کو تکلیف پہونچانے میں سیڈیسٹ Sadist کو مسرت اس وجہ سے حاصل ہوتی ہے کہ وہ اپنی قوت اور دبدبہ کا مظاہرہ جب ماتحتوں اور چپراسیوں پر کرنے کی وسعت نہیں رکھتے تو اپنی بیوی اور بچوں پر ہی رعب جما کر دل کی بھڑاس نکال لیتے ہیں۔ بعض اوقات امیر کبیر اور کامیاب

فیملی میں دیکھا گیا ہے کہ مرد اپنی دولت اور اختیارات کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے بیوی اور بچوں پر بیجا روک ٹوک جاری رکھتے ہیں۔ کسی امر میں انہیں خوشی کا اظہار کرتے دیکھا نہیں جاتا۔ ہر وقت وہ ناک بھوں بڑھاتے دکھائی دیتے ہیں گویا یہ بھی ان کی مرفہ الحالی اور تمول کا امتیازی نشان ہے۔ بلکہ ان کی نسبت درمیانی حیثیت کے اکثر گھرانوں میں دیکھا گیا ہے کہ میاں بیوی گھر کے کاموں اور بچوں کی نگہداشت اور تربیت میں ایک دوسرے کے معاون ہوتے ہیں۔ اور اپنی کم بضاعتی کی تلافی میں ہر امکانی امداد کے ذرائع بہم پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ انہیں اپنی مجبوریوں کا احساس ہوتا ہے اور انہیں خواہ مخواہ حکومت کرنے کا شوق سوار نہیں ہوتا۔ اور وہ گھر مسرت سے مالامال ہوتے ہیں۔ لڑکوں اور لڑکیوں کی تربیت میں ابتدا ہی سے یہ فرق رکھا جاتا ہے کہ لڑکے صرف کھیلیں کودیں اور اپنا دل بہلائیں اور لڑکیاں بیچاریاں ابتدا ہی سے بڑی بوڑھی بن کر ان کی تابع فرمانبردار رہیں اور خانہ داری کی جھنجھٹوں کو انجام دیتی رہیں۔ بس اس انتہائی غیر منصفانہ تقسیم عمل اور روزمرہ کے برتاؤ سے لڑکوں میں جو نسل آئندہ کے باپ ہونے والے ہیں استبدادیت کا رنگ چڑھ جاتا ہے۔ اور لڑکیوں میں Inferiority complex یعنی احساس کمتری کا غلبہ کچھ ایسا زور دار ہوتا ہے کہ وہ بیجا دباؤ کو خواہ وہ باپ شوہر یا بیٹے اور بھائی کی طرف سے ہو بطیب خاطر برداشت کرلیتی ہیں۔ جس سے واقعی ان کے مظالم یا حکومت کے زعم میں ترقی ہوتی جاتی ہے۔ اور اسی طرح نسلاً بعد نسلاً ان ہر دو اصناف کا طبعی رجحان ناخوش آیند اور غیر منصفانہ ہوتے ہوتے بد سے بدتر ہوتا جا رہا ہے اور اصلاح کی کوئی صورت نہیں نکالی جاتی۔ اگر آج اسلامی مساوات کو بروئے کار لایا جائے اور لڑکوں لڑکیوں کی تربیت رکھ رکھاؤ اور تعلیم میں یکسانیت قائم کی جائے تو ہندوستان سے یہ منحوس روگ دفع ہو سکتا ہے۔

مگر مدتوں کی پڑی ہوئی عادت کو بدلنا دشوار گذار مرحلہ ہے۔ اور اس کو طے کرنے میں ضرور تھوڑی بہت تلخ کامیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس کے مقابلہ کے لئے اگر ہندوستانی بہنیں تیار ہو جائیں تو یہ نفسیاتی نقص ہم سے دور ہو سکتا ہے۔

جمیلہ بیگم۔ کلکتہ

باقی صفحہ ۲۱۹ کا

عقیدت کو عین اسلام سمجھتے ہیں۔ دوسروں کو ڈرایا جاتا ہے کہ غوث اعظم کی شان میں بے ادبی کی تو جل جاؤ گے۔ اس قسم کے لوگوں کے خیالات کی اصلاح تو بہت ہی مشکل ہے لیکن دل چاہتا ہے کم از کم نئی پود ہی سنبھل جائے جاہل گھرانوں کی تربیت میں تباہ ہوئی جا رہی ہے۔ اس مقصد کے موافق اور مخالف ہر خیال کے لوگوں کے مضامین کثیر تعداد میں شائع کئے جائیں تاکہ ان کے سامنے معاملہ کے دونوں رخ آجائیں اور دونوں کے دلائل سامنے رکھ کر اس کے بعد وہ کیجئے جس کی عقل رہبری کرے۔

دُردانہ

گیارھویں

یازدہم شریف یا گیارھویں ہندوستان کا بہت مقبول تہوار ہے اگرچہ ہندوستان میں سیکڑوں درگاہیں اور ان کے عقیدت مند بھی ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں خصوصاً حضرت خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ حضرت نظام الدین اولیا پیران کلیر وغیرہ سے عقیدت رکھنے والے تو بلا مبالغہ لاکھوں سے بھی متجاوز ہوں گے۔ مگر پھر بھی جو ہمہ گیر مقبولیت اور بے پایاں عقیدت بغداد کے اس بطلِ اعظم کے حصہ میں آئی ہے وہ صرف ان ہی کے لئے مخصوص ہے اور لطف یہ ہے کہ ان کے عقیدت مندوں میں مسلمانوں سے زیادہ ہندو شریک ہیں اور ان میں وہ ہر ایک چیز پر قادر دیوتا کی طرح مانے جاتے ہیں ہندوؤں کا ایسا سمجھنا تو خیر کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ "ہیرو ورشپ" ہمیشہ سے ان کا شعار رہا ہے۔ لیکن کاش مسلمانوں کی عقیدت اور محبت اعتدال پر قائم رہتی کس قدر رنج کا مقام ہے کہ ایسی زبردست وحدانیت کی حامل قوم اور قبر پرستی درگاہوں کے طواف پیروں ولیوں سے امداد طلبی میں ہندوؤں سے دس قدم آگے ہو مسلمان اپنے بزرگوں سے عقیدت ضرور رکھیں نذر نیاز بے شک کریں لیکن خدا کو خدا سمجھیں اس کے بندوں کو تو اس پر فضیلت نہ دیں یہ ستم ہے کہ یہ کیفیت یہیں تک ہی محدود نہیں بلکہ اچھے خاصے تعلیم یافتہ مذہبی اور مولویانہ خیالات رکھنے یا کم از کم اس کا دعویٰ کرنے والے گھرانوں کی یہ حالت ہے کہ جہاں کوئی مشکل درپیش ہوئی کہ پیروں اور ولیوں کے نام کی پکار شروع ہوگئی۔ چند ہی دن ہوئے میرے رشتہ داروں میں ایک بی بی بیمار ہوگئیں۔ اب سے دور ایک دن تو حالت اس قدر بگڑی کہ سکرات کا عالم معلوم ہونے لگا۔ بس پھر کیا تھا ہر چھوٹے بڑے کی زبان پر بصد خشوع وخضوع کے ساتھ "امدد یا غوث اعظم دستگیر" کا وظیفہ شروع ہوگیا۔ خصوصاً ان کی بڑی لڑکی تو انتہائی عقیدت اور وارفتگی کے عالم میں شجرہ مبارک شب نامہ اور خدا جانے کیا کیا پڑھ کر دم کرتی جاتی تھیں۔ ان کے نزدیک اس شجرہ کو قرآن سے زیادہ درجہ حاصل تھا۔ بار بار پوچھتی تھیں کہ مجھے وضو نہیں ہے اس شجرہ مبارک کو ہاتھ لگا سکتی ہوں۔ اور مجھے زبانی بھی یاد ہے۔ زبان سے پڑھنے میں تو شاید حرج نہ ہوگا۔ اس حالت میں آخر کروں کیا پڑھے بغیر چین بھی نہیں آتا۔ کہیں بے ادبی نہ ہو اللہ معاف کرے۔ ان کے بہن بھائی جہاں کوئی اور بات کرتے وہ فوراً کہتیں کہ "یہ وقت اور کسی بات کا نہیں ہے کہے جاؤ المدد یا غوث اعظم دستگیر" میں دو گھنٹے وہاں ٹھہری لیکن مجھے یاد نہیں کہ اس دوران میں کسی ایک نے بھی خدا سے مدد چاہی ہو۔ ہر دل خشوع وخضوع کے ساتھ غوث اعظم کی طرف متوجہ تھا۔ یہ وہ گھرانہ ہے جہاں کے رہنے والوں کو اپنی مذہبی معلومات اور مسائل دانی پر اس قدر فخر و ناز ہے کہ وہ اس معاملہ میں کسی کو اپنے سے برتر تو کیا برابر سمجھنے کے لئے بھی تیار نہیں۔ اسی خیال کا نتیجہ ہے کہ کسی کا سمجھانا ان کی سمجھ میں نہیں آتا اور وہ اپنی اس (باقی صفحہ ۳۱۸ پر)

ننھّی دھمّا!

جس خاندان میں تین چار پشتوں سے لڑکی پیدا نہ ہوئی ہو وہاں لڑکی کا جس قدر ارمان ہو کم ہے۔ اصغر علی خاں پانچ بیٹوں کے باپ تھے چھوٹا بچہ رشید تین سال کا تھا۔ رشید کے ننھے بھائی کی آمد کے دن قریب آ چکے تھے۔ اور ماں باپ گڑگڑا کر بارگاہ رب العزت میں ایک بچی کے لئے دعائیں مانگ رہے تھے۔

آخر وہ دن بھی آ گیا جب اللہ پاک نے مدتوں کی آرزو پوری کر دی اور ننھی فرحت نے اپنی معصوم کلکاریوں سے ماں باپ کے دلوں کی کلیاں کھلا دیں۔ رضیہ اور اصغر دونوں میاں بیوی بچی کو دیکھ دیکھ کر نہال نہال ہوتے تھے۔ آٹھ دس دن کی بچی کی بدھ ہی کیا۔ لیکن ہاتھوں میں منی منی چوڑیاں اور پاؤں میں ننھے ننھے گھنگرو ڈال دئے گئے۔

اصغر علی کوئی متموّل شخص نہ تھے شکوہ آباد ضلع مین پوری کی کچہری میں ایک معمولی کلرک تھے۔ یہ چھوٹا سا کنبہ ایک کچے مکان میں بسر اوقات کرتا تھا۔ مکان کچا تھا لیکن شہر سے باہر ایک پُرفضا جگہ مکان کے باہر دروازہ پر کنواں بھی تھا۔

خاں صاحب حسب معمول نو بجے کچہری جا چکے تھے بچے بھی اپنی اپنی کتابیں سنبھال کر مدرسے چلے گئے۔ گھر میں چھوٹا بچہ رشید مٹی کے کھلونے بنا رہا تھا اور ننھی فرحت اپنی کھٹولی پہ میٹھی نیند سو رہی تھی۔ رضیہ کوٹھری میں صندوق کھولے بچوں کے کپڑوں کی اُلٹ پلٹ میں مصروف تھی کیونکہ بچی کی سالگرہ میں صرف تین ساڑھے تین مہینے رہ گئے تھے۔ اور دونوں میاں بیوی اُس وقت کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے جب اپنی پیاری فرحت کی سالگرہ پر سو پچاس آدمی جوڑ کر ارمان پورے کریں۔

بچی سوتے میں چونک گئی اور زور زور سے رونا شروع کر دیا۔ رضیہ نے رشید کو آواز دی اور کہا "ننھے ذرا بہن کو بہلاؤ میں صندوق بند کر کے ابھی آتی ہوں"۔ رشید میاں مٹی پھینک کر بھاگے ہوئے گئے اور ننھی بہن کو اُلٹا سیدھا گود میں لٹکا لیا۔ بچی چپ ہو گئی۔ ماں سمجھی کہ رشید نے بہلا لیا ہو گا۔

رشید میاں بہن کو لٹکائے لٹکائے ساری انگنائی میں چکر لگاتے ہوئے دروازے کے باہر نکل آئے سامنے کنواں تھا۔ جوں توں کر کے پتھر پر چڑھے اور ننھی کو کنوئیں میں "دھمّا" کر کے پھر اپنے کھلونے بنانے بیٹھ گئے۔

رضیہ کام سے فارغ ہو کر باہر آئی چاروں طرف دیکھا لیکن بچی کی آواز نہ سُنائی دی۔ البتہ رشید میاں ایک کونے میں بیٹھے مٹی کی گائے اور ٹیڑھی بڑنگی چڑیاں بنا رہے تھے۔

ماں نے پوچھا "ننھے بہن کہاں ہے"؟ رشید میاں نے نہایت اطمینان سے جواب دیا "امّی ننھی تو روئے جا رہی تھی ہم اس کو کنوئیں میں دھما" کر آئے۔ آہا جی اب وہ کیسے نکلے گی"۔

رضیہ کے دل پر بجلی گر پڑی۔ بیچاری سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ آخر بمشکل تمام لڑکھڑاتی ہمسائی کے یہاں پہنچی اور ایک لڑکے کو کنوئیں میں اُتروایا۔ ننھی فرحت نکل آئی ـــــ ماں نے بچی کو دیکھا اور چیخ مار کر بیہوش ہو گئی! رشید میاں تالیاں بجا بجا کر کہہ رہے تھے۔

"آہا جی ہم نے تو ننھی کو سُلا دیا"۔

آمنہ نازلی

سنجیدگی کی حمایت میں

زندہ دلی اور خوش مذاقی کی حمایت میں آپ نے بہت کچھ پڑھا ہوگا ہمیں بتایا جاتا ہے کہ ہنسنا ہنسانا اور بشاش رہنا انسانی زندگی کے لئے کس قدر ضروری ہے۔ ایک زندہ دل اور ہنسنے والا آدمی صرف اپنا ہی وقت اچھی طرح سے نہیں گذار سکتا بلکہ وہ اپنے دوسرے ہم نشینوں کے واسطے بھی ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ جہاں کہیں پہنچ جائے اس کا مسکراتا ہوا چہرہ دیکھ کر اور پُرلطف گفتگو سُن کر رنجیدہ سے رنجیدہ آدمی بھی تھوڑی دیر کے لئے اپنے افکار پریشاں بھول کر سے خوش آمدید کہنے پر آمادہ ہوجاتا ہے اس کی خوش مذاقی ہر دیکھنے والے کو جواباً مسکرانے پر مجبور کردیتی ہے۔ غرضکہ وہ ایک آفتاب ہے جو خود منور رہنے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی روشنی پہنچاتا ہے۔

مندرجہ بالا قسم کے لوگ سوسائٹی میں صرف چند ہی ہوتے ہیں اس کے برعکس ان لوگوں کی کثرت ہے جن کے مغموم اور سنجیدہ چہرے اور خشک گفتگو ان کے اس نظریہ کی آئینہ دار ہوتی ہے کہ زندگی ایک بڑا بھاری ناقابل برداشت بوجھ ہے جسے انسان اُٹھائے ہوئے ایک دُور دراز منزل کی طرف لئے جارہا ہے۔ راستہ دشوار گذار ہے۔ قدم قدم پر کانٹے اور عمیق گڑھے ہیں۔ بوجھ کے نیچے وہ دبا جارہا ہے لیکن مجبور ہے۔ اسے اتنی فرصت ہی نہیں کہ سر اٹھا کر گرد و پیش کی کوئی دلفریب چیز دیکھ سکے۔ سنجیدہ آدمی ہر آنے والے واقعہ کو اپنے لئے ایک نئی مصیبت خیال کرکے اور زیادہ سنجیدہ و ملول بن جاتے ہیں۔ ان کا خاموش رہنا ایک پُراسرار لہجہ میں گفتگو کرنا اور روزمرہ کی دلچسپیوں سے کنارہ کشی اختیار کرنا خود ان کے وجود کو سوسائٹی کے لئے ایک مصیبت بنا دیتا ہے۔ جہاں کہیں وہ جاتے ہیں ماحول کو اور زیادہ سنجیدہ و مغموم بنا دینے میں انہیں ید طولیٰ حاصل ہے۔ نوجوان طبائع ان کی طرف سے ایک نفرت سی محسوس کرنے لگتی ہیں لیکن آج میں نے انہیں کی حمایت میں قلم اٹھانے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کروں گی کہ ان کی نفسیات میں چند ایسے اجزا موجود ہیں جو نہ صرف سوسائٹی کے لئے مفید بلکہ بہت ضروری ہیں۔

ہندوستانی زندگی پر جو سنجیدگی کا عنصر غیر ضروری طور پر غالب ہے اسے دور کرنے کی کوشش کے بجائے اس کی حمایت میں کچھ کہنا یقیناً ہر طرف سے صدائے احتجاج بلند کرادیگا لیکن میرے خیال میں ایسی بات کی چند خوبیاں سُن لینے میں کوئی حرج نہیں ہے جو خود ہی چند روز میں گئی گذری ہونے والی ہے۔

ہر وقت بشاش رہنے والا آدمی زندگی کو صرف ایک عارضی کھیل کی حیثیت سے دیکھتا ہے جس میں کوئی ٹھوس اور پائیدار کام کرنے کی ضرورت ہی نہیں محسوس ہوتی اور نہ اسے اپنی تفریحی دلچسپیوں اور دوسروں کو خوش کرنے کی کوششوں سے اتنی فرصت ہوتی ہے کہ کسی اہم پہلو پر سوچ بچار کرکے اسے بروئے کار لاسکے۔ آپ کہیں گی کہ انسان کے دل کو خوش کرنا بھی دنیا میں کس قدر مفید اور ضروری ہے کہ اسے چھوڑ کر اپنی زندگی کو کارآمد بنانے کے لئے کسی دوسری جانب رجوع ہونے کی ضرورت ہی نہیں۔ اگر یہی کام اس نے بحُسن و خوبی کرلیا تو سمجھ لیجئے کارخانۂ حیات میں اس نے اپنا فرض پورے طور سے انجام دیدیا۔ مانا۔ لیکن زندگی میں دوسرے فرائض اور مسائل بھی تو ہیں جن پر سنجیدگی سے غور و خوض کرنے اور انہیں حل کرنے کے لئے ایک ٹھوس نظر اور فرصت کی ضرورت ہے۔ یہ فرائض ہماری سنجیدہ بہن جو بہت کم سخن ہیں۔ نپی تلی باتیں کرتی ہیں اور دوسروں سے الگ تھلگ رہ کر خاموشی میں اپنا وقت گذارنا پسند کرتی ہیں آسانی سے انجام دے سکتی ہیں۔

وہ ایک فلاسفر ہیں جو ہر وقت زندگی کے اہم واقعات پر سوچتی غور کرتی اور رائے قائم کرتی رہتی ہیں۔ زندگی ان کے نزدیک ایک کبڈی کا کھیل نہیں بلکہ ایک بہت اہم ڈرامہ ہے جو خدا کی نظروں کے سامنے کھیلا جا رہا ہے۔ اس ڈرامہ میں انسان ایک کٹھ پتلی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا جس کے تار ایک ایسی زبردست طاقت کے ہاتھ میں ہیں جو اس کے ہلانے سے انسان ایک قدم بھی نہیں اٹھ سکتا۔ ان مختلف حرکات کا درمیانی وقفہ سنجیدہ آدمی ایک ہوشیار اور سنجیدہ مدبر غور و خوض اور انتظار میں صرف کرتا ہے کہ تقدیر کی گذشتہ حرکت خدا جانے کس مصلحت پر مبنی تھی اور آئندہ نہ معلوم کیا ہونے والا ہے کہ پردہ کے پیچھے ایک دوسرا ہاتھ جنبش میں آتا ہے اور کٹھ پتلی کو زمین پر دے مارتا ہے۔ یہ دوسرا ہاتھ موت کا ہے۔ یقیناً موت بھی قدرت کا ایک اٹل قانون ہے۔

تقدیر کے ہاتھوں مجبورانہ حالت پر غور و خوض کرنے والے سنجیدہ انسان کی طبیعت میں تحمل، استقلال اور ارادہ میں استحکام پیدا کر دیتی ہے۔ پھر کچھ عرصہ بعد جب اس کا قدرتی ردعمل پیدا ہوتا ہے اور انسان تقدیر سے بغاوت پر آمادہ ہو کر کچھ کرنا چاہتا ہے یہی قوتیں مدد کر کے اسے کامیاب بناتی ہیں۔ وہ ایک جاندار اور ٹھوس شے ایک مضبوط چٹان سے مشابہ ہو جاتا ہے جو کسی طاقت کے سامنے نہیں جھک سکتی بلکہ اس کے سامنے تقدیر بھی سر جھکانے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

اس کے برعکس زندہ دل آدمی گلاب کی پنکھڑی کی طرح نازک ہے اور اسی وقت تک شاداب ہے جب تک باد صبا اس کی پرورش کرتی ہے خزاں کا ایک جھونکا اسے زمین پر دے مارنے کے لئے کافی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ذرا سی مصیبت زندہ دل آدمیوں میں عام طور سے زبردست کایا پلٹ کر دیتی ہے۔ اور وہ مغموم و متفکر رہنے لگتے ہیں۔ سب ہنسی مذاق غائب ہو جاتا ہے زندگی کی تلخ حقیقت ان کی آنکھیں کھول دیتی ہے اور انہیں معلوم ہوتا ہے کہ ابتک جو کچھ کیا وہ رائیگاں گیا اب نئے طرز سے زندگی شروع کرنا چاہیئے۔

سنجیدگی کی حمایت میں مجھے ایک بات اور کہنے دیجئے۔ زندگی کا تمام کاروبار اس کے تمام شعبے صرف سنجیدگی ہی سے چل سکتے ہیں۔ اگر ان میں ذرا بھی مذاق کا پہلو داخل کر دیا جائے تو نظام عالم درہم برہم ہو جائے۔ سیاست داں کمروں میں بیٹھے خاموشی اور سنجیدگی کے ساتھ چوبیس گھنٹے ملکی حالات پر غور و خوض اور بحث و مباحثہ کرتے رہتے ہیں۔ پیچیدہ گتھیاں سلجھاتے اور ان کے متعلق احکامات صادر کرتے ہیں۔ پارلیمنٹ کے ممبر کھڑے کھڑے گھنٹوں تقریریں کرتے اور ملکی و قومی فلاح و بہبودی کے لئے قانون بناتے رہتے ہیں۔ دفتروں میں کلرک صبح سے شام تک قلم ہاتھ میں لئے موٹے موٹے فائلوں پر سر جھکائے بیٹھے رہتے ہیں۔ یونیورسٹیوں میں پروفیسر، فیکٹریوں میں انجنیئر، اسپتالوں میں ڈاکٹر نہایت محویت اور غور کے ساتھ نظام زندگی کے کونوں کو تھامے ہوئے ہیں۔ ان کے پیچھے فلاسفر اور غور و خوض کرنے والے ڈائرکٹروں کی طرح ان کی حرکات و سکنات پر نظریں لگائے ہوئے ہیں کہ نہیں لاپرواہی کا ایک قہقہہ ان کے ہاتھوں میں لغزش پیدا کر کے تمام شیرازے کو منتشر نہ کر دے۔ دنیا میں تمام لغزشیں اور کوتاہیاں در حقیقت اسی ذرا سے قہقہہ لگا دینے یا تھوڑی دیر کے لئے غیر سنجیدہ بن جانے کی عادت کا نتیجہ ہیں۔

زندہ دلی اور خوش باشی بچپن کی طرح غیر ذمہ دار ہیں اس کے برخلاف سنجیدگی اپنی ذمہ داریوں کو یاد رکھتی اور انہیں پورا کرتی ہے۔

عفّت کرمانیہ فریدی۔ بی اے

تعدادِ زوجین اور شادی

گذشتہ اشاعت سے آگے

تعدادِ زوجین کے لحاظ سے عورت و مرد کے حقوق کیوں مساوی نہیں ہو سکتے اگر آپ کسی سوسائٹی کی ضرورت تسلیم کر کے ایک شخص اور سوسائٹی میں ہر کسی کی خواہش پر تقدس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سوسائٹی کی ضرورت اور بہبودی کیلئے جو قوانین و رسوم ضروری ہوں وہ انکی انفرادی ضرورت اور شخصی خواہش کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں آپکو انہیں تسلیم کر لینے میں پس و پیش نہیں ہونا چاہیئے شادی کے معاملہ میں سوسائٹی عورت کو مادی حقوق و آزادی کیوں نہیں دے سکتی اُس کے وجوہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) سوسائٹی کو انفرادی ضرورت سے زیادہ اجتماعی بہبودی کا خیال رکھنا ہوتا ہے شادی کی رسم کے ذریعہ سوسائٹی اپنی حیات و بقا کے لیے منظم ذریعے پیدا کرتی ہے جو اُس کے لئے دو ہی نتائج کا حامل ہوتا ہے یعنی افراد کی تعداد بڑھانے بچوں کی پیدائش اُن کی پرورش ابتدائی تعلیم وغیرہ کا کام۔ دو جوان عورت و مرد سے شادی کے ذریعہ لیتی ہے جس کے لئے ایک مرد کا ایک عورت سے باہمی رشتہ کافی ہوتا ہے۔ اب اگر کسی سوسائٹی میں عورتیں زائد ہوں اور مرد کم تو یہ بالکل ممکن ہے کہ ضرورت کے وقت ایک مرد چار عورتوں کے ذریعہ سوسائٹی کو ایک سال میں چار بچے مہیا کر سکے لیکن اگر عورت کو کئی مردوں کی اجازت دے بھی دی جائے تو وہ ایک سال میں خواہ اُس کے ایک خاوند ہو یا چار صرف ایک ہی بچہ کی ماں بن سکے گی۔ گویا جہاں مرد کو ایک وقت میں کئی بچوں کا باپ بننے کی اہلیت ہے وہاں عورت کو صرف ایک ہی بچہ کی ماں بننے کی قدرت اس طرح جہاں تک شادی کی ضرورت اور سوسائٹی کی بہبودی کا سوال ہے ایک مرد کی کئی بیویاں تو ضرورت کے وقت جائز ہو کر مفید ثابت ہو سکتی ہیں لیکن ایک عورت کے کئی خاوند بے سود ہیں اس لئے ایک متمدن سوسائٹی بوقت ضرورت اور بحالت مجبوری ایک مرد کو کئی بیویوں کی اجازت دینے میں حق بجانب ہو سکتی ہے لیکن ایک عورت کو کئی خاوند رکھ لینے کی اجازت دینا اجتماعی بہبودی کے لئے ہرگز ضروری نہیں تسلیم کیا جا سکتا۔

(۲) متمدن سوسائٹی میں عورت و بچوں کی حفاظت مرد کا فرض گردانی گئی ہے مرد اپنی جسمانی قوت اور دوراندیش مزاج کی وجہ سے محافظ کا کام بخوبی انجام دے سکتا ہے اور عورت پر کم از کم ایک وقت تو ایسا ضرور آتا ہے جب وہ خود اپنی حفاظت نہیں کر سکتی۔ بہر صورت بچہ کی اس جسمانی قوت کی برتری کے لحاظ سے بھی مرد سوسائٹی کی کئی عورتوں کی حفاظت کا ضامن بنایا جا سکتا ہے لیکن عورت جو زندگی کے کاروبار کے لئے پہلے ہی محتاج نہیں تو وہ اگر کئی خاوندوں کی بیوی بنا بھی دی جائے تو بجائے محافظ بننے کے خود اپنی حفاظت کے لئے ہمیشہ کی محتاج ہوگی۔

(۳) سوسائٹی میں عورت اور بچوں کی کفالت بھی مرد کے ذمہ ہوتی ہے مرد اپنے پیشے کے زور پر کئی عورتیں رکھ لیتا ہے لیکن متمدن سوسائٹی میں دولت کی فراوانی دوسری تیسری بلکہ چوتھی بیوی کر لینے کی معقول وجہ کبھی نہیں تسلیم کی جا سکتی کفالت کے ضمن میں یہ اعتراض معقول نظر آئیگا کہ اگر کفالت کئی عورتوں کو ایک مرد کی بیوی بنا دینے کی ایک وجہ ہو سکتی ہے تو جہاں عورت خود اپنے پاؤں پر کھڑی ہو سکنے کے قابل ہو وہاں یہ رسم جائز نہیں ہونا چاہیئے لیکن یہ اعتراض حقیقتاً سطحی علم پر مبنی ہے' فرض کیجئے عورت اور مرد ایک ساتھ رہیں اور اپنی روزی کی روٹی علیحدہ علیحدہ کما لیا

کریں تو بالکل فطری صورت ہیں عورت پر ایک وقت ضرور آئیگا کہ جب وہ جنسی فرض کی ادائیگی کی مجبوری سے ایک عرصہ تک اپنی روزی کمانے کے قابل نہیں رہے گی، اُس وقت کیلئے سوسائٹی خاوند کو عورت کی کفالت پر مجبور کرتی ہے اس طرح متمدن سوسائٹی میں عورت اور بچوں کی دوامی کفالت مرد کا فرض تسلیم کرلی گئی ہے بصورت حال ہوتے ہوئے ضرورت کے وقت مرد کئی عورتوں کا کفیل بنایا جا سکتا ہے لیکن عورت ایک وقت میں اپنی ہی کفالت نہیں کرسکتی کئی کئی مرد اُس کے سر آپڑیں تو اللہ ہی وارث ہے۔

(۴) مرد قوی ہے اور عورت قوت پرست

مرد کو فطرتاً اپنی قوت کی وجہ سے حاکم بننے میں مزہ آتا ہے اور عورت کو اپنی فطرت کی مجبوری سے محکوم بننے میں۔ یہاں عورتیں شور مچائیں گی کہ یہ غلط ہے، لیکن یہاں اگر میں یہ ثابت کرنیکی کوشش کروں کہ یہ کیوں صحیح ہے تو مجھے اس مضمون سے بہت دور ہوجانا پڑیگا۔ اس لئے میں مجبور ہوں کہ بغیر ثبوت پیش کئے ہی اس حقیقت کو پیش کردوں مرد عورت پر قوت کے ذریعہ حکومت کرنا چاہتا ہے لیکن اگر عورت اپنی محکوم فطرت سے کام نہ لے تو شاید مرد کی حکومت قایم نہ رہ سکے۔ عورت ہمیشہ اُس ہی مرد سے محبت کرتی ہے جو اُس سے قوی ہو، اُس پر حاوی ہوسکے۔ اور اُس کو اپنا محکوم بنا سکے۔ ایک صحیح الدماغ صحیح الفطرت جوان عورت زنانہ اندام نازک مزاج اور محکومانہ انداز رکھنے والے مرد سے نفرت کرتی ہے مرد و عورت کے ان فطری رجحانات کیوجہ سے سوسائٹی کو یہ تجربہ حاصل ہوچکا ہے کہ ایک مرد کو کئی بیویوں کی اجازت دیدینے سے امن عامہ میں سخت خلل اندازی نہیں ہوتی ہے لیکن عورت کو اگر حق کے طور پر یہ اجازت دی جائے کہ وہ کئی خاوند کرے تو جھگڑالو مرد وہ طوفان برپا کریں کہ سوسائٹی کو اپنا شیرازہ قائم رکھنے میں ہزارہا مشکلات کا سامنا پڑجائے۔ یہاں آپ یہ اعتراض کرسکتی ہیں کہ جن قوموں میں ایک عورت کے چار چار، پانچ پانچ مرد ہوتے ہیں جیسے نیپال اور تبت میں تو وہاں طوفان کیوں نہیں برپا ہوتا اس کا جواب یہ ہے کہ عورت نے اپنے حقوق کے طور پر اس رسم کو رائج نہیں کرالیا ہے بلکہ مردوں نے اپنی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے عورت کو ایک بیجان و بے روح شئے کی طرح استعمال کرنا جائز رکھا ہے، اور وہاں کی سوسائٹی اتنی متمدن نہیں ہے کہ وہ اس شخصی ضرورت کے خلاف احتجاج کرنے میں کامیاب ہوسکے اور عورت کو ایک مرد کی رفیق ہونے کے بجائے کئی مردوں کی لونڈی بنانے کی ذلالت سے بچا سکے۔

ایک مرد اور کئی بیویاں

تحقیق نے یہ ثابت کردیا ہے کہ بالکل غیر متمدن اور بہت زیادہ متمدن لوگوں میں یہ رسم کم پائی جاتی ہے اور متوسط درجہ کے لوگوں میں زیادہ۔ دنیا کی ایک بڑی آبادی جہاں تک شادی کا تعلق ہے ایک مرد اور ایک عورت کے رشتہ میں منسلک ہے مگر عام زندگی میں اس رشتہ سے کس درجہ وفاداری کیجاتی ہے یہ بحث طلب ہے، اظہار حقیقت کے لئے خیال آرائیوں کو چھوڑ کر یہ تحقیق کرنا ضروری ہوجاتا ہے کہ جس قوم و مذہب کے لوگوں کو کئی بیویاں کرنے کی اجازت ہے وہ حقیقتاً اس پر کس درجہ عمل کرتے ہیں اور جن کو اجازت نہیں وہ ایک عورت پر کہاں تک اکتفا کرتے ہیں۔ اس نظر سے دیکھنے پر ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ایک سے زیادہ بیویاں اور اُن کے اخراجات اور مصیبتیں برداشت کرنا عام طبقہ کے لوگوں کے بس کی بات نہیں ہے بلکہ متمول گروہ ہی اس پر عمل کرسکتا ہے لیکن جہاں اس رسم کو ممنوع کردیا گیا ہے وہاں مرد سب کچھ کرتا ہے اور چونکہ اپنے فعل کی اقتصادی ذمہ داریوں سے بچا رہتا ہے اس لئے بدچلنی و بدمعاشی آسان اور عام ہوجاتی ہے۔ ایک یورپین ریفارمر نے کیا خوب کہا ہے کہ یورپ و امریکہ کے عیسائی ممالک میں متعدد عورتوں سے تعلق رکھنے کی رسم دنیا کے ہر دوسرے ملک سے زیادہ ہے اور اس کی وجہ عموماً یہ ہوتی ہے کہ ان ملکوں میں ایک عورت سے شادی کا قانوناً جبریہ ہونے کی وجہ سے مردان متعلقہ کو سوشیل و قانوناً ذمہ داریوں سے بچنے کے کافی مواقع پاتا رہتا ہے۔ دوسرا مصلح لکھتا ہے کہ جن ممالک میں کئی کئی عورتوں سے شادی کرنے کی سوشیل مذہبی اور قانونی اجازت ہے وہاں مرد کو اپنی خواہش کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے اور دو دو تین تین بیویوں کا بار اُٹھانا پڑتا ہے لیکن عورت بدچلنی بدنامی اور بے یار و مددگار مصیبت میں گرفتار ہونے سے محفوظ رہتی ہے لیکن یورپ میں جہاں ایک ہی عورت سے شادی کرنیکا قانون

سختی سے رائج ہوگیا ہے عام گھریلو عورتوں کو مرد فاحشہ بنانے جا رہا ہے یہاں تک کہ لندن میں جہاں بے عزتی کا پیشہ قانوناً جرم ہے اسی ہزار سے ایک لاکھ اور اب تو ڈیڑھ دو لاکھ تک جوان عورتیں اس قسم کی موجود ہیں جو اپنی محنت سے اپنا خرچ چلا لینے کے باوجود بھی اس بڑے متمدن شہر کیلئے باعث ننگ و عار ہیں۔ بڑے بڑے یورپین مفکرین اس بات کے قائل ہیں کہ یورپ کا موجودہ قانون سوشیل ضرورت کو پورا کرنے سے قاصر ہے خاص طور پر پروفیسر انفیل کا خیال ہے کہ متعدد ازدواج کا جواز ضرورت کے وقت پابندی کے ساتھ عین انسانیت ہے اور سوسائٹی کی بہبودی کا ضامن ۔
ان مسائل پر غور کرنے والے یورپین متفق الرائے ہیں کہ ہر حالت میں صرف ایک ہی عورت کو رکھنے کا قانون عورت کے حق میں بہت مضر ثابت ہوتا ہے اور خاص خاص حالتوں میں متعدد ازدواج کا جواز عورت کی بھلائی اور حق میں بہت مفید اور ضروری ہے ۔

متعدد ازدواج کے جواز کی تاریخ

بابل کی تہذیب کا ہمورابی کے قانون سے جو دو ہزار برس پہلے رائج تھا پتہ لگتا ہے کہ چند شرط کے ساتھ کئی کئی بیویاں رکھنا جائز تھی مصر، چین، عرب اور ہندوستان میں بھی یہ رسم عام تھی یورپ میں اٹھارویں صدی تک درست سمجھا گیا مسیحیت نے منسوخ نہیں کیا تھا، مذہبی پیشواؤں کی زندگی پر غور کیجئے تو حضرت ابراہیمؑ کی دو بیویاں تھیں اور حضرت یعقوبؑ کی چار ہندوستان میں کرشن جی کی عورتوں کی تعداد کا شمار ممکن نہیں یورپ میں جب پادریوں نے رہبانیت کے ساتھ ساتھ متعدد عورتوں ہی کو نہیں ورجنوں "داشتہ" رکھنے کے رواج کو قائم اور جائز رکھا ایک پادری کے لئے کئی "داشتہ" رکھنا اس قدر معیوب نہ تھا جس قدر ایک عورت سے شادی کرلینا، منو جی نے جہاں اس رسم کو مشروط کیا ہے وہاں فرمایا کہ بچہ نہ ہونے کی صورت میں آٹھ سال بعد بچے ہوکر مرجانے کی حالت میں نو سال صرف لڑکیاں ہوتے رہنے پر دس سال اور عورت بدمزاج ہو تو فوراً ہی دوسری شادی کرلینا جائز ہے قدیم تاریخ کی چھان بین سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام وہ پہلا مذہب ہے جس نے تعدد ازدواج کو مشروط بھی کیا اور محدود بھی۔ عورتیں یہ اعتراض کرتی ہیں کہ اس کا جواز ہی کیوں ضروری ہوا لیکن یورپ کا تجربہ بتاتا ہے کہ اس جواز کی ہر متمدن و ترقی یافتہ سوسائٹی کو ضرورت ہوتی ہے ۔
متعدد ازدواج کی ضرورت کی تین بڑی وجوہ ہیں۔ مرد کی خواہش و خود غرضی (۲) عورتوں کی زیادتی اور سوسائٹی کی ضرورت (۳) ازدواجی زندگی کی مجبوریاں و مضرتیں۔

(۱) مرد کی نفسانیت کو جواز و عدم جواز سے غرض نہیں ہوتی

کوئی متمدن قانون اس غرض کے لئے کئی بیویاں رکھنے کی اجازت نہیں دیتا۔ مرد کی خود غرضی نے ایک زمانہ میں کئی کئی عورتوں کو اپنی معاونت اور آمدنی بڑھانے کا ذریعہ اور پھر اپنی امارت کے اظہار کی نمائش کا کھلونا بنا لیا تھا لیکن اب مہذب قوموں میں کئی کئی عورتیں اس مقصد کے لئے ضروری نہیں رہی ہیں ۔

(۲) عورتیں جہاں زیادہ ہوں اور سوسائٹی کو تناسب قائم رکھنے کی ضرورت ہو

تو عورت کی بھلائی اُس کی معیشت و بے عزتی کا خیال کرتے ہوئے ایک مرد کے ذمہ کئی کئی عورتیں کردینا اُن کی حفاظت و کفالت کی ضمانت اور انکو بے عزتی و آوارگی سے محفوظ رکھنے کے مرادف سمجھا جانا چاہیئے ایسی سوسائٹی میں متعدد ازدواج کے جواز اور بیویوں کے حقوق کی نگرانی مرد کی سوشیل اور اقتصادی ذمہ داریوں کو تو بہت بڑھا دیتا ہے لیکن عورت کے حقوق کی بھلائی اور حمایت کرتا ہے سوسائٹی کی ضرورت کے مطابق شادی کی رسم کے قانون کے اجرا کی بہترین مثالیں اسلام کے دورِ اولین میں خوب ملتی ہیں۔ عرب میں کئی کئی بیویاں رکھنے کا عام رواج تھا۔ مدینہ میں جب لوگ مسلمان ہونے لگے تو انصاریوں کی عورتیں بھی بڑی تعداد میں مسلمان ہوئیں، مردوں کو اپنی متعدد بیویاں چار تک رکھنے کی اجازت مل گئی لیکن جب مہاجرین مکہ سے مدینہ پہنچے تو بے سر و سامان اور بے گھر و بار تھے۔ انصاریوں نے اپنی زائد بیویوں کو طلاق دیکر مہاجرین کے حوالہ کردینا چاہا تاکہ سوسائٹی میں عورتوں کی کمی کی وجہ سے ایک

مرد کے پاس کئی عورتیں اور دوسرے کے پاس ایک بھی نہیں کا فرق نہ رہ سکے، کچھ زمانہ بعد جنگ میں مسلمان شہید ہونے لگے اور اُن کی بیویاں بے یار و مددگار رہ گئیں اور اسی طرح جنگ میں پکڑی ہوئی عورتیں بھی مسلمان ہونے لگیں اور ان زائد عورتوں کی کفالت و حفاظت اور سوسائٹی میں بدچلنی پھیل جانے سے محفوظ رہنے کا سوال پیش ہوا تو ہر مسلم مرد کو کئی کئی عورتوں سے نکاح کی اجازت دیکر سوسائٹی کے جنسی توازن کو قائم کر دیا گیا لیکن سوسائٹی کے افراد کی شخصی ضرورت کا بھی لحاظ رکھا گیا اور عورتوں کی تعداد کو چار تک محدود کر دیا گیا تاکہ انفرادی اور شخصی بار حد سے زیادہ نہ بڑھ جائے۔ اسی طرح دوسری بیویوں کے حقوق کی حفاظت کا بھی بڑے زوردار الفاظ میں حکم دیدیا گیا۔ بیویوں میں برابر کے حقوق بے لوث محبت انصاف اور ایک نظر سے دیکھنے کی تلقین بعض لوگوں کو ناممکن نظر آتی ہو۔ لیکن جہاں ایک مرد کے پاس دوسری عورت مرد کی خواہش یا عورت کی جوانی و حُسن کی کشش وغیرہ کیوجہ سے نہیں بلکہ سوسائٹی کی ضرورت کی غرض سے ہو وہاں دو بیویوں کے درمیان برابر کا برتاؤ بالکل ممکن ہے آج اگر مسلمان ان مذہبی اُصولوں اور احکام سے ناجائز فائدہ اُٹھا رہے ہیں تو اُن کے اس ناجائز افعال سے اسلامی اُصولوں کی خوبی میں کلام کرنا حق و انصاف کا خون اور اپنی کوتاہ نظری کا ثبوت دینا ہے۔ یہ عام طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ کئی عورتوں کا ایک مرد کی بیوی بن کر رہنا مرد کو اس کی روحانی زندگی کے ارتقا سے باز رکھتا ہے، شخصیت اور انسانی محبت کی تکمیل کئی کئی عورتوں کے ذریعہ نہیں ہو سکتی، حقیقی محبت کا رشتہ صرف ایک مرد اور ایک عورت ہی میں ہو سکتا ہے یہ ایک حد تک بالکل درست ہے لیکن شادی کو شخصی ہی نہیں اجتماعی حیثیت بھی حاصل ہے اور ضرورت کے وقت انفرادی ضرورت کو اجتماعی بہبودی پر قربان کئے جانے کا نام انسانیت ہے اس لئے ایک متمدن سوسائٹی میں عام طور پر تو شخصی خواہش اور ضرورت کا لحاظ کرتے ہوئے ایک مرد اور ایک عورت ہی میں شادی ہونا چاہیئے لیکن جب سوسائٹی کی اجتماعی ضرورت کا سوال درپیش ہو تو شخصی ضرورت و خواہش کو قربان کیا جا سکتا ہے۔ اسلام میں مشروط و محدود تعداد ازدواج کے جواز کے یہی معنی ہیں ملاؤں اور مالداروں کی عام شادیاں نہیں کہ چار بیویوں کے بہانہ کا وعظ کیا یا فتویٰ لیا اور پرانی پر ایک اور نئی لے آئے۔

(۳) ازدواجی زندگی میں ایسے مواقع بھی آتے ہیں کہ جب اس زندگی کے فرائض کی ادائگی عورت یا مرد کی صحت وغیرہ کیوجہ سے پورے طور پر نہیں ہو سکتی۔ اگر مرد میں یہ عیب ہوں تو عورت کیلئے خلع و طلاق کے ذریعہ آزاد ہو کر دوسرے مرد سے شادی جائز ہونا ہر متمدن سوسائٹی میں ضروری ہے جن سوسائٹیوں میں طلاق جائز نہیں یا مطلقہ اور بیوہ کی شادی کی اجازت نہیں وہ ہرگز متمدن نہیں کہلا سکتیں، مثلاً ہندوؤں میں مرد کو تو دوسری شادی کی اجازت ہے اور معمولی معمولی وجوہ پر منوجی فرماتے ہیں کہ اگر عورت شراب پیتی ہو، بدخصلت ہو، شریر فضول خرچ، بدمزاج یا جھگڑالو ہو تو مرد فوراً اس پر دوسری بیوی لا سکتا ہے۔ لیکن مرد کے بڑے سے بڑے عیب پر بھی عورت کو طلاق کا حق نہیں، خرابی صحت ہی نہیں اگر مرد جوانی ہی میں مر جائے تو بھی اس کی جوان بیوہ کو سوسائٹی کی منحوس و ناکارہ فرد ہو کر جینا پڑتا ہے، دوسری شادی ناجائز مانی گئی ہے۔ عام عیسائیوں میں بہت زمانے تک اور رومن کیتھولک میں اب بھی طلاق بالکل ناجائز ہے۔ ہم عورت کے حق خلع و طلاق کا خاص طور پر یہاں اس لئے ذکر کر رہے ہیں کہ آپ کو یہ معلوم ہو جائے کہ جہاں ازدواجی زندگی کی ضروریات کیوجہ سے متمدن سوسائٹی میں مرد کو دوسری شادی کر لینے کی ضرور اجازت ہونا چاہیئے وہاں عورت کو بھی کسی نہ کسی شکل میں یہ حق ضرور ملنا چاہیئے تاکہ ناکارہ مرد کے ساتھ عورت کی زندگی برباد نہ ہو جائے، سوال اب یہ رہ جاتا ہے کہ مرد تو پہلی بیوی پر دوسری لے آئے لیکن عورت کو ایسی ہی صورت میں مرد سے علیحدہ ہو کر دوسرے مرد سے شادی کرنے پر کیوں مجبور کیا جائے اس کا جواب آسان ہے۔ اس اصول میں عورت ہی کا فائدہ ہے، عورت ابتک اپنی حفاظت و کفالت کے لئے مرد کی دست نگر ہے اور ہم نے پہلے ثابت کیا ہے کہ وہ فطرتاً اس پر مجبور ہے تو اُس کے لئے یہی بہتر ہے کہ اس کا مرد جب ضرورتاً دوسری عورت کرلے تو بھی پہلی کی حفاظت و کفالت اُس کے ذمہ رہے۔ جب عورت میں کوئی عیب ہو تو وہ جس طرح اپنے مرد کے لئے غیر موزوں ہے سوسائٹی کے دوسرے مردوں کے لئے بھی بیکار ہوگی وہ سوسائٹی کی ایک فرد ہے اور اُس کی حفاظت و کفالت سوسائٹی کا فرض ہے۔ اس لئے متمدن سوسائٹی

ایسی عورت کے خاوند سے توقع کرتی ہو کہ جہاں وہ اپنی اور سوسائٹی کی ضرورت کی خاطر دوسری عورت کرتا ہے وہ پہلی عورت کی حفاظت و کفالت سے بھی دست بردار نہ ہو جائے۔ اور یہ بھی ممکن ہو کہ مرد کو پہلی عورت سے بہت محبت ہو۔ اور دوسری عورت کو سوسائٹی کی ضرورت اور فطری مجبوری کی وجہ سے کرتا ہو۔ ایسی صورت میں پہلی بیوی کی پر دوسری لانے کی اجازت نہ ہونا بڑی مصیبت اور خرابی پیدا کر سکتا ہے۔ یہاں تاریخ کی ایک دلچسپ اور مشہور مثال ہمارے نکتہ کو خوب واضح کر دے گی۔ نپولین اعظم اپنی بیوی جوزفائن کا عاشق زار تھا۔ جوزفائن کے کوئی اولاد نہ تھی۔ فرانس کی پبلک نپولین کا وارث چاہتی تھی۔ سوسائٹی نے نپولین جیسے بہادر کو مجبور کر دیا کہ وہ سوسائٹی کی بہبودی کی خاطر دوسری شادی کرے لیکن فرانسیسی سوسائٹی میں متعدد ازدواج جائز نہیں ہیں۔ اس لئے نپولین جوزفائن کو طلاق دینے پر مجبور ہوا تاکہ دوسری شادی کر سکے۔ دوسری شادی ہوئی لیکن نپولین اپنی بیوی کو ظاہر تو طلاق دے کر علیحدہ کر چکا تھا مگر کبھی اس سے تعلقات جاری رکھے۔ اگر بحالت مجبوری دوسری شادی کی اس سوسائٹی میں اجازت ہوتی تو اس خاص ضرورت کے وقت نپولین کو اپنی پیاری بیوی کو طلاق دے کر ذلیل و مغموم کرنا پڑتا نہ بعد میں تعلقات جاری رکھنے کی وجہ سے بدچلنی اور بد اخلاقی کا داغ اس معصوم عورت کے ماتھے پر نظر آتا۔ ازدواجی زندگی میں بہت کم ایسی ضرورتیں ہوتی ہیں جو دوسری شادی کو جائز کر سکیں۔ پنجاب میں کسی عورت کے چند سال بچے نہ ہوں تو ساس اپنے لڑکے کی دوسری شادی کی فکر شروع کر دیتی ہے اور کئی بیویوں کے جواز سے ناجائز فائدہ اٹھاتی ہے۔ کوئی عورت بیمار ہو کر اپنی دلکشی کھو بیٹھتی ہے جو ممکن ہے عارضی ہو تو اس کا مرد آمادہ ہو کر کسی دوسری کو گھر میں ڈال لیتا ہے اور پہلی بیوی کی بیماری کو اپنے اس ناجائز فعل کا بہانہ بنا لیتا ہے۔ حالانکہ منو جی جیسے عورت کے معاملات میں سختی کرنے والے قانون ساز تک نے اس معاملہ میں عورت کی حمایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر عورت ہر طرح اچھی ہو اور پاکباز بھی لیکن دائمی بیمار ہو اور مرد دوسری بیوی کرنا چاہے تو اس کو اپنی پہلی بیوی سے اجازت لے لینا لازمی امر ہے کیونکہ ایسی عورت کی بے عزتی ناقابل عفو ہے۔

ایک مرد اور ایک بیوی

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انسان کی انسانیت کا یہی تقاضا ہے کہ ایک مرد ایک ہی عورت کا ہو کر ساری زندگی گذار دے لیکن یہ رشتہ اس وقت ہی مکمل ہو سکتا ہے جبکہ مرد و عورت اپنی اپنی ضرورت اور خصوصیت کے مطابق خود مختار اور آزاد ہو کر اپنی زندگی کو خوش و خرم رکھ سکیں۔ عورت مرد کی آزاد منش طبیعت کو قبضہ میں رکھ سکے اور مرد عورت کی شخصیت اور آزادی کا ہمیشہ خیال رکھے۔ پہلی صورت کے نہ ہونے سے سوسائٹی میں بدچلنی اور بد اخلاقی بڑھ جاتی ہے اور دوسری شکل نہ ہو تو عورت بیوی نہیں لونڈی باندی بن کر رہتی ہے۔

کئی مرد اور ایک عورت

جہاں مرد زیادہ اور عورتیں بہت کم ہوں وہاں مردوں کو یہ خواہش ہو گی کہ وہ کئی کئی مل کر ایک عورت کو رکھ لیں لیکن ان کے اس فعل سے سوسائٹی کو کوئی خاص فائدہ نہیں ہوتا۔ مرد کے ذاتی حقوق اور ضرورت کی ادائگی کے لئے ایسی سوسائٹی کو بین الاقوامی رشتوں کی ضرورت ہوگی۔ دنیا کی آبادی میں مرد عورتوں سے زیادہ ہیں اس لئے اگر بین الاقوامی رشتے عام ہو جائیں تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرد کی کئی بیویوں کا سوال ہی نہیں رہے گا مگر نسل کی بہتری کے لحاظ سے ہر سوسائٹی میں قابل مردوں کی تعداد کم ہوتی ہے اس لئے مردوں کی تعداد کا زیادہ ہونا کوئی نسلی خرابی کا باعث ہو سکتا ہے اور نہ سوسائٹی کی خرابی کا پیش خیمہ۔ ورنہ ضرورت کے وقت ایک قابل مرد کی کئی بیویوں کے ہونے کے منافی۔

فلاسفر شوفن ہار کی ٹیٹراگیمی

اس یورپین فلاسفر کے خیالات نے یورپ میں تہلکہ مچا دی تھی۔ اس کی ماں ایک قابل مصنفہ اور دولت مند تھی۔ ماں بیٹے میں ہمیشہ ناچاقی رہی۔ ایک مرتبہ ماں نے اپنے فلاسفر جوان بیٹے کو لات مار کر سیڑھیوں پر سے نیچے گرا دیا تھا۔ اس فلسفی نے عورت کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے۔ یہ عورت کو ذلیل اور ناکارہ سمجھتا تھا۔ اس نے

اپنے ایک مضمون میں جو غیر مطبوعہ ہے اور اس کا اقتباس برلن کے میوزیم میں محفوظ ہے یہ تجویز پیش کی کہ بیس یا پچیس برس کے دو مرد مل کر اٹھارہ برس کی ایک عورت سے شادی کریں اور جب عورت پینتالیس برس کے قریب ہو جائے تو یہ دونوں مرد پھر ایک بیس پچیس برس کی عورت سے دوسری شادی کر لیں۔ اس طرح سوسائٹی میں ایک مرد اور ایک عورت کا توازن بھی قائم رہ سکے گا، اور نوبت یہ چنچی بھی مٹ جائے گی جوان مرد جب جوانی میں شادی کرتا ہے تو اُس کو اقتصادی مشکلات کا عموماً سامنا کرنا پڑتا ہے۔ دو جوان آدمی مل کر جب ایک عورت سے شادی کریں گے تو یہ اقتصادی مشکل بھی باقی نہیں رہے گی۔ کیونکہ دو مرد مل کر ایک عورت کی حفاظت اور کفالت کے ضامن ہوں گے اور جس عمر میں اُن کے پاس دو عورتیں ہونگی اُس وقت تک اُن کی مالی حالت بھی اس قابل ہونا چاہیئے کہ وہ دو کا خرچ اُٹھا سکیں۔ اس تیز ذہن مگر غیر معمولی قسم کے فلاسفر نے اپنی تجویز کے معقول ہونے کے ایسے ایسے ثبوت پیش کئے ہیں کہ اگر بغیر تعصب کو کام میں لائے ہوئے حقیقی نظر سے دیکھا جائے تو عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ کیونکہ میری ہمیشہ یہی خواہش ہوتی ہے کہ جس مسئلہ پر میں قلم اٹھاؤں میرے مضامین کے پڑھنے والوں کو اُس مسئلہ کے تمام اہم پہلوؤں سے کچھ نہ کچھ ضرور واقفیت ہو جائے اس لئے میں نے "شیئر گیمی" یعنی دو مرد اور ایک عورت اور ایک وقفہ کے بعد دوسری عورت کر لینے کے طریقے شادی کو بھی مختصراً بیان کر دیا ہے۔

تعدادِ ازدواج اور اسلام

مجھ سے ایک مسلمان مگر دہریہ خیال کی ایک مسلمان خاتون ایک مرتبہ یہ فرمانے لگیں کہ "اگر اللہ منصف ہے اور مردوں کی طرفداری نہیں کرتا تو کوئی مجھے یہ سمجھا دے کہ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ خواہ ضرورت ہی کے تحت ہی سہی مرد کو تو چار بیویوں تک کی اجازت اور عورت کے لئے یہی قانون خموش"۔ میں نے کہا "تو پھر کیجئے اللہ منصف بھی ہے اور علیم و بصیر بھی"، اسلام سوسائٹی کو منظم کرنے، حیوانی خواہشات کو انسانیت کا جامہ پہنانے اور انسان کو اشرف المخلوقات کا درجہ حاصل کرنے کی تعلیم دینے آیا ہے، اسلام کا مرد کو بوقت ضرورت، سخت شرائط کے ساتھ چار بیویوں تک کی اجازت دیدینا اور عورت کی اس ہی ضرورت کو خلع و طلاق اور دوسری شادی کی اجازت کے ذریعہ پورا کر دینا سوسائٹی کی بہبودی اور شادی کی فطری غرض کے عین مطابق اور موزوں ہے۔ یورپ کی سطحی تعلیم، نمائشی سوشیل ترقی سے متاثر ہونا درست نہیں، تہذیب و تمدن کے دعویدار یورپین اور امریکن یا یوں کہیئے کہ اپنے منہ میاں مٹھو بننے والی قومیں مرد کی آزادمنش حیوانی طبیعت کے مظاہرات شرمناک بدچلنی اور فیشن ایبل اوباشی کی زندگی گذارنے میں دُنیا کے ہر ملک اور قوم سے گوئے سبقت لے گئی ہیں اُن کے قول سنیئے اور تحریریں پڑھئے تو یہ معلوم ہوگا کہ شخصی اور انسانی ترقی کی تکمیل ہو چکی ہے اور عورت کو بھی وہ اعلیٰ درجہ حاصل ہو چکا ہے جس کی وہ اہل ہے لیکن فعل دیکھئے تو اس میں شک باقی نہیں رہتا کہ ان انسانوں کا گروہ باوجود دعواہائے "تہذیب و تمدن اقوام" ابتک اپنے حیوانیت کے دور اولین سے ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھا ہے وہ ایک مرد کے لئے ایک عورت کا شور تو بہت مچاتے ہیں، اس کے لئے قوانین بھی بنا بیٹھے ہیں لیکن شادی شدہ ہوں یا کنوارے سب گلہ در گروہ میں رہنے والے جانوروں کی طرح ایک دوسرے سے برتاؤ کرتے ہیں اور اگر بہت نیشنل ہوں تو اُن کے جنسی تعلقات "گروہ کی شادی" سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے، انگریز جن میں ابھی تک کہیں کہیں ایک مرد اور ایک عورت کی شادی کا رواج باقی ہے یورپ کی دوسری قوموں کی نظروں میں قدامت پسند اور سوشیل معاملات میں "بیک ورڈ" تسلیم کئے جاتے ہیں جہاں تک جنسی معاملات کا تعلق ہے یورپ کے گلے میں ایک ایسی ہڈی پھنس گئی ہے کہ جو نہ اُگلی جاتی ہے اور نہ نگلی، کیا وقت نہیں کہ ہم ہوش میں آجائیں اور دوسروں کے تجربات سے فائدہ اُٹھا کر اپنے گھر خاندان سوسائٹی اور ملک کو بربادی سے بچا لیں۔

(باقی صفحہ ۳۴۵ پر)

اُصولِ تعلیم یہ ہو

موجودہ تعلیم میں مندرجہ ذیل اُصول برتے جائیں تو طلبا کے لئے بہت آسانی ہو جائے گی۔

غیر معمولی دماغی محنت کی وجہ سے لڑکوں کی تندرستی روز بروز ناقص ہوتی جاتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شباب آتے ہی سیکڑوں لڑکے دنیا کو خیرباد کہہ دیتے ہیں اور ہزاروں دائمی مریض ہو کر زندگی کے دن بے لُطفی سے پورے کرتے ہیں لہٰذا اسکولوں میں ایسا انتظام ہونا چاہیئے کہ کتب کے مطابق بجنسہ اس کا نمونہ پیش نظر ہو جائے مثلاً حروف۔ ہندسہ۔ چھوٹے چھوٹے الفاظ۔ لکڑی ٹین کے خوش نُما کھلونوں کی طرز پر بنائے جائیں جو بچوں کو بجائے کتاب میں پڑھانے کے کھیلنے کو دئے جائیں اب بچہ ان کھلونوں کو بہت شوق سے کھیلے گا اور ان کے نام آسانی سے یاد کرے گا جغرافیہ کی آسانی کے لئے ایک بڑے احاطہ میں دنیا کا نقشہ بجنسہ بنایا جائے۔ پانچ چھ فٹ کم و بیش لمبائی چوڑائی کے سمندر دو دو تین تین انچ چوڑائی کے سمندر دو دو تین تین انچ چوڑائی کے دریا دو دو فٹ کے شہر (جس قدر وسعت ممکن ہو۔) چھوٹی چھوٹی ریلوے لائنیں اسٹیشن غرضکہ دنیا کی ہر چیز چھوٹی شکل میں موجود ہو۔ بچوں کو جغرافیہ پڑھانے سے پہلے استاد اس دنیا میں سیر کرا دیں بچے نہایت دلچسپی کے ساتھ یاد کر لیں گے۔

تاریخ کی تعلیم کے واسطے یہ ہونا چاہیئے کہ بادشاہوں راجاؤں امرا وزرا کے نام کے مجسمے بنائے جائیں بالفرض بابر بادشاہ ایک چھوٹے محل میں رونق افروز ہیں۔ اراکین سلطنت دربار شاہی میں حاضر ہیں۔ انتظامِ سلطنت پر گفتگو ہو رہی ہے۔ کہیں ہندو راجاؤں کا عہدِ حکومت دکھایا جا رہا ہے۔ کہیں نپولین بوناپارٹ کا طرزِ حکومت بتایا جا رہا ہے۔

فوجی طرز کے مجسمے جمع ہیں جنگ ہو رہی ہے کبھی موجودہ زمانے کے جدید انتظام سلطنت کے کھیل دکھائے جا رہے ہیں۔ ہوائی جہاز اُڑائے جا رہے ہیں۔ توپیں مشین گنیں چل رہی ہیں۔ پارلیمنٹ میں قوانین پر بحث ہو رہی ہے۔ اس طرح تاریخ کے تمام واقعات ہو بہو پیش نظر ہو جائیں گے۔ بچے دلچسپی سے پڑھیں گے اور ایک ایک لفظ اُن کو یاد ہو جائے گا۔ ان اسکولوں میں ڈھائی سال کی عمر سے بچے داخل کئے جائیں اور اتنے چھوٹے بچوں کو ایسی کتابیں پڑھنے کو دی جائیں جن میں صرف خوش رنگ تصاویر ہوں اور نام لکھے ہوں۔ اسی طرح لڑکیوں کو خانہ داری سکھانے کے واسطے گُڑیاں کھلائی جائیں۔ گُڑیوں کے بچے نہلائے جا رہے ہیں ان کی عمر کے لحاظ سے کھانا کھلایا جا رہا ہے۔ ہوا خوری کو جا رہے ہیں۔ اسپتالوں میں مریض گُڑیاں پڑی ہیں۔ نرسیں تیمارداری میں مصروف ہیں شیشیوں میں پانی بھر کر دواؤں کے فرضی نام لکھ دئے گئے وہ مریضوں کو دی جا رہی ہیں۔

(باقی صفحہ ۳۳۲ پر)

"اچھا شیریں! میں اگلے ہفتے کو پھر فون کروں گا"
"خدا حافظ" شیریں نے نہایت مایوس کن لہجے میں مجھے فون پر ہی جواب دیا۔

"خدا حافظ" میں نے تیزی سے کہا اور ریسیور رکھ غیرارادی طریقے سے لمبے لمبے قدم اٹھاتا دور سڑک پر نکل گیا چلتے چلتے مجھے کئی بار شیریں کا خیال آیا۔ "آہ! میں اس قدر مفلس کیوں ہو گیا ہوں۔ آج میں اپنی منسوبہ کو کسی تفریح گاہ میں بھی نہ لے جا سکا" گو اس میں تو کسی کو شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ اس وقت میری جیب گرم تھی لیکن گرم جیب کو تو مجھے جلد ہی مالک مکان کے زر دولت پر سرد کرنا تھا۔

دوپہر کو کھانے کی غرض سے میں ایک ہوٹل میں چلا گیا۔ بوائے کو ایک کافی کے پیالے اور ایک سینڈوچ کے لانے کا حکم دیا۔ میز پر میرے بالمقابل ایک لال سرخ ہوبہو چقندری رنگ کا انسان تشریف فرما تھا۔ وہ بظاہر کتاب کے مطالعہ میں مستغرق نظر آتا تھا۔

"یہ کیا حماقت ہے"۔ میں نے سینڈوچ کھاتے ہوئے سوچا۔ "اب مجھے شیریں کے لئے ایک ہفتہ اور انتظار کرنا ہوگا"۔ میں نے جیب میں سے شیریں کا خط نکالا اور اسے دیوانوں کی طرح پڑھنا شروع کر دیا۔ اس کے ایک ایک لفظ پر میں غور کرنے لگا "وہ ایک شریف باوفا دوشیزہ ہے۔ . . . آہ! یہ کیا حماقت ہوئی . . ."

اسی اثنا میں میں نے نگاہ نیچے جو کی تو میری آنکھیں فرش پر ہی گڑ گئیں۔ فرش پر عین میرے پاؤں کے قریب سو روپے کا نوٹ کمال صفائی سے طے کیا کرایا پڑا تھا۔

بچپن میں مجھے یہ سکھایا گیا تھا کہ جب تمہیں زمین پر روپیہ پڑا ملے تو تم اس پر فوراً اپنا پاؤں رکھ دینا۔ میں نے اس پرانے سبق کو دہرایا۔ اور دل ہی دل میں یہ عزم مصمم کیا کہ جب تک چقندری انسان بیٹھا رہے گا اس وقت تک اپنی جگہ سے نہ ہلوں گا اور نہ نوٹ پر سے پاؤں ہٹاؤں گا وقت گزرتا تھا لیکن یہ اپنی جگہ سے نہ اٹھا۔ وہ پڑھتے۔ سگریٹ کے بعد سگریٹ ختم کرتا لیکن اٹھنے کا نام نہ لیتا۔

میں نے جب دیکھا کہ یہ حضرت اٹھنے کا نام نہیں لیتے تو میں نے شیریں کے خط کی پشت پر ایک فہرست لکھنی شروع کر دی ان چیزوں کی جو میں عنقریب ایک سو روپے سے خریدنے والا تھا۔

"میں اپنے لئے ایک نیا سوٹ خریدوں گا مع ریشمی نکٹائی موزوں اور دستانوں کے۔ نئی قمیض خریدنے کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ وہ سوٹ کے اندر چھپ سکتی ہے۔ ہاں ایک خوبصورت ساڑھی لیلا رام کے ہاں سے ضرور خریدوں گا۔ نیلے رنگ کی ہوگی مگر۔ نیلا رنگ شیریں کو بہت بھاتا ہے۔ میں اسے وہ ساڑھی پہنا کر ڈیوی کورز لے جاؤں گا ڈنر پر۔ پھر کیا ہے شیریں نیلم پری بن جائے گی۔ نیلم پری . . ." میں تھوڑی دیر کے لئے نیلم پری کے تصور میں کھو گیا۔ گھنٹے کی ٹن ٹن نے مجھے وقت سے آگاہ کیا۔ "یا میرے خدا! ایک صحیح سالم گھنٹہ گذر گیا۔ لیکن یہ عجیب آدمی اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ میں کھونچکا سا ہو گیا۔" وہ تو اٹھنے کا نام نہیں لیتا۔ میں نے دل میں کہا پھر اس کی طرف قہرآلود نظروں سے گھورا۔ اس نے بھی کتاب پر سے نظریں ہٹائیں۔ جیب سے رومال نکالا اور کروڑپتی کے منیجر کی طرح ناک صاف کرنے لگا۔ اس نے مجھے مشکوک نگاہوں سے دیکھا۔ اس کے بعد وہی کتاب اور وہی چقندری انسان

اس کی کتاب سے مجھے سخت نفرت ہو چلی تھی۔ آخر کار میں نے اپنے ساتھی کو باتیں کرنے پر مجبور کیا۔
آج سیر کے واسطے بہت اچھا دن ہے"۔ میں نے اپنے ساتھی کو مخاطب کیا "کیا آپ سیر پسند کرتے ہیں؟"
"ہاں سیر کرنا میرا بہترین شوق ہے۔ میں ابھی ابھی سیر سے لوٹ کر آ رہا ہوں"۔ اس نے یہ کہتے ہوئے گھنٹہ کی طرف دیکھا۔ میں نے موقعہ کو غنیمت کو جانتے ہوئے کہا۔
"کیا آپ کو کسی کا انتظار ہے؟"
"ہوں۔ مجھے دو بجے ایک دوست سے یہاں ملنا تھا۔ اس وقت سوا دو بج رہے ہیں"۔
"میرے خیال میں تو گھنٹہ ضرورت سے زیادہ سست ہے اس وقت تو کم سے کم ڈھائی بجے کا عمل ہو گا"۔
میں نے کہا "آپ کو مزید انتظار نہ کرنا چاہیئے"۔
"بس وہ آتے ہی ہوں گے" اس نے کمال بے اعتنائی سے کہا۔ میں بدستور نوٹ پر پاؤں رکھے ہوئے تھا۔ پاؤں کی انگلیاں دکھنے لگیں۔ ٹانگ کے رگ و ریشے میں تکان محسوس ہو رہی تھی۔ میں سر تا پا کانپ رہا تھا۔ میں مجنوں کی مانند۔ میں اب نوٹ کے اٹھانے کی تدبیر سوچ رہا تھا۔
کچھ سوچ کر میں نے پنسل زمین پر گرائی اور جب اسے جھک کر اٹھانے لگا تو وہ چند رضاں بھی نیچے جھک گیا۔ "کچھ کھو گیا ہے؟"
"نہیں پنسل گری تھی۔ اسے اٹھا رہا ہوں"۔ اب میں ہوش باختہ ہو چکا تھا۔ میں پہلے سے بھی زیادہ کانپ رہا تھا۔ وہ آدمی سخت اذیت پہنچا رہا تھا۔ اس کی نگاہیں اب بجائے کتاب کے زمین پر گڑی ہوئی تھیں۔ وہ کسی کھوئی ہوئی چیز کی تلاش میں سرگرداں نظر آتا تھا۔ میرے پاؤں کو وہ بڑی تیز نظری سے گھور رہا تھا۔
میرے جوتوں میں کونسی ایسی چیز ہے جس کو آپ جانچنے کی بری طرح لے رہے ہیں؟"
"نہیں۔۔۔ ہاں۔۔۔ لیکن" اس نے گھبراہٹ میں کہا"۔۔۔ تم جانتے ہو۔۔۔ کچھ دیر پیشتر یہاں ایک نوٹ پڑا تھا"۔ اس نے بمشکل تمام یہ فقرہ ختم کیا۔
یہ سنتے ہی میں نے مایوسی اور بوکھلاہٹ کے عالم میں نوٹ زمین پر سے اٹھا لیا۔ نوٹ کو فضا میں لہراتے ہوئے میں نے کہا "کیا آپ کا مطلب اس نوٹ سے ہے؟"
"جی ہاں"
"کیا یہ آپ کا گمشدہ مال ہے؟"
"نہیں"
"تو پھر تم کیا چاہتے ہو؟"
نوٹ"
"وہ کیسے؟"
"میں نے اسے پایا تھا"
"یہ نوٹ تمہارا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ تم نے اس پر پاؤں تک بھی نہیں رکھا تھا"۔
"میرا خیال تھا" اس نے ہونٹوں سکیڑتے ہوئے کہا۔
"جب تم چلے جاؤ گے تو میں اسے اٹھا لوں گا۔ لیکن تم تو اٹھنے کا نام ہی نہیں لیتے تھے۔ بیٹھے پنسل سے کاغذ پر کچھ لکھ رہے تھے۔ بڑے آئے حساب کرنے"۔
"نہیں جناب میں حسابی سوالات حل کر رہا تھا اور نہ فضول لکیریں کھینچ رہا تھا۔ میں ان چیزوں کی فہرست بنا رہا تھا جو میں عنقریب اس نوٹ سے خریدنے والا تھا"۔
"لیکن یہ ناممکن ہے قطعی ناممکن" وہ چیخا۔
کیوں؟
میری کیوں کو سنتے ہی اس کا چقندر کی طرح اور بھی زیادہ سرخ ہو گیا۔ اس کی آنکھیں انگارے کی مانند سرخ ہو گئیں۔ اس نے کہا "میں پچھلے چند سال ایک ایک۔

مرض میں مبتلا رہا ہوں۔ مجھے صحت کی درستی کے لئے قیمتی ٹانک خریدنی ہیں۔ مثلاً اوکی سا برانڈی وغیرہ۔

"میں جانتا ہوں" نذرے شرمندہ ہو کر میں نے کہا کہ ہم اس نوٹ کو آدھا آدھا بانٹ لیں۔

ساقی نے رضامندی کا اظہار کیا اور ہم نے کاونٹر پہ نوٹ بھنوایا اور بغیر کسی حجت کے پچاس پچاس روپے لے لئے۔

میں اپنا حصہ لے کر ہشاش بشاش باہر نکلا۔ باہر جاکر جب روپیہ جیب میں ڈال چکا تو مجھے ایک تلخ حقیقت سے دوچار ہونا پڑا۔ افسوس صد افسوس امیرا نہایت صفائی سے تو کیا گرایا نوٹ جیب سے ایک بہت بڑے سوراخ کے ذریعے غائب ہو چکا تھا۔

ہماری شیریں آہ! اب اُسے ایک مہینہ اور انتظار کرنا ہوگا۔

(انگریزی سے) **نصرت نشاط**

باقی صفحہ ۳۲۹ کا

فن باغبانی وزراعت یوں سکھایا جائے کہ مصنوعی درخت لگا دئے جائیں ترکیۂ جلائے جارہے ہیں انجن بانغ بنیچ رہے ہیں اصول باغبانی وزراعت بتایا جارہا ہے۔ اس طریقہ تعلیم سے نہ اساتذہ کو زیادہ دماغ ریزی کرنی پڑے گی نہ بچے کے نازک ذہن پر زور پڑیگا۔ اس طریقہ تعلیم سے چھوٹی عمر میں بڑی معلومات حاصل ہونگی۔ یہاں آٹھ سال کی عمر کے بچے یہ نہیں جانتے کہ برلن کہاں ہے۔ نیویارک کس ملک میں ہے۔ نپولین کون تھا جولیس بادشاہ تھا یا فقیر ان کھیلوں کے ذریعہ تین چار سال کا بچہ بتا دیگا کہ جولیس بادشاہ تھا۔ برلن جرمنی میں ہے پیرس فرانس میں۔ ابتدائی تعلیم اس طرز پر ہونا ضروری ہے۔ بہنیں اور بھائی میری اس ناقص رائے پر اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں۔

مسز محمد یحییٰ چرکھاری

"میرے لئے"[۱]

آراستہ ہے صحنِ گلستاں میرے لئے
نغمہ سرا ہیں مرغِ خوش الحاں میرے لئے
چلتی ہے سرد بادِ صبا میرے واسطے
آتا ہے روز ابرِ بہاراں میرے لئے
روشن ہے میرے واسطے رخسارِ ماہتاب
تارے ہیں بزمِ چرخ میں رقصاں میرے لئے
بہتے ہیں سوز و ساز سے دریا میرے لئے
شاداب ہے فضائے گلستاں میرے لئے
کھلتی ہے میرے واسطے شفاف چاندنی
روشن ہے حورِ صبح کا داماں میرے لئے
میری ہی دھن میں پھرتی ہیں باغوں میں تتلیاں
کلیوں کے روئے ناز ہیں رخشاں میرے لئے
نغماتِ پُرسرور سناتی ہے کائنات
لاتا ہے ابرِ عیش کا ساماں میرے لئے
کرتی ہے نذر اوس کے موتی خموش رات
گلشن کا عطر بیز ہے داماں میرے لئے
گل کھا رہی ہیں باغ میں گلپوش جھاڑیاں
ہر مطربِ چمن ہے غزل خواں میرے لئے
میرے لئے ہے موسمِ برسات کی بہار
لبریز ہے گلوں سے بیاباں میرے لئے
سُرخی شفق کو نورِ سحر کو گلوں کو بُو
جاری ہے ایک چشمۂ فیضاں میرے لئے
بخشی ہے مجھ کو خالقِ یکتا نے کائنات
ہیں عیش کے نشاط کے ساماں میرے لئے

صفیہ شمیم ملیح آبادی

[۱] یہ نظم مشاعرہ خواتین لکھنؤ میں پڑھی گئی اور نشر بھی کی گئی تھی۔

اُردو اخبارات کے احسانات

غالباً یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اُردو اخباروں کی اشاعت زیادہ تر مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے اور مسلمان گھروں ہی میں ان کی خریداری کی کثرت ہے۔ چند اخباروں اور رسالوں کو چھوڑ کر میں اڈیٹر صاحبان سے یہ پوچھنے کی جُرأت کرتی ہوں کہ اخبارات اور رسالوں کی اشاعت سے ان کا مقصد کیا ہے۔ ظاہر ہے ہر صاحب اس کا جواب یہی دیں گے کہ اخبارات اور رسالے مُلک و قوم کی ذہنی نشو و نما میں مدد ہوتے ہیں۔ اور ان کی اصلاح کرتے ہیں۔ لیکن جیسی کچھ یہ اخبارات اپنی قوم کی خدمت کر رہے ہیں وہ قابل صد تحسین و آفرین ہے۔

بہت سے اخبارات سیاست کا اکھاڑہ بن کر رہ گئے ہیں اور مستقبل میں بڑے تصادم کے جراثیم پیدا کر رہے ہیں۔ جو کسی دن کوہ آتش فشاں کی طرح دونوں قوموں پر پھٹ پڑیں گے۔ اور جلا کر خاک سیاہ کر دیں گے۔

آجکل اُردو پرچوں کی فنا و بقا کا راز اڈیٹر کے حُسن انتخاب پر ہے پھر وہ اخبارات جنہوں نے ٹھیکہ لے لیا ہے بداخلاقی کیوں نہ پھیلائیں گے اور چٹ پٹے رنگین رومانوی حُسن و عشق میں ڈوبے ہوئے افسانے شائع نہ کریں گے اور رنگیلے نوجوان کیوں نہ ان کو پسند کریں گے۔ جنہوں نے آنکھ ہی ایسے اخباروں میں کھولی ہے۔ ایسے اخبارات کی اشاعت کیوں نہ روز بروز ترقی کرے گی۔

دوسرا اہم ذریعہ اخبارات کی مالی حالت درست کرنے کا یہ بھی خوب ہے کہ نادر اور نایاب نسخوں اور دواؤں کے اشتہار شائع کئے جاتے ہیں۔ مردہ دوزخ میں جائے یا جنت میں ان کو اپنے ملوے مانڈے سے کام۔ اور پھر دواؤں کے اشتہارات ہی نہیں غضب تو یہ ہے کہ فحش کتابوں کے اشتہار شائع کئے جاتے ہیں۔ اور ان کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا دئے جاتے ہیں۔ ان اشتہاروں کا مضمون جیسا دلفریب ہوتا ہوگا اس کو میں غریب کیا لکھ سکتی ہوں۔

ایک زنانہ رسالہ میں ان کے عنوانات لکھتے ہوئے بھی شرم آتی ہے غرضیکہ یہ ہیں وہ اشتہارات جن سے آپ مُلک و قوم کی خدمت کرتے ہیں۔ نوجوان بچّوں کے جذبات اُبھار کر ان کی بربادی کا تماشہ دیکھتے ہیں۔ جھوٹے اشتہار چھاپ کر دنیا میں اقتدار حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ حال معمولی پرچوں کا نہیں ہے ان کا ہے جو ہندوستان کے چوٹی کے رسالے کہلائے جانے کے مستحق سمجھے جاتے ہیں۔ مضامین جیسے کچھ ہوتے ہیں وہ ظاہر ہے۔ نوجوانوں کا چُھپ چُھپ کر عشق کرنا۔ دونوں کا جذبات کے ہاتھوں مجبور ہو جانا۔ پھر ان کی قیامت خیز گفتگو۔ جو نوجوانوں کے جذبات کو اُبھارے۔ یہ نئی پود جو ایسے ماحول میں پرورش پا رہی ہے آئندہ چل کر ہماری جانشین کہلائے گی آپ

کیا اُمید رکھ سکتے ہیں کہ فخر قوم اور فخر خاندان کہلائے گی؟ غریب مغربی عورتوں کو یہ رسالے ناحق بدنام کرتے ہیں جبکہ یہ لوگ خود اپنی قوم کے بچّوں کو ذہنی عیاشی میں مبتلا کر رہے ہیں۔ خدا ان پرچوں کو سلامت رکھے ہم کو تو کچھ اس سے بھی زیادہ اُمید ہے۔ حیا جزو ایمان ہے مگر افسوس یہ پرچے اسے بالکل ہی اُڑا رہے ہیں۔

اور تو اور ان رسالوں میں کنواری لڑکیوں تک کے اس قسم کے مضامین جب میری نظر سے گذرتے ہیں تو میں دستِ حسرت مل کے رہ جاتی ہوں لیکن وہ غریب کیا کریں کب تک متاثر نہ ہوں۔ کب تک پُرانی روایات کی حامل رہیں۔ جب یہ ہرے بھرے باغ ان کی نظر کے سامنے آتے رہیں۔

ایک رسالہ میں ایک مس صاحبہ فرماتی ہیں "اے سکھی مجھ کو نہ چھیڑ کیونکہ میں کنواری ہوں" انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ہائے افسوس ان کو یہ بھی شرم نہیں آئی کہ جب یہ ہمارے ادبی شہ پارے منظرِ عام پر آئیں گے تو لوگ کیا کہیں گے۔ مگر حیا و شرم تو ان اخباروں کے مطالعہ سے رُخصت ہو چکی ہے۔

اب ان اشتہاروں کی حقیقت بھی سُنئے ایک لڑکی نے اشتہار پڑھ کر بیوٹی لوشن دہلی سے منگوایا جس کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملائے گئے تھے ایک گھڑی انعام میں دینے کا وعدہ کیا تھا۔ چنانچہ چھ روز پارسل موجود تھا۔ ڈھائی روپیہ خرچ کرنے کے بعد ایک پیسہ والی گھڑی نکلی جو بچّوں کے کھلونوں میں عام طور پر ملتی ہے شیشی میں گلابی رنگ تھا۔ اس گھڑی ہی سے ہم نے اندازہ لگا لیا کہ ان اشتہاروں کی کیا حقیقت ہے۔ جس کی گارنٹی بھی خیر سے دس بارہ سال سے کم نہ تھی۔ یہ ہیں وہ اشتہارات جن پر قوم کے اخلاق اور پیسے تک کو برباد کیا جا رہا ہے ہمارے اخبارات صرف اپنا اُلّو سیدھا کرنا جانتے ہیں ان کو قوم کی اصلاح کی بالکل پروا نہیں۔

حق تو یہ ہے کہ سارا الزام اخباروں پر تھوپ دینا انصاف سے بعید ہے۔ پبلک کیوں ایسا قانون پاس نہیں کراتی؟ مصنف کیوں ایسے مضامین لکھنے سے گریز نہیں کرتے۔ شریف لوگ کیوں ایسے اخبار خریدنا بند نہیں کرتے۔ لائبریریاں کیوں ایسی فحش اور لغویات سے خالی نہیں کی جاتیں؟ گھروں میں کیوں بچّوں کو سختی سے نہیں روکا جاتا کہ وہ اس قسم کے مضامین پڑھنے سے گریز کریں؟

عزیز بہنوں میرا تو قلم تھک گیا دماغ بیکار ہو گیا آنکھیں کمزور ہو گئیں لیکن میری کوئی نہیں سُنتا۔ مضامین لکھتی ہوں اور شائع بھی ہوتے ہیں۔ لیکن وہی صدائے برنخواست کاغذی رونے پیٹنے سے کیا ہوتا ہے۔ سب ملکر عملی قدم اُٹھائیں تو کچھ نتیجہ نکلے۔

مسز ضیاء الحسن تھانوی

محبّت

ایک روز میں نے بلبل سے پوچھا —— محبت کسے کہتے ہیں؟ —— وہ شاخِ گُل سے گری اور تڑپ کر اپنی پیاری جان دے دی!!

(ماخوذ)

محمود علی۔ حیدر آباد دکن

صحت اور غذا

آجکل ایک عام شوق خواتین میں ترقی کر رہا ہے اور وہ یہ ہے کہ جسم بالکل دُبلا پتلا رہے۔ اس شوق کو پورا کرنے کے لئے طرح طرح کی دوائیں استعمال کی جاتی ہیں۔ مسہل لئے جاتے ہیں۔ لیکن تجربہ یہ بتاتا ہے کہ ان کوششوں سے فائدہ تو ہوتا نہیں البتہ کمزوری کافی ہو جاتی ہے۔ بغیر سوچے سمجھے پیٹ کر دینا کہ غذا اور دوا صرف نقصان مند ہوگی بڑا غلط طریقہ ہے۔ جسم بالکل دُبلا ہونا ہرگز خوبصورتی نہیں اگر کوئی خاتون خوبصورت ہوں مگر دبلی اتنی ہوں کہ رُخسار پچکے یا دبے ہوئے ہوں تو ان کی خوبصورتی خاک میں مل جائے گی۔ پھر یہ بھی ہے کہ دُبلی عورت ہو یا مرد سن عمر سے زیادہ معلوم ہونے لگتا ہے۔ لیکن موٹی عورت بھی خوبصورت نہیں کہی جاسکتی آپ پوچھیں گی تو پھر جسم کیسا ہونا چاہئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سڈول گول جسم کسا ہوا گوشت ہو جس کو ادیب و شاعر چھریرے بدن سے تعبیر کرتے ہیں۔ آپ سوال کریں گی پھر اپنے جسم پر کیسے قدرت حاصل ہو؟

خانہ داری اور دوسری مصروفیات کی وجہ سے ہر کام کو بلاناغہ انجام دینا بہت مشکل ہے اور آجکل دُبلے ہونے کا جو علاج رائج ہے اس کے لئے ضرورت ہے کافی وقت کی۔ کیا آپ بلاناغہ ورزش کر سکتی ہیں۔ یا چھ میل پیدل چل لینے کے لئے آسانی سے وقت نکال سکتی ہیں۔ یا آپ بالکل سبزی ترکاری پر اپنی زندگی گذار سکتی ہیں یا صرف دُبلے ہونے کے لئے دُنیا کی بہترین غذائیں جو قدرت کا خاص عطیہ ہیں ان کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ سکتی ہیں۔ نہیں آپ ان میں سے ایک بات ہمیشہ بلاناغہ پابندی کے ساتھ نہیں کر سکتیں پھر آپ کو کیا کرنا چاہئے؟

پہلی بات یہ ہے کہ کوئی بھی شکایت ہو بغیر دوا کے غذا کے استعمال سے اس کو رفع کرنے کی کوشش کرنا چاہئے مگر میری مُراد اُن امراض سے نہیں جو سخت یا واقعی مرض ہوں بہت سے مرض ایسے ہوتے ہیں کہ وہ مرض نہیں ہوتے لیکن ان کو مرض سمجھ کر علاج کیا جاتا ہے اور دوا کا صحت پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ یہ میں آئندہ بتاؤں گی کہ وہ مرض کون کون سے ہیں۔ یہاں تو بتانا مقصود ہے کہ جسم کو فائدے میں کس طرح رکھا جاسکتا ہے۔ جسم بڑھتا کیوں ہے یاد رکھیے خرابی معدہ اور غلیظ خون سے۔ آپ پوچھیں گی خون غلیظ کیسے ہوتا ہے سنیئے معدہ پر جگر کی کمزوری سے۔ اگر آپ میں ہضم کی زیادہ طاقت نہیں ہے۔ آپ نے زیادہ طاقتور غذا کھائی جس کو معدہ ہضم نہیں کر سکتا تو غذا خام رہ جائے گی اور جگر کو جو اس کا جوہر پہنچے گا وہ کثیف ہوگا پھر اس کو صالح خون سے تبدیل نہ کر سکے گا بلکہ گاڑھا اور کثیف خون جسم کو پہنچے گا وہی خون جسم میں پھیل کر بلغم پیدا کرے گا اور اس سے سارا جسم بھدا ہوگا طاقت کم ہوتی ہے سانس پھولتی ہے۔ پیٹ بڑا ہو جاتا ہے۔

صحت کے لئے سب سے پہلی چیز ہوا ہے جس کا تعلق موسم سے بہت زیادہ ہے۔ ہوا صاف وہ ہے جس میں دھواں بھاپ اور گرد نہ ملی ہو۔ ہوا ہر موسم میں تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ فصلیں چار ہوتی ہیں جاڑا گرمی برسات و بہار۔ بہار کا زمانہ فروری و مارچ ہے۔ بہار کے زمانہ میں مزاج گرم و تر ہوتا ہے۔ گرمی کی فروری سے ابتدا ہوتی ہے۔ اس زمانہ میں تمام رات کافی سردی ہوتی ہے اور دن کو گرمی۔ دو اختلاف فصل کے ایک ساتھ ہی رونما ہوتے ہیں اس زمانہ میں ہوا بہت مرطوب ہوتی ہے۔ لہذا کافی پرہیز کرنا چاہیے معتدل غذا اور گرم نہیں تو موٹے کپڑے ضرور استعمال کرنے چاہئیں۔ زیادہ سرد اشیا وغیرہ سے قطعی پرہیز کرنا چاہئے فروری اور مارچ میں بلغم کی افزائش بہت ہوتی ہے نزلہ بہت جلد اثر کرتا ہے۔ گرمی کا زمانہ اپریل مئی جون اور نصف جولائی تک ہے

اس زمانہ میں مزاج گرم وخشک ہوتا ہے گرمی میں زیادہ پانی پینے سے ہاضمہ ضعیف ہوجاتا ہے اس لئے غذا کم اور ہلکی کھانا چاہیئے۔ ٹھنڈی چیزوں کا استعمال اور سایہ دار ہو اور جہاں صاف ہوا گزر ہو۔ ٹھنڈی جگہ پر رہنا چاہیئے۔ پہلی چیز صحت کے لئے غسل اور صفائی ہے۔ لیموں کا عرق بادام کی لسی یا کیری کا آبشورہ بہت مفید ہے جس سے معدے کی گرمی دور رہتی ہے۔ ہاضمہ درست رہتا ہے۔

بعض بہنوں کی عادت ہوتی ہے کہ خود ہی یہ فیصلہ کرلیتی ہیں کہ فلاں چیز نقصان دہ ہے فلاں فائدہ مند ہے اس خیال کے ماتحت ہم بہت سی صحت کی بہترین غذاؤں کو کھو دیتے ہیں مثلاً بعض جگہوں میں دہی کو کوئی ضروری چیز نہیں سمجھا جاتا اسی طرح بعض جگہوں میں شربت یا آبشورہ کا بالکل رواج نہیں اسی طرح بعض سبزیاں جن کے لئے خود فیصلہ کرلیا جاتا ہے کہ نقصان دہ ہیں حقیقتاً صحت کے لئے ضروری ہیں۔ اگر ایک نقصان کسی چیز میں دیکھا جاتا ہے تو اسی میں دو فائدے ایسے پنہاں ہوتے ہیں جن کو ہم نظرانداز کردیتے ہیں۔

برسات نصف جولائی سے اکتوبر تک رہتی ہے اس زمانہ میں فصل میں دو اختلاف ہوتے ہیں جب پانی برستا ہے تو ٹھنڈک ہوجاتی ہے اور جب بارش نہیں ہوتی تو سخت گرمی ہوتی ہے لہٰذا یہ گرمی سردی مل کر فصل نہایت خراب ہوتی ہے۔ ہاضمہ بھی خراب رہتا ہے اس زمانہ میں بہت ہلکی زود ہضم اور سادی غذا استعمال کرنا چاہیئے بارش کے زمانہ میں غذا پیٹ میں پھولتی ہے دیر میں ہضم ہوتی ہے۔ دسمبر سے جنوری تک جاڑے کا موسم بہت عمدہ ہوتا ہے۔ آب وہوا طبیعت کو فرحت دیتی ہے۔ ہوا بہت صاف ہوتی ہے۔ جسم کے اندر حرارت رہتی ہے اس کے سبب سے ہاضمہ بہت قوی ہوجاتا ہے۔ اس زمانہ میں مقوی غذا بخوبی ہضم ہوتی ہے۔ گوشت انڈا مچھلی حلوا میوہ وغیرہ وغیرہ بہت ہی مفید اور بہتر غذائیں ہیں۔ اور بھوک بھی خوب لگتی ہے اس زمانہ میں عموماً کوئی شکایت نہیں ہوتی اور صحت عمدہ رہتی ہے۔

غذا۔ جس غذا کے کھانے سے خون پتلا ہو اسے غذائے لطیف، جس سے خون غلیظ پیدا ہو اس کو غذائے کثیف، جس غذا سے خون صالح (صاف) پیدا ہو اس کو محمود الکیموس، جس سے خون ناقص پیدا ہو اس کو ردی الکیموس، جس غذا سے بہت خون پیدا ہو اس کو کثیر الغذا اور جس سے کم پیدا ہو اس کو قلیل الغذا کہتے ہیں۔ اگر آپکا جسم بھدا ہے ہاتھ پیروں میں تشنج اور کاہلی معلوم ہوتی ہے تو سمجھئے کہ خون گاڑھا پیدا ہوتا ہے۔ روانی میں کمی ہے ایسی غذائیں استعمال کیجئے کہ خون پتلا پڑ جائے۔ تھوڑی محنت کیجئے تاکہ خون کی روانی خوب ہو۔ اگر جسم دبلا ہے کمزوری معلوم ہو طبیعت گری رہے جسم پر سفیدی یا زردی معلوم ہو تو ایسی غذا کھائیے کافی مقدار میں خون بنے۔ اگر آپ کے جسم میں خون بہت ہو ہاتھوں کی پشت ناخون رخسار قاعدے کے خلاف سرخ ہوں تو ایسی غذا کھائیے جس سے خون کم بنے جن چیزوں سے خون ناقص پیدا ہو اس سے حتی الامکان پرہیز کیجئے۔ جس سے خون صالح پیدا ہو اسکو فصل کے لحاظ سے زیر استعمال رکھئے۔ محافظ صحت کو چاہیئے کہ دونوں وقت کے مطابق غذا کھائے ایک روز ایک وقت کا فاقہ کرے اور جب تک خوب بھوک نہ معلوم ہو اس وقت تک کھانا نہ کھانا چاہیئے لقمہ خوب چبا چبا کر کھانا مفید صحت ہے ذرا بھی پیٹ پر بوجھ یا تشنج معلوم ہو تو کھانا نہ کھانا چاہیئے طبیبوں کا تجربہ ہے کہ زیادہ تر بیماریاں معدہ سے پیدا ہوتی ہیں کھانے کے بعد فوراً سو جانا یا دوڑنا ورزش کرنا وغیرہ بہت مضر ہے۔ بہنیں اگر اپنی طبیعت اور مزاج کا اندازہ لگا کر فصل کے مطابق صرف غذاؤں کے ردوبدل کریں تو میں یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ صحت بہت بہتر ہوجائے گی۔

مسز حمید لکھنوی

انتقام

رام گڈھ کی چھوٹی سی گڑھی میں آج شادمانی نے ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔ ہر شخص اپنی خوشی کا اظہار طرح طرح سے کر رہا ہے۔ کیوں نہ ہو۔ آج راج کماری بملا دیوی کی برات آنے کو ہے۔ رام گڈھ کے راجہ فتح سنگھ اپنے پردھان کے ساتھ بیٹھے کچھ مشورہ کر رہے ہیں۔ شہر کے ایک اونچے برج پر ایک چوکیدار متعین کر دیا گیا ہے تاکہ برات کے آنے کی اطلاع کر دے۔ برات کے آنے کا مقررہ وقت گذر چکا۔ فتح سنگھ کسی قدر گھبرایا ہوا اپنے پردھان سے باتیں کر رہا ہے۔ دن چھپ چکا۔ تمام شہر چراغوں سے منور ہو گیا۔ آج بملا دیوی کی برات آئے گی نا۔

پردھان جی! برات کو اب تک آ جانا چاہیئے تھا۔ مجھے بہت فکر ہو رہی ہے۔ تم جانتے ہو نکا راؤ کے راستے میں شیر سنگھ کی گڑھی پڑتی ہے۔ اب میں غور کرتا ہوں تو مجھے افسوس ہوتا ہے کہ کیوں نہ میں نے شیر سنگھ کا پیغام قبول کر لیا۔ بملا کی ضد پوری کرنے کے لئے میں نے شیر سنگھ کی دشمنی مول لی۔ شیر سنگھ ایک اطاعت گذار داماد بنتا لیکن اب وہ ایک خطرناک دشمن ہے۔ اگر وہ نکا راؤ کی برات پر حملہ کر دے تو نکا راؤ کیا کرے گا۔" فتح سنگھ نے پردھان سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ اتنے میں چوکیدار نے پکارا "فتح سنگھ مہاراج کی جے۔ بہت دور سے لوگ نظر آتے ہیں۔" تمام گڑھی میں خبر مشہور ہو گئی۔ رام گڑھ کی پوری آبادی گڑھی کے دروازے پر آن پہنچی۔ مہاراجہ فتح سنگھ اور پردھان بھی ان میں شریک تھے۔ بار بار فتح سنگھ کی جے "بملا دیوی کی جے"۔ کے نعرے بلند ہوتے تھے۔ فتح سنگھ نے پردھان کے کان میں کہا "یہ برات نہیں معلوم ہوتی یہ تو کوئی حملہ آور لشکر ہے۔ کیا تم ہتھیاروں کی جھنکار نہیں سنتے۔" پردھان چپ تھا۔ آخر وہ لشکر گڑھی کے دروازے پر آن پہنچا۔ شیر سنگھ سب سے آگے گھوڑے پر سوار تھا۔ اور پیچھے اس کے مسلح راجپوت تھے۔ "شیر سنگھ۔ میری بیٹی کے بیاہ کے وقت تمہارا اس طرح فوج لے کر بن بلائے آنا کیا معنی رکھتا ہے؟ اگر تم بملا کے بیاہ میں شرکت کرنے کے لئے آئے ہو تو میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں لیکن اگر کسی دوسرے ارادے سے آئے ہو تو یاد رکھو کہ فتح سنگھ کی تلوار ایک بار میان سے نکل کر بغیر خون کی بھینٹ لئے واپس نہ ہو گی۔" فتح سنگھ نے گرجتی ہوئی آواز سے کہا "چاچا جی! آپ بزرگ ٹھہرے۔ مجھے افسوس ہے کہ مجھے یہاں اس طرح آنا پڑا۔ میں نے نکا راؤ سے پہلے بملا سے بیاہ کا پیغام دیا تھا اور ہمارا بیاہ بھی ہونے ہی والا تھا کہ آپ کا ارادہ بدل گیا۔ آج میں آیا ہوں کہ بملا کو اپنے ساتھ لے جاؤں۔ میں گوارا نہیں کر سکتا کہ نکا راؤ بملا کو بیاہ لے جائے۔ اور میں منہ تکتا رہ جاؤں۔ اب جنگ یا امن آپ کے ہاتھ ہے۔" شیر سنگھ نے ادب سے جواب دیا۔ فتح سنگھ نے کہا "یہ سچ ہے کہ تم نے نکا راؤ سے پہلے بملا سے شادی کی درخواست کی تھی لیکن بملا نکا راؤ ہی کو پسند کرتی ہے۔ اور اس سے بیاہ کرنے پر راضی ہوتی ہے وہ میری اکلوتی بے ماں کی بچی ہے اور میں اس کی اس خواہش کو ٹالنا نہیں چاہتا۔"

بس تو پھر میں تلوار کھینچنے پر مجبور ہوں چاچا جی۔ شیر سنگھ نے جواب دیا۔ فتح سنگھ غصہ سے تھرا اُٹھا اور کہنے لگا "یاد رکھو شیر سنگھ میں اور میری رعایا سب راجپوت ہیں اور تم بملا کو ہم سب کی لاشوں کو روندتے ہوئے ہی لے جا سکتے ہو"۔ اتنے میں بھیڑ کو چیرتی ہوئی خود بملا آ موجود ہوئی۔ سرتاپا قیمتی کپڑوں میں ملبوس بالوں میں موتی گندھے ہوئے۔ غرض حسن و سجاوٹ کا مکمل نمونہ اس کو دیکھتے ہی نعرہ بلند ہوا "بملا دیوی کی جے"۔ وہ آتے ہی چلا اُٹھی "شیر سنگھ میں نہیں چاہتی کہ میرے لئے بے گناہ رعایا کا خون بہایا جائے میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں لیکن یاد رکھو تکاراؤ ضرور تم سے ایک روز اس بے عزتی کا انتقام لے گا"۔ "تم نے آج ثابت کر دیا کہ تم ایک بہادر باپ کی بہادر بیٹی ہو بملا۔ آؤ چلیں"۔ شیر سنگھ نے کہا۔ فتح سنگھ ہکا بکا ہو کر چلا اُٹھا "یہ تم کیا کر رہی ہو بیٹی!" بملا نے جواب دیا "میرے لئے ہزاروں گھر نہ اجاڑیئے پتا جی، مجھے جانے دیجئے"۔ لشکر جرار آن واحد میں غائب ہو گیا۔

آج چودھویں رات ہے۔ چاند اپنی پوری شان کے ساتھ شہروں اور جنگلوں میں ضیا پاشی میں مصروف ہے۔ بملا شیر سنگھ کے محل کی کھڑکی میں سے جھانک رہی ہے۔ کچھ دور تکاراؤ کی گڑھی نظر آتی ہے۔ "تم اب تک اُس کے آنے کا انتظار کر رہی ہو؟ نادان لڑکی"۔ شیر سنگھ جو اس کے پیچھے کھڑا ہوا تھا چلا اُٹھا۔ "پران پتی! ہندو دھرم نے مجھے آپ کے چرنوں میں پیش کر دیا ہے۔ میرا جسم آپ کا ہے لیکن تکاراؤ کو کیسے بھول جاؤں۔ جانتی ہوں وہ اپنی بے عزتی کا جلد انتقام لینے آئے گا"۔ بملا نے جواب دیا اُس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

شیر سنگھ کے محل میں آج بہت رونق ہے۔ آج اُسے اپنی گڑھی کے تمام سادھوؤں اور فقیروں کو بھوجن کرانا ہے۔ مہاراجہ اور مہارانی خود انتظام میں مشغول ہیں۔ مہارانی سے اُس کی ایک سہیلی نے آ کر کہا "رانی ذرا اُس سادھو کو تو دیکھو کچھ کھاتا ہی نہیں۔ ہماری طرف تک رہا ہے"۔ "سادھو جی کھایئے نا کچھ اور خدمت ہمارے لائق ہو تو فرمایئے"۔ بملا نے سادھو سے کہا۔ لیکن اُس کا چہرہ زرد پڑ گیا وہ پہچان گئی کہ ان گیروے کپڑوں میں تکاراؤ ہی چھپا ہوا ہے۔ "تم نے غالباً مجھے پہچان لیا بملا"۔ "ہاں" بملا نے جواب دیا اور پھر انتظام میں مشغول ہو گئی۔

صبح چار بجے کے وقت بملا اُٹھی اور اپنے باغ میں سے ہوتی ہوئی وقت مقررہ پر دروازہ پر جا پہنچی۔ وہاں سادھو اس کا منتظر تھا۔ "میرے قریب آؤ بملا میں اسوقت کا کتنی مدت سے منتظر تھا۔ خبردار! تمہیں معلوم ہے کہ میں دوسرے کی ہوں"۔ بملا کی آنکھیں غصہ سے چمک اُٹھیں "میں سمجھتی تھی کہ تم ایک سچے راجپوت کی طرح اپنی بے عزتی کا بدلہ لینے کے لئے آؤ گے۔ لیکن تم ایک دھوکہ باز انسان ہو۔ تمہاری جو بے عزتی ہوئی اسکی تلافی تم بہادری سے کر سکتے تھے۔ تم شیر سنگھ کو تلوار کے گھاٹ اُتارتے یا خود قتل ہو جاتے۔ اسوقت میں سماج کے بندھنوں کو توڑ کر تمہارے ساتھ ہوتی مجھے تمہاری صورت سے نفرت ہے"۔ اتنا کہہ کر بملا نے ایک خنجر اندر نکال کر ایسا بھرپور وار کیا کہ تکاراؤ کی بیجان لاش زمین پر آ رہی۔ جب وہ واپس ہونے لگی تو اس نے شیر سنگھ اور سہیلی کو کھڑے دیکھا۔ سہیلی نے مخبری کر دی تھی "پتی! یہ تم نے کیا کیا؟" شیر سنگھ نے کہا۔ "ایسی بزدل انسان کا یہی انجام ہونا چاہیئے پران پتی"۔ دونوں کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

سلیم احمد خان لودھی اورنگ آباد
(خیال انگریزی سے لیا گیا)

تربیت اطفال

جس ماحول میں بچہ پہلے پہل آنکھ کھولتا اور متاثر ہوتا ہے۔ وہ اُس کے والدین اور گھر کی محدود دنیا ہوتی ہے۔ چاہے وہ سے مانیں یا نہ مانیں مگر یہ حقیقت ہے کہ بچے کے اولین خیالات اُس کے ماحول اور والدین کے کردار ہی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ گویا والدین ہی اُس کے خیالات عادات اور اخلاق کے معمار ہوتے ہیں۔ بڑا ہو کر بچہ دوسروں کے ساتھ اس رویہ سے پیش آتا ہے جو بچپن میں والدین نے اپنے کردار سے اُس کے لئے متعین کر دیا تھا۔ خانگی زندگی کا انحصار والدین کی اس روحانی یکسانیت اور میل ملاپ پر ہوتا ہے جو اُن کے درمیان ہوتی ہے۔

یہی تمام چیزیں بچے کے لئے وہ ماحول تیار کرتی ہیں جس میں بچہ نشو و نما پاتا ہے۔ اور جس میں سے وہ اپنے خیالات بناتا اور عقائد اخذ کرتا ہے۔

اگر والدین کے درمیان انتہا محبت، شگفتہ برتاؤ اور سنجیدہ مذاق ہو تو اُس کا بچہ پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے۔ اسی طرح اگر والدین کے درمیان ناچاقی، رنجش اور لڑائی جھگڑے ہوتے رہیں تو بچہ کی فطرت پر خراب اثر پڑتا ہے۔

ایک متین باپ یا حد سے زیادہ محنت کی ماری ماں اِن سوالوں کا جواب نہیں دے سکتی جو وقتاً فوقتاً بچے ایک دم پوچھ بیٹھتے ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ ماں کی بے صبری دیکھ کر بچہ دودھ پینے سے انکار کر دے۔ ان گھریلو مثالوں سے پتہ چلتا ہے کہ بچے اور والدین کا تعلق شروع ہی سے بہت گہرا ہوتا ہے جو اُس کی آئندہ زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے۔

پھر وہ کیا چیز ہے جسے ہم سمجھدار والدین اپنے بچے کے لئے مہیا کرنا چاہتے ہیں؟ یہی نا کہ اُن کا بچہ آزادی اور مسرت کے ساتھ گھر میں نشو و نما پاتا رہے۔ اگر بچہ کو گھر میں عافیت نظر آتی ہے تو وہ زندگی سے بالکل بے خوف رہے گا۔ اس چیز کے حصول کے لئے والدین کو چاہیئے کہ اپنے لاڈ پیار عقلمندی سے استعمال کریں۔ بچہ کے متعلق ہوائی قلعے بنانا بہت اچھا ہوتا ہے۔ لیکن اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ وہ قلعے اکثر حقیقی نہیں بلکہ ہوائی ہوا کرتے ہیں۔ اس کے لئے ہمیں بچہ کو بنانا پڑتا ہے اور اس کے اطوار و عادات کو ایک خاص جہت پر ڈھالنا پڑتا ہے۔ جس کے لئے ہم بچہ کو تیار کرنا چاہتے ہیں۔ یہ تربیت اکثر گھر ہی میں دی جاتی ہے۔ بچہ ترقی کر سکتا ہے اگر اُس کے گھریلو ماحول سے اُسے یہ پتہ چل جائے کہ اس دُنیا کا کچھ مقصد بھی ہے۔ اور انسان محض طاقتوں کے ہاتھ میں کھلونا نہیں! بچہ کو شروع ہی سے آزادی دے دینا چاہیئے۔ لیکن اس طرح بھی نہیں کہ ماں بالکل اُسے فراموش ہی کر دے۔ اور نہ یہ کہ بیجا لاڈ پیار ہی میں رہے۔ آزاد روی خود بخود کبھی پیدا نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کے بھی مدارج ہیں۔

بزرگوں کی توجہ بچے کے لئے اتنی ہی ضروری ہے جتنی کہ زندگی کے لئے سانس۔ اور بہت سے لڑکے جو ضدی

اور بدمعاش گنے جاتے ہیں۔ اگر ان پر تھوڑی سی توجہ دی جائے تو اُن سے یہ عادتیں چھڑائی جا سکتی ہیں۔

جوں جوں بچہ کی عمر بڑھتی ہے اُس کے خیالات اور زاویۂ نگاہ میں بھی پختگی آتی جاتی ہے۔ گو شروع شروع میں سماجی قدر و قیمت کچھ یوں ہی سی اہمیت رکھتی ہے۔ بچہ کے بڑے ہونے کی جو فطری تمنا ہوتی ہے۔ وہ آگے چل کر خود کو اپنے والدین کی عادات و اطوار سے منطبق کر لیتی ہے۔ ماں باپ کا اثر چھوٹے بچوں پر اس قدر گہرا پڑتا ہے کہ آئندہ چل کر وہ کسی صورت سے بھی مٹایا نہیں جا سکتا۔ اِس لئے گو اس میں مشکلات تو ضرور ہیں۔ لیکن والدین کو احتیاط رکھنا چاہیئے کہ گھر میں ان کے افعال کا بچوں کے اخلاق پر کیا اثر پڑے گا۔ کیونکہ اخلاق ہی پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

یہ خیال کر لینا کہ بچہ کی فطرت ہی میں خرابیاں اور بُرائیاں ہیں خالق کی تخلیق پر عدم اعتماد ظاہر کرنے کے مترادف ہے اور اس طرح بچہ مستقبل میں اپنے اوپر اعتماد نہ کر سکے گا۔ جسم اور روح ایک ہیئت کے دو لازمی جزو ہیں۔ انسانی فطرت کے لئے دونوں اہم ہیں اور ان کا ارتباط نوع انسانی کے لئے مفید ہے۔

اسی طرح بچے کے جنسی احساسات کی بھی پورے طور پر خبرگیری رکھنی چاہیئے۔ اور اُسے اس کے متعلق صحیح راہ پر ڈالنا چاہیئے۔ اس میں کوتاہی یا کسی خوف کو درمیان میں نہ لانا چاہیئے۔ اگر کوئی بچہ جنسی سوال کرتا ہے تو اُسے خاموش نہ کر دینا چاہیئے۔ یا اُس کا مذاق نہ اُڑانا چاہیئے۔ بلکہ اُس کا سنجیدگی سے پُر معلومات اور صحیح جواب دیکر بچے کی تشفی کرنا چاہیئے۔ بہت والدین جو اس بات کا خیال نہیں کرتے بچے کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ خود تحقیقات کرے۔ اور اس تحقیقات میں ممکن ہے کہ وہ غلط راہوں پر جا پڑے۔ اگر بچے کو اپنے سوالات کے صحیح جوابات ملے ہیں اور اس کی تشفی ہو جاتی ہے تو اس چیز سے اس کی دماغی نشوونما، عقل و فہم کے ارتقا میں مدد کرتی ہیں۔ اور بچہ سکون محسوس کرتا ہے۔ شروع ہی میں اگر بچوں کا لحاظ رکھا جائے تو یہ والدین کو بھی بہت سی نادانستہ غلطیوں سے بچا لیں گے۔ اور بچہ کو بعد کی بیجا اور زائد شفقت سے دوچار نہ ہونا پڑیگا۔

بچے کو اس کے رجحان کی مناسبت سے تربیت دو، پُرانے زمانے کے حکیموں کا یہ پسندیدہ مقولہ تھا۔ دوسرے الفاظ میں ہم اسے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ بچے کو فطری رجحانات پر عمل پیرا ہونے میں مدد دو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ روز بروز ترقی کرے گا۔ اور یہی فطری رجحانات بڑے ہونے پر بھی اس میں قائم رہیں گے۔ پس والدین کو اپنے بچہ کے لئے کوئی خاص لائحہ عمل بنا لینا چاہیئے۔ اس کی فطرت کے خلاف اپنے نظریات و احساسات کو اس کے دماغ میں ٹھونسنے کی کوشش نہ کرنا چاہیئے کبھی کبھی اخلاق کا مسئلہ بچے اور والدین کے درمیان اس قدر نازک ہو جاتا ہے کہ حل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ بچے اور والدین دونوں کا زاویۂ نگاہ ایک دوسرے سے علیحدہ ہوتا ہے۔ اور کوئی بھی اپنی بات سے ہٹنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ ایسی حالت میں ایک بزرگ کے لئے مشکل کا سامنا ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں بہتر یہ ہوتا ہے کہ والدین بھی خود کو بچہ تصور کریں تاکہ وہ پھر محسوس کر سکیں کہ بچہ کس طرح محسوس کر رہا ہے۔

گھریلو زندگی میں سکون و راحت اور یکسوئی کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ بچوں کا مرکزِ نگاہ اُن کے والدین ہی ہوا

کرتے ہیں۔ اور خاص کر بلوغت سے پہلے تو ان کی توجہ کا تمام مرکز گھریلو واقعات اور والدین ہی ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی بلوغت سے پہلے بچے انفرادیت پا جاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جس قدر بھی فائدہ ہو وہ صرف انہیں ہی پہنچے۔ اکثر دوسرے بچے کی پیدائش پہلے بچے کے لئے ایک کرب بن جاتی ہے۔ کیونکہ ابھی تک وہ تنہا اس پیار و محبت اور دیگر چیزوں کا حقدار تھا۔ جو اُس کے والدین کے پاس تھیں۔ لیکن اس نئی آمد سے اب اُسے محسوس ہوتا ہے کہ اس میں نووارد بھی شریک ہے اور یہاں حسد و رشک پیدا ہونا ایک فطری بات ہے۔ ہونے دیجئے۔ لیکن کبھی کبھی ہر بچے کو والد یا والدہ کے ساتھ تنہا چھوڑ دیجئے تاکہ کم ازکم اس وقت اُسے معلوم ہو کہ وہی صرف اس کے ماں یا باپ ہیں۔

ساتھ مل کر کام کرنے کا جذبہ گھریلو زندگی میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے اور نہایت مفید ہے۔ یہ اکثر پیار و محبت کا نتیجہ ہوتا ہے اور اسی طرح بالکل صحیح دوستانہ اور ہمدردانہ جذبات پیدا ہو جاتے ہیں اور بچے آپس ہی میں اپنی سمجھ کے موافق اپنی مشکلات کا حل سوچ لیتے ہیں۔ اس طرح انہیں اپنی آئندہ زندگی کے معمات کو حل کرنے کی مشق ملتی رہتی ہے۔ اور ساتھ ہی آپس میں مِل جُل کر رہنے کی عادت پڑ جاتی ہے۔ اور اگر خاندان کے افراد زیادہ ہوں تو بھی وہ آسانی سے گذارہ کرتے ہیں۔ "زندہ رہو اور رہنے دو" کا نظریہ عملی طور پر سمجھ لیتے ہیں اور کسی پر بار نہیں ہوتے۔ ساتھ ہی رواداری، "قطع نظری" اور خلوص کا سبق بھی سیکھ لیتے ہیں۔ تمام خاندان خود کو ایک تصور کرتا ہے اور کسی کو تنہائی کا احساس نہیں ہوتا۔ زاویہ نگاہ میں وسعت اور خیالات میں ترقی ہوتی ہے۔ بسا اوقات خاندان اس طرح بھی بگڑ جاتا ہے کہ وہ بیرونی دُنیا سے بالکل قطع تعلق کر لیتا ہے اور اس طرح صرف اپنے ہی نظریات و عقائد میں محدود ہو کر رہ جاتا ہے۔

وحیدہ عزیز۔ ملتان

باقی صفحہ ۳۴۲ کا

علاوہ ازیں نصف چھٹانک پھٹکری ایک بوتل میں گرم پانی میں حل کر کے چند قطرے کافور آئل اور پیپرمنٹ آئل کے رکھ لیں۔ مذکورہ محلول سے کُلیاں کرنا دافع تعفن اور مسوڑھوں سے خون کو روکتا ہے۔ صبح کے وقت کسی عمدہ منجن ملنے کے بعد بعد ازاں اس مذکورہ محلول سے دہن کی صفائی کرنی چاہیئے۔ نیز ہائیڈروجن پرکسائڈ تھوڑے پانی میں چند قطرے ڈال کر دونوں وقت کھانے کے بعد کلیاں کرنا منہ کی بدبو دور کر کے دانتوں کو جلا دینے میں ید طولےٰ رکھتا ہے۔ متورم مسوڑھوں کے زخم ہائیڈروجن کے استعمال سے متعفن نہیں ہونے پاتے۔ اور پائیریا کو ایک حد تک فائدہ پہنچتا ہے۔ شب کو سوتے وقت لیسٹرین (LISTEREINE) کے محلول سے گلے اور دہن کی صفائی کرنی چاہیئے۔ یہ بھی دافع تعفن ہے اور منہ میں خوشبو پیدا کرتا ہے۔ ان چیزوں کے متواتر استعمال سے اکثر مرض دور ہو جاتا اور منہ کی صفائی ہوتی رہتی ہے۔ منہ کی صفائی کیلئے مندرجہ اشیاء مرد و عورت کے لئے یکساں مفید ثابت ہو سکتی ہیں۔

گ۔ ن بنت ڈاکٹر شیخ ابوالفضل۔

منہ کی صفائی

مارچ ۱۹۴۱ء کے عصمت میں محترم بھائی جناب ڈاکٹر ممتاز حسین صاحب نے "گندہ دھنی" کے متعلق مضمون لکھ کر ایک نہایت ضروری موضوع پر خامہ فرسائی فرمائی ہے۔

منہ سے بدبو آنے کے دیگر اسباب کے علاوہ ڈاکٹر صاحب نے قبض اور ہاضمہ کی خرابی کو بالخصوص اہم سبب تبایا ہے اور ان کے تدارک کے لئے نہایت مناسب تدابیر اور اصول علاج پر روشنی ڈال کر عصمتی بہنوں کو ایک ضروری امر کی طرف متوجہ کیا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ گندہ دھنی نہایت گھناؤنا اور مکروہ مرض ہے۔ گندہ دھنی یعنی منہ کی بدبو کا باعث اگر پائیوریا ہو تو بجائے خود ایک مرض ہونے کے کئی مرضوں کا پیش خیمہ ہے۔ کیونکہ دانتوں یا مسوڑھوں سے پیپ وخون کا زہریلا مواد غذا کے ساتھ معدہ میں پہنچکر نہ صرف ہاضمہ میں فتور پیدا کرتا ہے بلکہ خون میں سرایت کرکے بہت سے امراض پیدا کرنے کا باعث ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کے علاج میں غفلت ہرگز نہ کرنی چاہیئے بلکہ بہت جلد ماہر امراض دندان کی طرف رجوع کیا جائے۔ اور اس کے تدارک کی مناسب تدابیر عمل میں لاتے رہنا چاہیئے۔ اس کے علاج میں مختلف منجنوں اور دیگر منہ کی صفائی کی چیزوں کے قبض کے علاج کو مقدم درجہ دینا چاہیئے۔ اور رفع قبض کی وہاضمہ کی دُرستگی کے لئے اس کی ضروری تدابیر پر عمل پیرا ہوتے رہیں۔

اگر معدہ میں کوئی خرابی نہ ہو اور ہاضمہ کا فعل درست ہو تو منہ کی بدبو کا باعث اکثر کرم خوردہ دانت ڈاڑھیں ہی ہوتی ہیں کیونکہ ان کے سوراخوں میں غذا کے ذرّے جمع ہوکر تعفّن پیدا کردیتے ہیں۔ اور مسوڑھوں میں بھی سوزش متورم ہوجاتے ہیں اور رفتہ رفتہ پیپ وخون پیدا ہوکر مرض پائیوریا نمودار ہوجاتا ہے جس کی وجہ سے تنفّس میں سخت بدبو ہوتی ہے۔

منہ کی بدبو کی وجہ خواہ کچھ ہی ہو۔ دیگر علاج کے علاوہ بہرصورت دہن کی صفائی نہایت لازمی اور ضروری امر ہے۔ اکثر لوگ معمولی صفائی کے بعد پان الائچی سے منہ کی بدبو دُور کرنے پر اکتفا کرتے ہیں مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ ان عارضی معالجوں سے منہ کی بدبو اسی وقت تک رفع ہوسکتی ہے جبتک کہ پان الائچی کا اثر منہ میں باقی ہے اس کے بعد وہی تعفّن۔

منہ کی بدبو دُور کرنے کے لئے "دہن کی صفائی" کے واسطے معمولی دوائیاں عام منجن یا مسواک بر غرض کچھ حقیقت نہیں رکھتے جب تک کہ ایسے محلول یا منجن سے دہن صاف نہ کیا جائے جو اس موذی مرض کا دائمی طور پر قلع قمع کرتے ہوں۔ تجربہ سے بعض خاص منجنوں میں بھی یہ خاصیت پائی گئی ہے جن کے متواتر استعمال سے "گندہ دھنی" کی شکایت رفع ہوگئی جیسے گلشن سٹور کپور تھلہ کا منجن اکسیر"۔

(باقی صفحہ ۳۴۱ پر)

اپنے بچّے کے خواب میں

میرے بچے آج کیوں تو اس قدر پژمردہ ہے؟　　کیا ہوا کیوں پھول سا چہرہ ترا افسردہ ہے؟
کیا! کسی نے تجھ کو جھڑکا ہے کسی تقصیر پر؟　　کیا کسی نے تجھ کو مارا ہے کسی تقصیر پر؟
کیا! مرے مرنے کا تیرے دل کو ہے رنج و ملال　　کیا! جدائی سے مری ابتر ہوا ہے تیرا حال؟
کیا! بلاتا اب نہیں نزدیک کوئی پیار سے　　کیا! بٹھاتا اب نہیں نزدیک کوئی پیار سے؟
کیا! تجھے اب وقت پر کھانا نہیں دیتا کوئی　　کیا! خبر دکھ سکھ کی تیرے اب نہیں لیتا کوئی؟
کیا! تجھے دھتکارتے ہیں بہن بھائی اب تیرے؟　　کیا! تیرے ابا کبھی پیسے نہیں دیتے تجھے؟

رو نہ میرے لال! میرے دل کے ٹکڑے صبر کر
مَولے ہَولے اپنے اب معصوم دل پر جبر کر

ہاں میں شب بھر لوریاں دے کر سلاتی تھی تجھے　　گدگدا کر ہاں مرے بچے ہنساتی تھی تجھے
تجھ کو لے کر گود میں دن بھر پھرا کرتی تھی میں　　تیرے جینے کے لئے حق سے دعا کرتی تھی میں
تو اگر کھاتا نہ تھا تو میں بھی ہاں کھاتی نہ تھی　　تو اگر سوتا نہ تھا تو مجھ کو نیند آتی نہ تھی
تیرا رونا مجھ کو ہوتا تھا ہمیشہ ناگوار　　تیرے ہنسنے پر مرے بچے میں تھی دل سے نثار
سچ ہے میرے لال میرے گلشن دل کی بہار　　تیرے ابا سے زیادہ میں تجھے کرتی تھی پیار

بھول جا اے مرے بچے مجھ کو یکسر بھول جا
میں تجھے بھولوں نہ بھولوں تو مجھے پر بھول جا

جی ترا جب کھانے پینے کے لئے کچھ چاہے تو　　اپنی آپا، اپنے بھیا، اپنے ابا سے کہو
ہے دعا اللہ سے میری کہ تو زندہ رہے　　غم نہ ہو تجھ کو کوئی تا زیست تو ہنستا رہے

اب اگر تو روئے گا تو میں نہ آؤں گی کبھی
خواب میں بھی تجھ کو نہ صورت دکھاؤں گی کبھی

محمد عصمت اللہ قریشی عصمت

ممتا

ستلج کے مغربی کنارے سے ایک کشتی روانہ ہوئی۔ چار ملاح کشتی کو چلا رہے تھے۔ اس میں بچے اور عورتیں بھی سوار تھیں۔

ایک نوجوان عورت سال ڈیڑھ سال کے بچے کو لئے کشتی کے کنارے بیٹھی تھی۔ بچہ نہایت ہی خوبصورت تھا۔ کشتی میں جو لوگ بیٹھے ہوئے تھے ان کی نگاہیں بار بار بچہ پر پڑ رہی تھیں۔ وہ بھی ہر نگاہ کا جواب ایک شوخ میٹھی مسکراہٹ سے دیتا اور پھر جھٹ ماں کے سینے سے چمٹ جاتا تھا۔ ماں اپنے جگر کے ٹکڑے کو دیکھ کر پھولی نہ سماتی تھی۔

پانی کے بہاؤ کے زور سے کشتی آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ اور اب منجھدار میں ہونے کی وجہ سے اس کی رفتار اور بھی مدھم پڑ گئی تھی۔ ملاحوں کو اب زور زیادہ لگانا پڑتا تھا۔ چپوؤں کے اٹھنے کے ساتھ ہی پانی کے چھینٹے اڑتے۔ دھوپ میں سفید موتیوں کی طرح چمکتے اور پھر پانی میں سَن سَن کی آواز سے جا گرتے . . . . .

نیلگوں آسمان بادلوں سے بالکل مبرا۔ گرمیوں کا موسم۔ دوپہر کی جھلستی ہوئی دھوپ۔ سورج اپنی پوری آب تاب سے چمک کر نگاہیں خیرہ کئے دیتا تھا۔ آفتاب کی تمازت نے جلد ہی اپنا رنگ دکھایا۔ نیچے پانی . . . اوپر آگ کی سی تپش . . . . کشتی والے دھوپ کی تلخی اور ہوا کی رطوبت کو محسوس کر رہے تھے۔ جسم سے چنگاریاں چھوٹنے لگیں کوئی پانی میں ہاتھ ڈالنے لگا۔ کوئی کلی کرنے اور منہ ہاتھ دھونے لگا۔

خوبصورت بچے کی نوجوان ماں۔ پہلے تو خاموش بیٹھی ادھر ادھر دیکھتی رہی۔ مگر جب گرمی نے بہت ستایا تو وہ بھی پانی کی طرف جھکی۔ پہلے بچے کو پانی پلایا۔ اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔ خود پانی پیا اور منہ ہاتھ دھویا۔ بچہ کو خوش اور پانی کی طرف ہاتھ بڑھاتے دیکھ کر اس کو نہلانے کا ارادہ کیا۔ فوراً کرتہ اتار اس مبہدے سے سفید اور چمکدار جسم کو۔ ہاتھوں میں لے کر نہلانا شروع کیا۔ دوسرے ساتھیوں کو وہ ایک سنگ مرمر کا مجسمہ معلوم دیتا تھا۔ اُف کس قدر حسین تھا وہ بچہ . . . . . ماں نے پہلے تو ہاتھوں سے اس پر آہستہ آہستہ پانی ڈالا پھر ایک غوطہ دیا اور باہر نکالنا چاہا۔ مگر . . . ہیں! . . . . یہ کیا؟ . . . . عورت کے منہ سے ایک دل خراش چیخ نکلی جو دلوں کو چیرتی ہوئی فضا میں گونج اٹھی . . . . . کسی چیز نے بچے کو نیچے سے پکڑ لیا۔ عورت کے ہاتھ کلائیوں تک پانی میں تھے۔ بچے کا صرف سر باہر تھا۔ وہ چیخا اور بے ہوش ہو گیا۔ ادھر ماں کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ ایک رنگ آتا اور ایک جاتا۔ جوں جوں بچے کو باہر کھینچنے کی کوشش کرتی بوجھ زیادہ ہوتا جاتا تھا۔ کشتی بھی اسی طرف جھکنے لگی۔ ماں چلاتی تھی اور زور لگاتی تھی۔ حتیٰ کہ اس نے اتنا زور لگایا کہ کشتی کا اس طرف کا کنارہ پانی کی سطح کے بہت قریب آ گیا دوسرے

آدمیوں نے بھی بہت شور مچایا مگر سب بے سود۔ ملاح نے بچہ نہ چھوڑا۔ اسی کھینچا تانی میں کشتی رک گئی۔ کبھی اِدھر گھوم جاتی اور کبھی اُدھر۔ ملاحوں نے چپو چلانے چھوڑ دئے تھے۔ اب صورتِ حال بہت نازک ہو گئی تھی۔ اصل مصیبت یہ تھی کہ اگر دوسرے آدمی بھی عورت کی مدد کرتے تو کشتی کے فوراً اسی طرف اُلٹ جانے کا خطرہ تھا۔ خطرہ ہی نہیں بلکہ یقیناً اُلٹ جاتی اس خوف کے مارے جو آدمی عورت کے نزدیک تھے وہ بھی کشتی کی دوسری جانب ہٹ گئے تاکہ وزن دونوں طرف برابر رہے۔

سب ایک دوسرے کا منہ تک رہے تھے کہ اب کیا ہوگا۔ "اب تو صرف دو ہی صورتیں ہیں"۔ ایک بوڑھے ملّاح نے مایوسی سے کہا "لڑکے کو بچانے کی کوشش میں تمام کشتی غرق ہو جائے یا بچے کو مگرمچھ کے . . . . قبضہ میں . . . چھوڑ دیا جائے"۔

ماں' زور لگاتے لگاتے بالکل تھک گئی تھی اور بجائے بچے کو اوپر کھینچنے کے خود ہی پانی کے اوپر جھکی جا رہی تھی ملاح کے ان الفاظ پر اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "آہ کیسے چھوڑ دوں"۔ . . . . . پھر وہ زور سے چلائی میرے لال"۔ . . . . . ساتھ ہی پانی میں ایک زور کی آواز آئی اور بیٹے کے ساتھ ماں بھی نظروں سے اوجھل تھی۔ پانی میں ایک گہرا بھنور پیدا ہوا۔ کشتی ایک جھٹکے کے ساتھ اوپر اٹھی۔ پانی کی سطح ہموار ہو گئی۔ کشتی تھوڑی دیر اِدھر اُدھر ہلنے کے بعد اپنی اصلی حالت پر آگئی اور ملاحوں نے چپو چلانے شروع کر دئے . .

کشتی تو آہستہ آہستہ پھر چلنے لگی مگر . . . . اب اس کے بائیں کنارے پر ایک نشست خالی نظر آتی تھی اور لوگ چُپ چاپ بُت بنے بیٹھے تھے۔

ابن فیض' بی اے۔ فیروزپور

صفحہ ۴۲۳ کا بقیہ

نتیجہ عام حالتوں میں ایک مرد کی ایک ہی عورت سے شادی بہر طرح موزوں اور مناسب ہے۔ لیکن سوسائٹی کی خاص خاص ضرورتوں کے لئے متعدد ازدواج کا جواز بیحد ضروری ہے عورت کو یہ حق خلع یا طلاق کے ذریعہ دیا جانا چاہئے تاکہ وہ ناکارہ اور غیر موزوں مرد سے نجات پا کر کسی دوسرے سے شادی کر سکے۔ متعدد ازدواج کے جواز سے ناجائز فائدہ اٹھانے والے اپنی حیوانیت کو انسانیت کا جامہ پہنانے اور دوسروں کی آنکھوں میں خاک ڈالنے کی فضول کوشش کرتے ہیں لیکن سوسائٹی کی مجبوریوں اور ضرورتوں کا خیال نہ کرکے ایک وقت میں ایک ہی عورت کا قانون بنانے والے اور عورت کے حق خلع۔ طلاق کے مخالف اور مطلقہ اور بیوہ کی دوسری شادی کو ناجائز سمجھنے والے فطرت سے جنگ اور سوسائٹی کی ضروریات سے ناواقفیت ہی کا اعلان نہیں کرتے بلکہ سوسائٹی میں بدچلنی اور بد اخلاقی کے بیج بوتے اور اپنی تباہی و بربادی کو دعوت دیتے ہیں۔ شادی کے معاملات میں ابتدائے آفرینش سے آج تک کا علم و تجربہ صاف صاف بتاتا ہے کہ شادی کے متعلق اسلام کے اصول اور قوانین دنیا میں تمام اصول اور قوانین سے بہتر و افضل ہیں اور دنیا کی ہر قوم رفتہ رفتہ ان ہی قوانین کی طرف بڑھ رہی ہے عبرت ہے کہ آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے سوسائٹی کے ان پیچیدہ مسائل پر عرب کے ایک اُمّی نے ایسے قوانین بنا دئے کہ جن کا آج تک دنیا میں جواب نہیں ہے۔

(کپتان ڈاکٹر) نصیر الدین احمد

مادری زبان کی اہمیت

یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ ہندوستان ایک زرعی ملک ہے۔ اس کی قدرتی سرسبزی و شادابی بہت سے ملکوں پر فوقیت رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ہمیشہ بیرونی حملہ آوروں کا شکار رہتا رہا۔ گذشتہ زمانے میں جب بیرونی قومیں ہندوستان پر فتح مند ہوئیں تو یہاں کے اصلی باشندوں کو محکوم بنایا اور خود یہاں آکر بود و باش شروع کر دی۔ اپنا رسم و رواج تہذیب اور زبان ساتھ لائے جس کو یہاں کے باشندوں نے مجبوراً قبول کیا۔ اور اسی طرح اس بدقسمت ملک میں ہمیشہ بیرونی تمدن اور زبان کا دَور دَورہ رہا۔ اور اس کی اپنی زبان اور کلچر ہمیشہ خستہ حال ہی رہا۔ مثلاً مسلمان بادشاہوں کے حملوں سے پہلے یہاں "بھاشا" اور "سنسکرت" زبانیں رائج تھیں۔ مسلمانوں کی سلطنت کے شروع ہوتے ہی فارسی نے اپنا تسلط جمانا شروع کیا اور رفتہ رفتہ اس نے اتنی ترقی کی کہ بھاشا اور سنسکرت پر پوری طرح غالب آگئی۔ فارسی پڑھنا لکھنا شرطِ لیاقت قرار پایا۔ ہر سرکاری کام کے لئے اوّل شرط فارسی کی لیاقت ٹھہری۔ مگر افسوس کہ اتنی وسیع زبان بہت عرصہ قائم نہ رہ سکی۔ جس طرح فارسی نے "بھاشا" اور "سنسکرت" کی گت بنائی اسی طرح آج انگریزی زبان کے ہاتھوں ہماری قومی سلیس اور شائستہ زبان کی مٹی پلید ہو رہی ہے۔ آج انگریزی زبان نہ صرف شرطِ لیاقت بلکہ شرطِ انسانیت ٹھہرائی گئی۔ سرکاری کاموں کے علاوہ ہمارے گھروں میں گھس آئی اور نہایت تیزی سے ہماری معاشرت پر اثر پذیر ہو رہی ہے۔ ہم پر انگریزی تعلیم کا بھوت سوار ہے۔ بلکہ اس حد تک اپنی پیاری زبان سے موانست تو درکنار ایک گونہ نفرت پیدا ہوتی جاتی ہے۔ ایسی حالت میں یہ ایک بڑا کٹھن معمہ اور قابلِ توجہ سوال ہمارے سامنے ہے۔ جس کے لئے چند سال ہوئے ملک کی برگزیدہ ہستیوں نے ایک کانفرنس بھی منعقد کی تھی۔ یعنی ہندوستان کے نونہال جن کی دماغی ارتقا تعلیم کے ساتھ اس ملک کی آئندہ قسمت وابستہ ہے۔ کس زبان میں تعلیم حاصل کریں۔ کیونکہ یہ ایک امرِ واقع ہے کہ بچوں کو بڑوں کی نسبت ایک نئی چیز کو حاصل کرنے اور ازبر کرنے کی قوت قدرت نے زیادہ مرحمت فرمائی ہے۔ اور ان کا دماغ اور حافظہ نئی باتوں کو زیادہ سرعت اور آسانی سے جذب کر سکتا ہے۔ کافی سوچ بچار کے بعد آخر کار یہی طے ہوا کہ تعلیم کی ابتدا اپنی ہی زبان سے ہو۔ جو لوگ اپنے بچوں کو ابتدا میں انگریزی تعلیم دلانے کے حق میں ہیں وہ یہی دلیل پیش کرتے ہیں کہ جس تعلیم کی اعلیٰ لیاقت اور کمال پر ان کی زندگی کی کامیابی کا راز پنہاں ہے وہ ان کو ابتدا میں پڑھائی جائے۔ نہ کہ اس وقت جبکہ وہ ضعیف العقل ہو جائیں۔ یا اُن میں نئی چیزوں کو سیکھنے کی صلاحیت ہی باقی نہ رہے۔ یہ بالکل صحیح اور واجب ہے جب کہ دیگر ہمارے لئے روٹی کمانے۔ پیٹ بھرنے اور عزت حاصل کرنے کا ذریعہ ہی انگریزی تعلیم ہو۔ تو پھر اس زبان کی تعلیم ماں کی گود میں شروع ہو تو بہتر ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ دلیل بھی ضرور قابلِ توجہ اور زیادہ اہم ہے کہ ہر ملک کی زبان ہمیشہ اُس ملک کی قدیمی قابلِ روایات۔ اُس کی تاریخ تہذیب و تمدن کی شاہد ہوا کرتی ہے۔ اور قوم کا ذخیرہ بھی اُس کی زندگی کے لئے رگِ جان یا ریڑھ کی ہڈی سے کم اہمیت نہیں رکھتا۔ ایک مثل مشہور ہے کہ جس قوم کو تباہ کرنا ہو اُس سے اُس کا قدیمی لٹریچر چھین لو۔ وہ خود بخود مٹ جائے گی۔ با ایں ہمہ ہر ملک کی آب و ہوا اور رسم و رواج کے لحاظ سے اُس ملک کی اپنی ہی زبان ادائے مطلب کا بہترین ذریعہ ہو سکتا ہے۔ اور کوئی زبان صدیوں کے رواج کے بعد بھی اس درجہ کو نہیں پہنچ سکتی۔ ان وجوہ کی بنا پر ملکی زبان کا زندہ اور

رائج رکھنا از حد ضروری ہے۔ ذرا خیال تو فرمایئے کہ وہ بھی کوئی قوم ہے جس کی اپنی کوئی زبان نہ ہو۔ یا ہو تو وہ بھی کس مپرسی کی حالت میں اُس کے اپنے ہی افراد اس کو بول اور لکھ نہ سکتے ہوں۔ یا اُس پر کسی اور غیر ملکی زبان کو ترجیح دی جائے۔ اور پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس قوم کو اپنی زبان ہی سنبھالنے کا سلیقہ نہ ہوگا۔ وہ اپنی قدیم قابلِ فخر روایات سے کیا خاک محبت کر سکتی ہے۔ یا کسی دوسرے کی چیز کو وہ سنبھال سکتی ہے۔ یا اُس کو پائیدار بنا سکتی ہے؟ بالکل نہیں۔ مثال کے طور پر ہندو مذہب۔ تہذیب تمدن اور فلسفہ جس کی تمام دُنیا معترف ہے۔ اُس کے تمام بیش بہا خزانے "سنسکرت" زبان میں محفوظ ہیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جس ہندو کو سنسکرت سے لگاؤ نہیں اُس کو اپنے فلسفہ مذہب و تمدن سے کیا سروکار ہو سکتا ہے بعینہ یہی حالت ایک مسلمان کی ہے۔ جو عربی سے بے بہرہ ہو کر قرآن مجید کے بے شمار علمی و اخلاقی خصوصیات سے بہرہ اندوز نہیں ہو سکتا۔ چاہے وہ قرآن پاک کی سو حمائلیں گلے میں لٹکائے پھرے۔

پس میرا مقصد یہ ہے کہ اپنی ہی زبان کو ابتدائی تعلیم کے لئے مرکزی اہمیت دینی چاہیئے اور جو دوسری تعلیم دی جائے اُس کو بچہ کے معاشرتی و طبعی ماحول اور اُس کے فرقہ سے تعلق رکھنے کی حتی المقدور کوشش کرنی چاہیئے۔ آجکل کی تعلیم کی ضرورت اور اہمیت کے متعلق بہت کچھ سُنا جاتا ہے جو کسی حد تک صحیح ہے۔ یعنی تعلیم اس وقت تک نامکمل رہتی ہے جب تک کہ اُس کے ساتھ کوئی مفید کام اور تربیت نہ ہو۔ اسی بنا پر ماہرین فن کی رائے مفید ہے کہ تعلیم بغیر تربیت کے کمزور اور ناقص ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ بچوں کی تعلیم کا اس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا کہ شروع میں اُن کو تعلیم اپنی ہی زبان میں دی جائے۔ بشرطیکہ تربیت بھی ساتھ ہو۔ اس طرح سے بچوں کو اپنی زبان سے اور پھر اس طرح سے اپنے ملک رسم و رواج اور اپنے کلچر سے تعلق اور محبت ہو جائے گی۔ اور اُن میں خودداری کا بھی مادہ پیدا ہو جائے گا۔ اس کے ساتھ ہی انگریزی بھی ایک لازمی مضمون کے طور پر ان کو پڑھائی جائے۔ تاکہ وہ اپنے وقت کی کاروباری اور سرکاری زبان سے بھی کماحقہ واقف ہو جائیں۔ مگر اس کو اپنی زبان کے مقابلہ میں ثانوی اہمیت دی جائے۔

مسودہ محمد اعظم خاں عباسی راولپنڈی

ریشمی برقعہ ۔ قیمت پانچ روپے

بے شک حیرت کی بات ہے۔ مگر شہرت حاصل کرنے کے لئے اس کے سوا چارہ کیا ہے کہ اپنا مال زیادہ سے زیادہ دور پھیلانے کے لئے کم سے کم قیمت لی جائے۔ تاکہ ملک کے گوشہ گوشہ میں کارخانہ کی شہرت ہو جائے۔

یقین کیجئے کہ یہ برقعہ آج بھی بازار میں بارہ روپے کو ملتا ہے۔ لوگ اس پر دوگنا منافع لے لیتے ہیں۔ نئے ڈیزائن اور محنت کی قیمت لیتے ہیں کپڑا اچھا اور ہرا و نیچے نیچے گھرانے میں استعمال کے قابل پکا رنگ، خوبصورت ڈیزائن جہاں ایک برقعہ جاتا ہے وہاں سے درجنوں کی مانگ آتی ہے۔ اس واسطے کہ برقعہ ہر لحاظ سے اعلیٰ درجہ کا ہے۔ اس کا کپڑا دھلائی کے بعد بھی اصلی حالت میں رہتا ہے۔ یہ برقعہ دو حصوں میں ہوتا ہے۔ ایک اوپر کا اور دوسرا پیٹی کوٹ۔ ہر سائز کا مل سکتا ہے۔ جن بہنوں کو ضرورت ہو وہ سر کی ٹوپی کا اور کمر کی پیٹی کا اور پورے قد کی لمبائی کا ناپ بھیجدیں اور بتا دیں کہ انہیں کس رنگ کا برقعہ پسند ہے۔ ان کا خط ملتے ہی برقعہ تیار کرا کے بھیجدیا جائے گا۔ شرط یہ ہے کہ اگر یہ برقعہ پسند نہ آئے تو فوراً واپس کر دیں۔ برقعہ کی ٹوپی میں نہایت باریک اور دل پسند جنت کاری کا کام ہوتا ہے۔ ہر سائز کے برقعہ کی قیمت پانچ روپے ہے بذریعہ وی۔ پی پارسل منگا لیجئے۔ پارسل پر محصول گیارہ آنے لگتا ہے۔

منگانے کا پتہ:- **منیجر کامیاب بک ڈپو ۳۴ دہلی**

دو روپے میں فوٹو کیمرہ

اس فوٹو کیمرہ سے بہت صاف تصویر آتی ہے۔ گھر کے بچوں اور گھر کی عورتوں کے فوٹو خود ہی تیار کر لیجئے۔ ترکیب بہت آسان اتنی آسان کہ ایک معمولی سمجھ کا بچہ بھی اس فوٹو کیمرہ سے بہت آسانی کے ساتھ فوٹو کھینچ سکتا ہے۔ کارڈ کے ½ سائز کی تصویر آتی ہے۔ بہت صاف اور روشن آتی ہے۔ اس کیمرے سے مناظر اور عمارات کے فوٹو بھی بہت صاف آتے ہیں اسی لئے ہندوستان میں بڑی تیزی کے ساتھ فروخت ہو رہا ہے۔ جہاں ایک فوٹو کیمرہ منگایا جاتا ہے۔ پھر وہاں سے درجنوں کی مانگ آتی ہے۔ اس فوٹو کیمرہ کے ساتھ اس کے فلم اور پرنٹنگ کارڈ اور فوٹو تیار کرنے اور دھونے کا مسالہ بھی ساتھ ہی مفت دیا جاتا ہے تاکہ کیمرہ وصول کرتے ہی استعمال کیا جا سکے۔ اس کے علاوہ یہ تمام سامان علیحدہ بھی ہر وقت ہم سے یا بازار سے خریدا جا سکتا ہے۔ آسان ترکیب استعمال کا فارم بھی کیمرے کے ساتھ روانہ ہوتا ہے۔ ایک عدد فوٹو کیمرہ کی قیمت صرف دو روپے ہے (تمام سامان اس کے ساتھ مفت ملتا ہے) محصول ڈاک سات آنے لگے گا۔

منیجر کامیاب بک ڈپو ۳۴ دہلی

کو خط لکھ کر بذریعہ وی۔ پی پارسل منگا لیجئے۔ دو عدد کیمرے ایک ساتھ منگانے پر محصول ڈاک معاف ہے۔

حیدر آباد کی عورتیں

(۱)

اس عنوان کے تحت کئی طرح سے اظہار خیال کیا جاسکتا ہے، مگر اس کی صراحت دشواری سے خالی نہیں ہے، جو امور بادی النظر میں عام اور معمولی معلوم ہوتے ہیں ان کو بیان کرنا آسان نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ عورتیں اس قدر نازک مزاج ہوتی ہیں کہ اگر کوئی امر ان کے خلاف لکھا جائے تو پھر ان کے ریمارک اور تنقید سے بچنا محال ہوگا۔ اب وہ زمانہ نہیں رہا کہ وہ خاموشی کے ساتھ اپنی جنس کے متعلق باتیں سن کر سکوت کریں چونکہ وہ قلم ہاتھ میں لیکر میدان میں آچکی ہیں، اس لئے نہایت احتیاط کے ساتھ اس میدان میں قدم رکھنے کی ضرورت ہے۔

تمام دنیا میں صرف ہندوستان اور تمام ہندوستان میں صرف حیدر آباد یا قلمرو آصفی ایسا قطعہ ہے جہاں دنیا کے چار عظیم الشان تمدنوں کی جھلک ساتھ ساتھ اب تک موجود ہے، قدیم برہمنی تمدن اور بدھی تمدن کے آثار نظر آتے ہیں تو وہ سلطنت آصفیہ ہے اور اسی طرح اسلامی تمدن اور یورپین تمدن ساتھ ساتھ جلوہ گر ہیں تو وہ یہی سلطنت نظام ہے۔ دنیا کا کوئی قطعہ ایسا نظر نہیں آئے گا جہاں تمدن کی یہ بوقلمونی موجود ہو۔

حیدر آباد کی عورتوں پر ایک طرف ان کے قومیت اور مذہب کے لحاظ سے اظہار خیال کیا جاسکتا ہے تو دوسری طرف ان کو مختلف گروہ میں تمدن و تہذیب کے لحاظ سے تقسیم کیا جاسکتا ہے، پھر ان کو کام اور پیشہ کے لحاظ سے بھی منقسم کرسکتے ہیں، ان کی تعلیم اور اخلاق و عادات کے لحاظ سے بھی اظہار خیال ممکن ہے، بہرحال یہ ایک دلچسپ مضمون ہوسکتا ہے جس میں مختلف نہج پر بحث کی جاسکتی ہے۔

قومیت اور مذہب حیدر آباد میں مختلف قوم اور مختلف مذہب کی عورتیں بودوباش کرتی ہیں اور وہ قانون کی رو سے "ملکی" ہوچکی ہیں، قومی تقسیم حسب ذیل ہوسکتی ہے، تلنگی، مرہٹی، کنڑی، مغل، عرب، افغانی، بنگالی، گجراتی، پنجابی، سندھی، راجپوت، ترکی، انگلش، فرنچ، جرمن، امریکن، مصری، ایرانی، چینی، جاپانی۔

مذہبی تقسیم یہ ہوگی :- سنی، شیعہ، عیسائی، یہودی، برہمن، ہریجن، آریہ سماجی، برہمو سماجی، لنگایت، جین، سکھ، پارسی یا زردشتی، بدھی، ان کے علاوہ وہ وحشی اور جنگلی اقوام علیحدہ ہیں جن میں بنجارہ، پاردی، وڈر، بھیل، گونڈ وغیرہ شامل ہیں، ان کی طویل فہرست ہوسکتی ہے۔ بہرحال قوم اور مذہب کے لحاظ سے شاید ہی کوئی ملک ہو جہاں ایسی ہمہ گیری پائی جاتی ہوگی اسی قومیت اور مذہب کے لحاظ سے رسم و رواج، تمدن و تہذیب عادات و اخلاق کا فرق ضروری ہے، مگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ نظامی تمدن یا آصفی تمدن کی بنیاد پڑ چکی ہے، اور ہمارا خالص تمدن یہاں کے کھانے پینے اور پہننے اوڑھنے، رہنے سہنے میں نمایاں ہوتا جارہا ہے۔ خصوصاً عورتوں کے لباس کی یکسانیت خاص کر حیدر آبادی امتیاز ہے، ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ تک اور جو لباس استعمال کرتی ہیں اس میں ساڑی اور مختلف قسم کے جمپر یا قمیص شامل ہیں، گو اس میں فرق مراتب کے لحاظ سے قیمت کا تغیر لازمی ہے لیکن طریقہ استعمال اور پہننے کا نہج بالکل ایک ہے۔

حیدر آبادی عورتوں کے متعلق ایک اظہار خیال ان کی حسب ذیل تقسیم کے لحاظ سے ہوسکتا ہے۔

قدیم مشرقی طرز کی بیگم، جدید مغربی طرز کی میم، درمیانی مشرقی اور مغربی طرز کی خاتون، محلات، نرسیں، ملازمین (ماما، کاماٹن، آیا وغیرہ) تجارت کرنے والی عورتیں (میوہ بیچنے والی، پاردن وغیرہ) محنت کرنے والی عورتیں (وڈر، بنجارہ، پلے والی وغیرہ) ان کے

متعلق مختصر صراحت و جب دلچسپی ہوگی۔

قدیم مشرقی نہج کی بیگم

اگرچہ اب تعلیم اور مغربی خیالات کے باعث قدیم طرز کی عورتیں کم ہوتی جا رہی ہیں لیکن اس کے باوجود ان کی تعداد ہنوز کافی پائی جاتی ہے۔ اس قسم کی عورتوں میں چند باتیں مخصوص ہوتی ہیں۔ یا تو وہ علم سے بالکل عاری ہوں گی یا پھر کچھ مذہبی تعلیم قرآن وغیرہ سے واقف ہوں گی، بعض فارسی اور عربی کی فارغ التحصیل بھی ہوں گی مگر انگریزی کے "اے بی سی" سے بھی وہ واقف نہ ہوں گی۔ انگریزی تعلیم کو وہ منزل کفر تصور کرتی ہیں۔ اس قسم کی عورتیں جدید فیشن سے ناواقف ہوں گی مگر تعویذ، فلیتے، عملیات، رسوم، نذر نیاز کی دلی معتقد اور نہایت خلوص سے ان کو کریں گی۔ پکوان، سینے پرونے سے کما حقہ واقف ہوں گی۔ خانہ داری کا کام از جز تا کل وہ خود انجام دیں گی۔ شوہر کی اطاعت مذہبی فرض خیال کریں گی اور اس پر عامل ہوں گی۔ سینما، تھیٹر، کلب سے کچھ سروکار نہ ہوگا۔ البتہ عرس یا میلوں میں شرکت کریں گی۔ پاندان زندگی کا لازمہ ہوگا بغیر پاندان وہ گھر سے باہر نہ جائیں گی، پاندان میں نہ صرف پان کے لوازمات ہوں گے بلکہ زیور، رقم، سب کچھ اس کی چیزیں اسی پاندان میں ہوں گی۔ مغربی اسباب سنگھار سے ناواقف ہوں گی مشرقی اسباب سنگھار کی شایق اور دل و جان سے ان کی قدردان ہوں گی۔ پردہ میں رہیں گی اور اس کو ضروری تصور کریں گی حتیٰ کہ اپنی آواز بھی نامحرم کو سنانے سے پرہیز کریں گی۔ لباس میں ستر پوشی کا خیال ہوگا۔ اس کے بدن کا کوئی حصہ بھی لباس سے خالی نہ ہوگا۔ خالی وقت میں چوسر، پچیسی وغیرہ کھیلوں سے دلچسپی ہوگی ڈھولک بھی بجا سکے گی۔ لیکن بعض قدیم طرز کی عورتیں جو مذہبی اعلیٰ تعلیم سے واقف ہیں وہ اس قسم کے کاموں میں دلچسپی نہ لیتی ہوں گی۔ بلکہ وہ بزرگان دین کے حالات اور قصص الانبیاء وغیرہ کی کتب بینی میں اپنا وقت صرف کرتی ہوں گی۔ زیور کی شایق ہوں گی اور وزنی زیور سے بیحد محبت رکھیں گی۔

جدید مغربی طرز کی میم

ہماری جدید خاتون اس کا عکس ہوگی۔ وہ تعلیم یافتہ ہوگی۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہو بلکہ مڈل تک پڑھنا بھی جدید خاتون بننے کے لیے کافی ہے۔ انگریزی کی چند کتابیں جدید خاتون بنا سکتی ہیں۔ اس کی زندگی کے بھی چند لوازمات ہیں، پکوان سے وہ واقف نہ ہوگی، سینا نہیں آتا ہوگا، البتہ کروشیا، بُنن وغیرہ کا کچھ کام جانتی ہوگی۔ قدیم رسوم، نذر نیاز، فاتحہ پر اعتقاد نہ ہوگا۔ خالی وقت میں رسالوں، ناولوں، عشقیہ کتابوں، دیوانوں وغیرہ کے مطالعہ کا شوق ہوگا۔ گنجفے کے تمام کھیلوں سے واقف ہوگی، رسموں کو نفرت سے دیکھے گی، البتہ سینما، تھیٹر، کلب کی دل سے شایق ہوگی، شوہر کی اطاعت اس پر واجب نہیں، گھربار سے تعلق نہ ہوگا، وہ ان سب کو ملازموں کا کام تصور کرے گی۔ جدید سے جدید وضع کے لباس کی شایق ہوگی، حسن کو نمایاں کرنا اس کی زندگی کا معمول ہوگا۔ پردہ کو نفرت کی نظر سے دیکھے گی، غیر مردوں سے گفتگو، ان کی مجلسوں میں نشست اس کو دل سے پسند ہوگا۔ اسباب سنگھار کی قدیم چیزوں سے نفرت کرے گی۔ مہندی اور پان سے اس کو کام نہ ہوگا بلکہ وہ لپ اسٹک، پوڈر، پینٹ وغیرہ کی قدردان ہوگی۔ اور آمدنی کا بڑا حصہ ان میں صرف ہوگا، جس کے باعث وہ اور اس کا شوہر دونوں قرض دار رہیں گے۔

اگر شادی شدہ ہوگی تو شوہر کے دوستوں سے اگر کنواری ہے تو بھائیوں کے دوستوں سے بے تکلف ہوگی، ہر قسم کا مذاق اور ہر قسم کی گفتگو ان کے ساتھ جائز ہوگی غرضکہ وہ آزاد ہوگی اور آزادی کو پسند کرے گی۔ یورپ کی اندھی تقلید اس کی زندگی کا جزو ہوگا۔

درمیانی طرز کی خاتون

ہماری عورتوں میں ایک اور طرز کی عورتیں بھی ہیں اور ان کی تعداد کافی سے زیادہ ہے، یہ درمیانی طرز کی خاتون کہی جا سکتی ہے جو مشرق اور مغرب کی تہذیب سے مرکب ہوتی ہے، اس کو نہ تو قدیم بیگم کہا جا سکتا ہے اور نہ جدید میم صاحبہ کا لقب دیا جا سکتا ہے اس لئے ہم نے درمیانی طرز کی خاتون سے ملقب کیا ہے۔

یہ تعلیم یافتہ ہوگی ورنہ صرف ادنیٰ یا وسط بلکہ اعلیٰ تعلیم کے بعد بھی علم کی شائق ہوگی۔ اگر ایک طرف انگریزی ادب کی قدردان ہوگی تو دوسری طرف مشرقی علوم کی بھی گرویدہ ہوگی۔ جہاں وہ جدید طرز کے لباس میں ملبوس ہوگی۔ وہاں اس کو ستر پوشی کا خیال بھی ہوگا۔ وہ عریانی اور برہنگی کو پسند نہ کرے گی۔ سلیقہ شعاری، امورِ خانہ داری سے واقف ہوگی۔ اگر وہ کھانے پکانے سے اچھی طرح واقف نہ ہو تو کم از کم ضرورت کے موقع پر وہ کچھ نہ کچھ پکانے کا ملکہ رکھتی ہوگی۔ دست کاری میں مہارت ہوگی، سلائی کے ساتھ کروشیا وغیرہ میں بھی دخل ہوگا۔ مطالعہ سے بھی رغبت ہوگی سینما، تھیٹر اور کلب سے پرہیز نہ ہوگا۔ لیکن ان کی شائق بھی نہ ہوگی۔ یورپین اسبابِ سنگھار کے ساتھ مشرقی اسبابِ سنگھار کی بھی شائق ہوگی۔ اگر وہ پوڈر استعمال کرے تو مہندی سے بھی عار نہ ہوگا۔

شوہر کی اطاعت مذہبی جز تصور نہ کرے گی مگر تہذیب و آئین کے لحاظ سے ادب ضرور کرے گی۔ تخت کو بالکل آقا اور آبا سے سپرد نہ کرے گی۔ شوہر کے دوستوں سے پردہ نہ ہوگا۔ مگر ان کے ساتھ شوہر کے بغیر سیر و تفریح کو بھی نہ جائے گی۔ غرض وہ گھر کی بیگم بننا پسند کرے گی، چراغِ خانہ بننا مرغوب ہوگا۔ شمعِ محفل نہ ہوگی۔

سرکاری ملازم عورتیں

اس عنوان کے تحت ہم معلمات، ڈاکٹر اور نرسس کا تعارف کرا سکتے ہیں، کیونکہ حیدرآباد کی سرکاری ملازمت میں بھی عورتیں داخل ہیں۔

معلمات

حیدرآباد اور قلمرو نظام میں کئی سو مدرسے ہیں۔ ان کی معلمات کی تعداد بھی کئی سو تک پہونچتی ہے۔ ان میں ہر مذہب و ملت کی عورتیں مامور ہیں مسلمان ہندو (برہمن غیر برہمن آریہ) عیسائی، پارسی، یہودی غرض مختلف مذہبوں کی عورتیں معلمہ کے فرائض انجام دیتی ہیں۔ آج سے پچیس تیس سال پہلے معلمات کا بڑا کال تھا۔ اور شریف گھرانے کی عورتیں میسر نہ ہوتی تھیں۔ چنانچہ مہتمم تعلیمات نے اپنی رپورٹ میں تعلیم نسواں کے متعلق جو صراحت کی ہے اسمیں حسبِ ذیل فقرات بھی شامل ہیں۔

"مدارس کی بد انتظامی کی وجہ سے تعلیم نسواں کے اغراض اور اس کے نظم و نسق کے متعلق لوگوں پر غلط اثرات قائم ہوتے تھے، اسی وجہ سے اعلیٰ درجہ کے لوگ اپنی اولاد کو مدارس میں روانہ کرنے پر مائل نہیں تھے۔ ان مدارس کی استانیاں ایسی تھیں جن کو اردو بھی درست نہ آتی تھی، بلکہ شد بد سے واقف ہوتی تھیں، عربی و فارسی سے اتنی واقف ہوتیں کہ قرآن پڑھ لیتیں معمولی حساب سے بھی واقف نہ ہوتی تھیں، ان کے خاندان بھی اچھے نہیں ہوتے تھے"۔

اس صراحت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس وقت کی معلمات میں سب سے بڑے دو نقص تھے اول تو یہ کہ ان کی کچھ قابلیت نہیں ہوتی اور دوسرے یہ کہ وہ شریف گھرانے سے تعلق نہیں رکھتی تھیں، یہ دونوں نقص اب دور ہو چکے ہیں۔ اب استانیوں کا کال نہیں ہے۔ اور قابل سے قابل معلمات دستیاب ہوتی ہیں وہ نہ صرف مڈل یا میٹرک کامیاب ہیں بلکہ کالج کی ڈگریاں رکھنے والی معلمات بھی اب بیسیوں موجود ہیں۔ بعضوں نے تو یورپ کی بھی تعلیم پائی ہے اسی طرح اب شریف اور اعلیٰ طبقہ کی خواتین معلمہ کے فرائض انجام دینے کے لئے دستیاب ہوتی ہیں، ایسی خواتین بھی اس وقت معلمہ کے فرائض انجام دیتی ہیں جن کے شوہروں کی ماہوار آمدنی بھی خاصی ہے بہرحال آج سے پچیس تیس سال پہلے جو نقص تھا اب وہ رفع ہو چکا ہے۔

معلمات کی دو قسمیں قرار دی جا سکتی ہیں، ایک تو وہ جو انگریزی سے بالکل ناواقف ہیں، اور دوسری وہ ہیں جو انگریزی بھی جانتی ہیں، معلمات کے متعلق عام طور سے جو امر لوگوں کے ذہن نشین ہے وہ یہ ہے کہ معلمات فیشن کی دلدادہ ہوتی ہیں، انگریزی تہذیب اور فیشن کا ان پر زیادہ اثر ہوتا ہے۔ لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے جس طرح عام پبلک میں دونوں قسم کی عورتیں موجود ہیں اسی طرح معلمات کا بھی حال ہے۔ اگر ان میں سے کچھ فیشن کی دلدادہ اور انگریزی تہذیب کی شیدا ہیں تو بڑی تعداد ایسی بھی ہے جو سادگی پسند اور

مشرقی تہذیب پر عامل ہیں بلکہ مدارس میں عام طور سے سادگی پر عامل ہونے کے احکام دیئے جاتے ہیں، میرے خیال میں معلمہ ہونیکے بعد جو بات دوسری عورتوں سے ممیز ہوجاتی ہو وہ یہ ہے کہ معلمات مردوں سے گفتگو کرنے میں نہیں شرماتیں کیونکہ ان کو اپنی ملازمت کے باعث اکثر و بیشتر مردوں سے سابقہ پڑتا ہے، البتہ بعض معلمات ضرورت سے زیادہ آزاد ہوجاتی ہیں۔

معلمات کے بعد ڈاکٹرنیوں کا تذکرہ کیا جاسکتا ہے۔ ڈاکٹرنیوں کی تعداد بھی اب یہاں زیادہ ہوتی جارہی ہے ان میں بھی مسلمان، برہمن، عیسائی، پارسی عورتیں شامل ہیں۔ ان میں بعض انگلستان کی کامیاب شدہ ڈاکٹرنیاں بھی ہیں، معلمات میں بڑا حصہ ہنوز پردہ کرتا ہے۔ لیکن ڈاکٹرنیوں کے لئے یہ امر ناممکن ہے، اگرچہ اب حیدرآباد میں ڈاکٹری کی تعلیم اردو میں ہوتی ہے۔ اور دو لڑکیاں کامیاب ہوکر زمرۂ ملازمت میں شامل ہیں اور چند لڑکیاں تعلیم پارہی ہیں مگر ہنوز اس کی جانب عورتوں کی توجہ بہت کم ہے، چونکہ یہاں تعلیم کے لئے سب سے پہلے پردہ سے باہر ہونے کی ضرورت ہے اس لئے ہنوز عام طور سے ڈاکٹری کی تعلیم کا شوق کم ہے، توقع ہے کہ چند سال کے بعد ڈاکٹرنیوں کی تعداد بھی کافی ہوجائے گی۔

سرکاری ملازمت کی تیسری شق "نرس" ہے جو زنانہ اور مردانہ دواخانوں میں مامور ہیں، ایک زمانہ تھا کہ بنگلور وغیرہ کی اینگلو انڈین وغیرہ نرسوں کی تعداد یہاں کافی تھی، مگر اس خدمت کے لئے اب "ملکی" کی قید لگادی گئی ہے۔ اس کی وجہ سے ان کے ملنے میں دشواری ہوتی ہے۔ دوسری مشکل یہ ہے کہ ہنوز متوسط طبقہ اس کی جانب متوجہ نہیں ہے، اس لئے نرسوں کے متعلق شکایتیں سُنی جاتی ہیں۔

نرسوں میں سب سے زیادہ حصہ ان عورتوں کا ہے جو نیچے طبقہ سے تعلق رکھتی ہیں اور عیسائی مذہب قبول کرلیتی ہیں، بعض اینگلو انڈین اور کچھ ہندو نرسیں بھی ہیں، مسلمان نرسیں نہ ہونے کے برابر ہیں کیونکہ ان کی تعداد ایک دو سے زیادہ نہیں ہے۔

اس موقع پر ایک مسلم نرس کا تذکرہ نہایت ضروری ہے۔ مس زبیدہ بیگم کے والد تحصیلدار تھے، ان کے انتقال کے بعد جب کوئی خبرگیری کرنے والا نہیں رہا تو زبیدہ بیگم نے زنانہ دواخانہ میں نرس کی خدمت کو قبول کیا بیس روپیہ ماہوار ملنے لگے اس کے بعد نرس کے امتحانوں میں اپنے ساتھ والی دوسری نرسوں سے سبقت لیتی اور ممتاز ہوتی رہیں اور ساٹھ روپے تک ترقی کی اس کے بعد جو کچھ اُنہوں نے پس انداز کیا تھا اس سے انگلستان گئیں اور وہاں نرسنگ کا امتحان دیا۔ یورپین نرسوں سے بازی لے گئیں اور اعلیٰ درجہ میں کامیابی حاصل کی ہنوز واپسی نہیں ہوئی تھی کہ جنگ شروع ہوگئی۔ نہیں معلوم وہ اب کہاں ہیں، زبیدہ بیگم ملازمت کے زمانہ میں پردہ میں رہا کرتی تھیں اور صوم و صلوٰۃ کی سختی سے پابند تھیں۔ بہرحال مسلمان نرسوں کی قلت ہے۔

حیدرآباد میں نرس نہ صرف سرکاری انگریزی دواخانوں میں مامور ہیں بلکہ یونانی صدر دواخانہ میں بھی نرس مقرر ہیں نرسوں کے متعلق ہر قسم کی آزادی کا شہرہ ہے۔

صفحاتِ بالا میں اعلیٰ اور متوسط طبقہ کی عورتوں کا تذکرہ ہوچکا ہے۔ اس کے بعد ادنیٰ طبقہ کی عورتوں کا تذکرہ کیا جائے گا۔ جن میں تجارت کرنے والیوں محنت کرنے والیوں، ملازمت کرنے والیوں، پیشہ کرنے والیوں وغیرہ کی صراحت کیجائیگی۔

(باقی آئندہ)

نصیر الدین ہاشمی

گذشتہ اشاعت سے آگے

مسز سالومن[1] اپنے ڈرائنگ روم میں بڑے آئینہ کے سامنے کھڑی بالوں میں برش کر رہی تھیں کہ مسٹر سالومن ہاتھ میں ایک تار لئے کمرے میں داخل ہوئے اور بیوی کو تار دیکر کہا "دیکھو صوفیہ بڑے بھائی جان نے کل ہی ہم کو لکھنؤ بلایا ہے۔ آخر گوہر تاج کا رشتہ کلکتہ سیٹھ شکیل صاحب کے ہاں قرار پاگیا اور وہ لوگ منگنی کی رسم ادا کرنے لکھنؤ آرہے ہیں۔" "صرف منگنی اتنی سی بات کے لئے ہمیں لکھنؤ بلایا گیا ہے۔ کتنا روپیہ سفر خرچ میں لگ جائے گا شادی بھی تو جلدی ہی ہو گی۔ اُس وقت چلنا چاہیئے۔ بیگم نے جواب دیا۔ "نہیں صوفیہ ہمیں اس تقریب میں شامل ہونا لازمی ہے بھائی جان کے ہاں یہ پہلی شادی ہے۔ منجھلے بھائی اور بھابی پہنچ چکی ہیں۔ اور اچھا ہے ذرا تفریح رہے گی۔ مدت ہوئی وطن گئے کلکتہ والے سیٹھ خاندان سے ملاقات ہو جائے گی۔" سالومن صاحب نے بیوی سے کہا یہ سُنکر وہ بولیں "غالباً یہ وہی خاندان ہے جن کا ایک لڑکا پانچ سال گذرے مسوری پر ہم سے ملا تھا مجھے نام اس وقت یاد نہیں آتا۔ وہی جن کا ایک افسانہ تھا۔ ہم نے اُن کی منگیتر مس نجمہ کی نسبت مسٹر کامران سے کرادی تھی اور اُس نے نجمہ کو چھوڑ کر ایک عیسائی لڑکی سے شادی کرلی تھی۔" "ہاں ہاں وہی جمیل بیچارہ جس کی نجمہ کو ہم نے چھنوادیا تھا۔ اُسی جمیل کے چچا زاد بھائی شکیل سے ہماری گوہر تاج کی نسبت ہو رہی ہے۔ بڑے امیر کبیر تاجر ہیں۔ ہماری بھابی جان تو اس رشتہ کے خلاف تھیں۔ کہ وہ نواب نہیں ہیں۔ انہیں لڑکی دینا ہماری شان کے خلاف ہوگا۔ لیکن بھائی جان نے سمجھا کر اور دولت کا لالچ دیکر رضامند کرلیا۔ شکیل اُن کا ایک ہی لڑکا ہے اور ایک لڑکی جس کی شادی جمیل سے ہوگئی ہے۔" صوفیہ نے تعجب سے کہا "ارے جمیل نے شادی کرلی دو سال تک تو وہ بہت ہی غمگین رہتے تھے۔" "تم تو بھول جاتی ہو شاید تین سال ہوتے ہوں گے کہ جمیل نے ہمیں اپنی شادی کا بلاوا بھیجا تھا میں تو اس وقت بھی شادی کی خوشی کو تیار ہوگیا تھا کلکتہ کی سیر ہی ہو جاتی مگر تم نے روکا تھا کہ بہت صرف ہوگا۔ صوفیہ روپیہ کی کمی کی وجہ سے بہت سی خوشیوں شادی وغیرہ کی تقریبوں سے ہم محروم رہ جاتے ہیں ایسا کچھ انتظام ہونا چاہیئے کہ ایسے کاموں کیلئے کچھ پس انداز ہوسکے۔ اس وقت ہم کو نو سو روپیہ ماہوار ملتے ہیں اور ضرورت کے وقت بھائی جان سے بھی منگوا لیتے ہیں۔ پھر بھی بے فکری سے بسر نہیں ہوسکتی۔" صوفیہ برش میز پر زور سے پھینک کر یہ کہتی ہوئی ڈرائنگ روم سے نکل گئیں "بس ہے اس سے بہتر انتظام نہیں ہوسکتا آئندہ ماہ سے آپ خود دیکھئے۔ مجھکو ایک جگہ مسٹر ہیرالال کے ساتھ ایک ڈرامہ کی تیاری کے لئے جانا ہے دو وقت ہونگے میں زیادہ بحث نہیں کرسکتی۔"

نواب بیگم سلطان مرزا آج اپنی بڑی صاحبزادی کی منگنی کی رسم بڑی دھوم دھام سے منا رہی ہیں اُن کے سب عزیز جمع ہیں۔ عالیشان کوٹھی "قصر سلطان" کے قریب ہی کلائیڈ روڈ پر دو کوٹھیاں اور مہمانوں کے لئے آراستہ کی گئیں۔ ایک میں کلکتہ والے ٹھہرائے گئے اور دوسری میں اپنے دونوں بھائی احسان مرزا و سلیمان مرزا اُتارے گئے۔ اور بیگم صاحبہ کے اپنے عزیز

[1] مسز سالومن کا حال عصمت جولائی سنہ ۴۰ء کے پرچہ میں دیکھئے۔

بھاوجیں بہنیں قصر سلطان ہی میں ٹھہرائی گئی ہیں۔ آج شب کو بڑی دعوت ہے جس میں علاوہ ان مہمانوں کے جو دُور دُور سے آئے ہیں لکھنو کے عزیز نواب اور بڑے بڑے عہدے دار کوئی پانچسو کے قریب مدعو کئے گئے ہیں اندر اندر باہر ناچ گانے کا انتظام ہے۔ نواب بیگم صاحبہ اپنی عزیز بیگمات کے درمیان بیٹھی آہستہ آہستہ بجا درج سے کچھ باتیں کر رہی ہیں کہ ان کی دونوں دیورانیاں چھوٹی چھوٹی ریشمی پھول دار چھتریاں لگائے آتی نظر آئیں۔ "وہ دیکھو میمیں آرہی ہیں"۔ بیگم صاحبہ کی بھاوج نے کہا" اوہو بالکل بے پردہ کھلے منہ۔ باہر اتنے نوکر بھرے پڑے ہیں تعجب ہے ان کی ہمت کیسے ہوئی۔ اور قدم کیسے اٹھا ہم تو یہ سنا کرتے تھے کہ پہاڑوں پر جاکر پردہ نہیں کرتیں لیکن کانپور اور لکھنؤ آکر ایسی حیا کبھی نہیں کی"۔ بیگم صاحب کی بڑی بہن نواب بیگم جہانگیر قدر نے یہ اعتراض کیا" اب زمانہ آزادی کا ہے۔ جب تک خسر زندہ رہے آکر پردہ کر لیا کرتی تھیں۔ جس دن سے ان کا انتقال ہوا ہے بالکل آزاد ہوگئیں"۔ بیگم سلطان مرزا نے اُن دونوں کو جواب دیا "بہن خسر دنیا سے اٹھ گئے مگر خدا رکھے جیٹھ بھی تو خسر ہی سمجھے جاتے ہیں ان کا ذرا خوف نہیں"۔ اتنے میں وہ قریب آگئیں اور سب کو سلام کر کے وہیں تخت کے کنارے پر بیٹھ گئیں۔ دونوں کے پیر فرش پر تھے اس پر بھی اعتراض ہوئے۔ کسی نے کہا کرسیاں منگادو انکو تخت پر بیٹھنے سے تکلیف ہو رہی ہے چھوٹی دلہن یعنی مسز سلیمان (ساوتری) کے بال انگریزی وضع سے تراشے ہوئے تھے۔ اور چونکہ ساڑھی کا آنچل سر پر نہ تھا سب بیگمات ان کے بالوں کو دیکھ دیکھ کر ہنس رہی تھیں" آپ دونوں نے بہت دیر لگادی کیا کر رہی تھیں۔ یہ سب بیگمات خصوصاً میری بھابی جان اور بہن بہت یاد کر رہی تھیں۔ مدت کے بعد آپ دونوں کا وطن آنا ہوا ہے"۔ بیگم سلطان مرزا نے دیورانیوں سے کہا" بھابی جان دوپہر کے کھانے کے بعد میں لیٹ گئی تھی۔ وقت کا پتہ نہ چلا چار بج گئے تو اٹھ کر حاضر ہوگئی۔ تمام رات گاڑی میں نیند نہیں آئی طبیعت کسلمند تھی میرا دل خود یہیں پڑا تھا۔ صبح تھوڑی دیر آپ کو دیکھ سکی تھی اگر ہم لوگوں کو بھی یہیں ٹھہرایا گیا ہوتا تو بہتر تھا"۔ بیگم احسان مرزا نے جواب دیا پھر بیگم سلیمان بولیں" ہم تو آپ معاف کرینگی گیارہ بجے اسٹیشن سے آئے معلوم ہوا کہ ہم کو دوسری کوٹھی میں اتارا جائیگا وہیں پہنچے کھانا مل گیا تھوڑی دیر آرام کیا ابھی اُٹھنے نہیں پائے تھے کہ منجھلی بھابی نے یہاں آنے کو کہا پندرہ منٹ میں تیار ہو کر آگئے"۔" آپ دونوں کو یہیں اُتارا جاتا مگر ہم لوگوں کو دقت ہوتی پڑنے کی وجہ سے نواب صاحب نے کہا کہ دونوں بھائیوں کو کوٹھی میں ٹھہرانا چاہئے تاکہ اُن کے دوستوں کو ملنے میں آسانی ہو"۔ بیگم سلطان مرزا نے کہا" بالکل ٹھیک آپ کو بھی آرام رہا اور ہم لوگوں کے لئے بھی ایسا ہی اچھا ہے۔ صاحب کے بہت سے دوست جو ہمارے منتظر تھے ہر وقت آئیں گے۔ ایک صاحب جو آپ کے سمدھی کے بھتیجے ہیں وہ ہمارے بھی بہت پُرانے ملنے والے ہیں ہمارے آتے ہی آگئے تھے۔ اُن کی قیام گاہ شاید قریب ہی ہے۔ اس خیال سے ہم لوگوں کا علیحدہ رہنا ہی بہتر ہے"۔ بیگم سلیمان نے کہا۔ اس پر بیگم احسان مرزا بولیں" صرف اتنے کے لئے ہم لوگوں کو الگ رکھنے کی ضرورت نہ تھی ایسا ہو سکتا تھا کہ ہم دونوں آپ کے پاس قصر ہی میں ٹھہرتیں اور وہ دونوں بھائی باہر مردانے میں ٹھہر جاتے تو وہاں ان کے دوست ہر وقت آسکتے تھے"۔ بیگم سلیمان پھر بولیں" واہ یہ کیسے ہوسکتا تھا؟ اُن کے دوست ہم دونوں سے بھی تو ملیں گے بار بار ہم کو باہر جانا پڑتا"۔ دیورانی سے یہ فقرے سُنکر بیگم احسان مرزا کچھ جیں بجبیں ہو کر بولیں" اس وقت ہمیں اُن کے دوستوں سے ملاقات کی ضرورت نہ تھی۔ ہم تو چار دن کے لئے وطن آئے ہیں گھر میں رہ کر بھابی جان صاحبہ اور سب رشتے دار بیگمات سے ملنا ہے۔ دوستوں سے ملنا تو ہمیشہ ہی رہتا ہے۔ عزیز کبھی کبھی ملتے ہیں"۔ اپنی منجھلی دیورانی کے یہ خیالات سُنکر نواب بیگم سلطان بہت خوش ہوئیں اور جواب دیا" بہت اچھا احسان دلہن اگر تمہیں میرے پاس رہکر عزیزوں سے

ملنے کی زیادہ خوشی ہے تو آج شب کو یہیں آرام کرنا تمہارے بچے اور بستر وہاں سے منگوا لیتے ہیں اور میاں احسان مرزا وہیں رہیں گے"
"بھابی جان مجھکو مہربانی سے اُسی جگہ رہنے دیں کیونکہ مجھکو اپنے اور صاحب کے دوستوں سے ملنا بھی اُسی قدر لازمی ہے جس قدر کہ
عزیزوں سے آج آپ کی دعوت اور یہ جلسہ ختم ہو جائے تو کل سے دن بھر اور آدھی رات تک کے لئے ہم دونوں کو باہر کھانے اور
جانے کے لئے ناچنا پڑے گا۔ اس لئے وہیں سے آسانی رہے گی۔" میں نے تمہارا تو نام نہیں لیا تمہیں خدا مبارک کرے دوستوں
سے ملنا جلنا چونکہ منجھلی دلہن نے میرے ساتھ رہنا چاہا تو ان کا سامان قصر میں منگا لینے کو کہا ہے۔ نواب بیگم نے کہا "آپکو جب اتنا
دوستوں کا خیال ہے تو اس وقت بھی آپ کا یہاں آجانا مناسب نہ تھا کیونکہ سلیمان میاں کے دوست تو ابھی آگئے ہوں گے۔
اور آپ کے مسوری کے بہت عزیز دوست مسٹر جمیل تو منتظر ہی ہونگے کیونکہ جس وقت ہم اس طرف آنے کو باہر نکلیں جمیل صاحب
ہمارے باغیچے میں سلیمان میاں کے پاس کھڑے تھے۔" بیگم مرزا نے کہا ان سے یہ سُنکر نواب بیگم مسکرا کر بولیں "ابھی تو بہت
وقت ہے کچھ بھی نہیں بجے کھانا کہیں آٹھ بجے ہوگا سلیمان دُلہن وہاں جا سکتی ہیں۔" بڑی جٹھانی سے یہ طنزیہ فقرے سُنکر
باجی عندہ میم صاحب مسز سالومن فوراً کھڑی ہو گئیں اور چھتری اُٹھا یہ کہتی ہوئی باہر کو چل دیں "بہت اچھا اگر کھانے میں بہت
دیر ہے تو یہاں بیکار بیٹھنے سے کیا فائدہ گانے باجے سے ہم کو اتنا شوق نہیں ذرا کلکتہ والوں سے مل لیں آٹھ بجے آجائینگے۔"
جب یہ میم صاحب باہر چلی گئیں تو سب بیگمات خوب ہنسیں ان کی اس بے باکی اور بد لحاظی پر۔ منجھلی دُلہن کا اسباب دوسری کوٹھی
سے قصر میں آگیا اور اُوپر کی منزل میں دو کمرے ان کے لئے درست کر دئے گئے۔

"آپ کیسے آ گئیں بہت مہمان جمع ہیں اب کلکتہ والی بیگمات بھی رسم ادا کرنے اور کھانے کے لئے اندر جانے والی ہیں۔"
سلیمان مرزا نے بیوی سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا "آ ہی گئے ابھی کھانے میں ڈھائی گھنٹے کی دیر ہے۔ وہاں خالی بیٹھ کر
غیر دلچسپ محفل میں کیا کیا جاتا۔ بھونڈے مزاج جاہلانہ گفتگو میں وقت گذارنا دشوار تھا ہم کو تو شوق تھا مسز جمیل کو دیکھنے کا مسٹر
جمیل بلوائیے اُن کو جلدی دکھا دیجئے ہم رات کو مجمع میں اُن سے ملنا نہیں چاہتے تھے پہلے تنہائی میں اچھی طرح دیکھ لیں۔ اور
سُنا ہے آپ کے دو بچے بھی ہیں کیا ساتھ لائے ہیں اُن کو بھی دکھا دیجئے" جمیل نے جواب دیا "وہ تو ابھی یہیں تھیں بلکہ چاء بھی
یہیں پی ہے۔ آپ کے صاحب نے ہم دونوں کو چاء کے لئے بلوا لیا تھا مگر افسوس آپ کو نہ پاکر فوراً ہی واپس چلی گئیں آپ جانتی ہیں ہمارا
گھر پابند پردہ ہے۔ بار بار اُن کا بزرگوں میں سے نکل کر آنا دشوار ہے۔" "چلئے ہم وہیں چلیں۔" مسز سالومن نے کہا اور یہ تینوں
اس کوٹھی کے باغیچہ سے نکل کر دوسری کوٹھی کے باغ میں سے ہوتے ہوئے پیچھے کی طرف سے جمیل صاحب کے کمرے کے قریب
پہنچے اور ڈریسنگ روم کا دروازہ کھٹ کھٹایا اندر سے آیا نے کہا "کون ہے" اور دروازہ کھول کر دیکھا آگے جمیل صاحب کھڑے
تھے اور اُن کے پیچھے مسٹر و مسز سالومن اُس نے جمیل سے آہستہ سے کہا "بیگم صاحب لباس تبدیل کر رہی ہیں سمدھیانے جانے کیلئے۔"
یہ سُنکر جمیل فوراً اندر آئے اور بیوی سے کہا "جلدی کرو مسز سالومن تم سے ملنے آئی ہیں۔ باہر کھڑی ہیں۔ بہت ہی اچھا ہوا۔ اس وقت
تمہارا لباس سادہ تھا ان اچھے کپڑوں میں یہ صاحبہ تم کو دیکھیں گی تو اپنے حُسن کا غرور بھول جائیں گی۔ انہیں حضرت نے تم کو مجھ سے
چھڑایا تھا آج دیکھ لیں گی کہ اُس سے بہتر اور بدرجہا بہتر بیوی خدا نے مجھ کو دی۔ جلدی چلو اپنے بیڈ روم میں دروازہ بند کرکے
بیٹھو میں اُن دونوں کو لاتا ہوں۔" "ہاں جمیلہ کو بھی بلا لیجئے۔ آپ مجھے اس قدر بنا رہے ہیں۔ پانچ سال کی بیاہی دو بچوں کی ماں میں
بھلا اُن سے زیادہ کیا حسین ہو سکتی ہوں؟" "واہ اگر پانچ سال کی بیاہی حسین نہیں رہ سکتی تو بارہ سال کی بیاہی اور سات

بچوں کی ماں کی کیا حالت ہوگی"۔ بیگم جمیل اپنے کمرے میں آئیں جمیلہ کو بلوایا اور دروازے بند کردئے وہ تینوں بھی آگئے۔ جمیل نے اپنی بیوی اور اپنی بہن جمیلہ کو اُن دونوں سے ملوایا وہ دونوں میاں بیوی ان بےمثال حُسن کے مجسموں کو دیکھکر حیران رہ گئے۔ خوبصورت عورتیں انہوں نے سینکڑوں دیکھی تھیں لیکن ایسی شکلیں کبھی خواب میں بھی نہ آئی تھیں یہ دونوں نند بھاوج اس وقت سُرخ ساڑھیاں اور سفید بروکیڈ کے بلوس پہنے ہوئے تھیں۔ ساڑھیوں پر سفید ستاروں کا کام جگمگا رہا تھا اور الماس مُرصّع زیور برقی روشنی میں چمک کر دیکھنے والوں کی آنکھوں میں چکاچوند پیدا کر رہے تھے۔ مسز سالومن جو اپنے خیال میں دُنیا کی حسینوں کی سردار تھیں اس وقت ان کو دیکھ کر ان کے ہوش گُم ہوگئے۔ اور کچھ افسردہ سی ہوکر بیٹھ گئیں۔ نجمہ کی ان کے مقابلہ میں کچھ حیثیت نہ تھی۔ "ہم تو وہیں حاضر ہوئے تھے مگر آپ تشریف نہ رکھتی تھیں" شکیلہ بیگم نے مسز سالومن سے کہا "ہمیں افسوس ہے اُس وقت منجھلی بھابی ہمکو قصر سلطان لے گئی تھیں اور یہ علم بھی نہ تھا کہ مسٹر سالومن نے آپ کو بھی بلایا ہے آپ کو دیکھکر ہمیں بڑی خوشی ہوئی ایک مدت سے ملنے کی آرزو تھی"۔ مسٹر سالومن نے کہا "آپ کو تو مسٹر جمیل کی بیوی ہونے کی وجہ سے آرزو تھی لیکن مجھکو یہ دیکھنے کی تمنا تھی کہ نجمہ کو کھوکر اُنہوں نے کیسی بیوی پائی ہم کو افسوس ہوا کرتا تھا ان کی محرومی اور بربادی پر خیال کرکے لیکن آج بے انتہا خوشی ہوئی کہ جو کچھ ہوا بہت اچھا ہوا۔ اگر جمیل صاحب اُس کو نہ کھوتے تو آپ کو کیسے حاصل کرسکتے؟ واللہ جمیل خوش نصیب" ناکامی کے بعد اگر ایسی کامیابی ہوجائے تو کیا کہنا"۔ سالومن صاحب یہ سنکر جمیل صاحب نے کہا "اس کامیابی میں بڑا حصہ چونکہ آپ دونوں کی کوششوں کا ہے میں آپکا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ایک اس کا کہ میری بیوی سے ملکر آپ خوش ہوئے دوسرا یہ کہ اگر مسز سالومن صاحبہ اپنی عزیز دوست نجمہ کو ایک پرانے خیال کے نالائق طالب علم سے چھڑا کر ایک قابل شخص کے سپرد نہ کردیتیں تو آج یہ نعمت مجھکو میسر نہ ہوتی"۔ اسپر مسٹر سالومن نے قہقہہ لگایا مسز سالومن بھی کھسیانی ہنسی ہنسنے لگیں۔ پھر بیگم جمیل صاحب نے کہا "کہئے آپ کی وہ دوست اب کہاں ہیں؟ ۵ سال گذر ے ہم لوگوں کو کچھ خبر نہیں"۔ مسٹر سالومن نے جواب دیا "ہمیں بھی پتہ نہیں اس سال کلکتہ جانا سُنا تھا جب سے گُم ہیں کچھ خبر نہیں۔ بیچاری بدنصیب لڑکی"۔ جمیل صاحب جو ابھی خوش نظر آرہے تھے نجمہ کا ذکر سنکر خاموش افسردہ ہوگئے۔ بیوی پر اپنی یہ کیفیت ظاہر کرنا نہیں چاہتے تھے اُٹھ کر باہر چلے گئے اور اپنے دونوں بچوں کو ساتھ لائے لڑکی کی عمر ۴ سال اور لڑکا ۳ سال تھا دونوں بچے بہت خوبصورت تھے۔ دونوں میاں بیوی نے انکو گود میں بٹھا لیا جمیلہ بیگم اسوقت بالکل خاموش تھیں کیونکہ ان دونوں سے پہلی ملاقات تھی مسز سالومن اپنی فطری رشک و حسد کی عادت کیوجہ سے جو انکو دوسری خوبصورت عورتوں سے ہمیشہ کج خلقی برتنے پر مجبور کرتی تھی جمیلہ کی طرف نظر اُٹھا کر بھی نہ دیکھتی تھیں بات کرنی تو درکنار مسٹر سالومن نے جمیل سے دریافت کیا "آپکی ہمشیرہ صاحبہ بھی کلکتہ سے تشریف لارہی ہیں؟ ان کے صاحب تو آپنے بتایا تھا کہ جبلپور میں ڈپٹی کمشنر ہیں؟" "جی ہاں وہ جبلپور ہیں جمیلہ بیگم آجکل کلکتہ آئی ہوئی تھیں ہم اسی تقریب کی شرکت کیلیے ساتھ لے آئے" جمیل نے جواب دیا۔ مسٹر سالومن نے جمیلہ سے مخاطب ہوکر کہا "آپکو لکھنو تشریف لانیکا غالباً یہ پہلا اتفاق ہے؟" "جی ہاں اب بھی میری صحت کچھ درست نہ تھی مگر بھائی جان اور بھابی صاحبہ کے اصرار سے چلی آئی" جمیلہ نے جواب دیا۔ مسٹر سالومن کچھ دیر خاموش رہے پھر کہا "آپکو لکھنو کی اچھی طرح سیر کرنی چاہیئے۔ یہ مقام تاریخی مقام ہونیکی وجہ سے اور بہت کچھ تبدیلیاں ہوجانے پر بھی پُرانی شان رکھتا ہے۔ کل صبح ہم آپکو سیر کرائی جائیگی" سالومن صاحب نے کہا جس کا دونوں بہن بھائی نے شکریہ ادا کیا۔ دروازہ کھٹ کھٹایا گیا جمیل نے اُٹھ کر دیکھا تو شکیل صاحب تھے۔ انکو بھی اندر بلا لیا گیا۔ مسز سالومن صاحبہ سے تعارف کرایا اور بتایا کہ انہیں صاحب کی نسبت کی یہ دُھوم دھام ہے۔

نذر سجاد حیدر (باقی آئندہ)

اخواندہ خاتون سے

پاک سیرت محترم خاتون اے عالی صفات
آج کچھ کہنا ہے تجھ سے سن بگوشِ التفات

عالمِ انسانیت میں تیری ہستی فرد ہے
تیرے کوچہ میں شکوہ شہریاری گرد ہے

تو ترقی کے مدارج میں امینِ رازِ قوم
ہے تری آواز میں مضمر نوائے سازِ قوم

دولتِ کونین تیرے پاک قدموں پر نثار
تیری ہستی ہے سراپا رحمتِ پروردگار

قوم کی بگڑی ہوئی حالت بنا سکتی ہے تو
قسمتِ خوابیدہ صدیوں کی جگا سکتی ہے تو

درحقیقت ہے تری آغوش اک تعلیم گاہ
زندگی کی جس میں ملتی ہے نئی اک شاہراہ

ذکر تیرا حاشیہ تاریخ کے صفحات کا
ہے زمانہ آج بھی قائل تری خدمات کا

محترم بانو مگر یہ بھی تجھے معلوم ہے
علم کی دولت سے تو اس دور میں محروم ہے

علم کی خوشبو سے تیری روح ہے ناآشنا
تو سمجھ سکتی نہیں نسوانیت کا فلسفہ

علم تو نے عقل کے معیار پر جانچا نہیں
مقصدِ تعلیم جو کچھ ہے اسے سمجھا نہیں

علم کی عظمت سے صد افسوس تو ہے بے خبر
ہے دماغ و قلب پر تیرے قدامت کا اثر

علم کی تخلیق سے رکھتی نہیں تو واسطہ
قربتِ حق کا دکھا سکتی نہیں تو راستہ

علم کی ضو سے ضیا افروز تیرا دل نہیں
زندگی کے دور کا رنگین مستقبل نہیں

علم کے اوصاف سے واقف نہیں تیرا ضمیر
علم کو اپنا بنا سکتی نہیں تو دستگیر

کاش تو آگاہ ہوتی علم کے عرفان سے
علم کے عرفان سے نسوانیت کی شان سے

نہ ہی خود ساختہ رسموں سے رہتی دور دور
تجھ میں ہوتا طبقۂ نسواں کی خدمت کا شعور

جائزہ لیتی جہاں میں وقت کی تہذیب کا
ہے تمدن کس لئے اقوام کا بدلا ہوا

دیکھتی کس حد پہ آئی ہے سیاست قوم کی
دیکھ کر پھر خود سمجھ لیتی ضرورت قوم کی

درس لیتی تو خواتینِ سلف کا پڑھ کے حال
سامنے آتا ترے آئینہ اوج و کمال

دیکھتی تو ان خواتینِ سلف کی شان کو
زینتیں جن سے ملیں تاریخ کے ایوان کو

جن کا نصب العین ہی تھا خدمتِ قوم و وطن
جو جہاد فی سبیل اللہ میں تھیں صف شکن

جن کی یکتا تھی جہاں میں قوّتِ علم و عمل — آج تک جن کا نہ پیدا ہو سکا نعم البدل
حکمراں بھی ان میں ہیں اور عالمہ بھی اِن میں ہیں — قوم کی بے لوث قابل رہنما بھی ان میں ہیں
اِن کی ہر تدبیر تھی صورت گرِ صدِ انقلاب — اپنے اپنے دَور میں یہ سب رہی ہیں کامیاب
ہے انہیں میں چاند سلطانہ کا اور رضیہ کا نام — ہے انہیں میں نامور نور جہان عالی مقام
روشنی میں علم کی تو دیکھتی ان کا وقار — کس لئے تاریخ میں ہے نام ان کا یادگار
کیوں زمانے میں ملی ان کو حیاتِ جاوداں — کیوں ادب سے یاد کرتے ہیں انہیں اہلِ جہاں
آہ لیکن محترم خاتون ناخواندہ ہے تو — تجھ میں آسکتا نہیں ان کا کبھی اندازِ خو
علم کی دولت سے جبتک تو نہو گی فیضیاب — دُور ہو سکتا نہیں تجھ سے جہالت کا عذاب
چھوڑ دے خوابِ گراں بیدار ہو بیدار ہو — خدمتِ قوم و وطن کے واسطے تیار ہو
پیکرِ نسوانیت میں رُوحِ تازہ پھونک دے — علم کی قوّت سے کر حل زندگی کے مسئلے

تیرا دل بن جائے مرکز علم کے احساس کا
کاش ہو جائے اثر تجھ پر مری التجا اس کا

خلیق برہان پوری

باقی صفحہ ۳۵۹ کا

ایک جلسے میں نپولین نے اپنی یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ میری مٹی فرانس کے لوگوں میں جن کو میں بہت عزیز رکھتا ہوں دریائے سین کے کنارے پر دفن کی جائے۔ یہ خواہش اس کی منظور ہوئی اور ماہ ستمبر ۱۸۴۰ء میں گورنمنٹ فرانس کی تحریک سے یہ تجویز کی گئی کہ نپولین کی لاش جزیرہ سینٹ ہلینا سے فرانس کے دارالخلافہ کو منتقل کی جائے۔ قبر کو کھولنے پر نپولین کی لاش نہایت صحیح و سالم پائی گئی۔ جس سے دیکھنے والوں کو بہت تعجب ہوا۔ نپولین جس طرح میدانِ جنگ میں ظاہر ہوا کرتا تھا اسی طرح لوگوں نے اس موقع پر بھی اس کی سہ گوشہ ٹوپی اُس کے سر پر رکھی اور اُس کا جنگی کوٹ اور بیٹ اُس کو پہنایا۔ تماشائیوں نے جب وضع قطع سے اُس مسافرِ عدم کی لاش کو دیکھا تو ڈر گئے اور کچھ دیر تک ان لوگوں کو یہ معلوم ہوا کہ گویا وہ جسم بے جان خواب میں ہے۔ نہایت شان و شوکت اور جاہ و حشم کے ساتھ آخرکار اس کی لاش پیرس کو پہنچائی گئی۔ اور وہاں پہنچکر بڑے تجمل شاہانہ سے دفن ہوئی اور اس کے ساتھ ہی وہ تمام تنازع بھی اس کی قبر میں دفن ہوئے جو انگلستان اور فرانس میں تھے۔

زبیدہ زرّیں

نپولین کی موت

خراب آب و ہوا اور مدت کی قید کے بعد جس سے نپولین بھی عاجز آگیا تھا۔ بیماری کی سی علامتیں اسے معلوم ہوئیں اور آخر کار اس کے معدے پر ایک پھوڑا نمودار ہوا۔ اس بیماری میں نپولین کی ہمت بہت شکستہ ہوگئی تھی وہ یہ آہیں بھر کر کہتا تھا کہ میں اب نپولین اعظم نہیں رہا۔ افسوس میں کیوں توپ کے بڑے بڑے گولوں سے بچ گیا جو اس خراب حالت میں مبتلا ہوا۔ اُس نے اپنے ہم نوالہ پیالہ سے کہا جب میں مر جاؤں گا تو تم خوش ہوگے اور یورپ کو واپس جانیکی اُمید کروگے تم میں سے ایک اپنے رشتہ داروں سے ملیگا اور دوسرا اپنے دوستوں سے ملکر خوش ہوگا اور میں اپنے بہادر متوفی ساتھیوں سے بہشت کے میدانوں میں ملاقات کرونگا۔ نپولین نے اس گفتگو میں پکار پکار کر اپنے اُن ساتھیوں کا نام بتفصیل لینا شروع کیا۔ بسی ازز۔ مورلسٹ۔ بربتھیز۔ وغیرہ اور کہا کہ یہ سب میرے پاس آئیں گے اور بہشت میں مجھ کو مبارک باد دیں گے اور ہم اور وہ آپس میں اپنے گذشتہ کاموں کا ذکر کریں گے۔ میں اُن سے اپنی آخیر زندگی کے حالات بیان کرونگا مجھ کو وہ دیکھتے ہی ایک دفعہ جوش اور حرارت سے مخمور ہوجائیں گے اور پھر ہم اپنی اُن لڑائیوں کا حال بیان کرینگے جو گویا ایسے ایسے بہادروں کے ساتھ ہوئیں جیسے سپیو ہینبل قیصر ہن نال اور فریڈرک کے خاندان والے۔

۵ مئی سنہ ۱۸۲۱ء کو نپولین نے اپنی زندگی کا آخری سانس لیا۔ اُس حالت میں بھی جو لفظ کبھی کبھی بے ساختہ اُس کے منہ سے نکلے اُن سے ایک بڑا جذبہ مرتے وقت بھی اُس کی طبیعت میں ظاہر ہوگیا۔ یعنی اس وقت بھی اس کے تمام خیالات جنگ و جدل سے معمور تھے۔

جس روز نپولین مرا اس دن شام کو اُس جزیرے میں آندھی مینہ وغیرہ کا ایک طوفان آیا گویا ان عنصروں پر بھی ایسے شخص کی رحلت کا اثر ہوا جس نے انسان کے جوش کو لڑائی جھگڑوں میں طوفان کے مانند برانگیختہ کر رکھا تھا۔ ۹ مئی کو وہ متوفی شہنشاہ قبر کے سپرد ہوا۔ مارنگو کی لڑائی میں جو لبادہ نپولین نے زیب تن کیا تھا وہی اس موقع پر اُس کے تابوت پر ڈالا گیا اُس کے جنازے کے ہمراہ اس کے مغموم ساتھی آہستہ آہستہ دفن تک گئے۔ انگریزی فوج کا ایک گروہ اُس کی لاش کو اُٹھائے ہوئے تھا۔ نپولین جس وقت قبر میں اُتارا گیا تو توپخانے نے اور بندوقوں نے اس کو آخری سلامی دی۔ مٹی مٹی میں مل گئی۔ اس سے زیادہ مؤثر نقشہ بھی انسان کی بلند نظری کا شاید کسی نے مطالعہ کیا ہوگا یہ وہ واقعہ تھا جس کے دیکھنے سے ایک نہایت بے پرواہ آدمی کو بھی عبرت ہوتی تھی۔

نپولین نے اپنے مرنے سے پہلے اپنی قبر کا مقام اور جگہ تجویز کردی تھی۔ یہ مقام ایک چشمہ کے کنارے واقع تھا جہاں سے اسکے واسطے پینے کا پانی آیا کرتا تھا۔ تمام فضا اُس مقام کی ایسی تھی جس سے گاؤں کا سا سماں نظر آتا تھا۔ اور گذر بھی وہاں لوگوں کا بہت کم ہوتا تھا۔ یہ خوشگوار اور امن کے سامان جن میں نپولین دفن ہوا۔ نپولین کی خصلت کے بالکل مخالف تھے۔ ایک قسم کے بید کا درخت اس کی قبر پر سایہ کئے ہوئے تھا۔ برسوں تک یہ حال رہا کہ لوگ اس درخت کی ٹہنیاں نپولین کی یادگار کے طور پر کمال آرزوں کے ساتھ لے گئے۔ یہاں تک کہ اُس مقام کے گورنر نے اس اندیشے سے کہ مبادا اسی طرح وہ درخت بالکل نیست و نابود نہ ہو جائے اس مقام پر پہرہ تعینات کر دیا تھا تاکہ کوئی شخص اس کی ٹہنی نہ توڑ سکے۔

نپولین کی وفات کے بعد نپولین کا وصیت نامہ چھاپا گیا۔ اس کی بہت سی باتیں دلچسپ ہیں۔ اس وصیت نامہ کے.

(باقی صفحہ ۳۵۸ پر)

رفتارِ زمانہ

از خان بہادر حافظ محمد ولایت اللہ صاحب
آئی - ایس - او

ایک دن وہ تھا کہ ہر جانب یہ ہوتی تھی پکار
بیبیاں پردے میں ہوجائیں کہ مرد آتے ہیں ہاں
پھر یہ دیکھا لوگ کہتے تھے بآوازِ بلند
مرد کرلیں اس طرف منہ - آرہی ہیں بیبیاں
پارسل بن کر کبھی نکلیں جو تانگہ میں کہیں
اُس کے اندر سے نظر آتی تھیں خالی اُنگلیاں
جھانکنے کا راستہ میں ایک عجب انداز تھا
کھلتی تھیں اور بند ہو جاتی تھیں فوراً کھڑکیاں
رفتہ رفتہ ہو گیا غائب وہ گھونگھٹ کا رواج
برقع اور یہ وہ کہیں حائل نہیں ہے درمیاں
ریل گاڑی میں کبھی اب وہ پردہ رچا د نہیں
جب سے رائج ہوگئیں یہ خوبصورت ساڑھیاں
رنگ بدلا ہے زمانے نے بڑی تیزی کے ساتھ
آج جلسوں اور تماشوں میں نہیں وہ سختیاں
مرد اب رہتے ہیں پیچھے بیبیاں ہیں پیش پیش
مرد اب ان کے لئے کرتے ہیں خالی کُرسیاں
عام جلسوں میں صفِ اوّل میں ہے انکی نشست
بیوی بکھر دیتی ہیں خاموش بیٹھے ہیں میاں

سید ہمایوں مرزا صاحب کے بعد

میرے شوہر سید ہمایوں مرزا صاحب بیرسٹر ایٹ لا علیہ الرحمۃ ہمیشہ مجھ سے یہ کہا کرتے تھے کہ ہماری اولاد نہیں ہے۔ ہمارے بعد کیا ہوگا کون فاتحہ پڑھے گا۔ حسرت و یاس ہی ہمارے مزار پر برسے گی ہم گمنام ہی دنیا سے چلے۔ ہمارا تو کوئی بھی تو وارث نہیں۔ میرے باپ دادا کا نام ختم ہو رہا ہے۔ یہ باتیں سُن سُن کر مجھے بھی افسوس ہوتا تھا کہ ان کا کوئی بھائی بہن بھی تو نہیں۔ میں کہا کرتی تھی آپ دوسرا عقد کریں اگر کہو تو میں خود آپ کے لئے کوئی لڑکی تجویز کردوں۔ مگر انہوں نے میرے اصرار پر بھی دوسرا عقد نہیں کیا اور ۷۶ سال کی عمر میں دُنیا سے رخصت ہوئے اس وقت مجھے یہ خیال آیا کہ جو لوگ صاحب اولاد گذرے جنہوں نے دولت بھی چھوڑی اور اولاد بھی ان کا سنگ مزار بھی نہیں۔

پچھلے سال میں۔ میں گئی تھی [illegible] اقبال علیہ الرحمۃ کے مزار پر فاتحہ پڑھنے گئی تو بڑے بڑے امراء کے مقبرے دیکھے جن پر نہ سنگ مزار ہے۔ نہ دم درود کے پڑھنے کا ذکر میرے نام آیا کہ جب شاہ دکا سنگ مزار لگوا دیتے۔ یہ حضرات ان لوگوں کے مزار کی زینت کو دیکھیں جو [illegible] اقبال کے مزار پر جگہ جیسے ہوئے [illegible] ہیں۔ [illegible] مگر آج تک مزار تیار نہیں ہوا۔ یہ لوگ صاحب اولاد بھی تھے اور نام بھی خوب پیدا کیا۔ سید ہمایوں مرزا صاحب۔ وہ [illegible] عظیم آباد کے رہنے والے تھے نہ بھائی تھا نہ بہن۔ پردیس میں اپنے وطن سے دور۔ وہ [illegible] دنیا سے رخصت ہوئے۔ انتقال کے بعد حضرت اقدس و اعلیٰ سرکار نظام شاہ دکن میر عثمان علی خاں خلد اللہ ملکہ نے تاریخ وفات ارشاد فرمائی "در جنت ہمایوں ہم برفت" اس تاریخ پر حفیظ ہوشیارپوری نے یہ لکھا ہے۔

در ہوائے عالم نیرنگ بود — سید والا ازیں عالم برفت

گفت تاریخش شہنشاہ دکن — جانب جنت ہمایوں ہم برفت

اور بہت سے لوگوں نے تاریخیں کہیں۔ تعزیت کے جلسے ہوئے۔ ہائی کورٹ وغیرہ [illegible] کی تعطیل ہوئی۔ ان کا مقبرہ میں نے ایسا خوبصورت بنوایا کہ اکثر بڑے بڑے بادشاہوں کا بھی ایسا مقبرہ نہیں ہے جس کے ستون ایک سو چار ہیں۔ مرحوم کی [illegible] مصنفہ کی خود نوشت سوانح عمری میری کہانی میری زبانی ہے وہ بھی چھپ گئی ہے اور مفت تقسیم کروا چکی ہوں۔

مقبرہ میں قرآن خواں موجود ہے۔ مقبرے کے قریب ہی باڑہ میں ایک مدرسہ [illegible] کا ہے۔ مدرسہ صفدریہ بھی ہمارا [illegible] مرحوم نے ایک ایکڑ زمین دی تھی اور سات ہزار روپے دئے تھے۔ سکول کی لڑکیاں روزانہ نماز [illegible] میں پڑھتی ہیں۔ قرآن خواں وہاں رہتا ہے۔ خوبصورت بلوری طرح مقبرہ ہے جس کے چاروں طرف کمسن لڑکیاں گھومتی ہیں۔ مرحوم کی پہلی برسی میں میری کہانی میری زبانی مفت تقسیم کی اور غرباء کو کھانا کھلایا بڑے تقاریر کئے۔ اس سال ۱۹۴۰ء میں دوسری برسی ہوئی تو مرحوم کا دیوان تقسیم کیا گیا اور کتب [illegible] بی بی فاطمہ جو میں نے لکھی وہ تقسیم کی گئی۔ غرباء کو کپڑے تقسیم کئے کھانا کھلایا۔ تو مقبرے میں [illegible] کی گئی۔ ایک محفل [illegible] درگاہ ہے۔ نہایت خوبصورت۔ میں تنہا عورت اکیلی کیا کرسکتی تھی۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ اس نے اس قدر ہمت [illegible] کی حالت میں مجھ سے یہ مقبرہ بنوا دیا۔ تمام دن مقبرے میں مرحوم کے مزار کے پاس بیٹھی رہتی۔ مقبرہ بنوانے کی نگرانی میں خود کرتی تھی اور سوانح عمری کا پروف بھی دیکھتی رہی۔ میں نے اپنی ڈیڑھ لاکھ کی جائداد خدا کے لئے وقف کردی ہے۔ بیرسٹر صاحب مرحوم ہمیشہ اولاد کی فکر میں رہا کرتے تھے۔ ان کیلئے جو کچھ ہوا سب خدا کی طرف سے ہوا۔ اولاد والے دیکھیں اور نیک کام کرتے رہیں۔ صرف اولاد کے بھروسے پر نہ رہیں۔ خدا کرے سید ہمایوں مرزا صاحب کا نام ہمیشہ زندہ رہے تاکہ دوسروں کو معلوم ہو کہ لاوارث کا...

خانہ داری

جس میں سنگھار و آرائش بھی شامل ہے

جسم کی موزونیت

جسم الگ الگ سانچہ میں ڈھلے ہوئے ہیں۔ ایک کا قاعدہ دوسرے پر حاوی نہیں ہو سکتا۔ مگر ایسا عام دستور العمل قائم کیا جا سکتا ہے جسے اپنے اپنے حالات کے مطابق کم و بیش کام میں لایا جا سکتا ہے۔ جسم پر عمر کا بھی اثر ہوتا ہے۔ ۱۸ یا ۱۹ سال کی عمر میں ۵ فٹ دو انچ کی لڑکی کا وزن تقریباً سوا من ہوتا ہے۔ لیکن ۴۰ سال کی عمر میں اسی کا وزن تقریباً ۱½ من ہو جاتا ہے۔ اس عمر میں عنفوان شباب کا پہلا وزن حاصل کرنے کی کوشش بیجا اور نادانشمندی ہے۔ مؤخر الذکر وزن حاصل ہو جانے پر اس زیادہ عمر میں اسی کو قائم رکھنا چاہیئے۔

بعض جسم گدگدے اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ بعض دبلے پتلے نظر آتے ہیں۔ ہڈیوں کا ڈھانچہ کسی حالت میں خوشنما نہیں لگتا۔ صحت کے لحاظ سے بھی یہ پرخطر ہے۔ معمولی بیماریوں کا مقابلہ بھی نظام عصبی کی قوت سے باہر ہوتا ہے۔ جسم پر کچھ زائد گوشت ہو وہ اس سے کہیں اچھا ہے کہ گوشت چھانٹنے کے جنون میں گوشت کم کر دیا جائے۔ بھرے بھرے رخسار یا بازوؤں کے خم کچھ عجب دلکشی رکھتے ہیں۔ گوشت کم ہوتے ہی وہ رخصت ہو جاتے ہیں اور اس عورت کی وہ خوبی و خوبروئی ہی جاتی رہتی ہے۔ جسم کی موزونیت ایک دفعہ حاصل ہو جائے۔ خود اپنی نظروں میں پسندیدہ ہو۔ دوسرے دیکھ کے خوش ہوتے ہیں۔ پھر غذا اور ورزش کے ذریعہ اس وزن کو قائم رکھا جا سکتا ہے۔ کسی وقت قدرے گوشت زیادہ ہو جائے تو مرغن غذائیں مٹھائیاں وغیرہ چھوڑ دینے سے جسم اعتدال پر لایا جا سکتا ہے۔ اس کا خیال رکھئے کہ دبلے ہونے کی خواہش کچھ اچھی نہیں۔ ایسا ہی ہے تو (ڈاکٹری) مشورہ کے ماتحت اس کا اقدام کیا جائے۔

سنگھار کی ہدایات

پوڈر وغیرہ لگانے کا رواج اب عام ہے مگر یہ بھی عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ چہرہ کی رہی سہی خوبی کو بے قاعدہ پوڈر بازی سے خراب کر دیا جاتا ہے۔ آئینہ کے سامنے بیٹھ کے آرائش کرنا اور بات ہے اور اپنے خدوخال کے مطابق سنگھار دوسری بات۔ لبوں ہی کو لیں۔ چہرے میں قدرتی صنعت کی یہی ایک کمزوری ہے۔ مگر ہم ذرا سی توجہ سے قدرت کی صنعت میں لبوں کی آرائش سے اپنے حسن و جمال میں چار چاند لگا سکتے ہیں۔ مگر ایسی عورتیں خال خال ہی ہیں جنہیں ہونٹوں کی درستی معلوم ہے۔ تنگ چہرے کی عورت عموماً لپ سٹک اس طرح لگائے گی کہ ہونٹ پھیلے ہوئے نظر آئیں تاکہ چہرہ چوڑا معلوم ہونے لگے۔ مگر ستم ظریفی یہ ہوتی ہے کہ اس ترکیب سے چہرہ اور بھی تنگ نظر آنے لگتا ہے۔

ہونٹوں کا لالکھا (لپ سٹک) برش سے لگایا جائے خود اس سے لگانا لبوں کے خطوط سے متجاوز ہو جاتا ہے اور چہرہ چکنا چکنا معلوم ہونے لگتا ہے۔ بلاشبہ چہرے کے حسب حال لپ سٹک کا لگانا مشکل کام ہے۔ ہر عورت کو اس پر کسی مبصر سے مشورہ کر لینا چاہیئے کہ اس کے چہرے پر کونسا طریقہ ٹھیک بیٹھتا ہے یہی کیفیت رخساروں کے روژ (Rouge) کی ہے بعض چہروں پر مثلث نما بعض پر بیضوی اور بعض پر ترچھی طریقہ سے روژ لگانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ پہلے کریم پوڈر لگائیں اس کے بعد روژ یا پوڈر لگایا جائے ورنہ جلد کی قدرتی چکنائی پوڈر اور روژ کو پھاڑ کے سطر دار کر دیتی ہے۔ اپنے رنگ کے مطابق پوڈر منتخب کریں تاکہ وہ آپ کے رنگ سے زیادہ گہرا یا ہلکا نہ معلوم ہو۔ آنکھوں کا پوڈر دن میں ہرگز نہ لگائیں۔ رات کے وقت بھی بہت ہلکا لگائیں۔ آئی شیڈو eye—shadow

کہتے ہیں۔ مسکرا mascara کے لگانے میں بھی احتیاط برتیں۔ زیادہ لگانے سے پلکیں چھوٹی چھوٹی اور بھنڈی سی موٹی معلوم ہوا کرتی ہیں۔ ابروؤں کی سیاہ پنسل استعمال کیا کریں۔ زرد استعمال نہ کریں۔ سیدھی لکیر کھینچنے کے بجائے ٹکڑے ٹکڑے کرتے ہوئے کھینچیں پھر ابروؤں کا برش پھیر دیں۔ ابروؤں کے بال توڑ کے یا مونڈ کے باریک نہیں کرنا چاہئے۔ برش سے بالوں کو اوپر تلے کر کے ایک کر دینا چاہئے مگر اس میں بھی ابروؤں کے قدرتی خط کو محفوظ رکھنا چاہئے۔

کامیاب شادی کے اصول

شادی کی زندگی آسان کھیل نہیں ہے۔ اس کے لئے بڑی عقلمندی اور سمجھ کی ضرورت ہے۔ مندرجہ ذیل اصول پر عمل کیا جائے تو یہ زندگی کامیاب ہو سکتی ہے:-

(۱) یہ یاد رکھنا چاہئے کہ جب شادی ہوئی تو دونوں خوش ہوئے تھے اور زندگی ہنسی خوشی بسر کی جانے لگی تھی۔ اس جذبہ کو قائم رکھنا چاہئے مگر اس کی عمر بڑھتی رہی ہے تو تمہاری بھی عمر بڑھتی گئی ہے کم نہیں رہی۔ خوبیاں اور برائیاں دونوں طرف یکساں ہوا کرتی ہیں۔ شادی کا مقصد محبت ہے یہ محبت کا انجام نہیں بلکہ اس کا آغاز ہے۔ شادی کو محبت کی معراج سمجھنا ہی غلطی ہے بلکہ یہ ذہن نشین کرنا چاہئے کہ ابھی بسم اللہ ہوئی ہے۔

(۲) اعتماد کے بغیر محبت جاتی رہتی ہے۔

شبہ کو دل میں جگہ نہ لینے دو۔ فوراً سوال کرو لیکن اس طریقہ سے نہیں گویا تم ایسے جواب کے منتظر ہو جس سے تمہارا شبہ اور قوی ہو جائے گا۔ حسد شبہ کی ماں ہے اس کا باپ بے خبر مصروفیت ہے۔ محبت کے بغیر بھروسہ ممکن ہے مگر بھروسہ کے بغیر محبت ناممکن ہے۔

(۳) یاد رکھو احترام پہلا فرض ہے۔

میاں بیوی دونوں ایک دوسرے کا لحاظ و احترام کریں۔ دونوں کو ایک دوسرے میں ایسی بہت سی باتیں نظر آسکتی ہیں جن پر دونوں کو بجا ناز ہو سکتا ہے۔ دوسروں سے ان کے متعلق تذکرہ نہ کریں۔ خود ہی دل میں ان کا خیال کریں۔ احترام کے چلے جانے سے محبت بھی رخصت ہو جاتی ہے۔ اگر دونوں میں سے کوئی قابل عزت نہیں تو اس کے ساتھ رہنا بھی مناسب نہیں۔

(۴) یاد رکھو کہ شادی مساوات کا نام ہے۔

دونوں دوسروں کے لئے خواہ کسی لحاظ سے ممتاز ہوں مگر گھر میں دونوں برابر ہیں۔ دنیا میاں بیوی میں سے کسی کو بڑا اور دماغ کے اعتبار سے کتنا ہی بہتر سمجھے مگر ان دونوں کو گھر میں ایک دوسرے کو باہم برابر سمجھنا چاہئے۔ میاں گھر کا آقا ہو سکتا ہے مگر باہم سلوک دوسری چیز ہے۔ اس میں کوئی قابل اعتراض بات نہ آنے پائے یہ پرمسرت شادی کا خاص راز ہے۔

(۵) ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھا کریں۔

برسوں ساتھ رہنے پر بھی میاں بی بی کا ایک دوسرے کو نہ سمجھنا حماقت کی دلیل ہے۔ ایک دوسرے کو پہچان جانا اور سمجھ لینا پرمسرت شادی کے لئے نہایت ضروری ہے۔

(۶) مشترک دلچسپیاں خانگی خوشی کے لئے لازمی ہیں۔

گھر بار کا کام کاج اور دفتری مصروفیات بیشک مختلف چیزیں ہیں مگر دونوں کو ایسے بہت سے شوق ہو سکتے ہیں جنہیں دونوں یکساں حصہ لیکے ایک دوسرے کی محبت کو پائیدار بنا سکتے ہیں۔

(۷) دوسروں کی رایوں پر اپنی زندگی کا انحصار نہ رکھیں۔ زندگی کی پرانی دونوں خود لڑیں۔ دوسروں کی رایوں سے مطلق متاثر نہ ہوں۔ اسی کو سکھ نہ پڑھنا کہتے ہیں۔ بہت سے گھر باہر والوں کی مسموم گفتگو سے برباد ہو گئے ہیں۔

(۸) وہ ان کو اچھا نہیں۔ جھگڑا بچوں کا کام ہے۔ جھگڑا پیدا کر دینا آسان ہے مگر اسے رفع کرنا مشکل ہوتا ہے۔ بچے جلد ہی لڑائی جھگڑا شروع کر دیتے ہیں۔ اس میں زبان جب قابو سے باہر ہو جاتی ہے اور یہ طریقہ شادی کی مسرتوں کے لئے سم قاتل بن جاتا ہے۔

(۹) بچوں کو ماں کی جگہ پر رہنے دو۔ اکثر ان کی وجہ سے بھی برباد ہو گئے ہیں۔ بیوی انہیں کو سب کچھ سمجھنے لگی اور میاں کنج خمول میں جا پڑا۔ اسی سے آفت شروع ہو گئی۔ بچوں کو اسی دائرہ میں رکھنا چاہیئے جہاں تک دونوں کا اشتراک ہو۔ گو تا ہو ماں باپ کی محبت ان کے لئے یکساں ہو تو بہتر ہے۔ اس وقت تک بچے شادی کی یگانگت کو استوار کر دیتے ہیں مگر وہ میاں بی بی کی محبت کی جگہ نہیں لے سکتے۔

گردن کی خبرگیری گردن کی دیکھ بھال نہ کی جائے تو یہ ایسا مقام ہے جس سے خود بخود عمر کا پتہ لگ جاتا ہے۔ جس گردن پر کریم کی مالش نہ کی جائے اور ٹھنڈے پانی کے تریڑے نہ دئے جائیں اور سارے قمیص کے اونچے کالروں یا رومالوں پوستینوں سے ڈھکا رکھا جائے جلد ہی اس میں شکنیں آجاتی ہیں اور اس کا رنگ بھی بگڑ جاتا ہے۔ گردن دھونے وقت ٹھنڈے پانی کے اس پر زور زور سے چھینٹے لگائے لیکن اس سے پہلے گرم صابن دار پانی کے چھینٹے دئے جائیں تاکہ خون کے چکر کو ترقی ہو۔ روئیں دار کپڑے کے ٹکڑے کو کسی جلد تان دینے والے لوشن astringent lotion میں ڈبو کے گردن کو تھپک تھپک کے گیلا کیا جائے رات کے وقت گردن اور گلے پر کولڈ کریم cold cream خوب لگائی جائے اور دن کے وقت تھوڑی سی اڑ جانے والی کریم یا لوشن vanishing cream or lotion ضرور لگائی جایا کرے اور چہرے کا سنگھار کرتے وقت گلے پر بھی پوڈر چھڑک لیا کریں۔

خانگی ٹوٹکے مرکو چڑے کو صاف کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کسی صاف صافی سے اسے خوب صاف کر دیا جائے پھر انڈے کی سفیدی پھانٹ کر چھوٹے سے سپنج سے لگا دی جائے اور خشک ہونے دیں۔ اس طریقہ سے اندر پڑی ہوئی چمک آجائے گی اور آب و تاب عود کر آئے گی۔

سویڈ (ادھوڑی) کے دستانوں پر صابن نہ لگایا جائے۔ انہیں ہاتھوں میں کر کے گرم پانی سے دھونا چاہیئے اور سایہ میں سکھا دینا چاہیئے۔ آگ یا دھوپ میں ہرگز نہ سکھائیں ورنہ دستانے سخت اور ناخوشگوار معلوم ہوں گے۔

روغن لگانے کے برش نرم حالت میں ہی تارپین یا گرم سوڈے کے پانی سے دھو دینے چاہئیں بعد میں السی کے تیل linseed oil میں ڈبو کے اخباری کاغذ میں لپیٹ دینے چاہئیں اس طریقہ سے برش درست رہتے ہیں۔

نیا جوتا کبھی دیر تک نہ پہنیں۔ پہلے گھر میں پہن کے ان کو پاؤں کا عادی بنائیں۔

پانی میں ناخن بار بار ڈبوئے جانے سے سخت اور کھردرے ہو جاتے ہیں۔ اگر برتن وغیرہ دھونے کا زیادہ کام کرنا پڑتا ہو تو ناخن ہمیشہ کترے ہوئے ہونے چاہئیں۔ روغن بادام ناخنوں پر ملتے رہنے سے کھردرا پن جاتا رہتا ہے اور نئے ناخن مضبوط اور خوشنما نکلتے ہیں۔ ناخن کترنے یا ملنے سے پہلے صابن دار پانی میں ڈبو لینے چاہئیں۔ اس سے کھردرا پن پیدا نہیں ہونے پاتا۔ ناخنوں کی بدرنگی ہیڈروجن آف پروکسائڈ سے دور کی جا سکتی ہے۔

سویڈ (ادھوڑی) suede دستانے نیلے اور جوتے فولادی اون steel-wool سے صاف کرنے چاہئیں اسی اون سے المونیم کے برتن صاف کئے جاتے ہیں۔ اس اون سے ان چیزوں کا رواں ابھر آتا ہے۔

محمد ظفر

سیر بین

عجیب کنبہ انگلستان کے بادشاہ ولیم سوم کے زمانہ میں سفوک میں ایک کنبہ رہتا ہے جسے لوگ عجیب خاندان کہا کرتے تھے کیونکہ اس میں عجیب عجیب باتیں دیکھنے میں آتی تھیں۔ اچھے برے واقعات مہینہ کے ایک خاص دن میں پیش آتے اور ہر ایک شخص کے اعضا میں کوئی نہ کوئی بات نئی نظر آتی تھی۔ انگریزی حروف تہجی کے لحاظ سے اُن کے ناموں کے حروف کی تعداد طاق تھی۔ میاں بیوی کے سات بچے تھے جو سب لڑکے تھے۔ میاں کی ایک ٹانگ تھی اور بیوی کی صرف بانہہ۔ بڑے لڑکے کی بائیں آنکھ کور تھی۔ اس سے چھوٹے لڑکے کی دائیں آنکھ کسی حادثہ سے پھوٹ گئی تیسرے لڑکے کا بایاں کان ایک لڑکے نے لڑائی میں کاٹ لیا۔ چوتھے کی پیدائش کے وقت دائیں ہاتھ میں صرف تین انگلیاں تھیں۔ پانچویں کا پاؤں منحنی تھا۔ چھٹا کبڑا تھا۔ ایک کے سوا سب کے قد غیر معمولی چھوٹے تھے اور وہ ساتواں دراز قد چھ فٹ دو انچ تھا۔ میاں کے بال بالکل کالے تھے بیوی کے بالکل سفید۔ اور ہر لڑکے کے سرخ۔ میاں ایک گڑھے میں گر کے چند روز کے بعد [illegible]ء میں فوت ہو گیا۔ بیوی نے غم سے کھانا پینا چھوڑ دیا اور میاں کے پانچ دن بعد مر گئی۔ اس لمبے قد والے اور سب سے بڑے کے علاوہ باقی سب نے [illegible]ء میں ایک ہی روز مختلف مقامات پر مر گئے۔ دونوں بیوہ لڑکے [illegible]ء میں دریائے ٹیمز کو عبور کر رہے تھے کہ دونوں ساتھ ڈوب گئے۔

زمین کی طلائی مٹی اگر سونا تمام زمین پر مٹی اور چاندی کی طرح عام ہوتا تو قدرتی طور پر بڑا کام دیتا کیونکہ اس میں وہ خوبیاں ہیں جو دوسری دھاتوں میں نہیں پائی جاتیں۔ اس کی عجیب وغریب خاصیت یہ ہے کہ آسانی سے مڑتا اور پھیل جاتا ہے۔ وہ بہت باریک تاروں میں نہیں ڈھالا جا سکتا کیونکہ ایک خاص حد پر جا کے آگے نہیں کھنچتا۔ تانبا انسان کے بال سے باریک نہیں کیا جا سکتا لیکن سونا اس سے بڑھ گیا ہے۔ ایک چاول بھر سونا کھینچ کے پانچسو فٹ لمبا کیا جا سکتا ہے۔ آدھی چھٹانک ۴۸ میل تک لے جایا جا سکتا ہے اور ۵ چھٹانک سونے کی زمین کے اردگرد ایک باریک تار قائم کی جا سکتی ہے۔ اس کے ورق بھی نہایت باریک بنائے جا سکتے ہیں۔ ایک چاول سونے کا ۷۵ انچ کا ورق بنایا جا سکتا ہے جس کی موٹائی ایک انچ کا ۳۰..... واں حصہ ہوگی۔ اس قسم کے ایک لاکھ ورق اوپر تلے رکھنے سے ایک معمولی کاغذ کی تہ کے برابر اونچائی میں رکھے جا سکتے ہیں۔

دہن کا قیافہ غنچہ دہن عورت سے خبردار رہنا چاہئے کیونکہ وہ خود پسند، تنگدل اور غیر ہمدرد ہوتی ہے۔ اور میانہ دہن کی عورت سے شادی اچھی ثابت ہوتی ہے۔ جس کے ہونٹ بھرے بھرے اور باقاعدہ ہوں اور بند ہونے کی حالت میں خط مستقیم قائم کرتے ہوں۔ ایسی عورت صادق و وفادار ثابت ہوگی اور منصف مزاج ہوتی ہے۔ غنچہ دہن سے تو چوڑے منہ کی عورت اچھی ہوتی ہے خواہ وہ خوشنما نہ معلوم ہوتی ہو مگر اس میں باطنی خوبیاں ہوتی ہیں۔

ٹھوڑیوں کا بھی مطالعہ کرنا چاہئے۔ سب سے اچھی درمیانی اور معقول جسامت کی ٹھوڑی سمجھی جاتی ہے جس کے بیچ میں چاہ زنخداں ہو۔ ایسی ٹھوڑی والی لڑکیاں قابل اعتبار، محبت بھری اور خوش طبع ہوتی ہیں۔ چھوٹی اور چپٹی ناک سے پرہیز مناسب ہے۔ تاریخ میں بدترین عورتیں ایسی ہی ناک والی پائی جاتی ہیں۔ اگر چہرہ کے باقی خد و خال بہتر ہوں تو پھر ایسی ناک بجائے خود بے اثر

ہوجاتا ہے۔ لیکن اگر کسی اونچائی میں معمولی سا فرق بھی پایا جائے تو یہی ناک فخر کی علامت ہے۔ سب سے اچھی ناک وہ ہوتی ہے جس کے بیچ میں کچھ اونچائی ہو۔ جس سے یہ معنی ہوتے ہیں کہ یہ شخص ہوشیار اور قابل ہے۔ سیدھی ناک کے سامنے اچھا نہ معلوم ہوتا ہو مگر ہے یہ دولت کا نشان!

جاپانی عورت

جاپان میں عورتوں نے اچھی خاصی ترقی حاصل کی ہے۔ گو عام طور پر جاپانی عورتیں اپنا قومی لباس پہنتی ہیں مگر امیر طبقہ کی عورتیں یورپی لباس کو پسند کرتی ہیں۔ جب سے وہاں تعلیم نسواں پھیلی ہے اُس وقت سے اُنہیں آزادی کی کچھ ہوا لگنی شروع ہوئی ہے۔ کچھ عورتیں کاروبار میں داخل ہو کے نمایاں ہوگئی ہیں۔ اُن کی وجہ سے تحریک آزادی نسواں میں زور آگیا ہے۔

جاپان میں ابھی بہت سے کالجوں میں عورتوں کا داخلہ ممنوع ہے۔ اس کے باوجود بہ حیثیت تجارت میں اُنہیں رسائی حاصل ہوگئی ہے۔ بہت سی عورتیں روغن ساز اخبار نویس مکانوں کی مصور ایکٹرس ہیں۔ تھیٹروں اور فنی رقصوں میں ابھی مرد ہی حصہ لیتے ہیں اور وہی زنانہ پارٹ کرتے ہیں۔

کاروبار میں انہیں گیارہ گھنٹے کام کرکے صرف اس قدر ملتا ہے جس سے وہ اپنا پیٹ پال سکیں۔ ایک خرابی یہ بھی ہے کہ چھوٹے کاروبار والے اپنی ٹائپ کرنے والی ملازم عورت سے کام کرنے کے اوقات میں اپنی جرابیں دھلوانے تک کا کام لیتے رہتے ہیں۔

شادی بیاہ کے سلسلے میں آزادی اچھی حاصل ہوگئی ہے۔ پہلے والدین رشتہ کرتے تھے اور دلہن لڑکے کے ماں باپ کے گھرانے کی ماتحتی میں رہتی تھی اور ساس کی فرمانبرداری اس کا فرض اولین تھی۔ لیکن اب جب تک لڑکا لڑکی خود ایک دوسرے سے کچھ عرصہ سے واقف نہ ہوں شادی نہیں کی جاتی۔ اگر وہ ایک دوسرے کو پسند نہ کریں تو گفت و شنید ختم ہوجاتی ہے۔

فیشن کی ستم ظریفی

فیشن جس چیز کا نام ہے اور جس طریقے پر جیتا ہے وہ ہماری زبان میں اندھی تقلید کہا جا سکتا ہے۔ وضع اچھا لفظ ہے مگر وہ اس کی بجائے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ آجکل مسلمان عورتیں اپنے اچھے خاصے مقامی لباسوں کو چھوڑ کے ساڑھیاں پہن رہی ہیں جو سراسر غیر اسلامی لباس ہے۔ اونچی ایڑی کے بوٹ اُن ٹاٹ بافی اور کامدار جوتیوں کی بجائے استعمال میں ہیں جن سے ہماری عورتوں کے پاؤں سج جایا کرتے تھے۔ معلوم ہے یہ ایڑی کے بوٹ کس طرح نکلے۔ فرانس کا بادشاہ لوئی ہشتم پست قد تھا۔ درباریوں کے جھرمٹ میں وہ چھپ جاتا تھا۔ آنے والے کی نظر درباریوں ہی پر پڑتی تھی۔ جس سے اُسے شرم آیا کرتی تھی۔ ایک درباری نے اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اس کے جوتوں میں اونچی ایڑی کی تجویز پیش کی۔ جب ایسے جوتے بن کے آئے اور بادشاہ نے اُنہیں پہنا تو بہت خوش ہوا۔ کیونکہ اب وہ جب کھڑا ہوتا تو اپنے درباریوں کے تقریباً برابر رہتا۔

ملکہ الگزنڈرا ہمارے بادشاہ ایڈورڈ ہفتم کی بیوی تھیں اور یورپ بھر میں اُن کے برابر شاید ہی کوئی خوبصورت ہو، انہیں گٹھیا کی سخت شکایت رہتی تھی اس لئے وہ لنگ کرکے چلا کرتی تھیں۔ اُس زمانہ کی خوبصورت عورتوں میں الگزنڈرا لنگ کا رواج ہوگیا۔ وہ اُن کی طرح لنگ کرکے چلنے کو خوبصورتی کا موازنہ سمجھتی تھیں۔ ہمارے زمانہ علی گڑھ کالج میں تاریخ کے پروفیسر براؤن لنگ کی سی چال چلا کرتے تھے گو وہ حقیقت میں لنگ نہیں کہلا سکتی تھی۔ اُس میں ایک خاص انداز تھا۔ کئی لڑکوں نے اُن کی چال فخریہ باقاعدہ اختیار کرلی تھی۔ اسی طرح پروفیسر گولڈی کی طرح بولتے بولتے گھوڑے کے ہنہنانے کی سی آواز میں کھانستے اور اُن کی طرح تقریر کے زور میں بیٹھے ہوئے پتلون کے پائنچوں کو بار بار گھٹنوں سے اوپر کھینچتے رہتے۔

اپنی قابلیت سے سب انسپکٹر بن گیا - ایک بیمار کا ہرکارہ نائب تحصیلدار ہو گیا - یاد رکھو شہرت ہمارے آس پاس منڈلایا کرتی ہے۔
دنیا میں ایسے انقلابات بھی دیکھے جاتے ہیں۔ بلغراد میں ایک عورت اپنی ٹوٹی پھوٹی پلنگ کی پٹی کے سہارے ایک چھوٹے سے چولھے پر جا بیٹھی رہتی ہے اس لئے نہیں کہ سے جاڑا کا شوق ہے بلکہ اس لئے کہ اسے سردی لگتی ہے اور اس کے پاس کپڑے نہیں۔ کل وہ امیرزادی تھی اور یورپ میں اس کے حسن کی شہرت تھی۔ انقلاب روس نے بیرونس شالسیہ کو اور کانٹوں کی طرح پیسہ پیسہ کو محتاج کر دیا۔ بہت سے امرا وہاں سے لنکن کے پیرس میں ہوٹلوں کے خادم موٹر چلانے والے بن کے بیٹھے لگے۔ شاہ چین اچانک تخت سے اتار دیا گیا۔ جس کے سامنے جاتے ہوئے نو دفعہ سجدہ کرنا پڑتا تھا اب وہ دانہ دانہ کو محتاج ہو گیا اگر قسمت یکسر تھی۔ جاپان نے نئی سلطنت مانچوکو قائم کر کے اسے اس کا برائے نام بادشاہ بنا دیا۔ وہ بے اختیار ہے مگر زندگی عیش و آرام سے گذار رہا ہے۔ شاہ ایران سلطان احمد شاہ فرانس میں مصروف سیاحت رہتے۔ وہاں کی حسین عورتوں کو جمع کر کے کہتا - آنکھیں بند کر کے اس کے ٹرنک میں سے جس چیز پر ہاتھ ڈالو لے جاؤ۔ اس میں ہیرے جواہرات بھرے رہتے تھے آخر ایک زمانہ آیا اسے معزول کر دیا گیا۔ اس کی دولت بعد میں ختم ہو گئی اور وہ مفلس و قلاش مرا۔ ایک شخص کو امریکہ میں کروڑوں روپیہ ملا جسے وہ دنیا کا ہر عیش کرتے ہوئے بھی خرچ نہ کر سکتا تھا۔ اس نے جوا کھیلنا شروع کیا اور چالیس برس کی عمر سے پہلے کوڑی کوڑی کو محتاج ہو گیا۔ ایک انگریز جس کے پاس ۳۰ ہزار پونڈ تھے ایک ڈاکٹر کے پاس گیا۔ اس نے کہا کہ تم چھ مہینے سے زیادہ نہ جی سکو گے وہ مطلق نہ گھبرایا۔ اس نے اپنی باقی ماندہ چھ ماہ نہایت مزے سے گذارنے کا تصور کر لیا۔ چنانچہ اس نے سب کچھ خرچ کر دیا۔ چھ ماہ گذرے سال دو سال گذر گئے۔ موت نہ آئی۔ اب وہ ایک ڈاکٹر کے غلط اندازہ سے فقیری کی زندگی بسر کر رہا ہے۔

پھلجھڑیاں دیمک سب سے زیادہ بچہ پیدا کرنیوالا کیڑا ہے۔ ایک مہینہ تک وہ برابر اسی ہزار انڈے روزانہ دیتے جاتی ہے۔ جرمنی نے شیشے سے کپڑے لکڑیوں سے جوتے اور مچھلی وغیرہ سے تیل بنانا شروع کر دیا ہے۔

اوسط درجہ کی عورت اپنی زندگی بھر میں دس ماہ آئینہ دیکھنے میں صرف کرتی ہے۔ چھ سے دس سال تک وہ اوسطاً روزانہ سات منٹ اپنے عکس کو دیکھا کرتی ہے۔ دس سے پندرہ برس تک پاؤ گھنٹہ شیشہ یا گلاس کو دیکھتی رہتی ہے۔ بیس برس کی عمر تک وہ نصف گھنٹہ روزانہ اپنی تعریف میں خرچ کرتی ہے۔ اور بیس سال کے بعد اوسطاً ایک گھنٹہ روزانہ اس میں صرف ہوتا ہے۔ ساٹھ برس کے بعد یہ وقت پھر دس منٹ پر لوٹ آتا ہے۔

واٹرلو کی لڑائی کے بعد دیکھا گیا تو یورپ میں بہت سی عورتوں نے یہ سمجھ کے کہ ان کے شوہر مارے جا چکے ہیں دوسری شادی کر لی تھی۔ اس کا انتظام یہ کیا گیا کہ جو شوہر عورت کو رکھنا چاہتا ہو وہ دوسرے کو صرف ایک شلنگ (۱۲ شلنگ - ایک پونڈ) دے دیتا اور عورت کے گلے میں ایک رسی باندھ دیتا۔

ترکی میں ۷ سے ۱۶ سال تک کے لڑکے لڑکیوں کے لئے تعلیم لازمی ہے۔ ۳۷-۱۹۳۶ء میں وہاں ۶۷۰۰ ابتدائی مدارس تھے جن میں ۴۹۹ لڑکے اور ۲۲۴۷۴۵ لڑکیاں پڑھتی تھیں۔ ترکی کی کل آبادی ایک کروڑ ۸۰ لاکھ ہے۔

شترمرغ کی اوسط عمر ۴۰ سال ہے اس سے سال بھر میں حالت اسیری میں ایک سیر سے دو سیر تک پر حاصل ہوتے ہیں۔
سب سے لمبی عمر وہیل مچھلی کی ہے۔ یہ پانچسو برس تک زندہ رہتی پائی گئی ہے۔ کچھوے کی عمر ۳۵۰۔ مگر مچھ کی تین سو اور ہاتھی کی سو سال ہوتی ہے۔ شیر ببر صرف ۴۰ سال زندہ رہتا ہے۔ انگلستان کے عجائب خانہ میں ایک وہیل کا سر موجود ہے جس کا وزن ۱۶۸ من ہے۔

محمد ظفر

بزم عصمت

بزم عصمت میں صرف وہی خطوط درج کئے جاتے ہیں جن میں (۱) نمبر خریداری کا حوالہ ہو۔ (۲) خط بہت مختصر ہو۔ (۳) وہی استفسار نہ ہو جس کے جوابات عصمت میں پہلے بھی شائع ہو چکے ہیں (۴) رسالہ کے انتظامی امور یا مضامین کے بارے میں کوئی بات نہ ہو۔ (۵) علیحدہ کاغذ پر روشنائی سے لکھا ہوا ہو۔ (ایڈیٹر)

بہن خریدار نمبر ۱۰۶۳۶ کی خدمت میں عرض ہے کہ جس دوا کے لئے آپ نے دریافت فرمایا ہے وہ چیچک کے داغوں کے لئے بھی مفید ہے اور مہاسوں کے داغوں کے لئے بھی۔ شب کو لگائیں صبح منہ دھو ڈالیں منہ دھونے کے بعد پوڈر وغیرہ استعمال کر سکتی ہیں۔ روزانہ لگائیں

مسز حمید نانپارہ

بیگم عارف بیگ مراد آباد کو معلوم ہو کہ عرس سید سالار مسعود غازی کا بارہ وتیرہ وچودہ رجب کو ہوتا ہے۔ اس وقت صوفی مشائخ وقوال وغیرہ بہت لوگ باہر سے آتے ہیں۔ اور بس کو سید صاحب کا شادی بیاہ کہتے ہیں وہ ۱۸ مئی ۔ جیٹھ اتوار کو ہوگا۔ اسی روز رات کو غسل ہوتا ہے۔

بنت منظور حسن خریداری نمبر ۹۴۳۳

ایچ۔ الف) صاحبہ نے تل دور کرنے کا نسخہ جو طلب کیا ہے۔ یہ نسخہ میرا آزمایا ہوا ہے اور سب سے ... ہلدی پسی ہوئی ایک تولہ لیموں کے عرق میں ملا کر دھوپ میں رکھ دیں جب سوکھ جائے تو سنگترہ کا چھلکا سوکھا ہوا ۲ تولہ سرسوں سفید ۲ تولہ مغز کدو ایک تولہ اس میں شامل کر کے سب چیزوں کو خوب پیسیں۔ جب باریک ہو جائیں تو بھیڑ کا دودھ یک چھٹانک شامل کر کے خشک کریں اور جیسے جیسے ضرورت ہو ٹکیہ بنائیں۔ صبح شام ایک ایک ٹکیہ دودھ میں ملا کر چہرہ پر ملا کریں۔ دو گھنٹہ بعد منہ دھو ڈالا کریں۔

س۔ ب بریلی

دوربین

امریکی مدد امریکہ میں اب بہت کوششیں کی جا رہی ہیں کہ جو اعلیٰ درجہ کا جنگی سامان بڑی لاگت پر تیار کر کے انگلستان بھیجا جائے اسے سمندر کی نذر کرنا کسی طرح گوارا نہیں چنانچہ ایسے سامان کے جہازوں کے لئے امریکہ عملی اقدام کرنے والا ہے۔ اس نے ایک ہوائی جہاز تیار کر کے وہاں بھیجا ہے جس کی رفتار ۳۳۰ میل فی گھنٹہ ہے۔ وہ ۳۲۵ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے بڑی بلندی پر اڑ کر بحر اوقیانوس کو پار کر گیا ہے۔ اس میں بار برداری اور بعد مسافت کا انتظام بے مثل بتایا جاتا ہے۔ امریکہ نے گرین لینڈ کو جو ڈنمارک کا مقبوضہ تھا اپنی نگرانی میں لیکر مستحکم کر لیا ہے۔

مشرقی افریقہ میں اطالوی سلطنت ختم ہو جانے کے بعد اس نے اپنے سامان رسد وغیرہ کے جہازوں کو بحر قلزم میں جانے کی اجازت دیدی ہے۔ کیونکہ اب دشمن کا خطرہ نہیں رہا۔ امریکہ نے فرانس، جرمنی اور اطالیہ کے ان جہازوں پر جو جنگ شروع ہونے کے وقت اس کی بندرگاہوں میں رک گئے تھے تا اختتام جنگ قبضہ کر لیا ہے جس سے ان ملکوں میں سخت ناراضگی پھیل گئی ہے۔

انگلستان اور ہوائی حملے۔ بلقان کی لڑائی کے ساتھ ساتھ انگلستان پر ہوائی حملوں کا زور شروع ہو گیا ہے۔ بڑے بڑے کاروباری شہروں اور بندرگاہوں میں تباہی پھیلائی جا رہی ہے۔ انگریز بہت زبردست مقابلہ کر رہے ہیں۔ اور جرمن کے جہازوں کی بڑی تعداد کو تباہ کر رہے ہیں۔

بلقان میں شور محشر یوگوسلاویہ نے جرمنی کے اتحاد ثلاثہ کے معاہدہ پر دستخط کر دیئے۔ جیسے ہی وزراء وی آنا سے واپس آئے

ملک میں انقلاب برپا ہوگیا۔ اور نابالغ شاہ پیٹرس نے زمام حکومت خود سنبھال لی۔ اور معاہدہ پر دستخط کرنیوالے وزرا کو قید کرلیا اور نئی وزارت قائم کرادی۔ جس میں ایک نیا وزیر اعظم مقرر کردیا جو اتحاد ثلاثہ کا مخالف تھا۔ جرمنی نے بلطائف الحیل نئی سلطنت کو اپنے ساتھ ملانا چاہا۔ اور اس اثنا میں رومانیا اور البانیہ کی سرحدوں پر فوجی نقل و حرکت شروع کردی برطانیہ اور امریکہ نے یونان کی طرح اسے بھی اپنی امداد کا یقین دلایا۔ جرمنی نے آخر مایوس ہوکر یگوسلاویہ اور یونان دونوں کے خلاف اعلان جنگ کردیا۔ اور اپنی فوجیں فوراً کئی سمتوں سے دونوں ملکوں میں داخل کردیں۔ سخت جنگ کے بعد جرمنی نے بڑھنا شروع کردیا۔

سالونیکا پر قبضہ کرلیا۔ اس طرح بحیرۂ یونان میں اسے دسترس حاصل ہوگئی۔ اور مقدونیہ اور تھریس پر بھی اس کا قبضہ ہوگیا اور طریقہ سے وہ یونان اور ترکی کے بیچ میں حائل ہوگیا۔ شمالی اور جنوبی یگوسلاویہ میں بھی وہ دور دور تک بڑھ گیا۔ لغوب منش سکوپلی۔ مناستر پر قبضہ کرکے اس نے اس ریاست کو بالکل گھیرے میں لے لیا اور برطانوی فوجوں سے بالکل الگ کردیا۔

ہنگری نے بڑھ کر اُن علاقوں پر قبضہ کرلیا جو ۱۹۱۸ء میں اتحادیوں نے اس سے الگ کرکے سردیہ کو دیدیئے تھے اور ان سب کا مجموعی نام یگوسلاویہ مقرر کردیا تھا۔ کروشیا کو ایک نئی ریاست بناکر وہاں جرمنی نے ایک نئی حکومت قائم کردی جس میں ایک مسلمان وزیر بھی ہے۔ جنگ گذشتہ میں جو ریاستیں آسٹریا سے کاٹ کر یگوسلاویہ کے نام سے سردیہ کے ساتھ ملادی گئی تھیں۔ جرمنی نے ان سب کو فتح کرکے آج ایک علیحدہ نظام قائم کردیا ہے۔ بلغراد فتح ہونے کے بعد جلد جلد دوسرے بڑے شہروں پر بھی جرمنی کا قبضہ ہوگیا۔ اس طرح یگوسلاویہ کی سلطنت ختم ہوگئی۔ اور اس کا لشکر پاش پاش ہوگیا۔ مگر اس کے منتشر دستے ابھی بعض جگہ جنگ جاری رکھنے کی ٹھان چکے ہیں۔ بلغراد میں ہوائی تاختوں سے نہایت سخت نقصان جان و مال ہوا ہے۔

طرابلس میں جنگ

جرمنی فوجوں اور اُس کے ٹینکوں کی کچھ موجودگی کا حال پچھلے دنوں سرسری طور پر معلوم ہوا تھا۔ اچانک سُنا گیا کہ ان میں حرکت ہوئی اور العقیلہ پر انگریزی فوجوں سے ان کی مڈبھیڑ ہوگئی انگریزوں نے حالات کی نزاکت کا اندازہ کرکے پسپائی شروع کردی۔ اس مقام پر دشمن سے لڑنے میں انہیں جنگی کمزوری نظر آئی اس لئے اُنہوں نے اپنی پسند کردہ خط مدافعت پر رجعت قہقری کرتے ہوئے بنغازی بارقہ وغیرہ خالی کردئے۔ طبروق پر اسکے حملے زیادہ کئے گئے بار دیہ قلعہ بکا زو فتح کرنے کے بعد جرمنی کی فوجیں سرحد مصر میں داخل ہوگئیں۔ اور اُنہوں نے سلوم پر قبضہ کرلیا۔ اس مقام پر انگریزوں نے دشمن کی پیش قدمی کو روک دیا اور سخت جنگ شروع ہوگئی انگریزی ہوائی جہاز روزمرہ تاخت کرکے طرابلس کے ہوائی اڈوں کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ دشمن نے صقلیہ اور اطالیہ کی تنگنائے میں سرنگیں بچھادی ہیں۔ اور رسد۔ فوج و سامان جنگ ٹیونس کے راستہ افریقہ پہنچایا جارہا ہے۔ جب طرابلس سے انگریزی فوجیں بلقان بھیجی گئیں۔ دشمن نے موقع دیکھ کر پیشقدمی شروع کردی

اطالوی ہزیمت

انگریزوں نے بجلی کی سی تیزی سے اریٹریا کو فتح کرلیا۔ قرن پر گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ جس میں طرفین کا سخت نقصان ہوا۔ اس کے بعد اسمارا اور مصوع کی زبردست بندرگاہ انگریزوں کے ہاتھ آئی۔ برطانوی شمالی لینڈ بھی اطالویوں سے اُنہوں نے واپس لے لیا۔ حبش میں بھی فوجی دستوں نے جگہ جگہ حملہ کرکے بلیدہ اڈوا وغیرہ فتح کرنے کے بعد اس کے پایہ تخت عدیس ابابا کو تسخیر کرلیا۔ پانچ سال کے بعد اس مقام پر پھر حبشی پھریرہ انگریزوں کی مدد سے لہرانے لگا۔ اطالوی سمالی لینڈ بھی فتح کرلیا گیا۔ گویا مشرقی افریقہ میں اطالوی حکومت بالکل ختم ہوگئی۔ ڈیسی کے آس پاس اطالوی باقیماندہ فوجیں ایک قسم کی جنگ چھاپہ مار کر رہی ہیں۔ مگر یہ مقابلہ عارضی معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ چاروں

نئے زمانہ کی سائینس نے جہاں اور بہت سے کرشمے دکھائے ہیں۔ وہاں یہ بات معلوم کرکے بھی ہماری ہندوستانی بہنوں کو بے حد خوشی ہوگی کہ اب نئے زمانہ کی سائینس کی بدولت بے اولادی کے صدمے عورتوں کو برداشت کرنے نہیں پڑیں گے۔ یعنی اگر کسی بہن کی شادی کو عرصہ گذر گیا ہو اور کسی سبب سے اولاد نہ ہوتی ہو تو اب اولاد ہو سکے گی۔

سائینس کے اصولوں پر تیار کی ہوئی دوا "محافظ اولاد" کا گذشتہ بارہ سال سے نہایت کامیاب تجربہ ہو رہا ہے بعض عورتوں کی شادیوں کو پچیس اور تیس سال گذر چکے تھے۔ مگر اس عجیب وغریب دوا یعنی "محافظ اولاد" نے ان مایوس عورتوں کو بھی صاحب اولاد بنا دیا۔ اس حیرت انگیز اور قابل فخر دوا کی ایجاد کا سہرا دہلی کے مشہور ومعروف زنانہ دوا خانہ کے سر ہے اور اُمید ہے کہ عنقریب کسی بین الاقوامی مقابلہ میں اس دوا کو رکھ کر ساری دنیا کو ثابت کیا جائیگا کہ اس مقصد کے واسطے "محافظ اولاد" دوا کتنی حیرت خیز چیز ہے۔

دوا "محافظ اولاد" ہدایات کے مطابق مسلسل سات روز تک استعمال ہوتی ہے (جس کی مفصل ہدایات دوا کے ساتھ ہوتی ہیں، اور اس کے بعد "اُمید" ہو جاتی ہے۔ اور آئندہ سال ایک جیتا جاگتا کھلونا مایوس ماں کی گود میں ہوگا۔

یہ وہ شاندار تجربہ ہے جو سالہا سال سے ہندوستانی اطبا، اور ڈاکٹروں کو حیران کر رہا ہے۔ اور ہر شخص "محافظ اولاد" دوا کے اس حیرت انگیز اثر کو دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔ زنانہ دوا خانہ دہلی کے ریکارڈ میں اس عجیب وغریب دوا کے متعلق لاتعداد سارٹیفکٹ موجود ہیں۔ لہذا اعلان کیا جاتا ہے کہ عصمتی بہنوں میں سے اگر کوئی بہن اولاد سے محروم ہوں تو انہیں چاہیئے کہ وہ **لیڈی ڈاکٹر زنانہ دواخانہ ۳۴ دہلی** کے پتہ پر ایک کارڈ لکھ کر "محافظ اولاد" کی ایک شیشی بذریعہ وی۔ پی پارسل منگا لیں اور ہدایات کے مطابق اس دوا کا استعمال کریں، اولاد ہونے لگے گی۔ ایک شیشی میں ایک عورت کے لئے پوری سات خوراک دوا ہوتی ہے۔ ایک شیشی کی قیمت دو روپے آٹھ آنے ہے اور پارسل پر سات آنے خرچ ہوں گے۔

طرف سے گھرنے کے بعد اُن کے لئے ہتھیار رکھ دینے کے سوا اور چارہ کار نہیں رہتا۔

جاپانی نقل و حرکت

وزیر خارجہ جاپان مسٹر متسواکا برلن اور روما میں سیاسی بات چیت کرنے کے بعد ماسکو گئے اور وہاں چند روز قیام کر کے روس سے معاہدہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ طرفین میں سے کسی ملک کو جنگ میں کودنا پڑے۔ تو دوسرا ملک غیر جانب دار رہیگا۔ اس کے کلی طور پر یہ معنی ہیں کہ اگر جاپان موجودہ جنگ میں شریک ہو جائے تو اسے روس کی طرف سے کسی قسم کا خدشہ نہ ہوگا۔ اور وہ یکسو ہو کے اپنے حریفوں سے برسر پیکار ہو سکتا ہے۔

جاپانیوں نے شنگھائی میں چھتریوں سے دس ہزار فٹ کی بلندی سے ہوائی جہازوں سے کودنے کے کرتب دکھانے کئی روز تک غیر ممالک کے چینی علاقوں پر جاپانی بم بار درسپاہ لے جانے والے جہاز پرواز کرتے رہے۔

ترکی کو خطرہ

مقدونیہ اور تھریس فتح ہو جانے کے بعد ترکی بحیرہ اسود کے علاوہ بحیرہ روم کی طرف سے بھی جرمنی کے گھیرے میں آگیا ہے۔ عراق میں جو نئی وزارت قائم ہوئی ہے وہ جرمن کی طرفدار بتائی جاتی ہے۔ انگریزی فوج عراق پہنچ گئی ہے، تاکہ حفاظت رہے۔ شام میں جو مظاہرے اور شورشیں ہو رہی ہیں، ان میں بھی جرمنی کا ہاتھ بتایا جاتا ہے، ترکی کے ساحل کے برابر جزائر دوڈیکنیز واقع ہیں جن پر اٹلی کا قبضہ ہے۔ اب بلقان میں جرمنی کا غلبہ ہو جانے کے بعد ان جزائر کا اُس کے استعمال میں آجانا بہت ممکن ہو گیا ہے۔ استنبول اور اناطولیہ کے بڑے بڑے شہر بوڑھے بچوں اور عورتوں سے خالی کئے جا رہے ہیں۔ چھتریوں سے اُترنے کی مشق زوروں سے جاری ہے۔ جرمنی طرابلس کی طرف سے مصر کی سرحد میں داخل ہو گیا ہے۔ جرمنوں نے اپنی فوجیں ترکی سرحد سے ہٹالی ہیں۔ دیکھئے ترکی کا اونٹ کس کل بیٹھتا ہے۔ ترکی نے غیر جانب دار رہنے کا عزم ظاہر کیا ہے۔ اُس پر حملہ ہوگا تو وہ ضرور شدت سے مقابلہ کرے گا۔

تاروں کا جھرمٹ

مدراس میں مسلم لیگ کا اجلاس ہوا۔ اس میں مسٹر جناح نے بتایا کہ پاکستان ہی ہندو مسلم خرخشوں کا حل ہے اور مسلمان ہندوستان میں کسی اور نظام کو پسند نہ کریں گے۔

میکسیکو (امریکہ) میں بڑے زور کا زلزلہ آیا کہ ہزارہا آدمی مر گئے ۲ ہزار فٹ اونچے آتش فشاں پہاڑ کا لاوا برابر اُگل رہا ہے۔ جواس کے نشیبی علاقوں میں ندی کی صورت میں بہہ کر گاؤں کو ناک کر رہا ہے۔ لوگ گھر چھوڑ چھوڑ کر سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے چلے جا رہے ہیں۔

پنڈت جواہرلال نہرو کی لڑکی مس اندرا نہرو یورپ سے بخیر ہندوستان واپس آگئی ہیں۔

مسز دشن کو لاہور ہائیکورٹ کے ایڈوکیٹ کے طور پر وکالت کرنے کی اجازت مل گئی ہے۔ یہ پہلی ہندوستانی خاتون ہیں۔

مسز حسینہ فرشد ایم۔ اے۔ بنگال اسمبلی کی پارلیمنٹری سکریٹری مقرر ہوئی ہیں اُن کے شوہر بنگال کے وزیر کے چیف سکرٹری ہیں۔

ڈاکٹر ضیاءالدین احمد صاحب مسلم یونیورسٹی کے دوبارہ وائس چانسلر منتخب ہوئے ہیں۔

وزیر اعظم بنگال نے وہاں کے ہر کالج و مدرسہ کے منتظمین کے نام حکم جاری کیا ہے کہ وہ مسلمان طلباء کو نماز ظہر ادا کرنے کے لئے روزانہ نصف گھنٹہ کی چھٹی دیا کریں۔

لاہور میں ہوائی حملے کے بچاؤ کی تدابیر کے سلسلہ میں ۸۰ پردہ دار عورتوں کو بھی آگ بجھانے کے کام کی تربیت دی گئی ہے۔ آگ بجھانے کا کام اب تک ۹۰۰ آدمیوں کو سکھایا جا چکا ہے۔

امرتسر میں سونا دو (۲) روپے تولہ ہوگیا

ناظرین دیکھئے اس سونے کے متعلق دنیا کیا کہتی ہے۔ جس گھر میں یہ اصلی امریکن نیو گولڈ گیا وہاں سے دوبارہ سہ بارہ فرمائش آئی۔ یہ سونا ایک لاجواب چیز ہے۔ اصلی سونے اور اس سونے میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔

جناب لالہ رام پرکاش صاحب ساحنی دہلی سے ۵ نومبر کو تحریر فرماتے ہیں آپ کا امریکن نیو گولڈ کا پارسل ملا۔ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی چیز واقعی کمال کی ہے آپکے امریکن نیو گولڈ اور اصلی سونے میں کوئی فرق نہیں آپنے اس نئی چیز کو تیار کرکے دنیا کی سب سے بڑی ضرورت کو پورا کر دکھایا ہے پندرہ تولہ سونا فوراً میرے دوست کیلئے ارسال کر دیویں۔ اس کے بعد آپ کو اور بھی آرڈر دیا جاویگا۔ یہ سونا کسوٹی پر اصلی سونے کا رنگ دیتا ہے اصلی سونے کی طرح کوٹا اور پگھلایا جاتا ہے۔ بالکل اصلی سونے کے برابر ہے۔ ہوشیار سے ہوشیار صراف بھی مشکل سے پہچان کر سکتا ہے اس کے بنے ہوئے زیورات ہر جگہ پسند کئے جا رہے ہیں۔ اس سے ہر قسم کے زیورات آجکل کے فیشن کے مطابق تیار ہو سکتے ہیں مندرجہ بالا فرمائش کو غلط ثابت کرنے والے کو دس ہزار روپیہ نقد انعام دیا جائیگا۔ قیمت صرف مشہوری کی خاطر ایک تولہ دو روپیہ (۲) تین تولہ پانچ روپے آٹھ آنہ۔ چھ تولہ دس روپے۔ پندرہ تولہ بائیس روپیہ بالیس تولہ پچاس روپیہ (ضروری نوٹ) ہر تین تولہ کے خریدار کو پیکنگ خرچ مفت۔ چھ تولہ یا اس سے زیادہ منگوانے والے خریدار کو محصولڈاک و پیکنگ دونوں بالکل معاف۔ پندرہ تولہ کے خریدار کو ایک عدد اصلی گھڑی بالکل ٹھیک وقت دینے والی چابی ۲۴ گھنٹہ گارنٹی دس سال مفت بطور انعام دی جاوے گی۔

گارنٹی:۔ اگر پسند نہ ہو تو قیمت فوراً واپس ہوگی۔ جلدی منگوالیں ورنہ ختم ہونے پر مایوس ہونا پڑے گا۔

ملنے کا اصلی پتہ:- **میسرز امریکن جیولری کمپنی - پی - او بکس 27/24 آئی ڈی - امرت سر (پنجاب)**

جھوٹ بولنا حرام ہے

میں اپنے بھائیوں کے لئے اپنے قیمتی سینے کے راز کو ظاہر کر رہا ہوں۔ کیونکہ یہ میرا وہ سرمایہ ہے جس کے حاصل کرنے میں میں نے ہزاروں روپیہ صرف کر دیا تھا اور برسوں محنت کی تھی اور اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کے بعد ان رازہائے سربستہ کو چھپا کر رکھنا فرض سمجھتا تھا۔ مگر ضرورت مندوں نے مجھ کو مجبور کر دیا کہ کیوں نہ خلق خدا کو اس گوہر گرانمایہ اور کلام الٰہی کی برکت سے مالا مال کیا جائے۔ اس لئے میں بے کم و کاست آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ اور خدا کو حاضر ناظر جان کر عرض کئے دیتا ہوں۔ کہ مندرجہ ذیل نقش و تعویذ سے کبھی ناکامی نہ ہوگی۔ میں چند پیسوں کی خاطر اپنے ایمان کو فروخت نہیں کروں گا۔ اور مجھے یقین ہے کہ میرے تمام بھائی میرے ایماندارانہ قول کو سچا سمجھ کر ان سے فائدہ اٹھائیں گے۔ اور کامیابی کے بعد فقیر کے لئے دعائے خیر کریں گے تعویذ و نقش حسب ذیل ہیں۔ جن کا ہدیہ بہت ہی قلیل ہے۔ اور یہ تمام لفافے کے اندر بذریعہ وی۔ پی۔ رجسٹری کے روانہ کئے جاتے ہیں۔ ہدیہ کے علاوہ رجسٹری لفافہ کا خرچہ چار آنے اور آتا ہے۔

نقش بشارت۔ یہ نقش ہر کام کی کامیابی اور ناکامی کی بشارت دیتا ہے۔ رات کو اپنے سرہانے رکھ کر سو جاؤ۔ اور کام کا تصور دل میں رکھو۔ سوتے میں بشارت ہو جائے گی۔ بیاہ۔ شادی۔ مریض کی بیماری۔ تجارت میں کامیابی یا ناکامی غرضیکہ اس کا موکل خواب میں آکر جواب دیتا ہے۔ ہدیہ ایک روپیہ دس آنہ۔

تعویذ دولت۔ مفلسی میں خدا ہی یاد آتا ہے۔ خدا کسی کو مفلس نہ کرے۔ مفلسی دور ہونے کی جب کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آجائے یا روپیہ کی ترقی رک جائے تو اس متبرک تعویذ کی مدد سے آپ کی مفلسی دور ہوگی۔ روپے پیسے میں رکھ دینے سے دولت کی زیادتی ہوگی اور تعجب انگیز طریقہ سے آمدنی کے ذرائع پیدا ہوں گے۔ بس خدا کی قدرت نظر آئے گی ہدیہ سوا روپیہ۔

محبت کی ڈوری۔ میرے بزرگ نے صرف مجھ کو اجازت دی تھی کہ ایسے ضرورت مندوں کو جو جائز طور پر طلب کریں دیا جائے اس لئے میں اس محبت کی ڈوری کو ضرورت مند بہنوں کے لئے پیش کر رہا ہوں کہ اگر ان کی اپنے شوہر سے لڑائی رہتی ہو۔ یا شوہر کی طبیعت ان کی طرف سے ہٹی ہوئی ہو۔ یا شوہر غصہ ور ہو۔ بیوی سے ذرا ذرا سی بات پر جھگڑ پڑتا ہو تو یہ تعویذ آپس کی محبت بڑھانے میں محبت کی زنجیر ثابت ہوگا چند ہی دن میں سارے جھگڑے ختم ہو کر شوہر بیوی کا غلام بن جائے گا۔ یہ خدا کے کلام اور اس کے مقرب بندوں کی برکت ہے کہ ہر جائز محبت کے وقت اس تعویذ معظم کی برقی قوت اپنا اثر دکھاتی ہے۔ اور ضرور کامیابی نصیب ہوتی ہے۔ ہدیہ صرف ڈھائی روپے۔

اقرار۔ ہر ضرورت مند بہن بھائی کو یہ اقرار کرنا ہوگا۔ کہ میں اپنے سوا کسی دوسرے کو ان نقش و تعویذ کے استعمال کی ترکیب یا نقل نہ بتاؤں گا۔ پتہ:۔

عامل نواب میاں شاہ صاحب چھتہ حکیم آغا جان (ع) دہلی

خوبصورتی کی اشیاء اور مفت انعام

ہر عورت کو ضرور ملے گا!

عصمتی بہنوں کیلئے ہم اپنی فرم کی طرف سے چند خوبصورتی کو بڑھانے اور خوشبو سے دل و دماغ کو معطر کرنے والی چیزیں پیش کرتے ہیں جن کی تعریف شریف بیگمات اور سینکڑوں اخبارات نے کی ہے۔ اور جو حقیقتاً نایاب اور بے مثل چیزیں ہیں۔ منگا کر تجربہ کیجئے۔ آپ ہمیشہ کے لئے گرویدہ ہو جائیں گی۔

فلاور سینٹ یہ سینٹ اپنی خوشبو اور مہک کی وجہ سے ہزاروں عورتوں کے روزانہ استعمال میں رہتا ہے۔ اس کے چند قطرے کپڑوں پر لگا لینے سے سارا گھر مہک جاتا ہے۔ اس کی خوشبو دیرپا اور دل پسند ہے مست و متوالی خوشبو دل و دماغ کو معطر رکھتی ہے۔ قیمت فی شیشی ایک روپیہ۔

فلاور سنو چہرہ کو خوبصورت کرنے، داغ دھبوں کو دور کرنے اور جلد کی رنگت کو گورا کرنے کیلئے بہت مشہور چیز ہے۔ یورپین عورتیں اسکو بہت پسند کرتی ہیں اور ہندوستانی عورتوں میں بھی اسکو ہزارہا گھروں میں روزانہ استعمال کیا جا رہا ہے چہرہ کی دلکشی اور رنگت کو گورا کرنے کے لئے ایک لاجواب تحفہ ہے۔ قیمت فی شیشی ایک روپیہ۔

شاہی منجن دانتوں کی ہر خرابی کا واحد علاج ہے۔ دانت ہلنے لگے ہوں۔ دانتوں میں درد رہتا ہو۔ مسوڑوں نے دانت چھوڑ دئے ہوں۔ دانتوں کی ریخوں میں میل جم گیا ہو۔ دانتوں سے خون اور پیپ جاری رہتا ہو۔ منہ سے بدبو آتی ہو۔ تو اس منجن کا استعمال کیجئے۔ پچاس سال سے اس منجن کی شہرت ہے اور دنیا کے ہر ملک میں اسی کی مانگ ہے کیونکہ اسکے فوائد ایسے ہیں کہ ہر عورت مرد اس کے استعمال کرنے پر مجبور ہے۔ ایک شیشی منگا کر تجربہ کر لیجئے ہلتے دانت نہ جم جائیں تو ہمارا ذمہ۔ پہلے ہی دن سے خون اور پیپ کا آنا بند ہو جاتا ہے۔ ایک شیشی دو مہینہ تک کام دیتی ہے۔ قیمت فی شیشی ایک روپیہ۔

رخساروں کی سرخی یا گلابی کریم۔ عورتوں کیلئے یہ بھی عجیب تحفہ ہے۔ رخساروں کو سیب کی مانند سرخ بنانے کے لئے اس بہترین خوشبودار کریم کا استعمال کرنا چاہئے۔ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کوئی مصنوعی چیز لگائی گئی ہے۔ قیمت فی شیشی ایک روپیہ کسی چیز کی ایک شیشی منگانے پر محصول ڈاک کا خرچ آٹھ آنے لگے گا۔ چاروں چیزیں یکجا طلب کرنے والی بہنوں کو محصول ڈاک معاف اور ایک عدد اصلی سونے کی ناک کی کیل بطور یادگار مفت دی جائے گی۔

منگانے کا پتہ:- **سعید برادرس اینڈ کمپنی کلاں محل۔ آئی۔ ڈی۔ دہلی**

گو وسطی چین میں اس کے دو لاکھ سپاہی پڑے ہیں لیکن ان کی طرف سے کسی فوری کارروائی کا خطرہ نہیں معلوم ہوتا۔ فرانسیسی ہند چینی کا شمالی مغربی حصہ جس پر جاپانی قابض تھے وہ بھی انھوں نے خالی کر دیا ہے۔ جاپان نے اپنی ایک لاکھ فوج کو چین سے بلا کر فارموسا اور ہینن کے جزائر میں منتقل کر دی ہے معلوم ہوتا ہے جاپان چین سے اپنا پیچھا چھڑا کے شرق الہند کے متعلق کوئی کارروائی کرنا چاہتا ہے جو ہالینڈ کا مقبوضہ علاقہ ہے یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ہند چینی میں اپنے آپ کو مضبوط کر رہا ہے۔ بہر حال اس کی جانب سے سینگاپور اور ہندوستان کو خطرہ ہے امریکہ کی بھی اس کی نقل و حرکت پر نگاہ جمائے ہوئے ہے۔ چینیوں نے اس سارے خالی شدہ علاقہ پر دوبارہ قبضہ کر لیا ہے۔

ہٹلر کی تگ و دو

ہٹلر اور مسولینی کی کئی ملاقاتیں ہو چکی ہیں۔ ہٹلر نے ہسپانیہ کے حاکم فرینکو سے بھی اس کے ملک سرحد کے پاس ملاقات کی۔ روس کے وزیر مولوٹاف کو برلن بلا کے اس سے گفت و شنید کی گئی۔ اس کا پتہ نہیں چلا کہ ان ملاقاتوں کا کیا نتیجہ ہوا۔ یہ ضرور دیکھا جا رہا ہے کہ ترکی پہلے سے زیادہ فوجی نقل و حرکت میں مصروف ہو گیا ہے۔ یہ بھی ظاہر ہوا ہے کہ جرمنی فرانس سے ترکی کو شام دلوانا چاہتا ہے۔ تاکہ اسی خوشنودی میں جرمنی فوجوں کو ایشیائی کوچک سے گزرنے کا راستہ مل جائے مگر ترک اس امر میں بہت حساس واقع ہوئے ہیں۔ وہ اپنی خود مختاری پر جان دینا سہل سمجھتے ہیں۔ مگر اس کے لئے راضی ہوتے نظر نہیں آتے۔ بہر حال ترکی کا فیصلہ اس کی روش پر منحصر ہے۔ بلغاریہ اور یگوسلاویہ جرمنی کے زیر اثر آ گئے ہیں۔ ممکن ہے اس شطرنج کی چالوں کا یونان کی جنگ پر اثر پڑے اور اٹلی کو جو پسپائی ہو رہی ہے اس میں اس کی مدد کرنے پر مجبور رہو۔ آئندہ چند ہفتوں میں ان ملاقاتوں کا عملی اثر ظاہر ہوتا نظر آتا ہے اس کے مقابلہ میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ نے برطانیہ کو اسلحہ وغیرہ کی امداد میں توسیع کرنے کا اعلان کیا ہے۔ جبل الطارق کے متعلق اٹلی کا بیان ہے کہ انگریزوں نے ایک نہر خاکنائے میں کاٹ کے اسے ہسپانیہ سے علیحدہ کر دیا ہے اگر یہ صحیح ہے تو فرانکو کے ہٹلر کے ساتھ ہم آہنگ ہو جانے کے باوجود بھی جبل الطارق جرمنی کے ٹینکوں کی زد سے محفوظ رہ سکے گا۔

بلقان میں جنگ

کچھ عرصہ سے اٹلی یونان کے خلاف ایک ہنگامہ محشر برپا کر رہا تھا کہ یونان البانیہ میں اٹلی کے خلاف شرارتیں کر رہا ہے۔ لوگ اسی وقت سمجھ گئے تھے کہ اس کی کیا نیت ہے۔ یونان ہمیشہ سے انگریزوں کا دوست رہا ہے اور اپنی آزادی کے لئے ان کا احسان بردار بھی ہے اس کی ترقی اٹلی کے پہلو میں بمنزلہ خار ہے۔ اس کی وجہ سے وہ البانیہ کی طرف سے ہر وقت پیچ میں رہتا ہے۔ اس کیفیت کو دیکھتے ہوئے اُس کا اپنی حفاظت کی تدابیر کی اُدھیڑبن میں مبتلا ہو جانا تعجب انگیز امر نہ تھا۔ اب اٹلی نے یہ مطالبہ کیا کہ چونکہ وہ برطانیہ کے جہازوں کو اپنے سمندروں اور بندرگاہوں میں آنے جانے کی اجازت دے رہا ہے اور انہیں رسد بھی دی ہے اس لئے وہ اپنی بعض بندرگاہیں اور جنگی مقامات میں اطالوی فوجوں کی درآمد و قیام کی مزاحمت نہ کرے۔ یونان نے اس مطالبے کو پیام جنگ سمجھا۔ چنانچہ اٹلی اُس پر حملہ آور ہو گیا ہے۔ جو جزیرے اور مقامات اطالیوں کے لئے مفید ہو سکتے تھے وہ برطانیہ کیلئے بھی بہت کارآمد ہو سکتے ہیں۔ برطانیہ نے یونان کو ہر ممکن امداد کا یقین دلا کے نقل و حرکت شروع کر دی ہے۔ یگوسلاویہ بلغاریہ اور ترکی نے غیر جانبداری کا اظہار کیا ہے مگر ترکوں نے بتا دیا ہے کہ ہم غور سے صورت حال کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ ہمارے بازوؤں میں پہلے سے زیادہ طاقت ہے اور وہ ہمارے مفاد خطرے میں پڑتے ہی استعمال کی جائے گی۔

بلقان میں قدرت کی جانب سے بھی تباہی پھیلی۔ رومانیہ میں پانچ منٹ تک اس زور کا زلزلہ آیا کہ ۱۸۰۲ء کے بعد اب تک نہ آیا تھا۔ ہزاروں آدمی مر گئے بخارسٹ دارالسلطنت میں کوئی گھر ٹوٹنے سے نہیں بچا۔ ہر گلی کوچہ میں منارے گنبد اور کئی کئی منزل والے مکان گرے پڑے تھے۔ اس زلزلہ کے جھٹکے ترکی بلغاریہ جنوبی روس وغیرہ میں بخوبی محسوس ہوئے۔

ہنگری بھی جرمنی و اٹلی و جاپان کے معاہدہ میں شریک ہو گیا ہے۔ یونانیوں نے بڑی بے جگری سے اٹلی کا مقابلہ کیا ہے جگہ جگہ

"جب میں آپکے گھر آتی ہوں تو مجھے زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہے۔ آپکے ہاں جس چیز پر نگاہ پڑتی ہے بارونق اور اجلی دکھائی دیتی ہے اور چھوٹے بڑے سب تندرست اور خوش مزاج نظر آتے ہیں۔"

"بہن درگا بائی! اس کا جواب یہی ہے کہ میرے پاس ایک عجیب و غریب چیز ہے جس سے مجھے بڑی مدد مل رہی ہے......"

وہ سنلائیٹ صابون ... زبردست ...

سنلائیٹ صابون کو استعمال کر رہی ہوں۔ برسوں کے تجربہ سے مجھ پر یہ کھلا ہے کہ یہ خالص صابون ہے یا اسکا استعمال آسان ہے اور باوجود اسکے کہ یہ صابون اپنا کام نہایت ملائم طریقے سے کرتا ہے بہت کفایت والا ہے۔ کپڑے خواہ وہ سفید ہوں خواہ رنگین اس سے بآسانی دھلتے ہیں اور اسکی جھاگ اس قدر لطیف ہے کہ جلد کو ہرگز ضرر نہیں پہنچا سکتی حقیقت تو یہ ہے کہ میں بچوں کو اسی صابون سے نہلاتی دھلاتی ہوں میں کچھ مبالغہ نہیں کرتی لیکن سچ پوچھو تو یہ ایک خانہ دار عورت کا بہترین دوست ہے"

سنلائیٹ

سالہا سال سے دھونے دھلانے کے سب کاموں کے لئے بہترین صابون مانا جاتا ہے۔

اب
لکس فلیکس کا نیا
بڑے سائز والا
پیکٹ مل سکتا
ہے

Regd, L. No. 1672 Annual Number July 1941

مضمون نگاران عصمت اور اُن کے مضامین

تینتیسواں سال (از جولائی ۱۹۴۰ء تا جون ۱۹۴۱ء عیسوی)

اڈیٹر
چند باتیں — جولائی
تینتیسویں سال کے مضمون نگار — "
خاتون اکرم عصمتی انعامات — "
مضمون نگاران عصمت اور ان کے مضامین — "
ناقابل اشاعت مضامین — اکتوبر
چند باتیں — جنوری
پانچویں برسی — فروری
محترمہ زہرا فیضی کا انتقال — "
ناقابل اشاعت مضامین — مارچ
نیک بیبیاں — "
پہلا اسے پڑھ لیجئے — جون
چٹکیاں — "
[illegible] اکرام مرحوم — "

۱- ا- ج- صاحبہ
انتخاب رشتہ — اگست

۲- اساطیب حسین
پکنک (افسانہ) — ستمبر
باغبان (افسانہ) — مارچ

۳- افسر النساء بیگم حافظہ
گرمی (نظم) — جولائی
نئی تہذیب — اگست

۴- ایس بی طاہرہ (پشاور)
دلبی — جولائی
نغمہ — دسمبر

۵- امتہ الحفیظ مفاسکر
صنعت و حرفت — جولائی

۶- امتہ المحمود
ایک بہن سے ملاقات — اپریل

۷- امتہ الوحی
اے غلط پرست مسلم — مارچ

۸- ام حمیدہ بیگم
نمک لگانا — مئی

۹- ام زہرہ ہاشمی (بدایوں)
تاریخ سالگرہ (نظم) — جولائی
خواتین سلف کا رمضان (نظم) — اکتوبر
حقیقی عید (نظم) — نومبر
بیمار شوہر کے سرہانے (نظم) — دسمبر
نغمۂ نوبہار (نظم) — جنوری
یاد محسن (نظم) — فروری

۱۰- آمنہ نازلی (ادیب فاضل)
ہماری نسلوں کی گمراہی — اپریل
ننھی دنیا (افسانہ) — مئی
ماں یا ڈائن — جون
ماشاء اللہ — "

۱۱- ایس ای تجلین پروین ایم ایس سی
علم سائنس کی خصوصیات — مارچ

۱۲- ایس ۔ ن ۔ ابراہیم (مدراس)
علم قیافہ — جولائی
جرمنی کی بیوائیں — ستمبر
چینی عورتوں کے معاشرتی حقوق — اکتوبر
تیراکی ہے بہترین — دسمبر

۱۳- بیگم حکیم محمود عزیز خان (بجاور)
تدابیر صحت پر کتاب — اگست
فاقہ سے علاج — ستمبر
بیماریوں کی پہچان — نومبر
اسپیا — دسمبر
فاقے سے علاج — جون

۱۴- بیگم محمد علی صاحبہ
مسلم لیگ کی مجلس خواتین — فروری

۱۵- ثریا جبیں
حسنہ جان — نومبر

۱۶- جمیلہ اسد اللہ
تین طالب علم (افسانہ) — جولائی

۱۷- جمیلہ بیگم (کلکتہ)
سالگرہ کی مبارک باد — جولائی
پاربتی (افسانہ) — اکتوبر
خانہ داری اور نوکروں کی شکایات — نومبر
احساس کمتری — دسمبر
عجیب بھول — جنوری
علامہ مشفور کی ادبی خدمات — فروری
بچوں کو قرآن مجید کی تعلیم — مارچ
عورتوں میں عمل جوش — اپریل
سیڈیزم — مئی
جہیز — جون

۱۸- سیدہ جمیلہ خاتون
ٹین ہول اسٹیج — دسمبر

۱۹- جہاں بانو بیگم نقوی ایم اے
علمی نوک جھونک — جولائی
مجھے کچھ عرض کرنا ہے — اکتوبر
ابھی اور جینے دے — جنوری
کس سے کس طرح ملیں — فروری
یکسانیت — اپریل
حیرانیاں — جون

۲۰- حفیظ جمال (حیدرآباد دکن)
بہلانے کا ہنر — جون

۲۱- حمیدہ صاحبہ
تاثرات حمیرا — جنوری

۲۲- خورشید اقبال (حیدرآباد)
مصور غم سے (نظم) — فروری

۲۳- دردانہ (حیدرآباد)
بدتہذیب شوہر — مارچ
جہیز — اپریل

گیارھویں — مئی

۲۴- دختر نظیر حسین
بے فکری کی تلاش — نومبر

۲۵- سالعہ خاتون پنہاں
تبریک سالگرہ (نظم) — جولائی

۲۶- رفیعہ امیر کرمانیہ [illegible]
نیکی — جولائی
جنگ یورپ — "
خودرو پھول — مارچ

۲۷- رقیہ برنی
مسٹر ٹوڈ سوڈن کا عجیب مقصد — جولائی

۲۸- ز- ا- سیدہ
اسباب مظالم — نومبر

۲۹- زبیدہ
بچوں کا تعلیمی کمرہ — نومبر

۳۰- زبیدہ نذیر (گوالیار)
آتک دو عالم — جولائی
مقصدی طریقہ تعلیم — اکتوبر
اب کیا ہوگا — نومبر
ہماری غذا — دسمبر
اردو کی تبلیغ و حفاظت — فروری
طرابلس الغرب — مارچ
مراکش — اپریل
نپولین کی موت — مئی

۳۱- زہرہ بیگم صاحبہ فیضی
تیرنے سے شفایابی — جولائی

۳۲- زیب عثمانیہ (لدھیانہ)
نکات راشد (نظم) — فروری

۳۳- زینت افزا
افق کے اس پار — دسمبر
....

۳۴- ساجدہ بیگم [illegible]
احساسات (نظم) — جولائی
خادمہ اور بیگم (نظم) — اگست
مومنہ (نظم) — اپریل
تاثرات (نظم) — جون

۳۵- ساجدہ رحمن صاحبہ
عام توہمات — جنوری

۳۶- سردار محمدی بیگم عظمت
نوکروں سے سلوک — جولائی
ہر عروج کی تہ میں زوال — اکتوبر
عورت کی مآل اندیشی — نومبر
انسان کی قدر — دسمبر
یہ دنیا (نظم) — مارچ

۳۷- سردار محمد حسین دہقان
کارآمد مشورے — جولائی
مولانا راشد الخیری — فروری

۳۸- سرور جہاں آفتابی اے
سہاگ دعا کا (ڈرامہ) — جولائی
موت کا چنگل (ڈرامہ) — اگست
کوئنس روز کی سہیلی (افسانہ) — ستمبر
افسانہ نگاری — دسمبر
نوبہار کے پھول پھلواری — نومبر
دودھ — دسمبر
مشاہدہ — جنوری
فیشن ایبل داماد (افسانہ) — فروری
اوہام پرستی — مارچ
اپریل فول (افسانہ) — اپریل
پھولوں کی بولی — جون

۳۹- سکینہ بیگم عبید
(بی اے آنرز کیمبل پور)
سیپیوں کے پیرے (افسانہ) — جولائی

۴۰۔ سیدہ بانی صاحبہ
کرشیا کا گلدان — جولائی
۴۱۔ سیدہ فضل النساء بیگم
علامہ راشد الخیری — فروری
۴۲۔ سیدہ تحانتہ بیگم
آفریدی قوم کی عورتیں — ستمبر
۴۳۔ شائستہ اختر بانو
سہروردیہ بی اے
تفسیات — جولائی
یورپ کے بادشاہ — اگست
نوکروں کی نگرانی — ستمبر
بیماریوں کی پہچان — اکتوبر
لندن میں تعلیم جاری رکھنے کے ذرائع — نومبر
جلد کی دیکھ بھال — دسمبر
کپڑوں کی دیکھ بھال — جنوری
دواؤں کا بکس — فروری
سیڈیزم — مارچ
جنگل میں چند روز — اپریل
برنیر کا ہندوستان — مئی
۴۴۔ شرافت بیگم
گلدان — مارچ
۴۵۔ تہیمہ خاتون
جام جیلی اور مارملیڈ — جولائی
۴۶۔ شرف النساء صبا
طوطا ڈالی پر — دسمبر
۴۷۔ شفیق بانو (نجیب آباد)
رائی کا پہاڑ (ڈراما) — جون
۴۸۔ شہر بانو (گیا)
بچوں کی سزا کا نفسیاتی مطالعہ — جولائی
عورتوں کی ورزش — اگست
شادی کا مفہوم — مارچ
چھوٹے ناگپور کے باشندے — اپریل
۴۹۔ شوکت ریاض
تمنائیں — جولائی
گزرے ہوئے دن — اگست
ماں — جنوری
۵۰۔ صالحہ عبدالحکیم (کلکتہ)
خوددار (افسانہ) — نومبر
زندگی — مارچ

۵۱۔ صغرا ہمایوں مرزا
جواہر پارے — جولائی
اپنا اپنا شوق — جنوری
سید ہمایوں مرزا کے بعد — مئی
۵۲۔ صفیہ حیدر صاحبہ
دنیا — اپریل
۵۳۔ صفیہ شمیم (ملیح آبادی)
میرے لئے (نظم) — مئی
کیف بہار — جون
۵۴۔ صفیہ نذیر صاحبہ
بلوچستان میں رسوم شادی — دسمبر
۵۵۔ طیبہ صغرا خاتون
پرانے اخبارات و رسائل — نومبر
پھولوں کے متعلق — مارچ
۵۶۔ طیبہ نسرین
شفق کے اس پار (نظم) — نومبر
۵۷۔ عاقلہ بیگم
جھیر کا کلا — جولائی
۵۸۔ عذرا الغفاریہ
ورثی — جنوری
۵۹۔ ع ف صاحبہ
عادات و اخلاق کی بنا — جنوری
۶۰۔ عفت کرمانیہ۔ بی اے
سنجیدگی کی حمایت میں — مئی
۶۱۔ غدیر فاطمہ (دہلی)
مکان کی پاکیزگی — نومبر
۶۲۔ فاطمہ صغرا
گھر کا پسندیدہ رنگ — جولائی
۶۳۔ کریم النساء صاحبہ
استقلال — ستمبر
۶۴۔ مس کملا چیٹرجی
سر کے بالوں کی نگہداشت — ستمبر
لوری — نومبر
خانہ داماد (افسانہ) — دسمبر
عوام کا تحمل — فروری
محبت — اپریل
۶۵۔ کنیز فاطمہ حیا
اپنے محسن کی یاد (نظم) — فروری
۶۶۔ کنیز فاطمہ کاظمی ایم اے
باغی (افسانہ) — اگست

۶۷۔ کے احمد شجاع عصمت
نعت رسول صلعم — اکتوبر
نعت — دسمبر
۶۸۔ گلشن آرا (خیبر)
لیموں — اپریل
۶۹۔ گ۔ن (کپورتھلہ)
فوائد لہسن — نومبر
بیمار پرسی — دسمبر
انڈے کے چتے — مارچ
منہ کی صفائی — مئی
نیم کا تیل — جون
۷۰۔ گوہر اقبال جوہر (میرٹھ)
مسلم خواتین سے (نظم) — ستمبر
اے چارہ ساز قوم 〃 — فروری
کنول سے 〃 — اپریل
۷۱۔ گوہر سلطانہ
روحینی (افسانہ) — اگست
۷۲۔ م بیگم
امید — دسمبر
۷۳۔ محمودہ رضویہ
بہن کی جیت — جولائی
دیوانہ — اکتوبر
تتلی — مئی
۷۴۔ مسز ایس ڈبلیو
کونے — مارچ
۷۵۔ مسز ح مسلم
پردۂ جہل (افسانہ) — ستمبر
۷۶۔ مسز حمید (لکھنوی)
مجازی خدا — اگست
ہوا یا بھوت پریت — نومبر
معالج — دسمبر
دیہاتی گیت — جنوری
چند خطرناک دوائیں — اپریل
صحت اور غذا — مئی
ساس بہو کے جھگڑے — جون
۷۷۔ مسز ضیاء الحسن
اردو اخبارات کے احسانات — مئی
۷۸۔ مسز محمد یحییٰ
اصول تعلیم یہ ہو — مئی

۷۹۔ مسعودہ اعظم
وہ دیس — مارچ
مادری زبان کی اہمیت — مئی
۸۰۔ معتصمۃ الرحمن
ہمارا گھر — اکتوبر
۸۱۔ م ن صدیقی
بے وقت کی مہمان داری — اکتوبر
۸۲۔ معتصمہ ظفر خاتون
تین خط (افسانہ) — ستمبر
۸۳۔ میمونہ فیروز الدین
فروبل — جنوری
۸۴۔ نواب قمر جہاں بیگم
تہنیت سال نو (نظم) — جنوری
۸۵۔ نذر سجاد حیدر
نجمہ (افسانہ) — جولائی
〃 〃 — اگست
〃 〃 — ستمبر
〃 〃 — اکتوبر
〃 〃 — نومبر
〃 〃 — دسمبر
〃 〃 — جنوری
〃 〃 — فروری
〃 〃 — اپریل
〃 〃 — مئی
〃 〃 — جون
۸۶۔ س ن س۔ حجاب
شوہر کا انتظار (نظم) — اپریل
۸۷۔ نسیم فاطمہ (آگرہ)
دو آنسو (نظم) — فروری
۸۸۔ نسیم (ناگپوری)
گھٹائیں یاس (نظم) کی چھا رہی ہیں — اکتوبر
۸۹۔ نسیم سوز
جستجو (نظم) — مارچ
۹۰۔ نصرت نشاط۔ بی اے
گدھا — جولائی
خواتین اور ہندوستان — ستمبر
سی آر داس اور جنگ جدید — ستمبر
اس کے زیور — نومبر
انتظار — جنوری
بھیڑیئے کی طرح بھوکا — اپریل

قسمت (افسانہ) — مئی
۹۱۔ نورجہاں بیگم (بنارس)
اسے سونے دو — نومبر
۹۲۔ و۔ا۔ (آگرہ)
باتیں کرنا — جولائی
احساس — اگست
بچوں پر سنیما کا اثر — 〃
بعض چیزوں کے اثرات — اکتوبر
پرانا زمانہ — اپریل
جہیز — مئی
دانت کا درد — جون
۹۳۔ وحیدہ عزیز
میری [illegible] کا طریقۂ تعلیم — اگست
تربیت اطفال — مئی
۹۴۔ ہاجرہ بیگم صاحبہ
چین میں رسوم شادی — ستمبر

ف مرد

۹۵۔ ابن فیض۔ بی اے
ماتا (افسانہ) — مئی
۹۶۔ ابن حسن شارق بی اے
دنیا کا روزنامچہ — مارچ
رسم الخط — جون
۹۷۔ سید ابو تمیم (فریدآبادی)
ابو الحسین کے مشاغل (افسانہ) — اگست
در قسم تحفت — ستمبر
۹۸۔ ابو الاعجاز آزل
اتباع رسول (نظم) — جولائی
عید (قطعات) — نومبر
نفس امارہ (نظم) — نومبر
حسد کا انجام 〃 — دسمبر
قطعات — جنوری
سیر بہشت 〃 — فروری
چنگاری 〃 — مارچ
فیشن ایبل عورتیں — جون
۹۹۔ سید ابو یوسف شادانی
علامہ مرحوم کی یاد میں (نظم) — فروری
۱۰۰۔ شجاع پاشا
کاہل اور شاعر (نظم) — ستمبر
۱۰۱۔ ارمان فریدی
برقعہ — جولائی

رسالہ عصمت دہلی

چونتیسواں ۳۴ سال	سال گرہ نمبر جولائی ۱۹۴۱ سنہ عیسوی	جلد ۶۷ نمبر ۱

فہرست مضامین

باہتمام ابو امین مولوی محمد اسحاق الرحمٰن پرنٹر و پبلشر محبوب المطابع برقی پریس دہلی میں چھپا

تصاویر

(۱) ڈاکٹر شائستہ اختر سہروردی (۲) مس ایونجلین پلومن (۳) شہر نوشکی (۴) وادیٔ زیارت (۵) چشمہ شاہی۔ (۶) شالامار باغ (۷) سیرگاہ (۸) مچھیرے (۹ ۱۰) شیخ محمد اکرام مرحوم (۱۱) بچوں کی نماز (۱۲) مزار اورنگ زیب عالمگیر (۱۳) قلعہ دولت آباد (۱۴) ہائی کورٹ حیدرآباد (۱۵) کنویں پر کپڑے دھونے نہانے کا منظر (۱۶) تپ دق کا شکار (۱۷) آزاد قبائل (۱۸) محترمہ شرافت بیگم (۱۹) چیتے کی سواری (۲۰) مصری پردہ (۲۱) صبح کا غسل (۲۲) محترمہ شائستہ بانو کے بچے۔ (۲۳) خیر النسا صاحبہ کے بچے (۲۴) بہن بھائی (۲۵) نووارد۔

چندہ سالانہ پیشگی مع محصول ڈاک چار روپیہ (للعہ) **ممالک غیر** سے دس شلنگ قیمت سالگرہ نمبر آٹھ آنے
قسم خاص آرٹ کاغذ کا اڈیشن دس روپے رؤسا سے ۲۵ روپے۔ والیان ریاست سے سو روپے۔ ممالک غیر سے ایک پونڈ۔
رسالہ عصمت ہندوستان کے بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں پر میسرز اے ایچ وہیلر کے بک اسٹال پر بھی ملتا ہے۔

عصمت کی لاج

جن خواتین و اصحاب نے اپنے پرچے کی توسیع اشاعت میں حصہ لیا اور اپنے عزیزوں سہیلیوں اور دوستوں کو رسالہ کا خریدار بنایا انکے نام دلی شکریہ کے ساتھ درج ذیل کئے جاتے ہیں۔

حمید الدین صاحب۔ سیالکوٹ ۳ خریدار

جنہوں نے ایک ایک خریدار دیا:۔

قائم بھائی عبدالحسنین صاحب۔ سدھپور بڑودہ اسٹیٹ۔ مسز مطیع الرسول صاحب حیدرآباد دکن مسز عبدالحی لق صاحب باندرہ۔ شرف النسا صاحبہ۔ ڈومس۔ سرور جہاں صاحبہ۔ سیالکوٹ۔ حمید الدین صاحب جالندھر۔ مظہر الاسلام صاحب دہرہ دون۔ اظہر عباس صاحب دہلی۔ مس محمودہ رضویہ کراچی۔ ایس۔ ای کریم سیٹھ صاحب ترچناپلی۔ شکیلہ بیگم صاحبہ ساگر۔ این بی ایچ احمد صاحب بمبئی۔ خالدہ نیلوفر صاحبہ پشاور۔ شاہدہ بیگم صاحبہ بنگلور۔ حیدری منیر الدین حسین خانصاحب حیدرآباد دکن۔ احمدی بیگم صاحبہ رائے پور۔ میمونہ بی بی صاحبہ مان گاؤں۔ ہمشیرہ میاں ضیاء الدین صاحب پشاور چھاؤنی۔ بیگم ڈاکٹر متین خاں صاحب بریلی۔ مسز اے کے طوری صاحب پاک پتن۔ مسز ایم اصغر فاروقی گوجرانوالہ۔ بیگم ڈاکٹر امید علی صاحب سرا کھنو (الہ آباد) سرور جہاں صاحبہ رعنا ڈیرہ غازی خاں۔ عطیہ رحمن صاحبہ بھائی فلاح دور۔ محمد اکرم خانصاحب بالاگھاٹ۔ بیگم نورانی خانصاحب۔ یکہ توت پشاور۔ جہاں بانو بیگم صاحبہ نقوی حیدرآباد دکن۔ عزیز الدین صاحب بستی شیخ جالندھر۔ خورشید جدمی صاحبہ مدراس۔ مسز حمید صاحبہ نانپارہ۔ بیگم حفیظ الرحمن صاحب کوئٹہ۔ دختر سید شبیر حسین صاحب آگرہ۔ مسعودہ محمد اعظم صاحب عباسی راولپنڈی۔ اے ایچ زیدی صاحب رتناگری۔ حکیم سید عبدالمنان صاحب بانسی بستی۔ حکیم عبدالسلام صاحب آرہ۔ حافظ محمد محمود عالم صاحب صدیقی کلکتہ۔ راشدہ خاتون صاحبہ پٹیالہ۔ خادم حسین صاحب صدیقی جبلپور۔ محمد حاجی آدم بمبئی۔ آر محمد صاحب مان بھوم۔ عبدالاحد صاحب صوفی سنگرینی۔ عبدالرحیم صاحب پٹنہ۔ اعظم شاہ صاحب اکارہ شکرہ۔ محمد حبیب اللہ صاحب حیدرآباد دکن۔ محمد رؤف خانصاحب دربار۔ سیدہ ملقیس فاطمہ صاحبہ مرزاپور۔ حمید الدین قریشی مہو۔ سید فضل الرحمن صاحب حیدرآباد دکن۔ منشی حمید حسن صاحب نجیب آباد۔ اطہر علی صاحب کرمانی گنگنڈہ دکن۔ حاجی عبدالرشید صاحب الہ آباد۔ ماسٹر کرم دین صاحب پانی پت۔

منیجر

چند باتیں

عصمت کی زندگی کا تینتیسواں سال جون کے پرچہ کے ساتھ پورا ہوا اور اس پرچہ سے اس کا چونتیسواں سال شروع ہوتا ہے۔

ہندوستان جیسے غیر تعلیم یافتہ ملک میں اردو بولنے والی بے حس قوم کے ایک زنانہ پرچہ کا مسلسل ۳۳ سال تک جاری رہنا اور کس حالت میں کہ مخالفت کی آندھیاں چلتی اور مشکلات کا ہجوم ساتھ ہوتا رہا ایک زنانہ پرچے کا تہائی صدی تک خاموشی کیساتھ اپنی کوششوں میں منہمک اپنی دھن میں مستغرق اور اپنی خدمات میں مصروف رہنا محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے جس نے بانی عصمت حضرت علامہ راشد الخیری کے نام کی لاج رکھی اردو کے اس ادیب اعظم اور خواتین ہند کے اس سب سے بڑے محسن کے نام کی لاج جس کے ساتھ یہ ناچیز پرچہ منسوب ہے۔ جن خواتین و اصحاب نے عصمت کی ۲۸ سال کی تاریخ یعنی عصمت کی کہانی کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتی ہیں کہ عصمت کو اس طویل مدت میں کیسی کیسی دقتوں اور مشکلوں سے دوچار ہونا پڑا ہے اس تہائی صدی میں بہت سی تکلیفیں اٹھائیں اور بڑی بڑی سختیاں جھیلی ہیں سکھ کے دن آج تک دیکھنے نصیب نہ ہوئے۔ دکھ اٹھاتے اٹھاتے ایک جگ بیت رہے ہیں مگر خدا کا شکر ہے ہزار ہزار اور لاکھ لاکھ کہ کبھی استقلال ہاتھ سے چھوٹا نہ کبھی پائے استقامت متزلزل ہوئے۔ حالات سے کسی نہ کسی درجہ پر پہنچکر متاثر ہو جانا بشریت اور فطرت انسانی ہے۔ پچھلے دو سال کچھ کم پریشانی میں نہیں گذرے محصول ڈاک کا اضافہ اور محکمہ ڈاک کے نئے نئے قوانین، کاغذ اور روشنائی وغیرہ کی ناقابل برداشت گرانی، پچھلے مطالبات میں قرضہ کا اضافہ مجبور ہو کر جون کے پرچہ میں اعلان کرنا پڑا کہ موجودہ مشکلات کا مقابلہ کرنے کیلئے عصمتی بہنیں اپنے پرچہ کی امداد پر متوجہ ہوں، افسوس اس کا نہیں ہے کہ چالیس پچاس ہزار ناظرین و ناظرات میں سو سو دو سو بھی ایسے دردمند دل نہ نکلے جو ۳۳ برس کے اس خدمتگذار کی اعانت پر پسیج جاتے افسوس اس کا ہے کہ ع بات بھی کھوئی التجا کرکے۔

اب چونتیسواں سال شروع ہوتا ہے۔ جنگ کی ہولناکیاں پہلے سے زیادہ ہیں۔ کاغذ اور سامان طباعت کی گرانی پہلے دگنی تھی اب تگنی ہے۔ اطمینان کی صورت کوئی نہیں مشکلات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ مگر جی نہیں چاہتا کہ صفحات کم کئے جائیں، طبیعت گوارا نہیں کرتی کہ گھٹیا قسم کا کاغذ لگایا جائے۔ بے عمل قوم کی بے حسی اجازت نہیں دیتی کہ چندہ میں اضافہ کیا جائے۔ پھر یہ سال کس طرح گذریگا؟ خدا ہی کو معلوم ہے۔ ہماری کوشش (انشاءاللہ) یہی رہیگی کہ عصمت کی شان میں مطلق فرق نہ آئے اگرچہ بندے کے ارادے پر خدا کا ارادہ غالب ہے۔ ہماری نیت کا اس سے بہتر جاننے والا اور کون ہو سکتا ہے۔ اسی کی درگاہ میں التجا ہے کہ اس آزمائش کے زمانہ میں بھی اس کا فضل و کرم عصمت کے ساتھ رہے اور عصمت کے حوصلوں اور کوششوں میں مدد فرمائے۔

چونتیسویں سال کا پہلا پرچہ روایات عصمت کے بموجب سالگرہ نمبر پیش کیا جا رہا ہے۔ اب سے تین سال قبل سالگرہ نمبر دو ماہ کے پرچوں کی جگہ شائع ہوتا تھا جس کی ضخامت دو ماہ کے پرچوں سے ڈیڑھ گنی ہوتی تھی۔ یہ سالگرہ نمبر صرف ایک ماہ کا پرچہ ہے۔ اس کی ضخامت کاغذ وغیرہ کی گرانی کے باوجود دوگنی کے قریب ہے اور نصف سے زیادہ رسالہ باریک لکھکر ۔ صفحوں سے زیادہ کے مضامین دیئے جا رہے ہیں۔ عصمت کی بہت سی مخصوص اور مشہور مضمون نگار خواتین کے علاوہ ملک و قوم کے مایہ ناز ادیبوں اور شاعروں نے بھی سالگرہ نمبر کی زینت بڑھانے میں حصہ لیا ہے۔ اس سالگرہ نمبر کے کئی مضامین بے انتہا قابل قدر ہیں اور یقیناً اس قدر گراں بہا مضامین اردو رسائل میں کبھی کبھار ہی شائع ہوتے ہیں۔ جہاں اس پرچہ کے بہت سے مضامین اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ میں انتہائی پسندیدگی کی نظر سے دیکھے جائینگے وہاں معمولی قابلیت کی بہنوں کیلئے بھی خواتین کی دلچسپی کے مضامین بھی کافی ہیں۔ نثر و نظم کے موضوعوں پر بھی اعلیٰ درجہ کے مضامین ہیں اور ایسے مضامین بھی جو خیالات کی ندرت اور طرز بیان کی دلکشی کے اعتبار سے بہترین کہے جاسکتے ہیں۔ تفریح طبع کا بھی خیال رکھا گیا ہے تو ایسے مضامین بھی کافی تعداد میں ہیں جن سے ہندوستانی عورتیں عملی زندگی میں بہت سے فائدے اٹھا سکتی ہیں۔ افسانے اور نظمیں بلند معیار بھی ہیں اور کثیر تعداد بھی۔ دلآویز بھی ہیں اور نتیجہ خیز بھی۔ غرض مضامین کے اعتبار سے یہ سالگرہ نمبر امید ہے قبولیت عام حاصل کریگا البتہ اس کا افسوس ہے کہ باوجود اتنی ضخامت اور باریک کتابت کے کئی اعلیٰ درجہ کے مضامین گنجائش نہ نکلنے کی وجہ سے رکھنے پڑے جو اگست ستمبر کے پرچوں میں شائع ہونگے۔

تصویریں اب ہر ماہ شائع نہیں ہوتیں مگر اس سالگرہ نمبر میں کئی تصویریں ہیں اور سب کی سب خاص ہیں۔

رازق الخیری

نادار فنڈ

پچھلے مہینوں میں جو روپیہ دفتر عصمت میں بمد کار خیر وصول ہوا اور حسب اعلان نادار فنڈ میں جمع کیا گیا اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

اے اے قدوائی صاحب جھانسی للعہ ۔ ب ن آنسہ ابراہیم صاحبہ مدراس للعہ ۔ ایس ای البی صاحب کلکتہ عہ ۔ شیخ قطب الدین احمد صاحب علی گڈھ عہ ۔ بیگم عزیز اللہ صاحب میرٹھ عہ ۔ بیگم حسن محمد صاحب ہردوئی عہ ۔

میزان = ۳۸

مطابق عصمت جولائی ۱۹۲۰ء نادار فنڈ میں جو روپیہ جمع تھا ۱۸۸

کل میزان نادار فنڈ کی ۲۲۶ / ۱۱

جولائی ۱۹۲۰ء میں جن نادار یتیم یا کم استطاعت غریب بہنوں یا بھائیوں کے نام ایک ایک روپیہ وصول ہونے پر باقی تین تین روپیے نادار فنڈ سے پورا کر کے رسالہ سال بھر کے لئے جاری کیا گیا۔ ان کے خریداری نمبر ہیں :- ۱۰۰۲۸ - ۶۹۰۰ - ۸۴۲۵ - ۱۰۲۹۹ - ۹۲۰۸ - ۱۰۴۹۱ - ۴۷۰ - ۱۰۹۵۶ - ۹۹۱۳ - ۹۹۹۰ کل خریدار ۱۲ نادار فنڈ سے روپیہ لیا ۳۶

جن کے نام دو دو روپیہ وصول ہونے پر باقی دو دو روپیہ نادار فنڈ سے لے کر رسالہ جاری کیا گیا ان کے خریداری نمبر یہ ہیں :- ۷۷۶۴ - ۸۶۱۷
۱۰۲۲۰ - ۸۰۹۸ - ۴۲۸۰ - ۴۵۳۹ - ۹۲۶۹ - ۱۰۳۰۲ - ۱۰۳۰۸
۱۰۳۴ - ۱۰۳۳۶ - ۱۰۳۱۵ - ۱۰۳۲۲ - ۱۰۲۹۲ - ۱۰۳۲۳ - ۱۰۳۲۹
۱۰۲۵۷ - ۱۰۳۶۰ - ۱۰۳۵۵ - ۱۰۳۵۹ - ۱۰۳۵۱ - ۱۰۳۶۱ تا ۱۰۳۶۴
۱۰۰۷۵ - ۱۰۳۷۴ - ۱۰۳۷۳ - ۱۰۳۷۱ - ۱۰۴۱۳ - ۱۰۴۲۹ - ۱۰۴۳۷
۴۴۳۴ - ۱۰۴۸۸ - ۱۰۴۸۷ - ۱۰۴۹۲ - ۵۴۹۱ - ۵۸۲۵ - ۱۰۵۵۶ - ۱۰۵۵۱
۸۵۹۸ - ۵۸۳۰ - ۹۴۷۲ - ۱۰۲۲۸ - ۹۷۴۴ - ۱۵۴۵ - ۹۷۴۹ - ۱۰۸۰۰
۱۰۸۷۱ - ۱۰۰۸۳ - ۱۰۹۵۰ - ۱۰۹۸۱ - ۱۰۹۸۹ - ۱۰۹۸۸ کل خریدار ۵۳
نادار فنڈ سے لئے = ۱۰۶

جنکی طرف سے تین تین روپے وصول ہوئے باقی ایک ایک روپیہ نادار فنڈ سے لیکر رسالہ جاری کیا گیا۔ انکے خریداری نمبر یہ ہیں :- ۵۷۷۸ - ۱۰۲۵۸ -
۴۰۶ - ۴۱۰۵ - ۶۶۴۵ - ۸۷۷۲ - ۱۲۳ - ۹۱۴۰ - ۱۰۳۴۱ - ۸۱۵۹
۱۰۴۰۹ - ۶۹۹۴ - ۱۰۱۵۹ - ۸۳۶۹ - ۹۵۶۴ - ۸۷۰۵ - ۸۷۳۸ -
۱۰۹۱۶ - ۱۰۸۰۵ - ۱۰۸۳۳ - ۱۰۸۶۲ - ۱۹۸ - ۲۱۱۹ - ۲۲۵ -
کل خریدار ۴۲ - نادار فنڈ سے لئے ۲۴

متفرق نمبر جن کے نام نادار فنڈ سے رسالہ جاری کیا :- ۱۰۱۰۳ - ۲۵۰۷ - ۲۴۷۴ - ۱۰۴۸۶ - ۴۶۲۲ -
۱۷۸۲ - ۹۴۴۳ - ۱۰۳۰۷ - ۱۰۳۴۴ - ۱۰۳۳۸ - ۴

بہارِ تازہ

للہ الحمد بہار آئی بصد شانِ جمال ذرہ ذرہ جنتِ جہاں کا ہر نہال
پھر نئی طرز سے آرائش گلشن کے لئے نازِ انداز سے سوسن نے پریشاں کئے بال
مردم چشم تماشا کی نظر بندی کو بچھ گیا چار طرف سبزۂ نوخیز کا جال
ہر کلی جوشِ مسرت سے کھلی جاتی ہے سُرخ ہیں فرطِ خوشی میں گلِ خندہ نگ کے گال
ناشتی پھرتی ہے رُوحِ مئے تازۂ شبنم کونپلیں پھیل کے کہتی ہیں کہ پیمانہ سنبھال
غنچہ و گل ہیں کہ بیش نظر آئینے میں نظر آتا ہی چمن آئینوں میں قدرت کا کمال

شانِ نو سے ہے غرض جلوہ نما شاہدِ گل

دلربایانہ ہیں انداز۔ حسین ہیں خدوخال

فصلِ گل سے ہے نئے سال کا آغاز ہرلو باغ ہے گلشنِ علم و ادب پُر از کمال
شاہدِ گل ہے یہی اپنا رسالہ عصمت حُسن ہے علم مضامین ہیں نگ ہیں خدوخال
نونہالانِ چمن نامہ نگارانِ ادب سالنامے سے کریں پیام بہاراں کی مثال

واقعہ بھی ہے۔ یہ تاریخ بھی۔ تہنیت بھی

انبساط افزا ہے عصمت کا یہ تہنیت اِس سال
۱۹۲۱ء

اُمِ زہرا ہاشمی (بدایونی)

۱۰۳۴۳ - ۱۰۳۵۸ - ۱۰۳۶۵ - ۱۰۴۱۹ - ۱۰۴۸۰ -
۱۰۴۹۷ - ۱۰۴۰۸ - ۱۰۶۶۲ - ۲۳۹۵ - ۱۷۱ - ۱۰۶۱۱ -
۷۰۰ - ۱۰۸۲۲ - ۳۹۱ - ۳۶۵ - ۱۲۵۸۰ - ۱۲۶۵۰ - ۸ -
کل خریدار ۲۷ - روپیہ نادار فنڈ سے لیا - ۲۸

تین تین روپے والوں کی میزان - ۳۶
دو دو 〃 〃 〃 ۱۰۶
ایک ایک 〃 〃 〃 ۲۴
میزان متفرق ۲۸

کل میزان جو نادار فنڈ سے روپیہ لیا ۱۹۴
نادار فنڈ میں جو روپیہ جمع تھا = ۲۲۶
باقی رقم جو نادار فنڈ میں جمع ہے - ۳۱ / ۱۱

مینیجر

میں اپنے دامنِ رنگیں میں لائی غنچۂ عصمت "
میں اپنی کشتیٔ زریں میں لائی ہدیۂ اُلفت
مرے غنچوں میں ہے اک نکہت فردوسِ رعنائی
ہیں ٹکڑے ماہ و پرویں کے مرے دریا کے یہ موتی
مرے دامن میں جتنے لالہ و گُل مسکراتے ہیں
شمیمِ عطرِ جنت اہلِ عالم کو سنگھاتے ہیں
مری آنکھوں کی پُتلی چاند برساتی ہے عالم پر
ضیا رت سے جس کی روشن ہے سوادِ ظلمتِ منظر
مرے دندانِ زریں میں وہ تارے جھلملاتے ہیں
جھلک سے جن کی مہر و ماہ و انجم جگمگاتے ہیں
مرے ہونٹوں سے ایسی رس بھری کلیاں برستی ہیں
جنہیں دامن میں چُننے کے لئے حوریں ترستی ہیں
مری لوحِ جبیں آئینہ ہے تنویرِ عصمت کا
مرے عارض میں دریا ہے رواں تسنیمِ جنت کا
مری زلفوں میں حوریں گوہرِ شبنم پروتی ہیں
مئے کوثر سے مرے لالہ گوں ہونٹوں کو دھوتی ہیں
تکلم میں مرے دوشیزگانِ صبح گاتی ہیں
حسیں پریاں ترنم میں مرے بربط بجاتی ہیں

تبسم سے ثریا میرے کسبِ نور کرتی ہے
بساطِ کہکشاں میں پائے انور سے تجلی ہے
مرا نغمہ وہ نغمہ ہے جو سوتوں کو جگاتا ہے
مرا جلوہ شبِ یلدا میں نورِ صبح لاتا ہے
مرے پیغام سے مخمور کلیاں کسمساتی ہیں
نویدِ صبح سُنکر سوتے سوتے مسکراتی ہیں
ستارے چونک پڑتے ہیں فلک بیدار ہوتا ہے
خمارِ نیم خوابی سے قمر ہشیار ہوتا ہے
فضائیں جاگ اُٹھتی ہیں مناظر مسکراتے ہیں
دلِ نسواں کے غنچے از سرِ نو کھلکھلاتے ہیں
مری آواز دُنیا میں مثالِ صورِ مخفی ہے
تنِ بے جانِ نسواں کو حیاتِ تازہ بخشی ہے
صدا پر میری حورانِ حرم لبیک کہتی ہیں
ہمہ تن چشم میرے شوق میں دن رات رہتی ہیں
نشاطِ دید سے پھر زیرِ لب کچھ مسکراتی ہیں
مرے سازِ طرب میں ہو کے ہم آہنگ گاتی ہیں
"خدایا صبحِ عشرت اک سرورِ غیر فانی ہو
مسرت اس پیامِ زندگی کی جاودانی ہو

مئی سنہ
بلقیس جمال بریلوی

تینتیسویں (۳۳) سال کے مضمون نگار

ڈاکٹر شائستہ اختر سہروردی بی اے (آنرس) پی ایچ ڈی

عصمت کی مستقل اور مخصوص مضمون نگاروں میں بہت ممتاز درجہ رکھتی ہیں اور ہندوستان کی اُن خواتین میں سے ہیں جنکی قابلیت طبقۂ نسواں کے لئے باعثِ فخر کہی جا سکتی ہے۔ اپنی قومی زبان کی خدمت اور اپنی ملکی بہنوں کی بہبودی اور بہتری کا انہیں کسقدر خیال اور عصمت سے انہیں کس قدر محبت اور دلی تعلق ہے اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ بچوں کی پرورش خانہ داری کی ذمہ داریوں اور تعلیمی اور سوشیل مصروفیتوں کے باوجود پچھلے سال میں سب سے زیادہ مضامین ان بہن کے شائع ہوئے ہیں مختلف موضوعوں پر لکھتی ہیں مگر جو کچھ لکھتی ہیں ایک متوسط درجہ کے شریف گھرانے کی مشرقی عورت کے نقطۂ نظر سے۔ اس لئے ان کا ہر مضمون قابل قدر ہوتا ہے کبھی یورپ کی دلچسپیاں بیان کرتی کبھی مغربی عورتوں کی معاشرت دکھاتی کبھی ہندوستانی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر بحث کرتی ہیں مگر ہر مضمون میں ایک پیغام اور سبق ہوتا ہے۔ خشک سے خشک موضوع پر بھی اس خوبی سے اظہار خیالات کرتی ہیں کہ معمولی پڑھی لکھی عورتیں بھی دلچسپی کے ساتھ انکے مضامین کا مطالعہ کرتی ہیں "نفسیات" (جولائی) اور "سیڈیزم" (مارچ) میں بعض پیچیدہ مسائل کو نہایت عام فہم پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے "نوکروں کی نگرانی" (ستمبر) میں ان خواتین کو جو آئے دن ملازموں سے پریشان رہتی ہیں نہایت کارآمد مشورے دئے گئے ہیں۔ "بیماریوں کی پہچان" (اکتوبر) "جلد کی دیکھ بھال" (دسمبر) "کپڑوں کی دیکھ بھال" (جنوری) تینوں مضمون بہت اچھے ہیں۔ اور خواتین کے لئے ازحد سودمند "جنگل میں چند روز" (اپریل) اور "برنیر کا ہندوستان" دلچسپ بھی خوب ہیں اور نتیجہ خیز بھی۔

سرور جہاں صاحبہ رعنا بی اے مولفہ شہزادی نیلوفر

وغیرہ ہیں عصمت کی مخصوص مضمون نگاروں میں سے ہیں۔ ان کے مضامین اس سال توقع کے خلاف تعداد میں زیادہ شائع ہوئے ہمارا خیال تھا کہ دوسری مضمون نگار لڑکیوں بخصوص اپنی بڑی بہن اقبال جہاں صاحبہ کی طرح یہ بھی اگر شادی کے بعد لکھنا چھوڑ نہ دیں گی تو کم ضرور کر دیں گی مگر انہوں نے نہ صرف مضمون نگاری جاری رکھی بلکہ اس سال سب سے زیادہ مضامین لکھنے والیوں میں سے ہیں۔ پھول پھلواری سے انہیں بہت دلچسپی ہے اس نام سے ان کی ایک کتاب بھی شائع ہو چکی ہے اور اور اس سال کے دونوں مضمون "پھول پھلواری" (نومبر) اور "پھولوں کی بولی" (جون) ان خواتین کے لئے بیحد فائدہ مند ہیں جنہیں پھولوں اور کیاریوں کا معمولی سا شوق بھی ہے۔ رعنا صاحبہ طبع زاد افسانے اور ڈرامے بھی لکھتی ہیں اور اگر اسی طرح لکھتی رہیں تو مستقبل قریب میں بہترین افسانہ نویس اور ڈراما نویس خواتین میں ان کا شمار ہوگا۔ ان کے ترجمے بھی اچھے ہوتے ہیں۔

جمیلہ بیگم صاحبہ کلکتہ

مصنفہ "فیروزہ" دورِ حاضرہ کی مشہور اہلِ قلم خواتین میں سے ہیں۔

ڈاکٹر شائستہ سہروردی کی طرح ان کے مضامین بھی مختلف موضوعوں پر ہوتے ہیں۔ ان کا اندازِ بیان عام فہم ہے اور تحریر میں پختگی اور روانی ہے۔ اپنی بہنوں کی ترقی اور بہتری کا انہیں بہت خیال ہے۔ چنانچہ "عورتوں میں ملی ذوق کی کمی" (مئی) نہایت دردمندی اور دلسوزی سے لکھا گیا ہے اور خواتین کو خوشحالی کی زندگی گذارنے کی موثر پیرایہ میں ترغیب دی گئی ہے "خانہ داری اور لڑکیوں کی نگہداشت" (نومبر) میں نہایت قیمتی مشورے دئے گئے ہیں۔ "بچوں کو قرآن مجید کی تعلیم" (مارچ) حق رکھتا ہے کہ ہر مسلمان ماں ٹھنڈے دل سے اس کا مطالعہ کرے۔ "سبھدیزم" (مئی) اور "جہیز" میں معقولیت اور متانت کے ساتھ بحث کی گئی ہے دونوں مضمون

مدلّل اور موثر ہیں۔ "حضرت علامہ راشد الخیری مرحوم کی ادبی خدمت" بھی اچھا مضمون ہے۔ حمیدہ بیگم صاحبہ ان مخلص اور ہمدرد مضمون نگاروں میں سے ہیں جو ہر سال عصمت کی زیادہ سے زیادہ قلمی اعانت کی کوشش کرتی ہیں۔

و۔ ا (بلقیس بیگم صاحبہ) منشی کامل مصنفہ "خانہ داری کے تجربے"۔ "مفید نسخے" وغیرہ اردو کی ممتاز لکھنے والیوں میں ایک ممتاز درجہ رکھتی ہیں۔ معاشرتی تمدنی اور مجلسی امور میں ان کی سنجیدہ اور مدلّل بحثیں، امور خانہ داری، حفظان صحت اور مذہبی معلومات میں، ان کے مضامین نسوانی حلقوں میں ایک خاص شہرت حاصل کر چکے ہیں۔ سلاست روانی، بے ساختگی بے تکلفی سادگی ان کی تحریر کی وہ خصوصیات ہیں جو دوسری لکھنے والیوں کے مضامین میں بہت کم ملتی ہیں۔ ان کے مضمونوں کی تعداد اس سال بھی نسبتاً معقول ہے اور رتی اپنی جگہ سب مضمون قابل قدر ہیں۔ بالخصوص "بچوں پر سینما کا اثر"، "انگشت" اور "جہیز رسم" تو بہت ہی موثر ہیں۔

نذر سجّاد حیدر صاحبہ لکھنؤ مصنفہ جانباز وغیرہ ہندوستان کی مایہ ناز ناول نگار اور افسانہ نویس ہیں۔ اور ان محترم خواتین میں سے ہیں جو ابتدائی زمانہ سے عصمت کی بیش بہا قلمی اعانت فرما رہی ہیں۔ افسوس ہے محترمہ موصوفہ کی صحت کئی سال سے خراب ہے مگر خرابی صحت کے باوجود وہ اپنی بہنوں کی خدمت سے غافل نہیں اور اس سال جن تین خواتین کے مضامین سب سے زیادہ شائع ہوئے ہیں ان میں محترمہ نذر سجاد حیدر صاحبہ بھی ہیں۔ ان کا مسلسل افسانہ "نجمہ" ۱۹۳۰ء سے چھپ رہا ہے۔ اور عام طور پر نہ صرف پسند کیا جا رہا ہے بلکہ جلد سے جلد اس کو کتابی صورت میں شائع کرنے کے بھی تقاضے ہو رہے ہیں۔ جہاں ایک طرف اس افسانہ کی مقبولیت کی یہ کیفیت ہے وہاں بعض محترم بہنوں کی یہ رائے ہے کہ نذر سجاد حیدر صاحبہ بہت آزاد خیال ہیں اور وہ جو طرز دکھاتی ہیں وہ سخت قابل اعتراض ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ جو معاشرت وہ دکھا رہی ہیں اس سے بھی بڑھ کر بہت کچھ ہو رہا ہے اور سو فیصدی مسلمانوں کی ملی سوسائٹی ترقی کے نعرے لگاتی ہوئی انتہائی پستی کی طرف جا رہی ہے اور ایسی ایسی بیہودگیاں اور لغویات ہو رہی ہیں جو کسی طرح بھی مسلمان خواتین کے لئے مناسب نہیں اور شدید ضروری ہے کہ ان کے خراب نتائج مضمونوں اور افسانوں کے ذریعہ ذہن نشین کرائے جائیں۔ نذر سجاد حیدر صاحبہ کے افسانے بغیر کسی مقصد کے محض دل بہلانے اور وقت گذارنے کے لئے نہیں ہوتے۔ ان سے کچھ مفید نتائج بھی نکلتے ہیں اور ہمیں امید ہے محترمہ موصوفہ اس افسانہ میں حد سے بڑھی ہوئی آزادی اور بیباکی مغرب کی اندھا دھند تقلید اور عیش پرستی اور آرام طلبی کے ہولناک اور سبق آموز نتائج دکھائیں گی۔

مسز حمید صاحبہ لکھنؤی عصمت کی مخصوص مضمون نگار خواتین میں سے ہیں۔ معاشرتی تمدنی اور خلاقی مسائل پر خصوصاً مگر خانہ داری اور تندرستی کے سلسلے میں ذاتی تجربوں اور مشاہدوں کی بنا پر نہایت مفید مضامین لکھتی ہیں۔ اس سال ان کے مضمونوں کی تعداد بھی اچھی خاصی ہے اور کئی مضمون قابل قدر ہیں۔

زبیدہ زرّیں صاحبہ ریاست گوالیار نے جب سے لکھنا شروع کیا ہے ہر سال ان کے مضامین معقول تعداد میں شائع ہو رہے ہیں۔ تاریخ، سیاست اور بچوں کی تربیت و تعلیم ان کے خاص موضوع ہیں اور حق یہ ہے کہ جو کچھ لکھتی ہیں نہایت محنت سے بہت غور و فکر اور تحقیق و تلاش کے بعد۔ اس سال ان کے کئی مضمون بہت اچھے شائع ہوئے ہیں۔

شہر بانو صاحبہ مظفر پور جن کے تحقیقی علمی تاریخی مضامین غیر معمولی شہرت حاصل کر چکے ہیں عصمت کی مستقل اور مخصوص لکھنے والیوں میں سے ہیں۔ اور کئی سال تک ان کے مضامین سب سے زیادہ شائع ہوتے رہے ہیں۔ افسوس ہے دو تین سال سے انکی صحت اچھی نہیں اور اسی وجہ سے اس سال ان کے مضمونوں کی تعداد بہت معمولی ہے اللہ تعالیٰ انہیں جلد صحت عطا فرمائے۔

جہاں بانو بیگم صاحبہ نقوی ایم اے حیدرآباد دکن انکے طرز بیان کی وجہ پاکیزگی شگفتگی اور دلکشی کے اعتبار سے ادبی حلقہ میں پسندیدہ نظروں سے دیکھے جاتے ہیں۔ انکے خیالات فلسفیانہ اور شستہ ہوتے ہیں اور باتوں ہی باتوں میں دلچسپ ہوئی بڑی کام کی باتیں کہہ جاتی ہیں

آمنہ نازلی صاحبہ ادیب فاضل (دہلی) کئی سال سے لکھ رہی ہیں مگر بہت کم لکھتی ہیں اور بہت مختصر لکھتی ہیں۔ اگر ان کی صحت درست رہتی اور مضمون نگاری کی مشق جاری رکھتیں تو آج انکا شمار چوٹی کی لکھنے والیوں میں ہوتا۔

اُم زہرا صاحبہ ہاشمی بدایوں کی نظمیں اس سال سب سے زیادہ شائع ہوئی ہیں۔ یہ بہن اچھے شعر کہتی ہیں اور فن تاریخ گوئی میں بھی مہارت رکھتی ہیں "بیمار شوہر کے سرہانے" ان کی اس سال کی بہترین نظم ہے۔

نصرت نشاط صاحبہ کے مضامین گذشتہ سال سے شائع ہو رہے ہیں انکی تحریر سے ہونہاری ٹپک رہی ہے لکھنے کی مشق کرتی رہیں تو جلد ترقی کر لینگی۔

سردار محمدی بیگم صاحبہ (بنت نواب صاحب دانی) اور **امۃ الحفیظ صاحبہ** مولفہ "صنعت و حرفت" عصمت کی قدیم اور مشہور مضمون نگار ہیں سردار محمدی صاحبہ زیادہ تر مذہبی تاریخی اور معاشرتی مضامین لکھتی ہیں۔ امۃ الحفیظ صاحبہ خانہ داری صنعت و حرفت سنگھار و آرائش کے مضامین اچھے لکھتی ہیں۔ اس سال انکا سفرنامہ شائع ہوا جو کافی دلچسپ ہے۔

گ۔ ن صاحبہ کپور تھلہ اور بیگم حکیم عزیز النساء صاحب جاورہ کے طبی مشورے قابل قدر ہوتے ہیں۔ **ب۔ ن ابراہیم صاحبہ** مدراس مختلف موضوعوں پر لکھتی ہیں اور خاصہ لکھنے لگی ہیں۔ ان تینوں محترم بہنوں کے مضامین اس سال خلاف توقع کم رہے۔

مس کملا چیٹرجی نئی لکھنے والیوں میں سے ہیں ترجمہ خاصہ کرتی ہیں۔

ساجدہ بیگم صاحبہ منشی فاضل ادیب فاضل عصمت کی نئی شاعرات میں سے ہیں مگر معلوم ہوتا ہے مشقِ سخن کئی سال سے کر رہی ہیں۔

محترمات صغرا ہمایوں مرزا (حیدرآباد) رضیہ کرمانیہ (ایس آر کے) وردا (حیدرآباد دکن) محمودہ رضویہ (کراچی) کے مضامین افسوس ہے خلاف توقع اس سال تعداد میں بہت کم شائع ہوئے۔

عصمت کی مشہور شاعرات محترمات گوہر اقبال حمد۔ خورشید اقبال جمال راجہ تہہاں۔ زیب عثمانیہ افسر النساء بیگم کی نظمیں بہت کم چھپیں **اسی طرح** محترمات اسماعیلہ جبین۔ ایس بی طاہرہ۔ امتہ الوحی۔ حفیظہ جلال۔ سیدۃ فاطمہ بیگم سکینہ بیگم بی اے۔ طیبہ جعفر۔ شوکت ریاض عفت کرمانیہ بی اے مسز رخ مسلم شفیق۔ بلقیس شاہد عبد الحکیم کے مضامین بھی بہت کم چھپے ہیں اُمید ہے آئندہ سال ان محترم خواتین کی نظمیں اور مضامین معقول تعداد میں شائع ہونگے۔

نئی لکھنے والیوں میں محترمات مس اینجلین پلومن ایم اس سی۔ حمیدہ اسعد۔ ثریا جبین۔ رضیہ برنی۔ کنیز فاطمہ کاش ایم اے۔ کے احمد شجاع مسز ن م حجاب۔ اور وحیدہ عزیز بہت ہونہار ہیں اور ان خواتین کو خصوصیت کے ساتھ ہمارا مشورہ ہے کہ لکھنے کی مشق جاری رکھیں۔

افسوس ہے کہ محترمات کنیز محمد بیگم منشی فاضل۔ مہر النساء مولفہ خواتین اندلس) فاطمہ بیگم (مولفہ عصمتی کروشیا) نوشابہ خاتون قزلباش بی اے مسز راجکماری جھینگن۔ محمدی بیگم بی اے۔ انیس فاطمہ (مصنفہ چار رُخ) مسز یوسف الزماں بیگم نذیر حسین (مدراس) مریم خانم بی اے عطیہ نصرت خانم (کلکتہ) سلطانہ آصف (بمبئی) نورجہاں بیگم ناز (بمبئی)، خمسہ خانم شمع آگرہ، مختصر الرحمن حیدرآباد دکن۔ ایس کے صغرا بیگم سبزواریہ (کلکتہ) مسز برلاس (جاپان) سلیمہ محمد احمد بی اے بی ٹی۔ انورجہاں سراج۔ بلقیس جمال بیگم محمد مجیب۔ بیگم یامین قزلباش۔ سیدہ نطیفہ تسنیم بی اے۔ سیدہ عنبر ادیبہ اور صالحہ عابد حسین کے مضامین اس سال بالکل نہیں چھپے ہیں بہت خوشی ہوگی اگر یہ محترم خواتین پھر اپنے پرچہ میں لکھنا شروع کر دینگی۔

مردوں میں خانصاحب مولوی محمد ظفر صاحب۔ کپتان ڈاکٹر نصیر الدین احمد صاحب۔ آلم اکبرآبادی۔ آسی صاحب رام نگری۔ بصیر صاحب صدیقی ایم اے۔ ابوالاعجاز نازل صاحب۔ لالہ تلوک چند صاحب محروم بی اے۔ نقی علی صاحب ہاسمی۔ ثاقب کانپوری۔ پروفیسر حامد حسن صاحب قادری۔ دعا صاحب ڈبائیوی۔ پنڈت دیا کشن گنجور۔ سید رضا احمد صاحب جعفری۔ مولوی عبد الغفار صاحب الخیری۔ مولانا محوی صدیقی۔ پرنسپل مشتاق احمد صاحب مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب۔ سید راحت حسین صاحب۔ اور خان بہادر حافظ ولایت اللہ صاحب خصوصیت کے ساتھ اس سال گراں بہا قلمی اعانت اعانت فرماتے رہے۔

رازق الخیری

خاتون اکرم عصمتی انعامات

عصمت کے تینتیسویں سال میں (جولائی سنہ ۱۹۴۰ء تا جون سنہ ۱۹۴۱ء) جن اہل قلم خواتین اور مستورات کے مضامین شائع ہوئے ہیں۔ ان کی فہرست اس پرچہ کے شروع میں درج کی گئی ہے۔ اس پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سال کے مضمون نگاروں کی تعداد ڈیڑھ سو سے اوپر ہے جنہیں سو کے قریب خواتین ہیں۔ تعلیم یافتہ بہنوں میں مضمون نگاری کا شوق پیدا کرنے کی غرض سے سال بھر کے مختلف موضوعوں کے بہترین مضامین پر ادیبہ جلیلہ محترمہ خاتون اکرم جنت مکانی کی یادگار میں عصمت جو انعامات سالگرہ کے موقع پر تقسیم کرتا ہے وہ صرف ان خواتین کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں جن کے تمام سال میں کم سے کم ۴ مضمون شائع ہوں۔ جیسا کہ قریب قریب ہر سال ہوتا ہے۔ اس سال بھی عصمت کی کئی مخصوص و ممتاز مضمون نگار خواتین نیز کئی نئی ہونہار لکھنے والیوں کے بعض قابل تعریف اور قابل انعام مضامین شائع ہوئے ہیں۔ مگر چونکہ ان کے سال بھر کے مضمونوں کی تعداد ۴ سے کم رہی اسلئے مجبوراً ان کے قابل انعام مضامین نظر انداز کرنے پڑے۔ آئندہ سال اگر ان کے مضامین کم سے کم ۴ شائع ہوئے تو ہمیں امید ہے کہ انعامات حاصل کرنے والی خواتین میں ان محترم خواتین کے نام بھی ہوں گے

خانہ داری

دنیا بھر کی اور تو سب خوبیاں کسی عورت میں ہوں لیکن خانہ داری کے معاملات میں وہ دوسروں کی محتاج ہو تو اس کی زندگی کا یہ پہلو نہایت تاریک کہا جائیگا۔ سب سے ضروری چیز عورت کے لئے خانہ داری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر سال ہی نہیں ہر پرچہ میں زیادہ سے زیادہ مضامین خانہ داری پر عصمت شائع کرتا ہے۔ تینتیسویں سال میں اس موضوع پر متعدد کارآمد اور نہایت مفید مضامین شائع ہوئے ہیں۔ کم سے کم ۴ مضمون لکھنے والیوں میں جمیلہ بیگم صاحبہ کا مضمون "خانہ داری اور نگہداشت" (نومبر) اور شائستہ اختر صاحبہ کا مضمون "نوکروں کی نگرانی" (ستمبر) بیحد قابل قدر ہیں۔ نومبر مارچ مئی اور جون کے پرچوں میں گ۔ن صاحبہ کے جو چھوٹے چھوٹے مضامین شائع ہوئے۔ ان سے بھی خواتین بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتی ہیں۔ ان تینوں بہنوں کی خدمت میں ۵-۵ روپے بطور انعام پیش کئے جاتے ہیں۔

حفظانِ صحت

پر تینتیسویں سال میں بہت کافی اور بہت اچھے اچھے مضامین شائع ہوئے ہیں جنہیں سوچ سمجھ کر اگر خواتین مطالعہ کریں تو بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتی ہیں۔ "ہوا یا بہت پرہیز" (نومبر) "معالج" (دسمبر) "خطرناک دوائیں" (اپریل) "غذا" (مئی) مسز حمید صاحبہ کے ان چاروں مضمونوں میں جو ذاتی تجربوں کی بنا پر لکھے گئے ہیں نہایت مفید مشورے دئے گئے ہیں۔ ان مضامین پر مسز حمید صاحبہ کو ۱۰ روپیہ کا انعام دیا جاتا ہے۔ بیگم حکیم محمد عزیز صاحب کے چھوٹے چھوٹے مضامین میں بھی بہت سی کام کی باتیں رہیں اور یہ مضامین بھی روپیہ کے انعام کے مستحق ہیں۔ عورتوں کی دوزخ (اگست) از شہر بانو صاحبہ اور بعض چیزوں کا اثر (اکتوبر) از د۔ا صاحبہ ان مضامین پر بھی ۵-۵ روپے بطور انعام دئے جاتے ہیں۔

سنگھار و آرائش کے متعلق

خانصاحب مولوی محمد ظفر صاحب کے مختصر نوٹ مفید ہدایات اور کارآمد نسخے ہر ماہ شائع ہوتے رہتے ہیں ان کے علاوہ بھی اس سال اس موضوع پر کئی مضمون قابل ذکر شائع ہوئے ہیں مگر کم سے کم ۴ مضمون لکھنے والیوں میں صرف شائستہ اختر صاحبہ کے مضمون "جلد کی دیکھ بھال" (دسمبر) پر ۵ روپیہ کا انعام دیا جاتا ہے۔

بچوں کی پرورش اور تربیت

پر ہر سال بہترین مضامین کافی تعداد میں شائع ہوتے ہیں۔ اس سال بھی اس موضوع پر کئی مضمون بیحد قابل قدر اور قابل انعام شائع ہوئے ہیں۔ مگر کم سے کم ۴ مضمون لکھنے والیوں میں شہر بانو صاحبہ کا مضمون "بچوں کی سزا کا نفسیاتی مطالعہ" (جولائی) اور آمنہ نازلی صاحبہ کا مضمون "ہماری نسلوں کی آئندہ گمراہی" (اپریل) ۵-۵ روپیہ کے انعام کے مستحق ہیں۔

معاشرتی تمدنی

مضامین کے لحاظ سے یہ سال بھی کامیاب رہا مگر اس موضوع پر غیر معمولی تعریف کا مستحق اور اول درجہ کے انعام کے قابل کوئی مضمون کم سے کم ۴ مضامین لکھنے والی خواتین کا شائع نہیں ہوا۔ ۵-۵ روپیہ کے دو انعام محترمات و۔ا صاحبہ کو "جہیز" (مئی) پر اور مسز حمید کو "مجازی خدا" (اگست) اور "ساس بہو" (جون) پر دئے جاتے ہیں۔

اخلاقی مجلسی

مضامین بھی اچھے رہے۔ جہاں بانو بیگم صاحبہ نقوی کے مضمونوں پر ۱۰ روپیہ انعام دیا جاتا ہے۔ "باتیں کرنا" (جولائی) و۔ا صاحبہ کا یہ مضمون بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جس پر محترمہ مصنفہ کی خدمت میں ۵ روپیہ پیش کئے جاتے ہیں۔

مذہبی مضامین مردوں کے لکھے ہوئے مضامین کافی تعداد میں شائع ہوئے مگر افسوس ہے عورتوں کے مضامین اس سال تعداد میں کم ہیں۔ اور قابل انعام مضمون صرف ایک ہے جمیلہ بیگم صاحبہ کا "قرآن مجید کی تعلیم" (مارچ) اس مضمون پر ۵ روپیہ دئے جاتے ہیں۔

تاریخ وسیرۃ کے لحاظ سے بھی یہ سال بُرا نہیں رہا۔ سردار محمدی بیگم صاحبہ کے دو مضمون "عورت کی مآل اندیشی" (نومبر) اور "انسان کی قدر" (دسمبر) اور شائستہ اختر صاحبہ کا مضمون "برنیر کا ہندوستان" (مئی) اس موضوع کے بہترین مضامین ہیں اور دونوں محترم خواتین کی خدمت میں ۵-۵ روپیہ بطور انعام پیش کئے جاتے ہیں۔

سیاسی مضامین جن میں بتایا گیا ہے کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے اس سال بھی اچھے رہے۔ زبیدہ زرین صاحبہ کے تینوں مضمون "اب کیا ہوگا" (نومبر) "طرابلس الغرب" (مارچ) "مراکش" (اپریل) ۱۰ روپیہ کے انعام کے مستحق ہیں۔ نصرت نشاط صاحبہ کو بھی ۵ روپیہ کا انعام دیا جاتا ہے ان کے مضامین "روس اور جنگ جدید" (ستمبر) اور "خواتین اور ہندوستان" (اکتوبر) پر۔

سیر وسیاحت کے مضامین کے اعتبار سے یہ سال سالہائے گذشتہ کے مقابلہ میں کچھ زیادہ کامیاب نہیں کہا جاسکتا۔ "جنگل میں چند روز" (اپریل) پر شائستہ اختر صاحبہ کو ۵ روپیہ کا انعام دیا جاتا ہے۔

تفریحی اور تنقیدی مضامین چھپے تو خاصی تعداد میں مگر قابل انعام مضمون کسی بہن کا شائع نہیں ہوا۔

تعلیمی مضامین بہت اچھے تو نہیں رہے مگر کچھ ایسے زیادہ قابل تعریف بھی نہیں۔ زبیدہ زرین صاحبہ کا مضمون "مقصدی طریقہ تعلیم" (اکتوبر) ۵ روپیہ کے انعام کا مستحق ہے۔

صنعت وحرفت پر مردوں کے مضامین زیادہ شائع ہوئے ہیں۔ عورتوں کے مضمونوں میں جمیلہ بیگم صاحبہ کا مضمون "عورتوں میں علمی ذوق کی کمی" (اپریل) ۵ روپیہ کے انعام کا مستحق ہے۔

مختصر ادبی ہلکے پھلکے چھوٹے چھوٹے خیالی مضامین کی سالہائے گذشتہ کے مقابلہ میں اس سال کمی رہی۔ نصرت نشاط صاحبہ کو ۵ روپیہ کا انعام دیا جاتا ہے۔

ان کے ترجموں یعنی "گدھا" (جولائی) "اس کے زیور" (نومبر) اور "بھیڑ کی طرح" (اپریل) پر۔

افسانے ہر سال اچھے رہتے ہیں اور اس سال بھی اچھے رہے۔ سرور جہاں صاحبہ رعنا کے طبع زاد افسانے "فیشن ایبل داماد" (فروری) "اپریل فول" (اپریل) بھی اچھے ہیں۔ اور مس کملا چترجی کا ترجمہ "خانہ داماد" (دسمبر) بھی خوب ہے۔ "منحنی دھما" (مئی) اور "ڈاکٹر یاماں" (جون) آمنہ نازلی صاحبہ کے یہ دونوں سبق آموز افسانے بھی قابل ذکر ہیں۔ نذر سجاد حیدر صاحبہ کا مسلسل افسانہ "نجمہ" ابھی ختم نہیں ہوا۔ مگر اسے بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ان چاروں محترم خواتین کی خدمت میں ۵-۵ روپیہ بطور انعام پیش کئے جاتے ہیں۔

ڈراما کم سے کم چار مضمون جن خواتین کے شائع ہوتے ہیں اس میں سے کسی کا طبع زاد ڈراما نہیں چھپا۔ اور جن کے چھپے ان کے مضمونوں کی تعداد چار سے کم ہے۔ سرور جہاں صاحبہ رعنا نے انگریزی کے دو ڈراموں کا ترجمہ کیا ہے "سرخ دھاگا" (جولائی) "موت کا چنگل" (اگست) ان پر محترمہ موصوفہ کو ۵ روپیہ دئے جاتے ہیں۔

تقریر کسی بہن کی قابل انعام درج رسالہ نہیں ہوئی۔

تصاویر سے اس سال بہت کم خواتین نے اپنے پرچہ کی زینت بڑھائی۔ ۵ روپیہ امۃ الحفیظ صاحبہ کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں۔

نظمیں اس سال سب سے زیادہ ام زہرا صاحبہ ہاشمی کی شائع ہوئیں اور ان میں کئی نظمیں موقع و محل کی مناسبت سے ہیں۔ ان سے کم ساجدہ بیگم صاحبہ بنت دانش کی نظمیں ہیں۔ ان دونوں بہنوں کو علی الترتیب ۱۰ اور ۵ روپیہ بطور انعام دئے جاتے ہیں۔

تعداد مضامین سب سے زیادہ مضامین (شمار میں ۱۱-۱۱) تین خواتین کے ہیں۔ سرور رعنا صاحبہ شائستہ اختر صاحبہ اور نذر سجاد حیدر صاحبہ اور تینوں کے مضمونوں کے مجموعی صفحات بھی اس قدر معقول ہیں کہ مضمون کا حساب کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا اور تینوں کی خدمت میں دس دس روپیہ پیش کئے جاتے ہیں۔ تعداد مضامین کے انعامات کی رقم ۲۰ روپیہ مقرر ہے۔ مگر ہر سال کافی بڑھ جاتی ہے۔ جمیلہ بیگم صاحبہ کا صرف ایک مضمون ان تین بہنوں سے کم رہ گیا لہٰذا ان کو بھی ۵ روپیہ دئے جاتے ہیں۔

متفرق محترمہ ب۔ ن آنسہ ابراہیم کا کوئی خاص مضمون قابل ذکر نہیں مگر ان کی مضمون نگاری نظر انداز بھی نہیں کی جا سکتی۔ سردار محمدی بیگم صاحبہ کے دو مضمون بچوں کے متعلق خاص طور پر بہت ہی مفید ہیں۔ ان دونوں کو ۵/۵ روپیہ کا انعام دیا جاتا ہے۔

انعامات حاصل کرنیوالی محترم خواتین ہمارا دلی شکریہ قبول فرمائیں کہ انہوں نے بے شمار ذمہ داریوں اور مصروفیتوں سے وقت نکال کر عصمت کے لئے بیش بہا مضامین لکھے اپنی زبان کی خدمت میں حصہ لیا اور اپنی ہزاروں لکی اور قومی بہنوں کو اپنے گراں قدر خیالات سے مستفید فرمایا۔ عصمتی انعامات مضمونوں کا معاوضہ یا اُجرت نہیں ہیں اور نہ کسی فنڈ سے دئے گئے ہیں۔ مالیت کے اعتبار سے اس قدر حقیر ہیں کہ انہیں انعام بھی کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔ مگر اس لئے کہ محترمہ خاتون اکرم جنت مکانی کی یادگار میں تقسیم کئے جاتے ہیں امید ہے وقعت کی نظر سے دیکھے جائیں گے۔

رازق الخیری

تینتیسویں سال کے خاتون اکرم عصمتی انعامات حاصل کرنیوالی بیبیاں

نام	مقام	نمبر	انعام
۱۔ ڈاکٹر شائستہ اختر سہروردی بی اے آنرز پی ایچ ڈی	شملہ	۵، ۵، ۵، ۵، ۱۰	۳۰ روپیہ
۲۔ سرور جہاں صاحبہ رعنا بی اے مصنفہ شہزادی نیلوفر وغیرہ (ڈیرہ اسمٰعیل خاں پنجاب)		۵، ۵، ۱۰، ۵	۲۵ روپیہ
۳۔ جمیلہ بیگم صاحبہ مصنفہ "فیروزہ"	کلکتہ	۵، ۵، ۵، ۵	۲۰ روپیہ
۴۔ و۔ ا۔ بلقیس بیگم صاحبہ منشی کامل مصنفہ خانہ داری کے تجربے	آگرہ	۵، ۵، ۵	۱۵ روپیہ
۵۔ مسز سجاد حیدر صاحبہ مصنفہ "جانباز" وغیرہ	لکھنؤ	۵، ۱۰	۱۵ روپیہ
۶۔ مسز عبدالحمید صاحبہ	لکھنؤ	۱۰، ۵	۱۵ روپیہ
۷۔ زبیدہ زریں صاحبہ	ریاست گوالیار	۱۰، ۵	۱۵ روپیہ
۸۔ شہر بانو صاحبہ	مظفر پور بہار	۵، ۵	۱۰ روپیہ
۹۔ جہاں بانو بیگم صاحبہ نقوی ایم اے مصنفہ پرواز خیال	حیدر آباد دکن	۱۰	۱۰ روپیہ
۱۰۔ آمنہ نازلی صاحبہ ادیب فاضل مؤلفہ عصمتی دسترخوان وغیرہ	دہلی	۵، ۵	۱۰ روپیہ
۱۱۔ ام زہرہ صاحبہ ہاشمی	بدایوں	۱۰	۱۰ روپیہ
۱۲۔ نصرت نشاط صاحبہ بی اے	شملہ	۵، ۵	۱۰ روپیہ

۵-۵ روپیہ کا انعام حاصل کرنے والی بیبیاں

نام	مقام	نام	مقام
۱۳۔ گ۔ ن صاحبہ	کپورتھلہ	۱۴۔ بیگم حکیم محمد عزیز خاں صاحب	جاورہ
۱۵۔ سردار محمدی بیگم صاحبہ یونسی	بمبئی	۱۶۔ مسز [illegible] صاحبہ مؤلفہ "صنعت و حرفت"	جزیرہ مڈغاسکر
۱۷۔ ب۔ ن ابراہیم صاحبہ	مدراس	۱۸۔ مس کمد چیٹرجی	مراد آباد
۱۹۔ ساجدہ بیگم صاحبہ منشی فاضل	شاہجہانپور		

رازق الخیری

نند کا خط

از حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمتہ

بھابی جان - السلام علیکم

آج رقیہ کے ہاں جاکر ایسا دل خوش ہوا ہے کہ کہہ نہیں سکتی۔ گئی تو تھی کھڑے کھڑے مگر اُس نے سر ہو کر دو دن رکھا۔ خدا اُس کی عمر دراز کرے۔ بیٹی بنی تو ایسی بنی کہ سبحان اللہ۔ خدا دنیا جہان کو ایسی بیٹیاں دے۔ اور بہو بنی تو ماشاء اللہ سُسرال کا سارا کام دھندا سنبھال ساس سُسروں کو پلنگ پر بٹھا دیا۔ پھر یہ نہیں کہ ایک ہی طرف کی ہو گئی ہو۔ جو جس کا حق، اور جتنا جس کا کام ہے کیا مجال جو اُس میں فرق آجائے گھر کو دیکھو تو خود بخود بیٹھنے کو جی چاہتا ہے۔ جو چیز ہے قرینے سے بچھی ڈھنگ سے رکھی۔ میں دن بھر یہی سوچتی رہی کہ خیر پکانا ریندھنا تو اُس نے نانی کے ہاتھوں سیکھا۔ مگر یہ گھر کی صفائی سُتھرائی کہاں سے آئی۔ کمرہ ہے تو چھوٹا سا مگر ایسا کہ دیکھ کر بھوک بھاگے۔ تین دروازے تینوں پر چلمنیں دو کے آگے گملے۔ بیچ کا آنے جانے کیلئے خالی۔ گملوں کے پھول کیا بتاؤں تیتریاں کھلی معلوم ہو رہی تھیں۔ اندر جاکر دیکھو تو میز لگی ہوئی کرسیاں بچھی ہوئیں، میز پر میز پوش، فرش پر قالین۔ گاؤ تکیہ اُس میں اُگالدان اس میں۔ کاغذ وہاں، قلم دوات وہاں۔ منہ سے کہنے کی دیر تھی ہر چیز موجود۔

پھر ماما ئیں کیسی سدھی ہوئیں۔ کہ جو چیز جہاں سے اُٹھائی وہیں رکھنی۔ مجال ہے کہ اِدھر سے اُدھر ہو جائے۔ سچی بات ہے ہماری تو آج تک یہ ہمت ہوئی نہیں کہ اس جاڑے پالے اور مینہ جھاوٹ میں تین بجے رات سے اُٹھے ہوں۔ مگر وہ اللہ کی بندی اِدھر تین بجے اور اُدھر وہ کمرے سے باورچی خانے میں۔ گرم پانی، چار بسکٹ، انڈے مکھن دن نکلے سے پہلے سب تیار۔ میاں کے اُٹھنے سے پہلے بیچ کا کمرہ جھاڑو بہار و دے دلا کر چندن کر دیا۔ ضرورت کی چیزیں تیل کنگھا آئینہ بُرش تولیہ پانی غسل خانے میں پہنچا نماز کو کھڑی ہو گئی۔ میاں اُٹھ کر منہ ہاتھ دھونے لگے۔ وہ ساس کے سلام کو گئی۔ اپنے ہاتھ سے وضو کو پانی دیا، جا نماز بچھائی۔ گھڑی آدھ گھڑی نند کے پاس بیٹھی اور پھر باورچی خانے میں۔

بھابی جان خدا جہان کی لڑکیوں پر اس کا پرچھاواں ڈالے۔ محلے والے تک تعریف کرتے ہیں۔ میٹھی زبان سے بول لینا آدمی کو تا بعدار بنانے کا سب سے اچھا لٹکا ہے۔ کوار پنے میں تو ایسا مزاج تھا کئی دفعہ تم کو شکایت سُنی ہے اصغر کو تو دم بھر کو نہ بنتی تھی۔ اُوپر تلے کے بہن بھائی ہر وقت کی کٹم کٹا تھی۔ مگر اب تو یہ حال ہے کہ بات کرتی ہے۔ تو منہ سے پھول جھڑتے ہیں۔ خدا اُس کو خوش رکھے اور اُسے چاند سا بیٹا دے۔

(از لڑکیوں کی انشا) (حیدری)

شہر دوشکی جہاں ایران و افغانستان کی سرحد ملتی ہے ۔ مرسلہ بیگم عبدالستار خان

چشمہ شاہی سرحد
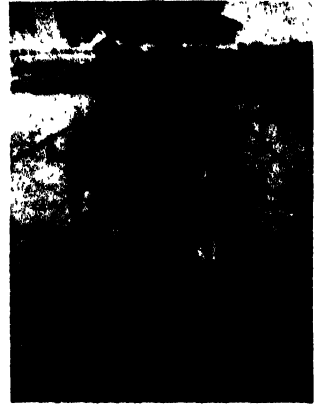
وادی زیارت ۔ مرسلہ بیگم عبدالستار خان

سیرگاہ ۔ از ڈاکٹر بشیر محمد

عصمت دہلی

زندگی کا راگ

زیبا کو میری دوستی پر ناز تھا اور مجھے اس کی محبت پر فخر۔ تعلیم نے ہم دونوں کو ایک کالج میں اکٹھا کر دیا تھا چند سال دونوں ساتھ رہیں۔ پھر ہماری زندگی نے دو مختلف راستے اختیار کر لئے۔ زیبا "بیگم جمیلی" بن گئی اور میں میڈیکل کالج میں داخل ہو گئی۔ ہم دو مختلف شاہراہوں پر چل رہی تھیں لیکن ہمارے خلوص و محبت میں کوئی فرق نہ آیا۔ وہ اکثر مجھے لکھا کرتی لیکن اس کے خط ہوتے جمیلی کے ذکر سے پُر "فریدہ کیا بتاؤں وہ کتنے اچھے ہیں۔ وہ دیوتا ہیں میں ان کی پُجارن"۔ "آج عید ہے" انہوں نے مجھے بہت قیمتی اور خوبصورت ساڑھی لا کر دی۔ جانتی ہو روپے کہاں سے لئے؟ اپنے جیب خرچ سے ہر ماہ کچھ بچا کر کہیں مجھ سے چھپا کر رکھتے رہے۔ آؤ گی تو دکھاؤں گی"۔ کبھی لکھتی "تم بھی شادی کر لو۔ لیکن جمیلی صاحب جیسا دولہا ہو۔ پھر دیکھنا زندگی کیا ہے۔ مجھ سے پوچھو تو زندگی ایک مسلسل قہقہہ ہے۔ دلچسپ کھیل ہے۔ میں ہر وقت ہنستی رہتی ہوں کھیلتی رہتی ہوں۔ جانتی ہو میرے کھیل کیا ہیں؟ ان کے آنے سے پہلے میز سجانا۔ دو ایک کھانے اپنے ہاتھ سے تیار کر کے رکھنا۔ تم کہو گی تو یہی کیا پاگل ہے۔ کرتی ہے بیروں باورچیوں کے کام اور کہتی ہے کھیلتی رہتی ہوں۔ لیکن فریدہ کا سچ جانو مجھے ان کھیلوں میں اس قدر لطف آتا ہے کہ کبھی ٹینس میں بھی نہیں آیا تھا اور اگر کھانا کھا کر خوش ہو جائیں تو میرا دل کھل کر پھول بن جاتا ہے۔ بی۔ اے میں اول آئی تھی لیکن وہ خوشی اس مسرت کا سواں حصہ بھی نہیں تھی"۔ میں ایسے جملے پڑھ کر ہنس دیتی اور لکھتی "کہیں دیوتا میں خود کو اس قدر نہ کھو دینا کہ ان کو ہی کھو دو"۔ اور وہ ناراض ہو کر لکھتی "بھلا تم کیوں اس قدر شک کرتی ہو۔ کیا مرد ایک بار زبان دے کر پھر سکتا ہے۔ اور جمیلی تو فرشتہ ہیں"۔ میرے دل سے یہی دعا نکلتی کہ خدا زیبا کو ہنستا اور کھیلتا ہی رکھے۔

دن گذرتے گئے۔ زیبا کے خطوط اب بھی جمیلی کے ذکر سے پُر ہوتے۔ لیکن ان میں پہلا سا جوش نہ تھا۔ ان پر کچھ افسردگی سی چھا گئی تھی۔ لیکن ایک بار پھر خطوں میں وہی زندگی اور جوش کا طوفان ہوتا۔ کیونکہ اب زیبا کو پرستش کے لئے ایک ننھی بھی مل گئی تھی۔ خطوں میں اب جمیلی کا ذکر کم ہوتا۔ اور ننھی کا زیادہ۔ میں اکثر حیران ہوتی کہ زیبا جیسی کتابوں کی کیڑا اور ٹینس کی شیدا لڑکی نے کس طرح اپنی ہستی کو جمیلی اور ننھی میں گم کر دیا ہے۔ اس کی دنیا اب ان دو ہستیوں تک کیونکر محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ لیکن مجھے ڈاکٹری کی موٹی موٹی کتابوں سے اس قدر فرصت ہی نہ ملتی کہ ان سوالوں کا جواب ڈھونڈوں۔

پانچ چھ ماہ کی خاموشی کے بعد زیبا نے ایک روکھا پھیکا مختصر خط لکھا کہ "مجھے تین مہینے تک ٹائیفائڈ رہا ہے۔

اگر ہو سکے تو کرسمس کی چھٹیاں میرے پاس گزارو"۔ اس نے دل میں سینکڑوں خیال پیدا کئے۔ آخر چھٹیاں ہوئیں اور میں زیبا کے پاس گئی۔ وہی زیبا جو کبھی ہر وقت کھیلتی رہتی تھی ہنستی رہتی تھی۔ اب ہر وقت بستر پر لیٹی رہتی اور خاموشی سے کچھ سوچتی رہتی دسمبر کی سرد راتیں ہم دونوں باتوں میں گزار دیتیں۔ لیکن اس کی باتوں میں مایوسی تھی۔ آنکھوں میں آنسو اور چہرہ پر افسردگی۔ وہ بولی۔ "فریدہ تمہارے خیال ٹھیک ثابت ہوئے۔ میں ان کی محبت میں اس قدر بے خود ہو گئی تھی کہ انہیں اس بے خودی میں کھو دیا۔ ہمیشہ کے لئے۔ مدتوں سے دیکھ رہی تھی کہ میرا دیوتا پہلے جیسا نہیں رہا۔ لیکن خاموش رہی جان بوجھ کر نہیں کچھ سمجھ میں ہی نہیں آتا تھا۔ وہ تین تین چار چار روز کے لئے کہیں چلے جاتے یہ کہہ کر کہ زیبا ضروری مقدمے کے سلسلے میں فلاں جگہ جا رہا ہوں' میں خاموش ہو جاتی۔ لیکن دل میں اُلجھن سی لگی رہتی۔ جب مجھے ٹائیفائڈ ہوا تو اتی مجھے اپنے ہاں لے گئیں میں پانچ ماہ بعد واپس آئی ہوں جمیلی ایک دفعہ وہاں گئے۔ ایک دن کوٹ اُٹھاتے میں ایک کاغذ گر گیا۔ انہیں خبر نہ ہوئی میں نے اُٹھا لیا۔ دیکھا تو مس جیمس کا خط تھا ان کے نام"۔

"کون مس جیمس۔ وہی جو ننھی کی پیدائش پر آئی تھی"؟ زیبا نے سر ہلایا۔

جب میں ننھی کو دیکھنے زیبا کے ہاں آئی تھی تو مس جیمس بھی اکثر آیا کرتی تھی اور پہروں بیٹھی باتیں کیا کرتی۔ ننھی کے لئے کھلونے اور زیبا کے لئے چاکلیٹ وغیرہ لایا کرتی تھی۔ زیبا مس جیمس کی بہت مداح تھی اور مس جیمس اس کی۔ لیکن معلوم نہیں کیوں مجھے مس جیمس کی باتوں میں بناوٹ نظر آتی تھیں۔ میں محسوس کرتی کہ اسے زیبا سے کچھ نفرت سی ہے جسے وہ چھپانے کی کوشش کرتی ہے اور اکثر کامیاب رہتی ہے۔ لیکن کبھی کبھی اظہار بھی ہو جاتا ہے۔

"زیبا! تو جمیلی صاحب کو پتا چل گیا کہ تم نے خط پڑھ لیا ہے؟"

زیبا بولی "میں نے خط پڑھا تو نہیں۔ خط دیکھتے ہی ان کے تغیر کی وجہ سمجھ میں آ گئی اور مس جیمس کے ملنے جلنے کی بھی۔ معلوم نہیں کتنی دیر اسی طرح ہاتھ ہی میں کاغذ پکڑے بیٹھی رہی کہ وہ آ گئے۔ میں نہیں کہہ سکتی اُنہوں نے کیا سوچا اور کیوں لیکن اُنہوں نے اعتراف کر لیا۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ شادی کر لیں۔ وہ بولے" لیکن تمہاری موجودگی میں وہ مجھ سے شادی کرنا نہیں چاہتی"۔ "یہ کہہ کر اُنہوں نے مجھ پر رحم کیا اور اُٹھ کر چلے گئے۔ لیکن میں ان کا مطلب سمجھ گئی۔ وہ چاہتے ہیں میں ان سے علیحدہ ہو جاؤں قانونی طور پر۔ وہ شائد نہیں جانتے اس کا اثر میری ننھی کے مستقبل پر کیا ہوگا۔ ہائے سوچو فریدہ۔ لوگ اس کی طرف انگلیاں اٹھائیں گے۔ سرگوشیاں کریں گے قسم قسم کی باتیں اس کی ماں کے متعلق سوچیں گے اور کہیں گے۔ وہ سنے گی کُڑھے گی اگر طلاق کی بیٹی کو کوئی بُرا بھلا جمیلی مل گیا تو اس کی زندگی اور بھی تاریک ہو جائے گی۔ میری زندگی تو ختم ہو چکی

لیکن ننھی کو ابھی زندہ رہنا ہے اس دنیا میں۔ کاش وہ سوچیں کہ اس معصوم جان کو کس قصور کے بدلے اس قدر سخت سزا دے رہے ہیں۔ مس جمیس اپنی بات پر اڑی ہوئی ہے۔ میں نہ ان کے ساتھ رہ سکتی ہوں نہ چھوڑ سکتی ہوں"۔

"زیبا! میں نہیں سمجھ سکتی کہ تم حالات کو جانتے ہوئے یہاں کیوں آ گئی ہو اور پھر تمہاری صحت اس قدر گر رہی ہے"۔

"فریدہ! تم چاہتی ہو کہ میں اُمی کے ہاں رہوں۔ یہ بھی تو نہیں ہو سکتا۔ لوگ سوچیں گے ہم دونوں میں اَن بَن ہو گئی ہے۔ اور پھر اس حالت میں مس جمیس شادی کرنے سے رہی۔ کاش وہ ننھی کی پیدائش پر میری دیکھ بھال اس قدر اچھی طرح نہ کرتی۔ وہ دیوتاؤں کی ایک پجارن۔ دونوں اس سے قربانی مانگ رہے ہیں"۔

شام ہو رہی تھی۔ وہ کھڑکی سے باہر شفق کو دیکھ رہی تھی "کئی مہینوں سے میری زندگی مسلسل آنسوؤں کا تار بن گئی ہے۔ وہی زندگی جو کبھی مسلسل قہقہہ تھی۔ لیکن جس طرح وہ قہقہے وہ مسکراہٹیں ختم ہو گئیں اسی طرح آنسوؤں کا تار بھی ٹوٹ جائے گا۔ تم صحت کی خرابی کو کہتی ہو۔ میری دعا ہر وقت یہی ہے کہ کمزوری بڑھتی جائے یہاں تک کہ میری اداس زندگی کے خاموش رنگ فضا میں بکھر جائیں۔ اور میں محسوس کرتی ہوں کہ میری دعا قبول ہو رہی ہے۔ شفق کے اُس پار کی دنیا روز مجھے اپنی طرف بلاتی ہے۔ میں بڑے بڑے قدموں کے ساتھ اس رنگین دنیا کی طرف بڑھ رہی ہوں۔ روزانہ سورج کے غروب ہونے کے ساتھ ساتھ ہم دونوں میں فاصلہ کم ہوتا جاتا ہے۔ مجھے ایک فکر تھا کہ ننھی کو کون رکھے گا یہ مشکل بھی حل ہو گئی ہے۔ جمیل نے وعدہ کیا ہے کہ ننھی کو تمہارے ہاں بھجوا دیں گے۔ اس طرح تمہیں بھی ایک ننھی دل بہلانے کو مل جائے گی" اور وہ مسکرا پڑی۔ یہ مسکراہٹ اطمینان اور امید کی تصویر تھی۔

اس واقعہ کو کئی سال ہو گئے اب مس جمیس مسز جمیل ہے۔ ننھی مجھے کبھی ہنساتی اور کبھی رُلاتی ہے۔ زیبا شفق کے اُس پار اپنی کلی کو بڑھتے ہوئے دیکھ رہی ہے۔

سکینہ بیگم (بی اے آنرز)

اے خواہرانِ ملت

اے خواہرانِ ملت! خوابِ گراں سے چونکو
اے رہروانِ ملت خوابِ گراں سے چونکو
اے عزوشانِ ملت، خوابِ گراں سے چونکو
سوتی ہی رہ نہ جانا اے خواہران ملت!

ایسا نہ ہو کہیں یہ رہ جائے نامکمل
چھیڑا ہوا فسانہ اے خواہرانِ ملت

قوموں کی ملتوں کی آراستہ ہے محفل
وہ سامنے ہمارے ہے اب تو شمع منزل
ہمت کرو تو ہوگی آسان راہِ مشکل
گھبرا کے رہ نہ جانا اے خواہرانِ ملت

پھیلے ہوئے ہیں دلکش یہ سبزہ زار جیسے
ہیں سربلندِ عالم یہ کوہسار جیسے
بڑھتا ہے آسماں پر ابرِ بہار جیسے
یوں ہی قدم بڑھانا اے خواہرانِ ملت

مانا کہ رہگذر میں ہیں خار زار بے حد
مانا کہ ہر طرف ہے گرد و غبار بے حد
ہے خوف اور خطر بھی اور انتشار بے حد
جرات مگر دکھانا اے خواہرانِ ملت

حُبِ وطن سے بے خود ہو کر وہ گیت گاؤ
جاگ اٹھے روح جس سے وہ ساز پھر بجاؤ
دل مضطرب ہو جس سے وہ راگ پھر سناؤ
چھیڑو کوئی ترانا اے خواہرانِ ملت

ہے بادباں صحیح تو ساحل کا غم نہیں ہے
ہمت ہو گر تو بُعدِ منزل کا غم نہیں ہے
گر عزم ہے مکمل، مشکل کا غم نہیں ہے
آگے قدم بڑھانا اے خواہرانِ ملت

دُنیا تمہیں نوید انجام دے رہی ہے
جوشش و عمل کا تم کو پیغام دے رہی ہے
آزادیوں کا شیریں اک جام دے رہی ہے
اس کو نہ تم گنوانا اے خواہرانِ ملت

آزادیوں کا مقصد اب تو تمہیں کرو حل
انجام پائے جس سے تو ہاں یہ کوششِ مسلسل

آنسہ حیا میرٹھی

غلط محبت

ہر انسان کو فطرت کی جانب سے چند جذبے ودیعت کئے گئے ہیں، جیسے غم و غصہ، خوشی، محبت، شرم، خوف وغیرہ، اور ہر انسان اپنے ماحول اور کیفیت کے لحاظ سے ان سے متاثر ہوتا ہے، اگر کوئی ان جذبات سے بالکل متاثر نہ ہو تو اس کو "انسان مافوق" کہا جا سکتا ہے، اس طرح وہ آدمی بھی تعریف کا مستحق نہیں ہو سکتا جو ان میں بہت مبالغہ سے کام لیتا ہو، اور ذرا ذرا سے جذبات سے بہت زیادہ اثر لیتا ہو، کوئی آدمی کسی ایسے شخص کی تعریف نہیں کر سکتا جس کو بات بات پر غصہ آجاتا ہو، لیکن وہ آدمی بھی کسی طرح لائق تحسین نہیں جس کو بالکل غصہ ہی نہ آتا ہو، یہی صورت دوسرے تمام جذبات کی ہے۔ یہ کہنا کہ کس قسم کے آدمی جذبات سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں، بہت مشکل ہے، جسمانی طاقت، ماحولی کیفیات اور تربیت جن سے عادات و اطوار بنتی ہیں مختلف افراد پر مختلف جذبات کا یکساں اثر نہیں ڈالتیں، لیکن ایک عام چیز یہ کہی جا سکتی ہے کہ عموماً تعلیم یافتہ سمجھ دار اور ذہین آدمی جذبات سے کم متاثر ہوتے ہیں، اور اس کے برعکس جو لوگ ہوتے ہیں وہ جذبات کا بہت جلد اور گہرا اثر قبول کرتے ہیں، محض جذباتی آدمی دُنیا میں کامیاب نہیں ہو سکتا، انسان کو جذبات کا شکار نہیں ہونا چاہئے، بلکہ اس کو جذبات پر قابو حاصل کرنا سیکھنا چاہئے، اور یہی اس کی کامیابی کی ضمانت ہے۔

ہندوستان میں جہاں کسی چیز میں اصول اور انضباط نہیں ہے وہاں جذبات میں بھی اعتدال نہیں، میں اس وقت تمام جذبات سے بحث نہیں کرنا چاہتا، اور اپنی بحث کو صرف ایک جذبہ تک محدود رکھنا چاہتا ہوں، اور وہ ہندوستانیوں کی غلط محبت ہے، اس کی مثالیں زن و شوہر، والدین، اولاد، عزیز و اقارب اور دوست احباب سب میں نظر آتی ہیں، اس غلط محبت کی وجہ سے گھر بگڑ جاتے ہیں، زندگیاں خراب ہو جاتی ہیں، مستقبل تباہ ہو جاتا ہے، آپس میں اتحاد و اتفاق کے بجائے نفاق ہو جاتا ہے، مگر کوئی ان باتوں پر غور نہیں کرتا بلکہ اس غلط محبت پر ناز کیا جاتا ہے اور اس کی داستانیں فخریہ بیان کی جاتی ہیں۔ اپنی روزمرہ کی زندگی میں ہر شخص کو اس قسم کے واقعات سے دوچار ہونا پڑتا ہے، مگر یا تو وہ اس وجہ سے کہ خود مشاہدہ کرنے والے کی تربیت بھی اس قسم کے ماحول میں ہوتی ہے وہ ان سے متاثر نہیں ہوتا، یا اگر متاثر ہوتا ہے تو اثرات بہت ہی عارضی ہوتے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ان کی اصلاح کی جانب کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا، اور جب وقت آتا ہے تو وہ بھی دوسرے معمولی سنگ ریزوں کی طرح پانی کی تیز رَو کے ساتھ بہ جاتا ہے۔

اب میں آپ کے سامنے مختلف قسم کی مثالیں پیش کرتا ہوں، سب سے پہلے میاں بیوی کی محبت کو لیجئے یہ یقینی بات ہے کہ ازدواجی زندگی میں جب تک محبت نہ ہو اس وقت تک وہ قابل رشک نہیں بن سکتی، اور

حقیقی زندگی اور اس کی مسرتوں کا لطف حاصل نہیں ہو سکتا۔ مگر اس کے یہ معنی ہیں کہ شوہر تعلیم کے لئے باہر جانا چاہتا ہے مگر بیوی محض اپنی خالص محبت کی خاطر اس کو باہر جانے سے روک دیتی ہیں۔ مسٹر الف ایک خاص فن کی تعلیم پائے ہوئے تھے' ان کی شادی ہو چکی تھی اور یہ اپنے وطن میں ایک معمولی خدمت پر مامور تھے' ایک دن اتفاق سے اخبار میں ایک اشتہار نظر سے گذرا جس میں ان ہی جیسے ایک آدمی کی ضرورت تھی' تنخواہ معقول تھی اور آئندہ ترقی کے امکانات تھے' انہوں نے درخواست دی' انتخاب کے لئے بلایا گیا' اور منتخب بھی ہو گئے' اب یہ گھر واپس آئے کہ بعد تیاری اپنی نئی خدمت پر جائیں' مگر یہاں ایک اور ہی شگوفہ کھلا' بیوی نے رو رو کر آنکھیں سوجالیں' تین روز تک کھانا نہیں کھایا' محض یہ خیال تھا کہ یہ نیا مقام وطن سے ایک ہزار میل کے فاصلہ پر ہے' اور اگرچہ دونوں شہروں کے درمیان ریل ہے' مگر ۲۴ گھنٹہ کا سفر ہے' اور وطن' عزیز و اقارب دوست احباب سب کو چھوڑ کر ایک نئی جگہ جا کر سکونت اختیار کرنا کچھ اچھا نہیں لگتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چوتھے روز تار دے دیا کہ میں اس خدمت کو قبول کرنے سے معذور ہوں۔ آج اس مختصر سے واقعہ کو ۲۰ سال ہو گئے' وہ اب بھی اسی جگہ پر ہیں اب بھی وہی تنخواہ ہے البتہ چار بچوں کا اضافہ اور ہو گیا ہے۔

بالکل اسی قسم کی مثالیں اولاد کی محبت میں بھی نظر آتی ہیں۔ اکثر والدین اپنے بچوں کو وطن سے باہر ملازمت نہیں کرنے دیتے' اکثر ایسے نوجوانوں سے واقف ہوں جن کو اس موجودہ جنگ میں ایسی خدمات مل رہی تھیں جن میں تنخواہ بہت معقول تھی اور جانی خطرات بھی بہت کم تھے مگر ان کے والدین ان کو وہاں بھیجنے پر تیار نہیں ہوئے۔ بعض والدین اپنی لڑکیوں کی شادی وطن سے باہر اس لئے نہیں کرتے کہ اس طرح ان کی لڑکی نظر سے دور ہو جائے گی۔ اور محض پاس کی خاطر بسا اوقات معمولی لکھے پڑھے اور معمولی آمدنی رکھنے والوں کو ترجیح دی جاتی ہے' بہر حال ایسے والدین زیادہ قابل ملامت نہیں ہیں کیونکہ انہوں نے ایک اصول بنا لیا اور وہ اس پر کاربند ہیں' مگر ایسے لوگوں کے متعلق کیا کہا جائے گا جو شادی کر دینے کے بعد اگر اتفاق سے داماد باہر جانے لگے تو اپنی بیٹی کو باہر جانے کی اجازت نہیں دیتے' لڑکی خود ہی کیوں نہ تیار ہو' دوسرے تمام لوگ سمجھا رہے ہوں' معاملات کتنے ہی نازک کیوں نہ ہو جائیں' داماد باہر جا کر دوسری شادی ہی کیوں نہ کرے' لڑکی اور اگر اس کی اولاد ہے تو ان سب کی زندگی ہی کیوں نہ تباہ ہو جائے سب کچھ منظور' مگر لڑکی کو اپنی نظر سے دور رکھنا منظور نہیں۔ اس قسم کے واقعات اسوقت پیش آتے ہیں جب والدین کو یہ خیال ہوتا ہے کہ ان کی لڑکی سسرال میں خوش نہیں ہے۔ اگرچہ لڑکی یقین دلاتی ہے کہ وہ وہاں اور بالخصوص اپنے شوہر سے بہت خوش ہے' مگر اس کی ماں' دادی نانی وغیرہ۔ (زیادہ تر اس میں گھر کی بڑی بوڑھی عورتیں زیادہ حصہ لیتی ہیں)۔ اس کو باور کراتی ہے کہ وہ جو کچھ کہہ رہی ہے لڑکی کے فائدہ کے لئے ہے' اور حقیقتاً وہ اپنی اولاد کی محبت

ہی میں ایسا کرتی ہے، مگر یہ غلط محبت ہے، اور اس محبت کے پردے میں وہ اپنی لڑکی کے ساتھ دشمنی کر رہی ہے۔ اس طرح کے سمجھانے بجھانے سے آپس میں نا اتفاقی اور نفاق کی خلیج پیدا ہوتی جاتی ہے اور ایک دن والدین اپنی لاڈلی اور چہیتی بیٹی کو گھر پر روک لیتے ہیں۔ البتہ آٹھ دن، یا چند مہینے یا سال تو بہر حال گذر ہی جاتے ہیں، مگر اس قسم کی عورتوں کی عمر کا آخری حصہ جس مصیبت اور تکلیف سے گذرتا ہے وہ ان ہی کے دل سے پوچھا جاسکتا ہے۔ اس قسم کی عبرت انگیز داستانیں بہت سی بیٹیاں آپ کو سنائیں گی، اور جس طرح بھاوجیں، اور ان کی وجہ سے بھائی بہنوئی اور ان کی وجہ سے بہنیں ان کے ساتھ سلوک کرتے ہیں شاید ویسا کیا اس کا عشر عشیر بھی ان کی سسرال میں نہیں ہوسکتا تھا۔ خودکشی کرلینا، گھر سے بھاگ جانا، کسی کے یہاں ماماگیری کی خدمت کرلینا یہ کام غالباً قدرت نے اسی قسم کی چہیتی اور لاڈلی بیٹیوں کے لئے مخصوص کر دئے ہیں۔

اولاد کی تربیت میں بھی اسی قسم کے غلط جذبے سے کام لیا جاتا ہے، بچپن میں ان کی تمام جا و بیجا ضدیں پوری کی جاتی ہیں ان کی ہر بات پر آمنّا و صدقنا کہا جاتا ہے، یہ کوئی نہیں دیکھتا کہ یہی چیزیں آگے چل کر ان کے اور خود خاندان کے لئے مضر اور خطرناک ثابت ہوں گی۔ میں ایک لڑکے کو جانتا ہوں جو بچپن میں تُتلاتا تھا، ان کی والدہ محترمہ نے اس کو گالیاں سکھائیں، ابتدا میں جب چھوٹا بچہ تُتلا تُتلا کر خادماؤں خدمت گاروں یا چھوٹے بھائی بہنوں کو غلط سلط گالیاں دیتا تھا تو ماں کا دل باغ باغ ہو جاتا تھا، اور ہنسی کے مارے ان کے پیٹ میں بل پڑ جاتے تھے۔ یہی بچہ ۲ سال بعد ان ہی سکھائی ہوئی گالیوں کو اپنی ماں کی خدمت میں پیش کرنے لگا، اب وہ اپنے علم میں ماہر ہو چکا تھا، ماں روتی ہیں مگر کیا ہوتا یہ ان ہی کے بھینکے ہوئے کانٹے تھے جو ان کی راہ میں حائل ہو رہے ہیں مسٹر ب کے کئی اولادیں تھیں مگر وہ اپنی ایک بیٹی سے بہت محبت کرتے تھے، اتفاق سے ایک مرتبہ اسی بیٹی کا گلا دکھنے آگیا۔ بات معمولی تھی، بیٹی نے اس تکلیف کے دوران میں آچار کھانے کی خواہش کی، باپ نے نرمی سے سمجھایا مگر بیٹی نے ضد کی تو مسٹر ب خاموش ہو گئے، ماں اور دوسرے رشتہ داروں نے بیٹی کی اس طرح حمایت کی "کہ لو بھلا ذرا سے اچار سے کیا ہوتا ہے وہ تو جو کچھ خدا کا کرنا ہے وہی ہوگا، دو وقت سے روٹی نہیں کھائی اس بہانہ سے پیٹ میں چند لقمے تو پڑ جائیں گے"، اب کیا تھا بیٹی کو اچھی خاصی شے مل گئی، اور اس نے آچار کی دو پوری کیریاں کھالیں، اس وقت تو بات آئی گئی ہو گئی مگر دوسرے روز سے جو تکلیف شروع ہوئی تو الامان والحفیظ خدا خدا کر کے تین مہینہ میں اس درد سے نجات ملی اور چار مرتبہ اپریشن کرانا پڑا۔ اب ویسے تو کوئی بات نہیں مگر جاڑوں میں تکلیف بہت بڑھ جاتی ہے اور بغیر اپریشن کے افاقہ نہیں ہوتا۔

اب عزیز و اقارب کی محبت کو لیجئے، اس میں سب سے زیادہ بچوں کی زندگی تباہ ہوتی ہے۔ دادی، نانی، پھوپھی، خالہ یا کوئی اور بزرگ گھر کے کسی بچہ سے محبت فرمانے لگتیں ہیں، اب کسی کی حق کہ خود ماں باپ تک

یہ مجال نہیں کہ اس کو آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکیں - ایسے تربیت یافتہ بچوں کی زندگیاں ہمیشہ تباہ رہتی ہیں ۔ اگر لڑکا ہے تو خیر اتنی زیادہ مصیبت نہیں آتی لیکن جن لڑکیوں کی پرورش ایسے ماحول میں ہوتی ہے وہ واقعی قابلِ رحم ہوتی ہیں، مگر اس میں ان میں ان کا کوئی قصور نہیں بلکہ اصل الزام تربیت کرنے والوں پر آتا ہے جنہوں نے غلط محبت کے تحت غلط تربیت کر کے ان کی زندگیوں کو خراب کیا۔ عام طور پر رواج ہے کہ جب بیٹی کا انتقال ہو جاتا ہے تو متوفیہ کی اولاد کی پرورش ننھیال والے اپنے ذمے لے لیتے ہیں تاکہ داماد نے دوسری شادی کر لی تو سوتیلی ما اولاد کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کریگی اور اس کے مقابلہ میں ننھیال والے بچوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت اچھی طرح کر سکیں گے - خیال کچھ برا نہیں ہے، مگر یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس طرح جن بچوں کی پرورش ہوتی ہے ان میں سے ننانوے فی صدی بچے خراب ہو جاتے ہیں - میں مسٹر س کو جانتا ہوں جن کی پرورش ان کی ماں کے انتقال کے بعد نانی نے کی اس زمانہ میں ان کی ننھیال کی حالت اچھی تھی - ابتدا میں نانا، نانی، خالہ، ماموں غرض سب ہی نے لاڈ پیار کیا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ حضرت دن بدن بگڑتے گئے، پڑھنے میں دل نہ لگتا تھا، استاد اگر کبھی سرزنش کرتے تو گھر کا کوئی بزرگ جا کر ان کی سرزنش کر دیتا، پھر بھلا استادوں کو کیا غرض تھی کہ وہ اپنا سر کھپاتے، بہرحال دن گذرتے گئے، نانی کے انتقال ہو گیا، اب نانا کی توجہ بھی کم ہو گئی ماموں اور خالاؤں کی شادیاں ہو گئیں، اور ان کے بھی بچے ہونے لگے، اب سب کی توجہ ان کی طرف سے کم ہونے لگی، ادھر ان کی اخلاقی حالت گر رہی تھی ادھر گھر کی مالی حالت بھی خراب ہو رہی تھی چنانچہ ایک دن وہ آیا کہ ان کو اپنی عزیز ترین ننھیال کو خیرباد کہنا پڑا۔ باپ کو پہلے ہی دشمن اور بدخواہ بنا دیا تھا لہٰذا اس کو بیٹے کی صورت ہی سے نفرت رہی۔ آج کل مسٹر س ایک کفش دوز کی دوکان پر بیٹھے جوتے سیا کرتے ہیں، اور روزانہ چار چھ آنے اُجرت مل جاتی ہے۔

بعض اوقات عزیز و اقارب اور دوست احباب اپنے عزیزوں یا دوستوں کو خراب عادتیں ڈال دیتے ہیں، مثلاً ایک ماموں نے اپنی عزیز ترین بھانجی کو ابتدا میں زردہ اور بعد میں قوام کھانا سکھایا - اور نوبت یہاں تک پہونچ گئی کہ قوام کی ایک چھوٹی شیشی روز خرچ ہونے لگی، وہ تو اتفاق سے شادی کے بعد ان کو ایسے مقام پر جانا پڑا جہاں قوام نہ ملتا تھا اس لئے یہ لت رفتہ رفتہ کم ہوئی - ایک چچا نے اپنی ایک بھتیجی کو بیڑی اور حقہ پلانے کی عادت ڈال دی، اور لڑکی گھر میں اور بزرگوں کی چوری سے ان دونوں چیزوں کی خوب عادی ہو گئی، ہندوستان میں اب تک عورتوں کے لئے ان چیزوں کو اچھا نہیں سمجھا جاتا، اور جو عورتیں اور بالخصوص نوجوان لڑکیاں ایسا کرتی ہیں سوسائٹی ان کو بُری نظر سے دیکھتی ہے، مگر وہ حضرت اپنی غلط محبت کے تحت اپنی بھتیجی سے برابر محبت نما دشمنی کرتے رہے، وہ تو اتفاق سے اس لڑکی کو شوہر ایسا ملا جو ان چیزوں کا عادی نہ تھا اور اس نے سمجھا بجھا کر اس عادت کو چھڑوایا۔ بعض لوگ جو خود خراب عادتوں میں مبتلا ہوتے ہیں یہ شوق ہوتا ہے کہ وہ

اپنے دوستوں کو بھی ان چیزوں کی عادت ڈال دیں۔ مسٹر ج سینما بالکل نہیں دیکھتے تھے، ان کے ایک دوست نے جو اس کے بری طرح عادی تھے ان کو بدذوق بے حس اور نہ معلوم کیا کیا بنایا، سینما کے فوائد پر لیکچر دیتے، اپنے اخراجات سے متعدد مرتبہ ان کو کھیل دکھائے، اور ان ہی سب باتوں کا نتیجہ ہے کہ آج شہر میں کوئی ایسا تصویر گھر نہیں جہاں وہ نہ گئے ہوں اور شاید ہی کوئی ایسا کھیل ہوگا جو انہوں نے صرف ایک مرتبہ دیکھا ہو۔

اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو اس قسم کی محبت کے لئے لفظ "محبت" کا استعمال ہی صحیح نہیں، یہ محبت نہیں بلکہ عداوت ہے، یہ دوستی کے پردے میں دشمنی ہے، بلکہ اس قسم کی محبت نما دشمنی اصل دشمنی سے زیادہ خطرناک ہے یہ دراصل ایک قسم کا مخفی استحصال ہے، جو بین استحصال سے زیادہ مضر اور نقصان سے زیادہ مضر اور نقصان وہ ہے وہ شخص کس طرح سچی محبت کا دعویٰ کرسکتا ہے جو اپنے محبت کرنے والے کو گمراہ کرے، سچی دوستی اور حقیقی محبت میں عیوب گنائے جاتے ہیں، برائیوں پر ٹوکا جاتا ہے، کمزوریوں پر نکتہ چینی کی جاتی ہے، نقائص پر تنقید ہوتی ہے، اور ان ہی پر محبت کی اس شاندار اور محکم عمارت کی بنیاد کھڑی ہوئی ہے جس کو زلزلے طوفان، آندھیاں اور سیلاب ذرہ برابر نقصان نہیں پہونچا سکتے۔ یہ بات دوسری ہے کہ ٹوکنے، نکتہ چینی اور تنقید کرنے میں فرق ہے، ایک آدمی ان کو بھلمنساہت اور انسانیت سے سمجھاتا ہے اور دوسرا لٹھ کی طرح مار دیتا ہے، مگر یہ خیال رکھنا چاہئے کہ اصلاح ہمیشہ نرمی اور ملائمت سے زیادہ اثر انداز ہوتی ہے، سختی اور گرمی بجائے اصلاح کی طرف راغب کرنے کے اس سے اور زیادہ متنفر کر دیتی ہے، اور ایک قسم کی ضد پیدا ہو جاتی ہے، ضد میں آدمی اپنے نفع و نقصان کو نہیں سوچتا، اور محض آن اور ضد میں وہ نقصان قبول کر لیتا ہے۔

بہرحال غلط محبت نے ہندوستان کے لاکھوں گھروں کی حقیقی مسرتوں کا خاتمہ کر دیا ہے، ہزاروں زندگیوں کو تباہ کر دیا ہے، سینکڑوں کا مستقبل خاک میں ملا دیا ہے، اور اس کی اصلاح کی سخت ضرورت ہے اصلاح کے دو طریقے ہیں، سب سے پہلے تو ہمیں خود غلط محبت نہیں کرنا چاہئے، دوسرے جہاں اس کی مثال دیکھیں وہاں اصلاح کی کوشش کرنا چاہئے اور اگر اصلاح ہمارے بس میں نہ ہو تو کم از کم اس کی ہمت ہمت افزائی تو ہرگز نہ کی جائے ورنہ پھر ہم بھی اس زمرہ میں شامل ہو جاتے ہیں۔

محمد احمد سبزواری ایم اے (عثمانیہ)

زندگی

زندگی صرف جینے اور سانس لینے کا نام نہیں ہے۔ بلکہ وہ ہے۔ جو ہماری حیات کو تازگی اور امنگوں سے معمور کردے اور انسان اپنی زندگی و "روح" کو محسوس کرنے لگے۔ وہی زندگی حقیقی معنوں میں زندگی کہلائی جاسکتی ہے جس میں انسان اپنی انسانیت کے پورے لوازم ادا کرے۔ ورنہ اس میں اور دوسرے حیوانات میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ انسان ایک ایسا جاندار ہے جس میں سوچنے کی قابلیت اور ترقی کی صلاحیت سب سے زیادہ پائی جاتی ہے۔ کھانے پینے اور افزائشِ نسل میں سب جاندار یکساں ہیں۔ لیکن بہادری مثلاً شیر میں تربیت پذیری مثلاً ہاتھی میں محنت اور مال اندیشی مثلاً چیونٹی اور شہد کی مکھی میں ہوشیاری اور چوکسی مثلاً کوّے میں اور دیگر خصوصیتیں دیگر حیوانوں میں بمقابل اوروں کے زیادہ پائی جاتی ہیں اس لئے زندگی اُسی انسان کی مکمل اور صحیح سمجھی جائے گی۔ جو ہر اچھی بات کو کرے۔ اور ہر بُری بات سے بچے۔ فرض شناسی، واجبات کی ادائی سے انسان کا دل زندہ رہتا ہے۔ حقوق سے استفادہ، آسائشوں سے تمتع ہر شخص اُٹھا سکتا ہے۔ اس میں نہ بہادری کی ضرورت ہے، اور نہ اُسے کوئی کارنامہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ فرائض اور واجبات کی انجام دہی کو ہر چیز سے مقدم رکھنا جہاں کمالِ انسانیت ہے وہیں اس کے لئے بڑی ہمت، اولوالعزمی صبر اور دیگر اعلیٰ ترین فضائل انسانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے برعکس مایوسی، پست ہمتی، کوتہ نظری، تنگ خیالی۔ نفس پرستی انسان کی زندگی کو بے حس کردیتی ہے اور زندگی "زندگی" کے لوازمہ سے خالی ہوجاتی ہے۔

مذہب اسلام میں خاص طور پر اس امر کو ملحوظ رکھا گیا ہے، مگر یہ حقیقت ہماری کم فہمیوں کی وجہ سے ہماری نظروں سے پوشیدہ ہے۔ مختلف مذاہب میں مختلف خوبیوں پر غیر معمولی زور دیا گیا ہے۔ بعض مذاہب دنیا ہر عیش و راحت سے کنارہ کشی کو نجات کا واحد ذریعہ سمجھتے ہیں۔ بعض مذاہب نفس کشی اور عفو کو کمال انسانیت سمجھ کر حکم دیتے ہیں کہ کوئی ایک گال پر طمانچہ لگائے تو دوسرا بھی پیش کردو۔ کوٹ چھینے تو قمیص بھی اتار کر پیش کردو۔ اور دوست ہی نہیں بلکہ دشمن سے بھی "محبت" کرو۔ ظاہر ہے کہ اس اعلیٰ تخیل پر چند ہی انسان عمل کرسکتے ہیں۔ اور کروڑوں اربوں اوسط درجہ کے آدمی اس کے عشر عشیر پر بھی پوری طرح عمل نہیں کرسکتے بقول "خیر الامور اوسطہا" اسلام نے ہر انتہا پسندی سے روکا ہے۔ اسلام نے نہ تو رہبانیت و ترکِ دنیا کو جائز رکھا ہے اور نہ ہر چیز کو بھلا کر خودی اور محویت الذات کو روا رکھا ہے۔ اسلامی تعلیم یہ ہے کہ فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ (دنیا میں بھی خوبی کے ساتھ اور آخرت میں بھی خوبی کے ساتھ رہیں)۔ دوسرے الفاظ میں دنیا کی ہر چیز انسان کے لئے ہے مگر انسان اُن چیزوں کے لئے نہیں بلکہ خدا کے لئے ہے! اسلام کا حکم ہے

کہ خدا کی ہر پیدا کی ہوئی چیز سے فائدہ اُٹھاؤ اور اپنے فرائض کو انجام دو۔ اس کے معنٰے یہی ہیں کہ ہم جاہ و حشم اور عیش و آرام کی زندگی بسر تو کریں مگر اس سے ہم یہ خیال نہ کرنے لگیں کہ ہمارے فرائض ہی نہیں ہیں سوائے آرام طلبی کے۔ اور اس کے خوگر ہو کر مستعدی، جرأت، اولوالعزمی کو کھو نہ بیٹھیں اور ہماری روح ماند نہ ہونے پائے۔

اسلام کی اعلیٰ و پاکیزہ تعلیم تمام تر اسی اصول پر ہے کہ ہر مسلم ایک بلند پایہ انسان بنا رہے اور اُس میں زندگی کی حقیقی روح پیدا ہو جائے۔

قرونِ اولیٰ میں جبکہ مسلمان کامل مسلمان تھے۔ اُن کے جوش، ان کی بلند ہمتی، اولوالعزمی کا اندازہ اسلام کے بے پایاں کامیابی اور عظیم الشان فتوحات سے ہو سکتا ہے۔ رسولِ عربی نے ہجرت کے بعد دس سال کی کوشش میں شہر مدینہ کی چند گلیوں پر مشتمل اپنی حکومت کو روزانہ دو سو چوہتر مربع میل کے حساب سے وسیع فرمایا اور آپ کی وفات کے پندرہ ہی سال میں اسلامی مملکت تینوں معلوم براعظموں (ایشیا، یورپ، افریقہ) پر پھیل گئی فتوحات کی یہ تیزی جہاں تاریخ عالم میں بے مثل ہے وہیں اُن فتوحات کی گہرائی، مرحمت انگیزی اور دور رس اثرات بھی لاثانی ہیں۔ لیکن افسوس آج کل ہم دیکھتے ہیں۔ یہی مستعدی اور بلند خیالی جو حیاتِ انسانی کا لوازمہ ہے ہم مسلمانوں میں مفقود ہے۔ کیا مرد کیا عورتیں، کیا بچے کیا بوڑھے سب پر عجب بے حسی چھائی ہوئی ہے۔ یہ پستی، مردہ دلی۔ تنگ نظری ہمارے زوال کا باعث بنی ہوئی ہے۔ اسلامی تعلیم ہم بھلا چکے ہیں، اور اقوام کے لوگوں میں چاہے دیگر برائیاں ہوں لیکن ہم سے زیادہ پاکیزگی مستعدی اور خود اعتمادی عیاں ہوتی ہے۔ اسی طرح اُن کی عورتیں بھی علم سے بہرور تصنع سے مبرا، محبت کے لئے تیار، چاہئے کتنی ہی دولتمند و تعلیم یافتہ کیوں نہ ہوں جفاکشی کی عادی ہوتی ہیں۔

حقیقت میں یہی وہ لوگ ہیں جو ترقی میں ہم سے کئی مدارج آگے بڑھ گئے ہیں اس کے برعکس ہم مسلمانوں میں آپس کا رشک و حسد، نفس پرستی، تنگ دلی خود غرضی کسی سے پوشیدہ نہیں۔ دوسرے تو دوسرے ہمیں اپنی اور اپنوں کی عزت و حرمت اور وقار کا پاس نہیں اسی طرح ہماری بہتیری عورتیں کم ہمت آرام طلب اور جہالت کی زندہ تصویریں ہیں۔

ہماری چال ڈھال میں عجب اضمحال ہو گا۔ ہماری گفتگو عموماً بے چینی، مایوسی، اور تنگ دلی سے معمور ہو گی جس سے ہماری ہمتوں اور خیالات کا اندازہ ہو گا۔

ہم کو سوچنا چاہئے کہ وہ زندگی ہی کیا ہے۔ جس سے نہ اپنی اور نہ قومی عزت و وقار میں اضافہ ہو سکے۔ اغیار ہماری خامیوں کو ہماری قومی اور مذہبی کمزوریوں پر محمول کرنے لگیں، ہے باقی دیکھو صفحہ ۴۹ پر

میری محبوب دُنیا

یہ دُنیا! پرورش ہوتی ہے جس میں کبرت و نخوت کی
یہ دُنیا! جس میں ہوتی ہے مذمت اہل اُلفت کی

یہ دُنیا! بھائی بھائی کے جہاں ہے خون کا پیاسا
یہ دُنیا! باپ پر خم ٹھونکتا ہے جس جگہ بیٹا

یہ دُنیا! ہے چھپی جس کی عبادت میں ریا کاری۔
یہ دُنیا! ہے مسلط لیڈری پر جس کی غداری

یہ دُنیا! پاپ کے بادل جہاں پر چھائے رہتے ہیں
یہ دُنیا! جس جگہ ظلم و ستم کے چشمے بہتے ہیں

یہ دُنیا! وہ شریفوں کی جہاں تحقیر ہوتی ہے
یہ دنیا! وہ رذیلوں کی جہاں تعزیر ہوتی ہے

یہ دُنیا! میری دُنیا ہو نہیں سکتی کسی حالت
یہ دُنیا! وہ ہے جس سے مجھ کو ہے آٹھوں پہر نفرت

میں اِس دُنیا کو اپنی بھول کر بھی کہہ نہیں سکتا
کہ میری اصل میں اک اور ہی محبوب دُنیا ہے

یہاں کے باغ کا ہر غنچہ میرے حق میں پتھر ہے
یہاں کے پھول کی ہر رگ مجھے نشتر ہے خنجر ہے

یہاں کے آبشاروں کا ترنم ہے ہوس افزا
یہاں کے رہنے والوں کا تکلم ہے ہوس افزا

یہاں کے پتہ پتہ پر فسانے ہیں کثافت کے
یہاں کی ڈالی ڈالی پر ترانے ہیں کثافت کے

یہاں ارمان و حسرت کا ہوا کرتا ہے خوں پیہم
یہاں اہل محبت کو نصیب ہوتے ہیں رنج و غم

یہاں رحم و کرم کا نام ہے عینِ ستم گاری
یہاں امن و اماں کی شکل میں ہے اب تبہ کاری

یہاں پائی نہیں جاتی ہے اسلامی روا داری۔
یہاں آئینِ مذہب سے ہے انسانوں کو بیزاری

میں اِس دُنیا سے اپنا دِل لگاؤں ہو نہیں سکتا
کہ میری اصل میں اک اور ہی محبوب دُنیا ہے

فضاؤں میں جہاں کی رنگِ محبوبی جھلکتا ہے
جہاں کا ذرّہ ذرّہ چاند و سورج سا چمکتا ہے

جہاں ہر وقت موجِ بوئے گل لیتی ہے انگڑائی
محبت کی جہاں آٹھوں پہر بجتی ہے شہنائی

جہاں کا ذرّہ ذرّہ آئینہ دارِ محبت ہے
جہاں کا کیف زا ماحول وجہہ صد مسرّت ہے

جہاں اپنے پرائے ایک سے معلوم ہوتے ہیں
جہاں اہلِ محبت گود میں حوروں کی سوتے ہیں

جہاں ہر دم سنائے جاتے ہیں اُلفت کے افسانے
نظر آتے ہیں جس جا سب محبت کے ہی دیوانے

جہاں انوار کی بارش ہوا کرتی ہے ہر لمحہ
جہاں کا ذرّہ ذرّہ حسن فطرت کا ہے آئینہ

جہاں قدسی کھڑے رہتے ہیں استادہ پہر آٹھوں
وہ دنیا اصل میں عصمت میری محبوب دُنیا ہے

عصمت اللہ قریشی بلاسپوری

مڈغاسکر کا سفر

اس سفرنامہ کی آخری قسط، ستمبر ۱۹۳۹ء میں چھپی تھی

از محترمہ امت الحفیظ صاحبہ مصنفہ "صنعت و حرفت" حال مقیم مڈغاسکر

ہم تینوں خدا کے فضل و کرم سے رات کے گیارہ بجے اپنی منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ جس جگہ کارخانہ واقع ہے اس کا نام ہے عنبوعنایو۔ ایک طرف سمندر ہے اور تین طرف چاک اور چونے کے پہاڑ۔ جن کو سمینٹ بنانے کے کام میں لایا جاتا ہے۔ اگر میں یہاں پر تھوڑا سا ذکر سمینٹ بنانے کے متعلق بھی درج کر دوں تو دلچسپی کا باعث ہوگا۔ پُرانے زمانہ میں چونہ اور سرخی کو ملا کر اس مصالحہ سے عمارتیں بنایا کرتے تھے اب بھی کئی جگہ اس کو کام میں لایا جاتا ہے۔ سمینٹ بھی دراصل انہیں دو چیزوں کا مرکب ہے صرف فرق یہ ہے کہ چونہ اور سرخی دونوں کو علیحدہ علیحدہ جلا کر ملایا جاتا ہے۔ اور سمینٹ کے لئے چونہ اور مٹی جس کی سرخی بنتی ہے۔ دونوں کو پہلے باریک پیس کر جلاتے ہیں۔ اور اس جلانے کا درجہ حرارت بہت زیادہ ہوتا ہے تاکہ دونوں کے اجزا پگھل کر ایک دوسرے میں ایک جان بن جاویں اور یہ مرکب بہت سخت پتھر کی شکل میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ جس کو کہ کلنکر کہتے ہیں۔ اب اس کلنکر کو باریک پیس لیا جاتا ہے بس یہی سمینٹ ہے۔

اس کارخانہ کے چند فوٹو بھیجتی ہوں اس میں کئی ایک فوٹو اس کارخانہ کے مختلف حصوں کے درج ہیں جو کہ دلچسپی سے خالی نہ ہوں گے۔ سمینٹ بنانے میں کوئی خاص راز نہیں۔ کارخانہ اور مشینری کا خرچ بہت ہے اس لئے یہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ اب تو خدا کے فضل سے ہندوستان میں بھی اس قدر کارخانے بن گئے ہیں کہ ملک دوسروں کا محتاج نہیں رہا بلکہ اگر موقع ملے تو دوسرے ملکوں کو بھی بھیجا جا سکتا ہے۔

یہاں کے اصلی باشندوں ملفاس Malgas انے تھوڑے ہی عرصہ میں ترقی کی ہے پچاس سال قبل یہ بھی افریقہ کے وحشیوں کی مانند تھے۔ یہ جزیرہ فرانسیسیوں کے قبضہ میں ہے۔ یہاں کا گورنر جزیرہ کے وسط میں یہاں کے سب سے عمدہ اور بڑے شہر میں رہتا ہے۔ جس کا نام ٹینراروی Tananarivy ہے۔ یہ شہر بالکل نئی طرز کا بنا ہوا ہے۔ ملفاس زبان میں ٹینراروی کے معنی ہیں۔ ایک ہزار گاؤں کا ایک گاؤں واقعی یہ سچ ہے اور یہ گاؤں ایسا ہی ہے۔ یہاں کی عورتیں کشائی کے کام کی بڑی ماہر ہیں۔ اتنا اچھا اور باریک کشائی کا کام کرتی ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی مشین سے کیا ہے۔ اتنا اچھا اور باریک کام میں نے کہیں نہیں

دیکھا۔ معمولی لٹھے کی چادر کڑھائی کے کام کی ڈیڑھ ڈیڑھ سو روپیہ کو فروخت ہوتی ہے۔ بس محنت کے دام ہیں۔ ایک ایک چادر کی تیاری میں چھ چھ ماہ صرف ہو جاتے ہیں۔ اس جزیرہ میں اشیا عام طور پر بہت مہنگی ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ابھی ان لوگوں نے اس قدر ترقی نہیں کی کہ اپنی ضروریات کی اشیا اپنے ملک میں بنا سکیں۔ عموماً یہاں پر ہر ایک چیز فرانس سے بن کر یا وہاں کی پیداشدہ آتی ہے۔ وہاں پیداوار کی نکاسی کے لئے یہ بڑی بھاری منڈی ہے۔ فرانس کی ردی سے ردی چیزیں یہاں اچھی قیمت پر فروخت ہوتی ہیں۔ یہاں تک کہ سوڈا واٹر بھی فرانس سے بھر کر آتا ہے۔ حالانکہ اس کی مشین بہت سستی مل جاتی ہے اور اس کو بنانے میں کوئی ہنرمندی کی ضرورت نہیں سوڈے کی ایک بوتل تقریباً پانچ آنہ میں ملتی ہے۔

یہاں سے تقریباً پندرہ میل کے فاصلہ پر یہاں کی مشہور بندرگاہ مجنگا واقع ہے۔ یہاں کے کاروبار اور تجارت کا بہت بڑا حصہ ہندوستانیوں کے ہاتھ میں ہے ہندوستانیوں کی خوراک کی اشیا مثلاً آٹا گیہوں گھی۔ دالیں وغیرہ سب ہندوستان سے آتی ہیں۔ یہ پہلے بھی بہت گراں تھیں لیکن اب تو چونکہ لڑائی کا زمانہ ہے آمدورفت کی اس قدر سہولت نہیں اس لئے اور بھی گرانی ہو گئی ہے۔

یہاں چاول بہت پیدا ہوتا ہے۔ یہ ہی یہاں کی بڑی خوراک ہے۔ ہندوستان کے موسموں سے یہاں کے موسم مختلف ہیں۔ جب وہاں گرمی ہوتی ہے تو یہاں سردی اور جب وہاں سردی تو یہاں گرمی۔ آج کل ماہ جنوری ہے آم پک رہے ہیں۔ آم یہاں کافی ہوتا ہے۔ دوسرے پھلوں میں کیلا۔ ناریل۔ پپیتا ہے۔

یہاں کے اصلی باشندوں کا لباس مشرقی طرز کا تھا لیکن اب چونکہ تقریباً پچاس سال سے فرانسیسی جزیرہ کے حکمراں ہیں اس لئے یہاں کے باشندوں نے بھی وہی مغربی طرز کا نیم برہنہ لباس اختیار کر لیا ہے۔ مسلمان عورتیں ایک بڑی چادر سی تمام جسم پر لپیٹ لیتی ہیں۔ یہاں کے لباس کے تین فوٹو سالگرہ نمبر ۱۹۴۲ء میں شائع ہو چکے ہیں ان میں وہ فوٹو مسلمان عورتوں کے ہیں۔ پردہ وغیرہ کو یہ لوگ بالکل نہیں جانتے ہاں البتہ بعض عورتیں منہ پر ایک درخت کی چھال پانی میں گھس کر گاڑھی گاڑھی لیپ لیتی ہیں جس سے چہرہ کے خط و خال چھپ جاتے ہیں۔ کہتی ہیں اس طرح خوبصورتی میں اضافہ ہوتا ہے اور یہ چھال غازوں کریموں اور پاؤڈروں کی سرتاج ہے۔ اسے وہ پردہ بھی کہتی ہیں عام طور پر نئی دلہنیں ایسا کرتی ہیں۔ یہ قدرتی امر ہے کہ خواہ کیسی ہی بدصورت اور کالی عورت ہو وہ بھی خوبصورت بننا اور رہنا چاہتی ہے۔

یہاں کے فرانسیسی قانون ہندوستان کے انگریزی قانون سے بالکل مختلف ہیں ایک عورت جب چاہے اپنے خاوند کو چھوڑ کر دوسرے کے ہاں چلی جائے۔ مرد اگر ذرا بھی زیادتی کرے تو عورتوں کو اختیار ہے کہ اس کو چھوڑ دے۔ عدالت میں اس کی کوئی فریاد نہیں۔ اس وجہ سے غریب مرد عورتوں کی بہت دلجوئی اور غلامی کرتے ہیں

خود بیٹھے ہوئے کپڑے پہنیں گے لیکن عورتیں خوب آراستہ رہیں گی۔ عورتیں بہت آزاد ہیں۔ ہندوستان میں
غلامی بہت ہے اور یہاں پر آزادی بہت۔ دونوں باتیں گھر گرہستی کے لئے بُری ہیں۔ نہ زیادہ غلامی اچھی اور
نہ زیادہ آزادی۔ اگر یہ سب خدا اور رسولؐ کے بتائے ہوئے راستوں پر چلیں ایمانداری اور سختی سے ان پر کاربند
رہیں تو یہ سب تکلیفیں دور ہو سکتی ہیں کاش کہ مرد بھی دیندار رہیں اور عورتیں بھی۔ یہاں سے کچھ دور مشرق کی طرف ایک
جزیرہ ہے کمورو وہاں کی آبادی سب مسلمان ہے پرانے زمانہ میں جب عرب ان سمندروں میں تجارت وغیرہ کی غرض سے
آیا کرتے تھے تو یہ جزیرہ ان کے ماتحت تھا اسی سبب سے سب باشندے مسلمان ہیں جو مسلمان یہاں مڈغاسکر میں رہتے ہیں
وہ بھی زیادہ تر کمورو سے ہی آئے ہوئے ہیں۔ دوسرا مذہب یہاں پر عیسائی ہے۔ ہندو کوئی نہیں۔ ہاں البتہ مجنگا میں دو چار
گھر بنیوں کے ضرور ہیں جو کہ ہندوستان سے آئے ہوئے ہیں یہاں بھی ان کی آٹا دال وغیرہ کی دوکانیں ہیں۔ ہندوستان کی طرح
یہاں فرقہ پرستی اور لڑائی جھگڑے بالکل نہیں ہیں سب ایک دوسرے سے شیر و شکر ہیں کبھی کسی کو یہ کہتے نہیں سُنا کہ میں
عیسائی ہوں۔ یا مسلمان ہوں۔ میرا لکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ہندوستان میں مذہب کو ہر ایک معاملہ میں داخل کر لیا گیا ہے۔
جو کہ اب وبال جان بن گیا ہے۔ ہندو مسلم مسئلہ ایک بہت پیچدار مسئلہ بن گیا ہے۔ اب وقت تھا۔ اور موقع بھی کہ ہندو
مسلم دونوں ایک ہو کر اپنے ذاتی معاملات کو پسِ پشت ڈال کر سوراج حاصل کرنے کی کوششیں کرتے مگر آپس کی
تو تو میں میں سے ہی فرصت نہیں ملتی۔

یہاں کے مسلمان روزہ کے بڑی سختی سے پابند ہیں۔ چاہے نماز نہ پڑھیں اور نیک کام نہ کریں لیکن رمضان کے
روزے نہ چھوڑیں گے۔ یہاں کے باشندے تہذیب کے نام سے بالکل ناواقف ہیں۔ بڑے چھوٹے امیر غریب کا
کوئی لحاظ کوئی درجہ نہیں ہے۔ غربت بہت ہے۔ تجارت یورپینوں کے ہاتھ میں ہے فرانسیسی قانون نے
ان کو بہت آزادی دے رکھی ہے۔ یعنی جو حقوق فرانس میں یا اس جگہ فرانسیسیوں کے ہیں وہی حقوق اور
وہی قانون یہاں کے باشندوں کے ہیں۔ کالے گورے۔ بڑے چھوٹے کا کوئی امتیاز اور درجہ نہیں۔
سب اللہ کے قانون پر کاربند۔ ہر انسان انسان ہے جو کالا ہو یا گورا۔ نقشہ پر دیکھنے سے یہ جزیرہ بالکل
چھوٹا سا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن جب میں یہاں آئی تو اور ہی نقشہ ہے۔ ہزاروں میل کا یہ جزیرہ ہے۔ دنیا
کے بڑے بڑے جزیروں میں یہ تیسرے درجہ پر ہے۔ شمال تو پہاڑی اور وسطی علاقہ پہاڑی ہے جنوبی علاقہ
زرخیز جنوب میں ہر قسم کی پیداوار ہوتی ہے۔

خدا کے فضل و کرم سے ڈیڑھ سال گزر گیا۔ ارادہ ہے۔ اگلے سال ہندوستان واپس ہو جائیں۔ عصمتی بہنیں
ہم پردیسیوں کو دعائے خیر سے یاد فرماتی رہیں۔

خدا کا خطاب

شاعرہ کو دنیا میں بھیجتے ہوئے

اے جانِ سخن میری دُنیا کو بسانے جا
خوابیدہ غلاموں کو نغموں سے جگانے جا

رونق مری جنت کی گو تو لئے جاتی ہے
مایوس فرشتوں کو گو تو کئے جاتی ہے

ابکون مری رحمت کے گیت سُنائے گا
جب ابرِ کرم موتی دنیا میں لٹائے گا

اب کون مرے جلوؤں سے دل کو بسائیگا
اب کون سخن گوئی حوروں کو سکھائے گا

اب کون ترنم کے طوفان اُٹھائے گا
کون اب مری جنّت کو سرمست بنائے گا

دنیا کو مگر تیری اس وقت ضرورت ہے۔
سر پر میرے بندوں کے چھائی وہ نحوست ہے

اے شعلۂ موسیقی، اے عرش کی زیبائی
اے شعر کی شہزادی اے خلد کی رعنائی

جا اور غلاموں کو نغموں سے جگاتی آ
سینوں میں شجاعت کی اک لہر اُٹھاتی آ

انسانیت انساں سے مدّت ہوئی غائب ہے
ایمان کی سینوں سے رخشندگی غائب ہے

سجدوں سے تڑپ غائب ویسی نہ عبادت ہے
جھوٹی ہیں نمازیں سب بے ربط تلاوت ہے

انساں نہیں دیوانے اب میری محبت کے
خوں سرد رگوں میں ہے جذبات ہیں ساکت سے

سینوں میں کدورت کی بنیاد ہلا دینا
یوں قعرِ مذلت سے بندوں کو بچا لینا

پھر نغمۂ آزادی دُنیا کو سُنا دینا
برباد غلاموں کو آزاد کرا دینا

بُزدل کا زمانے سے جا نام مٹا آ تو
آزادی و خودداری کی شمع جلا آ تو

کردینا سبق تازہ وحدت کا دماغوں میں
اک قوتِ لافانی بھر دینا ارادوں میں

پھر خاکِ مذلت سے بندوں کو اُٹھا دینا
مٹتوں کو بسا دینا، روتوں کو ہنسا دینا

ہاں بادۂ آزادی دنیا کو پلاتی آ
فرماں یہ مرا اپنے شعروں میں سناتی آ

برباد ہے کیوں غافل بدنام زمانے میں
حصہ ترا باقی ہے قدرت کے خزانے میں

ٹھکرا نہ حکومت کو لے تاجِ سلیمانی
وا تیرے لئے اب بھی ہے کعبۂ رحمانی

گنجینۂ قرآں کی کنجی ہے عمل تیرا
آزاد ہو اے مسلم کیوں ہاتھ ہے شل تیرا

(صفیہ شمیم ملیح آبادی)

ریحانہ کے نام

ریحانہ

سُن لیجئے فرصت ہے پھر کیا ہو خدا جانے — کب سے ہیں میرے دل میں بیتاب کچھ افسانے

اختلاجِ قلب کے پیہم دورے ہیں۔ خط کیا خاک لکھوں۔ یوں ہی میری باتیں تمہاری سمجھ میں نہیں آتیں۔ اب اس کا میرے پاس علاج ہی کیا ہے۔ میں ذرا اظہارِ بیان میں بے ڈھنگے پن سے بہک جاتی ہوں۔ اپنی کمزوری کا خود مجھے احساس ہے۔ میرے اندر میرا اپنا کچھ بھی نہیں ہے۔ مجھے بس طنزیہ باتیں کرکے دوسروں کا دل جلانا آتا ہے۔ اپنے اس نمایاں عیب سے میں خود واقف ہوں۔ تمہیں ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن دُنیا اتنی بے حس ہوگئی ہے کہ اس کو جلا جلا کر ہی خوش ہوتا ہے۔ مجھے تو مزہ ملتا ہے۔ تم کو لطف نہ آئے تو میں اس کو کیا کروں۔ میں زندگی کی شاہراہ پر بڑی تیزی سے آنکھیں بند کئے گذرے جا رہی تھی کہ کسی نے روک لیا۔ اب آگے قدم ہی نہیں اُٹھتا۔ پیچھے مُڑ کر دیکھو تو ایک ایسی حسین و رنگین پری ہے جس کے نہ پایا میں غور کرنے سے میری آنکھیں چُندھیا گئیں۔ کہ میں اسے دیکھوں بھلا کب مُجھ سے دیکھی جاتی ہے۔

یہ دھوکے کی ٹٹی تمہاری دُنیا تھی۔ وہ مکار دُنیا جس کا کوئی فعل مکر و فریب سے خالی نہیں۔ غور کرنا کبھی تمہیں کسی معاملہ پر آیا نہیں۔ بے کار باتیں مت کرو۔ میری باتیں پہیلیاں ہوتی ہیں؟ تمہیں تم سمجھ نہیں سکتیں! اپنی اپنی عقل ہے۔ قدرت نے کسی کو بہت دیکر اس کے لئے زندگی وبال کردی۔ کسی کو کم دیکر اس کی زندگی دوسرے کے لئے اجیرن بنادی۔ قدرت کی تقسیم پر اعتراض کرنا تھا۔ مجھے کیوں لے مریں۔ میں اپنے خط میں ایک سُہانے سپنے کا سامنا کہاں سے لاؤں سچی خوشی تو اب دل کے آس پاس کہیں نہیں پھٹکتی۔ یہ دُنیا تمہاری نظروں میں اتنی حسین، اتنی خوبصورت، اتنی جاذب نظر کیوں ہوگئی ہے؟ اس کے ایک ہی پہلو پر تمہیں اب تک سوچنے کا اتفاق ہوا ہے شاید۔ تاریکی کو بھی تو دیکھو۔ یہ کسی کے قلم سے نکلی ہوئی کیسی اچھی اچھی باتیں ہیں تم ذرا دل لگا کر پڑھو اس عبارت کو۔ شاید تمہیں بھی مزہ آجائے۔ سُنو کسی نے کیسی دل میں اُترتی ہوئی باتیں لکھی ہیں:۔

"سُنتے ہیں محبت سے جنت ملتی ہے۔ لیکن اس سے بھی اونچی۔ اس سے بھی پاک پوتر ایک مقام ہے۔ جو صرف سیوا اور خدمت کرنے والوں کو نصیب ہوتا ہے۔ محبت سب ہی کر سکتے ہیں لیکن سیوا سب نہیں کر سکتے۔ محبت دل کی تمام خوبصورت اور رسیلی چیزوں کا ایک پرتو ہے لیکن خدمت ان کی روح ہے۔ محبت میں

اپنی ایک منزل بنانی پڑتی ہے۔ خدمت میں اپنے کو ساری دُنیا کے لئے ایک ذریعہ بنا کر اپنی ہستی مٹانی پڑتی ہے۔ محبّت ایک عبادت ہے اور خدمت نفس کشی اور ایثار کا دوسرا مفہوم۔ محبت انسان کے خمیر سے بنی ہے اور خدمت دیوتاؤں کے، خداؤں کے۔ اوتاروں کے خمیر سے تمہاری روح، تمہارا خمیر آسمانی چیز ہے۔ تمہارا جسم ایک مادی شے ہے۔ روح اور جسم کا تعلق سنسار کی ابدی کہانی ہے۔ درد کی فراوانی سے سارا جسم ایک انگڑائی بنجاتا ہے۔ اسی طرح یہ سنسار چلتا ہے جیون کا یہی رنگ ڈھنگ ہے"۔

سُنا کچھ؟ کیا کہتا ہے یہ فلسفی مزاج ادیب۔ تو ریحانہ محبت کرنے کی صلاحیت قریب قریب سب میں ہے لیکن خدمت ایک آسمانی تحفہ ہے جس سے کیرکٹر کی تکمیل ہوتی ہے۔ واقعی اگر میرے بس میں الہ دین کے چراغ کی طرح کوئی جادو کی پڑیا ہوتی تو میں تمہاری دُنیا کو منٹوں میں رام کرلیتی۔ اس سے جو میرا من چاہتا کروالیتی اور تم بیٹھی تماشہ دیکھتیں۔ اُنگلی دانتوں میں دبائے ہوئے۔

اس سنسار کو سُدھارنا چاہتی ہوں ریحانہ۔ لیکن میرے من کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ تم اور تمہارے جیسے چند دنیا کے پجاری اس کی پرواہ نکریں تو دیکھو یہ کیا سے کیا ہوسکتی ہے۔ اس کی طرف سے لاپرواہ ہو جاؤ دیکھو وہ کیسی سُدھر جاتی ہے۔ لیکن اس میں ذرا تکلیف ہوگی۔ جس کو برداشت کرلینا۔

میں اپنی طبیعت کی نیرنگیوں سے خود عاجز ہوں۔ کبھی ایک سوزش انگیز سکون رہتا ہے، کبھی تلاطم خیز خاموشی سے دم گھٹنے لگتا ہے، کبھی ہنگامہ آگین یکسانی کو جی ڈھونڈتا ہے۔ تو کبھی اس کے برعکس آشفتہ سری پہ طبیعت مچل جاتی ہے۔ اسی لئے شاید میں کوئی کام ڈھنگ کا نہیں کرسکتی۔ تم میری تحریر سے میری فطرت کا اندازہ مت لگانا۔ پھر تو تمہیں اور بھی مشکل ہو جائے گی مجھے سمجھنے کے لئے۔

پہلے تم دُنیا کو سمجھنے کی کوشش کرو تو وہ خود تمہیں سمجھ جائے گی۔ جان بیلی مِلٹن کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے" ارزاں، جذباتی، سنسنی پیدا کرنے والی، محض خوشنما چیز، ہر نئے تجربے کے بعد کم و بیش کچھ کھوتی ہے۔ لیکن بڑے کارنامے رفتہ رفتہ کچھ حاصل کرتے ہیں"۔ اس نظریہ سے کچھ ہمارے خیالات پر روشنی پڑتی ہے۔ ہر وہ معمولی سی چیز جو پہلی نظر میں تم کو بالکل معمولی اور بے قدر و قیمت نظر آئے گی وہ ایک غیر معمولی اہم چیز ہوگی غور کرنے کے بعد۔ ہر چمکنے والی چیز سونا نہیں ہوتی ریحانہ۔ "پہلی نظر" کے دھوکو سے بچو۔ بڑا پچھتاوا ہوتا ہے۔

جہاں بانو نقوی (ایم اے)

گیارھویں

مئی ۱۹۴۱ء کے عصمت میں بہن دردانہ صاحبہ نے درحقیقت ایک نہایت اہم موضوع پر توجہ فرمائی ہے اور سخت ضرورت ہے کہ نہ صرف قلم سے بلکہ زبان سے ہاتھ پاؤں سے غرض جس جس طرح ممکن ہو سب بہنیں اس کی اصلاح کی کوشش کریں۔ گیارہویں کو تو میں سمجھ نہیں سکتی کہ لوگوں نے کیا سمجھ رکھا ہے۔ ترقی رزق کے لئے یہ عمل بے نظیر سمجھا جاتا ہے کہ اپنی آمدنی کے ہر روپیہ میں سے ایک پیسہ یا دو پیسے گیارھویں کے نام سے جمع کریں اور پھر ہر ماہ کی گیارہویں کو مٹھائی منگا کر نیاز دلوادیں۔ ایسی برکت ہوگی کہ کبھی ہاتھ خالی نہ رہے گا۔ پھر مٹھائی کے لئے یہ ضروری نہیں کہ سب محتاجوں ہی کو دی جائے۔ نہیں بلکہ ایک آدھ محتاج یا معصوم کو دے کر مزے سے خود کھائیں عزیزوں رشتے داروں کو کھلائیں یا رکھ چھوڑیں اور مہینہ بھر خود ہی کھاتے رہیں تو بھی کچھ حرج نہیں بس پیران پیر یا حضرت غوث الاعظم کی نیاز ہوجانی کافی ہے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ محتاجوں کو دینی چاہئے سخت ناراض ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "ہم آپ ان کے در کے فقیر ہیں۔ یہ تو بڑے غرور کی اور گستاخی کی بات ہے کہ فقیروں کو دیں اور خود نہ کھائیں" بعض بعض جگہ میں نے سنا ہے کہ خاص گیارھویں یعنی ربیع الثانی میں لوگ پلاؤ زردہ پکوا کر عام دعوت کرتے ہیں اس میں اس قدر احتیاط برتی جاتی ہے کہ جب دسترخوان اٹھاتے ہیں تو اس کے ادھر ادھر گرے ہوئے چاول ایک ایک کر کے خود چنتے پھرتے ہیں نوکروں پر اعتبار نہیں کرتے کہ اگر خدا نخواستہ کوئی چاول کسی کے پاؤں کے نیچے آجائے گا تو ہم پر تباہی آجائے گی۔ یہ صرف اس لئے کہ اس پر گیارھویں کی نیاز ہوچکی ہے۔ آخر اور بھی بہت سے موقع نذر و نیاز کے ہوتے ہیں مگر اور کسی میں یہ باتیں نہیں ہوتیں۔ ہاں اب رجب کے کونڈے بے شک اس کی برابری پر آرہے ہیں بلکہ کہیں کہیں تو بڑھ گئے ہیں کہ ان کے لئے بازار سے مٹھائی تو خیر آہی نہیں سکتی تھی خود ہی میٹھی ٹکیاں پکائی جاتی تھیں اب یہ دیکھا کہ ٹکیاں باوضو پکائی جاتی ہیں۔ کوئی بغیر نہائے دھوئے انہیں نہیں کھا سکتا اگر کوئی ایسی بے ادبی کرے تو وہیں آگ پیدا ہو کر جل جائے گا۔ میرے نزدیک تو یہ باتیں ایسی ہیں جیسے ہندوؤں میں بتوں کے نام کا کھانے والے خاص ہی لوگ ہوتے ہیں۔ اس لئے میرا اگر کسی ایسی جگہ سے بلاوا آئے تو میں اس میں شریک نہیں ہوتی۔

اس طرف یعنی آگرے میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اس قدر عقیدت بڑھی ہوئی ہے جو کوئی ان کی دیگ کا کھانا کھانے میں ہچکچائے گا وہ کوڑھی ہو جائے گا۔ اور میں نہیں جانتی کہ کون ذی عقل ہوگا جو نہ ہچکچائے گا کہ بچے ہوئے کھانے میں دھوبی لوگ ہزاروں میلے کچیلے چیتھڑے اپنے اوپر لپیٹ

لپاٹ کر دیگ میں کود پڑتے ہیں اور وہاں سے بالٹیاں بھر بھر کر نکالتے رہتے ہیں جب بالکل برداشت نہیں ہو سکتی تو نیم بے ہوشی کی حالت میں کھانے میں لتھڑے لتھڑاتے باہر نکلتے ہیں اور ان کے لبادوں پر سے وہ تمام جلتا جلتا کھانا جھاڑا جاتا ہے۔ کیا ان کا پسینہ اور آنسو اس کھانے میں نہ ٹپکتے ہوں گے۔ مگر جب عقیدت عقل پر غالب آ چکی ہو تو کون یہ باتیں سوچے سمجھے۔ خدا جانے اتنی بڑی دیگ میں پکانے ہی کی کیا ضرورت ہے۔ ایک کی جگہ سو دیگیں ہو سکتی ہیں۔ یا ایسا عجیب کھانا ہی نہ پکائیں۔ اگر کوئی ٹھکانے کی چیز ہو تو وہ ٹھنڈی ہو کر دوسرے دن نکل سکتی ہے اور اس میں اتنی مصیبت بھی نہ ہوگی۔ ان کی شان نعوذ باللہ خدا کی شان سے کم نہیں سمجھی جاتی۔ خاصے پڑھے لکھے لوگ اس طرح کہتے ہیں کہ "خواجہ صاحب چاہیں گے تو آپ ہی بلائیں گے"۔ جو لوگ وہاں جاتے ہیں ان سے کہا جاتا ہے کہ ہماری طرف سے یہ دعا مانگنا وہ دعا مانگنا خواجہ صاحب سے کہنا کہ ہم پر بھی کرم کی نظر رکھیں۔ ایک ریکارڈ میں آج کل روزمرہ ایک اسی قسم کی چیز سننے میں آ رہی ہے۔ مجھے پورا تو مضمون یاد نہیں مگر دو تین مصرعے یہ ہیں۔ حسنین کی صورت ہے خواجہ کا جو نقشہ ہے۔ پرتو ہے جو خواجہ سب شیہ خدا کا ہے۔ جو خواجہ ہی جب اپنے ہیں پھر ڈر ہمیں کس کا ہے۔ میں رات دن ستاتے ہیں اسے سنتی ہوں اور سوچتی ہوں کہ کس قدر طفلانہ ذہنیت ہے۔ جیسے کوئی بچہ ایک عام خطرے کے وقت اپنے دادا کی انگلی پکڑے ہوئے یہ سمجھتا رہے کہ مجھے تو دادا ابا بچا ہی لیں گے مجھے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ کوئی کیسے ان لوگوں کو یہ سمجھائے کہ خواجہ صاحب ان باتوں سے ہرگز اپنے نہیں ہو سکتے بلکہ ان کے بھی ناراض ہی ہونے کا ڈر ہے۔

اسی سے ملتی جلتی ایک بات اور بھی غور کرنے کے قابل ہے وہ یہ کہ اعمال و وظائف پر اس قسم کے لوگوں کو اتنا اعتقاد ہوتا کہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم چاہیں تو دنیا کے تمام انتظامات درہم برہم کر دیں۔ کھوئی ہوئی چیزوں کا پتہ لگانا۔ دوسروں میں بگاڑ ڈلوانا۔ کسی کو اپنا تابع کر لینا ان کے نزدیک بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ وہ خود بھی ہر قسم کے وظیفے اور عمل کرتے رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی انہیں کی تلقین کرتے ہیں پھر پھر جب کسی کا مطلب پورا نہیں ہوتا تو کہتے ہیں کہ تم نے ٹھیک ٹھیک نہ کیا ہوگا ورنہ یہ عمل تو کبھی اچٹ پڑتا ہی نہیں۔ وہ کبھی یہ خیال نہیں کرتے کہ جو خدا کو منظور ہوتا ہے وہی ہوتا ہے۔ خواہ وظیفے پڑھے جائیں یا نہ پڑھے جائیں۔ اگر ان کا اثر ایسا ہی لازمی ہوتا تو کیوں کوئی اپنے مقصد میں ناکام رہتا۔ اللہ کے کلام کی برکت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن اسے ناواجب اغراض کو پورا کرنے کے کام میں لانا یا یہ سمجھنا کہ اب ہمیں یہ طاقت حاصل ہو گئی ہے کہ جس کی چاہیں جدھر کو گل موڑ دیں سخت غلطی ہے۔ آخر ہزاروں غیر مذہب والوں کی بھی تو مرادیں پوری ہوتی ہیں۔ پھر یہ کہنے کے کیا معنی کہ فلاں کا روزگار اس وظیفے کے سبب سے لگا اور فلاں کی اولاد اس عمل سے زندہ رہی۔ ہر بات کا ایک وقت مقرر ہے جب وقت آئیگا ضرور پوری ہوگی۔ انسان خدا سے دعا ضرور مانگے۔ اس کا نام ضرور ورد زبان رکھے مگر یہ سمجھ لے کہ میرا ہر کام

دہلی میں دو تین سال سے رکشا کا رواج ہو گیا ہے اور ان کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی ہے تانگہ رکھنے میں گھوڑا ساہیس اصطبل کا خرچ کم از کم پچپن ساٹھ روپیہ سے کم نہیں لیکن یہ انسانی گھوڑے جو بے گھاس دانہ کے صبح پانچ بجے سے رات کے گیارہ بجے تک جُتے رہتے ہیں پچیس چھوڑ پندرہ روپیہ کے بھی حقدار نہیں۔ ان غریبوں کے دن بھر کے خون پسینہ کی کمائی ایک گلٹ کی چونی ہے۔ جس میں ان کا دس بارہ آدمیوں کا کنبہ ایک وقت فاقہ کر کے دوسرے وقت روکھی سوکھی بیجھڑ کی روٹی سے پیٹ کی آگ بجھا لیتا ہے۔

سرمایہ داری اور خوش حالی نے لوگوں کے دل و دماغ پر خود بینی و خود نمائی کبر و نخوت کے پردے ڈال دیئے ہیں۔ ان کے ایمان ان کے ضمیر ان کے انصاف اُن روپہلی سکوں کے نیچے دفن ہو چکے ہیں جنھوں نے ان جابروں کو فرعون بنا دیا ہے۔

اے خود غرض نفس کے بندو! تم صرف انسان ہو کیونکہ تمہارے پاس روپیہ ہے۔ تم نازک اندام ہو لیکن اپنے بھائیوں کی پیٹھ پر سوار ہونے کی قوت تم میں موجود ہے تمہاری جان بہت قیمتی ہے کیونکہ تم سرمایہ دار ہو! اے ظالم اور خونخوار اژدہو! جب تم دسمبر جنوری کی برفیلی ہواؤں سے بچنے کے لئے گرم گرم لحافوں اور نرم نرم بستروں میں آرام کرتے ہو اس وقت خدا کی یہ بدنصیب مخلوق ٹھٹھرتے ہوئے پاؤں اور لپلپاتے ہوئے ہاتھوں سے تین تین چار چار من کی لاشیں کھینچتی ہوئی میلوں نکل جاتی ہے۔

مئی جون کے آتشیں جھکڑوں میں تمہارے جسم سارے سارے دن خس و جواسے کی ٹٹیوں میں برقی پنکھوں کی ہوائیں کھاتے ہیں۔ گھڑی گھڑی ٹھنڈے میٹھے شربت اور ٹھنڈے ٹھنڈے عرق ڈکوسنے کے بعد بھی گرمی کی شکایت اور موسم کا گلہ ہوتا ہے۔ کبھی ان بدبختوں پر بھی اچٹتی ہوئی نگاہ ڈال کر دیکھو جن کے تن پر چار انگل کی لنگوٹی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے جن کے پیٹ پسلیوں کے اندر دھنسے ہوئے اور جن کی آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی ہیں۔ تپتے ہوئے پتھروں نے ان کے ان پاؤں میں جو بوجھ اٹھاتے اٹھاتے پرانے درختوں کی جڑوں کی مانند بے رونق اور بدہیئت ہو چکے ہیں بے شمار آبلے ڈال کے چھوڑ دیے جھلستی ہوئی تیز ہواؤں سے ان کے شاداب چہرے مرجھا گئے اور ان آنکھوں میں جو کبھی خوبصورت اور چمکدار تھیں اب بجز یاس و حسرت کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ بھوک کا مارا ہوا زرد چہرہ پانچ من کا بوجھ پسینہ میں شرابور اور لبوں پر پپڑیاں گرم گرم دوپہری جلتی ہوئی تارکول کی سڑکیں پیروں کو جھلسا دیتی ہیں لیکن ان کے پائے ثبات میں فرق نہیں آتا وہ جانتے ہیں کہ اگر شام تک ڈیڑھ روپیہ کی مزدوری کر کے مالک کو نہیں دی تو

گلٹ کی چونی کسی آہ و بکا پر بھی نہ مل سکے گی اور پھر دن بھر کے بھوکے سسکیاں بھرتے ہوئے بچوں کو پانی کے چند گھونٹ پلاکر سُلا دینا پڑے گا۔

تھوڑے ہی عرصے کا ذکر ہے دہلی میں تانگوں کے ایک اسٹینڈ پر ایک موٹے تازے لالہ صاحب تشریف لائے لالہ صاحب کو صفدر جنگ جو دہلی سے چھ میل کے فاصلہ پر ہے بہت جلد پہونچنا تھا۔ اس لئے مجبوراً ایک تانگہ والے کے پاس بھاگے ہوئے گئے اور اس سے پیسے چُکانے لگے۔ تانگہ والا دو روپیہ سے کم پر کسی طرح راضی نہ ہوا۔ دو روپیہ کی زبردست رقم باقی جیسے ڈیل کے لالہ جی کا ننھا سا دل کس طرح برداشت کر لیتا بالآخر لالہ جی کے اشارے پر ایک رکشا والا دوڑا ہوا آیا اور لالہ جی اس شرط پر رکشا میں بیٹھ گئے کہ آدھ گھنٹہ سے پہلے پہونچا دے گا تو ایک روپیہ دوں گا" اتفاق کی بات اُسی وقت اُس تانگہ والے کو بھی صفدر جنگ کی ایک سواری مل گئی لیکن تانگہ پہونچنے سے پہلے لالہ جی کی رکشا صفدر جنگ کے سامنے کھڑی تھی۔

رکشا والے کا سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا پھٹا ہوا کُرتہ پسینوں میں تربتر تھا اور حلق سوکھ کر کانٹا ہو چکا تھا۔ قیامت کی گرمی اور شدت کی پیاس غریب ایک پیسہ خرچ کرنے پر مجبور ہو گیا۔ بھاگا ہوا ایک ٹھیلہ والے کے پاس پہونچا جو برف سے ٹھنڈا کیا ہوا گنّے کا رس بیچ رہا تھا۔ اس نے ایک پیسہ کا گلاس آنکھیں پھاڑتے ہوئے دو تین گھونٹوں میں خالی کر دیا۔ گلاس ہاتھ میں ہی تھا کہ تڑاخ سے زمین پر اِدھر یہ گرا اُدھر لالہ جی کرایہ کا روپیہ جیب میں واپس ڈالتے ہوئے ایسے بھاگے کہ پلٹ کر نہ دیکھا۔ دو چار آدمی اُس بدنصیب کو تانگہ میں ڈال کر اسپتال لائے۔ ڈاکٹر نے دھوپ میں تیز بھاگنا اور فوراً پانی پی لینے سے پتہ کا پھٹ جانا موت کی وجہ بتائی۔ آہ۔ لالہ جی کا ایک روپیہ اُس بدنصیب مصیبت زدہ مزدور کی جان سے زیادہ قیمتی تھا جس کی موت ایک بیوی اور آٹھ سات بچّوں کو زندہ درگور کر گئی!

اے روپیہ پیسہ رکھنے والو! تم اس روپیہ سے ایسے کاروبار بھی کر سکتے ہو جن سے ان بدبختوں کو دونوں وقت روکھی سوکھی روٹی مل جایا کرے۔ ان دکھیاریوں سے ان فلک زدہ انسانوں سے وہ کام نہ لو جس کو دیکھ کر زمین کانپ اُٹھے اور آسمان تھرا جائے ان کی برہنگی کو اپنے دامن دولت میں چھپا لو اور ان کے دھنستے ہوئے پیٹوں کے واسطے اپنے مائدہ نعمت میں سے چند ٹکڑے دے نہیں سکتے تو چھینک ہی نہ دو اپنے اقتدار اور اختیار اپنی دولت اور فضیلت پر اس قدر نہ پھولو کہ آسمانی بادشاہ تمہارے پرخچے اُڑا ڈالے اور اپنے سرمایہ کے نشہ میں ایسے سرشار نہ ہو کہ مالک حقیقی کا قہر تمہارے وجود کو چکنا چور کر دے ان مصیبت زدوں کی وحشت ناک اور بہیئت آنکھیں اُس مالک لازوال سے شکوہ کر رہی ہیں جس کا ایک ادنیٰ اشارہ تمہاری ناچیز ہستیوں کو چشم زدن میں تہ وبالا کر دے گا اور ڈرو اس وقت سے جب تمہاری مکروہ

ہم صورت نہ ہو تو غیر ہو اور تمہارا یہ مال و دولت صفحۂ قرطاس سے حرف غلط کی طرح مٹ جائے گا۔ آمنہ نازلی اور بی بی فاطمہ

نظامِ ہستی اور ہم

صنفِ نازک جسے کہتے ہیں یہ اربابِ نظر　　ہے اسی ذات پہ قوموں کی ترقی کا مدار

کیا غضب ہے کہ کریں مرد ترقی پیہم　　اور عورت رہے یوں جہل و فلاکت بہ کنار

لازمی ہے کہ بنے قابلِ خدمت یہ بھی　　کام کیونکر وہ کرے جس کا ہو بازو بے کار

آہ مضبوط اگر بندشِ بنیاد نہیں!　　کام کیا آئے گی پھر قوتِ فنِّ معمار

اپنی تاریخ پہ جس وقت نظر پڑتی ہے　　ہم پہ ہوتے ہیں عیاں اپنے نمایاں کردار

کس قدر زود فراموش ہے بے حس دنیا　　آج کہتی ہے ہمیں ناقص و عضو بے کار

کارآمد رہے ہم کارگہِ ہستی میں　　ہر زمانے میں مسلّم رہا اپنا ایثار

تھا قدم عالمِ اسلام میں پہلا کس کا؟　　کس کی جرأت پہ تھے انگشت بدنداں کفار؟

تھے وہ آغشتہ بہ خوں کس کے جگر کے ٹکڑے　　جن کے ایثار کا اب بھی ہے مُقِر ہر دیندار

چاند بن کر کیا دُنیا کو منور کس نے　　کس نے اکبر کے مقابل میں اُٹھائی تلوار؟

کس کے افسانے سے توقیر ہے جھانسی کی سوا　　سطوتِ نورجہاں سے ہے کسی کو انکار؟

کس کے تسخیرِ عمل کا ہے گواہ "تاج محل"　　اور یہ "گوشہ محل" کس کی ہے چاہت کا مزار؟

یاد رکھو کہ ہے یہ عالمِ ہستی ہم سے
ہم جو مٹ جائیں تو مٹ جائیں گے یہ لیل و نہار

بشیر النسا بیگم بشیر

دانتوں کی حفاظت

دانتوں کو مضبوط بنانے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ ان کی حفاظت صرف دانت نکلنے کے بعد ہی کی جائے۔ بلکہ بچہ کو شروع ہی سے ایسی خوراک کا عادی بنانا چاہئے جس سے اس کے دانت اچھے اور مضبوط نکل سکیں۔ حاذق ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ بچہ کو کافی مقدار میں خالص گائے کا دودھ پلانا چاہئے۔ اس کے بعد پھلوں کے رس اور سبزیوں پر زور دینا چاہئے بچہ کو ایسے کھانے بھی دینے چاہئیں جن میں معدنی نمک اچھی مقدار میں پایا جائے۔ یہ خوراک اسے آئندہ کے لئے دانتوں کی بیماریوں سے محفوظ رکھیگی۔

بچہ کو چھوٹی سی عمر میں ہی دانت صاف کرنے والے برش کا باقاعدہ استعمال سکھا دینا چاہئے۔ ٹوٹے پھوٹے اور ٹیڑھے دانتوں کو فوراً ڈاکٹر سے ٹھیک کروا لینا چاہیئے۔ اگر ابتدائی عمر میں اس بات کا خیال نہ کیا جائے تو بعد میں بہت سی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ صفائی دانتوں کو تباہی سے بچاتی ہے۔ لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ صفائی کے باوجود دانتوں میں خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ غیر معقول غذا اس قسم کی خرابی کی بہت حد تک ضامن ہے زمانہ قدیم کی غیر مہذب قوموں کے مقابلہ میں دورِ حاضرہ کی اقوام دانتوں کے امراض میں بہت زیادہ مبتلا رہتی ہیں۔ اس کی وجہ نرم غذا بتائی گئی ہے۔ مہذب قومیں نرم غذا بہت شوق سے کھاتی ہیں اور اس طرح اپنے دانتوں کو ورزش سے روکتی ہیں جس سے وہ مضبوط بن سکیں۔ قدیم قومیں سخت غذا کی عادی تھیں اور یہ سخت غذا ہی ان کے دانتوں کو مضبوط اور استوار بناتی تھی۔ پس اس اصول کی بنا پر ہم کو بھی سخت غذا کا عادی بننا چاہئے، سپاری اور بھنے ہوئے چنے دانتوں کے لئے بہت مفید ہیں۔

لمبی بیماری میں دانتوں کے خراب ہونے کا بہت امکان ہے۔ اس لئے دورانِ علالت میں دانتوں کی صفائی کو ہمیشہ مقدم رکھنا چاہیئے۔ ویسے بھی سال میں دو مرتبہ کسی قابل ڈاکٹر سے دانتوں کا معائنہ کروانا اشد ضروری ہے۔

دانتوں کی قدرتی جلا دانتوں کی بڑی حفاظت کرتی ہے۔ اس لئے اس کے قائم رکھنے کی حتی الوسع کوشش کرنی چاہیئے۔

غذا کے چھوٹے چھوٹے ذرات کو دانتوں پر ہرگز نہ جمنے دینا چاہیئے اور نہ سخت مسواک سے اسے رگڑ رگڑ کر کریدنا چاہیئے۔ رگڑ سے جلا اُتر جاتی ہے۔ اور دانت کھردرے ہو جاتے ہیں۔ اس کھردرے پن کی وجہ سے بہت سی کثافت ان میں جمع ہو جاتی ہے جو اکثر بہت تکلیف دہ ثابت ہوتی ہے۔

نصرت نشاط (بی اے)

برخوردار

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہ‌ای　　　باز می‌گوئی کہ دامن تر مکن ہوشیار باش

دورِ جدید میں جبکہ ماشاءاللہ تعلیم معراجِ کمال کو پہنچ چکی ہے منجملہ اور باتوں کے جو دامنِ علم پر بدنما دھبہ ہیں ایک بہت بڑی بات یہ ہے کہ تعلیم یافتہ حضرات تو درکنار خود طالب علم اپنے کام کو آپ انجام دینا کسرِ شان سمجھتے ہیں۔ اکثر ماؤں کو اس بات کی شکایت رہتی ہے لیکن وہ صرف یہ کہہ کر اپنی تسلی کر لیتی ہیں "کیا کریں پڑھے لکھے بچے کسی کی بات مانتے ہیں؟"

روزمرہ حالات و تاریخی واقعات کا مشاہدہ بتاتا ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے لوگوں نے کس طرح چھپ چھپ کر اور سڑکوں کی روشنی سے فائدہ اٹھا کر تعلیم حاصل کی۔ وہ اپنا کام خود کرتے۔ محنت و کوشش سے پڑھتے۔ اساتذہ فن کی خدمت میں حاضر رہتے تھے پھر کہیں اس درجہ تک پہنچے۔ ان کا اپنے کپڑے دھونا اپنے کمرے میں جھاڑو دینا اپنا بستر بچھانا اپنا کھانا خود ہاتھوں سے پکانا۔ اپنا سودا سلف بازار سے لانا اپنی کتابوں پر جلد بندی کر لینا غرض اپنی ضروریات کے تمام کام خود کرنا کوئی عیب نہ تھا۔ ان کے نزدیک اگر کوئی بات قابلِ ذلت تھی تو اپنا کام دوسروں پر ڈالنا۔ عمدہ کھانے کے لئے ماؤں کی بے کرنا اپنا کام خراب ہو جائے تو نوکروں پر صرف گیری کرنا۔ مذہب سے بے بہرہ رہنا۔ اندھی تقلید کرنا۔ فیشن پرستی میں اوقات خراب کرنا اسراف۔ غرض کہ یہ سب باتیں ان کے نزدیک گناہ کبیرہ کی حیثیت رکھتی تھیں۔

آج کل نہ صرف لڑکوں سے بلکہ لڑکیوں سے بھی یہ شکایت ہے۔ وہ یا تو کم تعلیم یافتہ ہوں مگر خانگی کاموں میں ہاتھ نہیں لگاتیں۔ ان کی مائیں اور گھر میں رہنے والی بہنیں اور بھاوجیں ان کا کام کرتے کرتے تھک جاتی ہیں ان کی خاطر میں نہیں آتا یہ چیزیں عیب کہلایا جاتا ہے خود اُٹھ کر پانی تک نہیں پیتیں کیوں؟ پڑھی لکھی بیٹی جو ہیں!

بس کے ویسے ایک چیز رہ گئی ہے شخصیت جس نے آج کل گزشتہ عشق نوجوانوں کے راہ میں کانٹے بچھائے ہیں جو شخص اس لفظ کو برقرار رکھنے کے لئے منہ مقصود ہے اور جا بجا بہت سے غواصی کر کے سمندر سے موتی لاتے اور ساحل کے خوشنما چھپکے جو بے نقطہ دل ستان وہی طرف پھینکتے ہیں اور وہ محض گھونگے اور سیپیاں چننے میں مشغول ہوتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پرجوش نقاد بہت زود اثر ہوتا ہے اور کارگر نصائح ان غیرت مند ہستیوں پر اتنا ہی اثر رکھتے ہیں جتنا کہ چکنے گھڑے پر پانی انہیں توفیق ہی نہیں ہوتی

کہ اپنی کشت زارِ ست مستفید ہوں۔ اپنے عطائے کو بہترین طریقہ پر استعمال کریں۔

لیکن دنیا نیکوں سے خالی نہیں ہے۔ ہر ماں اپنے بچے کو جس سانچے میں چاہے ڈھال سکتی ہے۔ میں حیدرآباد ایک دور اندیش ماں کو نہیں بھول سکتی جن کے مندرجہ ذیل الفاظ نے میرے اشہب قلم پر تازیانہ لگایا۔ ثریا! تم مجھ سے پوچھتی ہو کہ میں کیوں اپنے لڑکوں پر خفا ہوئی ہوں جبکہ وہ اس وقت اعلیٰ ترین جماعتوں میں تعلیم پا رہے ہیں جن سے ملک و قوم کی بڑی بڑی امیدیں وابستہ ہیں؟ میں اس لئے خفا ہوتی ہوں کہ وہ جان لیں کہ انسان چاہے کتنے ہی بڑے رتبہ پر پہنچ جائے یا کتنی ہی اچھی ذہن بیاد لائے یا وہ کتنا ہی ممتاز اور برسر اقتدار ہو جائے اس کی ہستی اس کی ماں کے نزدیک صرف ایک بے بس بچے کی سی ہے جو انگوٹھا چوس رہا ہو اور اس کی ماں اس کو اگر بروقت دودھ نہ پلاتی تو وہ بلک بلک کر مر جاتا۔ میں ان پر ہمیشہ اپنا وقار قائم رکھنے کی غرض سے باز پرس کرتی رہتی ہوں اور ان کی غلطیوں پر خفا بھی ہو لیتی ہوں لیکن تم دیکھتی ہو وہ مجھے کبھی پلٹ کر جواب نہیں دیتے کیونکہ وہ اپنی غلطیوں کے معترف ہیں اگر میں ان کی بچپن سے اسی طرح ان کی تربیت نہ کرتی تو تم ہرگز ان کو اس حالت میں نہ دیکھتیں جس کو دیکھ کر دوسری مائیں رشک کرتی ہیں۔ میں اپنے پیارے بیٹوں پر فخر کرتی ہوں کہ انہوں نے کبھی میری کے خلاف کام نہیں کیا اور ہمیشہ اپنے والدین، اساتذہ اور تمام بزرگوں کے فرمانبردار رہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ میں حتی الامکان ان کی خواہشات کو اگر بجا ہوں پورا کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔

تمہیں سنکر حیرت ہو گی کہ باوجود اس قدر ملازم ہونے کے اگر وقت پڑے میں ان کو لکڑیاں چیرنے یا دودھ اور گھی کے دستی پیپے سامنے کے گھر میں بھیجے یا رات کے وقت اگر کوئی بھول جائے تو بھینس باندھنے اور اس کو چارہ ڈالنے کا حکم دیتی ہوں تو وہ نہایت خندہ پیشانی سے یہ کام انجام دیتے ہیں۔ اگر میں بیمار پڑ جاؤں تو لڑکیوں کی طرح میری خدمت اور تیمار داری کرتے ہیں۔ اپنے ہاتھوں اپنا کام کرنا فخر سمجھتے ہیں۔ میں علی الصباح جب جانماز پر بیٹھی ہوتی ہوں اور اس وقت نوکر بھی نہیں آتے تو یہ مجھے گرم گرم کافی پلاتے ہیں منع کرتی ہوں تو کہتے ہیں آپ نے ہماری بہت خدمت کی اب ہماری باری ہے ہم کو اس سے محروم نہ کیجئے۔ میں ان سے جب روٹھ جاتی ہوں تو یہ کچھ اس انداز سے مجھے مناتے ہیں کہ مجھے ان پر پیار آ جاتا ہے۔ اور میں فوراً معاف کرنے پہ مجبور ہو جاتی ہوں بہرحال میں نے ان سے بطور آزمائش ہر قسم کا کام لیا لیکن بخدا ان کے پائے ثبات کو کبھی لغزش نہیں ہوئی میری خوشنودی کے لئے نہ وہ اپنی تکلیف کی پرواہ کرتے ہیں اور نہ ان کو اپنے ہم عمر اور ہم سبق لڑکوں کے بنانے کا خیال ہے۔ میں ان کی تعریف ان کے منہ پر اس لئے نہیں کرتی کہ وہ کہیں مغرور نہ ہو جائیں اور خفا اس لئے ہوتی ہوں کہ وہ جان لیں انہیں دنیا میں بہت کچھ کرنا ہے۔"

میں ان کے الفاظ نیچی نظر کئے سنتی رہی اور اس کو اپنے قلب کی گہرائیوں میں کسی قیمتی خزانہ کی طرح محفوظ کر لیا ہے

عورتوں کی بیکاری

حقیقت یہ ہے کہ ہندوستانی قوم کا بایاں بازو بیکار ہو کر گر چکا ہے اور قریب قریب نصف طاقت زوال نے ختم کر دی ہے۔ تین طبقے عہد حاضرہ میں ہیں پہلا طبقہ امیروں کا ہے انہیں کام کرنے کی ضرورت ہی نہیں رات کو اگر انہیں پیاس لگی ہے تو نوکر کو آواز دی جاتی ہے "کوئی ہے! پانی لاؤ" "بوا ہے! پانی لاؤ" دوسرا طبقہ اوسط درجہ والوں کا ہے۔ جن کے شوہر بھائی باپ دکانوں پر نوکر ہیں۔ یا دفتروں میں بیٹھے کلرکی کرتے ہیں یا بیکاری میں مارے مارے پھرتے ہیں۔ اس طبقہ کی عورتوں کی حالت قابل رحم ہے آمدنی کم۔ کھانے والا کنبہ جس میں ماں باپ بھائی بہن بچے۔ گذارہ ہو تو کیونکر؟ مہینہ بھر تنخواہ کی آس رہی تنخواہ ملتے ہی کچھ بنئے کا کچھ دوسرے قرضخواہوں کا روپیہ ہاتھ میں آتے ہی ختم اور پھر روزانہ ہائے ہائے عام گھروں کا نقشہ یوں رہتا ہے کہ صبح بچے سو کر اٹھے کسی نے ضد کی۔ کسی نے رو کر کہا۔ کسی کو پیسہ دیا کسی کو دھیلا۔ کسی نے بسکٹ خریدا کسی نے گرم حلوہ بڑے آدمیوں نے کچھ باسی کھا کر پانی پی لیا۔ دال چاول پک گئے اور شام کو گائے کا گوشت یا سستی قسم کی ترکاری گھی بہت کم استعمال کر سکتے ہیں۔ روزمرہ کے کھانے اور ہری سبزی یا ترکاری تیل میں پک گئی۔ یا کھچڑی ابال کر دھنیے مرچ کی چٹنی سے کھا لی۔ پیٹ میں تو پڑ گیا لیکن بھوک باقی رہ گئی۔
عورتوں کا غذا کی کمی کی وجہ سے چہرہ زرد اور تکالیف سے برا حال ہوتا ہے اس پر ستم یہ کہ ایک بچہ گود میں ہے اور ایک پیٹ میں اور ایک پلنگ پر۔ لباس کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ ہر کپڑا جسم سے تار تار ہو کر اترتا ہے۔ موٹے جھوٹے کپڑے سال میں دو تین جوڑے وہ بھی بہت کفایت سے بنانے نصیب ہوتے ہیں اور اگر خدا نخواستہ اسی طبقہ کی بہنوں کے شوہر صاحب یا گھر کے افراد شوقین بھی ہوئے تو بس آئی قیامت۔ آندھی آئے یا طوفان ان کے سینما اور بازار کے اخراجات میں فرق نہ آئے چاہے گھر میں تین تین وقت کے فاقے ہی ہوں۔ عورتیں سوائے صبر کے کچھ کر نہیں سکتیں۔ اگر کوئی ان بہنوں سے کہے کہ دن بھر بیٹھے بیٹھے کیا کرتی ہو بلا سے کچھ محنت مزدوری کر لو۔ تو بڑے اطمینان سے جواب دیتی ہیں اوئی نوج! ہمارے بڑوں نے کبھی یہ نہیں کیا اگر غریب ہیں تو ہوا کریں یہ بے عزتی باپ دادا کی نہیں کر سکتے۔ فاقہ کر لیں گے اور گھر کے کونے میں آبرو کے ساتھ گذار دیں گے۔ یہ ذہنیت ہے کہ ہاتھ ہلانا تو بے عزتی اور فاقہ کرنا عزت۔ اکثر ایسی بہنوں کے واقعات دیکھے گئے ہیں کہ جب اچانک ان کے شوہر مر جاتے ہیں اور وہ راجہ کی رانی سے بدل کر مصیبت کا شکار ہوتی ہیں تو اکثر اوقات زندگی اتنی دردناک ہوتی ہے کہ خیال ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں انکی اس

حالت کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ تعلیم میں کوری ہوتی ہیں اس لئے کہیں پڑھنے لکھنے کا کام نہیں مل سکتا۔ دستکاری کا وہ نام بھی نہیں جانتیں صرف کھانا پکانے کی نوکریاں یا بچے کھلانے کا کام کرتی ہیں اور وہ یہ بھی نہیں کرسکتیں اس لئے کہ آدھے درجن بچوں کے ساتھ کوئی کام کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ فاقوں سے مجبور ہو کر بچوں کو یتیم خانہ بھیجکر خود نوکری کرکے بہت ہی دردناک زندگی گذارتی ہیں۔

ایک انسپکٹر کی لڑکی کو میں نے بچشم خود ایک معمولی گھر میں کھانا پکانے کا کام کرتے دیکھا بات بات پر گھر والی بیوی بگڑتی تھیں۔ اور وہ زار قطار روتی تھی۔

اگر میری ہندوستانی بہنیں یہ سوچ سکیں کہ بھوکے مرنے سے بہتر کام کرنا ہے تو وہ کوشش کرکے طبیبہ کا کام سیکھ لیں کئی کالج ایسے ہیں جہاں وظیفہ بھی ملتا ہے۔ دستکاری کے کام سیکھیں اور اپنی سرمایہ دار بہنوں سے اپیل کریں کہ وہ بجائے درزی کے غریب بہنوں سے یہ کام لیں اور معقول اُجرت دے کر مدد کریں۔ اور تمام دن پان چبانے کی بجائے لکھنے پڑھنے میں وقت صرف کریں۔ اور آپس میں اپنی غریب بہنوں کی ایک انجمن بنالیں جس میں کام کرنے کے طریقے اور آپس میں مدد دینے کی تدبیر سوچیں۔

اگر دُنیا کے ہر کام میں کچھ دلچسپی لے کر ہندوستانی عورتیں آگے بڑھیں تو ذریعہ معاش میں وہ مردوں کو مدد دے سکیں گی اور وقت پڑنے پر لاوارثی بیوہ ہونے کی حالت میں یوں خانہ خراب دربدر کی ٹھوکروں سے بچ جائیں گی۔

اب رہ گیا تیسرے طبقہ کا سوال۔ یہ بہتر حالت میں ہے اور ان کی عورتیں مردوں کے دوش بدوش کام کر رہی اور ان کی مددگار ہیں مثلاً اگر مرد موچی ہیں تو عورتیں بھی یہی کام کرتی ہیں۔ گھوسی ہے تو گھوسن بھی ساتھ ہے۔ کسان ہے تو اُس کی بیوی اُس کا آدھا کام کھیت کا اور پورا کام گھر کا انجام دیتی ہے۔ کامدانی والوں کی عورتیں دن بھر کامدانی بناتی ہیں۔ غرض یہ تیسرا طبقہ عورتوں کا گو خوشحال نہیں لیکن محتاج اور مردوں کا دست نگر نہیں۔ اور صحت میں بہت بہتر ہے اور خودداری کی اسپرٹ بھی موجود ہے اور کیوں نہ ہو خود معاش پیدا کرسکتی ہیں۔

شفیق بانو۔

(بقیہ صفحہ ۴۲) کاش مادرگیتی ایسی مائیں اور ایسے سپوت ہر روز پیدا کرے کاش یہ بصیرت افروز الفاظ ہماری مخمور قوم کی آنکھیں کھول دیں! جدید روشنی کے پروانوں میں جو قابل اعتراض باتیں ہیں وہ ان کی ماؤں کی غلطی ہے جنھیں حسن تربیت کا سلیقہ نہیں ہوتا جن کے بچے ذیل آیاؤں، اناؤں اور چھوکریوں کی آغوش میں رقم کثیر خرچ کرنے کے بعد پلتے ہیں اور مائیں ان پر فخر کرتی ہیں۔ احمد النساء بیگم ثریا جبیں (حیدرآباد دکن)

جشن مہتابی

ایک دن برسات کا موسم تھا۔ گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی میرے جی میں آیا کہ لال قلعے چل کر ثمن برج میں اس موسم کی بہار دیکھوں۔ وہاں پہنچا تو کسی کالج کے طالب علم سیر کرتے پھر رہے تھے۔ ان سے بات چیت ہوئی معلوم ہوا کہ یہ طلبا کلکتے سے آئے ہیں۔ ان لوگوں کی سمجھ میں نہیں آیا کہ ان سنگ مرمر کے بڑے بڑے بے رُتبے دالانوں میں کیا خوبی ہے کہ جو ان کے متعلق یہ لکھا گیا ہے کہ

اگر فردوس بر روئے زمین ست　　ہمین ست و ہمین ست و ہمین ست

میں نے ان لوگوں کو قدیم زمانے کی سجاوٹ اور طرز رہائش کا حال سنایا اور بہت دیر تک شاہان مغلیہ کی عظمت و شوکت کا ذکر ہوتا رہا۔ تھوڑی دیر میں یہ طالب علم رخصت ہو گئے۔ اور میں ثمن برج میں بیٹھ کر موسم کا لطف اٹھانے لگا اور بادشاہی زمانے کے حالات پر غور کرنے لگا کہ اس زمانے میں اس قلعے میں کیا کیا عیش و طرب کے سامان ہوں گے۔ یہی سوچتے سوچتے میں لیٹ گیا۔ اور ہوا کے سرد جھونکوں سے مجھے نیند آ گئی اور میں سو گیا۔ عالم خواب میں دیکھتا کیا ہوں کہ قلعہ میں چاروں طرف چہل پہل ہے دربار خاص جھاڑ فانوس کی روشنی سے بقعۂ نور بنا ہوا ہے۔ ذرا فاصلے پر مشعلیں جلائے جوق در جوق عورتوں کے گروہ ایک طرف کو جا رہے ہیں کوئی ہوادار پر ہے تو کوئی تام جھام پر۔ ساتھ ساتھ پالکیوں اور میانوں میں بھی سواریاں ہیں۔ کہاریاں چلی جاتی ہیں اور طرح طرح کی آوازیں نکالتی جاتی ہیں میں نے سوچا کہ چل کر دیکھوں تو کہ یہ کیا قصہ ہے۔ چھپتا چھپاتا سائے میں ہوتا ہوا دو چار کاوے کاٹ کر میں بھی اس بھیڑ کے پیچھے ہو لیا معلوم ہوا کہ آج چودھویں رات کے چاند کی روشنی میں مہتاب باغ میں جشن منایا جا رہا ہے جہاں یہ قلعے کی نسائی خلقت جا رہی ہے۔ مجھے اپنے پکڑے جانے کا بہت اندیشہ تھا کیونکہ یہ لباس مغربی بیسوی صدی کا تھا اور ایک مرد کا قلعہ کی عورتوں میں گھس آنا اپنی جان کو خطرے میں ڈالنا ہے۔ چنانچہ میں ایک شاندار شمشاد کے درختوں کی قطار کے پیچھے پیچھے چلتا رہا حتیٰ کہ بہت گھنے چنار کے جھنڈ کے پاس سے گزرا۔ اس کے بعد مہتاب باغ کا وہ حصہ شروع ہوتا تھا جو چاروں طرف سے کھلا ہوا ہے اور جس میں کوئی اونچا درخت نہیں ہے اس کے بیچوں بیچ ایک بہت لمبا چکلا تالاب ہے جس کے عین وسط میں جل محل بنا ہوا ہے اس محل میں آمنے سامنے دو بارہ دریاں سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہیں جو ساون بھادوں کہلاتی ہیں۔ ان کے نیچے حوض میں سے پانی کی چادریں گرتی ہیں اور لال پتھر کی چھوٹی چھوٹی نہروں میں پانی جاری ہو جاتا ہے پانی کی چادر اور نہروں کے نیچے کسی ترکیب سے روشنی کا انتظام کیا گیا ہے

نہروں کے گرد لال پتھر کی گلکاری کی کیاریاں ہیں کیاریوں میں موتیا چنبیلی جوہی۔ سیوتی۔ مدمالتی گل بیرنگ۔ شبّو گل طرہ وغیرہ قسم قسم کے پھولدار پودے لئے ہوئے ہیں۔ اس باغ میں چاند نی رات کی بہار ہوتی ہے سی لئے ہر چودھویں رات کو جشن مہتابی منایا جاتا ہے۔ میں ایک چنار کے درخت پر چڑھ گیا جہاں سے باغ کا پورا پورا نظارہ دکھائی دیتا تھا۔ میں سب کو دیکھتا تھا سب باتیں سنتا تھا مگر مجھے کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا میں نے دیکھا کہ حوض کے گرد لکڑی کی پاڑوں پر سفید فرش بچھایا گیا ہے ایک طرف بیچ میں ایک خوبصورت شامیانہ لگا ہوا ہے اسے جہاں نما کہتے ہیں اور اس میں جہاں پناہ آکر تشریف رکھیں گے۔ تالاب میں نواڑے یعنی چھوٹی چھوٹی کشتیاں چھوٹی ہوئی ہیں جن میں سودے والیاں دکانیں لگائے اور مالنیں پھول کے کنٹھے اور گجرے لئے بیٹھی ہیں۔ پنواڑنیں پان بنا رہی ہیں۔ ترکاری میوے گوٹہ کناری کپڑے والیاں غرضیکہ ہر قسم کی سودے والیاں کشتیوں میں بھر رہی ہیں۔ نہریں سنہری روپہلی مقیش کے ٹکڑے کاٹ کر ڈالدیئے ہیں جو پانی کی لہروں کے ساتھ چاند نی رات میں پٹ بیجنو کی طرح جگمگاتے ہیں۔ جتنی عورتیں نظر آتی تھیں سب سُرخ لباس پہنے ہوئے تھیں۔ ہر چیز سُرخ رنگ کی تھی۔ بیگمات شہزادیاں لال لال جھمجھماتے جوڑے پہنے ہوئے، سونے میں پیلی، موتیوں میں سفید، چھم چھم کرتی روشوں پر سے گزر رہی ہیں اُن کے آگے پیچھے اناّ۔ دوا۔ مُغلانیاں۔ پھوپھو۔ ہپّا۔ لونڈیاں باندیاں ہاتھوں چھاؤں اللہ۔ بسم اللہ کہتیں بیگمات کے گرد لپٹی ہوئی تھیں۔ کوئی کہتی ہے "اے واری گئی بیچ بیچ میں چلو۔ یہاں گھاس میں رسّی کا ڈر ہے" کوئی کہتی صدقے گئی سفید چادر اُوڑھ لو کہیں سایہ جھپیٹا نہ ہوجائے"۔ تالاب کے گرد باغ میں جو نظر ڈالی تو دیکھا کہ ہنڈولے گڑے ہوئے ہیں۔ جھولے لٹکے ہوئے ہیں ہمجولیاں مل کر جھول رہی ہیں اور سریلی لے میں "دو سکھی جھولیں دو ہی جھلائیں" کی تانیں اُڑا رہی ہیں۔ میں حیران تھا کہ یا اللہ یہ باغ ہے یا پرستان کیا جنّت کا سماں ہے کہ ہر شخص خوش ہے۔ کہیں گانا بجانا ہو رہا ہے تو کہیں کہانیاں ہو رہی ہیں پہیلیاں کہہ مکرنیاں کہی جا رہی ہیں قہقہے لگ رہے ہیں کہیں دس گھرا پچیسی ہو رہی ہے۔ کہیں آنکھ مچولی ہو رہی ہے اور اڑنگ بڑنگ۔ طوطی زبر تنگ۔ مائی جی کا نعمان چوغان ہر یا ہر بس۔ یہ نو یہ دس کی آواز آرہی ہے کہ اتنے میں تاشے باجوں کی آواز آئی۔ بادشاہ سلامت کی سواری آرہی ہے۔ بادشاہ ہوادار پر سوار ہیں۔ خوجے مورچھل کرتے جاتی ہیں۔ حبشنیاں۔ ترکنیاں۔ قلماقنیاں اُردبیگنیاں ہٹو بچو کر رہی ہیں۔ شہزادے تخت کا پایہ پکڑے چلے آتے ہیں شہزادیاں اور بیگمات تخت کے پیچھے پیچھے ہیں۔ آگے آگے پھولوں کی چھڑیاں۔ نفیری بجتی ہوئی ہزارے چھٹتے ہوئے سپاہیوں کے تمن باجہ بجاتے ہوئے۔ اُن کے پیچھے روشن چوکی والیاں ڈھول جھانجھ طبلہ نفیری بجاتی ہوئی چلی آرہی ہیں جس وقت بادشاہ سلامت کی سواری تالاب کے کنارے پہنچی پھیرہ پلٹن نے سلامی اتاری۔ چھوٹے چھوٹے بچے خوبصورت وردیاں پہنے ہوئے کیسے بھلے معلوم ہوتے تھے ننھے ننھے گولنداز چھوٹی چھوٹی توپیں چھوڑنے

اُن کی دنادن کی آوازسے درختوں پر سوئے ہوئے پرندے جاگ کر اُڑنے لگے۔

میں جس درخت پر بیٹھا تھا اس پر کچھ بندر تھے۔ ایک موٹا بندر۔ اوپر کے ٹہنے سے کود کر دھم سے میرے اوپر آیا۔ میں تو بچ گیا مگر گدّا ٹوٹ گیا اور اس کے دھماکے اور بندروں کی قیاؤں قیاؤں سے ساری بھیڑ ہماری طرف متوجہ ہوگئی۔ بندر تو کود پھلانگ کے غائب ہوگئے۔ خواجہ سراؤں نے مجھے پکڑ کر بادشاہ سلامت کے سامنے پیش کیا۔ قلماقنیوں نے چاروں طرف سے مجھے گھیر رکھا تھا۔ بچھیرا پلٹن میری طرف بلّم کی نوک کئے کھڑی تھی۔ خواجہ سرا میری ٹاٹی پکڑے کھڑا تھا۔ دوسرے خواجہ سرا نے کہا "اے بوا یاقوت ہوشیار رہنا کہیں یہ موا تمہارا ہاتھ نہ بھنبوڑ لے" کسی نے کہا "لو۔ بی یہ موٹے بندر نے کپڑے بھی تو پہن رکھے ہیں" کوئی بولی "ہے ہے بچارا کیسا چُپ کھڑا ہے۔ پالتو معلوم ہوتا ہے کسی فرنگی نے پالا ہوگا" دوسری بولی "تو یہ کافر کُرتی بھی تو موئے فرنگیوں کی ہے۔ وہ بھی تو بندر کی قوم ہیں"۔

یہ باتیں میں سُن ہی رہا تھا کہ بادشاہ سلامت نے کہا "اے ہنومان کی اولاد تجھ کو کس طرح جرات ہوئی کہ تو ہمارے اس جشن میں خلل انداز ہوا۔ سچ بتا کیا تو کسی کی سازش سے یہاں تک پہنچا ہے۔ اگر تو نام بتا دے تو تجھے معاف کر دیا جائے گا۔ مگر اس کا زن بچہ کولہو میں پلوا دیا جائے گا" میں نے عرض کی "جہاں پناہ مجھے یہاں میری قسمت کے سوا کوئی نہیں لایا" بادشاہ نے ملکۂ عالم کی طرف دیکھا انہوں نے فرمایا "جہاں پناہ یہ تو کوئی بن مانس معلوم ہوتا ہے اس کو عجائب گھر میں بند کر دیا جائے" میں اس تجویز سے ڈرا۔ دل میں سوچا کہ چاروں طرف عورتیں ہی عورتیں ہیں۔ اب پھر اگر بچ گیا تو ہمیشہ کو قید ہو گیا۔ چنانچہ گردن کو جھٹکا دے خواجہ سرا کے ہاتھ سے ٹاٹی چھڑائی اور اس کے منہ پر گھونسہ رسید کر کے جو پلٹا ادھر چلا اُدھر چلا میں ایک دم سے اُڑ گیا۔ عورتوں نے چیخیں مارنی شروع کر دیں۔ بیگمات کو غش آنے لگے۔ ایک شور مچ گیا۔ ادھر بچھیرا پلٹن کے گولنداز نے توپ کا منہ میری طرف کر کے جو ایک نشانہ مارا تو میری پیٹھ کے بیچوں بیچ لگا۔ میں دھڑام سے گر گیا اور بے ہوش ہو گیا۔

ہوش آیا تو دیکھتا کیا ہوں نہ وہ باغ ہے نہ وہ پرستان بادشاہ سلامت ہیں اور نہ بچھیرا پلٹن کے گولنداز۔ میں ہوں اور نیچا مثمن برج۔ بارش ختم ہوچکی۔ بادل چھٹ گئے۔ شام ہوگئی۔ سورج کی ڈھلی ڈھلائی کرنیں جمنائی لہروں سے اٹکھیلیاں کر رہی ہیں۔ میں نے آنکھیں ملیں اور اِدھر اُدھر دیکھا کہ وہ خواب تھا یا یہ خواب ہے اور ہائے کیا تھا اور کیا ہوگیا کہتا ہوا اپنے گھر کو روانہ ہوا۔

مشتاق احمد زاہدی دہلی

جُدائی

(۱۸ مارچ سنہ ۱۹۴۰ء کو ٹرین میں لکھی گئی)

آج اسٹیشن پہ دہلی کے مجھے آئی نظر
ایک خاتون نیلگوں برقعہ میں پنہاں سر بسر

ریل کی جانب چلی آتی تھی پر بے حال تھی
جھٹکا جھٹکا ہر قدم تھا بہکی بہکی چال تھی

ہر گھڑی وہ دیکھتی تھی دائیں بائیں ہر طرف
تھیں کسی کو ڈھونڈتی اُس کی نگاہیں ہر طرف

بادلِ ناخواستہ ڈبہ میں وہ داخل ہوئی
اور ہماری محفلِ غربت میں آ شامل ہوئی

بال اُلجھے۔ سرخ چہرہ اور کچھ کھوئی ہوئی
سوجی آنکھیں۔ بھیگی پلکیں شکل تھی روئی ہوئی

کہہ رہی تھی حالِ دل اُس کی نگاہِ بے قرار
ہے یقیناً اُس کو شدت سے کسی کا انتظار

اُس کی پلکوں سے مچلتے اشک ٹکراتے تھے یوں
جیسے ساحل توڑنا چاہتی ہو موجِ بے سکوں

ہونٹ لرزاں۔ چشم نم۔ دل مضطرب نظریں اداس
درد سینے میں۔ جگر میں ٹیس۔ گم ہوش و حواس

جب "نئی دہلی" پہ گاڑی آ کے ٹھہری۔ ناگہاں
اک جواں آیا۔ ملا۔ ہونے لگیں سرگوشیاں

چل دیا وہ۔ تیز حرکت جب ہوئی دھیمی ٹرین
دور تک اُس کا تعاقب کر رہے تھے اِس کے نین

وہ بھی تھا حسرت بھری نظروں سے مڑ کر دیکھتا
ڈوبتا سورج تھا یہ غمگین منظر دیکھتا

ہو گیا آنکھوں سے اوجھل۔ اب کہاں صبر و سکوں
عشق چلایا کہ مژدہ باد اے جوشِ جنوں

توڑ ڈالا آنسوؤں کے سیل نے بندِ شکیب
پارہ پارہ ہو گیا برداشت کا دامِ فریب

کھیلتی تھیں اُس کی آہوں میں تڑپتی بجلیاں
ڈھا رہی تھیں ضبط کی بنیاد ہلکی ہچکیاں

روح تھی اُس کی سفر کے ولولوں سے بے نیاز
ہجرِ شوہر میں بنی تھی پیکرِ سوز و گداز

بے اثر تھی شام کے رنگیں نظاروں کی کشش
بڑھ رہی تھی شام کی خنکی سے اور دل کی تپش

سبز کھیتوں کا حسیں معصومیت پرور شباب
ننھی چڑیوں کے سُریلے راگ کا بجنا رباب

شاہدِ چرخ کا بادل کی چک سے جھانکنا
پھر دوپٹہ سے شفق کے روئے انور ڈھانکنا

وسعتِ صحرا میں بل کھاتی ہوئی ندیوں کا شور
کوہ کے دامن میں محوِ رقص شوخ و شنگ مور

کوہ کے زناران بیخود کا ہوا سے جھومنا
تتلیوں کا چپکے چپکے منہ کلیوں کا چومنا

جھاڑیوں میں جگنوؤں کی منتشر چنگاریاں
گھانس کی شعلہ بدوشی سے منور وادیاں

چاندنی کی سحر کارانہ تبسّم ریزیاں مست و بے پرواہوا کی گھاٹیوں میں شوخیاں
عظمتِ خالق کے شاہد محکم و سنگیں پہاڑ حسنِ فطرت کا نمونہ گل بہ دامن سبزہ جھاڑ
الغرض ہر سین اُس کے واسطے بے کیف تھا شغل تھا کوئی نہ اُس کو یادِ شوہر کے سوا
چپکے چپکے اشک ریزی دھیرے دھیرے آہِ سرد کھوئی کھوئی سی نگاہیں۔ میٹھا میٹھا دل میں درد
بے کلی کا تھا تقاضہ نیند سے روٹھی رہے یاد کو سودا تھا "اُن" کا نام ہی جپتی رہے
چھت کی جانب ٹکٹکی باندھے ہوئے لیٹی تھی وہ دل کے دریا میں سفینۂ عشق کا کھیتی تھی وہ
اُف جدائی اور جدائی بھی عزیز از جان سے یعنے سجدہ گاہِ اُلفت شوہر ذی شان سے
ایشیائی بیویاں خورشید ہیں شوہر پرست ہاں وہ صہبائے وفاداری سے ہیں مخمور و مست
اے خدا جب آدمی کو دل دیا تو نے عطا دردِ اُلفت کیوں دیا۔ فرقت کو کیوں پیدا کیا
کیوں نہ احساسات کو دی فطرتِ خشت و حجر اور کیوں رکھا نہ آہن عوضِ قلب و جگر

زندگی کی سختیاں تا ہنس کے انساں جھیلتا
آفتوں کی بجلیوں سے بے محابہ کھیلتا

مسز خورشید آرا بیگم نواب عتیق علی خاں

بقیہ صفحہ ۲۷

ہم میں حقیقی زندگی پیدا ہونے کے لئے اعلیٰ تعلیم و تربیت کی ضرورت ہے۔ تعلیم ہی سے انسان میں روشن خیالی پاکیزگی، نیک عزم، اتفاق و اتحاد پیدا ہو سکتا ہے۔ ایسی تعلیم ہونی چاہئے جو اسلامی تہذیب و تمدن اور ہماری قومی بقا کی ضامن ہو۔ تعلیم کو پیغمبرِ اسلام نے ہر مرد اور عورت کے لئے فرض قرار دیا ہے۔ اور یہ وہ تعلیم ہے جو ہر دو فرائض و واجبات سے آگاہ کرے۔ غافل اور مدہوش نہ کرے۔ اسی طرح اعلیٰ تربیت اُسے بہادری، مستقل مزاجی و شرافت کے اوج پر پہونچا دیتی ہے۔ اور بُری تربیت اُسے اسفل السافلین میں گرا دیتی ہے۔ اگر ہماری زندگی اِن باتوں سے آراستہ ہو تو برائیاں ہمارا ساتھ چھوڑ سکتی ہیں۔ اور ہم صحیح معنوں میں ترقیوں کے راستہ پر گامزن ہو سکتے ہیں۔ اقبالؒ نے جواب شکوہ میں کیا خوب کہا تھا

ہم تو مائل بہ کرم ہیں، کوئی سائل ہی نہیں راہ دکھلائیں کسے رہرو منزل ہی نہیں
تربیت عام تو ہے، جوہر قابل ہی نہیں جس سے تعمیر ہو آدم کی یہ وہ گل ہی نہیں
کوئی قابل ہو تو ہم شانِ کئی دیتے ہیں ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں

حفیظ جمال (مسز برہان الدین حسین)

ہالینڈ ہاؤس

مشہور تاریخی عمارت ہالینڈ ہاؤس کنسنگٹن افسوس ہے کہ اب نہیں رہا۔ اس کے ایک حصہ کے سوا پورے کا پورا نظر آتش ہوگیا۔ یہ تباہی Old Tou bread basket قسم کے بم سے نازی طیاروں کے ذریعہ عمل میں آئی وسیع چھتوں ڈھلواں دیواروں اور ناہموار ٹیلوں نے آسانی سے کافی مقدار میں پانی آگ بجھانے کے لئے فراہم کرنے میں رکاوٹ ڈالی۔ اسی وجہ سے لنڈن کے دیہات کا یہ واحد اور عظیم الشان محل جل کر راکھ ہوگیا۔ تاریخی عمارتوں میں سے اس کو بھی خاص اہمیت حاصل تھی۔ جو نازی خون آشام دیوتاؤں کی بھینٹ چڑھی۔

اس عمارت سے بہت سی قدیمی یادگاریں وابستہ تھیں۔ اور اس کی تباہی سے جنگ سے پیشتر کی خوبصورت عمارتوں اور یادگاروں میں سے ایک اور کا خاتمہ ہوگیا۔ اس میں بہتیری نادر روزگار چیزیں موجود تھیں اب اس کی نوعیت خواہ شکسپیر کی تصانیف کی سب سے پہلے اڈیشن کی صورت میں ہو۔ یا کوئی قدیمی ساخت کی بیش قیمت کرسی۔ غرضکہ سب کی سب نازی وحشیانہ پن کی شکار ہوئی۔

ہالینڈ ہاؤس صرف کہنے کے لئے خوبصورت اور قدیمی یادگاروں سے معمور عمارت نہ تھی۔ بلکہ اس میں گزشتہ عہد کے بے شمار اہم واقعات سے بھی خاص لگاؤ تھا۔ اس کے کمرے سب وسیع اور شاندار تھے۔ باغ کی گنجان جھاڑیوں کے درمیان یہ مکان ایستادہ تھا۔ اس سے متعلق بہت سی کہانیاں بیان کی گئی ہیں۔ جو مکان اور اس کے قدیمی مکینوں سے متعلق ہیں۔ تاکہ سطح بین لوگ اس کی جھلک درختوں کی آڑ سے دیکھ کر غلط فہمی میں نہ پھنس جائیں۔

بہت سے لوگوں کو یاد ہوگا کہ پیشتر باغ کی ہری گھانسوں اور ریختہ سڑک کنسنگٹن ہاؤس اسٹریٹ کے درمیان آہنی جنگلوں کی قطاریں بنی ہوئی تھیں۔ جو باغ کو سڑک سے جدا کرتی تھیں اور ان آہنی سلاخوں کی قطاروں کے بعد گھانس پر ایک کانسے کا بت تھا۔ یہ وکٹورین عہد کے ایک جنٹلمین کا مجسمہ تھا جو کرسی پر بیٹھا باغ کی دربانی کر رہا تھا یا راستے میں گاڑیوں اور بسوں کی آمد و رفت کے نہ ٹوٹنے والے سلسلوں کا موازنہ کرتا تھا۔

۱۶۵۷ء میں جب سر والٹر کوپ نے اس مکان کو تیار کرایا تھا تو یہ پیس کاسل کہلاتا تھا اس وقت کنسنگٹن محض ایک گاؤں تھا۔ جو لنڈن سے صرف وسیع میدانوں اور سرسبز پگڈنڈیوں کے ذریعہ علیحدہ کیا ہوا نظر آتا تھا۔

سر والٹر جیمس اول کا دوست خاص درباری اور ایک سیاسی مدبر تھا۔ ایک مرتبہ جیمس اول اس عمارت میں

مہمان کی حیثیت سے شب باش ہوئے تو انہوں نے یہ نقص بتایا کہ اس کی دیواروں سے ٹکراتی ہوئی سرد ہوا اندر ہر دم
آتی رہتی ہے۔ اس لئے رات کو وہ گرم بستر کا آرام حاصل نہ کر سکا! اسی وجہ سے بادشاہ جلد ہی یہاں سے رخصت ہو گیا
چنانچہ اس عمارت کی سردی اس ترقی کے عہد میں بھی خاص طور سے جاڑوں میں محسوس ہوتی ہے۔

سر والٹر کی اکلوتی بیٹی اور اس کی وارث ازبیل تھی۔ اس کی شادی ہنری ریش Henry Rech نامی سے
ہوئی جس کو بعد میں ارل آف ہالینڈ بنایا گیا۔ اور یہی نواب اپنے سسر کے ارتحال کے بعد "کنسنگٹن" کی اس عمارت کا
مالک قرار دیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے کئی حصوں کا اس میں اضافہ کیا۔ اور ایک اور ایک معتد بہ رقم اس کی اندرونی
آرائشوں میں صرف کی۔

پہلی منزل میں جو جنوبی رخ ہے ایک مشہور کمرہ تھا جو سنہرے کمرے کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا دیواروں پہ
تمام چوبی نقش و نگار بنائے گئے تھے۔ اور حسین رنگ و روغن سے اس کی دلکشی میں اضافہ کیا گیا تھا۔ اگرچہ اس
تباہی سے پیشتر ہی امتداد زمانہ کے ہاتھوں اس کی چھت گر پڑی تھی اس وقت سے اس کو ہالینڈ ہاؤس موسوم
کیا جانے لگا۔

ارل آف ہالینڈ اول کو شہید بادشاہ انگلستان کی تائید کے گناہ میں انگلینڈ کے ڈکٹیٹر کرامول نے قتل کرا دیا۔ کہتے ہیں
کہ پھانسی ہونے کے وقت۔ وہ نہایت استقلال سے سفید ریشمی لباس اور ساٹن کی سنہری چنٹ ٹوپی میں نقرئی
نازک فیتہ لگائے برآمد ہوا اور جلاد سے ہدایت کی۔ کہ قتل کے بعد جب میرا سر اٹھا کر لے چلو گے تو ٹوپی کو سر سے
مت اتارنا۔ یہ بھی ایک بیکار سی خواہش تھی۔ کہ سر اتارنے کے بعد نہ معلوم وہ کیسا دکھائی دے گا۔

کہتے ہیں سالہا سال کے بعد بھی اسی سنہری کمرے میں اس کا سایہ نظر آتا رہتا تھا۔ جب رات آدھی گزر جاتی
اس وقت یہ سایہ ایک پوشیدہ دروازے سے برآمد ہوتا۔ اور اس کمرے میں چہل قدمی کرتا۔ اس وقت اس کا سر
اس کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس پوشیدہ داخلے کے راستے میں خون کے تین دھبے پڑ گئے تھے۔ جو کسی
تدبیر سے بھی مٹائے نہ جا سکے۔

اس خاندانی عمارت سے ایک اور کہانی وابستہ ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ لیڈی ڈائنا ریچ جو اسی خاندان کی
لڑکی تھی۔ باغ میں ٹہلتے ٹہلتے بالکل اپنی جیسی اس کو ایک اور لڑکی نظر آئی گویا آئینہ میں وہ اپنا عکس دیکھ رہی ہے۔
اس کے بعد ہی وہ مرض چیچک میں گرفتار ہوئی اور مر گئی اس کی بہن کے متعلق بھی کہا جاتا ہے کہ اس نے بھی اپنے
مرنے سے چند روز پیشتر بالکل اسی طرح اپنا سایہ دیکھ لیا تھا۔

ارل آف ہالینڈ دوم جو پہلے ارل آف واروک پنجم تھا اپنے تایا زاد کی جگہ ۱۶۷۳ء میں اس کا جانشین ہوا اس کے
بعد اس کا بیٹا ایڈورڈ اسی خطاب اور جاگیر کا مالک بنایا گیا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کی بیوہ کونٹس آف واروک نے

جوزف ایڈیسن جیسے مشہور مصنف شاعر اور رئیس سے شادی کر لی۔ اگرچہ یہ سنجوگ خوشگوار ثابت نہیں ہوا۔ اور طبعی اختلاف کے بنا پر ہمیشہ ان کے دوست یہ کہتے تھے۔ کہ ہالینڈ ہاؤس اگرچہ بہت وسیع ہے۔ مگر اس میں مسٹر ایڈیسن کونٹس آف واروک اور ایک دوست کی گنجائش چین سے ممکن نہیں "۔

ایڈیسن کی وقائع نگاری بتاتی ہے کہ اگر آپ لانبی گیلری کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک دورہ کیجئے تو کوئی چیز موقع سے نہ ملے گی ۱۷۴۹ء میں یہ عمارت دوسرے کی ملکیت ہو گئی۔ ہنری فوکس نے اس کو خرید لیا۔ اس کے بعد وہ لارڈ ہالینڈ اول کہلایا۔ ہنری فوکس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ وقت کا ایک غیر معروف رئیس تھا۔ اس نے مخفی طور سے لیڈی جارجنا لینس سے شادی کر لی۔ اس شادی سے سوسائٹی میں بہت ہی غصے کا اظہار ہونے لگا۔ حتیٰ کہ دلہن کے باپ کو کئی رشتہ داروں نے تعزیت نامے لکھ کر بھیجے۔ گویا یہ شادی ان کے لئے موت سے بدتر تھی۔ ہنری فوکس مشہور مدبّر چارلس جیمس فوکس کا باپ ہونے کا فخر رکھتا تھا۔ یہ نامور بیٹا بھی ہالینڈ ہاؤس میں پلا بڑھا۔ باپ بیٹے کی نسبت عجیب روایات بیان کی جاتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک بار ہنری فوکس نے کسی دیوار کے متعلق بیٹے سے کہا کہ اس کو ڈھا دیا جائے گا۔ مگر بیٹے کے دیکھنے سے پیشتر یہ دیوار غلطی سے منہدم کرا دی گئی۔ جب باپ کو یہ خبر ہوئی تو اپنی بات کا پاس کر کے اس نے دوبارہ دیوار تیار کرا کے پھر بیٹے کے روبرو اسے حسب وعدہ منہدم کرا دیا۔ تاکہ اس لڑکے کے دل میں ایفائے وعدہ کا خیال پختہ ہو جائے۔ ایک اور موقع پر بیٹا چاہتا تھا۔ کہ اپنی گھڑی کو توڑ دے ہر چند باپ نے منع کیا آخر جب بیٹے کو اس کے ارادے میں سخت پایا تو ناچار کہنا ہی پڑا کہ اگر تمہیں اصرار ہے۔ تو ضرور ایسا ہی کرو۔ مگر اپنے ارادے کو متزلزل نکرو چارلس جیمس جیسا کہ مذکورہ بالا واقعات سے ظاہر ہے نہایت لاڈلا۔ نازپروردہ لڑکا تھا۔ جس کو باپ نے ہی زیادہ لاڈ پیار کر کے ضدی بنا دیا تھا۔ مگر اس کی بیدار مغزی اور درخشاں سیاسی نکتہ بینی مشہور تھی وہ نہایت کم سنی میں ایک کامیاب مستقبل کا مالک بنا۔

اٹھارویں صدی میں انگلینڈ کا یہ بے حد شہرت یافتہ ہر دلعزیز مدبر مانا جاتا تھا۔ جب لارڈ ہالینڈ اور اس کی حسین بیوی کنسنگٹن میں دربار منعقد کرتے تو وقت کے تمام امرا، روسا، علما، سائنس داں اور سیاست داں حضرات اس میں شرکت ضروری سمجھتے۔ اور بڑی فخر سے اس میں شریک ہو کر دربار کی رونق افزائی کرتے۔ ہنری فوکس یعنی لارڈ ہالینڈ اول اپنے اس قابل فرزند پہ نازاں تھا۔ یہ ۱۹ سال کی عمر میں ممبر آف دی پارلیمنٹ بنایا گیا۔ اور اس کی سیاست دانی کا بڑے بڑے مدبّر لوہا مانتے تھے۔

آہ۔ ۱۹۴۰ء میں یہ عمارت عہد موجودہ کی تہذیب اور ارتقاء کا نشانہ بن گیا۔ کیونکہ نازیوں کو اپنی اس وحشیانہ تہذیب پہ ناز ہے!

(ماخوذ) جمیلہ بیگم کلکتہ

جیک کا انتقال

اُسے زہر دیا گیا تھا۔ زہر کھا کر اس نے انگڑائی لی پھر جنگل کی طرف بھاگا وہاں معلوم نہیں کیا کیا
پھر وہاں سے اپنے مالک کے گھر آیا۔ دو تین پھریریاں لیں اور جان دے دی۔

محلہ کا کوئی ادنٰے سے ادنٰے واقعہ بوا رحیمن کی نگاہ سے اوجھل نہیں رہتا ہے۔ کچھ تو اس کا سبب یہ ہے کہ وہ ساری دُنیا سے نالاں ہیں اس لئے ہر ایک کی کُرید رہتی ہے۔ کچھ یہ باعث ہو گا کہ اب عنقریب چچی اماں ان کو پنشن دینے والی ہیں اس لئے انہوں نے ابھی سے اپنے آپ کو گھر کے کام کاج سے غیر متعلق سمجھ لیا ہے۔ پہلے بھی وہ زبان کا استعمال کافی سے زیادہ کرتی تھیں مگر اب تو وہ سوائے بولنے کے اور کوئی کام کرتی ہی نہیں ہیں۔

کسی کتے نے ممتاز کے کان میں دانت مار دیا تھا۔ وہ دن اور جیک کے چالیسویں کا دن۔ بوا رحیمن نے اپنی زبان کو آرام نہ لینے دیا۔

جس دن ممتاز کا کان کتے کے دانت سے کٹ کر لٹکا تھا اُس دن معلوم ہوتا تھا کہ بوا رحیمن کی زبان لٹک کر گر جائے گی۔ فرمانے لگیں "اے بیوی اچھی بیوی، سُنو تو سہی۔ تمہیں میرے دید۔ وں کی قسم مٹ جائے وہ کم بخت اللہ مارا، ہائے کیا دانت مارا کہ بچی کا بوٹا سا کان لٹک پڑا۔ نہیں بیوی، اب بندی تو گلی میں جائے گی نہیں۔ لو بی غضب خدا کا اس مُوئے جانہار کو تو انسان کے خون کا مزا پڑ گیا، جو کبھی مجھ بے زبان کی طرف بھبکا اور بھر لیا بکٹا تو کوئی پانی کا قطرہ بھی میرے حلق میں تو نہ ٹپکائے گا، صدقہ کروں گلی کو نہ بی نہ۔ اچھا تو آپ کو کیا یہی منظور ہے کہ رحیمن کی بوٹیاں کتے کھائیں؟ الٰہی اس وقت سے پہلے مجھے موت ہی آ جائے۔ اللہ کی قسم میرا تو کتے کو دیکھتے ہی دم نکل جائے گا۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ کیا موا اندھیر مچا ہے کہ کتے آدمیوں کی بوٹیاں نوچتے پھریں اور کوئی محلے والا اُف نہ کرے۔ صبر پڑے اُس پر جو اس ظلم کو نہ روکے۔ اللہ میری توبہ نہ ہوئی میں مرد وا۔ اُس کمبخت جیک کی بکا بوٹی کر دیتی"! چچی اماں نے حسب معمول بہت کم توجہی سے اس تقریر کو سُنا۔ اور اپنے کام سے دھیان رکھتے ہوئے بولیں کہ میں تو اب اُس جیک کو اپنے گھر میں بلا کر چند دن کو مہمان رکھوں گی"!

بوا رحیمن بلبلا کر بولیں "وُوئی نوج۔ اے بی صدقہ کروں اُس موئے شیر کے بچے کو۔ لو بی کیا ایسے خونی کتے کا گھر میں رکھنا ہنسی ٹھٹھا ہے۔ ایک ایک بچے کی ٹانگیں پکڑ کر چیتھڑے چیتھڑے کر دے گا۔ پھر آپ

مجھے مدد کو بلائیں گی۔ کما بچے کی کوٹھڑی میں ایسی چھپ کر اور کواڑ بند کر کے بیٹھوں گی کہ فرشتے بھی ڈھونڈتے ہی پھریں۔ اچھی ہوئی آخر آپ کیوں اس غوغی کو گھر میں بلائیں گی؟ آپ کو کیا ملے گا؟ ذرا میں بھی تو سنوں"

"چچی اماں نے اطمینان سے بہت آہستگی میں کہا" میں اس جیک سے کہونگی کہ کان کاٹنے کے بدلے وہ رحیمن کی زبان کتر ے"

دفعتہ بوا رحیمن کی "اوی" چیخ کے ساتھ نکلی" واہ صاحب واہ۔ دیدے نگوڑے سلامت نہیں رہے سُوجھتا کم ہے۔ گھٹنے کم بخت جواب دیئے جا رہے ہیں ایک لے دے کے انگل بھر کی زبان رہ گئی ہے اُسے بھی آپ جیک سے کتروائیں گی۔ ہائے میں کہاں مٹ جاؤں"

بھابی جان نے رحم کھاتے ہوئے اور دلاسا دینے کے بعد کہا" تو تم ڈاکٹر کے پاس جاکر اسے زہر کیوں نہیں کھلوا دیتی ہو" بوا رحیمن کے دل میں یہ بات اُتر گئی، فوراً ایک بیل والا دوپٹہ نکالا۔ اوڑھا یتے اُتار کر کالی گرگابی پہنی بڑا سا پان بنایا بہت سا زردہ ڈالا اور دُو مٹھیاں چھالیہ کی کلّے میں دبا کر ڈیوڑھی سے نکلیں۔ چلیں ہسپتال۔

قصبات میں یہ بڑا مزا ہے کہ ڈاکٹر سے لے کر شفاخانے کا بھنگی تک کسی کا بھی نوکر نہیں ہوتا اور یہ سب کا تابعدار بھی ہوتا ہے۔ غرض قصبات میں اچھا خاصا ہوم رول سرکاری ملازمین کو عطا ہوتا ہے۔ بوا رحیمن کو قصبے میں کون نہیں پہچانتا؟ ڈاکٹر نے جو دُور سے اُن کی ٹھوا چال دیکھی تو سنبھل کر بیٹھ گیا۔ اور میر صاحب کمپونڈر سے بولا "لو جی آج تو بڑی بی کے درشن ہوئے، میر صاحب سلنا اِن کا حکم"

میر صاحب کمپونڈر کو ایسے موقعے روز روز کب ملتے ہیں۔ مٹھار کر بولے" آؤ بوا۔ آؤ بوا رحیمن کیا بات ہے کیا پیٹ کا اُپریشن کروانے آئی ہو۔ بڑے پیچ و تاب کھا رہی ہو۔ اللہ فضل کروانے والا ہے مت گھبراؤ۔ پرسوں بھی ڈاکٹر صاحب دو اُستروں پر دلّی سے سان رکھوا کر لائے ہیں۔ تمہارے سر کی قسم چُٹکی مارنے میں انتڑیاں پنتڑیاں تمہاری باہر نکال کر رکھدوں گا۔ نہ مرض رہے نہ مریض"

بوا رحیمن ذرا مُسکرائیں۔ ڈاکٹر صاحب کو اس تمکنت سے سلام کیا گویا اِن سے کمتر ہے۔ پھر میر صاحب کی طرف گھُورا۔ کوٹھے پر ایک ہاتھ رکھا گردن کو جھٹکا یا اور بولیں" اجی میاں تیس مار خاں۔ مجھ لُولی لنگڑی کو مار کر کیوں اپنی گردن پر عذاب لیتے ہو۔ اس کو مارو جب جانیں جو زندہ انسانوں کا خون پی رہا ہے۔ ہیئے ہیے۔ کیا ستم برپا ہے کوئی بچّہ کوئی بوڑھا کوئی جوان ایسا محلّے کا نہیں جو اُس موذی کے چھپٹے میں نہ آیا ہو۔ جانے کب کا لیا دیا میرا کام آیا جو یہاں تک زندہ سلامت پہنچ گئی" ڈاکٹر بیچارا پنجابی ہے۔ وہ اس قسم کی تقریروں سے نہ آشنا ہے۔ دھک سے رہ گیا۔ کہنے لگا "پرمیشور کی کرپا ہو بڑی بی

کون ہے وہ موذی۔ میر صاحب یہ کیا قصہ ہے؟"

میر صاحب نے کہا "ابھی ایک کتا ہے۔ اس نے ایک دو بچوں پر حملہ کیا ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ محلے والے کہتے ہیں کہ فلاں ہے جو حملہ کرتا ہے۔ دونوں کمبخت ایک شکل کے ہیں۔"

بوا رحیمن نے کہا "نہیں ڈاکٹر یہ غلط ہے۔ بہورے کتے کا مفت میں لوگ نام بدنام کرتے ہیں۔ اصل موذی تو وہ جیک ہے۔ دیکھو ڈاکٹر صاحب مجھے ایک دن مرنا ہے آپ کو بھی مرنا ہے، جھوٹ بولنا مجھے آتا نہیں۔ اگر یہ عادت ہوتی تو سونے کا محل اب تک بنا لیتی۔ جو بات جتنی ہوگی کہوں گی۔ یا تو آپ جیک کو زہر دے کر مار دو نہیں تو مجھے دو زہر۔"

میر صاحب بولے "کیوں۔ کیا کتے کے بدلے تم کھاؤ گی۔"

بلبلا کر بوا نے جواب دیا "کم نہیں میرے دشمن میرے بیری۔ اچھی! جب تم مردوے ہاتھوں میں چوڑیاں پہن کر بیٹھ جاؤ گے تو ہم عورتوں ہی کو کرنے پڑیں گے برادری کے کام بھی۔" بوا رحیمن کی درخواست منظور ہوگئی۔ میر صاحب کمپونڈر گئے اور جیک کو زہر کھلا آئے۔

اس واقعہ کو بوا نے پھپی اماں سے اس طرح بیان کیا "ہائے بیوی۔ میرا تو کلیجہ نکلا پڑ رہا ہے۔ کوئی وی۔ کیا سناؤں آپ کو۔ اے بیوی وہ کتا تھا یا جن۔ دیکھئے جب میاں مقبول نے اُسے بلایا اور زہر ملا دودھ پینے کو کہا تو وہ اللہ کی قسم ایسا منہ موڑ کر بیٹھ گیا جیسے ناراض ہو جاتے کوئی۔ انہوں نے اسے پچکار کر کہا جیک پی لو یہ دودھ۔ تو بی یہ کہنا تھا کہ اُس نے پہلے تو میاں مقبول کی طرف ایسے دیکھا جیسے رو رہا ہو کوئی۔ پھر ان کی ٹانگوں میں لپٹ کر چمٹنے لگا۔ اُنہوں نے پھر کہا۔ شاباش جیک۔ بس پی لو یہ دودھ۔ اوں کی نٹوں کی اُس نے جو گردن جھکا کر دودھ پینا شروع کیا تو ختم کر کے ہی اوپر کو دیکھا۔ پھر میاں مقبول کی طرف رنجیدہ نظروں سے دیکھا ان کی ٹانگوں میں چلا پھر پیچھے ہٹ کر ایک ایسی انگڑائی لی کہ میں سمجھی شاید ساری ہڈیاں ٹوٹ گئیں۔ پھر وہاں سے وہ دُم دبا کر جو جنگل میں جنت کی جو لیا گیا پھر بلبلاتا ہوا آیا میری طرف دیکھا اور جھرجھری سی لے کر آنکھیں اٹھیں میں۔ اے لو بوا۔ اس کمبخت کا دم نکلتے کا جب اور اوپر کا اوپر ہو کر رہ گیا۔ ہائے کس محبت سے جان دی کہ میں تو ڈر گئی۔ پھر اُس کا اپنے مالک کو نظر بھر کر دیکھنا بھولا نہیں جاتا۔ اچھی بیوی مجھے تو اب شاید وہ خواب میں بھی دکھائی دے گا۔" پھپی اماں نے کہا "بھئی تو وہ کتنا اچھا تھا۔ کوئی دو سال کا تو ہوگا ہی۔ تو دیکھ تیس برس سے اس گھر کا نمک کھا رہی ہے۔ مگر میرا کہنا نہیں مانتی ہے جیک نے جان بوجھ کر اپنے مالک کے حکم کے آگے مرنا منظور کیا مگر نافرمانی نہ کی۔ اے رحیمن ڈوب مر۔ تجھ سے تو کتے بہتر ہیں۔"

سید ابو تمیم فرید آبادی۔

تقاضائے وقت

یہ وقت نہیں ہے اے بہنو! آسائش و خوابِ غفلت کا
سوچو تو ذرا تم اے بہنو! سمجھو تو ذرا تم اے بہنو!
کیا اس کو غنیمت سمجھیں ہم، ہل چل جو دلوں میں پاتے ہیں
بیدار ہیں وہ، جو زندہ ہیں، بیکار ہیں وہ جو مُردہ ہیں
اِس وسعتِ بزمِ عالم کو، گھوڑ دوڑ کا ایک میداں جانو
اس دنیا میں نیک و بد کا ہر اک کو صلہ مل جاتا ہے
انسان سے انسان لڑتا ہے، افسوس ہوا ہے کیا اِس کو
کھولیں نہ جنھوں نے اب آنکھیں، وہ خاک و خوں میں تڑپیں گے
سوچو تو کہاں تھے پہلے ہم، اور آج کہاں رکھا ہے قدم
وہ بھی تھے بشر، اور ہم بھی ہیں، عشرت بھی یہاں ہے غم بھی ہیں
وہ قومیں خود مٹ جائیں گی، اور اُن کا پنپنا مشکل ہے
نیرنگِ زمانہ سے شاید آگاہ نہیں ہیں ہم ناداں
ہاں یہ تو بتا اے دل مجھ کو، سچ کہنا لیکن تو مجھ سے
تاریخ بنی اک افسانہ، وہ ٹھاٹ کہاں اب شاہانہ
کیا دیکھ رہی ہیں یہ آنکھیں، بدلا ہے زمانے نے چولا
وہ کیفِ عبادت میں نہ رہا، وہ لطفِ محبّت میں نہ رہا
مُنہ جس نے حقیقت سے موڑا، احکامِ خدا جو بھول گئی
یورپ سے نہ ہم لیتے ہیں سبق، مشرق پہ نہ ہم کہتے ہیں نظر
یہ سہل انگاری چھوڑو بھی، یہ پست خیالی دور کرو
کیا اینڈ رہے ہو بستر پر یوں سوئے تھے کروٹ بھی نہ لی
لیتے ہو جماہی کیا بابا، یہ انگڑائی کب تک آخر؟
اے محوی! تم دیکھو تو ذرا، کیا خاک جہاں میں اُڑتی ہے

یہ دور ہے پیہم کوشش کا، یہ عہد ہے جہد و محنت کا
سونے کی نہیں یہ ساعت ہی، یہ وقت ہی عیش و راحت کا
احساس ہوا ہی کچھ پیدا کیا مُردہ دلوں میں غیرت کا
گھڑیاں یہ نہیں ہیں سستی کی، ہنگام ہے عزم و ہمّت کا
ہر سانس میں دُھن ہو سبقت کی ہر گام ہو اب تو جرأت کا
ہر ایک نتیجہ دیکھے گا، اک روز خود اپنی لیاقت کا
کیا بند ہوئیں وہ کھلی آنکھیں یا ہے یہ تقاضا فطرت کا
انجام یہی ہے غفلت کا، اور فیصلہ ہے یہ قدرت کا
دیکھو تو تقابل کر کے ذرا اسلاف کی اپنی عظمت کا۔
ہم کو یہ صلہ پستی کا ملا، انعام وہ اُن کو جرأت کا
جن کو نہ سمجھ میں آئے گا کچھ رازِ نظامِ قدرت کا
بے کار گلہ ہے گردوں کا، شکوہ یہ عبث ہے قسمت کا
مجھ کو بھی کبھی یاد آتا ہے وہ ماضی اپنی سطوت کا
وہ ڈھنگ نہ جاہ و حشمت کا، وہ رنگ نہ علم و حکمت کا
گویا ورق اُلٹا ہے ابھی قدرت نے کتابِ فطرت کا
اللہ کرے دور آنکھوں سے پردہ جو پڑا ہے نکبت کا
معلوم ہے ساری دُنیا کو انجام ہر ایسی اُمّت کا
ماتم ہے دل کی بصیرت کا، رونا ہے نُورِ فراست کا
لو صبح ہوئی بجتا ہے گجر، عالم ہے کیف و لطافت کا
اب نیند کہاں، جاگو، اُٹھو منظر ہے صبحِ سعادت کا
دیتا ہے زمانہ دنیا کو پیغام بہارِ صنعت کا
یہ کھیل تماشے کیسے ہیں، بازار ہے دنیا عبرت کا

محوی صدیقی لکھنوی

طلاق اور شادی

میں محبت اور شادی کے تحت میں یہ بتا چکا ہوں کہ کامیاب ازدواجی زندگی کیلئے شادی سے پہلے محبت کر لینا ضروری نہیں ہے بلکہ فرض شناسی بھی کام دے سکتی ہے اور تعدد ازدواج اور ستائی میں میں نے یہ بتایا ہے کہ شادی کے رشتہ میں منسلک ہونے کیلئے عورت و مرد کس تعداد میں حصہ لے سکتے ہیں۔ اب یہ معلوم کرنا ہے کہ اس رشتہ کی کیا مدت ہونا چاہئیے یعنی کیا مرد و عورت یکدفعہ شادی کر لینے کے بعد ہر صورت و حالت میں ہمیشہ کیلئے اس رشتہ میں منسلک رہنے کے لئے مجبور رہنے چاہئیں یا کسی خاص مدت کیلئے اور کیا خاص خاص صورتوں میں اس رشتہ کو توڑ دینا سوسائٹی کے مفاد کے لئے ضروری ہو سکتا ہے یا نہیں۔ میں یہ کہتا آیا ہوں کہ شادی سوسائٹی کی پیدا کردہ رسم ہے اس لئے سوسائٹی کی ضرورت کے تحت میں ہونا چاہئیے۔ ساتھ ہی میں یہ بھی بتا چکا ہوں کہ مذہب، اقتصادیات اور شخصی رجحان وغیرہ نے مختلف اوقات میں ہر ملک و قوم کی رسوم کو ایسی ایسی بندشوں و قیود میں جکڑا کہ سوسائٹی کے لئے باوجود ان بندشوں کی خرابیوں اور ہلاکت خیز نتائج سے واقف ہو جانے کے بعد بھی ان سے نجات پانا بہت مشکل ہو گیا۔ مثلاً ہندو سوسائٹی میں جو شادی کو شخصی ضرورت سے کہیں زیادہ اجتماعی بہبودی کیلئے ضروری سمجھتی ہے لیکن اپنے قوانین کو عموماً مذہبی رنگ میں پیش کرتی ہے مت شادی کے ضمن میں ایک ہندو استری کا جب کسی مرد سے بیاہ ہو جائے تو خواہ وہ مرد ظالم ہو یا پاگل، بیکار ہو یا بد طینت، زندہ ہو یا مر جائے اس عورت کو ہمیشہ کیلئے صرف اس مرد کی استری ہو کر رہنا پڑتا ہے وہ ایک ناکارہ اور ناموافق مرد سے کبھی نجات حاصل نہیں کر سکتی۔ مذہب کی اس بندش سے ہندو سوسائٹی کو جو نقصان ہوا اور ہو رہا ہے وہ اظہر من الشمس ہے اور آج ترقی یافتہ ہندو ان بندشوں کو پوری قوت کیساتھ توڑ رہے ہیں جس کا ثبوت طلاق اور بیوہ کی شادی کے جواز کے قوانین کے اجرا کے لئے اسمبلی میں ہندو ممبروں کی جان توڑ کوششوں سے مل رہا ہے۔ امریکہ سے جب یہ خبر آئی کہ وہاں "ٹیسٹ میرج" یعنی ایک خاص مدت کیلئے شادی کر لینے کی رسم قائم کی جانے کی کوشش ہو رہی ہے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ مرد و عورت کی ازدواجی زندگی میں ساز و باز ہو سکتا ہے یا نہیں تو ہمیں بڑی حیرت ہوئی اور ہمارے سب کچھ جاننے والے طبقے نے اس کا بہت مذاق اڑایا۔ ایسے مسائل پر ہماری جہالت کا یہ عالم ہے اور ہمارے غور نہ کرنے کی عادت کی یہ صورت ہے کہ ہم یہ بھی نہیں دیکھ سکتے کہ خود مسلمانوں کے ایک بڑے فرقہ میں "متعہ" جائز ہے اور اس قسم کا ہمیشہ رواج رہا ہے اور ایران میں تو اس رسم نے اس قدر مکروہ شکل اختیار کر لی تھی کہ رضا شاہ پہلوی نے اس کو قانوناً بند کرنا ضروری سمجھا۔ ٹیسٹ میرج بھی ضرورت کے تحت ہی ہے یعنی ایک خاص سوسائٹی نے ایک مقررہ مدت کیلئے شادی کر لینے کو قانوناً اور مذہباً بھی تسلیم کیا۔ یورپ اور امریکہ سے آپ برافروختہ ہیں اور متعہ کے آپ قائل ہیں تو آئیے ایک اور مشرقی قوم جاپان کے متعلق سن لیجئے وہاں قدیم زمانہ سے یہ رسم چلی آ رہی ہے جو شاید اب مٹتی جا رہی ہو۔ وہاں ہر شادی ایک خاص مدت یعنی دیہات میں عموماً پانچ برس اور عام لوگوں میں تین چار سال کیلئے ہوتی ہے گو اس مدت کے بعد عموماً علیحدگی نہیں ہوتی بلکہ اکثر بعد زندگی بیوی کے ساتھ رہتے ہیں۔ ازدواجی زندگی کی کامیابی اور بچوں کی حفاظت و پرورش وغیرہ کے لئے شادی کے رشتہ میں دوامیت لازمی ہے لیکن انسانی زندگی میں ایسے خاص موقع ہو سکتے ہیں کہ جب عورت اور مرد کی ضرورت یا سوسائٹی کی بھلائی کیلئے اس رشتہ کو توڑ دینے کی سہولت کا ہونا ضروری ہو جاتا ہے۔ جو سوسائٹی اس رشتہ کو ہر حالت اور ہر صورت میں مذہباً، قانوناً یا رسماً دوامی اور تمام زندگی کے لئے مقرر کر دیتی ہے وہ انسانی ضروریات سے ناآشنائی کا اظہار نہیں کرتی بلکہ اپنے احکام سے سرگردانی کی دعوت دیتی ہے۔ عیسائی رہبانیت نے جس کے علمبردار فی زمانہ رومن کیتھولک ہیں جنسی تعلقات کو ہمیشہ مکروہ و ذلیل گردانا اور جب انسانی کمزوری کا لحاظ کر کے شادی کی ضرورت کو تسلیم بھی کیا تو اس رسم کو سوشل نہیں بلکہ مذہب کیلئے بدکاری سے بچنے کا آلہ تصور کیا۔ ان کے خیال سے

عورت ومرد کو شادی کی اجازت اس لئے دی جانا چاہیئے کہ وہ بدکاری سے بچ سکیں اور چونکہ شادی بدکاری وگناہ سے محفوظ رکھنے کا ذریعہ ہے اس لئے پادریوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ جن دو ہستیوں کو گناہ سے بچانے کے لئے اللہ شادی کے رشتہ میں باندھ دے اُن کو دنیا کی قوت قانون، شخصیت یا ضرورت جدا کرنیکا مجاز نہیں رکھتی - لہٰذا طلاق ہرصورت میں ناجائز وحرام ہے اگر کسی مرد کے سر کوئی پاگل عورت پڑ جائے تو خواہ اُس مرد کو کیسی ہی کوفت وپریشانی ہو سوسائٹی میں پاگلوں کی نسل بڑھ جانیکا خطرہ ہو مرد اپنی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے سوسائٹی کے امن امان میں جس قدر چاہے رخنہ اندازیاں کرے لیکن اُس کو پادریوں کی یہ مذہبی ضد پاگل عورت سے نجات نہیں پانے دیگی - اسی طرح اگر عورت کو ظالم، جابر، ملزم ومجرم، بدطینت وبدکار مرد مل جائے تو اُس سے نجات حاصل کرنیکا کوئی طریقہ نہیں ہاں اُس سے علیحدگی اختیار کیجا سکتی جو زندہ درگور کردیتی ہے کیونکہ قانونی "علیحدگی" ہوجانے پر نہ مرد کو اس کی اجازت ہے کہ وہ دوسری شادی کرلے اور نہ عورت کو گویا شادی شدہ ہوتے ہوئے وہ علیحدہ علیحدہ رہبانیت کی زندگی گذارنے پر مجبور رکئے جاتے ہیں جسکا نتیجہ بدکاری وبدامنی اور پریشانی ومصیبت کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے عیسائیوں کو مذہب کی ایسی بندشوں کو توڑنے کے لئے ایک جدید نظام تیار کرنیکی ضرورت محسوس ہوئی جس نے پروٹسٹنٹ فرقہ پیدا کردیا جن مذاہب جن قوموں اور جن سوسائٹیوں نے شادی کو الٰہی، مذہبی اور مافوق الانسانی رشتہ سمجھ کر اسکی سوشیل ضروریات سے پہلو تہی کی اور اسکو دوامی قرار دیکر طلاق کو ناجائز سمجھا انہوں نے حقیقتاً شادی کے اصل اصول کو سمجھا ہی نہیں متمدن سوسائٹی میں طلاق کے جواز کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی شادی کی فرق صرف اتنا ہے کہ عورت ومرد کے تعلقات میں جو افعال جائز قرار دئے گئے ہیں انمیں شادی بہترین ہے اور طلاق بدترین - طلاق کے جواز کی ضرورت پر زیادہ لکھنے کی حاجت نہیں لیکن کن صورتوں میں طلاق جائز ہونا چاہیئے اور کس طریقہ سے طلاق حاصل کیجائے اور مطلقہ مرد وعورت کا سوسائٹی میں کیا درجہ ہو یہ تمام امور قابل وضاحت ہیں، اس غرض کیلئے اگر میں پہلے یہ بتا دوں کہ قدیم وجدید سوسائٹیوں میں طلاق کس صورت میں موجود رہی ہے تو آپ کو ان مسائل کے سمجھنے میں ضرور آسانی ہوجائے گی -

قدیم سوسائٹی میں طلاق طلاق کی رسم کسی نہ کسی شکل میں شادی کے ساتھ ساتھ ہمیشہ رہی ہے، قدیم اقوام اور آجکل کی اُن غیر متمدن اقوام کی رسوم سے جنمیں قدیم اقوام کے طور وطریقے ابتک بحال ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن اقوام میں سوسائٹی بہت ہی غیر منظم شکل میں تھی یا ہے انمیں نہ شادی ہی اصل شکل میں نظر آتی ہے اور نہ طلاق، ایسے لوگوں میں طلاق ایک آسان شے ہوتی ہے، مرد جب چاہے عورت کو علیحدہ کردیتا ہے اور کہیں کہیں عورت بھی مرد کو آسانی سے چھوڑ دیتی ہے لیکن جیسے جیسے سوسائٹی منظم ہوتی جاتی ہے طلاق بھی مندرجہ ذیل صورتوں میں سے کسی ایک شکل میں نظر آنے لگتی ہے -

طلاق کی مختلف صورتیں عورت ومرد دونوں کی رضی سے شادی ہونا چاہیئے اور دونوں ہی کی مرضی سے ازدواجی زندگی جاری رہنا چاہیئے لیکن اگر کسی وجہ سے ازدواجی زندگی دوبھر ہوجائے تو دونوں کو حق حاصل ہونا چاہیئے کہ وہ ایکدوسرے سے علیحدہ علیحدہ ہوجائیں لیکن یہ دلپسند صورت حال ہمیشہ اور ہر قوم میں نہیں ملتی اس لئے طلاق کی مختلف صورتیں پیدا ہوتی رہیں اور انہیں سے چند یہ ہیں (۱) صرف مرد کو طلاق کا حق ہونا (۲) صرف عورت کو یہ حق ہونا (۳) دونونکو ان کی مرضی سے برابر کا حق ہونا (۴) دونونکو چند شرائط پر برابر کا حق ہونا (۵) دونونکو قوم کے بزرگوں یا حکومت کی اجازت کے بعد یہ حق ہونا (۶) عورت یا مرد کے کسی بُرے برتاؤ یا عیب ہونے پر یہ حق حاصل ہوجانا (۷) مرد کو آزادانہ طور پر اور عورت کو شرائط کے ساتھ یہ حق ہونا (۸) بالکل ہی طلاق کا کسی کو حق نہ ہونا وغیرہ، قدیم اور غیر متمدن اقوام کی رسوم کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ان لوگوں میں تین اقسام عام ہیں (۱) مرد وعورت دونونکو ضرورت کے وقت علیحدہ ہوجانیکا حق (۲) مرد وعورت کو علیحدہ ہونے کے مال وجائداد واپس کردینے کی شرط (۳) آپس میں طے کرکے خوشی خوشی علیحدہ ہوجانیکا طریقہ -

آجکل کی غیر متمدن اقوام میں طلاق - ہندوستان کی قدیم اقوام میں طلاق کی رسم پائی جاتی ہے - مرد وعورت دو معاملہ ،

برابر کا درجہ رکھتے ہیں اور کہیں کہیں تو عورت کو زیادہ حقوق حاصل ہیں مثلاً نایر قوم میں عورت جب چاہے اپنے خاوند کو طلاق ہی نہیں دے سکتی بلکہ قرض ادا کرنے کے لئے اُسکو غلام کی طرح فروخت کر دینے کا حق بھی رکھتی ہے۔ اڑیسہ کے گونڈوں میں عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جب چاہے مرد کو چھوڑ دے لیکن مرد عورت کو صرف اس کے علانیہ بدچلن ہونے ہی پر چھوڑ سکتا ہے عورت کی اتفاقی بدچلنی قابل عفو شمار کیجاتی ہے لیکن مرد کی بدچلنی کا ذرا بھی ثبوت مل جائے تو اُسکو سزا دیجاتی ہے گونڈوں میں عورت کا اعتقاد یہ ہے کہ اگر عورت بدچلن ہو اور مرد اُسکو طلاق نہ دے سکے بلکہ بیزار ہو کر دوسری عورت کرنا چاہے تو اُسے اپنی بدچلن بیوی سے اجازت لینا پڑتی ہے۔ ٹوڈا، بوداور بیل اور گرین قوموں میں عورت اور مرد دونوں کو طلاق کے مساوی حقوق ہیں۔ بلاگا لوگوں میں عورت جب چاہے چلی جائے لیکن بچے مرد کو ملجاتے ہیں سنتال لوگوں میں طلاق عام نہیں لیکن قوم کے بزرگوں کی رائے سے جُدائی ممکن ہے۔ وسط ایشیا کی قوموں میں مرد کو طلاق کا حق عام ہے لیکن عورت کو چند خاص حالتوں میں مثلاً مرد کے ظلم و تشدد کیوجہ سے طلاق ملسکتی ہے۔ ملایا وغیرہ کی طرف مرد کو طلاق دینے کا حق ہے اور عورت کو بھی اگر مرد دوسری عورت لے آئے یا ظالم و جابر ہو تو یہ حق ملجاتا ہے۔ ہندوؤں میں منوجی کے قانون کے مطابق مرد کو اختیار ہے کہ اپنی عورت کو اگر وہ شرابی بدچلن باغی بیمار بدمعاش فضول خرچ یا بانجھ ہو یا اُس کے لڑکیاں ہی لڑکیاں پیدا ہوتی ہوں یا بچے ہو کر مرجاتے ہوں اور یا صرف جھگڑالو ہو تو اُسکو چھوڑ کر دوسری کر لے لیکن عورت کو طلاق ہوجانے کے بعد بھی یہ اختیار نہیں کہ وہ دوسری شادی کرلے۔ منوجی کے بعض قوانین سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس عورت کا مرد اُسکو چھوڑ کر کہیں چلا جائے یا وہ بیوہ ہوجائے تو ایک عرصہ کے بعد اُس عورت کو شادی کی اجازت ہے لیکن عملاً رسم و رواج نے ہندوؤں میں مرد کو تو آزادی دی ہے کہ وہ عورت کو علیحدہ کر دے اور دوسری کرلے لیکن عورت کو ہر حالت میں مجبور و مقید کر دیا ہے۔

ہندوؤں میں طلاق کیجگہ نیوگ کی رسم

ہندو عورت کی آزادی پر طلاق کے جائز نہ ہونیکی بندش عورت ہی کیلئے نہیں سوسائٹی کیلئے بھی مضر ثابت ہوتی ہے لیکن ہندوؤں نے اپنی سوسائٹی کی ضرورت اور مفاد کیلئے اس معاملہ میں ایک ایسی [illegible] وضع کی کہ جو دوسرے لوگوں کو مضحکہ خیز بلکہ مکروہ معلوم ہوتی ہے اور اسکا بہت مذاق اُڑایا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے تعلیم یافتہ ہندوؤں کو اپنی اس رسم پر شرماتے اور اسکے وجود کا انکار کرتے سنا ہے یہ اُنکی غلطی ہے۔ یہ رسم جب ہندو مردوں نے اپنے جذبات سے متاثر ہو کر اور اپنی شادی کے نظریہ اور طرز کو برقرار رکھنے کیلئے عورت کو ایسی تعلیم و تربیت دی کہ وہ مرد کو ساتھی اپنا دیوتا اور خدا سمجھے اور عورت کو یہ حق دینا مناسب نہیں سمجھا کہ وہ مرد کو طلاق دے سکے تو ہندو قانون سازوں نے اپنی سوسائٹی کی ضرورت کو پورا کرنے کیلئے یعنی تندرست عورت کو اچھی نسل کے بچے قوم کیلئے حاصل کرنیکی غرض سے نیوگ کی رسم کی اجازت دیدی۔ ہندو سوسائٹی نے گویا شخصیت کو مٹا کر خاندان کو لازوال کرنا چاہا اور اس غرض کیلئے شادی کے فرائض کو دو حصوں میں تقسیم کرکے ازدواجی زندگی کو جنسی زندگی سے علیحدہ کر دیا اور اس طرح عورت کو ازدواجی یا خاندانی زندگی کے ہر حالت میں قائم رکھنے پر مجبور کرکے اُسکو یہ آزادی دیدی کہ سوسائٹی اور قوم و خاندان کیخاطر وہ اپنے خاوند کے کمزور یا ناکارہ ہونیکی صورت میں بچوں کی پیدائش کیلئے قوم کے کسی دوسرے تندرست مرد سے تعلق کرسکتی ہے۔ یہ ایک مکروہ شکل نظر آتی ہے لیکن جس سوسائٹی نے شخصیت اور انفرادیت کو اجتماعی بہبودی پر ہر طرح قربان کر دیا ہو اور جس نے خاندان کے قیام کی خاطر عورت کو طلاق کی کسی صورت میں بھی اجازت نہ دی ہو اسکے لئے ایسی رسم کا جواز علمی نکتہ نظر سے کسی طرح بھی قابل اعتراض نہیں تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ طلاق کے نہ ہوتے ہوئے اگر ہندو سوسائٹی میں نیوگ نہ ہوتا تو ہندو سوسائٹی کے قوانین کو علمی اصول سے بالکل غیر مکمل اور ناقص کہا جاسکتا تھا۔ نیوگ کی رسم ایسی صورتوں میں سوسائٹی کی بہبودی کیلئے بالکل درست ہے اور یہ رسم انسانی جذبات کا خون کرتی ہے اور اگر عورت و مرد [illegible] اپنی سوسائٹی کے ہر قانون کی فرمانبرداری کرنیکے عادی نہ ہوں تو نیوگ کی رسم ہوتے ہوئے ازدواجی زندگی کا خوش و خرم اور کامیاب ہونا مشکل نظر آتا ہے۔ ہندوؤں کے اُن فرقوں کو جو عورت کو طلاق کی آزادی دینے کے حامی نہیں اور شادی کی خاندانی ضرورت کو ہر حالت میں شخصی جذبات و رجحانات پر ترجیح دینا چاہتے ہیں نیوگ کی رسم کو شرمندہ ہونا چاہئے اور نہ اسکے جواز سے انکار کیونکہ یہ رسم بالکل سائنٹیفک اصول پر مبنی ہے اور علمی نکتہ نگاہ سے اسمیں کوئی خرابی نہیں۔ اسکے مقابلہ میں عیسائی سوسائٹی کو دیکھئے ان کے ہاں بھی طلاق جائز نہیں لیکن قانونی علیحدگی (separation) ہوسکتی ہے لیکن اس جدائی سے سوسائٹی کو نقصان ہی ہوتا ہے کوئی فائدہ نہیں ہوتا کیونکہ سیپریشن کے بعد ایک تندرست و توانا عورت نہ مرد سے کوئی تعلق رکھ سکتی ہے اور نہ دوسری شادی کرسکتی اور نہ کوئی ایسا دوسرا طریقہ یا راہ اُس کیلئے کھلی ہے کہ وہ سوسائٹی کیلئے ماں ہونیکا فرض ادا کرسکے اسلئے عیسائیوں کا یہ قانون ناقص ہے اور اُنکی سوسائٹی اس معاملہ میں

غیر متمدن ہندو سوسائٹی نے ایک تندرست اور توانا عورت کو اسکی تو اجازت نہیں دی کہ وہ اپنی ازدواجی زندگی میں کسی وجہ سے بھی بہرہ مند ہو سکے لیکن سوسائٹی کے مفاد کی خاطر نیوگ کو برداشت کر لیا اس لئے ہندو سوسائٹی بیشک غیر متمدن نہیں کہلائی جا سکتی گو اُن کے طریقہ کار میں اصلاح کی گنجائش ہے۔

مہابھارت، پانڈوں کی والدہ کُنتی اور نیوگ

ہندو سوسائٹی نے عورت کی پاکدامنی اور عصمت کی حفاظت پر بڑا زور دیا ہے لیکن یہ خاوند کے حقوق کی نگہداشت اور نسل کی حفاظت کیلئے جسکا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ ہندوؤں میں اگر کوئی لڑکی اپنی ذات سے اونچی ذات والے سے تعلق پیدا کرنا چاہتی یا کر لیتی تو وہ قابل سزا نہیں لیکن اگر کسی نیچی ذات کے مرد سے وہ ایسا کرے تو اسکو گھر میں قید کر دینے کا حکم ہے اسی طرح عورت کو جو خاوند کی ملکیت شمار کیجاتی ہے بدچلنی کی سزا میں قتل تک کر دینے کی خاوند کو اجازت ہے لیکن نسل اور بچوں کی خاطر خاوند اس بی عورت کو مجبور کر سکتا ہے کہ وہ کسی دوسرے مرد سے تعلق کرے، مہابھارت مقدس میں صاف صاف فیصلہ دیدیا گیا ہے کہ اگر کوئی عورت اپنے خاوند کے اس حکم کو نہ مانے تو وہ پاپی ہے اور عذاب دوزخ کی مستوجب ہندو سوسائٹی میں عورت و مرد کا انسانی رشتہ ملکیت پر مبنی نظر آتا ہے ہندو مرد جو اپنی بیوی کو بدچلنی پر اُسے قتل تک کر دینے کا مجاز رکھتا ہے نسل اور قوم کیخاطر ہی مرد اپنی بیوی کو بدچلنی پر مجبور بھی کر سکتا ہے۔ انسان کا مدنی الطبع ہونا اور طلاق کا جواز نہ ہونا کیا کیا تماشے دکھا سکتا ہے نیوگ پر میری رائے سُننے کے بعد میرے ایک قابل ہندو وکیل دوست نے مجھے بتایا کہ مہابھارت کے ہیرو پانڈوں کی ماں کُنتی "کے یہ پانچوں جوانمرد بیٹے اپنے باپ کے نہیں بلکہ مختلف دیوتاؤں کی اولاد تسلیم کئے جاتے ہیں ان کے والد پانڈو جی کسی وجہ سے نسل کی افزائش کے قابل نہیں رہے تھے۔ ہندوؤں کے علاوہ بہت کم لوگوں کو یہ علم ہے کہ پانڈو پانچ نہیں چھ بھائی تھے کنتی دیوی کی شادی سے پیشتر ایک لڑکا کرن نامی ہوا تھا جسکو اُنھوں نے ایک تختہ پر رکھ کر جمنا میں بہا دیا تھا اور ایک عورت رادھا" نے اُسکو پاکر پرورش کیا تھا۔ یہ جوان بہت بڑا تیر انداز تھا اور کوروں کیساتھ رہتا تھا اُس نے کوروں کو پانڈوں کے خلاف جنگ کرنیکا بچن دیدیا تھا اُس کے بعد کُنتی دیوی نے کرن کو بلا کر بتایا کہ وہ اُن کا بیٹا ہے اور اُسکو اپنے بھائیوں کے خلاف نہیں لڑنا چاہیئے مگر وہ بچن دیچکا تھا اس لئے مجبور رہا اور جنگ میں اپنے بھائی ارجن کے تیر کا نشانہ ہو گیا۔ اس بیان سے آپکو صاف ظاہر ہو گیا ہو گا کہ قدیم ہندو سوسائٹی اسقدر محدود تھی اور اُسمیں اتنی یکسانیت پائی جاتی تھی کہ ذات پات کا خیال رکھتے ہوئے جنسی تعلقات پر سخت قیود عائد نہیں کی گئیں بلکہ آجکل کی سب سے آزاد و ترقی یافتہ جرمن قوم کی طرح ایک ہی نسل اور قوم کے لوگوں میں جنسی تعلقات اور بچوں کی پیدائش کا سوال شخصی نہیں بلکہ اجتماعی اور قومی تسلیم کیا جاتا تھا۔ آج جرمن جہاں تعلقات میں اپنی قوم کو آزادی دے چکے ہیں وہاں نسل کی خاطر وہ یہ بھی انتظام کر رہے ہیں کہ یہودی یا دوسری قوموں کا خون انکی نسل میں نہ ملجائے، یہودیوں کو مار بھگانیکی یہ بھی ایک خاص وجہ ہے اس طرح ہندوؤں کی ذات پات کی سختی طلاق کی اجازت نہ ہونا اور "نیوگ" کا جواز ہندو سوسائٹی میں بالکل سائنٹفک اصول پر مبنی تھا لیکن یہاں یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ سوسائٹی کے ایسے اصول مساوات انسانی کے خلاف ہیں اور انسانوں کا بڑا گروہ ایسی محدود سوسائٹی اور اسکی امتیازی خصوصیات کا قائل نہیں ساتھ ہی دنیا کی دوسری متمدن سوسائٹیوں نے اپنی اس ضرورت کیلئے جسکو ہندو نیوگ کے ذریعہ پورا کرتے ہیں بدرجہا بہتر راہیں بنا لی ہیں اس لئے نیوگ کی رسم جاری رکھنا یا پھر زندہ کرنا خصوصاً ہندوستان میں جہاں کئی کئی قومیں آباد ہیں کسی طرح بھی سوسائٹی کے لئے اب مفید ثابت نہیں ہو گا لہذا ہندو سوسائٹی کے لئے طلاق کو فوراً جائز کر دینا اب بالکل ضروری ہو چکا ہے۔

دنیا کی دیگر وحشی قوموں میں طلاق

امریکہ کے اصل باشندوں اور وحشی لوگوں میں طلاق عموماً مرد کی مرضی پر ہوتی ہے وہ عورت سے ناراض ہو کر اسکو چھوڑ دیتا ہے اور جو کچھ اُسکے بدلہ میں شادی کیوقت دیا ہے واپس لیتا ہے یورک اور اسکیمو لوگوں میں یہی رسم ہے امریکہ کے جنوبی علاقوں میں رہنے والوں میں اگر مرد بلا وجہ طلاق دیدے تو اُسکی دی ہوئی چیزیں واپس نہیں ملتیں "نواجو" وغیرہ لوگوں میں عورت اپنی مرضی سے جب چاہے مرد کو چھوڑ کر چلی جاتی ہے۔ سیبو کی در دکوٹ عورت مرد کا بیوفا یا ظالم ہونیکی صورت میں اُسکو چھوڑ سکتی ہے جنوبی امریکہ میں مرد کا عورت پر زبردست قبضہ ہوتا ہے وہ عورت کو طلاق ہی نہیں دے سکتا بلکہ فروخت بھی کر سکتا ہے اور عاریتاً بھی کچھ مدت کیلئے دے ڈالتا ہے۔ او شنیا میں طلاق ایکدوسرے کی مرضی سے ہو سکتی ہے لیکن بعض فرقوں میں طلاق بالکل ممنوع بھی ہے۔ آسٹریلیا میں قوم کے سرداروں کو طلاق کی اجازت دینے میں بڑا دخل ہوتا ہے بانجھ پن اور بدچلنی طلاق کیلئے عام وجوہ مانی جاتی ہیں۔ مغربی وکٹوریا کے علاقہ میں مرد اگر عورت کو دینا چاہے تو اُسکو اپنے اور عورت کے قبیلے کے سرداروں سے اجازت لینا ہوتی ہے اسی طرح عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ اگر وہ مرد کو بدچلن یا بیوفا پائے تو اُسکو دو تین ماہ کیلئے

مہیا کر دے تاکہ اُسکی عقل ٹھکانے آجائے۔ ایسا مرد گویا گھر باہر ہوجاتا ہے اور کوئی عورت اُسکی طرف رُخ نہیں کرتی۔ افریقہ میں عموماً مرد کو طلاق کا حق حاصل ہوتا ہے عورت کو شاذ ہی یہ حق ملتا ہے زولو، فنطیس، کافر، خوزندان اور بقارہ کے قبیلوں میں مرد کی بدسلوکی، و نان و نفقہ نہ دینے کی صورت میں عورت اُس سے طلاق حاصل کرسکتی ہے۔ بنٹو قبیلہ میں عورت مرد کے پاس سے بھاگ جاتی ہے اور مرد اُسے واپس لے آتا ہے وہ پھر بھاگ جاتی ہے اور جب وہ تیسری دفعہ بھاگ جائے تو اُس کا یہ فعل طلاق کے مرادف تسلیم کرلیا جاتا ہے اور مرد کو اُسے واپس لے آنے کا حق نہیں رہتا۔ بعض قبیلوں میں عورت کے بانجھ ہونے پر اُسے طلاق دی جاسکتی ہے۔ کمینڈ قبیلہ میں مرد کے ناکارہ ہونے پر عورت اسکو طلاق دے سکتی ہے۔ افریقہ میں جہیز وغیرہ عورت کے پاس رہتا ہے اگر مرد عورت کو طلاق دیتا ہے تو جو کچھ وہ عورت کو دے چکا ہے واپس نہیں لیتا لیکن جب عورت طلاق دیتی ہے تو مرد کو وہ تمام چیزیں واپس کردیتی ہے جو اُس نے دی تھیں۔ بسوتا قبیلہ میں خاوند مطلقہ عورت کے نان و نفقہ کا ذمہ دار رہتا ہے جبتک کہ طلاق دہندہ کی بدچلنی کیوجہ سے نہیں ہوئی ہو۔ منیپور قبائل میں اگر مرد طلاق دے تو جائداد تقسیم کرنیکا طریقہ یہ ہے کہ مرد اپنے ہتھیار وغیرہ لیتا ہے اور عورت گھر اور گھر بار کا سامان اور اگر عورت مرد کی بیوفائی یا بدسلوکی کیوجہ سے طلاق حاصل کرے تو اسکو ایک تہائی جائداد ملجاتی ہے اور اگر مرد کے ناکارہ ہونیکی وجہ سے علیحدہ ہو تو نصف جائداد کی حقدار ہوتی ہے۔ مرد کی طلاق کے بعد جلد ہی دوسری شادی ہوجاتی ہے لیکن مطلقہ عورت اس امر میں پوری آزاد نہیں۔ بعض حالتوں میں تو مرد جبتک اُسکو آزاد نہ کرے وہ پھر شادی نہیں کرسکتی اور کہیں کہیں ایک مقررہ عرصہ کے بعد اُسکو دوسری شادی کا حق مل جاتا ہے اور کہیں چند شرائط کیساتھ مثلاً مرد کا قصور ثابت ہو تو عورت پھر شادی کرسکتی ہے لیکن اگر عورت کی بدچلنی وغیرہ کی وجہ سے ایسا ہوا تھا تو اُسکو پھر شادی کرلینے کی اجازت نہیں ملتی ہے۔

قدیم متمدن اقوام ومذاہب اور طلاق

چین میں طلاق ہند کیطرح چین کی تہذیب بھی بڑی قدیم ہے۔ ہندوؤں کیطرح چینی عورت کو بھی طلاق کا حق حاصل نہیں ہے لیکن مرد کو ادنیٰ ادنیٰ بات پر طلاق دینے کی اجازت ہے مثلاً عورت باتونی ہو، تنگ ہو، عیش پسند ہو یا مرد کے والدین کی پرواہ نہ کرتی ہو یا اُنکی شان میں کوئی بے ادبی کربیٹھے تو مرد طلاق دیدیتا ہے مطلقہ عورت کو مرد سے نجات نہیں ملتی اور اگر وہ کسی اور سے شادی کرے تو اُسکے پہلے مرد کو اجازت ہے کہ وہ اُسکو گلا گھونٹ کر مار ڈالے۔ مصر کی قدیم تہذیب میں طلاق کا پتہ چلتا ہے کہ عورت کو والدین کی وراثت سے حصہ ملتا تھا اور شادی کیوقت مہر کے طور پر خاوند بھی کچھ دیتا تھا مرد جب عورت سے نفرت یا کسی اور وجہ سے علیحدہ ہونا چاہتا تھا تو وہ عورت کو اُس کے ورثہ اور مہر کی رقم بجائداد ہی نہیں دیتا تھا بلکہ شادی کے بعد دونوں نے جو کمایا تھا اُسمیں سے حصہ دیتا تھا۔ صرف عورت کی بدچلنی پر اُسکو بغیر کسی معاوضہ کے طلاق دی جاسکتی تھی ورنہ ہر صورت میں مطلقہ عورت کچھ نہ کچھ پاتی تھی مطلقہ عورت کو شادی کرلینے کی بھی عام اجازت تھی مسلمانوں میں یہ تمام رسوم موجود ہیں اسلام نے عورت کی اتنی حمایت قدیم مصریوں کی نسبت زیادہ کی ہے کہ طلاق کسی وجہ سے بھی ہو عورت کو اُسکے مال و مہر سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ **بابلیوں میں طلاق** آج سے چار ہزار برس پہلے بابلیوں میں متمدن لوگ رہتے تھے اُنکے بہترین قانون ساز حمورابی نے طلاق کے متعلق مفصل قوانین بنائے تھے حمورابی نے لکھا تھا کہ اگر مرد عورت کو طلاق دے اور اُسکے بچے بھی ہوں تو عورت کو جہیز و مہر کی رقم کے علاوہ خاوند کی مزروعہ کھیت باغ اور دیگر مال و متاع میں سے حصہ دینا پڑیگا تاکہ عورت بچوں کی پرورش کرسکے اور جب بچے بڑے ہوجائیں تو بھی ایک بیٹے کی برابر اُنکی ماں کو حصہ دینا ہوگا اور مطلقہ کو اجازت تھی کہ وہ اپنی پسند کے مرد سے جب چاہے شادی کرے۔ اگر مطلقہ عورت کے بچے نہ ہوں تو مرد پر فرض تھا کہ وہ اُسکو جہیز و مہر دیکر علیحدہ کرے اور اگر مہر مقرر نہیں کیا گیا تھا تو ایک مینا چاندی دے اور اگر غریب ہے تو ایک تہائی مینا دینا لازمی تھا اگر عورت خود طلاق حاصل کرنا چاہتی تو اسکو مال و جائداد میں سے کوئی حصہ نہیں ملتا تھا اور مرد کو یہ بھی حق تھا کہ جبتک چاہے اُسے اپنی دوسری بیوی کی کنیز بنا کر رکھے ہاں اگر وہ کفایت شعار اور بے عیب ہو اور اسکا مرد بیوفا یا عورت کی بے عزتی کرنے والا ہو تو عورت کو طلاق آسانی سے ملسکتی تھی لیکن اگر عورت اپنی عفاف اور مرد کا قصور ثابت نہ کرسکتی تھی تو اُسکو سخت سزا ملتی تھی یعنی اُسے کسی تالاب یا دریا میں غرق کردیا جاتا تھا تاکہ اُس کے پانی میں ٹھنڈا ہو جانے سے مردوں کا کلیجہ ٹھنڈا ہو سکے۔

یہودیوں میں طلاق اسرائیلیوں اور خصوصاً یہودیوں میں طلاق کا حق مرد کو حاصل ہے توریت میں ہے کہ اگر مرد عورت میں کوئی ناپسند یا غیر موزوں بات پائے تو طلاق لکھ کر دے سکتا ہے یہودی شریعت لکھنے والوں نے اسکی تفسیر مختلف طریقوں سے کی ہے شامی ربیوں نے "ناپسند" لفظ سے مراد بدچلنی لی ہے لیکن دوسرے شارع یہانتک بیان کرتے ہیں کہ عورت اگر مرد کیلئے کھانا پکانے میں جلادے تو طلاق ہوسکتی ہے یا کسی مجمع میں عورت کے بال کھلے ہوں یا ننگے باہر

آجانے پر طلاق جائز تسلیم کی ہے موسوی قانون کی خلاف ورزی متفقہ طور پر طلاق کی مطلق وجہ مانی گئی ہے۔ یہودیوں میں طلاق ایک کھیل تماشہ ہوگیا تھا موسوی شریعت میں عورت کو طلاق کا حق کہیں نہیں دیا گیا لیکن بعد میں عورت کو حق مل گیا تھا اگر دکھ کوڑھ یا کوئی ایسی بیماری یا اُس کا پیشہ شرمناک و ذلیل ہو تو عورت اس سے علیحدہ ہو جائے۔

عیسائیوں میں طلاق انجیل مقدس میں شادی و طلاق کے متعلق بہت ہی کم ہدایات ملتی ہیں حقیقت یہ ہے کہ ان مسائل پر انجیل خاموش ہے۔ یورپ کے عیسائی ممالک میں طلاق کی تاریخ پادریوں اور چرچ کے زوردار اثر، تہذیب اور ابن الوقتی کا پتہ دیتی ہے جب یورپ میں عیسائیت کی ابتدا ہوئی تو مذہب نے ملکی رسوم وقوانین پر بہت کم اثر ڈالا لیکن جب مذہب کا کافی زور ہوگیا تو پادریوں نے چونکہ شادی کو گناہ سے بچنے کا ذریعہ قرار دے رکھا تھا اس لئے طلاق کو ممنوع قرار دے دیا اس حکم کی خرابیوں سے واقفیت تو ہر ذمہ دار قوم کو ہو چکی تھی لیکن جرمن قوم کے ایک مصلح مارٹن لیوتھر نے پروٹسٹنٹ فرقہ کی بنیاد ڈالی جس نے شادی کی رسموں کی بڑی اصلاح کی شادی کو گناہ سے بچنے ہی کیلئے نہیں بلکہ انسانی ضروریات میں اعلیٰ درجہ دیا، پادریوں کو شادی کی اجازت دیدی، بعض شرائط کیساتھ طلاق کو جائز قرار دیا، انگریزوں نے مشہور ادیب ملٹن نے طلاق پر اسقدر پُرمغز اور آزادانہ مضامین لکھے کہ اگر انگریز ان پر عمل کرتے تو طلاق کے معاملہ میں اُنکے ماتھے پر جو آجتک کلنگ کا ٹیکہ لگا ہوا ہے نہ ہوتا۔ اس فرقہ نے طلاق کی شرائط میں بدچلنی، بے وفائی اور ایذا رسانی کو بہت اہمیت دی ہے۔

موجودہ متمدن ممالک میں طلاق یورپ کے موجودہ شادی و طلاق کے قوانین کی ابتدا روم کی قدیم سلطنت کے زمانہ میں ہوئی جب روم کی سلطنت Roman Empire پوری ترقی پر تھی عورت کو مرد کے برابر حقوق حاصل ہوگئے تھے شادی کیلئے میاں بیوی کا راضی ہونا کافی تھا نہ قاضی کی ضرورت تھی نہ گواہوں کی۔

رومن لار اور طلاق رومن لوگوں میں طلاق کیلئے کسی قانونی شرط یا کسی کچہری کی ضرورت نہ تھی ایک دوسرے کی رضی سے طلاق ہو جاتی تھی۔ اس آسانی نے رومن لوگوں کے ایک گروہ میں شادی کو مذاق بنا دیا تھا خود روم کے بعض مصلحین و ادباء نے اس صورت حال کا مذاق اُڑاتے ہوئے لکھا ہے کہ روم میں عورت کی عمر سال اور برسوں نہیں بلکہ اُس کے خاوندوں کی تعداد سے شمار کیجاتی تھی، چالیس برس تک ایک ہی مرد کی بیوی بنے رہنا شاذ تھا، ہر عورت تین سے پانچ تک خاوند کر لینا معمولی بات سمجھتی تھی گویا رومن آجکل کے امریکہ والوں کی طرح بدنام تھے، طلاق کے معاملہ میں رومن لار بہت معقول تھا گو ایک گروہ نے اس سے فائدہ اٹھا کر اس قانون کو بدنام کیا۔ انفرادی آزادی کے لحاظ سے قدیم رومن آجکل کی یورپین خاتون سے کہیں بہتر حالت میں تھی۔ یہ یورپین عورت کی بدقسمتی تھی کہ جرمن لوگوں نے جو ٹیوٹانک نسل کے تھے رومن پر فتح پالی۔

ٹیوٹینک لوگ اور طلاق ۔ٹیوٹینک لوگوں میں عورت کی حیثیت گھر کی لونڈی سے زیادہ نہ تھی، مرد عورت کو طلاق دے سکتا تھا لیکن عورت کو یہ حق حاصل نہیں تھا عورت چونکہ مرد کی زرخرید بیوی ہوتی تھی اس لئے وہ طلاق کے معاملہ میں آزاد نہ تھی۔ جرمن چونکہ حاکم کی حیثیت میں وارد ہوئے تھے اس لئے اُن کے رسم رواج عام ہونے لگے اور رومن لار کی صورت مسخ ہوگئی اس وحشی جرمن حکومت کے اثر کے علاوہ فطرت نے یورپین عورت کی آزادی کو مٹانے کا ایک اور سامان پیدا کر دیا جو جرمنوں کے جبر و تشدد سے بھی زیادہ مضر ثابت ہوا اور یہ عیسائیت اور پادریوں کا اثر تھا۔

یورپ میں عیسائیت کا وُرود اور طلاق ۔چھٹی صدی عیسوی تک رومن لار ٹیوٹینک اثر سے مسخ ہو جانے کے باوجود بھی اس شکل میں موجود تھا کہ اگر مرد و عورت دونوں میں یہ طے ہو جائے کہ وہ خاوند و بیوی بنکر نہیں رہ سکتے تو وہ طلاق حاصل کر سکتے تھے لیکن عیسائی پادریوں نے جو شادی کو صرف گناہ سے بچنے کا آلہ سمجھتے تھے طلاق کو غیر ضروری شمار کیا پادریوں نے اس مسئلہ کو اس نظر سے دیکھا کہ شادی کی اجازت بحالتِ مجبوری دیجاتی ہے اب اگر طلاق کو جائز کر دیا جائے تو مرد طلاق کے ذریعہ کئی عورتوں سے تعلق پیدا کر سکتا ہے اور اسی طرح عورت بھی اس خطرہ کو مٹانے کیلئے پادریوں نے یہ کوشش شروع کر دی کہ طلاق کی بالکل ہی بندش در ہے لیکن رومن لار کا اثر لوگوں پر اس قدر گہرا پڑا تھا کہ عیسائیت کو اپنے اس مقصد کے حصول میں صدیاں لگ گئیں۔

یورپ کا پہلا عیسائی شہنشاہ کونسٹنٹین اور طلاق ۔یہ طلاق کو بالکل تو نہیں روک سکا لیکن اس نے طلاق کو مشروط کر دیا اُسکے قانون کے مطابق عورت مرد کو اگر وہ قاتل ہو، زہر دینے کا مجرم ہو یا قبروں کی بے حرمتی کرتا ہو تو طلاق دے سکتی تھی، مرد عورت کو بدکاری، زہر دینے کے جرم اور شرمناک پیشہ میں مدد کرنے پر طلاق دے سکتا تھا اسکے علاوہ کسی وجہ سے اگر وہ ایسا کرتا تو اُس کو عورت کا جہیز ہی نہیں واپس کرنا پڑتا بلکہ اگر وہ پھر شادی کر لیتا تو اسکی دوسری عورت کا جہیز بھی پہلی مطلقہ عورت لے سکتی تھی۔

تھوڈوسیس اور ہونوریس اور طلاق - سنہ ۴۲۱ء میں کونسٹیٹین کے قانون میں چند اور شرائط بھی شامل کر دی تھیں لیکن ۴۴۹ء میں تھیوڈوسیس نے بارہ شرطوں پر طلاق جائز رکھی جیسے بدکاری اور ایذا رسانی بھی شامل تھی جنکی بنا پر عورت طلاق دے سکتی تھی، مرد کیلئے اُس نے ان بارہ شرطوں کے علاوہ یہ بھی بڑھا دیا کہ اگر عورت بلا اجازت کسی غیر مرد کی دعوت قبول کرے یا بلا اجازت رات کو گھر سے باہر جاتی ہے یا منع کر دینے پر بھی کھیل تماشوں میں چلی جاتی ہو تو مرد اسکو طلاق دے سکتا ہے۔ اگر ان شرائط کے علاوہ کسی اور وجہ سے مرد طلاق دیتا تو اسکو عورت کا سارا جہیز و مال واپس کرنا پڑتا اور عورت کو اس کے علاوہ تین سال تک دوسری شادی کرنے کی بھی اجازت نہ ہوتی۔

انسٹاسیس جسٹینین، جسٹین اور طلاق - سنہ ۴۹۷ء میں انسٹاسیس نے ان شرائط کو نا قابل عمل پا کر ایک دوسرے کی مرضی سے طلاق ہو جانے کو جائز قرار دیا۔ جسٹینین نے اس کو پھر نا جائز قرار دیا لیکن اسکے بھتیجے نے جب باگ حکومت ہاتھ میں لی تو پھر اُس کو جائز تسلیم کر لیا۔

شہنشاہ لیوا اور طلاق - طلاق کے جواز سے انکار ہوتا رہا یہانتک کہ سنہ ۸۸۸ء میں فلسفی شہنشاہ نے عورت و مرد کی مرضی سے طلاق ہو جانے کی رسم کو بالکل بند کر دیا گویا پادریوں کو پوری کامیابی کے لئے چھ سو برس اور انتظار کرنا پڑا۔

کینن لا اور طلاق - بارہویں صدی میں گریشین (غالباً) کے دماغ کا نتیجہ کینن لا (Canon Law) کی شکل میں نمودار ہوا اس قانون کے تحت میں شادی طلاق وغیرہ پر ضابطہ کیساتھ عیسائی چرچ کا قبضہ ہو گیا طلاق بالکل ناجائز قرار دیدی گئی اور انیسویں صدی تک ناجائز رہی حالانکہ چند مصلحین نے اس کے خلاف بہت کوشش کی۔

مارٹن لیوتھر اور طلاق - اس مصلح نے طلاق کو بدکاری وغیرہ کی بنا پر جائز قرار دیا، پروٹسٹنٹ فرقہ میں ''بوسر'' ''ملٹن'' اور ''بیورڈ'' ایسے زبردست لوگ ہوئے ہیں کہ جنہوں نے یورپ کو عیسائی پادریوں کے غیر معقول جبر سے نجات دلا کر طلاق کی رسم کو ایسی صورت میں لانیکی کوشش کی کہ جو ایک متمدن سوسائٹی کیلئے مفید و ضروری ہے۔

نپولین اور طلاق - سنہ ۱۸۰۳ء میں ایک قانون (Napoleane Code) کے ذریعہ نپولین اعظم نے عورت و مرد کی مرضی سے طلاق ہو جانے کی رسم کو جائز قرار دینے کی کوشش کی لیکن کچھ زیادہ کامیابی اُس وقت تو نہیں ہوئی لیکن یورپ کے بعض ممالک میں یہ کوڈ آجکل جاری ہے۔

قانونی علیحدگی اور طلاق - یورپ کے دور ظلمت میں طلاق جائز نہیں رہی تھی اور موجودہ ترقی کی ابتدا ہوئی تو اسوقت بھی چند شرائط پر طلاق جائز کی گئی اور انگریزوں نے اسوقت بھی یہ حق صرف مرد ہی کو دیا عورت اس سے محروم رہی ہاں جب خاوند و بیوی کسی طرح بھی ہمراہ نہیں رہ سکتے تھے تو یورپین پادری انکو علیحدہ رہنے کی اجازت دیدیتے تھے اس تندرست مرد و عورت کی جُدائی کا جنکو نہ آپس میں ملنے کی اجازت تھی اور نہ دوسری شادی کرنیکی جو نتیجہ ہو سکتا ہے وہ غور کیا جا سکتا ہے طلاق کی جگہ علیحدگی کی رسم چلنی بدکاری اور بداخلاقی کو بڑھانیکا ذریعہ تھی جنکو پادری گوارا کر لیتے تھے لیکن طلاق کے ہمیشہ خلاف رہے اور ابتک ہیں۔

یورپین پادریوں کا اثر اور طلاق - پادریوں نے یورپین لوگوں کے ذاتی و انفرادی افعال تک پر اس قدر قبضہ کر لیا تھا کہ شادی اگر انکی مرضی کے خلاف ہوتی تو وہ اُسکو ناجائز کہدیتے تھے، یہ جبر یہانتک جاری رہا کہ ہماری بیسویں صدی کے ۱۹۰۸ء میں پوپ صاحب نے ایک فرمان کے ذریعہ تمام اُن شادیوں کو جو رومن کیتھولک چرچ میں نہ ہوں بلکہ کسی اور عیسائی عبادتگاہ میں ہوں یا ''سول میرج'' کے قانون کے ذریعہ ہوں غیر آئینی اور قابل تعذیب ہی نہیں گردانا بلکہ نہیں شادی ہی تسلیم نہیں کیا۔ یہ ہے یورپ کا حال؟ بلحاظ یہ نکو یورپ میں طلاق کی رسم کو بالکل مٹا دینے میں ہزار برس لگے اور اب پچاس ساٹھ سال ہی ہوئے ہیں کہ یورپ نے طلاق کو مشروط طریقے پر جائز کیا ہے۔ لیکن اُس کے قوانین اچھا نتیجہ نہیں پیدا کر رہے ہیں۔

دنیا کے ممالک میں طلاق کے موجودہ قوانین - یورپ امریکہ جو آج دنیا میں تہذیب و تمدن کے گہوارے تسلیم کئے جاتے ہیں اور انکی طرز معاشرت کی تقلید کو ہم اپنی بھلائی اور ترقی کا ذریعہ سمجھنے لگے ہیں طلاق جیسے اہم مسئلے میں معلوم ہیں کس قدر غیر متمدن اور پیچھے رہے ہیں، اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آج سے چالیس پچاس برس پہلے تک یا تو طلاق جائز ہی نہیں تھی اور جہاں اسکو جائز تسلیم کیا گیا ہے وہاں عجیب عجیب شرائط کے ساتھ موجودہ تہذیب و تمدن کے دعویدار اور قانون ساز جو قوانین طلاق بناتے ہیں وہ نامکمل اور بیہودہ ہیں۔

انگریزی قوانین طلاق کی شرمناک خامیاں - انگریزوں کے قوانین طلاق کے متعلق خود ایک انگریز مضمون نگار لکھتا ہے کہ ''زمانہ کی تہذیب کرتے ہوئے

منطقی اصولوں کے خلاف ناقابلِ عمل، اجتماع ضدین پیدا کرنیوالے اور موجودہ ضروریات کیلئے ناکافی ہیں۔ طلاق کی عدالت کے چیئرمین ایک قابل انگریز جج لارڈ گوریل نے ۱۹۰۶ء میں ایک فیصلہ دیتے وقت فرمایا کہ انگریزی قوانینِ طلاق شرمناک نتائج پیدا کرتے ہیں اور اسقدر غیر مساوی غیر فطری اور احمقانہ ہیں کہ انکو ممکن العمل کہا جاسکتا ہے۔

ہیولاک ایلس کا انگریزی قوانین طلاق پر دلچسپ تبصرہ۔ ڈاکٹر Havelock Ellis جو جنسی نفسیات کے ماہرین و مصنفین میں بہت اعلیٰ درجہ رکھتے ہیں اور جنکی ہستی پر انگریز بجا طور پر فخر کرسکتے ہیں حیرت کیساتھ لکھتے ہیں کہ عورت و مرد اگر کسی اہم وجہ کی بنا پر خاوند و بیوی بنکر نہیں رہ سکتے تو سیدھی بات یہ ہو کہ خوشی خوشی ایکدوسرے سے الگ ہوجائیں لیکن انگریزی قانون کے مطابق یہ ممکن ہی نہیں کہ ایک انگریز شریف عورت و مرد جو طلاق کے خواہاں ہوں باعصمت و پاکباز رہتے ہوئے طلاق حاصل کریں یا بغیر رسوائی و دشمنی کے جدا ہوجائیں۔ انگریزی قانون انکو مجبور کرتا ہو کہ وہ ایکدوسرے کو دل کھولکر بدنام کریں، گناہ و جرم کے مرتکب ہوں اس گناہ کو اس طرح کریں کہ دوسرے دیکھ کر گواہی دے سکیں اور اپنی بیحیائی و بے شرمی کو اور مشتہر کرنے کیلئے مدعی و مدعلیہ بنکر عدالت میں چارہ جوئی کرکے اپنی بداخلاقیوں کو براڈکاسٹ کریں تب کہیں طلاق ملسکتی ہو۔ اور اگر اس تمام مصیبت کے بعد بھی جج کو یہ یقین ہوجائے کہ یہ حقیقت میں پاکباز اور نیک لوگ ہیں اور انہوں نے صرف طلاق حاصل کرنے کیلئے یہ سب کھیل کھیلا ہو تو قانون کے مطابق طلاق نہیں دیجائیگی (Collusion سازش) ایلس لکھتے ہیں کہ جب ایک باعصمت اور پاکباز جوڑا طلاق حاصل کرنا چاہتا ہو تو اُسکو عدالت کے سامنے جانا ضروری ہو گویا پرائیویٹ معاملہ کو پبلک بنانے پر قانون مصر ہے۔ اب اگر وہ جا کر جج سے کہیں کہ ہم نیک و پارسا ہیں لیکن ایکدوسرے کے ساتھ نہیں رہ سکتے تو جج کہتا ہو کہ تم میں مدعلیہ کوئی نہیں اسلئے قانونی سماعت ممکن نہیں۔ اب یہی لوگ اگر جج صاحب سے جاکر کہیں کہ ہم دونوں بدکار ہیں یا کوئی ایک ہم میں سے بدچلن ہو اسلئے ہمیں ایکدوسرے سے نفرت ہوگئی ہو ہمیں طلاق دیدیجئے تو جج کہتا ہو کہ تم میں کوئی مدعی نہیں اسلئے قانون مجبور ہو۔ اب اگر عورت جاکر بدکاری کرے اور اس طرح کرے کہ اُس کا خاوند سراغ رسانوں کے ذریعہ اسکی عینی گواہی پیش کرسکے یا پھر مرد بدکاری بھی کرے اور ظلم و جبر کا برتاؤ کرکے اپنی بیوی کو ایذا بھی پہنچائے اور پھر وہ دونوں مدعی اور مدعلیہ کی حیثیت میں قانونی چارہ جوئی کریں تو قانون طلاق دلادیگا گویا قانون عورت سے کہتا ہو کہ طلاق حاصل کرنا ہے تو بدکار و گناہگار بن اور مرد سے کہتا ہے کہ بدکار ہی نہیں مجرم و ایذا رساں بھی بنجا۔ تب طلاق کا حق حاصل کرسکے گا۔ اور پھر حماقت پر حماقت کیے جانیکا اس سے بڑھکر اور کیا مظاہرہ ہوگا کہ اس قسم کے احمقانہ قانون کو "اخلاق عامہ" کی حفاظت کا ضامن تسلیم کیا جاتا ہے۔"

یورپ اور امریکہ میں طلاق کے قوانین۔ یورپ اور امریکہ میں طلاق کے متعلق مندرجہ ذیل رائج الوقت قوانین ہیں۔

(۱) جسٹینین قانون۔ بعض ممالک میں جہاں یونانی چرچ کا اثر ہے مثلاً بلقان کی ریاستیں اور خود یونان تو وہاں جسٹینین کا ابھی تک جاری ہو جو چند مقررہ شرائط پر طلاق کو جائز قرار دیتا ہے، بدکاری، قتل، غداری، لامذہبی، معصوم عورت پر بدچلنی کا الزام، سات سال کی غیر حاضری، عورت کی بیوفائی، بیہنی اور زنا فرائی طلاق جائز کرتی ہیں۔

(۲) نپولین کا کوڈ۔ بعض ممالک مثلاً بلجیم اور ہالینڈ میں نپولین کے کوڈ پر عمل ہوتا ہو یہ بہت آزادانہ قانون ہو ایکدوسرے کی مرضی سے طلاق حاصل کیجاسکتی ہو اس کیلئے نپولین نے چند شرائط لگادی ہیں یعنی خاوند کی عمر پچیس اور بیوی کی اکیس برس سے زائد ضرور ہو۔ شادی دو برس سے کم اور بیس برس سے زائد مدت کی نہ ہو۔ والدین کی اجازت حاصل کرلی گئی ہو۔ اور عورت اور بچوں کی کفالت کے لئے باقاعدہ "اگریمنٹ" کردیا گیا ہو تب باہمی سمجھوتہ کے ساتھ طلاق جائز ہوسکتی ہے۔

(۳) پروٹیسٹنٹ قانون۔ بعض ممالک میں جو اس فرقہ کے زیر اثر ہیں مرد و عورت دونوں کو چند شرائط کیساتھ طلاق کا حق حاصل ہوگیا ہو لیکن ان ممالک کے قوانین اسقدر مختلف ہیں کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ چند بڑے بڑے ممالک کے قوانین طلاق کے متعلق آپکو چند ایسی ضروری باتیں بتادیں کہ جن کے علم سے آپکو یہ معلوم ہوجائے کہ ازدواجی اور سوشیل معاملات میں ترقی ترقی پکارنے والے مغربی ممالک کتنے پانی میں ہیں۔

فرانس میں طلاق۔ ۱۷۹۲ء تک فرانس میں طلاق ناجائز تھی گو ۱۷۹۲ء میں ایسا قانون بنا تھا کہ طلاق آسان و عام ہوگئی تھی لیکن تین چار برس بعد طلاق پھر ناجائز قرار دیدی گئی تھی۔ نپولین نے پھر طلاق کو جائز اور آسان کرنا چاہا لیکن اُسوقت کوئی خاص اثر نہ ہوا ۱۸۸۴ء میں فرانس نے قانون کے ذریعہ بدکاری، ایذا رسانی اور سزا یافتہ ہونیکی وجوہ پر طلاق جائز کردی۔

جرمنی میں طلاق۔ پروشین کوڈ ۱۷۹۴ء میں دس شرطوں پر طلاق جائز کرچکا تھا لیکن موجودہ قوانین ۱۹۰۰ء سے پہلے کے نہیں ہیں جو بدکاری، جان کو خطرہ میں ڈالنے، فرار ہوجانے، دیوانگی اور اہم فرائض ازدواجی سے انحراف کو طلاق کی وجہ تسلیم کرتے ہیں۔

روس میں طلاق - ۱۹۰۱ء میں روس میں طلاق حاصل کرنا بہت مشکل تھا لیکن اس کے بعد جب روس نے سیاسی و اقتصادی معاملات میں غیر معمولی تبدیلیاں کیں وہاں سوشیل معاملات میں بھی حیرت انگیز اصلاحیں کرڈالیں۔ طلاق کے معاملہ میں روس نے بڑی آزادانہ پالیسی اختیار کی۔ اگر زن و شوہر باہم طے کرلیں کہ الگ الگ علیحدہ رہیں اور ان میں ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہ رکھیں تو طلاق حاصل کرنے کے مستحق ہوتے ہیں۔ دونوں کو اپنی مرضی کے مطابق کسی اور کے ساتھ شادی کرنے کا حق ملتا ہے۔

برطانیہ میں طلاق - ۱۸۵۷ء سے پیشتر عام لوگوں کے لئے طلاق کی سہولت نہیں تھی۔ اگر کوئی لاتعداد روپیہ خرچ کرکے پارلیمنٹ کے خاص ایکٹ کو پاس کرالیتا تو طلاق کی اجازت مل جاتی تھی۔ ۱۶۶۹ء میں ایسے ایکٹ کے ذریعہ انگلستان میں پہلی طلاق حاصل کی گئی تھی لیکن اس طریقہ سے کل پانچ طلاقیں لی گئیں۔ ۱۸۵۷ء میں ڈائیورس لا پاس ہوا جس کی رو سے مرد کو تو یہ حق حاصل ہوگیا کہ وہ عورت کو بدکار ثابت کردے تو طلاق حاصل کرلے لیکن عورت مرد کی بدکاری ثابت کرنے کے بعد بھی طلاق حاصل نہیں کرسکتی۔ اسکو مرد کی طرف سے تشدد و ظلم کے برتاؤ اور ایذا رسانی کا بھی ثبوت دینا ہوتا ہے۔ بدکاری کے علاوہ دوسری وجوہ ازدواجی زندگی کو تلخ اور برباد کرسکتی ہیں۔ مثلاً مرد یا عورت کا پاگل ہونا، جرائم پیشہ ہونا، شرابی، بداخلاق ہونا لیکن عدالت ان کو بجا ہونا طور وجہ طلاق کیلئے کافی وجہ انگریزی قانون تسلیم نہیں کرتا۔ انکے لئے قانونی علیحدگی (Separation) حاصل کیا جاسکتی ہے۔ اسی لئے انگلستان میں طلاق سے زیادہ سپریشن کا رواج ہے۔ ۱۹۰۹ء میں تیرہ سو طلاقیں ہوئیں اور سات ہزار قانونی علیحدگی۔ اسکے یہ معنی ہوئے کہ اس غیر معقول انگریزی قانون نے ایک سال میں چودہ ہزار جوان مرد اور عورتوں کی جنسی زندگی کو ہمیشہ کیلئے ختم کردینے کی کوشش کی لیکن کیا قانون ان چودہ ہزار مردوں اور عورتوں کو فطرت کے خلاف اخلاق دینے پر مجبور کرسکا ہوگا۔ اگر نہیں تو سوسائٹی میں ایک ایسی بڑی تعداد کو بدکاری کرنے کیلئے قانوناً مجبور کردینا تمدن یا تہذیب کہلا سکتا ہے۔ اس لحاظ سے طلاق کے معاملہ میں انگریزی سوسائٹی کے غیر متمدن ہونے میں کس کو شک و شبہ ہوسکتا ہے۔

امریکہ کے ممالک میں طلاق - امریکن لوگ طلاق کے معاملہ میں بہت بدنام ہوچکے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایک مچھلی سارے تالاب کو گندہ کردیتی ہے۔ امریکہ میں چند ہی ریاستیں ایسی ہیں جہاں ایذا رسانی کے بڑے وسیع معنی لئے جاتے ہیں اور مرد کے خراٹے لیکر سونے تک پر طلاق مل سکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ امریکہ میں طلاق عام نہیں۔ وہاں ایک فیصدی کو زیادہ طلاق نہیں ہوتی۔ حالانکہ جاپان ایک مشرقی ملک ہے لیکن طلاق کے معاملہ میں وہ سب سے بڑھا ہوا ہے۔ ۱۹۱۰ء میں سب سے زیادہ طلاقیں جاپان میں ہوئیں۔ دوسرے نمبر پر ڈنمارک رہا، تیسرے پر سوئٹزرلینڈ اور چوتھے نمبر پر امریکہ تھا۔ آپ حیرت نہ کیجئے امریکہ کی بعض ریاستوں میں طلاق ابھی تک ناجائز ہے اور بعض میں بہت ہی مشکل اور سخت شرائط پر جیسے بدکاری، دو دفعہ تین دفعہ شادی کرلینا، ناکارہ رہنا، پاگل ہونا، پیدائشی احمق ہونا وغیرہ وغیرہ ہیں ان شرائط سے بعض ریاستیں بجا نہ اٹھتی ہیں۔ مثلاً عورت کے معاملہ میں مرد کو پیدائشی احمق ثابت کردینا کوئی بڑی مشکل بات نہیں ہے خود بڑے بڑے عقلمندوں ماہروں اور بارعب افسروں کو دیکھا ہے کہ جب بھی ایک خاص قسم کی عورت سے انکا واسطہ پڑا یا بیوی پر شبہ ہوا ایسی احمقانہ باتیں اور حرکتیں کرنے لگتے ہیں کہ انکے پیدائشی احمق ہونے کا گمان ہونے لگتا ہے۔ اسی طرح ایذا رسانی دو طرح جسمانی ایذا رسانی بھی ہوسکتی ہے اور روحانی بھی۔ بعض جج صاحبان اگر وہ عورت کو سینما لیجانے سے انکار کرے تو اس پر روحانی ایذا رسانی کا الزام ملگا کرکے عورت کو طلاق کا مستحق شمار کرلیتے ہیں۔

موجودہ قوانین طلاق کے نقائص - ہم اب اس درجہ پر پہنچ گئے ہیں کہ موجودہ مہذب و متمدن اقوام کی طلاق کے طریقوں کے حسن و قبح سے واقف ہوکر ان پر اپنی رائے کا اظہار کرسکیں۔ ہم نے یہ دیکھا کہ مختلف اقوام کے قوانین طلاق میں مندرجہ ذیل نقائص ہیں:۔

(۱) **طلاق کے حصول میں مساوی حقوق نہ ہونا۔** مثلاً انگلش قانون میں عورت کی بدچلنی پر مرد طلاق دے سکتا ہے لیکن مرد کی بدچلنی پر عورت مجبور ہے اسکو طلاق نہیں دے سکتی۔ یا جیسے کہ ہندوؤں میں ہے کہ مرد عورت کو چھوڑ کر دوسری شادی کرسکتا ہے لیکن عورت کو اسکی اجازت نہیں، یہ نامنصفانہ ہے۔ عورت اور مرد کو طلاق کے معاملہ میں برابر کے حقوق حاصل ہونا چاہئیں۔

(۲) **طلاق کیلئے محدود و مقررہ شرائط کا ہونا۔** مثلاً انگلش قانون میں بدکاری ہی صرف وجہ طلاق ہوسکتی ہے۔ اور کوئی وجہ کافی تسلیم نہیں کی جاتی۔ یہ بڑا نقص ہے، جس طرح شادی کے معاملہ میں آزادی ہے طلاق کے لئے بھی کم از کم اتنی ہی آزادی ہونا چاہئے۔

(۳) **طلاق کیلئے عدالت میں جانیکی مجبوری۔** - شادی و طلاق انفرادی و اجتماعی دونوں حیثیتیں رکھتی ہیں، جب شادی کیلئے وقت عدالت کا

جا نیکی ضرورت نہیں تو طلاق کیلئے عدالت یب جانیکی مجبوری انفرادی شخصی آزادی کا خون کرتی ہے۔ اس شخصی و ذاتی معاملہ میں گورنمنٹ اور قانون کی اس درجہ بڑھی ہوئی دخل اندازی قابل برداشت نہیں ہے۔ ازدواجی زندگی کی دخشنیوں کو طشت از بام کرنا یا انسان کو اپنی جنسی کمزوریوں کی نمائش پر مجبور کرنا سوسائٹی کے متمدن قانون کا کام نہیں ہونا چاہیئے۔ عورت و مرد کو اجازت ہونا چاہیئے کہ وہ عدالت کے باہر بھی طلاق حاصل کر سکیں ہاں جبرِ ناانصافی کیلئے عدالت کے دروازے کھلے ہیں۔

(۴) **طلاق کے حصول کا بہت مشکل یا بہت آسان ہونا۔** مثلاً اتنی آسانی ہو جیسی یہودیوں میں کہ بس لکھ کر دیدیا کہ تجھے طلاق ہے اور عورت کو گھر سے نکال کر باہر کھڑا کر دیا اپنی جلد بازی غلطی یا غصہ کے فیصلہ پر نظرِ ثانی کرنیکا کوئی موقع ہی نہیں اور نہ اتنی مشکل کہ مرد خواہ پاگل ہو، خبطی، شرابی یا سزایافتہ ہو یا ونا کارہ لیکن عورت جبتک خود بدکاری کر کے مرد کو مدعی بنانے میں کامیاب نہ ہوجائے یا پھر کسی نہ کسی طرح مرد کو بدکاری پر مجبور کر کے خود مدعی ہو کر مرد کی بدکاری کو عدالت میں سرِعام ثابت کردے کسی طرح اُس سے چھٹکارہ ہی نہ حاصل کر سکے، ضرورت اس بات کی ہے کہ طلاق بحالت مجبوری ہو اور اسکے حصول کا ایسا طریقہ ہو کہ عارضی ناچاقی دائمی جدائی نہ پیدا کر سکے بلکہ مصالحت کے پورے مواقع بہم پہنچائے جائیں اور جب کچھ نہ کار گر ہو تو فیصلہ عورت و مرد پر چھوڑ دیا جائے کہ سرِ عدالت کیضرورت نہ ہو۔

(۵) **عورت و مرد کے اقتصادی مفاد اور بچوں کی پرورش و کفالت کا خیال نہ ہونا۔** موجودہ قوانین کی رُو سے بچے عموماً مرد کے ہوتے ہیں عورت اگر طلاق لے تو مرد شیر خوار بچہ تک کو ماں سے جدا کر سکتا ہے نہ عورت رضاعت پر مجبور ہے اور نہ مرد کو مجبور کیا جا سکتا ہے کہ وہ بچوں کی ماں اور ماں کو بچوں کی منفعت، بچوں کی پرورش کا خیال عورت کی مادی حیثیت اور اقتصادی بیچارگی کا انسانی سوسائٹی کا فرض ہونا چاہیئے عورت خواہ مطلقہ ہو سوسائٹی کی ایک فرد ہے طلاق کے بعد کیا تعلق مطلقہ عورت کی اقتصادی ضروریات کا لحاظ اور بچوں کی پرورش وغیرہ کی نگہداشت ہی سوسائٹی کے اہم فرائض ہیں۔

اسلام اور طلاق

اگر میں مسلمان نہ ہوتا اور قانون کی باریکیوں کو حق و انصاف اور غیر متعصبانہ نظر سے دیکھنے کی صلاحیت و اہلیت رکھتا ہوتا تو یورپ اور امریکہ کی صدیوں کی محنتوں، فرانس جرمنی انگلینڈ اور امریکہ کے اعلیٰ ترقی یافتہ مفکروں قانون دانوں اور قانون سازوں کی متحدہ کوششوں اور موجودہ جنس اور ملاد پر فخر کرنیوالے یورپ کی کشمکش و بیچارگی کے نتیجوں کو جو موجودہ مہذب و متمدن سوسائٹیوں کے قوانین طلاق کیصورت میں نمودار ہیں دیکھتا اور اسکے مقابلہ میں آج سے چودہ سو برس پہلے ایک ویران ریگستان کے ایک اُمی کے "نبی" یا دورہ (نعوذ باللہ) آجانے کیوقت کے نکلے ہوئے الفاظ پر جو کلام اللہ میں احکام طلاق کیصورت میں موجود ہیں غور کرتا تو مجھے یقین ہے کہ صرف یہ واقعہ ہی مجھے مسلمان اور سچا مسلمان بنا دینے کیلئے کافی ہوتا۔ عورت کی آزادی ترقی اور حمایت کے دعویدار یورپ ہندوستان کے مسلمانوں کے غیر شرعی افعال کو نہیں کلام اللہ کے احکام کو دیکھے اور انصاف کرے کہ کیا عورت کی آزادی کیلئے چودہ سو برس پہلے کے نافذ قوانین سے اُس کے موجودہ قوانین بہتر تو کیا مقابلہ تک پر رکھے جانیکے قابل نظر آتے ہیں؟ مسلمان اپنی ہدایت کیلئے کتاب الطلاق اور رواج و رسوم کی تقلید ضروری سمجھ رہے ہیں۔ کہیں اشد ضرورت ہوتے ہوئے بھی طلاق کو معیوب شمار کیا جاتا ہے اور کہیں تیجے تین طلاق کہکر عورت کو گھر سے نکال دیا جاتا ہے کہیں عورت سے خلع کا حق بالکل چھین لیا گیا ہے اور مطلقہ کو ذلیل و خوار کیا جاتا اور اُسکو بُری نظر سے دیکھا جاتا ہے کہیں ظالم و جابر یا ناکارہ شخص نہ خود طلاق دیتا نہ عورت کو خلع کے حق سے مستفید ہونے دیتا ہے اور کہیں ایلاء و ظہار کو فوری و مطلق طلاق تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ کلام اللہ کے احکام مفصل اور صاف ہیں اسلیے ذہن میں ہیں اور عام فہم ہیں، قرآن کی زبان کو سنت اُس کے مفہوم کو پیچیدہ اور اُس کے سیدھے سادھے مگر مکمل و مفصل احکام کو عام فہم و ادراک سے بالاتر سمجھنا کسی طرح درست نظر نہیں آتا، طلاق کے متعلق اسلامی و قرآنی احکام کو میں سادہ الفاظ میں پیش کئے دیتا ہوں یہ تمام قرآنی آیات کا آزاد ترجمہ ہیں۔

طلاق کے قرآنی احکام

(۱) **طلاق محدود و مشروط نہیں۔** طبیعتوں کے اختلاف اور زن و شو کے تعلقات میں ایسے مواقع رونما ہو سکتے ہیں کہ جنکی وجہ سے ازدواجی زندگی بجائے سکون و آرام دینے کے وبالِ جان ہوسکتی ہے۔ ایسی صورت میں اسلام مرد کو طلاق اور عورت کو خلع کا حق دیتا ہے تاکہ وہ بغیر ایکدوسرے سے دشمنی کئے ہوئے روز روز کے جھگڑوں کو شانیکی غرض خوشی و خرمی کیساتھ علیحدہ ہو جائیں اور کسی دوسرے طبیعت سے مطابقت رکھنے والے سے پھر نکاح کر کے اطمینان کی زندگی گذار سکیں، گویا طلاق کیلئے خاص شرائط مقرر نہیں ہیں، انسانی طبیعت جذبات اور رجحانات کو نہ پیدا کرکے قانونی شرائط کے دائرہ میں نہیں محدود کیا جا سکتا مسلم مرد و عورت کو اس ضمن میں پوری آزادی ہے

کہ وہ کسی وجہ سے بھی ہو اگر ایک دوسرے کے ساتھ نہ رہ سکتے ہوں تو انکو چھٹکارا پانیکا پورا حق ہے اور اس حق کو حاصل کرنے کے لئے انہیں بدکاری ظلم، دروغ بیانی وغیرہ جیسے قبیح افعال کے مرتکب ہونے کی ضرورت نہیں۔

(۲) عورت کو ماہوار کے زمانہ میں طلاق نہیں دیجا سکتی۔ مرد کو حق نہیں کہ وہ عورت کو ماہوار کے زمانہ میں طلاق دے گھروں میں بہت سے ایسے عارضی جھگڑے ہوتے ہیں کہ جو عورت و مرد کے اختلاط سے آپ ہی مٹ جاتے ہیں (ماہوار کے زمانہ میں عورت و مرد کو علیحدہ رہنے کا حکم ہے) ایسے وقت میں اگر طلاق دی جائے تو مصالحت کا کم موقع ملتا ہے اسلئے حکم ہے کہ ماہوار کے زمانہ میں طلاق نہ دیجائے (جنسی تعلقات کی حد بندی اور قرآن کے احکام کے متعلق مفصل ہم نے پر غور کرنے سے عقل دنگ ہو جاتی ہے)

(۳) اسلام میں طلاق دیدینا اور طلاق ہوجانا ایک ہی بات نہیں ہے۔ جب مرد عورت کو طلاق دیدے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ دائمی مفارقت و جدائی ہوگئی بلکہ عورت کو عدت کا حکم ہے یعنی تین ماہوار ہونے تک عورت گھر میں رہے اور اس عرصہ میں اگر مرد و عورت اپنے غم و غصہ کو بھلا کر مصالحت کرلیں تو پھر دفعۃً میاں بیوی بنکر رہ سکتے ہیں۔ جن عورتوں کو ماہوار نہ ہوتا ہو انکی عدت کی میعاد تین ماہ اور جنکو حمل ہو انکی عدت بچہ ہونے تک ہے۔ ہاں اگر عدت کی مدت ختم ہوجائے اور عورت و مرد جدائی ہی کے خواہاں رہیں تو طلاق ہوجاتی ہے اور دائمی مفارقت ہوسکتی ہے۔

(۴) عدت کے زمانہ اور اسکے بعد رجوع کرنیکا فرق عدت کے زمانہ میں مرد کو یہ حق ہے کہ وہ اپنی غلطی پر پشیمان ہو کر عورت کی طرف رجوع کرلے لیکن عدت کے بعد رجوع کرنے کے لئے دونوں کی مرضی ضروری ہے۔ اور پھر مرد کو یہ حق نہیں رہتا کہ وہ عورت کو زبردستی روک لے یا اسے کسی دوسرے مرد سے شادی کرنے سے باز رکھے بلکہ حکم ہے کہ عدت کا زمانہ گذر جانیکے بعد اگر عورت چلی جانا چاہے تو اسکو خوبی کیساتھ رخصت کردے اور اسکی دوسری شادی میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالے۔

(۵) عمر بھر میں صرف دو دفعہ طلاق دینے کے بعد رجوع کیا جاسکتا ہے۔ اس قسم کی طلاق کہ جسکے بعد رجوع کیا جاسکے مسلمان زندگی میں ایک عورت کو صرف دو دفعہ دے سکتا ہے الطلاق مرتان کے یہی معنی ہیں تیسری دفعہ طلاق دینے کے بعد رجوع نہیں کیا جاسکتا جبتک کہ عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح کرکے بیوہ یا مطلقہ نہ ہوجائے۔

(۶) تین طلاق دیدینے کا اصل مفہوم۔ تین طلاق کے مفہوم کو ہم نے جسقدر غلط سمجھ رکھا ہے اسکا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ نہ تو تین طلاق کے یہ معنی ہیں کہ طلاق ہوجانے کیلئے تین دفعہ طلاق دینا ضروری ہے کیونکہ اگر ایک ہی دفعہ طلاق دے اور عدت پوری ہوجانیکے بعد رجوع نہ کرے تو طلاق ہوجاتی ہے اور نہ تین طلاق کے یہ معنی ہیں کہ ایک ہی وقت میں یا کسی ایک وقت میں تین دفعہ طلاق طلاق طلاق کہدیا تو وہ تین طلاق ہوگئیں۔ ہرگز نہیں سو دفعہ بھی طلاق طلاق کہدے تو تین طلاق نہیں ہوجاتیں۔ تین طلاق کے یہ معنی ہیں کہ ازدواجی زندگی کے دوران میں مرد اپنی بیوی کو کبھی طلاق دیدے اور عدت کے زمانہ یا اسکے بعد بھی رجوع کرے تو اسکو مرد نے گویا اس عورت کو ایک طلاق دیدی گو رجوع کرلینے کیوجہ سے طلاق ہوئی نہیں اور انکے میاں بیوی ہونے کا رشتہ قایم رہا۔ اب خواہ برسوں ہی کے بعد کسی پھر جھگڑا ہوا اور مرد نے اسی بیوی کو پھر طلاق دیدی تو یہ دو طلاق ہوگئیں۔ اس کے بعد بھی اگر مصالحت کرلیں تو انکو اجازت ہے کہ وہ خاوند بیوی بنکر رہیں لیکن اپنی زندگی میں یہ مرد تیسری دفعہ اسی بیوی کو طلاق دے بیٹھے تو یہ تین طلاق ہونگی۔ اور ایسے تلون مزاج کو زن رشتہ قائم رکھنے والے غیر معتبر مرد کیلئے تیسری طلاق کے بعد یہ سزا ہے کہ وہ اب چاہے بھی تو رجوع نہیں کرسکتا اور وہ اس عورت کا خاوند ہونے کے لائق نہیں گردانا جاسکتا۔ اگر ایسی عورت دوسری شادی نہ کرے تو اسکے خاوند کو جس نے اسکو تین طلاق دیں نفس کبھی یہ حق نہیں ہوتا کہ وہ اسکو اپنی بیوی بنا سکے۔ گھڑی گھڑی طلاق دینے والے کیلئے جو نفس سزا ہے ظاہر کرتا ہے کہ وہ طلاق کو معمولی بات سمجھتا ہے یہ بڑی نادانی ہے۔

(۷) طلاق کیلئے صرف ایسے گواہ و شاہد ضروری ہیں جیسے نکاح کیلئے۔ طلاق حاصل کرنے کیلئے اسلام میں اسکی ضرورت نہیں کہ خاوند بیوی بدکاری پر مجبور ہوں، بدکاری کے گواہ حاصل کرنے کیلئے سراغرساں مقرر کریں اور خرچ و مصیبت کیساتھ ساتھ آپس میں دشمنی و فساد برپا کریں اور ان سب کے بعد عدالت کے جج صاحبان کے فیصلوں کا انتظار کریں اور اگر وہ کہدیں کہ تم علیحدہ نہیں ہوسکتے تو طوعاً و کرہاً پھر عمر بھر جھگڑنے کے لئے ہمراہ رہیں اور یا قانونی علیحدگی حاصل کرکے جنسی زندگی کو ختم ہی کر دیں۔ اسلام میں جس طرح مرد و عورت دو گواہوں کے سامنے ایجاب و قبول کرکے شادی کرسکتے ہیں بالکل اسی طرح دو گواہوں کے سامنے ایک دوسرے سے علیحدہ ہونیکے لئے طلاق و خلع بھی حاصل کرسکتے ہیں۔

(۸) خلع حاصل کرنے کیلئے عدالت کے بجائے خاندانی ثالث مقرر ہیں۔ مرد عموماً زبردست ہوتا ہے اور یہ ممکن ہے کہ عورت اس سے چھٹکارا

پانے کیلئے خلع کا حق طلب کرے تو مرد اُسمیں رکاوٹیں پیدا کر دے' ایسی صورت میں بھی عام عدالتوں میں جانیکی ضرورت نہیں' اسلامی حکم ہے کہ ایک شخص عورت کے خاندان کا اور ایک مرد کے خاندان کا بطور ثالث مقرر کیا جائے جو یا تو دونوں میں اگر ممکن ہو تو مصالحت کرا دیں ورنہ خلع کرا دیں۔ طلاق کے حصول کے اِن پُر مغز قوانین کا یورپین اور امریکن قوانین سے مقابلہ کر کے سبق حاصل کیجئے۔

(۹) مطلقہ عورت سے کیا سلوک کیا جائے۔ اس کے متعلق احکام ملاحظہ ہوں' مرد کو کوئی حق نہیں کہ عدت کے زمانہ میں عورت کو گھر سے باہر نکالے۔ عورت کو بھی گھر ہی میں رہنے کا حکم ہے تاکہ مصالحت کے مواقع حاصل ہو سکیں اور گھر سے باہر دلچسپی کے سامان مہیا ہو کر مصالحت میں خلل انداز نہ ہو سکیں حکم ہے کہ طلاق دی ہوئی عورتوں کے رہنے کو گھر دو جیسا کہ جس میں تم خود رہتے ہو اور اپنے مقدور کے موافق آرام و آسائش مہیا کرو' انکو کوئی ایذا نہ دو' کوئی تنگی ہونے دو اور نہ طعن و تشنیع جائز رکھو' اگر وہ حاملہ ہوں تو بچہ ہونے تک اُن کا خرچ اُٹھاتے رہو۔ عدت کے بعد غم و غصہ نہیں بلکہ لطف و کرم کیساتھ رخصت کرو اور جن سے وہ شادیاں کرنا چاہیں کرنے دو نہ منع کرو اور نہ کوئی اور مزاحمت ہونے دو۔ اگر تم اپنی مطلقہ عورت کو اپنے بچہ کو دودھ پلانے کیلئے رکھ لو تو اپنی وسعت کے مطابق اسکا پورا خرچ اُٹھاؤ یا دودھ پلانے کے عوض میں اُسکو تنخواہ کے طور پر پوری پوری اُجرت دو۔ مطلقہ عورت اگر اپنے بچوں سے ملنا چاہے تو جبتک وہ دوسری شادی نہ کر لے مرد کو کوئی حق نہیں کہ وہ بچے کو نہ ملنے دے۔ دوسری شادی کے بعد وہ حسب ضرورت بندش کر سکتا ہے جو مال و متاع عورت کو مرد دے چکا ہے وہ طلاق ہو جانے پر بھی عورت سے واپس نہیں لے سکتا۔ اور اُسے مہر کی رقم بھی دینی پڑتی ہے۔ ہاں عورت اپنی مرضی سے جب خلع حاصل کرنا چاہے تو مرد سے چھٹکارا حاصل کرنے کیلئے کچھ مال و متاع واپس کر سکتی ہے۔

(۱۰) طلاق کے احکام اُن عورتوں کیلئے جنکو مردنے ہاتھ نہ لگایا ہو۔ قرآنی احکام بہت ہی مکمل اور مفصل ہیں ابتک اُن عورتوں کا ذکر تھا جو اپنے خاوند کے ہمراہ ازدواجی گذار رہی ہوں۔ اب اُن کے متعلق سنیئے جنکو شادی کے بعد مرد نے ہاتھ تک نہ لگایا اور کسی وجہ سے طلاق کی ضرورت ہو جائے ایسی عورتوں کو عدت کی ضرورت نہیں' طلاق کے بعد فوراً ہی دوسرا نکاح کر سکتی ہیں اگر مہر مقرر ہوا ہے تو نصف مہر کی حقدار ہیں اور اگر مہر نہ مقرر کیا گیا ہو تو مرد کو حکم ہے کہ حسب حیثیت کچھ مال و متاع انکو دے' الٰہی حکم ہے کہ ایسی عورتوں کو دیتے وقت فراخدلی سے کام لو اور آپس میں ایکدوسرے پر احسان کرنیکے حکم کو نہ بھول جاؤ۔

(۱۱) ایلاء ۔ عرب میں یہ رسم تھی کہ عورت سے ناراض ہو کر مرد قسم کھا لیتا تھا کہ وہ اُس سے ایک مدت کیلئے سروکار نہیں رکھے گا اس طرح عورت غریب اپنی ازدواجی زندگی سے مدت تک محروم ہو جاتی تھی اور مرد اس طرح عورت کو اگر چاہتا تو برسوں ستا سکتا تھا اسلام نے اس جبر و ظلم کو روکنے کیلئے اسکی ایک حد مقرر کر دی کہ اگر کوئی مرد ایلا یا اپنی عورت کے پاس نہ جانیکی قسم کھا بیٹھے تو وہ عورت سے صرف چار ماہ تک علیحدہ رہ سکتا ہے اگر اس سے زیادہ عرصہ گذر جائے تو طلاق ہو جائیگی اور عورت کو اختیار رہیگا کہ وہ کسی دوسرے مرد سے شادی کر لے۔ عورت کو جبر و ظلم سے محفوظ رکھنے کے لئے اسلام نے کیا کچھ نہیں کیا ہے۔ ایلاء کی حد مقرر کر دینا عورت پر اسلام کا کتنا بڑا احسان ہے کہ جس کی عام لوگوں کو خبر تک نہیں ہے۔

(۱۲) ظہار ۔ زمانہ جاہلیت میں مرد اگر اپنی بیوی کو ماں بہن یا دیگر محرمات سے تشبیہ دیدیتا تھا تو وہ عورت اسپر حرام ہو جاتی تھی' اسلام نے اس مضحکہ خیز خیال کی تردید کی کہ کوئی عورت ماں بہن کہنے سے ماں اور بہن نہیں ہو جاتی اس لئے بیوی کو ماں بہن کہدینا بیہودہ بات ضرور ہے لیکن اس سے بیوی حرام نہیں ہو سکتی اور نہ طلاق ہو جاتی ہے۔ ہاں مسلمان کو بیہودہ گوئی کی اجازت نہیں ہے اس لئے اس قسم کی سوقیانہ بات پر سزا مقرر ہے جو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا یا ساٹھ دن کے روزے رکھنا ہے تاکہ تزکیۂ نفس ہو سکے اور ہرزہ سرائی کا موقع و آزادی نہ رہے۔

نتیجہ ۔ ایک مہذب و متمدن سوسائٹی میں جہاں شادی کی رسم منظم طریقہ پر موجود ہو طلاق کا جواز بھی ضروری و لازمی ہے۔ جو سوسائٹی شادی کو جائز اور طلاق کو ناجائز قرار دیتی ہے وہ نہ مہذب ہے' اور نہ متمدن' اسلام کے علاوہ تمام دنیا کے عام رواج و رسوم اور احکام و قوانین طلاق ناکمل اور ناقابل تشفی ہیں صرف اسلام ہی نے اس مسئلہ پر مکمل اور قابل عمل ہدایات پیش کی ہیں' وہ نقائص جو یورپ اور امریکہ کے قوانین طلاق میں آج بھی پائے جاتے ہیں' احکام اسلامی میں نظر نہیں آتے' اس طرح کہ اسلام میں عورت و مرد دونوں کو طلاق کے مساوی حقوق حاصل ہیں۔ طلاق کے بعد دونوں کو دوسری شادی کر لینے کی اجازت ہے۔ طلاق محدود و مشروط نہیں' طلاق کے لئے عدالت کے خرچ اور پریشانی کی حاجت نہیں' مصالحت کیلئے کافی مدت اور مواقع بہم پہنچائے گئے ہیں گھڑی

گھڑی طلاق دینے والے کیلئے سخت سزا مقرر ہے لیکن اس سزا کو مقرر کرتے وقت یہ بھی خیال رکھا گیا ہے کہ سزا پانیوالا امن عامہ میں خلل نہ ڈال سکے جو اسکی جنسی زندگی کے خاتمہ کر دینے کی کوشش کرنے سے ممکن ہے۔ عدت کے زمانہ میں عورت کی حفاظت آرام و کفالت کا پورا انتظام ہے مطلقہ کی اقتصادی حالت کا خیال رکھا گیا ہے اور مال و متاع کا بھی اور مہر یہ سب طلاق کے بعد بھی عورت ہی کی رہتی ہے۔ بچہ کی رضاعت کا بھی انتظام ہے اور ماں کو اس فرض کے ادا کرنے کی اجرت بھی دلائی گئی ہے۔ حمل کے زمانہ میں مطلقہ کا بار مرد ہی پر رکھا گیا ہے۔ تاکہ سوسائٹی کو مرد و عورت کے جھگڑے سے نقصان نہ پہنچنے پائے اور بچہ قوی تندرست پیدا ہو سکے جس عورت سے مرد باقاعدہ نکاح کر سکا ہو اس کو مرد سے فوراً ہی نجات دلا دی گئی ہے، عدت جو صحت کی سہولت اور حمل کے معلوم کر لینے کا ذریعہ ہے ایسی عورت کے لئے ضروری شمار نہیں کیگئی ہے لیکن اس کو مالی امداد سے محروم نہیں کیا گیا ہے مرد کو بھی ایسی عورت کو نصف مہر دینے کا حکم دیکر زیر باری سے بچا لیا ہے۔ یہ صورت حال ہوتے ہوئے کون کہہ سکتا ہے کہ دنیا میں طلاق کے مکمل قوانین موجود نہیں ہیں لیکن ہاں وہ یورپ اور امریکہ کی قانونی کتابوں میں نہیں مسلمانوں کے قرآن میں ملتے ہیں۔

(کپتان) ڈاکٹر نصیر الدین احمد

ڈاکٹر شائستہ اختر سہروردی پی ایچ ڈی

عصمتی بہنوں کو یہ معلوم ہو کر یقیناً خوشی ہوگی کہ انکی عزیز بہن محترمہ شائستہ اختر سہروردی کو لندن یونیورسٹی نے لٹریچر میں پی ایچ ڈی (ڈاکٹرآف فلاسفی) کی ڈگری دی ہے اور محترمہ موصوفہ ہندوستان کی پہلی مسلمان خاتون ہیں جنہیں یہ علمی اعزاز حاصل ہوا ہے۔

محترمہ شائستہ اختر سہروردی کو اپنے شوہر مسٹر اکرام اللہ کیساتھ اڈھائی تین سال تک لندن میں رہنے کا موقع ملا اور انہوں نے وہاں تک لندن سکول آف اورئینٹل سٹڈیز میں پی ایچ ڈی کی تیاری کی اور اردو ناول اور افسانہ پر سات سو آٹھ سو صفحوں کا ایک مقالہ انگریزی زبان میں لکھا جس پر انہیں یہ ڈگری ملی ہے۔ اس مقالہ کا وہ حصہ جس میں عورتوں کی خدمات پر بحث ہے کہیں کہیں سے مجھے بھی سنا ہے اور جب تک بہن موصوفہ یہ حصہ سنا رہی تھیں میں انکی قابلیت پر انکے مطالعہ اور معلومات پر عش عش کر رہا تھا۔

اعلیٰ سوسائٹی کے وہ حضرات اور وہ بڑے آدمی جنکی زبان پر آزادی نسواں اور بیداری نسواں کے نعرے ہیں اس سوال کا کیا جواب دے سکتے ہیں کہ ان کی بیویوں نے کنوارپنے کے زمانہ میں جنکے علمی ذوق کا غلغلہ بلند رہتا جنکی مضمون نگاری کی دھوم مچی ہوئی تھی جنکی زبان اپنے طبقہ کی گراں بہا خدمات انجام دے رہی تھیں شادی کے بعد لکھنا پڑھنا کیوں چھوڑ دیا؟ ازدواجی زندگی کی ذمہ داریاں خانہ داری کی مصروفیات بچوں کی پرورش سب کچھ سہی لیکن کیا اس سے انکار کیا جاسکتا ہے کہ ان لڑکیوں کے شوہروں نے انکے ادبی ذوق انکے علمی شوق اور انکے قومی جذبات کو بیدردی سے پامال کیا، وہ انکی حوصلہ افزائی تو کیا خاک کرتے سرے سے کوئی دلچسپی ہی نہ لی اس اعتبار سے مسٹر اکرام اللہ طبقۂ نسواں اور اردو ادب کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اپنی رفیقۂ حیات کے خدمت نسواں اور خدمت ادب کے مقدس جذبات کی قدر کی اور ان کی علمی ترقی کی کوششوں میں دلچسپی لیکر انکی حوصلہ افزائی کرتے رہے۔ عصمتی بہنیں مرحومہ محبت اختر سہروردی کو بھولی نہ ہونگی جو عصمت کے دور اول کی بہترین مضمون نگار اور بنگال کی نامور خواتین میں سے تھیں۔ شائستہ اختر صاحبہ انکی حقیقی بھتیجی اور کرنل ڈاکٹر حسان سہروردی جیسے نامور باپ کی بیٹی ہیں۔ مولوی فضل حق وزیراعظم بنگال انکے خالو اور مشہور جرنلسٹ اور سکرٹری بنگال مسٹر حسن سابق ڈپٹی پریذیڈنٹ ان کے ماموں ہیں اور خان بہادر محمد ہدایت اللہ صاحب سابق ڈپٹی کمشنر جنکی سبق آموز نظمیں عصمت میں شائع ہوتی رہتی ہیں انکے خسر ہیں۔ بیٹیوں کی ترقی اور اعزاز بہت سے خوش نصیب دیکھ لیتے ہیں مگر خان بہادر صاحب وہ خوش قسمت انسان ہیں جنہیں خدا نے بیٹیوں کی ترقی کے علاوہ بہو کے ساتھ ساتھ بہو کا اتنا بڑا اعزاز اور علمی ترقی دکھائی جو اس سے پہلے کسی ہندوستانی مسلمان خسر نے نہیں دیکھی۔

مسلمان خواتین بلکہ ساری مسلمان قوم کو ڈاکٹر شائستہ اختر کی قابلیت پر فخر ہے۔ مگر محض انکی علمی قابلیت ہی ہمارے لئے مایہ ناز نہیں ہے انکی زندگی بھی دوسری عورتوں بالخصوص تعلیم یافتہ خواتین کیلئے مثالی ہے وہ ایک سلیقہ شعار گھر والی ایک خدمتگذار بیوی اور ایک فرض شناس ماں بھی ہیں۔ وہ جس قدر ملنسار اور خوش مزاج ہیں اتنی ہی ان میں انکساری اور سادگی بھی ہے۔ آجکل کی ادھوری ناقص تعلیم پائی ہوئی انگریز وضع لڑکیوں کے چھچھورپن، خودنمائی بے جا بیباکی کبر و نخوت تصنع اور ملمع کی زندگی کے خلاف ڈاکٹر شائستہ سہروردی میں ہمیں مشرقی شرافت اور اسلامی تہذیب نظر آتی ہے جو انکی مرحومہ ماں کی تربیت کا نتیجہ ہے۔ اور یہی وہ خوبیاں ہیں جنکی وجہ سے ہم ان کے علمی اعزاز پر انہیں انکے تمام خاندان کو اور اپنی قوم کو دلی مبارکباد دیتے ہیں۔

رازق الخیری

ہماری ضروریات

محترمہ د۔ ا صاحبہ نے تہذیب میں جب اورابؔ کے عنوان سے ایک مضمون لکھا تو جس میں ہماری موجودہ معاشرت کے ایک بہت بڑے نقص کیطرف ہماری توجہ منعطف کرائی ہے یعنی ہماری فضول خرچی نمائش اور نمود کے شوق کی طرف جو ہمیں اقتصادی تباہی کی طرف لیجا رہا ہے۔ محترمہ آصف جہاں بیگم صاحبہ کے مضمون "ہماری ضروریات" نے بھی اس پر مزید روشنی ڈالی ہے اور ان دونوں محترم خواتین کا فرمانا بالکل صحیح ہے یہ اس قدر ضروری موضوع ہے کہ اس پر ہر رسالے میں متعدد مضامین شائع ہونے چاہئیں اور ہر ممکن طرح سے اس ذہنیت کو بدلنے کی کوشش کرنی چاہئیے جس کی بدولت چاہے کتنی ہی آمدنی ہو کوئی مسلمان گھرانا ایسا نظر نہیں آتا جو خوش حال کہا جاسکے۔ آمدنی پچاس ہو یا پانچہزار حالت اتنی ہی خراب نظر آئیگی۔ کیونکہ ہر درجے اور ہر آمدنی کے لوگ اپنی حیثیت سے بڑھکر اور اپنی آمدنی سے زیادہ خرچ کر رہے ہیں۔ اسلئے ہر شخص ہراساں ہے اور کہیں خوش حالی اور فارغ البالی کا پتہ نہیں۔ کیونکہ فارغ البالی اس کا نام نہیں ہے کہ گھر میں اعلیٰ درجہ کا فرنیچر قیمتی قالین عمدہ برتن ہوں جسم پر نہایت ہی فیشن ایبل اور قیمتی لباس ہو۔ ایک درجن نوکر ہوں جبکہ یہ ساری شان و شوکت قرض کے بھروسے پر ہو اور اگر قرض نہ بھی ہو تو بھی قرض اتنی ہی ہو کہ ہر مہینے دو چار روپے ادا کرنے سے رہ جاتے ہیں اور اگر خدا نخواستہ کوئی ضرورت مثلاً بیماری کسی کی شادی سفر وغیرہ آپڑے تو اس کے لئے پاس کچھ نہ ہو۔ یا اگر خدا نخواستہ نصیب دشمناں کسی وجہ سے آمدنی بند ہو جائے تو سال چھ مہینے بھی گذارہ نہ ہو سکے یہ صورت تو شاذ ہی کسی گھر میں ہوگی کہ اگر وقت پڑے تو گھر والے چھ مہینے تک بغیر قرض لئے چلا سکے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ یہ جواب صحیح نہ ہوگا کہ آمدنی کم ہے۔ کیونکہ ہر درجے کے لوگ اسی حالت میں ہیں۔ جو ۵۰ پاتے ہیں ان کی ۵۰۰ میں پوری نہیں ہوتی۔ جو ہزار پاتے ہیں ان کیلئے ہزار کافی نہیں۔ پندرہ سو والیوں کو بھی تنگ دست دیکھا اور دو ہزار والیوں سے بھی خرچ کی تنگی کی شکایت سنی اور یہ شکایت اور تکلیف خیالی نہیں واقعی تھی یعنی ان کے اخراجات ان کی آمدنی سے زیادہ تھے اور چونکہ ان کی سوسائٹی میں دوسری خواتین اس قدر خرچ کرتی تھیں وہ یہ جرات نہیں کرسکتی تھیں کہ اپنے طرز زندگی کو سادہ بنا کر تنگی سے بچیں۔

لیکن کسی نہ کسی کو ہمت کرنی ہی پڑے گی۔ کاش امیر اور واقعی مرفع الحال لوگ پیش قدمی کرتے ان کی کفایت شعاری کم استطاعتی پر محمول نہیں کیجا سکتی۔ لیکن نام و نمود تو امیروں ہی کی ذہنیت میں سب سے زیادہ ہے ان سے یہ توقع فضول ہے کہ وہ صرف نیک نمونہ قائم کرنے اور اپنی قوم کی اصلاح کے لئے اپنا شوق اور ارمان پورے نہ کریں جبکہ متوسط طبقہ باوجود روپیہ نہ ہونے کے ایسا کر رہا ہے اس لئے ضروری ہے کہ جو خواتین واقعی یہ فضول طمطراق اور ظاہری شان و شوکت کی حیثیت نہیں رکھتیں وہ اس سے ایک دم ہاتھ اٹھالیں۔ ان کو سمجھنا چاہیئے کہ یہ جھوٹی نمود اور یہ اوپری شان و شوکت کس کام کی جب اس کا نتیجہ پریشانی اور ذلت ہو اور اگر خدا کے فضل سے یہ نوبت نہ بھی آئے تو وہ سکونِ قلب اور اطمینان ان کو کبھی بھی حاصل نہیں ہو سکتا جو اپنے خرچ کو آمدنی کے اندر رکھنے سے حاصل ہوتا ہے۔

اس زمانہ کے لوگ اپنے اخراجات اپنی آمدنی کے اندر کیوں نہیں رکھتے اسکی وجہ یہ ہے کہ اب چھوٹی عمر کے ناتجربہ کار میاں بیوی اپنا گھر شروع سے الگ بنالتے ہیں اور انکی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ماں باپ کے ہاں جس طرح رہتے تھے ان کے گھر کا معیار کسی طرح اس سے کم نہ ہو۔ لیکن یہ کتنی بڑی غلطی ہے وہ اس معیار سے زندگی شروع کرنا چاہتے ہیں جس پر ان کے والدین زندگی ختم کر رہے ہیں انکی زندگی کی ابتدائی درجہ کی

آمدنی کہاں سے اس خرچ کی متحمل ہو سکتی ہے۔ جو ان کے والدین اس زمانے میں کرتے تھے جب انکی آمدنی اپنی پوری نہج تک پہنچ چکی تھی۔ پہلے زمانہ میں جب ساس خسر کے ساتھ رہنے کا دستور تھا تو یہ مشکل پیش ہی نہیں آتی تھی کیونکہ وہاں بنا سجایا گھر ہوتا تھا جو بالعموم وہی ہوتا تھا جو لڑکی کے گھر والوں کا اور جب تک الگ گھر کرنے کی نوبت آتی تھی آمدنی اتنی بڑھ جاتی تھی کہ تمام ضروریات باآسانی پوری ہو جاتی تھیں۔ لیکن اب نہ تو حالات ہی ایسے ہیں اور نہ عام طور پر اس زمانہ کی لڑکیاں یہ پسند کرتی ہیں کہ اپنے یا شوہر کے ماں باپ کے ساتھ رہیں۔ سب ہی آزادی اور خود مختاری کے خواہاں ہیں اور ہونا بھی چاہیئے لیکن آزادی کا استعمال بھی تو سیکھنا چاہیئے ورنہ کہیں آزادی تباہی کا پیش خیمہ نہ بن جائے۔ فضول خرچی کی عادت چھوڑنے کی بہترین صورت یہ ہے کہ اپنی آمدنی کے دسویں یا پندرھویں یا بیسویں حصہ کو کسی نہ کسی طریقہ سے ضرور پس انداز کیا جائے۔ آمدنی کتنی ہی قلیل کیوں نہ ہو اس کے دسویں حصہ کو فوراً ہی ایسی صورت میں تبدیل کیا جائے کہ بغیر دقت کے اس کو خرچ نہ کیا جا سکے مثلاً اپنا بیمہ کرا لیا جائے تو پھر ہر مہینے بیمہ والوں کو جبراً ایک رقم دینی پڑیگی۔ یا اتنی رقم کے ہر پہلی تاریخ کو کیش سرٹیفکٹ خرید لیں جو نہ بروقت بھن سکیں گے اور نہ ہر ضرورت کے وقت خرچ میں آئیں گے۔ اس کے بعد یہ اصول بنا لینا چاہیئے کہ اب جو رقم بچی ہے چاہے کچھ ہو جائے اس سے زیادہ ہرگز خرچ نہ کریں گے۔ اگر یہ ناممکن معلوم ہو تو یہ سوچنا چاہیئے کہ ہم ہی جیسے کروڑوں آدمی ہیں جو اس سے آدھی اور تہائی آمدنی میں زندگی بسر کر رہے ہیں وہ کس طرح اس سے قلیل آمدنی میں سب ضروریات پوری کر رہے ہیں۔ زندہ رہنے کے لئے کم سے کم تو اس سے زیادہ آمدنی کی ضرورت نہیں ہے۔ بس آپ یہ سمجھئے کہ صرف زندہ ہی رہ رہی ہیں اور کسی قسم کے شوق اور آرائش کیلئے جب آپ کے پاس روپیہ نہیں ہے تو خرچ کرنے سے رہیں۔ فضول خرچی کی عادت چھوڑنے میں کامیابی اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ کوئی ایسی چیز نہ خریدیں جس کی واقعی شدید ضرورت نہ ہو۔ جب اس کوشش میں کامیاب ہو جائیں اور خرچ آمدنی سے کم ہونے لگے اس کے بعد شوقیہ چیزوں کے لئے ایک چھوٹی سی رقم مقرر کر لیں اور اس سے آگے ہرگز نہ بڑھیں۔ اچھے لباس خوشنما مکان اور خوبصورت فرنیچر کا شوق بیجا نہیں ہے۔ لیکن اس شوق کو اس صورت سے پورا کرنا چاہیئے کہ دماغ سکون اور آرام سے ہاتھ نہ دھو بیٹھے۔ ورنہ وہی سامان بجائے آپکی خوشی کے رنج کا باعث بن جائے گا۔

انگلستان میں گو معیارِ زندگی کافی بلند ہے اور عام طور پر خوشنما فرنیچر اور پردوں اور دیواروں کی چیزوں سے آراستہ گھر اور کپڑوں پر بھی کافی روپیہ خرچ کیا جاتا ہے لیکن متوسط بلکہ اعلیٰ طبقہ تک میں بھی بیجا اسراف سے احتراز کیا جاتا ہے اور صاف صاف اس بات کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ہماری آمدنی میں اس کی گنجائش نہیں مثلاً وہاں متوسط طبقہ کی عورت نوکر نہیں رکھتی اور اگر رکھتی بھی ہے تو ایک سے ہرگز زیادہ نہیں۔ بس اور ٹریم میں جانیکو کسرِ شان نہیں سمجھتی تیسرے لباس خوبصورت اور فیشن میں ضرور بنتی ہے لیکن اسکی بھی کوشش نہیں کرتی کہ ہر موقع کے لئے نیا لباس ہو اور ایک دفعہ جو لباس پہن چکی دوبارہ اسمیں نظر نہ آئے۔ بلکہ پورے جاڑوں وہ اسی ایک خوبصورت کوٹ اور سکرٹ میں نظر آتی ہے صرف تین رنگ کے جمپر یا مختلف رنگ کے بیگ کے استعمال سے اس میں ردو بدل کر دیتی ہے۔

ہمارے یہاں کی متوسط طبقہ کی فیشن کی شوقین خواتین ایسا کیوں نہیں کرتیں۔ اگر ان کو بال بنوانے ناخن رنگنے اور سینما جانیکا شوق ہے تو کیوں اس کے لئے وہ اس صورت سے روپیہ نہیں پیدا کرتیں کہ گھر کا کام خود کریں اور نوکروں کی پلٹن نہ رکھیں موٹر کے بدلے تانگہ کی سواری اختیار کریں۔ متوسط طبقہ کی جو عورتیں پردہ چھوڑ چکی ہیں وہ بس میں سفر کیا کریں۔ صرف ایک طرفہ تقلید تو تباہ ہی کر کے چھوڑے گی۔ مگر مشکل تو یہ ہے کہ ہندوستان میں جو انگریز آتے ہیں وہ ہوتے تو ہیں چھوٹے طبقہ کے لیکن یہاں ان کو تنخواہ اس قدر زیادہ ملتی ہے کہ وہ امیروں کے سے ٹھاٹھ کرنے لگتے ہیں اور ہم ان کی تقلید میں اپنے کو تباہ کر ڈالتے ہیں۔ بلکہ یہ لوگ بھی اگر غور سے دیکھا جائے تو ہم سے کم فضول خرچ ہیں۔ مثلاً میں نے دیکھا ہے کہ پٹرول کی قیمت بڑھتے ہی

نئی دہلی کے تین تین ہزار آمدنی والے انگریزوں اور ان کی میموں اور بچوں نے سائیکل پر آنا جانا شروع کر دیا۔ آفس جانا۔ شاپنگ اسکول ان کاموں کے لئے سائیکل کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اور موٹریں دعوت وغیرہ کے موقعوں کے لئے مخصوص ہیں۔ لیکن اسی نئی دہلی میں ابھی تک کسی ہندوستانی کو یہ جرأت نہیں ہوئی۔ اسی طرح میں نے دیکھا کہ میمیں ہر سال شملہ کے گھر میں وہی پردے اور کرسیوں کے غلاف استعمال کرتی ہیں جو پہلے کر چکی ہیں۔ انہی کو کاٹ کر ناپ کا بنوالیتی اور دوبارہ رنگوالیتی ہیں لیکن نئے نہیں خریدتیں اس کے برخلاف ہندوستانی ہر سال ہر گھر کو نئے سرے سے آراستہ کرتے ہیں۔ اس کی وجہ ایک یہ بھی ہے کہ ان کے ہاں بدانتظامی اتنی ہے کہ ایک سال کی استعمال شدہ چیزیں اس قابل نہیں رہتیں کہ وہ پھر استعمال ہو سکیں اور رہیں کس طرح جبکہ یہ کوشش ہی نہیں کی جاتی۔

لباس فرنیچر اور نوکروں کے بعد جس چیز میں نمود کا اظہار کیا جاتا ہے وہ بچوں کے اسکول ہیں۔ اب ہر ایک کو اپنے بچوں کو انگریزی اسکول میں تعلیم دینے کا شوق ہو گیا ہے کیونکہ اب فیشن ہی اس کا ہے۔ اس سے بحث نہیں کہ تعلیم واقعی زیادہ اچھی ہوتی ہے یا نہیں۔ ایک معمولی انگریزی اسکول اور انگریزی کیا اینگلو انڈین اسکول کی فیس بھی پندرہ روپیہ سے کم نہیں ہوتی اب جنکی آمدنی پانچسو ہے وہ چار بچوں کے ساٹھ روپیہ فیس دیں گے تو پھر تنگی نہ ہوگی تو کیا ہوگا۔ جب پانچسو روپیہ والے پندرہ روپیہ کے اسکول میں بچوں کو پڑھاتے ہیں تو دو ہزار جن کی آمدنی ہو انکی تمنا ہے کہ انگلستان بھیکر بچوں کو پڑھائیں اور چونکہ آجکل یہ خواہش پوری نہیں ہو سکتی اس لئے باوجود اس کے کہ اپنے شہر میں اسکول موجود ہیں پہاڑوں پر بھیج کر بورڈنگ میں داخل کر دیتے ہیں اور سو ڈیڑھ سو فیس کا دیتے ہیں۔ انگلستان میں متوسط طبقہ اپنے بچوں کو گریمر اسکول میں بھیجتا ہے۔ اور اس کو ہتک نہیں سمجھتے۔ اگرچہ ہر والدین کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے لڑکے یا لڑکی کو پبلک اسکول میں بھیجے کیونکہ یہ سوشل کامیابی کا پہلا زینہ ہے اور اکثر متوسط طبقہ کے لوگ کوشش کرکے اپنے بچوں کو پبلک اسکول میں بھیجتے ہیں۔ لیکن اس شوق کے پورا کرنے کے لئے کسی اور شوق سے دست برداری اختیار کرتے ہیں۔

جو کچھ میں نے عرض کیا اس سے میرا مقصد یہ ہے کہ سوائے ان لوگوں کے جو لکھ پتی ہیں کوئی شخص ہر شوق پورا نہیں کر سکتا۔ اس لئے اپنے دل پر کچھ تو قابو اور ضبط چاہیئے۔ اگر ایک چیز کا شوق ہے تو دوسرے کی طرف سے صبر کر لیجئے لیکن اگر آپ پانچسو کی آمدنی میں چاہیں گی کہ آپ کے بچے بھی انگریزی اسکولوں میں پڑھیں آپ ہر سال پہاڑ پر بھی جائیں اور ہر روز نیا لباس بدلیں تو نتیجہ قرضداری اور بالآخر بربادی تباہی اور ذلّت و خواری ہوگا۔ کیونکہ دو ہزار روپیہ ماہوار کی آمدنی اس خرچ کی متحمل ہو سکتی ہے۔ اور اگر ۲۰۰۰ ہزار کی آمدنی میں آپ چاہیں گی کہ ہر سال یورپ کی سیر کریں یا کم سے کم اپنے ہی ملک میں سال میں تین دفعہ آب و ہوا تبدیل کرنے کو جائیں۔ بچوں پر انگریز گورنس رکھیں ہر سال گھر کو نئے طرز سے سجائیں اور ہر مہینہ دو ڈھائی سو کے کپڑے بنائیں ذرا سی بیماری پر بڑے سے بڑے ڈاکٹر کو بلائیں اور تیمارداری کو نرسیں رکھیں۔ ہر زچگی کے موقع پر نرسنگ ہوم میں جائیں فرسٹ کلاس کے سوا سفر کرنا کسر شان سمجھیں تو باوجود دو ہزار ماہوار آمدنی کے آپ فارغ البالی اور اطمینان قلب کا کبھی بھی منہ نہیں دیکھ سکیں گی۔ اور یہی ہو رہا ہے۔ سو والے پانچسو والوں کی طرح اور پانچسو والے دو ہزار والوں کی طرح زندگی بسر کر رہے ہیں۔ دو ہزار والے پانچ ہزار والوں کی طرح اور پانچ ہزار والے راجہ مہاراجوں کی طرح۔ اور راجہ مہاراجہ خدا جانے کس کی طرح کیونکہ وہ بھی ہمیشہ قرضدار ہی سُنے جاتے ہیں۔ آمدنی کا قرضداری سے کچھ تعلق نہیں۔ آمدنی کچھ بھی ہو اگر خرچ کو اسکے مطابق نہ رکھا جائے تو لاکھ جتن کیجئے سر سے کنواں کھود ڈالئے قرضداری تو ہوگی اور ہو کر رہے گی۔

شائستہ اختر سہروردی (شملہ)

The ISMAT
Delhi
July 1941

۱۹۰۶-۰۰ میں
مقام لندن

شیخ محمد اکرم
بیرسٹر ایٹ لا
ایڈیٹر عصمت سیال
جنہوں نے ۲۳ مئی کو
انتقال فرمایا

۱۹۳۹ء میں
[illegible]

قلعہ دولت آباد دکن

ہائی کورٹ حیدرآباد دکن

ماں
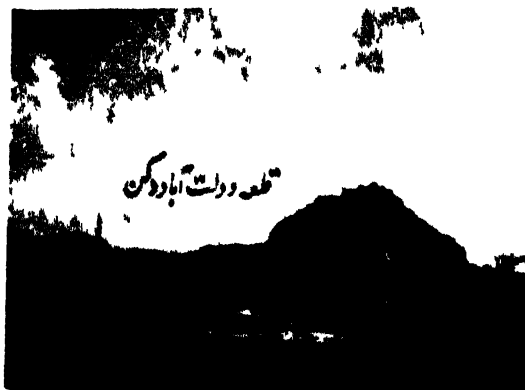
(افسانہ)

۸ سال کی عمر میں رشید یتیم ہوگیا تھا۔ اس کی ماں حمیدہ نے جس مصیبت سے رشید کی پرورش کی اس سے سارا گاؤں واقف تھا۔ دو چار بیگھے کاشتکاری میں ہوتا ہی کیا ہے۔ مگر حمیدہ نے کچھ اس سلیقہ سے اپنے کھیتوں کا انتظام کیا کہ دیکھنے والے دنگ رہ گئے۔ حمیدہ کا شوہر جب تک زندہ رہا عزیز و اقارب سب ہمدرد تھے۔ لیکن شوہر کے مرتے ہی سب غیر ہوگئے۔ سنگرور جہاں حمیدہ رہتی تھی۔ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ مگر وہاں کے رہنے والے نہایت شریف اور نیک دل تھے۔ سب گاؤں والوں نے حمیدہ کی مصیبت میں ساتھ دیا۔ اور حمیدہ نے بھی کبھی کسی کو شکایت کا موقع نہ دیا۔ گاؤں میں کسی کے یہاں کوئی کام ہوتا تو حمیدہ سب سے آگے رہتی۔ کسی کی تکلیف اس سے نہ دیکھی جاتی۔ چنانچہ یہ حمیدہ کی پارسائی اور شرافت ہی کا نتیجہ تھا۔ کہ وہ گاؤں میں ہر دلعزیز تھی۔ کچھ لوگوں نے اس کی بھی کوشش کی کہ حمیدہ دوسری شادی کرے۔ مگر اس نے صاف انکار کر دیا۔ حمیدہ کے میکے والوں نے بہت چاہا کہ وہ سنگرور کو چھوڑ کر اپنے میکے میں رہے۔ مگر حمیدہ نے اسے پسند نہ کیا۔ اور وہ اپنے شوہر کی ڈیوڑھی کو جیتے جی چھوڑنا نہیں چاہتی تھی، اگر کبھی وہ ایک روز کے لئے اپنے میکے جاتی تو اپنی پڑوسن سے ہاتھ جوڑ کر کہہ جاتی بہن میرا گھر سنسان رہے گا۔ ڈیوڑھی پر روزانہ شام کو چراغ جلا دیا کرنا۔ جب اسے گرہستی کے کاموں سے چھٹی ملتی تو وہ گاؤں کی لڑکیوں کو بغدادی قاعدہ پڑھاتی۔ کلام مجید اس نے ختم کیا تھا۔ اس سے زیادہ وہ تعلیم یافتہ نہ تھی، مگر گاؤں والے اسے بہت پڑھی لکھی سمجھتے تھے۔

(۲)

جب رشید سمجھدار ہوا تو حمیدہ نے اسے دیہاتی مدرسہ میں بٹھا دیا۔ مگر اس سے بھی اس کی تسکین نہ ہوئی۔ سنگرور سے دو میل پر ایک مڈل اسکول اور ایک انگریزی ہائی سکول تھا۔ حمیدہ کی حیثیت ہی کیا لیکن اس نے رشید کو وہاں سکول میں داخل کرا دیا۔ گاؤں والوں نے سمجھایا بھی کہ کسان کے لڑکے کو پڑھا لکھا کر کیا کرے گی۔ آخر میں تو اسے ہل چلانا پڑے گا۔ مگر دھن کی پکی حمیدہ نے کوئی پرواہ نہ کی ایک معمولی کسان کے لئے لڑکے کو پڑھانا کوئی آسان کام نہیں۔ حمیدہ اسکول کا خرچ پورا کرنے کے لئے سلائی کا کام کرنے لگی۔

ایک مرتبہ اسکول میں حاکم ضلع معائنہ کرنے آنے والے تھے۔ ایسے موقع پر اسکول میں خصوصاً جب وہاں دو کا اسکول ہو تو بڑی تیاریاں کی جاتی ہیں، چنانچہ ہیڈ ماسٹر نے سب لڑکوں کو حکم دیا کہ وہ نئے کپڑے پہن کر اور سر پر نیا صافہ باندھ کر اسکول میں آئیں جو لڑکے یہ انتظام نہیں کر سکتے ان کو اسکول میں معائنہ کے دن آنے کی ضرورت نہیں، امیروں کے لئے تو یہ معمولی بات تھی۔ وہ عمدہ اور نفیس پوشاک پہن کر اکڑتے ہوئے اسکول میں آنے کا خواب دیکھنے لگے۔ لیکن غریب لڑکوں کی مصیبت تھی، بڑی مشکل سے تو وہ سکول کی فیس دے سکتے تھے اب وہ نئے کپڑے اور نئے صافہ کا کیسے انتظام کریں۔ کلکٹر صاحب آئیں گے، جلسہ ہوگا، مٹھائی تقسیم ہوگی، بڑا جشن رہے گا۔ غریب لڑکے یہ سوچ کر ٹھنڈی سانسیں بھرنے لگے۔ رشید جب شام کو

اپنے گھر واپس ہوا تو اس نے حمیدہ سے کہا "اماں! اگلے ہفتہ میں ہمارے اسکول میں کلکٹر صاحب معائنہ کے لئے آئیں گے۔ انکے ساتھ اور بھی افسر ہوں گے۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے حکم دیا ہے کہ اس دن سب لڑکے نئے کپڑے پہن کر اور سر پر گلابی رنگ کا صافہ باندھ کر اسکول آئیں' جو لڑکے نئے کپڑے پہن کر نہ آئیں گے ان کو اسکول میں اس دن گھسنے نہ دیا جائے گا۔"

گھر میں اتنے دام نہ تھے کہ حمیدہ اپنے بچے کے لئے نئے کپڑے بنوا دیتی۔ اس نے ٹھنڈی سانس بھری اور رشید کو کلیجہ سے لگا کر کہا "میرے لال! تم گھبراؤ نہیں میں تمہارے لئے نئے کپڑے بنوا دوں گی۔"

رشید نے اپنی ماں کی طرف غور سے دیکھا۔ ماں کا چہرہ اُداس تھا وہ سب کچھ سمجھ گیا اس نے کہا "اماں" حمیدہ کا دل بھر آیا۔ اس نے کہا: "بیٹا تم اپنا دل کیوں چھوٹا کرتے ہو۔ میں سب انتظام کر دوں گی۔"

چنانچہ حمیدہ نے اپنے کچھ زیور گروی رکھے۔ اور رشید کو نئے کپڑے بنوا دئے۔ رشید کو پتہ بھی نہ چلا کہ روپے کا انتظام کیسے ہوا

غریب کے لڑکے عموماً محنتی ہوتے ہیں۔ اس پر اگر وہ ذہین ہوئے تو بہت جلد ترقی کرتے ہیں۔ چنانچہ رشید بھی اپنی محنت اور ذہانت سے مڈل اسکول کے امتحان میں اول آیا اور اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھنے کے لئے سرکاری وظیفہ نے اس کا دل بڑھا دیا۔ اور اس نے رشید کو انگریزی اسکول میں داخل کرا دیا۔ انگریزی پڑھانا غریبوں کے لئے دشوار ہے' بڑے بڑے زمیندار اپنے لڑکوں کو انگریزی کے دو ایک درجہ پڑھا کر دیوالیہ ہو جاتے ہیں۔ مگر تعریف کے قابل ہے حمیدہ کا دل۔ اور اس کا استقلال کہ وہ ہمت نہ ہاری۔ رشید بھی سعادت مند لڑکا تھا۔ اس نے کبھی اپنی ماں کو حتی المقدور تکلیف اٹھانے کا موقع نہ دیا۔ دن گذرتے گئے اور خدا کی شان رشید نے انٹرنس کا امتحان بھی اول نمبر میں پاس کیا۔ حکام خوش ہو گئے۔ ہیڈ ماسٹر صاحب کی سفارش سے رشید کو ضلع کچہری میں چالیس روپے ماہوار کی محرری مل گئی' کچہری میں چالیس روپیہ کی ملازمت کا ملنا آسان نہیں آجکل انٹرنس کا کیا ذکر بی اے اور ایم اے کو پولیس کی کانسٹبلی تک نہیں ملتی۔

(۳)

حمیدہ کے دن پھر گئے۔ اب اس کی خوشی کا کچھ ٹھکانا نہ تھا۔ گھر گھر اپنے رشید کی تعریف کرتی پھرتی۔ اس کے جواب میں اسکی ملنے والیاں کہتیں' بہن یہ سب تمہاری محنت کا پھل ہے۔ تم نے بھی رشید کے پڑھانے میں اپنی پونجی لٹ دی۔"

اسی ہنسی خوشی میں ایک سال اور گذر گیا۔ اب رشید کلکٹر صاحب کا ریڈر تھا۔ اس کی ذہانت اور ایمان داری ہی نے اتنی جلدی اسے اس مرتبہ تک پہنچا دیا تھا۔ اب حمیدہ کو سب سے زیادہ رشید کی شادی کی فکر تھی۔ اب رشید کی زندگی کی بہار پر تھی' اور مرادوں کے پھول اپنی شبنمی تازگی میں کھل کھلا کر حسن اور شگفتگی کا سماں دکھا رہے تھے۔

وہی لوگ جو غریبی میں حمیدہ کو اپنا رشتہ دار بھی کہنا معیوب سمجھتے تھے۔ اب اسے مالدار دیکھ کر اپنی لڑکیوں کا پیغام بھیجنے لگے' رشید کے ایک دور کے رشتہ دار منشی تھانیدار تھے۔ خدیجہ ان کی قبول صورت اور تعلیم یافتہ اکلوتی لڑکی تھی۔ تھانہ دار صاحب نے کچھ ایسی کوشش کی کہ حمیدہ ان کی لڑکی پر ریجھ گئی' کچھ رشتہ داروں نے کہا بھی کہ خدیجہ کی ماں تو بازاری عورت تھی۔ جسے داروغہ جی نے گھر میں ڈال لیا تھا۔ اس کی لڑکی سے شادی کرنا اچھا نہ ہوگا۔ ناگن کی اولاد ناگن ہی ہوتی ہے۔ مگر حمیدہ اپنے قول کی پکی تھی۔ داروغہ جی کو زبان دے چکی تھی' اس کے علاوہ خدیجہ کے ظاہری حسن نے حمیدہ کے دل پر خاص اثر کیا تھا۔ اس کی ماں سے مجھے کیا مطلب' خدیجہ تو شریف ہے میں تو اس کو ہی اپنی بہو بناؤں گی۔ جب حمیدہ نے رشید سے اس کا

ذکر کیا تو اس نے شرما کر کہا "ماں میں شادی نہ کروں گا"۔

"کیا داروغہ جی کے یہاں"۔

"نہیں کہیں بھی نہیں"۔

"کیوں؟"

رشید نے مسکرا کر کہا "میں سنتا ہوں اور سنتا کیا بلکہ دیکھا ہے کہ شادی کے بعد مرد بیوی کے چکر میں پھنس کر اپنے والدین کو بھول جاتا ہے"۔ حمیدہ نے قہقہہ مار کر کہا "پاگل کہیں کا! اتنا بڑا ہو گیا۔ مگر ابھی عقل نہیں آئی وہ لڑکے ناخلف ہوتے ہیں جو اپنے ماں باپ کو بیوی کے پیچھے بھول جاتے ہیں۔ مگر میرا رشید ایسا نہیں ہے۔ وہ اپنی ماں کو نہیں بھول سکتا"۔

غرضیکہ بسنت کے مسرت خیز موسم میں خدیجہ کے ساتھ رشید کی شادی بڑی دھوم دھام کے ساتھ ہو گئی۔ حمیدہ نے اپنے دل کے سارے ارمان نکال لئے۔ بہترا جہیز دیا۔ دھوبی، نائی غرضکہ گاؤں کے تمام اسامیوں کو حمیدہ نے خوش کر دیا۔ سب نے حمیدہ بی بی کے جان و دل کی دعائیں دیں۔

آزادی کی ہوا میں، لاڈ و پیار میں پرورش پائی ہوئی خدیجہ نے سسرال میں آتے ہی اپنا رنگ جمانا شروع کیا۔ رشید بھی اس حسن کی دیوی کا غلام بن گیا۔ کچھ دن تو اسے ماں کا لحاظ رہا۔ مگر خدیجہ نے رشید پر پیار و محبت کا ایسا جادو ڈالا کہ وہ سنبھل نہ سکا۔ وہ خدیجہ کا ہی کلمہ پڑھنے لگا اب وہ دنیا کی ہر چیز کو خدیجہ ہی کی نظروں سے دیکھتا تھا۔

یہاں تک غنیمت تھا۔ اگر شوہر اپنی بیوی سے محبت کرتا ہو تو وہ قابل تعریف ہے۔ لیکن قیامت یہ ہوئی کہ رشید اپنی حسین اور فیشن ایبل بیوی کے مایا جال میں ایسا پھنسا کہ اس کے دل سے ماں کی محبت اور اس کی عزت کا بھی خیال جاتا رہا۔ ہفتہ کے دن وہ شہر سے آتا تھا۔ بیوی کے لئے کتنے تحائف لاتا۔ ماں رشید کو دیکھ کر نہال ہو جاتی۔ لیکن رشید اس سے بات بھی نہ کرتا۔ بلکہ سیدھا اپنی بیوی کے کمرے میں پہنچ جاتا، پھر اسے کسی سے کچھ مطلب نہیں۔ حمیدہ اپنے بیٹے کا یہ پریم میلا دیکھ کر کڑھا کرتی، مگر وہ کچھ کہہ نہیں سکتی تھی، اب گھر کی مالکہ خدیجہ تھی، حمیدہ کو خدیجہ خادمہ سے بھی بدتر سمجھتی تھی، پہلے رشید اپنی تنخواہ لا کر اپنی ماں کو دیتا تھا۔ مگر جب سے خدیجہ نے مخالفت کی وہ ساری تنخواہ اپنی بیوی کو دینے لگا۔ حمیدہ پر اب ضعیفی کا عالم تھا۔ رنج و غم سے وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گئی تھی۔ اب اسے آرام کی ضرورت تھی۔ مگر آرام پہنچانے والے کو اپنے آرام کے سامنے اس کی قدر نہ تھی۔

(۴)

گھر کی ملکہ بن کر بھی خدیجہ کا دل خوش نہ ہوا وہ شہر کی رہنے والی تھی۔ بھلا سنگر وسا جیسے چھوٹے گاؤں میں اس کا دل کیسے لگ سکتا تھا۔ دیہاتیوں کی بولی سے اسے نفرت تھی۔ وہ سیر و تفریح کی شائق تھی۔ جو اسکے خیال میں گاؤں میں میسر نہ تھی۔ اس نے ایک مرتبہ رشید سے شہر میں رہنے کو کہا بھی، مگر خدا جانے اس دن اسے اپنی بوڑھی ماں کا کیسے خیال آ گیا۔ جو اس نے کہہ دیا کہ "ہم شہر میں رہیں گے تو ماں کو یہاں تکلیف ہو گی۔ سب لوگ کہیں گے کہ ماں کو چھوڑ کر اپنی بیوی کو لیکر شہر چلا گیا"۔ خدیجہ اپنے شوہر کے اس جواب سے خوش نہ ہوئی۔ اب وہ اس کا بدلہ لینے پر تیار ہو گئی۔

ایک دن حمیدہ کی طبیعت کچھ خراب تھی، وہ علی الصبح نہ اٹھ سکی اور وقت پر خدیجہ کو ناشتہ نہ ملا۔ بات معمولی تھی خدیجہ خود ناشتہ تیار کر سکتی تھی۔ مگر اس کو بناؤ سنگار سے اتنی فرصت کہاں۔ وہ آرام طلب تھی وہ ساس سے بگڑ کر کہنے لگی "میں سب سمجھتی ہوں، بہانہ کر کے پڑی رہتی ہو۔ چاہتی ہو کہ میں کھانا پکاؤں، تو یہ تو مجھ سے ہرگز نہ ہو گا۔ میں نے اپنے باپ کے

یہاں بھی کھانا نہیں پکایا۔

حمیدہ بہت دنوں سے بہو کے سلوک میں فرق دیکھ رہی تھی۔ مگر اس سے پہلے خدیجہ نے کبھی زبان درازی نہ کی تھی۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور باورچی خانہ کی طرف چلی۔ لیکن غصہ والی خدیجہ نے ڈانٹ کر کہا "تم جاؤ آرام کرو میں خود کھانا پکاؤں گی، تم نے سمجھا ہو گا کہ تم کھانا نہ پکاؤ گی تو میں بھوکی رہوں گی" حمیدہ نے بہت کہا کہ "نہیں بہو تم ہٹو میں کھانا بنائے دیتی ہوں" لیکن خدیجہ نانی۔ ناز و نعم میں پلی ہوئی خدیجہ کے لئے جلدی کھانا پکانا کوئی آسان کام نہ تھا۔ مجھ کی روٹیاں پکائیں اور اس کے ساتھ اپنا ہاتھ بھی جلا لیا۔ اس غصہ میں اس نے تمام برتن اٹھا کر پھینک دیے۔ اسی دن شام کو رشید شہر سے آئے تو خدیجہ کو منہ پھیلائے پلنگ پر پڑا دیکھا۔ بیتاب ہو گئے اور خوشامدیں کرنے لگے۔ بڑی مشکل سے رو رو کر خدیجہ نے کہا "بس مجھے میرے میکے بھیجدو، اب میرا اس بڑھیا کے ساتھ اس گھر میں گذر نہ ہو گا۔ غضب خدا کا مجھے گالیاں دیں اور رچنے سے میرا ہاتھ جلا دیا۔" رشید تھکا ماندہ شہر سے آیا تھا۔ کھایا پیا بھی نہ تھا۔ بیوی کی شکایت سنکر غصہ میں ماں سے لڑنے چلا۔ اُدھر غریب حمیدہ ناشتہ تیار کئے اپنے لخت جگر کا انتظار کر رہی تھی۔ رشید نے جاتے ہی ماں سے کہا۔

" اماں! کیا تم سٹھیا گئی ہو۔ آخر تمہارا مطلب کیا ہے۔ تم نے بہو کو گالیاں دیں اور اس کا ہاتھ جلا دیا۔ تم کو شرم نہیں آتی، کیا یہ شریفوں کے کام ہیں" ماں کی ماری ماں کا کلیجہ دھک سے ہو گیا "ایسا سفید جھوٹ مجھ سے کچھ پوچھا تک نہیں اور بیوی نے جو کچھ کہہ دیا اس پر یقین کر لیا۔" اسے رشید سے ایسے سخت الفاظ سننے کی امید نہ تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور بولی "بیٹا کیسی باتیں کرتے ہو میں نے بہو کو اگر گالی دی ہو یا اس کا ہاتھ جلایا ہو تو خدا مجھے غارت کرے۔" خدیجہ دالان میں کھڑی ماں بیٹے کی گفتگو سن رہی تھی کہیں پردہ فاش نہ ہو جائے وہاں سے جھنجھنی ہوئی آئی اور کہنے لگی "ذرا ان کو دیکھو تو بہی قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھی ہیں اور جھوٹ بولتے شرم نہیں آتی اور الٹا مجھ پر الزام لگا رہی ہیں کہ میں جھوٹ بولتی ہوں"۔ اپنی بیوی کے یہ الفاظ سنکر رشید کو کچھ غیرت معلوم ہوئی اور اس نے کہا۔ "اجی تم چپ بھی رہو انسان کیوں مچاتی ہو" شوہر سے اتنا سنکر خدیجہ نے اپنا سر پیٹ لیا "ہاں ہاں تم ماں کا کیوں نہ ساتھ دوگے۔ میں جھوٹی تمہاری ماں سچی۔ اچھی بات ہے تم اب اپنی ماں کو ہی لے کر رہو۔ میں تو اب یہاں ایک منٹ بھی نہ ٹھہروں گی، جب تم کو میری بات کا اعتبار نہیں ہے تو مجھے اپنے ساتھ کیوں رکھتے ہو۔ بس بس نے تمہاری محبت دیکھ لی۔" شور و غل سنکر ہمسایہ کی عورتیں جمع ہو گئیں ان کو دیکھ کر خدیجہ نے رو رو کر اپنی مظلومیت کی داستان سنائی۔ نیک دل حمیدہ سنانے میں آگئی۔ وہ کچھ کہہ نہ سکی اس کے گھر میں کبھی ایسی "تکا فضیحتی" نہ ہوئی تھی۔ حمیدہ کو خاموش اور خدیجہ کو روتے دیکھ کر زن مرید رشید کو یقین ہو گیا کہ ساری شرارت ماں ہی کی ہے۔" اس نے رات بھر خدیجہ کی خوشامد کی معافی مانگی۔ کوئی اور عورت ہوتی تو شوہر کے معافی مانگنے پر شرمندہ ہوتی لیکن اس نے یہ سبق پڑھا ہی نہ تھا وہ تو ایسی ماں کی بیٹی تھی جس نے اپنے شوہر کو خادم سے بھی بدتر سمجھا جب رشید نے قسم کھا کر یقین دلایا کہ اب وہ ماں کے ساتھ نہ رہے گا اور خدیجہ کو اپنے ساتھ شہر لے جائے گا تب خدیجہ کا غصہ کم ہوا۔ رشید شہر سے مٹھائی لایا تھا دونوں نے مزے سے کھائی لیکن غریب حمیدہ ساری رات بھوکی پیاسی آنسو بہاتی رہی۔

(۵)

صبح اٹھتے ہی رشید اپنی بیوی کو لے کر شہر چلا گیا۔ ماں نے بہت رو کر معافی مانگی مگر رشید کے دل پر کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ وہ ماں سے بولا تک نہیں، شہر پہنچکر خدیجہ خوش ہو گئی۔ اس کی دلی مراد بر آئی، اس کا مقصد ہی یہ تھا کہ ساس سے جدا ہو کر

رہے، دیہات میں اس کے لئے کوئی دلچسپی کا سامان نہ تھا۔ شہر میں تھیٹر، سینما، سیر تماشہ غرضکہ اس کی تفریح کے لئے ہر قسم کا آرام تھا، اس کے علاوہ وہ اب اپنی ماں کے بھی قریب تھی، ہر وقت مل سکتی تھی۔

گاؤں میں جو کام مفت ہو جاتا تھا۔ شہر میں اس کی قیمت تھی۔ مٹی بھی خریدنے کی ضرورت پڑتی تھی۔ ہر چیز گراں تھی۔ لیکن خدیجہ کو اس کی پرواہ نہ تھی۔ گھر میں خادمہ تھی، شوہر کمانے والا تھا، اسے فکر ہی کس بات کی تھی۔ فیشن ایبل بیوی نے اپنا رنگ دکھانا شروع کر دیا۔ فرمائشوں پر فرمائشیں ہونے لگیں، تنخواہ میں کام چلنا دشوار تھا۔ قرض پر نوبت آگئی۔ کئی مرتبہ رشید نے اپنی بیوی کو ڈرتے ڈرتے سمجھایا بھی کہ خرچ بہت ہو رہا ہے ہم کو اپنی چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانا چاہئے۔ لیکن اس کا اثر خدیجہ پر الٹا ہوا۔ جس کا لڑکپن لاڈ پیار میں گذرا ہو جس کی تربیت ناقص ہوئی ہو، اس کا سنبھلنا دشوار ہے۔ جس نے لڑکپن ہی سے یہ سبق پڑھا ہو کہ شوہر سے کبھی دبنا نہیں چاہئے۔ وہ بیچارے رشید کو کیا سمجھ سکتی تھی، چنانچہ اس نے صاف صاف کہدیا کہ "اگر تم میرا خرچ نہیں اٹھا سکتے تھے، تو میرے ساتھ شادی ہی کیوں کی تھی، اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔ تم مجھے طلاق دیدو۔ تم اپنے گھر خوش میں اپنے گھر خوش، مجھے یہاں ہر بات کی تکلیف ہے۔ میں اپنے میکے میں جا کر رہوں گی۔ نہ اپنی صورت دکھاؤں گی نہ تمہاری صورت دیکھوں گی۔"

بیوی سے اس قسم کی باتیں سنکر رشید پریشان ہو جاتا۔ کیا ایسی باتیں شریف عورتیں کر سکتی ہیں۔ لیکن وہ بیوی سے کچھ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ جب وہ الگ ہونے کی دھمکی دیتی تو بیوی کا غلام ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو جاتا۔ خدیجہ کو ہر طرح کا آرام تھا۔ پھر بھی وہ طعنہ دینے سے باز نہ آتی "جب میں اپنے باپ کے یہاں تھی تو جو کھاتی تھی وہ کھاتی تھی۔ ذرا سا کام ہوتا تھا۔ تو درجنوں نوکر دوڑ پڑتے تھے۔ یہاں مروں یا جیوں کسی کو میری پرواہ ہی نہیں"۔ ایسی باتیں رشید کے دل پر تیر و نشتر کا کام کرتیں۔ مگر وہ تڑپ کر رہ جاتا۔

دن گذرتے رہے، خرچ بڑھتا رہا۔ قرض خواہوں نے رشید کو تنگ کرنا شروع کیا۔ تو وہ گھبرایا۔ اور اس نے مجبوراً رشوت لینی شروع کی۔ پہلے دن جب رشید نے رشوت لی تھی تو سارے دن اور ساری رات اس کا ضمیر اسے ملامت کرتا رہا۔ مگر رفتہ رفتہ ضمیر کی آواز دب گئی۔ بہت ممکن تھا کہ وہ سنبھل جاتا۔ اگر بیوی سمجھدار ہوتی تو وہ کبھی اپنے شوہر کو برے راستے پر چلنے کی صلاح نہ دیتی۔ لیکن فیشن ایبل خدیجہ نے تو خود رشید کو حرام کی کمائی کی ترغیب دلائی۔ "میرے باپ کی ایسی آمدنی تھی ان کے پاس اتنے روپے جمع تھے، تمہارے گھر میں تو کچھ نہیں۔ دنیا میں کون رشوت نہیں لیتا، تم بھی ضرور رشوت لو"۔ اب رشید "دست غیب" کا غلام تھا۔ نئی نئی قسم کی ساڑھیاں جمع ہو گئیں۔ خدیجہ سونے کے زیورات سے لد گئی۔ رشید جو کچھ کماتا خدیجہ کے ہاتھ میں دیدیتا۔ خدیجہ سامان اور روپے چھپ چھپا کر اپنی ماں کے پاس بھیجدیتی چنانچہ اتنی آمدنی ہونے پر بھی اسے رشید سے خرچ کی تنگی کا شکوہ رہتا تھا۔

ایک مرتبہ خدیجہ اپنی کسی مالدار سہیلی کے یہاں گئی۔ وہاں اس نے ایک نہایت خوبصورت بیش قیمت موتیوں کا ہار دیکھا گھر واپس آکر اس نے رشید سے اسی قسم کے ہار کی فرمائش کر دی۔ رشید اس دن پریشان تھا۔ رشوت کی شکایت اسکے افسروں تک پہنچ چکی تھی۔ آج ہی کلکٹر صاحب نے اسے تنبیہ کی تھی۔ اس نے دبی زبان سے کہا "تم کو کیا معلوم کہ میں کس مصیبت میں گرفتار ہوں تمہاری فرمائشوں سے تو میرا ناک میں دم آ گیا۔ تم تو اب سمجھتی ہوگی کہ گھر میں آسمان سے روپے برستے ہیں یا میرے یہاں ٹکسال ہے جو کچھ کماتا ہوں تمہیں لا کر دیدیتا ہوں، پھر بھی ہر وقت یہی رونا رہتا ہے کہ گھر میں خرچ نہیں۔ میں نے تم کو بڑی خوش

رکھنے کے لئے تمہاری فرمائشوں کو پورا کرنے کے لئے رشوت بھی لینی شروع کی۔ مگر پھر بھی تم مجھ سے خوش نہیں ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ جب تک میں جیل نہ جاؤں گا تمہیں چین نہ پڑے گا؟

سچی باتیں بُری معلوم ہوتی ہیں۔ ایسا معلوم ہوا گویا کسی نے ناگن کے پھن پر تیر چلایا۔ خدیجہ میں اب زیادہ سُننے کی تاب نہ تھی، اس نے کہا "میاں جی مجھے روپے لاکر دیتے ہو تو کوئی احسان نہیں کرتے۔ میرے پاس روپے ہوتے تو کھانا جاتی تمہارے ہی کام آتے۔ مگر خیر میں تمہارا مطلب سمجھ گئی۔ تم اب مجھے دبانا چاہتے ہو، لیکن بندی تم سے دبنے والی نہیں۔ اِدھر اُدھر روپے اُڑاتے پھرتے ہو اور مجھ سے جھوٹ موٹ آکر کہہ دیتے ہو کہ قرض میں دے آیا۔ تم ہمیشہ مجھ سے جھوٹ بولتے رہے۔ تم اول درجہ کے جھوٹے ہو۔ تم نے مجھے دھوکہ دیا۔ تمہاری ساری محبت جھوٹی تھی؛ . . . " اس طرح کی سیکڑوں باتیں خدیجہ نے سُناڈالیں، اس نے یہ بھی کہا کہ "مجھ سے چھپ کر تم اپنی ماں کو روپے دیتے ہو۔" حالانکہ جب سے رشید سنگردرسے آیا تھا اس نے بھولے سے بھی ماں کی کبھی خبر نہ لی تھی۔ جس ماں نے اپنی جان پر مصیبت اُٹھا کر اس کی پرورش کی، تعلیم دلائی اور کمانے کے لائق کیا۔ اسی ماں کو رشید نے کبھی بھولے سے بھی نہ یاد کیا۔ مگر اس وقت اس کے دل پر چوٹ لگی اور اس نے کہا "یہ بالکل جھوٹ ہے۔" خدیجہ نے کہا "جھوٹے کو سب کی باتیں جھوٹ معلوم ہوتی ہیں؛" یہ کہہ کر اس نے خادمہ کو تانگہ لانے کے لئے آواز دی۔ چنانچہ تانگہ آتے ہی وہ اپنا سب سامان لے کر تانگہ پر بیٹھ کر چلتی بنی اور چلتے وقت کہتی گئی۔ "اب تم اپنا منہ مجھے کبھی نہ دکھلانا اور نہ کوئی خط بھیجنا ورنہ میں اسے بغیر پڑھے چاک کردوں گی۔"

آج رشید کی آنکھیں کُھل گئیں۔ اسے معلوم ہوگیا کہ مصنوعی موتی خواہ کیسے ہی خوش آب کیوں نہ ہوں۔ ایکدن نکی اصلیت معلوم ہوجاتی ہے۔

(۶)

رشید اب اپنے دوستوں سے آنکھیں نہیں ملا سکتا تھا۔ سارے شہر میں مشہور ہوگیا تھا کہ خدیجہ نے اپنے شوہر کو چھوڑ دیا۔ خدیجہ نے تو یہاں تک اپنی سہیلیوں سے کہہ دیا تھا کہ رشید صاحب نے طلاق دیدی ہے۔ رشید اس قسم کی باتیں سُنکر دل ہی دل میں کڑھتا۔ رنج و غم سے اس کی صحت خراب ہونے لگی۔ دفتر کے کام میں بھی اس سے غلطیاں ہونے لگیں، یہاں تک کہ وہ سخت بیمار ہوگیا۔ خدیجہ کو بھی یہ سب خبریں ملتی رہیں، مگر اس دولت کی بھوکی عیش پرست عورت نے رشید کی اس بیماری اور مصیبت میں ساتھ دینا گوارا نہ کیا۔ وہ رشید کے ہاں سے کافی مال اور روپے جمع کرچکی تھی۔ اس نے سمجھ لیا تھا کہ اب رشید کو سزا ہوگی اور وہ جیل جائے گا۔ وہ اس کی پرواہ کیوں کرتی۔ اس کا تو قول تھا کہ دُنیا میں شوہروں کی کمی نہیں۔ رشید کے معطل ہوتے ہی اس کے کچہری والے دوست بھی اس سے کترانے لگے۔ وہی چپراسی جو ہر وقت رشید کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے رہتے تھے وہ اس موقعہ پر طوطا چشم بن گئے۔ گھر میں صرف ایک وفادار نوکر کلّو رہ گیا تھا۔ بیماری بدنامی اور ایسے موقع پر عورت کی کنارہ کشی رشید کے لئے سخت جانکاہ صدمہ تھا۔ بھادوں کی اندھیری رات تھی۔ آسمان پر بادل دوڑ رہے تھے۔ بیمارِ غم رشید چارپائی پر لیٹا حسرت بھری نظروں سے ٹمٹماتے ہوئے چراغ کی طرف دیکھ رہا تھا تھوڑی دور پر اس کا وفادار پوربیا نوکر کلّو بیٹھا تھا۔ رشید نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔ "کیوں کلّو! کبھی تمہاری بیوی بھی تم سے لڑتی ہے۔"

"نہیں سرکار! ایسا ہمارے ہاں نہیں ہوت۔ ایسا تو بدمعاش عورتیں کرتی ہیں۔ مالک ہم گریب (غریب) ہیں تو کیا

مگر وہ اپنی عزت پر جان دے دیتے ہیں رو رہے تھے ہیں (ہم ایسی بدمعاش ٹھہرائی (عورت) کو اپنے گھر میں نہیں رہنے دینا چاہتی)

رشید کا کلیجہ دھڑکنے لگا اس نے دل میں سوچا کہ یہ ہنر کلثوم نے یہ فقرہ مجھ پر ہی کسا ہے۔ وہ شرم و ندامت سے زیر ہو گیا۔ اسے ایسا معلوم ہونے لگا گویا ساری کائنات اس کی ذلت پر آنسو بہا رہی ہے۔ وہ سوچنے لگا "جب تک شادی نہیں ہوئی تھی کیسے آرام سے تھا کسی بات کی فکر نہ تھی" یہ سوچتے ہی اسے اپنی ماں یاد آ گئی۔ "آہ میں کتنا ناخلف ہوں جس نے اس عورت کے پیچھے اپنی ماں کو چھوڑ دیا کبھی اس کی خبر تک نہ لی۔ یا اللہ مجھے موت دے　　　ہائے اماں تم کہاں ہو۔ کیا تم بھی اپنے رشید کو بھول گئیں . . . . " ٹھیک اسی وقت کمرہ کا دروازہ کھلا۔ اور بوڑھی حمیدہ "میرے لال! میرے بیٹے میں تم پر قربان! میں آ گئی" کہتی ہوئی رشید سے آ کر لپٹ گئی۔

بڑا موثر سین تھا۔ ماں اور بیٹے کا ملاپ تھا۔

جس ماں کو رشید نے اپنی بیوی کے لئے چھوڑ دیا تھا۔ جس کی کبھی اس نے دو پیسے سے بھی عیش و آرام میں پڑ کر خدمت نہ کی تھی۔ جو خوشی کے دنوں میں اپنی ماں کو بھول گیا تھا۔ وہی ماں کی ماری ماں آج مصیبت میں بیٹے کے کام آئی۔ غریب حمیدہ نے اپنی حیثیت سے بڑھ کر رشید کا علاج کرایا۔ کچھ تو دوا لیکن سب سے زیادہ ماں کی دعا نے رشید کو صحت یاب کیا۔ یہ ماں ہی کی کوشش اور دعاؤں کا اثر تھا کہ رشید پھر اپنی ملازمت پر بحال ہو گیا۔

اب رشید کو رشوت سے نفرت ہے۔ غریب بیکسوں کی مدد کرنا اور اپنی ماں کی خدمت کرنا اس نے اپنی زندگی کا مقصد قرار دے لیا ہے۔ اب اس کی زبان پر ہر وقت یہی وظیفہ رہتا ہے :-

"ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے"۔

اعظم کریوی

سسرال میں پہلے روز

ایسے بھی انقلاب ہوا کرتے ہیں خدا؟
ماں باپ بھائی بہنوں سے ہونا پڑا جدا

مجھ سے بچھڑ کے خویش مرے نوحہ خواں بھی ہیں
طرفہ تماشا یہ ہے کہ سب شادماں بھی ہیں

کیا قہر ہے تمام وہ آزادیاں گئیں
سکھیوں کے ساتھ کھیلنا خوش فہمیاں گئیں

وہ گھر ہے میرا۔ پہلے جو دیکھا نہ تھا کبھی
جس چیز کو میں دیکھتی ہوں ہے وہی نئی

ماں باپ کے عوض ہیں یہاں ساس اور سسر
فطرت سے آشنا بھی نہیں جن کی ذرہ بھر

ناآشنا تمام کوئی آشنا نہیں
اس وقت جیسے کوئی مرا آسرا نہیں

بیگانگی برستی ہے ہر چیز سے یہاں
حالانکہ جس کو دیکھو وہ ہے مجھ پہ مہرباں

بچوں کا ہے ہجوم مرے آس پاس آج
مسرور سب ہیں صرف ہوں میں ہی اداس آج

بزم نشاط و عیش سے گھبرا رہا ہے دل
اور خود بخود اچاٹ ہوا جا رہا ہے دل

سب کچھ مرے لئے ہے مگر میں اداس ہوں
بجتے ہیں شادیانے مرا حال ہے زبوں

تسکین دے رہی ہوں دل بے قرار کو
شاید کہ صبح فردا پیام سکون ہو

وقار واثقی

اپریل ۱۹۴۱ء کے عصمت میں محترمہ دردانہ صاحبہ اور مئی ۱۹۴۱ء کے عصمت میں محترمہ و۔ا صاحبہ کے مضامین بعنوان "جہیز" میری نظر سے گذرے۔ محترمہ دردانہ صاحبہ کا یہ فرمانا بجا ہے کہ اب وہ دن دُور نہیں ہیں جب بنگال کی طرح یہاں بھی لڑکیوں کی خودکشی کے واقعات سننے میں آنے لگیں۔ اور یہ انہوں نے اس لئے لکھا کہ اب ہر صوبہ میں شادی کے وقت لڑکے والے لڑکی کے والدین سے جہیز اور نقد روپیہ طلب کرتے ہیں۔

مجھے تعجب ہوا کہ محترمہ و۔ا کو اس کا علم نہیں ہے کہ یہ رسم اب یوپی میں بھی شدّت کے ساتھ چل رہی ہے۔ جہاں کسی لڑکی کے پیغام کا سلسلہ شروع ہوا لڑکے والے پہلے یہ سوال کرتے ہیں کہ لڑکی کیا کیا جہیز لائے گی اور کتنا نقد روپیہ ملے گا۔ اب بتائیے ایک تو اپنی عزیز ترین بچی ان لوگوں کے حوالہ کریں اور پھر ان سے جہیز اور روپیہ کی اُمید رکھنا کتنا ذلیل خیال ہے؟ اگر ان کے صاحبزادے میں اتنی صلاحیت نہیں ہے کہ اپنی اہلیہ کی کفالت کر سکیں تو پھر ان حضرت کو شادی کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔

میرے خاندان میں ایک لڑکی کا پیغام آیا ساتھ ہی لڑکے کے والدین نے سوال کیا کہ جہیز کیا کیا ملے گا اور ہم دس ہزار نقد روپیہ بھی لیں گے کیونکہ ہم نے اپنے لڑکے کو ایم اے کرایا ہے۔ لڑکے کو تعلیم دلا کر گویا لڑکی کے والدین پر بہت بڑا احسان کیا گیا ہے۔ اگر صاحبزادے صاحب کو اعلیٰ تعلیم نہ دلوائی جاتی تو وہ گھاس کھود کر بھی اپنی زندگی گذار سکتے تھے۔ ایک صاحب کی خواہش تھی کہ مجھ کو سسرال سے سلامی میں بہترین موٹر ملے۔ اتفاق سے ان کی ایک جگہ نسبت قرار پائی اور خسر صاحب سے وعدہ بھی ہو گیا کہ میں موٹر دوں گا۔ جب رخصت کا وقت آیا تو ان کے خسر نے ۵۰۰ کی موٹر سلامی میں دی یہ صاحب فوراً بگڑ گئے اور اپنی نئی دولہن کو طلاق دے گھر آ بیٹھے۔ کیونکہ وہ چاہتے تھے کہ پانچ ہزار کی موٹر ملے۔ آجکل کے نوجوانوں نے تو لڑکیوں کے والدین کو امپیریل بنک یا فورڈ کا کارخانہ خیال کر رکھا ہے۔

ایک صاحبہ ہیں ان کے صاحبزادے سو لین ہیں۔ ان کی شادی ایک اچھے گھرانے میں ہونے لگی تو لڑکے کی والدہ صاحبہ اور بھاوجوں نے معلوم کرایا کہ کتنے ہزار روپیہ نقد لڑکی کے ہمراہ ہوگا۔ کیونکہ ہمارا کافی روپیہ صرف ہوا ہے۔ لڑکا عزت مند تھا ماں سے کہنے لگا کیا آپ مجھ کو بیچ رہی ہیں۔" یہ سُنکر ماں اور بھاوجیں خاموش ہو گئیں۔ یہ سب چشم دید واقعات ہیں اور یوپی کے۔

لکھنؤ میں ابھی حال میں ایک لڑکے نے اپنی نئی دُلہن کو لوہے کی سلاخیں گرم کر کے جلا جلا کر مار ڈالا۔ صرف اس وجہ سے کہ بیچاری جہیز ہمراہ نہیں لائی تھی۔ کہاں تک لکھوں اس قسم کے سینکڑوں واقعات ہیں۔

مس طاہرہ محمود نینی تال

توبہ کا فلسفہ

مرکب ہے بشر بے شک خطا سے اور نسیاں سے ۔۔۔ کرے توبہ تو بخشش کیا بعید الطاف یزداں سے
خدا کرتا ہے توبہ کرنے والے پر کرم بے حد ۔۔۔ "اجابت از درِ حق بہرِ استقبال می آید"
گنہگاروں پہ اس کا کس قدر یہ فضل شاں ہے ۔۔۔ سوائے شرک ہر جرم و خطا بخشش کے قابل ہے
سیاہی سے گنہ کی نورِ ایماں چھپ ہی جاتا ہے ۔۔۔ اُٹھے کالی گھٹا تو مہرِ تاباں چھپ ہی جاتا ہے
دھواں جس طرح کر دیتا ہے کالا بِل کے چمنی کو ۔۔۔ سیہ کرتی ہے تاریکی گنہ کی دل کی چمنی کو
گنہ کرتا ہے انساں تو ہو جاتا ہے دل مردہ ۔۔۔ وہ انساں کیا کہ جس کا دل ہو مردہ روح افسردہ
دلِ مردہ کا بہتر ہے نکل جانا ہی سینے سے ۔۔۔ یہ سچ ہے "زندگانی[1] ہے عبارت دل کے جینے سے"
گنہ کرنے سے دب جاتا ہے سب احساس عزت کا ۔۔۔ نہ کچھ پروا ہے ذلت کی، نہ پھر کچھ پاس عزت کا
وہی انساں خدا نے احسنِ تقویم دی جس کو ۔۔۔ ملائک نے خدا کے حکم سے تعظیم دی جس کو
وہی انساں، جسے اللہ نے اپنی خلافت دی ۔۔۔ جسے سب پر بزرگی دی، فضیلت دی، شرافت دی
گنہ کرنے سے گر جاتا ہے فوراً درکِ اسفل میں ۔۔۔ وہ اشرف بن کے ہو جاتا ہے شامل نوعِ ارذل میں
علاج اس کا فقط توبہ ہے، جو رنج ہو صادق ہو ۔۔۔ زباں کے دل مطابق ہو، زباں دل کے موافق ہو
نہ ہو ہر بار توبہ اور عمل ہر بار عصیاں پر ۔۔۔ صغیرہ بھی کبیرہ ہے جو ہو اصرار عصیاں پر
گنہ کے بعد توبہ ہو اگر عزمِ مصمم سے ۔۔۔ نہ لوٹے پھر وہ ترغیبِ بدی کی ضربِ پیہم سے
عطا ہوتی ہے پھر توفیق فرقِ حق و باطل کی ۔۔۔ چمک اُٹھتی ہیں پھر توبہ سے سب تاریکیاں دل کی
جگایا توبہ نے، لی روحِ خوابیدہ نے انگڑائی ۔۔۔ بتوفیقِ الٰہی پھر دلِ مردہ میں جان آئی
سیاہی تھی جو دل پر دھل گئی رحمت کی بارش سے ۔۔۔ خطائیں بخش دیں سب حق نے توبہ کی سفارش سے
گناہوں سے گرہ جو پڑ گئی تھی، کھل گئی دل کی ۔۔۔ پڑے رگڑے جو توبہ کے تو تختی دھل گئی دل کی
پھر اُٹھا دل سے ظلمت کا حجاب آہستہ آہستہ ۔۔۔ پھر آئی آئینے میں آب و تاب آہستہ آہستہ
گناہوں سے جو زنگ آلود تھا سینے کا آئینہ ۔۔۔ ہوا توبہ کی صیقل سے وہ آئینے کا آئینہ
اگر توبہ ہو سچی، قصدِ عصیاں پھر نہ ہو سینے ۔۔۔ تو دل کے صاف اور روشن نہ ہو جانے کے کیا معنی

غرض توبہ سے ہے دل کی جلا دل کی صفا حامدؔ
یہ توبہ کی حقیقت ہے، یہ اس کا فلسفہ حامدؔ

حامد حسن قادری۔ آگرہ

[1] حضرت خواجہ میر دردؔ رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر سے ماخوذ ہے۔
مجھے یہ ڈر ہے دلِ زندہ تو نہ مر جائے ۔۔۔ کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

بیگمات نصف صدی پہلے

کہتے ہیں کہ پردہ اسلام کی ایجاد ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ مسلمان عورتوں کو اپنے لباس پر چادر اوڑھ کر باہر پھرنے چلنے کی ہدایت کی گئی تھی تاکہ مسلم اور غیر مسلم عورتوں میں امتیاز ہو۔ اُس وقت اکثر ایسے واقعات پیش آئے جن سے اس کی ناگزیر ضرورت محسوس ہوئی۔ لیکن چادر اپنے اُوپر ڈال کر بیرون خانہ چلنے پھرنے میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوتی۔ دوسرے ملکوں میں ابتک خواتین برقعہ میں یا چادر اوڑھ کر بازار جاتی ہیں سودا سلف خریدتی ہیں باغوں میں تفریح کرتی ہیں۔ جب پردہ جاری ہوا تھا اس وقت بھی عورتیں بازار ہاٹ میں جاکر اپنے کام کاج خود کیا کرتی تھیں۔ میدان جنگ میں رہ کر زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ سپاہیوں کے لئے کھانا پکاتی تھیں۔ اونٹوں، گھوڑوں اور خچروں پر بیٹھ کر سفر کیا کرتی تھیں چند صدیوں بعد جب مسلمانوں میں انحطاط رونما ہوا تو معاشرت بگڑنے لگی اور پردہ نے بھی حبس یا قید کی صورت اختیار کرلی۔ خصوصاً ہندوستان میں اور ابتک کم و بیش اُسی طرح پردہ چلا جاتا ہے۔

یوں تو بُرائی اور بھلائی توام ہیں، پردے کی بُرائیوں کے ساتھ اس میں بھلائیاں بھی ہیں وہ خواتین جن کی تربیت پُرانے ماحول میں ہوئی اور جن کو تعلیم مشرقی انداز میں دی گئی وہ اب بھی شدت سے پردہ کو پسند کرتی ہیں۔ اور اسی میں عافیت سمجھتی ہیں۔

مجھے اس وقت نصف صدی پہلے کی معاشرت کا نقشہ دکھانا ہے جس کا عنصر غالب پردہ ہے۔ اس عنوان کی پہلی قسط میں ریاست ٹونک کی بیگمات کا تذکرہ ہے۔ نواب امیر خاں صاحب نے ۱۸۱۷ء میں ریاست ٹونک قائم کی۔ ان کی زندگی جنگ جویانہ رہی، ان کی بیگمات ان کے ہمراہ ہی رہتی تھیں۔ ورنہ اکثر کسی مرکزی مقام کے قلعہ میں محفوظ جگہ رکھتے تھے۔ ان کے جانشین نواب وزیرالدولہ ایک عالم باعمل رئیس تھے۔ پردہ کے سخت حامی تھے، اُن کی صاحبزادیاں ذرا ہوشیار ہو جانے پر سلام کے لئے اُن کے سامنے حاضر ہوتیں تو سفید موٹی چادریں سر سے پاؤں تک اس طرح ڈھکی ہوئی ہوتی تھیں کہ پہچاننا دشوار ہوتا تھا۔ نواب صاحب خود کبھی اپنی صاحبزادیوں سے خطاب نہیں کرتے تھے، جمعدارنی سے جو ایک سن رسیدہ عورت ہوتی تھی اور اُسی کو حق حاصل تھا کہ وہ نواب صاحب سے عرض معروض کرے یا نواب صاحب اور بیگمات کے احکام نوکرنیوں پر صادر کرے، دریافت فرماتے کہ یہ کون کون ہیں وہ ہاتھ جوڑ کر عرض کرتی کہ یہ حضور کی بڑی صاحبزادی صاحبہ ہیں، یہ حضور کی چھوٹی صاحبزادی صاحبہ ہیں۔ اس کے بعد جمعدارنی کے ذریعہ سے یہ پوچھا جاتا کہ "اچھی ہیں" اور وہ ہی ان کی طرف سے دست بستہ عرض کرتی کہ "جی اچھی ہیں۔ حضور کی عمر و اقبال کے لئے دُعا کرتی ہیں"۔ اس کے بعد فوراً اشارہ ہوتا کہ "اجازت ہے" اور صاحبزادیاں رخصت ہوکر اپنے اپنے کمروں میں چلی آتیں۔ تعلیم اس طرح ہوتی تھی کہ چار پانچ سال کی عمر سے قرآن شریف پڑھایا جاتا تھا۔ ایک بڑے بوڑھے سفید داڑھی والے کوئی حافظ صاحب پڑھانے آتے، محل کے باہر کے صحن میں جہاں نوکرنیاں رہتی ہیں وہاں تخت پر بیٹھ کر پڑھتیں۔ دو تین بوڑھی مامائیں آس پاس بیٹھی ہوتیں۔ حافظ صاحب کے کراماً کاتبین دو معمر افسر زنانی ڈیوڑھی ہوتے تھے۔ قرآن شریف کے بعد ترجمہ اور دینیات کی کتابیں پڑھائی جاتیں۔ کوئی ضعیفہ معلمہ

دستیاب نہیں ہوتی تو کوئی بوڑھے مولوی صاحب آکر پڑھاتے، کمرہ میں درمیان سفید چاندنی باندھ دی جاتی تاکہ پردہ رہے۔ صاحبزادی کے پاس چار پانچ بڑی اصیلیں یا ملازمہ بیٹھی ہوتیں، مولوی صاحب کے ساتھ زنانہ ڈیوڑھی کے دو افسر ہوتے تھے۔ اس پڑھائی کے ساتھ لکھنا نہیں سکھایا جاتا تھا۔ اندر محل میں مغلانیاں کپڑوں کی کاٹ چھانٹ، کتر بیونت اور سینا کاڑھنا سکھاتی تھیں۔ خود اُن کی والدہ یعنی ملکہ جناب بیگم صاحبہ یا کوئی بلند مرتبہ خاتون ان کو کھانا پکانا بھی سکھاتی تھیں۔ شادی نہ ہونے تک متوسط درجہ کے کپڑے جو شوخ رنگ کے نہ ہوں پہننے کے لئے مہیا کئے جاتے تھے، کھیل اور تفریح کے لئے یہ سامان ہوتے تھے کہ بہت سی ہمجولیاں، مہذب قصے اور کہانیاں۔ کھیلنے میں گھروندا اور گڑیاں اور بس۔ نماز روزہ کی پابندی تو لازمۂ زندگی تھی اور ہونا چاہیئے۔

بیگمات سیر و تفریح کے لئے کبھی محل سے باہر نہیں جا سکتی تھیں۔ محلات قلعہ میں تھے قلعہ سے باہر ایک محل اور باغ تعمیر کرایا گیا۔ بیگمات نے بھی تعریف سنی اور چاہا کہ ہم بھی دیکھیں۔ مگر نواب صاحب سے اجازت لینے کی جرأت نہ ہو سکی۔ بالآخر افسرانِ ڈیوڑھی میں سے ایک بہت بوڑھے حاجی صاحب تھے۔ نواب صاحب اُن کا خیال بھی کرتے تھے اُن سے بہت منت سماجت سے کہلوایا گیا کہ آپ سرکار عالی سے باغ دیکھنے کی اجازت حاصل کیجئے۔ مجبور ہو کر انہوں نے وعدہ کر لیا اور ایک روز موقع پا کر گذارش کی کہ "حضور باغ اور شیش محل ایسا عمدہ ہے کہ دور دور سے لوگ دیکھنے آتے ہیں۔ بیگم صاحبان کو بھی بہت دن سے آرزو ہے کہ دیکھیں۔ حضور کے خوف سے ہمت نہیں ہوتی کہ عرض کریں۔ اگر حکم فرمایا جائے تو کسی دن وہ بھی دیکھ لیں۔ پردہ کا پورا پورا انتظام کر دیا جائے گا۔" یہ سننا تھا کہ نواب صاحب کا چہرہ غصہ سے لال ہو گیا اور فرمایا کہ "حاجی صاحب اگر آپ کے علاوہ اور کوئی ایسی بات کہتا تو میں سزا دیتا۔ آپ بڑے بوڑھے ہو کر خیال نہیں کرتے کہ مردانہ مکان میں عورتوں کا کیا کام!"

البتہ اس کے یہ ضرور تھا کہ خاندان حکمراں میں قریبی عزیزوں کے ہاں شادی غمی کے موقعہ پر بیگمات ضرور جا کر شریک ہوتی تھیں، اس کے علاوہ بھی دعوت پر یا خود ہی برس چھ مہینے میں کسی قریبی عزیز کے ہاں دو تین گھنٹے کو چلی جاتی تھیں۔ اس کے لئے بھی کافی اہتمام ہوتا تھا۔ پہلے سے افسر ڈیوڑھی تاریخ اور وقت کا تعین کرتے تھے، ضروری ہدایتیں دے جاتے تھے کہ سات برس سے زیادہ عمر کا بچہ اُس وقت محل میں داخل نہ ہو۔ ملازمہ عورتوں اور معمولی آنے والیوں کے علاوہ کوئی نئی عورت اُس وقت حویلی کے اندر موجود نہ ہو وغیرہ۔

تاریخ اور وقت معینہ پر بیگم صاحبہ عالیہ پالکی یا تامجھام میں سوار ہوتیں۔ اس پر سفید چاندنی پڑی ہوتی تھی۔ چند میں پلٹن کے سپاہی آگے آگے۔ زنانی ڈیوڑھی کے افسران گھوڑوں پر سوار ہمراہ۔ چاندی کی چھڑیاں لئے ہوئے چوبدار جلو میں۔ چند ہلاتے ہوئے نقیب آواز لگاتے ہوئے، جن کے خاص مصطلحات ہوتی ہیں اور مفہوم اُن کا یہ ہوتا ہے کہ عالیہ کی سواری آ رہی ہے۔ ادب کرو نگاہ نیچی رکھو۔ تعظیم کرو۔ دعا کرو اللہ عمر و اقبال زیادہ کرے وغیرہ۔ پیچھے اردلی میں جیسے بگھیوں میں سوار اور رتھوں میں نوکرانیاں ہمرکاب ہوتی تھیں۔ بیگم صاحبہ سے دو ایک گھنٹے پہلے ہی دو ایک رتھوں میں خادمائیں ضروری سامان لے کر پہلے سے اُس حویلی پر پہونچ جاتی تھیں۔

بیگم صاحبہ کی تشریف آوری بڑی بوڑھیوں، بیواؤں، یتیموں اور بچوں کے لئے ایک نعمت ہوتی تھی۔ حویلی پر سیکڑوں کی تعداد میں جمع ہو جاتی تھیں، اور ہر ایک بامراد واپس آتی تھی۔ اس طرح بیگم صاحبہ دو تین ہزار روپیہ خیرات کر جاتی تھیں۔ اللہ تعالےٰ

اُن کی اور سب مسلمانوں کی روحوں کو جوارِ رحمت میں پناہ دے۔

نواب وزیر الدولہ کو پردہ کا اس قدر خیال تھا کہ خاندان حکمراں میں ہی اس کے لئے تنبیہ اور تاکید کے احکام گشتی صادر فرماتے تھے۔ اور تمام سرداروں کو ان کی پابندی لازمی تھی۔ ایک روبکار کی نقل درج ذیل ہے اور اس کے نیچے اس کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے۔

دستخط حضوری (مُہر خاص)

مالہ

اسم نویسی برادران و اقربایان کہ سواری ہائے زنانہ اہلِ خاندان بخانہ آنہا روند و بجز اسامی مذکورہ جائے دیگر ہرگز نہ روند۔

فہرست اسماء

بندوبست عزیزان اقربایان برادران و اقربایان وغیرہ آنکہ

عزیزان اقربایان برادران وغیرہ کہ اسامی آنہا مندرجہ کاغذ بندوبست است ازیں قبیل کہ مثلاً عزیزان محل ہائے برادران و اقربایان یا عزیزان خاص اقربایان اگر بخانہ ہائے آن کسان شادی و یا غمی رودہد۔ سواری ہائے محل ہائے خود ہا بفرستند۔ دیگر سواری ہائے خاندان بشمول آن ہا ہرگز نہ روند۔ و مراد از عزیزان آنکہ پدر و یا برادر و داماد و یا عم باشند نہ آنکہ بخانہ عزیزان کہ قرابت بعیدہ دارند بخانہ انہا فرستادن اجازت نیست و بعد مغرب سواری ہائے زنانہ اہلِ خاندان از خانہ خود بجائے نہ روند فقط

ترجمہ

فہرست اُن بھائیوں اور عزیزوں کی جن کے اہلِ خاندان کی زنانہ سواریاں آپس میں آجا سکتی ہیں۔ ان کے علاوہ غیر جگہ نہ جاویں۔

× × × × ×

بھائیوں اور بھائیوں کے قریبی عزیزوں کے ہاں کا بندوبست یہ کیا جاتا ہے کہ بھائیوں اور قریبی عزیزوں کو جن کی فہرست اُوپر دی گئی ہے ملازم ہے کہ اگر اُن کے قریبی عزیزوں یا اُن کے محلات کے عزیزوں یا خاص اقرباؤں میں شادی غمی ہو تو اپنے محل کی زنانہ سواریاں وہاں بھیج سکتے ہیں۔ مگر دوسرے سواریاں خاندان کی اُن کے ساتھ نہیں جانا چاہئیں۔ اور مراد عزیزوں سے یہ ہے کہ باپ بھائی ماں یا چچا ماموں ہو نہ اُن سے جو رشتہ کے ہوں۔ اُن کے گھر بھیجنے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ بھی لحاظ رہے کہ بعد مغرب اہل خاندان کے زنانہ سواریاں اپنے گھروں سے باہر ہرگز نہ جانے پائیں۔

(صاحبزادہ) ولی احمد خان (ام اے)

گذشتہ اشاعت سے آگے

دس بارہ دن گذر گئے کلکٹر صاحب کی طرف سے کوئی خبر نہ ملی وہ صرف ایک ہفتہ کو گئے تھے چار دن اور گذر گئے۔ ۴ بجے تھے صدیقی بیگم تنہائی میں افسردہ بیٹھی ہوئی تھیں ان کے شوہر دورے پر تھے۔ شام کی چائے پی کر وہ گھر سے نکلیں ارادہ کیا کہ اپنی کسی ملنے والی کو لے کر سینما چلیں۔ اتفاق کی بات راستے میں انسپکشن ہاؤس پڑتا تھا اس کے آگے سے جب ان کی کار گذری تو خیال آیا کہ اُتر کر معلوم کریں شاید انجینیر صاحب آ گئے ہوں اور تکلیف کی وجہ سے یہاں ہی قیام کیا ہو گا احاطہ کے اندر کار لے گئیں کیا دیکھتی ہیں کہ سامنے ہی ٹینس کورٹ کے قریب انجینیر صاحب ٹہل رہے ہیں۔ صرف قمیص پہن رکھی ہے۔ کوٹ نہیں بال بھی پیشانی پر بکھرے ہیں اس وقت تک برش نہیں کیا۔ بیگم صدیقی فوراً گاڑی سے اُتر کر ان کے قریب آئیں سلام کیا اور کہنے لگیں؟ بھائی جان آپ جلدی پہنچ گئے اور شاید اب تک بھی اطلاع نہ کی آخر آپ ہم سے کیوں بچتے ہیں جب انتظار کی حد نہ رہی تو آخر تلاش میں نکلی۔ انجینیر صاحب نے جواب دیا میں نادم ہوں اور معافی کا خواستگار ہوں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ کہ آپ تشریف لے آئیں میں حیران ہوں کہ آپ دونوں مجھ ناچیز سے اس قدر محبت کیوں کرتے ہیں۔ کلکٹر صاحب نے تو آپ سے قبل کبھی دیکھا بھی نہیں۔ بیگم صدیقی بولیں "سچ کہئیے آپ جلدی کب پہنچے؟ آپ کا ہمارے ہاں آنے کا ارادہ تھا: اگر میں نہ آجاتی تو آپ مدتوں چھپے رہتے۔ یہ سنکر انجینیر صاحب شرمندہ سے ہو گئے۔ نگاہیں نیچے کو جھک گئیں اور چند سیکنڈ کی خاموشی کے بعد بولے مسز صدیقی میں پریشان ہوں واقعی میں اس قابل ہوں کہ آپ تو میری شکل نہ دیکھیں سچ عرض کرتا ہوں میں چار دن سے یہاں آیا ہوا ہوں اور چونکہ آپ کے پاس نہیں گیا اس لیے ابھی کسی دوست سے بھی نہیں ملا۔ آپ یقین کریں اسٹیشن سے یہاں پہنچا اور یہاں سے آفس کے لیے نکلتا ہوں آج دل بہت بے چین تھا۔ سب دوستوں سے ملنے کے لئے لیکن یہی سوچ رہا تھا کہ پہلے آپ کے پاس حاضر ہو لوں پھر کسی سے ملوں آپ دیکھ رہی ہیں میں کس حالت میں ہوں آفس سے آ کے کوٹ اتار ٹائی کھولی اور چار پائی پر اس وقت سے اسی سوچ میں تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے؟ بیگم صدیقی نے کہا معلوم ہو گیا آپ کو ہم لوگوں سے ملنا منظور نہیں۔ اگر آپ کی بجائے میرے بھائی جان ہوتے تو ان سے ایسا ممکن تھا؟ پہلی بار جب ملاقات ہوئی تھی تو آپ نے ہمیشہ کے لئے بہن بنایا تھا آج یہ بیگانگی ہے کہ آپ بیٹھنے کو بھی نہیں کہتے۔ اوہ بڑی غلطی ہوئی معاف کریں آپ کے آنے کی خوشی اور اپنی شرمندگی میں محو ہو گیا۔ کہ یہ خیال ہی نہ آیا چلئے ڈرائنگ روم میں بیٹھیں۔ ڈپٹی کمشنر صاحب کہاں ہیں؟ مجھے دیکھ کر آپ تو کچھ پریشان سے ہو گئے ہیں۔ ڈپٹی کمشنر صاحب کا خیال بہت جلدی آ گیا؟ وہ ایک ہفتہ سے دورے پر ہیں اور میرا گلا خراب تھا کہ میں ہمراہ نہ جا سکی۔ یہ کہہ کر بیگم صدیقی پتھر کے بنچ پر بیٹھ گئیں۔ انجینیر صاحب نے ڈرائنگ روم میں چلنے کے لئے کہا موسم بہت خوشگوار تھا کمرے کی کھڑکیاں کھلی تھیں۔ باغیچے کی طرف سے ہلکی ہلکی معطر ہوا آ رہی تھی۔ میٹھے میٹھے خوبصورت رنگ برنگ کے نرگس پھولوں کی خوشبو سے کمرہ مہک رہا تھا بیگم صدیقی باہر کھڑے کھڑے تھک گئیں تھیں آتے ہی صوفہ پر بیٹھ گئیں اور چھوٹی کرسی پر انجینیر صاحب بھی بیٹھ گئے۔ اور ان سے پوچھا شربت منگوایا جائے یا

"اس وقت کچھ تو پینا چاہیئے" بیگم صدیقی نے جواب دیا" بھائی جان شربت اور چائے سے کیا ہوگا جب آپ ہم لوگوں کو بھول گئے۔ پہلی بار بے خبر آئے دوسروں کے ہاں ٹھہرے اب تک اکر خانہ نشین رہے۔ میرا تو خیال تھا کہ آپ عمر بھر مجھ کو اپنی حقیقی بہن سمجھیں گے۔ ایک بار بھائی جان کے ساتھ جب آپ انگلینڈ روانہ ہو رہے تھے۔ میں رخصت کرنے کے لئے بمبئی جانے کو بالکل تیار تھی لیکن میرے شوہر کی طبیعت خراب ہوگئی اور نہ جا سکی۔ اب خدا نے ایسا موقعہ دیا تھا کہ ہم مثل عزیزوں کے ملتے مگر آپ بہت ہی غیریت سے پیش آئے۔ مجھ کو یہ فکر ہے میرے شوہر کیا خیال کریں گے کہ یہ بیوی کا کیسا بھائی ہے نہ معلوم کیوں وہ آپ سے محبت کرنے لگے ہیں۔ پہلی ہی ملاقات کا ان کے دل پر بہت اثر ہوا تھا آپ کے آنے کی وہ گھڑیاں گن رہے تھے، اور بے تابی سے منتظر تھے آپ کے ٹیلی گرام کا انتظار تھا کہتے تھے" دونوں چلیں گے ان کو اسٹیشن سے لائیں گے۔ کہیں کوئی اور دوست نہ لے جائے "۔ اُن کی اس کیفیت پر میں بھی حیران تھی۔ آپ کی کشش نے علاوہ میرے بھائی کے ان کو بھی اس قدر جلد پروانہ بنا لیا کہ سمجھ میں نہیں آتا" بیگم صدیقی کی یہ تقریر سنکر انجنیر صاحب پر عجیب اثر ہوا خاموش ہو کر سرنگوں ہو گئے پھر اپنی کرسی سے اُٹھ کر قالین پر بیٹھ گئے بیگم کے سامنے اور نہایت انکساری سے کہنے لگے" بہن ہیں اس سے بھی بدتر ہوں جیسا آپ خیال کر رہی ہیں۔ بے شک میں نے بُرا قابل ملامت رویہ اختیار کیا۔ اور عمداً کیا۔ غلطی سے نہیں۔ اب یہ نہ پوچھنا کہ کیوں؟ واللہ میں نہ بتا سکوں گا۔ اچھا اب اپنی رائے اور ارادے کو تبدیل کرتا ہوں آج کے بعد سے ایک خادم اور تابعدار بھائی کی طرح ملونگا خوش ہو جاؤ میری اچھی بہن "۔ انجنیر صاحب کے ان فقروں کو سنکر بیگم صدیقی بھی صوفے سے اُٹھ کر نیچے بیٹھ گئیں اور کہنے لگیں" بہت بہت شکریہ اس کا مگر بھائی غیریت کے طریقے آپ نے جان کر اختیار کئے تھے اور اب حکم ہے کہ وجہ نہ پوچھو نہیں بھئی بتائیے "۔" بہن آپ سمجھدار ہیں بچوں کی سی ضد نہ کریں آپ نیچے کیوں آ بیٹھیں مجھ کو تو معافی مانگنی تھی "۔" جب بڑا بھائی نیچے بیٹھا تھا تو میں کیسے اوپر بیٹھ سکتی تھی آپ بھی اُٹھئے صوفہ پر بیٹھ کر بتائیے خواہ آپ کو کسی قدر تکلیف کیوں نہ ہو۔ آپ جس طرح میرے بھائی جان سے اپنی کوئی بات پوشیدہ نہیں رکھتے مجھ سے بھی نہ چھپائیں۔ آپ نے پانچ سال برابر انگلینڈ کے زمانہ قیام کے حالات ذرہ ذرہ بھائی جان کو لکھے ہیں اور بہن سے ذرا ذرا سی بات چھپاتے ہیں "۔" بے شک میں آپ دونوں بہن بھائیوں سے چھپانا نہیں چاہتا غالباً میرے خط وہ آپ کو دکھا دیتے ہوں گے جن سے میرے وہاں کے حالات بھی آپ کو معلوم ہو گئے ہوں گے لیکن عزیز بہن وہ بات ہی ایسی ہے جس کو زبان پر لانا ہی نہیں چاہتا۔ جانے دو ہاں غصّے اور رنج کی وجہ سے آپ کا منہ خشک ہو رہا ہے۔ کچھ پھل کھا لیں "۔ خود ہی اُٹھ کر چلے گئے اور دوسرے کمرے سے ایک چاندی کی خوبصورت پلیٹ میں ناگپور کے بڑے بڑے اور شیریں سنترے رکھ کر لائے اور خود ہی چھیل کر ان کو دئے" بھائی جان آپ کے گھر کا اور آپ کے ہاتھ کا پانی تک حرام ہے جب تک وہ بات نہ بتائیں گے "۔ بچارے انجنیر مجبور ہو گئے اور کہا" میرا خیال تھا کہ آپ اب بڑی ہو کر بہت سمجھدار پختہ کار ہو گئی ہیں۔ مگر نہیں آپ تو ابھی بچہ ہیں جس بات کو آپ نے بڑا اہم معاملہ سمجھا ہے وہ اتنی نہیں ہے۔ لیکن سوائے میرے یا میرے خدا کے کسی تیسرے پر ظاہر نہیں ہوئی اس لئے میں چاہتا تھا کہ میرے ہی سینے میں ہمیشہ دفن رہے مگر آپ اصرار کر رہی ہیں لیکن نتیجہ کچھ اچھا نہ ہوگا آپ کی نظروں میں میری وہ قدر و منزلت نہ رہے گی جو اب تک ہے اور یقیناً پھر آپ مجھ سے اس خلوص کے ساتھ ملنا پسند نہ کریں گی "۔ انجنیر صاحب کے یہ فقرے سُنکر بیگم کچھ گھبرائیں اور کہنے لگیں" میرے اچھے بھائی جان جلد بتائیے خدا نہ کرے کہ ایسی بات ہو جس کا ہمارے تعلقات پر بُرا اثر پڑے "۔ اُنھوں نے دیکھا کہ بیگم صدیقی پریشان ہیں تو ان کی کیفیت بدلنے کے خیال سے ہنسنے لگے اور کہا" آپ تو

گھبرا گئیں اس قدر پریشان نہ ہوں ایسی بہت بڑی بات نہیں ہے۔ چونکہ میں اپنے دوست جمیل سے اور آپ سے خلوص کا تعلق
رکھتا ہوں اور بیحد عزت کرتا ہوں اس وجہ سے زبان پر لانا مناسب نہ سمجھتا تھا۔ مگر آپ کے بیحد اصرار اور اس قدر گھبراہٹ سے
مجبور ہو کر عرض کرنے کی جرأت کرتا ہوں۔ اچھا سنو اور اس کے بعد میری شکل بھی دیکھنی گوارا نہ کرو یہ میری قسمت۔ آپکو یاد ہو
آج سے سات سال قبل پیارے جمیل کی شادی میں جب میں کلکتہ گیا اور آپ سے ملا آپ نے کس خلوص سے بالکل بہن
کی طرح اپنے گلے کی زنجیر اتار سہرا بنایا اور اس کے بعد دو تین ملاقاتیں اور ہوئیں۔ میں نہیں بتا سکتا میرے دل پر کیا اثر ہوا
تھا۔ بخدا آپ یقین کریں مجھ کو یہ علم نہ تھا کہ آپ کی شادی ہو چکی ہے۔ میں بار بار آپ سے ملنا چاہتا تھا اور دو دن انہیں
خیالات کی الجھن میں بسر کئے۔ آپ مجھ سے بہت بے تکلفی اور خلوص سے پیش آ رہی تھیں جس سے مجھے بہت خوشی ہوتی
تھی اور حیرت بھی کہ ایک لڑکی اس طرح کیسے مل رہی ہے؟ میری حیرانی کی وقتِ رخصت انتہا نہ رہی جب آپ دونوں کی
تصویر دیکھ کر جمیل نے یہ بتایا کہ تمہاری حال ہی میں شادی ہوئی ہے اس وقت جو کچھ میرے دل پر گذری میں ہی جانتا
ہوں۔ اپنی سخت غلطی پر پشیمانی و افسوس سے یہ حالت تھی کہ مجھ سے کھڑا نہ ہوا جاتا تھا۔ خدا جانے کس طرح ہمت کر کے میں نے
آپ کی وہ زنجیر واپس دی اس کے بعد کلکتہ سے چلا آیا اور یہ ارادہ کر لیا کہ اب کبھی آپ سے نہ ملوں گا۔ دیکھئے میں نے کس قدر
سنگدلی سے کام لیا ہندوستان میں دو سال تک آپ کے کئی خط آئے۔ اور میں نے جواب تک نہ دیا۔ میں اپنے اسی عہد
پر ابتک قائم تھا۔ جمیل نے لکھ دیا تھا کہ تم یہاں ہو اور مجھ کو تمہارے گھر ٹھہرنا چاہئے لیکن میں نے ایسا نہیں کیا محض اسلئے
کہ میں اپنے دل کو اس کلکتہ والے خیالی جرم کی سزا دینا چاہتا تھا کیونکہ میں اب اپنے کو اس قابل نہیں سمجھتا تھا کہ آپ سے
مل سکوں چونکہ مسٹر رفیق مجھ کو نہیں جانتے تھے اس وجہ سے مجھے امید تھی کہ شاید میں بیگانہ وار جمیل کے گھر میں قیام کر سکوں بہن
جمیلہ اب تمہیں اختیار ہے میرے حق میں جو فیصلہ کر دیں میں اس قابل ہوں کہ آج کے بعد میری شکل نہ دیکھیں۔ یہ کہہ کر انجنیئر صاحب
نے سر جھکا لیا۔ ان کی اس بات کے ختم ہوتے ہی جمیلہ نے یہ کہا میرے بھائی یہ تو کوئی بات نہ تھی جس کو آپ نے اس قدر اہمیت دے
رکھی تھی۔ آپ اپنے کو کیوں برا خیال کرتے ہیں۔ ایسے نیک خیال آجکل کے نوجوانوں میں ہونے ناممکن ہیں۔ مجھے اپنے بھائی
جمیل کی قسم جو مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہیں کہ آپ کے یہ خیالات معلوم کر کے میرے دل میں آپ کی عزت پہلے سے بھی
زیادہ ہو گئی ہے۔ آپ کو میرے حالات سے واقفیت نہ تھی تو وہ غلط فہمی بیجا نہیں خیال کی جا سکتی اور دیکھئے میرے
اپ کے خلوص دل کے تعلقات کا یہ قدرتی اثر ہے کہ میرے شوہر کو بھی آپ سے دلی محبت ہو گئی ہے۔ چلئے کلکتے کے ان
دنوں کو ہمیشہ کے لئے بھول جائیے اور اب ہم دونوں سے سچے تعلقات قائم کیجئے۔ کہئے انگلینڈ سے تو خالی ہاتھ آ گئے وطن
پہنچکر باجی جان حامد میگم نے ضرور کہیں رشتہ کر دیا ہو گا۔ اب جلدی سے شادی کر کے جلدی جان کو لے آئیے تاکہ آپ کی زندگی
بھی پر بہار ہو جائے اور ہمیں بھی ایک بہن مل جائے اور دوست نے کہا "جمیلہ آپ بہت نیک خاتون ہیں جو اب تک میرے
متعلق آپ کی رائے اچھی ہے۔ میں اپنی شادی کے متعلق پھر کسی دن گفتگو کروں گا۔ لیکن یہ تو بہت جلدی ہے۔ لیکن
میں ہی تیار نہیں۔ کھانے کا وقت ہو گیا اعتراض نہ ہو تو کھانا اس وقت یہیں کھا لوں"۔ میں خوشی سے تیار ہوں کھانا منگوائیے
اُس شب بھابی جان کے ریلیے والے دن رات کو آپ نے اوّل اور آخری کھانا ہمارے ساتھ کھایا تھا۔ آج سات سال بعد
پھر وہ دن نصیب ہو رہا ہے۔ "دیکھو بہن جمیلہ تم نے ابھی کہا تھا کہ کلکتہ کے تین دن کو بھلا دو اور خود ہی وہ یاد دلا رہی ہو
بس اب وہ ذکر ہمارے درمیان کبھی نہ ہونا چاہئیے۔ میں نے سات سالہ مدت میں بیحد کوشش کی کہ وہ وقت زندگانی کا

وہ اہم ترین وقت ہمیشہ کے لئے بھول جاؤں مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ اس وقت آپ سے مل کر میں پھر وہ وقت یاد کر کے نادم ہوں
کہنا نہ چاہتا تھا مگر آپ نے نہ مانا۔ بیرے نے اطلاع دی کہ کھانا میز پر ہے اور دونوں چلے گئے۔

دوسرے دن صبح کو انجنیر صاحب آفس گئے اور شام کو واپس آکر کپڑے تبدیل کئے چار بجے اور ڈپٹی کمشنر مسٹر رفیق صاحب
کی کوٹھی پہونچے آج شب کا کھانا اپنے ساتھ کھانے کے لئے بیگم رفیق نے ان کو بلایا تھا۔ بہار شام تھی سورج غروب
ہو رہا تھا بیگم صاحبہ اسوقت اپنے باغیچہ میں مہمان کی منتظر ہیں وہ آگئے وہیں لان پر قالین بچھا کرسیاں رکھی گئی تھیں۔
دونوں بیٹھ گئے مختلف ذکر ہوتے رہے۔ مسٹر رفیق کی غیر موجودگی کا دونوں کو افسوس تھا۔ صاحب خانہ نے بتایا کہ کھانے
پر انہوں نے اپنی ایک اور دوست کو بھی بلایا ہے۔ جن سے پہلے تم صاحب نہ ملے تھے۔ انہوں نے کہا ان کی کیا ضرورت تھی
میں نے کبھی دیکھا نہیں اور وہ مس صاحبہ ہیں تکلف رہے گا۔ بیگم نے کہا کہ کوئی تکلف نہیں وہ میری عزیز سہیلی ہیں۔
ان کی شادی کا بہت تذکرہ رہا بیگم رفیق زور دے رہی تھیں کہ جلدی شادی کرلیں وہ مانتے نظر نہ آتے تھے۔ "میں اسی موسم
بہار میں اپنے بھائی کا گھر آباد کرنا چاہتی ہوں اگر باجی جان بیگم نے کوئی لڑکی انتخاب نہیں کی تو میں یہ کام کرنے کو تیار ہوں" بیگم
رفیق نے کہا "آخر آپ کو اس قدر جلدی اور شوق کیوں ہے؟ مجکو تو ذرا شوق نہیں نہ جانے کیوں میں خود بھی اس مسئلہ
پر غور کیا کرتا ہوں مگر" طبیعت ادہر نہیں آتی" باجی جان نے میرے آتے ہی کھانے پر سینما میں کئی کئی لڑکیاں دکھائیں لائق
خوبصورت اعلیٰ تعلیم یافتہ مگر میں رضامند نہیں آپ کو تعجب ہوگا انگلینڈ میں رہ کر بالکل اس کوچہ سے الگ رہا" "یہ تو بہت
ہی اچھا ہوا یورپین کرسچین لیڈی تمہارے لئے مناسب نہ ہوتی یہاں ناپسند کی جاتی اور بعد چندے آپ کو بھی مشکلات کا
سامنا ہوتا۔ مگر ہاں یہاں اب کر لینی واجبی ہے۔" بیگم رفیق نے کہا تو انہوں نے جواب دیا "کیا کروں بہن آپ ہی کوئی تدبیر
کریں۔ مجکو انگلینڈ میں فرانس میں مسلمان قابل لڑکیاں بھی ملیں جو ہندوستان ٹرکی اور مصر وغیرہ سے تعلیم کے لئے آئی
ہوئی تھیں ان کی طرف سے بہت سی کوششیں بھی ہوئیں میں تو حال جمیل کو لکھتا رہا ہوں۔ مگر کسی کا جادو مجھ پر نہ چل سکا
غالباً آپ کو یقین نہ آئے گا کیونکہ آخر میں بھی انسان ہوں فرشتہ تو نہیں۔ ایک ہندوستانی مسلمان لڑکی میرے ساتھ
ہی یہاں واپس آئی حیدرآباد کی تھی اور ڈاکٹری پڑھ کر واپس آرہی تھی۔ بڑے گھرانے کی تھی۔ اس کے اچھے برتاؤ پر
مجکو بھی اچھی طرح ماننا پڑتا تھا۔ جہاز تک خوب روکتی رہی بمبئی پہنچکر اس نے صاف صاف کہہ دیا کہ "آپ اپنے والدین
سے خواستگاری کا خط بھجوا دیجے۔" القصہ میں نے یہ کہہ کر پیچھا چھڑایا کہ "میرا عقد ہو چکا ہے خاندان ہی میں۔ تب وہ بہت
بگڑیں کہ "پہلے سے یہ کیوں نہ بتلایا۔ میں نے کس قدر سنگدلی کا جواب دیا ہے کہ "مجکو کیا علم تھا کہ آپ مجھ سے اسی ارادے
سے مل رہی ہیں" میں کتنا برا آدمی ہوں"۔ یہ سنکر رفیق بیگم بولیں "شکل کیسی تھی کیا خوبصورت نہ تھیں"۔ "نہیں بہت خوبصورت
تصویر آپ کو دکھاؤنگا۔ ایرانی ماں کی بیٹی تھی سرخ سفید رنگ دلکش چہرہ مگر یہاں تو اخر ہی نہیں"۔ یہی ذکر تھا کار آکر رکی
اور بیگم صاحبہ کی دوست مس احمد اتریں بیگم صاحبہ جا کر لائیں انجنیر صاحب سے ملاقات کرائی۔ یہ لڑکی بھی بیحد حسین ۲۰ سال
کی تھی۔ ابھی زیر تعلیم تھی آجکل ایسٹر کی چھٹیوں میں گھر آئی ہوئی تھی۔ اس کے والد احمد کریم صاحب جبل پور میں سپرنٹنڈنٹ
پولیس تھے۔ دبلی پتلی لانبی اس وقت چوڑے سنہرے بارڈر کی فیروزی پھولدار جارجٹ کی ساڑہی پہنے ہوئی تھی۔ اور
فیروزہ کا زیور۔ ایک غیر نوجوان کو دیکھ کر شرما گئی اور ایک طرف کو بیٹھ گئی۔ بیگم رفیق دونوں کی آپس میں باتیں کرانے کی

کوشش کر رہی تھیں - اس وجہ سے ضرورتاً بس ایک دوسرے کو دیکھنا پڑتا تھا - مگر مس احمد شرما جاتی تھی - گھنٹی کی آواز پر تینوں ڈرائنگ روم میں گئے - درمیان میں مس احمد کو بٹھایا گیا اور اِدھر اُدھر خود دونوں بیٹھے - قمر صاحب سمجھ رہے تھے کہ جمیلہ مجھ پر اثر ڈالنے کی کوشش کر رہی ہیں - ایک گھنٹہ میز پر لگا پھر مس احمد سے انہوں نے ستار بجوایا واقعی اسوقت قمر صاحب پر ستار کا خاص اثر ہوا لڑکی کو اس میں کمال حاصل تھا اس کے بھی قائل ہو گئے -

کلاک نے گیارہ بجائے تو گھنٹے کی آواز سُنتے ہی مس احمد کھڑی ہو گئیں اور بیگم رفیق سے کہا "بہت رات آ گئی اب مجھے بھجوا دیجیے اماں جان ناراض ہوں گی" - "ابھی تو میرے ہاں آنے سے بیگم احمد صاحب ناراض نہیں ہوتیں - ہم خود چل کر تمہیں پہنچا آئیں گے چلئے بھائی جان آپ دونوں کو ٹھکانے لگا کر دوں" - کھڑے ہو کر مسٹر قمر نے کہا "اس وقت آپ کو تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں آپ کا ڈرائیور مس صاحب کو پہنچا دے گا میری گاڑی موجود ہے" - انجینیر صاحب "مس صاحبہ رات کے وقت تنہا نہیں جا سکتیں ہاں آپ ان کو پہنچا آئیں تو مہربانی ہوگی" - بیگم صدیقی سے یہ سُنکر مس احمد بولیں "نہیں انجینیر صاحب کو بھی تکلیف کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور آپ بھی آرام کریں آیا میرے ساتھ ہے" - "ایسا تو نہ ہوگا کہ آدھی رات کے وقت آپ کو نوکروں کے ساتھ کر دوں - چلئے بھائی صاحب آپ ہی کی کار میں ہم تینوں چلتے ہیں پہلے ان کو اُتار دیا جائے گا پھر آپ کو پہنچا کر میں واپس آ جاؤں گی" - انجینیر صاحب نے کہا "آپ کو تنہا واپس کیسے آنے دیا جائے گا؟ میں پھر پہنچانے آؤں گا - رات اسی میں ختم ہو جائے گی بہتر تو یہ ہے کہ آپ مس صاحبہ کو پہنچا دیں اور میں رخصت ہوتا ہوں خدا حافظ" -
مگر بیگم رفیق نے نہ مانا اور تینوں مسٹر قمر کی کار پر سوار ہو کے پہلے مس احمد کو اُتارا پھر انسپکشن ہاؤس پہنچے - لیکن مسٹر قمر کسی طرح نہ اُترے وہ نہیں چاہتے تھے کہ بہن تنہا گھر جائے پھر ڈپٹی کمشنر صاحب کے بنگلہ پر ان کو پہنچانے آئے - گھر پہنچ کر انہوں نے ڈاک بنگلہ سے اُٹھ آنے پر پھر اصرار کیا تو مسٹر قمر نے جواب دیا "اب تو میرے یہاں آنے کی ضرورت نہیں ہے کوٹھی مل گئی ہے وہیں جانا چاہیئے - میرا ارادہ ہے کہ کل ڈاک بنگلہ سے اُٹھ جاؤں" - بیگم رفیق نے کہا "آپ کو یہاں آنا تو منظور نہیں اچھا آپ کی خوشی میں چاہتی ہوں کہ آپ کی کوٹھی درست کر دوں بنگلہ کا نمبر اور سڑک کا نام بتائیے جس وقت آپ کا سامان وہاں پہنچ جائے میں جا کر ٹھیک ٹھاک کر دوں بلکہ اپنے ساتھ مس احمد کو بھی لیتی جاؤں گی یہ لڑکی مکان کی آراستگی کا خاص سلیقہ رکھتی ہے - آپ ان کے ہاں کال کرنے تو گئے ہوں گے دیکھا ڈرائنگ روم کتنا اچھا ہے میں تو کمروں کی آرائش میں اسکی رائے لیا کرتی ہوں" - انجینیر صاحب یہ سُنکر ہنسنے لگے اور کہا "جمیلہ تم بڑی تو ہو گئی ہو مگر بچپن کی شرارتیں ابھی باقی ہیں - میں خوب سمجھتا ہوں یہ ذرا سی غرض ہے اور اب وہ میرا مکان سجانے جائیں گی - آپ تو بہن ہیں آپ کا فرض ہے - بے بیوی کے بھائی کی مدد کریں اور ان کا کیا تعلق؟" "ان کا؟ اُن کا یہ تعلق کہ شاید میری دعا سے وہ اس کوٹھی کی مالک ہی ہو جائیں کیوں بھائی آپ کی کیا رائے ہے؟"

"میری رائے میں ان کی شکل و صورت علمی قابلیت اور سب سے بڑھ کر شرم و حیا بہت ہی پسند - یہ ہر ادا قابل تعریف ہے" - "بس بس اب کیا تھا کام بن گیا - رفیق صاحب آ جائیں تو ابھی منگنی کی رسم دھوم دھام سے ادا کی جائے گی" - بیگم رفیق سے سُنکر قمر صاحب بہت ہنسے اور کہا "کیا خوب کسی لڑکی کی تعریف کرنے کے یہ معنی ہوا کرتے ہیں جو آپ نے سمجھے جمیلہ بیگم وہ دن ابھی بہت دُور ہے جس کا آپ خواب دیکھ رہی ہیں - اچھا شکریہ پھر کسی دن ملیں گے اب رخصت کیجیئے" - "ارے کسی دن؟ میں تو کل مکان آراستہ کرنے جانا چاہتی ہوں اور آپ کسی دن پر ٹال رہے ہیں - بھائی جان

آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ مجھ سے ملنا کیوں پسند نہیں کرتے"۔ "جمیلہ ایسا خیال بھی نہ کرو کہ میں اور تم سے ملنا نہ چاہوں۔ میرا خیال ہے کہ شاید میں کل مکان میں نہ جا سکوں۔ کیونکہ اُس کے کمروں کے اندر جو رنگ تھا وہ پسند نہیں آیا اُس کا پالش بدلوایا جا رہا ہے۔ اچھا خدا حافظ"۔ وہ باہر آئے بیگم رفیق اندر آئیں آج شام کی مصروفیت میں دن کی آخری ڈاک نہ دیکھی تھی خطوط کھولے جمیل صاحب کا خط سب سے پہلے پڑھا۔

کلکتہ

میری پیاری جمیلہ بہت بہت دعائیں

تمہارا خط ملا بہت اچھا ہوا کہ میرا جان سے پیارا قمر تمہارے پاس پہنچ گیا ہے افسوس ہے کہ اُس نے غیرت سے کام لیا۔ اور بجائے تمہارے ہاں ٹھہرنے کے کہیں اور ٹھہرا معلوم ہوتا ہے رفیق صاحب سے ناواقفیت کی وجہ سے اُس نے ایسا کیا اب کے جو واپس آئیں تو تم اپنے گھر ٹھہراؤ۔ جمیلہ یہ بہت ہی اچھا شخص ہے۔ اگر پانچ سال یورپ میں رہنے کا کچھ اثر نہ ہوا ہو تو تم جلدی اس کی شادی کرا دو۔ اپنے دھندوں سے ذرا فراغت حاصل کر لوں تو جلدی پہنچوں تم دونوں وہاں جمع ہو گئے ہو میرا دل اب یہاں بالکل نہیں لگتا۔ تمہاری بھابی سلام کہتی ہیں۔

دعا گو

تمہارا بھائی جمیل

(باقی آئندہ) نذر سجاد حیدر

تعلیم و تربیت

فطرت میں ہے ہر فرد مصفا و مجلّی
ماحول کے اثرات کا چڑھتا ہے مگر رنگ

تعلیم کی تعمیر ہے آہستہ و خاموش
سب اس کی بڑائی پہ ہم آواز و ہم آہنگ

تربیت ماحول پہ پڑتی نہیں نظریں
بگڑی یہ تو بس جانئے ہر چال ہو بد رنگ

تربیت بد اصل میں ہے وجہ خرابی
ہے عورت و تعلیم کے مابین عبث جنگ

عورت پہ رہ علم ہے قسمت کی سکندر
آئینہ کجا اور کجا آہن صد رنگ

وہ علم جو ہے کاشف اسرار دل و روح
ہر گام پہ جو ضامن صد دانش و فرہنگ

یہ علم نہیں ساحر المبط کا جادو
شکر میں سرایت ہے کئے بھنگ کا نیرنگ

دنیا ہے ابھی علم کی غایت نہیں سمجھی
عالم مری نظروں میں ہے اک جاہل خوش رنگ

تقریر مرصع سہی لیکن ہے وہ بے کیف
یکسر ہے تہی روح کے نغموں سے ترا چنگ

تعلیم جہاں اور ہے تعلیم خدا اور
درویش کی ٹھوکر میں نہاں شاہ کا اورنگ

عورت ہو کہ ہو مرد ہیں بھٹکے ہوئے دونوں
ہیں دور مقاصد سے ابھی سیکڑوں فرسنگ

ساجدہ بنت دانش شاہجہانپوری

کچھ قوت دیتا ہے پیچش کا مانع ہے۔

(۲) **ترئی** - جسم میں بلغم اور رطوبت پیدا کرتی ہے۔ کانور کی دافع۔ استسقاء تلی وجذام وبواسیر اور پیشاب میں خون آنے کے لئے فائدہ مند ہے۔

(۳) **باقلا** - باقلا کو لوگ بہت خراب سمجھتے ہیں۔ لیکن اگر دیکھا جائے تو نقصان سے فائدہ زیادہ ہے نفاخ اور دیرہضم ضرور ہے۔ مگر پیشاب کا دافع بلغمی مادے کا مخرج سینے اور پھیپھڑے کو پاک کرتا ہے سینہ کو قوت دیتا اور کھانسی کو سکون دیتا ہے۔ دستوں اور رتے کے لئے مفید ہے اس کے دانوں کا آٹا روغن بادام و شکر کے ساتھ کھانسی کو مفید جو کے آٹے کے ساتھ ملا کر لیپ ورم کا محلل اور منقی کے ساتھ دنبل کا دافع اس کا چھلکا آگ سے جلنے کو نافع ہے اور اس کا چھلکا خضاب میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

(۴) **بیگن** - معدے کو قوت دیتا ہے سدوں کا نکالنے والا گرم ورم کو تحلیل کرنے والا اور روغن کے ساتھ ملین طبع ہے سرکے کے ساتھ قابض زیادتی پیشاب کو روکنے والا ہے اس کی راکھ جلا کر مسوں میں لگانے سے مسے کٹ جاتے ہیں۔ بونڈی خشک پیس کر لگائیں پھر روغن چنبیلی لگائیں تو بواسیر کا دافع ہے۔ بھنے ہوئے بیگن کا پانی نچوڑ کر گڑ ملا کر جس کے چوٹ آئی ہو دیا جائے تو مثل مومیائی کے اثر رکھتا ہے۔ اس کے ٹکڑے کو توے پر گرم کر کے سینکا جائے تو سرد درد رفع ہوتا اور ہلدی چھڑک کر باندھ لیا جائے تو چوٹ کے ورم اور درد کو رفع کرتا ہے۔

(۵) **پالک** - ملین طبع زود ہضم معدے کو صاف کرنے کے لئے اس سے بہتر کوئی چیز نہیں۔ سب ترکاریوں سے ہلکی اور خون صالح پیدا کرتا ہے۔ اختلاج قلب میں اس کا پینا مفید ہے۔ تپش اور پیاس کے لئے مفید ہے کانور ہو یا پیشاب بند ہو جائے تو اس کے پانی میں شکر ملا کر پلانا بہت مفید ہے۔ اس کے پانی سے غرارہ کرنا گلے کے درد کو اور غدود کو مفید گوشت میں ڈال کر پکائی جائے تو غذائے لطیف ہے۔ امراض معدے میں بہت فائدہ مند ہے۔

(۶) **چقندر** - قلیل الغذا ہے بلغم کو دور کرتا ہے لفاخ وحابس ہے پانی اس کا ملین طبع ہے اس کا کھانا غش دور کرتا ہے۔ سرکے اور رائی کے ساتھ تلی کے سدوں کا دافع اور ورم کا محلل اور درد گردہ کو مفید درد مفاصل ونقرس کو نافع اور کلنگس کے پتوں کے ساتھ پیس کر لگانا درد سر درد شقیقہ کا دافع روغن بادام شہد اور چقندر کا پانی ملا کر کان درد میں ڈالنے سے فائدہ ہوتا ہے۔ اس کے پانی میں ہاتھ پیر ڈالنے سے جلد پھٹنے کو مفید۔ رائی کے ساتھ کھانا درد قولنج کو مفید۔ چقندر کے پتے پیس کر سر دھونے سے بال بڑھتے ہیں۔ اور بال خورہ بھی جاتا رہتا ہے۔ گنج میں بھی فائدہ کرتا ہے۔

(۷) **چچینڈا** - اس کو لوگ کم کھاتے ہیں۔ گرم مزاجوں کو مفید ہے بھوک بڑھاتا ہے اور لاغری دور کرتا ہے۔ پیاس کو سکون دیتا اور ہاضم بھی ہے۔

(۸) **بھنڈی** - قلیل الغذا ہے اس سے جو خون پیدا ہوتا ہے وہ بہت ردی اور غلیظ ہے پیچش اور صفرے میں مفید آنتوں کی سوزش دفع کرتی ہے مگر معدے کو غلیظ کرتی ہے اور سدہ پیدا کرتی ہے دیرہضم ہے۔

(۹) **چولائی** - سریع الہضم ہے صفرے کی دافع ہے قلیل الغذا ہے گرم کھانسی کو مفید ہے اور پیاس کو تسکین دیتی ہے۔ بلغمی مادے کی مخرج ہے۔

(۱۰) **خرفہ یا قلفہ** - اس کا ساگ صفرے و حرارت و معدے کی حدت دفع کرتا ہے۔ پیاس اور درد سر کو مفید ہے

حیدرآباد کی عورتیں

(۳)

گذشتہ مضمون میں اعلیٰ، اوسط اور ادنیٰ طبقہ کی عورتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس مضمون میں ہم چند اور اقسام کی عورتوں کا ذکر کرتے ہیں۔

ممکن ہے بعض تعلیم یافتہ اصحاب اور خواتین کو ان کا تذکرہ ناگوار گذرے لیکن یہ بھی عورتوں کے زمرہ میں شامل ہیں خواہ ان کا پیشہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے مضمون کے عنوان کے لحاظ سے ان کی صراحت ناگزیر ہے۔

فقیرنیاں یا بھکارنیاں

حیدرآباد میں بھی دوسرے شہروں کی طرح فقیروں کی کمی نہیں ہے، اسی طرح فقیرنیاں بھی کثرت سے ہیں۔ افسوس ہے کہ فقیرنیوں میں مسلمان فقیرنیوں کی تعداد زیادہ ہے، پھر ہریجن وہیرچار فقیرنیوں کی بھی کمی نہیں ہے۔

مسلمان فقیرنیوں میں جوان، ادھیڑ اور ضعیف سب ہی شامل ہیں یہ اکثر دو دو تین تین کی ٹکڑی میں مکانوں پر آتی اور سوال کرتی ہیں۔ ان کے ساتھ کبھی کبھی دو دو تین تین یا چار بچے بھی ہوتے ہیں۔

کوئی محلہ، کوئی بازار کوئی سڑک ان سے خالی نہیں ہوتی۔ ان کی آمدنی خاصی ہو جاتی ہے۔ بلکہ ملازمت کی تنخواہ سے زیادہ کماتی ہیں اس سے بھیک کو ملازمت سے زیادہ مفید سمجھ کر اپنا ذریعہ معیشت بنا لیا ہے۔

ہریجن فقیرنیوں کی تعداد بھی اچھی خاصی ہے۔ یہ بھی جوان اور بڑھیا ہوتی ہیں۔ ہنوز حیدرآباد میں فاقہ گدا گری نافذ نہیں ہے۔ اس لئے ان کی تعداد بکثرت ہے، جب یہ مکانوں پر سوال کرنے آتی ہیں جب تک کچھ ملتا نہیں جانے کا نام نہیں لیتیں۔

مراثنیاں

حیدرآباد میں ایک طبقہ مراثنوں کا ہے، یہ وہ عورتیں ہیں جو مستورات کی محفلوں میں گاتی ہیں، ان کے ساتھ مرد سازندے نہیں ہوتے وہ خود طبلہ اور ہارمونیم بجاتی اور گاتی ہیں۔ ان کے مرد اکثر قوالی کا پیشہ کرتے ہیں۔

حیدرآباد میں خوشی کی تقاریب کے موقعوں پر زنانہ حصے میں مراثنوں کا گانا ضرور ہوتا ہے۔ ان میں سے بعض پردہ بھی کرتی ہیں اور مردوں کے سامنے نہیں آتیں البتہ بعض ایسی ہوتی ہیں جو تقریب یا رسم کے گھر والے مردوں سے پردہ نہیں کرتیں۔

ان عورتوں میں بعض بہت اچھا گاتی ہیں، کیونکہ وہ باقاعدہ گانے کی تعلیم پاتی ہیں، ان کے مکانوں پر لوگ گانا سننے جمع نہیں ہوتے، چونکہ یہ خود ساز بھی بجاتی ہیں اس لئے ہمیشہ چار پانچ کی جماعت ہوتی ہے جن کو "طائفہ" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس طائفہ میں ایک اچھا گانے والی ہوتی ہے۔ باقی صرف آواز ملانے یا ساز بجانے کا کام کرتی ہیں۔ ان کے گانے کی اجرت پانچ روپے روزانہ سے لے کر پچیس تیس روپے تک ہوتی ہے۔ تمام دن میں مختلف اوقات یا اوقات رسوم میں یہ گانا گاتی ہیں۔ اور سنگار مشرقی طرز کا پسند کرتی ہیں۔

ان کے بعد نفسِ مضمون کے لحاظ سے "طوائفوں" کا تذکرہ بھی کیا جا سکتا تھا۔ اگرچہ وہ بھی عورت ہونے کے

حیثیت سے ہمارے عنوان کے تحت آسکتی ہیں۔ لیکن ان کا تذکرہ اس موقع پر بالکل اس کے مماثل ہوگا کہ ہیروں کے
ساتھ کوئلے کا ذکر کیا جائے، اس لئے یہاں ان کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔
البتہ اس قدر صراحت کی جاسکتی ہے کہ حیدرآباد میں اس وقت ملکی طبقوں کی بہ نسبت زیادہ تر غیر ملکی آباد ہیں۔
جو ملکی ہیں وہ زیادہ تر ہندو مذہب کی ہیں، لیکن معاشرت اور تہذیب کے لحاظ سے وہ اردو اور فارسی سے واقف
اور اس زبان میں عام طور پر گاتی ہیں۔ ان کے گانوں سے یہ ہرگز نہیں پایا جاتا کہ اردو اور فارسی ان کی مادری زبان نہیں۔
بس صورت میں صرف ایک کی مرحمت رہ جاتی ہے۔ ان کو متروک کرنا بھی مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

خاکرونیاں

حیدرآباد میں قدیم زمانہ میں جو خاکروب تھے ان میں سے اب شاذ ہی نظر آتے ہیں، جو کچھ خاکروب ہیں
وہ گذشتہ تیس چالیس سال میں باہر سے آئے ہوئے ہیں۔ آج سے تقریباً چالیس پچاس سال پہلے
محکمہ بلدیہ قائم ہوا اور خاکروبوں پر ٹیکس قائم ہوا تو انہوں نے اپنے کام سے کنارہ کشی کی اور بالفاظ دیگر ہڑتال کر دی۔ اسسٹنٹ
مولوی مشتاق حسین مرحوم شمالی ہندوستان سے بیسیوں خاکروب بلوا لائے۔ اسی زمانہ سے یہاں کے قدیم خاکروب دوسرے
کاموں میں مصروف ہو گئے اور ان کی جگہ ان جدید خاکروبوں نے لے لی۔ آج ان ہی کی اولاد یہاں اس پیشہ کو انجام دیتی ہے۔
ان کا لباس، گفتگو، طرز معاشرت وغیرہ سب کچھ بالکل شمالی خاکروبوں کا سا ہے۔ مردوں کے ساتھ ان کی عورتیں بھی اس
پیشے کو انجام دیتی ہیں۔ ان میں سے بعض اپنی قدیم لباس لہنگا اور قمیص کے ساتھ ساڑی بھی پہننے لگی ہیں۔

اب ہم حیدرآباد کی عورتوں کے متعلق بعض دیگر امور کا اظہار کرتے ہیں:-

تعلیم

حیدرآبادی عورتوں میں تعلیم کا شوق اور حصول علم کا ذوق دن بدن زیادہ ہوتا جا رہا ہے۔ ان کے شوق کا
پتہ اس امر سے چل سکتا ہے کہ آج سے بیس سال پہلے زنانہ ہائی اسکول کے تینوں شعبوں (تحتانیہ، وسطانیہ
اور فوقانیہ) میں طالبات کی تعداد ایک سو کے اندر تھی اور دوسرے زنانے مدرسے ایک دو سے زیادہ نہیں تھے۔ آج صرف
زنانہ کالج میں طالبات کی تعداد ایک سو چالیس کے قریب ہے۔ اس کے علاوہ نظام کالج (جہاں مخلوط تعلیم ہوتی ہے)
اور میڈیکل کالج میں تعلیم پانے والیوں کی تعداد اس کے علاوہ ہے۔ ان کالجوں کے سوا اب کئی ہائی اسکول اور
کئی مڈل اسکول قائم ہیں۔ ابتدائی مدرسے اضلاع کے علاوہ صرف بلدہ حیدرآباد میں بھی سو سے زیادہ ہیں۔
اس سے واضح ہو سکتا ہے کہ حیدرآبادی عورتوں میں تعلیم کا ذوق اور دلچسپی پیدا ہو گئی ہے۔
کالج میں تعلیم پانے والیاں نہ صرف بی اے تک تعلیم حاصل کرتی ہیں، بلکہ ان کا شوق اس سے بھی آگے تک بڑھا
ہوا ہے۔ چنانچہ ایم اے اور ایم ایس سی کی بھی تعلیم ہوتی ہے۔ ایم اے کے بعض شعبوں میں جو لڑکیاں ختم کرتی
ہیں ان کی تعداد ان لڑکوں سے زیادہ ہے جو عثمانیہ کالج کے اس شعبہ میں تعلیم پاتے ہیں۔
جامعہ عثمانیہ کے تحت "ڈاکٹری" (ایل ایم ایس) کا شعبہ قائم ہوا ہے۔ اس میں بھی خواتین نے شرکت شروع کر دی ہے۔
جامعہ عثمانیہ اور مدراس یونیورسٹی (حیدرآباد کا نظام کالج مدراس یونیورسٹی کے تحت ہے) کے سوا یہاں کی
طالبات کیمبرج اور پنجاب کے امتحانوں میں بھی شرکت کرتی ہیں۔ کیونکہ سرکاری محبوبیہ گرلز ہائی اسکول اور امدادی
مدرسہ سینٹ جیمس گرامر ہائی اسکول میں کیمبرج کی تعلیم دی جاتی ہے، اس کے علاوہ خانگی طور پر تعلیم پاکر ہر سال کئی خواتین

پنجاب یونیورسٹی کے امتحانوں منشی فاضل، اور ادیب فاضل وغیرہ کے امتحانوں میں شرکت کرتی اور کامیابی حاصل کرتی ہیں۔

ان کے علاوہ بمبئی، ناگپور، علی گڑھ، دہلی، لکھنؤ وغیرہ میں بھی حیدرآبادی خواتین تعلیم پاتی ہیں اور ہرسال وہاں کی یونیورسٹیوں سے کامیابی حاصل کرتی ہیں، ان تعلیم پانے والیوں میں مذہب کی تفریق نہیں ہے۔ مسلمان، ہندو، پارسی اور عیسائی خواتین سب ہی علم کی شائق بن رہی ہیں۔

حیدرآبادی خواتین کی علمی پیاس ان کو یورپ بھی لے جارہی ہے۔ انگلستان کی یونیورسٹیوں کے مختلف امتحانوں میں وہ شریک ہورہی ہیں اور اعزاز کے ساتھ کامیابی حاصل کررہی ہیں، بہرحال اس سے واضح ہے کہ حیدرآبادی عورتیں کو تعلیم کا خاصہ شوق ہے۔

لباس

حیدرآبادی عورتوں کا لباس آج سے چالیس پچاس سال پہلے تک مسلمانوں اور ہندوؤں کا جداگانہ تھا۔ مگر اب دونوں کے لباس میں یکسانیت پیدا ہوگئی ہے۔ البتہ مسلمان کنواری لڑکیوں کا لباس جداگانہ ہوتا ہے۔

مسلمان کنواری لڑکی پائجامہ، قمیص اور دوپٹہ کا استعمال کرتی ہے اور یہی لباس حیدرآبادی مسلمان عورتوں کا قدیم لباس تھا۔ ہندو کنواری لڑکیاں ساڑی کا استعمال کرتی ہیں اور البتہ کم عمر لڑکیاں لنگا اور جمپر وغیرہ پہنا کرتی ہیں۔

اس وقت عام لباس کے اجزا حسب ذیل ہیں ساڑی، جمپر یا قمیص، پیٹی کوٹ، اور سینہ بند۔ فرق مراتب کے لحاظ سے ساڑی اور جمپر یا قمیص میں قیمتوں کا تفاوت ہوتا ہے۔

ساڑیوں کے لئے سوتی ریشمی اور ٹسر کے کپڑے استعمال کئے جاتے ہیں۔ اگر پہلے دوپٹوں کو مصالحہ لگایا جاتا تھا تو اب ساڑیوں کو مصالحہ کی زری کور ہوتی ہے۔ کور کے مختلف اقسام اور نمونے ہوتے ہیں۔

اسی طرح قمیص یا جمپر کی حالت ہے، خصوصیت سے بمبئی میں جس وضع اور قطع کے جمپر استعمال ہوتے ہیں۔ وہی حیدرآباد میں بھی استعمال کی جاتی ہے۔

اگرچہ ساڑی کا استعمال مسلمان اور ہندو دونوں طبقہ کے اعلیٰ، اوسط اور ادنیٰ درجہ میں ہوتا ہے مگر بعض امور جداگانہ ہوتے ہیں، مثلاً دونوں کے اعلیٰ طبقہ کی ساڑیوں میں چنداں فرق نہیں ہوتا۔ جس طرح قیمتی اور جس نمونے کی سوتی اور ریشمی ساڑیوں کا استعمال مسلمانوں میں ہوتا ہے وہی ہندوؤں میں ہوتا ہے، لیکن متوسط طبقہ میں ضرور فرق ہے کیونکہ متوسط طبقہ میں مسلمانوں میں عموماً سوتی ململ کی یا ٹسر کی ساڑی باندھی جاتی ہے۔ لیکن اکثر ہندو طبقہ میں پونا اور دکن کی سوتی ساڑیاں جو خاص قسم کی ہوتی ہیں استعمال ہوتی ہے۔

ادنیٰ طبقہ میں بھی اسی قسم کی ساڑیوں کا رواج ہے۔ یہ ساڑیاں عموماً گہرے رنگ کی ہوتی ہیں، ادنیٰ طبقہ میں مسلمانوں کے سوا بعض دیگر اقوام صرف ساڑی اور چولی پر اکتفا کرتی ہیں۔ جمپر نہیں ہوتا اور بعض ادنیٰ طبقے فرقے ایسے ہیں جو صرف ساڑی پر قناعت کرتے ہیں۔

حیدرآباد کے مسلمانوں اور ہندوؤں کے سوا پارسی، اور دیسی عیسائی وغیرہ بھی ساڑی پہنا کرتی ہیں، ساڑی اس قدر مقبول ہے کہ بعض یورپین عورتیں جو مسلمانوں اور ہندوؤں کی بیبیاں ہیں وہ بھی ساڑی باندھتی ہیں۔

حیدرآباد کی ترکی شہزادیاں یعنی ہر ہائنس درشہوار اور شہزادی نیلوفر نے ساڑیوں کے کور کی خاص نہج وضع کی ہے اور بڑی بڑی زریں کوریں کا استعمال ایجاد کیا ہے جو اب عام طور سے مقبول ہوتا جا رہا ہے۔

اعلیٰ طبقہ میں ہمرنگی کا بڑا خیال ہے موزے اور ہاتھ میں چھتری بھی اس رنگ کی ہوتی ہے۔ زیوروں کا استعمال بھی کم ہوتا چلا ہے ایک دو چیزیں استعمال کی جاتی ہیں

کھانا پینا حیدرآباد میں مشرقی اور مغربی دونوں قسم کے پکوان ہوتے ہیں، اور اعلیٰ طبقہ میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ کبھی تو خالص مغربی اور کبھی خالص مشرقی اور کبھی مشترک قسم کے کھانے ہوتے ہیں۔ اس مشترک کھانوں کو حیدرآبادی طرز کہا جا سکتا ہے۔ اعلیٰ طبقہ میں عموماً میز کرسی پر مغربی طرز سے کھانے کا طریقہ ہے۔ لیکن بڑی بڑی ضیافتوں کے موقع پر مشرقی طرز سے دسترخوان ہی پر کھانا چُنا جاتا ہے۔

متوسط طبقہ میں زیادہ تر مشرقی کھانے ہوتے ہیں۔ چاولوں کا زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ گیہوں کی روٹی کئی طرح سے پکائی جاتی ہے۔ بعض جگہ چپاتی کا استعمال ہے تو بعض پراٹھے استعمال کرتے ہیں۔ لیکن حیدرآبادی خوراک زیادہ تر چاول ہے۔

ادنیٰ طبقہ میں چاول کے ساتھ جوار کی روٹی بھی کھائی جاتی ہے مرچ کا زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ کھٹے کا استعمال بھی آب و ہوا کے باعث ضروری ہے۔

ادنیٰ طبقہ میں بعض فرقے نشے کے عادی ہیں سیندھی اور دیسی شراب کے ساتھ بیر بھی استعمال ہونے لگی ہے، متوسط طبقہ کا بڑا حصہ نشے کا عادی نہیں ہے اور اعلیٰ طبقہ کو بھی اسی طرح خیال کرنا چاہیئے۔

تفریح کے مشاغل اب ہم حیدرآبادی خواتین کے تفریح کے مشاغل بیان کرتے ہیں اس کی صراحت میں بھی اعلیٰ متوسط اور ادنیٰ طبقہ کو جُدا جُدا کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ہر ایک طبقہ کی تفریح میں بہت کچھ فرق ہوتا ہے۔

ادنیٰ طبقہ کی تفریح بالکل صفر کے برابر ہے۔ وہ بعض میلوں یا محرم میں تماشے کے لئے ضرور جاتی ہیں۔ اس طرح سینما بینی سے کبھی کبھی تفریح ہو جاتی ہے۔ البتہ ادنیٰ طبقہ کی مسلمان عورتیں کبھی باغوں یا درگاہ وغیرہ پر جا کر اپنا وقت بسر کرتی ہیں۔

ادنیٰ طبقہ کے بعد متوسط اور اعلیٰ طبقہ کا تذکرہ کرنا چاہیئے متوسط طبقہ کو بھی دو اقسام میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک وہ طبقہ جو متوسط ہونے کے باوجود اعلیٰ طبقہ کے قریب ہے اور دوسرا وہ جو متوسط ہونے کے ساتھ ادنیٰ طبقہ کے قریب ہے۔

اس آخر الذکر طبقہ کی عورتوں کی تفریح سینما، یا باغوں وغیرہ تک محدود ہوتی ہے، دوسرے طبقہ اور اعلیٰ طبقہ کی تفریح میں بہت کچھ چیزیں شامل کی جا سکتی ہیں مثلاً سینما تھیٹر اس میں انگریزی، اردو، ہندی سب کچھ شامل ہیں حیدرآباد میں مرہٹی یا تلنگی فلم نہیں آتے اور نہ ان کو کوئی شوق سے دیکھتا ہے چونکہ عام طور سے اُردو کا رواج ہے اس لئے اُردو فلم آتے ہیں۔

ان کی تفریح کا دوسرا جز کلب ہے۔ حیدرآباد میں کئی زنانہ کلب ہیں جن میں خواتین جاتی اور وقت گذارتی ہیں۔ ان کلبوں میں تیرنے کے حوض ٹینس وغیرہ کے کورٹ موجود ہیں "برج" وغیرہ بھی کھیلا جاتا ہے۔

قدرتی مناظر، آثار قدیمہ، تالابوں، باغوں، جنگلوں وغیرہ میں پکنک کے لئے بھی عورتیں جاتی ہیں۔ بہرحال ان کے تفریح کے مشاغل بہت کچھ ہیں، یہ کہا جا سکتا ہے مردوں کے تفریح کے مشاغل اور عورتوں کے تفریحی مشاغل میں چنداں فرق نہیں ہے۔

علمی مشاغل عورتوں کی تفریح کے مشاغل کے بعد علمی مشاغل کی صراحت بھی کرنا چاہیئے۔ علمی مشاغل میں یہاں کی عورتیں ان علمی لکچروں میں شریک ہوتی ہیں جن میں پردہ کا انتظام ہوتا ہے، لیکن ہندو اور پارسی وغیرہ جو پردہ نہیں کرتیں وہ انگریزی اور مرہٹی وغیرہ لکچروں سے استفادہ کرتی ہیں، بعض مسلمان عورتیں جو پردہ نہیں کرتیں وہ بھی ایسے لکچر سنتی ہیں۔

کتب کا مطالعہ، اخبار اور رسائل کا مطالعہ ان کا دوسرا علمی مشغلہ ہے، مطالعہ کے ساتھ مضمون نگاری اور شاعری بھی علمی مشاغل میں شامل کی جا سکتی ہے۔

علمی انجمنوں کی ممبری اور رسائل کی اڈیٹری بھی عورتوں کے علمی مشاغل میں قابل تذکرہ ہیں۔ اسی طرح لکچر بھی علمی مشاغل میں شامل کرنا چاہیئے۔ واعظ کے جلسوں میں اگرچہ یہاں کی عورتیں مذہبی حیثیت سے پس پردہ استفادہ کرتی ہیں لیکن اس کو بھی علمی مشاغل میں بیان کیا جا سکتا ہے۔

سوشل مشاغل تفریح اور علمی مشاغل کے بعد عورتوں کے سوشل مشاغل یا سماجی مشاغل کا تذکرہ ہونا ابھی نہیں ہے۔ سماجی ورخانہ داری کے مشاغل کی صراحت میں بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے، لیکن طوالت کے خیال سے نظر انداز کیا جاتا ہے۔

دست کاری، خانہ داری، پرورش اطفال، تربیت اطفال، گھریلو صنعتوں کے قطع نظر جن میں اکثر عورتیں مصروف رہا کرتی ہیں۔ یہاں ان کے سوشل مشاغل کی مختصر صراحت کی جاتی ہے۔

مرکز بہبودی اطفال (چائلڈ ویلفیر) میں وہ حصہ لیتی ہیں، انجمن تربیت اطفال میں وہ شریک ہوتی ہیں۔ سوشل گدرنگ میں وہ شوق سے شریک ہونے لگی ہیں، مریضوں کی نرسنگ، معذوروں کی خدمت وغیرہ کا شوق ہو چلا ہے۔ اس طرح ان کے سوشل مشاغل بھی دن بدن زیادہ ہوتے جا رہے ہیں۔

سیاسی مشاغل عصر حاضر میں ہندوستان کی عورتیں جس طرح سیاست میں حصہ لینے لگی ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے، اگرچہ حیدرآباد میں خواتین میں مسز سروجنی کا نام ان کی سیاسی دلچسپی اور سیاسی انہماک کے باعث نہ صرف ہندوستان بلکہ یورپ میں بھی مشہور ہے لیکن اس کے باوجود ہندوستان کے دوسرے حصوں کی عورتیں جس طرح زیادہ سے زیادہ سیاسی امور میں حصہ لیا کرتی ہیں، اس طرح حیدرآبادی عورتیں سیاست میں حصہ نہیں لیتی تھیں، مگر اب گذشتہ چند سال سے یہاں کی عورتیں سیاست میں عملی حصہ لینے لگی ہیں۔ مجلس اتحاد المسلمین اور ہندو مہاسبھا وغیرہ انجمنوں میں وہ تقریر وغیرہ کرتی ہیں۔

چونکہ ہندوستان کے قطع نظر یہاں حکومت خود ہماری ہے اس لئے یہاں کی عورتوں کو سیاست میں اس طرح حصہ لینے کی ضرورت نہیں ہے جیسا کہ ہندوستان میں ہوتا ہے۔

حیدرآبادی عورتوں کا مستقبل - ہم اپنے طول وطویل مضمون کو ختم کرنے سے پیشتر عورتوں کے

مستقبل کے متعلق بھی کچھ صراحت کرنی ضروری تصور کرتے ہیں۔

ہماری عورتوں میں تعلیم کا شوق روز بروز زیادہ سے زیادہ ہوتا جا رہا ہے، لیکن موجودہ تعلیم کی نہج وہی ہے جو ہندوستان کے دوسرے حصوں میں فرق یہ ہے کہ یہاں اعلیٰ تعلیم کے دو جداگانہ راستے ہیں ایک تو جامعہ عثمانیہ کے تحت اردو زبان میں اور دوسرے مدراس یونیورسٹی کے تعلق کے باعث انگریزی میں۔ اور مذکر تعلیم کی جانب یہاں زیادہ دلچسپی پائی جا رہی ہے۔ ان دونوں طریقوں کے علاوہ ایک اور تعلیم بھی یہاں ہوتی ہے۔ وہ کیمبرج یونیورسٹی کی تعلیم ہے۔ حیدرآباد کے اعلیٰ طبقہ میں اب تک عورتوں کو زیادہ تر یہی تعلیم دی جا رہی ہے۔ بعض ایسی عورتیں ہیں جو کیمبرج کا سلسلہ ختم کر کے جامعہ عثمانیہ کی ڈگریاں حاصل کرنے لگی ہیں۔

لیکن اس موقع پر دیکھنا یہ ہے کہ کیا ہماری موجودہ تعلیم اور موجودہ نصاب ہمارے درد کی دوا اور ایسی دوا جو کارگر ہو ثابت ہو رہی ہے۔ جہاں تک ہمارا خیال ہے موجودہ طریقۂ تعلیم اور موجودہ نصاب تعلیم ہمارے درد کی پوری دوا نہیں ہے۔ موجودہ تعلیم سے ہم ایسی عورتیں پیدا نہیں کر سکتے جو قوم اور ملک کے لئے سودمند ہو سکیں۔ موجودہ تعلیم کے جو اثرات ظاہر ہو رہے ہیں وہ افسوس ناک ہیں۔ ان کو قابل تعریف نہیں کہا جا سکتا۔ فیشن پرستی، اندھی تقلید یورپ، ناجائز آزادی، یہ تمام جراثیم عام ہوتے جا رہے ہیں۔

سب سے پہلے اس امر کی ضرورت ہے کہ فوراً طریقۂ تعلیم اور نصاب تعلیم کو بدل دیا جائے۔ اعلیٰ تعلیم کی بے شک ضرورت ہے، لیکن اس سے زیادہ ابتدائی اور اوسط تعلیم کی جانب توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں اس امر پر غور کرنا چاہیئے کہ تعلیم کا وہ طریقہ ہو کہ جس کی بدولت ہر پیشے کے مرد کو اس کی شریک زندگی سے اپنے پیشے کے کاروبار میں حقیقی اعانت حاصل ہو سکے۔ عام قومی صحت اور تندرستی کی خاطر ضروری ہے کہ ہر عورت ابتدائی اصول حفظان صحت اور بچوں کے عام دیکھ ریکھ اور ان کو بحال و خوش رکھنے کے عملی طریقوں سے واقف ہوں۔

ہمیں ضرورت ہے کہ ہماری عورتوں کو ایسی تعلیم دی جائے کہ وہ مشرقی اور مغربی تمدن و تہذیب کی خوبیوں اور برائیوں کو سمجھنے کے قابل ہو جائیں۔ بہرحال موجودہ تعلیم کے ثمرات کچھ زیادہ مفید نہیں ہیں۔ اس وقت تک ہماری عورتوں کا مستقبل خوش آیند نہیں ہو سکتا جب تک کہ موجودہ نصاب تعلیم بدل نہ دیا جائے۔

تعلیم کے ساتھ معاشرت پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے۔ نکاح بیوگان، کمسنی کی شادی، طلاق اور خلع، شادی بیاہ کے مراسم وغیرہ کے متعلق اسلام نے بہت پہلے واضح طور سے دنیا کی رہبری کر دی ہے۔ ان کو جو پس پشت ڈال دیا گیا ہے وہ ہماری ترقی پسندی کی کوئی اچھی علامت نہیں ہے۔ ہندو برادری کو ان قیود بند سے نکلنے کے لئے مسلمانوں سے زیادہ ہمت اور بلند نظری کی ضرورت ہے۔ بچپن کی شادی اور عقد بیوگان کے لئے مزید زیادہ کوشش کی ضرورت ہے۔

تعلیم اور اچھی معاشرت کا اصل مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ ان میں ذہنی خصوصیات پیدا ہوں، ذات پسندی، خود پرستی کے گرداب سے نکل کر عام انسانی مساوات اور خلق کا جذبہ پیدا ہو جائے۔ یورپ اپنی تہذیب اور آزادی نسواں کے باوجود جو فخر حاصل کرتا ہے اور یورپ کی بعض حکومتیں عورتوں کو بری طرح مجبور کر رہی ہیں کہ وہ صرف ایک سبق یاد کریں عورتوں کیلئے آنکھ بند رکھنا ہی شاید زندگی تصور کر لیا جائے۔ مشرق اور مغرب کی خوبیوں کا امتزاج ہی ہمارے لئے مفید ہو سکتا ہے۔ اگر وہ ایک طرف مغربی تمدن اور تہذیب و تعلیم ہمارے ملک کیلئے ناگزیر ہے تو دوسری طرف مذہب کے پاکیزہ اصول سے واقف ہو کر یہی تعلیم یافتہ لڑکیاں اس طور پر کہہ سکیں کہ قدیم مشرقی صفت عصمت کو چار چاند لگا سکتی ہیں۔

نصیر الدین ہاشمی

حضرت عمرؓ کی بیت المقدس کو روانگی

کرکے سلام تربتِ رسالت مآبؐ کو — فکر سفر ہوئی عمرؓ ابن الخطابؓ کو
کہئے عدو آفریں نظرِ انتخاب کو — قائم مقام اپنا کیا بوترابؓ کو

وقت وداع اہل مدینہ اداس تھے
عثمانؓ سے بردبار بھی تصویرِ یاس تھے

یہ شاہ مسلمین نرالا جہان سے — نفرت تھی جسکو ظاہری تمکین وشان سے
نکلا تھا سوئے قدس وہ اس آن بان سے — ستو کا توشہ ساتھ لیا تھا مکان سے

واں سے فیضیاب ہزاروں وطن میں تھے
پیوند چودہ اس کے مگر پیرہن میں تھے

نزدیک قدس پہونچا جو مسلم کا یہ امیر — جس کی نظر میں تاج و زر و مال تھے حقیر
دیکھے جب اس نے چند مسلماں جواں و پیر — تھے جن کے تن پہ جامۂ دیباج دلپذیر

ملبوس ان کے اس نے وہ سب چاک کر دئے
چہروں پہ خاک ڈال دی دل پاک کر دئے

جب ارضِ قدس میں ہوا فاروقؓ کا گذر — ان پر پڑی جو عسکرِ اسلام کی نظر
کی افسروں نے عرض کہ اے شاہِ بحر و بر — یہ اونٹ آپ چھوڑ دیں اور بیٹھیں اسپ پر

پیوند پیرہن میں ہیں اس کو اتار دیں
پہنیں یہ مصری جامے کہ عز و وقار دیں

اس امر پر مصر ہوئے جب افسران جنگ — حاضر کیا سواری کو برذون سبز رنگ
پہنا لباس مصر تو دل میں اٹھی امنگ — بیٹھے جو اسپ پر تو وہ بھرنے لگا ترنگ

بولے مجھے یہ موجب کبر و غرور ہیں
یہ نخوتیں تو شانِ مسلمان سے دور ہیں

برذون سے اتر کے اتارے وہ سب لباس — پہنی وہی قبائے کہن تھی جو ان کے پاس
اپنے شتر پہ بیٹھ گئے پھر وہ بے ہراس — یہ دیکھ کر تمام مسلمان تھے اداس

لیکن وہ جانتے تھے کہ فاروقؓ خوش خصال
ہے فقر میں محمدؐ ذی جاہ کی مثال

یاں وہ بلالؓ آیا تھا اعزاز شد مست — جو منسلک تھا درگہ خیر الانام سے
آقا بنا ہمارا جو ادنیٰ غلام سے — زندہ ہے روحِ عشق ابھی جس کے نام سے

لوگوں کی آرزو تھی پھر اس کی اذاں سنیں
گر ہو سکے تو آج سنیں اور بہ رشک سنیں

بولے عمرؓ کہ طوطی شیریں بیاں بلالؓ — گلزار احمدی کے گلِ بے خزاں بلالؓ
اے بحرِ عشق کے گہرِ ضوفشاں بلالؓ — یہ سب کی آرزو ہے کہ تم دو اذاں بلالؓ

کچھ بارِ غم تو ہلکا ہو طبعِ ملول کا
پھر جائے نقشہ آنکھوں میں دورِ رسول کا

دے کر اذان سب کو رلایا بلالؓ نے — مسجد میں ایک حشر اٹھایا بلالؓ نے
اصحاب کے دلوں کو ہلایا بلالؓ نے — دورِ رسولؐ یاد دلایا بلالؓ نے

کہنے نہ پائے اشہد ان لا الٰہ کو
یارا رہا نہ ضبط کا چشمِ سیاہ کو

محصور اہلِ قدس بظاہر تھے صبح جو — بطریق چاہتا تھا عمرؓ آئیں روبرو
دیکھے وہ دین کی روشنی جس چہرہ کو — پہنچے اسی لباس میں وہ بہرِ گفتگو

قبضے میں ان کے تیغ نہ ترکش نہ تیر تھا
وہ اس طرف تھے اور وہاں جم غفیر تھا

بطریق نے جوان پہ نظر کی تو ڈر گیا — واللہ ان کا تیر نظر کام کر گیا
سوچا کہ کوئی عذر کیا اب تو سر گیا — سر خم کریں کہ پانی تو سر سے گزر گیا

ہم زورِ ایزدی کا مداوا ہی کیا کریں
بہتر یہی ہے قلعۂ محصور وا کریں

جزیہ کی شرط طے ہوئی سب کو اماں ملی — سب یہود کی پوری ہوئی خواہش دلی
فاروقؓ ذی وقار کے دل کی کلی کھلی — نعرہ لگایا آپ نے جس سے زمیں ہلی

سجدہ کیا جو مسجدِ اقصیٰ کے فرش پر
آواز پہنچی ربی الاعلیٰ کی عرش پر

محمود اسرائیلی

صنعتی تعلیم کی ضرورت

تعلیم نسواں میں بڑی جدوجہد سے بہت کچھ کامیابی ہوگئی ہے۔ لیکن موجودہ زمانے کا رنگ دیکھتے ہوئے کافی نہیں ہے۔ علم کے ساتھ ساتھ عورتوں کو کوئی صنعتی تعلیم دینا چاہیئے۔ فی الحال چھوٹا طبقہ تو مجبور ہے امراء کو چاہیے کہ جنگ کی وجہ سے اور ممالک میں نہیں تو امریکہ اپنی عورتوں بھیج کر سائنس اور صنعت سکھاویں۔

یہ عورتیں ہندوستان آکر اعلیٰ اعلیٰ سائنٹیفک اصول کے مطابق زراعت و باغبانی کو ترقی دیں اور ایسی چیزیں ایجاد کریں کہ گزوں گہری زمین کھد جائے مٹی چند منٹ میں نہایت باریک ہوجائے۔ زمین سے پانی بہت آسانی سے نکالا جاسکے ہر قسم کے پھل ہر مقام پر پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

ایسی ادویات ایجاد کریں جن کے استعمال سے درخت و غلہ کیڑوں سے اور خراب ہونے سے محفوظ رہے ہوائی طاقت کو ترقی دیں۔ بڑے سے بڑا اور چھوٹے سے چھوٹا ہوائی جہاز ایجاد کریں۔ ایسا بھی جہاز ہو جو ریل کا کام دے۔ ایسا بھی ہو جو اڑنے والے گھوڑے کی طرح پر ہو مثل اصل ہو جائے۔ مریخ میں جانے کی عرصہ سے کوشش ہو رہی ہے مگر ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی ممکن ہے عورتوں کی اضافہ شدہ کوشش سے کامیابی ہو جائے۔ یہ امر مسلم ہے کہ عورت میں ذہنی قوت و شوق ترقی بمقابلہ مرد کے زیادہ ہے۔ اگر عورتوں کو صنعت و حرفت کی تعلیم دی جائے تو ممکن ہے موجودہ زمانے کی اشیاء سے بھی زیادہ محیر العقول ایجادات ظہور پذیر ہوں۔ مردوں کو زیادہ تر جنگ و جدال کی فکر رہتی ہے وہ ایسے مفید کاموں سے معذور ہیں۔ بلکہ ان کو انسانی زندگی نیست و نابود کرنے والی مشینری تیار کرنے میں زیادہ وقت صرف کرنا پڑتا ہے۔

یوں تو ہر لحاظ سے دنیا نے ترقی کی ہے لیکن ضرورت یات زندگی میں سب سے ضروری چیز غلہ ہے اس کی طرف توجہ کم ہے۔ سفر کے لئے موٹر ٹرام ہوائی جہاز ریلوے ایجاد ہوئی۔ میلوں سے گفتگو کے لئے تار برقی ٹیلی فون ریڈیو ایجاد ہوئے۔ روشنی کے لئے بجلی غرضکہ ہر کام مشین کرنے لگی۔

لیکن سائنس سے یہ کام نہ لیا گیا کہ درخت بجائے مہینوں اور برسوں کے ہفتوں اور دنوں میں تیار ہوں۔ گیہوں چنے کا درخت دس بارہ گز کا ہونے لگے اور دانہ تولہ بھر کا ہو۔ پیداوار موجودہ وقت سے بیس گنی ہو انگور آم کے برابر ہوں آم تربوز کے برابر ہو۔ سائنس کے کرشموں سے ایسا ہونا بعید از قیاس نہیں ہے۔ بشرطیکہ کوشش ہو۔ میری بہنیں سائنس سیکھ کر انسانی عمر بڑھانے کی کوشش کریں اور ایسی دوائیں ایجاد کریں جن سے بیماریوں کے جراثیم نیست و نابود ہو جائیں۔ ایسی اشیاء نہ بنائیں جو خدا کی مخلوق کا آن واحد میں قلع قمع کر دیتی ہیں۔

مسز محمد یحییٰ

خوش نصیب؟

زاہد کو گلمرگ پہنچے دوسرا دن ہے۔ اس کا قیام گولف لنکز کے ایک سرے پر چیل کے درختوں میں چھپی ہوئی خوشنما "تارا کاٹج" میں ہے۔ وہ اس خوبصورت کاٹج کا تنہا مالک نہیں۔ بلکہ اس نے سنا ہے کہ اس کا ایک اور بھی مکیں ہے۔ بیرا جب صبح کی چائے لے کر اس کی خوابگاہ میں آیا تھا تو اس نے بتایا تھا کہ دوسرے صاحب کو یہاں آئے ہوئے پندرہ دن ہوئے ہیں۔ ان کا کوئی ملنے جلنے والا نہیں۔ تنہا کمرے میں پڑے رہتے ہیں۔ ہاں کبھی کبھی شام کے دھندلکے میں باہر ٹہلنے نکل جاتے ہیں۔

زاہد کو اس پُراسرار ہستی سے ملاقات کرنے کا شوق لمحہ بلحہ زیادہ ہو رہا تھا۔ وہ بھی انہی کی طرح اس دنیا میں اکیلا اور تنہا تھا۔ اس کے والدین مدت ہوئی مر چکے تھے۔ رشتہ تو کجا برادری بھر میں کوئی اپنا کہنے والا باقی نہ تھا۔ والدین دو مکان اور تین چار دکانیں چھوڑ گئے تھے۔ ان کے کرایہ سے جو معقول آمدنی ہو جاتی تھی۔ اسی پر زاہد کی بسر اوقات ہوتی تھی۔ وہ برسوں اپنی اس آمدنی اور غور و فکر میں گذرنے والی زندگی سے مطمئن تھا۔ لیکن اب کچھ عرصہ سے اس کی زندگی میں بہت بڑا انقلاب آ چکا تھا۔ اور وہ ہر وقت یہی کہتا رہتا "کاش میں دولت مند ہوتا"۔

بات یہ تھی کہ زاہد سیلانی تو تھا ہی۔ ایک دفعہ بغرض سیر و تفریح جو کراچی گیا تو وہاں سیٹھ ہارون جی کی اکلوتی بیٹی شیریں سے اتفاقیہ طور پر ملاقات ہو گئی۔ زاہد اس کا کلمہ پڑھنے لگا اور شیریں بھی اس کی لیاقت اور بات چیت کرنے کے ڈھنگ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ لیکن مشکل اب آن پڑی تھی کہ زاہد چاہتے ہوئے بھی زبان پر نہ لا سکتا تھا۔ جانتا تھا کہ جس وقت یہ راز کھلا کہ میرا کل سرمایہ دو چار سو ہیں۔ کائنات میں تو شیریں کو بہت نفرت ہو جائے گی۔ اور سیٹھ ہارون جیسے زر پرست شخص اپنی بیٹی دینے سے قطعی انکار کر دیں گے۔ وہ سوچتا رہتا تھا کہ شیریں سے کس طرح شادی کرے۔ لیکن یہ ایک معمہ تھا۔ جو بغیر روپے کے حل ہونا ناممکن تھا۔ وہ کس طرح یک لخت امیر بن سکتا تھا؟ یہ خیال تھا جو زاہد کے دل میں ہر وقت چکر لگاتا رہتا تھا۔ وہ کراچی سے اس لئے بھاگ آیا تھا کہ شاید شیریں کو اس خطۂ جنت کی دلفریبیوں میں بھلا سکے۔ لیکن اسے یہیں کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ بلکہ شیریں کا تصور اس کے لئے جزو زندگی ثابت ہو رہا تھا۔

"مسٹر زاہد حمید آپ ہی ہیں؟" پوسٹ مین نے کاٹج کے احاطہ میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"میں ہی ہوں۔" زاہد جو چیڑوں کی قطاروں کے قریب ٹہل رہا تھا۔ حیران ہو کر بولا۔

"چٹھی آپ کے نام ہے۔" یہ کہتے ہوئے پوسٹ مین ایک سفید لفافہ زاہد کے ہاتھ میں دے کر چلا گیا۔

"خط! خط! ۔۔۔ لیکن کس کا؟" زاہد کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ "میری خط و کتابت تو کسی سے نہیں۔ میں اس وسیع دنیا میں کسی کو نہیں جانتا۔ میں بھی عجیب شخص ہوں۔ بھلا کھول کر دیکھ ہی کیوں نہ لوں۔" یہ کہہ کر زاہد نے عجلت سے لفافہ چاک کیا۔ جو ابھی تک اس کے بے حس و حرکت ہاتھ میں یوں ہی پڑا تھا۔

"ایں! یہ کیا" زاہد نے گھبر اکر کہا۔ "چالیس ہزار کا فرسٹ پرائز میرے نام! لیکن میں نے تو کبھی السٹریٹڈ ویکلی کے معموں کو حل کرنے کا خیال ہی نہیں کیا۔ کسی حل کرنے والے نے میرا نام تو نہیں دے دیا؟ لیکن میرا ہے ہی کون۔"

خط دو تین مرتبہ پڑھنے کے بعد زاہد نے لفافے کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔ اس کا نام صاف طور پر لکھا تھا: "ایس زیڈ احمد۔ تارا کاٹیج گلمرگ"۔ زاہد کے تعجب میں حیرت کن اضافہ ہو رہا تھا۔ وہ تو ابھی کل ہی یہاں پہنچا تھا۔ دفتر والوں کو اس کا پتہ کیسے معلوم ہو گیا۔

یک لخت زاہد کو ایک روشنی نظر آئی۔ ممکن ہے کہ یہ "ایس زیڈ احمد" دوسرے حضرت ہوں۔ لمبے لمبے ڈگ بھرتا باورچی خانہ میں جا دھمکا اور خانساماں سے دریافت کیا۔

"قادربٹ۔ ذرا بتانا تو وہ جو دوسرے صاحب یہاں رہتے ہیں ان کا کیا نام ہے؟"

"حضور مجھے علم نہیں"۔ خانساماں نے مؤدبانہ عرض کیا۔

"تو اب کیا کرنا چاہیئے؟" زاہد نے واپس آکر دلیں سوچا۔ "کیا مجھے اس نامعلوم شخص سے خود ہی متعارف ہونا چاہیئے؟"

"کون ہے؟ . . . . . آجاؤ"۔ کی مدھم آواز کو سنکر زاہد نے اُس نامعلوم شخص کی خواب گاہ کا دروازہ کھولا۔ اور اندر داخل ہوا۔

کمرے میں ڈوبتے ہوئے سورج کی آخری کرنیں کھڑکی کے شیشوں میں سے اندر آ رہی تھی۔ ایک شخص آرام کرسی پر بیٹھا تھا۔ زاہد کو ایسا معلوم ہوا جیسے وہ اپنا ہی عکس دیکھ رہا ہو۔ وہی قد۔ وہی جسم، وہی خط و خال، وہی گھونگر والے بال۔ فرق تھا تو صرف یہ کہ وہ کرزن فیشن تھا۔

کمرہ میں عجب پریشانی کا عالم تھا۔ السٹریٹڈ ویکلی کے متعدد پرچے فرش پر اِدھر اُدھر بکھرے پڑے تھے۔ پلنگ پر خط لکھنے کے کاغذ اور ایک قلم پڑا تھا۔ ریشمی پلنگ پوش پر جا بجا بڑے بڑے سیاہی کے دھبے لگ گئے تھے۔ ایک طرف چھوٹی میز پر چند شراب کی بوتلیں پڑی تھیں۔ کچھ بھری ہوئی اور کچھ خالی۔

زاہد کو پہلی ہی نظر میں یقین ہو گیا کہ اُس خط کا مالک یہی خوش نصیب ہے۔ غالباً وہ اب بھی کوئی معمہ حل کرنے میں لگا ہوا تھا۔ کیونکہ وہ ہاتھ میں لئے ہوئے السٹریٹڈ ویکلی پر سر جھکائے بیٹھا رہا۔ اور زاہد کی طرف بالکل متوجہ نہ ہوا۔

"مجھے ڈر ہے کہ میں آپ کے کام میں مخل ہوا ہوں"۔ زاہد نے اس خوش نصیب کی قسمت پر رشک کھاتے ہوئے سلسلۂ کلام شروع کیا۔

"جی نہیں . . . . . بالکل نہیں۔ بلکہ ۔۔" اجنبی نے چونکتے ہوئے کہا "آپ کا اسم گرامی؟"

"کمترین کو سید زاہد احمد کہتے ہیں۔ میں اس آدمی کاٹیج کا کرایہ دار ہوں۔ کل شام ہی یہاں آیا تھا۔ آپ سے ملنے کو جی چاہا حاضر ہو گیا"۔ زاہد نے سادگی سے جواب دیا۔

"بہت بہت شکریہ! مجھے بھی آپ سے مل کر کمال درجہ مسرت ہوئی۔ تشریف رکھئے"۔ اجنبی نے کرسی زاہد کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"کیا آپ ایس زیڈ احمد ہیں؟" زاہد نے دریافت کیا۔ لیکن اجنبی کے چہرے پر شکنیں نمودار ہوئیں اور اس نے کوئی

جواب نہ دیا۔ بات یوں ہوئی" زاہد نے وضاحت کے طور پر کہا" یہ اسٹریٹ بجلی والوں کا خط پوسٹ مین نے غلطی سے مجھے دے دیا۔ اور اس پر صرف زبیر احمد لکھا تھا۔ میں نے بے تکلف کھول لیا۔ بے تکلف کے لفظ پر پہنچ کر زاہد کو یاد آیا کہ خط پاکر وہ کس کشمکش و پیچ میں پڑ گیا تھا وہ یک لخت رک گیا۔

"جی نہیں۔ کوئی بات نہیں آپ مجھے شرمندہ نہ کیجئے۔ میرا نام شیخ زبیر احمد ہے۔ اور مجھے خط لکھنے والے ابن زبیر احمد پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ میں بھی حیرت میں تھا کہ ان کم بختوں نے مجھے براہ راست کیوں نہ اطلاع دی۔ یہ دیکھئے تازہ پرچہ۔ یہ رہا میرا نام" زبیر نے آگے کو جھکتے ہوئے اپنے نام پر انگلی رکھ کر دکھایا لکھا تھا: شیخ زبیر احمد جوہری روڈ کلکتہ"

"آپ خوش نصیب شخص ہیں۔ میں تہ دل سے آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں" زاہد نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا . . . کاش وہ بھی اتنا ہی خوش قسمت ہوتا۔ پھر شیریں اور دنیا کی نعمتیں اس کی ہوتیں۔

زاہد اور زبیر کی ملاقات کو ایک ہفتہ گزر چکا ہے۔ دونوں میں خوب دوستی ہو گئی ہے۔ زبیر جو پہلے آدم بیزار تھا نہایت خوش گفتار، مجلس کم اور دلچسپ دوست ثابت ہوا ہے۔ دونوں ہر روز میلوں سیر کے لئے نکل جاتے۔ کسی بہتی ندی کے کنارے کسی سرسبز پہاڑی کی چوٹی پر کسی پھولوں سے ڈھکے میدان میں چائے پی جاتی اور کھانا کھایا جاتا۔ زاہد اب زبیر کے ساتھ ہیں، وادی کشمیر کی رعنائیوں سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔ اس کی دلفریبیوں سے حظ اٹھا رہا ہے لیکن شیریں کا خیال ابھی تک دامن گیر ہے۔ اس کا تصور روح و جان پر مسلط ہے۔ ایک کانٹا ہے جو دل میں چبھ رہا ہے۔ چشموں کے ترنم میں بلبل کے نغموں میں بادلوں کی روانی میں اسے شیریں کا مجسمہ نظر آتا ہے۔ اس کا گلاب کی طرح کھلا ہوا چہرہ فوراً مرجھا جاتا ہے۔ اس کی آنکھیں دور فضا میں کچھ تلاش کرنے لگتی ہیں۔ کیا قسمت اس کی یاوری نہ کرے گی؟ کیا وہ اس خوش نصیب شخص کی طرح کوئی بڑا انعام حاصل نہیں کر سکتا؟

زاہد اپنا راز زبیر سے پوشیدہ نہ رکھ سکا۔ جس طرح بربط کے تاروں میں سے ایک خفیف سی جنبش سے ساز بلند ہو جاتا ہے۔ اسی طرح زاہد بھی زبیر کے پوچھنے پر پھوٹ پڑا۔ اور آپ بیتی کہہ سنائی۔ کہہ چکنے پر اس کی آنکھوں سے دریا رواں ہو گیا۔ اور وہ سسکیاں بھر بھر کر رونے لگا۔

زبیر کے والدین لاکھوں کی جائداد اس کے لئے چھوڑ گئے تھے۔ اس نے اپنی زندگی عیش و عشرت میں بسر کی تھی۔ اس کی کوئی خواہش ایسی نہ تھی جو روپے نے پوری نہ کی ہو۔ عورت۔ شراب۔ عیش و عشرت۔ اس کے لئے معمولی بات تھی۔ زاہد شیریں کو حاصل نہیں کر سکتا کیونکہ اس کے پاس روپیہ نہیں۔ کتنی عجیب مضحکہ خیز بات تھی۔

"پریشان نہ ہو زاہد۔ میں کوئی تجویز سوچوں گا" زبیر نے کہا "بس اب آنسو پونچھ ڈالو۔"

"زبیر میرا دنیا میں کوئی نہیں۔ نہ رشتہ دار نہ دوست نہ آشنا۔ میری دوستی تمہاری ہی ذات سے وابستہ ہے۔ نہ میں اور کسی کو دنیا میں جانتا ہوں اور نہ کوئی مجھے" یہ کہہ کر زاہد نے اپنی زندگی کا مفصل حال بھی زبیر کے گوش گزار کر دیا۔

زبیر کی طبیعت اچھی نہیں۔ اسی لئے وہ سیر کو بھی نہ جا سکا۔ زاہد اس کے پاس آرام کرسی پر بیٹھا ہے۔ ادھر ادھر کی گپیں اڑ رہی ہیں۔ اتنے میں بیرا ایک ٹیلی گرام لیکر داخل ہوا۔ "صاحب زبیر احمد کے نام" اس نے کہا اور دیکھنے کے بعد بیگی

زاہد اور زبیر کو دیکھنے لگا۔ دونوں دوست اس کی اس سراسیمگی سے کھل کھلا کر ہنس پڑے۔ وہ غریب اتنے دنوں سے ان دونوں مشکل عجیب و غریب کمیٹیوں کی خدمت کر رہا تھا۔ لیکن اب تک معلوم نہ کر سکا کہ ایس زیڈ احمد سے کون صاحب مراد تھے۔

"ذرا تکلیف ہوگی دستخط کر دو"۔ زبیر نے انگریزی میں کہا۔

بیرا رسید لے کر باہر چلا گیا۔ زبیر نے ٹیلی گرام کا لفافہ چاک کیا۔ مضمون پڑھتے ہی چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا۔ ہاتھ کانپنے لگے۔ بدقت تمام کاغذ طے کر کے لفافہ چاک کیا۔ مضمون پڑھتے ہی چہرہ کا رنگ زرد پڑ گیا ہاتھ کانپنے لگے بدقت تمام کاغذ طے کر کے لفافہ میں ڈال کر تکئے کے نیچے رکھ دیا۔

"کیوں خیریت تو ہے"۔ زاہد نے اپنے عزیز دوست کی پریشانی دیکھ کر گھبراہٹ کے لہجہ میں دریافت کیا۔

"خیریت کہاں؟" زبیر کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ ذرا وقفہ کے بعد وہ آہستہ آہستہ بولا "کو میں بتا ہی دوں۔ میری ایک عزیز — بہت قریبی عزیز — بستر مرگ پر پڑی ہے۔ اور مجھ سے آخری مرتبہ ملنے کی التجا کی ہے"۔

تو پھر تم واپس کلکتہ چلے جاؤ گے؟ زاہد نے معاملہ کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں! جانا ہی ہوگا"۔ زبیر نے خیالات کی دنیا میں کھوتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ آج ہی چلا جاؤں۔ ابھی — اسی وقت"۔

"لیکن تمہاری تو طبیعت اچھی نہیں"۔ زاہد نے گھبرا کر جواب دیا۔

"نہیں میں اچھا ہوں یوں خفیف سا درد ہے۔ خود بخود جاتا رہے گا۔ ہاں ذرا تم ایک گھوڑے اور دو قلیوں کا تو انتظام کرنا۔ . . . میں اتنے میں پیکنگ کروں"۔ زبیر نے پلنگ پر سے اٹھتے ہوئے کہا۔

زاہد واپس آیا تو زبیر برآمدہ میں تیار کھڑا تھا۔ زاہد اپنے لئے بھی ایک گھوڑا لے آیا تھا۔ دونوں دوست ساتھ ساتھ ٹنگ مرگ روانہ ہو گئے۔ زاہد اپنے دوست کی اس اچانک روانگی سے بہت دل برداشتہ تھا۔

زاہد کسی گہرے سوچ میں غرق تھا کہ زبیر نے کہا "زاہد! میں دنیا میں کسی شخص کو خوش نہ کر سکا۔ کسی نے مجھے خلوص دل سے دعا نہ دی۔ اگر میں تمہیں شیریں حاصل کرنے میں مدد دوں تو کیا تم مجھے صدق دل سے دعا نہ دو گے؟"

"زبیر کیا کہہ رہے ہو"۔ زاہد نے حیران ہو کر پوچھا۔

"یہی کہ تم میرا حاصل کردہ انعام لے لو۔ اور اسے تجارت میں لگا کر اپنی قسمت آزماؤ۔ چالیس ہزار کے مالک سے ہارون جی جیسا کشر دل بھی بیٹی بیاہنے کو رضامند ہو جائے گا"۔

زاہد کو اپنے کانوں پر دھوکا ہوا باگ ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ گھوڑا بدک گیا۔ اور وہ مشکل سے اُسے قابو میں لا سکا۔

"یہ نہ سمجھو کہ میں مذاق کر رہا ہوں۔ میں لاکھوں کی جائداد کا مالک ہوں۔ ان چالیس ہزار کا مجھے کوئی خاص فائدہ نہیں۔ البتہ تمہاری زندگی کی آرزو پوری ہو جائے گی۔ میں جا رہا ہوں۔ خدا جانے وہاں کیا افتاد پیش آئے اور میرا کتنا وقت اس قصہ میں صرف ہو جائے۔ ورنہ میں خود روپیہ منگا کر تمہیں دیتا۔ اب تم میرے نام سے روپیہ لے لینا۔ شکل تو ہم دونوں کی ایک سی ہی ہے"۔ یہ کہہ کر زبیر ہنسا اور پھر بولا "کئی دن ہوئے میں نے مضمون لکھا تھا کہ معمے کس طرح حل کرتا ہوں۔ تم اس مضمون کو صاف کر کے بھیج دینا۔ میں ان روپوں سے دست بردار ہوتا ہوں اپنی رضا و رغبت سے۔ یہ حقیر تحفہ ہے ایک چاہنے والے دوست کا"۔ یہ کہہ کر زبیر نے جیب سے ایک کاغذ نکال کر زاہد کو دے دیا۔

زاہد کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ الفاظ حلق میں اٹک گئے۔ اب وہ خوش نصیب تھا یا خوش نصیب!!

زاہد نے زبیر کے دئے ہوئے مضمون کی نقل رائٹنگ پیپر پر کی۔ اُسے زبیر کے پنسل سے گھسیٹے ہوئے مضمون کو پڑھنے میں بہت دقت ہوتی۔ مضمون ختم کر لینے اور اپنے نام کے دستخط کر لینے کے بعد اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ زبیر کا لکھا ہوا مضمون پھاڑ کر آتش دان میں پھینک دیا۔ کرسی پیچھے سرکائی۔ سگرٹ سلگایا اور جلتے ہوئے کاغذ پر نظر جمائے ہوئے سوچنے لگا۔

"اب دیکھوں گا کہ سیٹھ ہارون جی کس طرح انکار کریں گے۔ بہتر ہوا کہ میں نے ان سے اپنے خاندان کا ذکر نہ کیا تھا۔ اب میں جاؤں گا۔ یہ کثیر دولت شیریں کے قدموں پر ڈال دونگا اور پھر شیریں میری ہو جائے گی میں کس قدر خوش نصیب ہوں"

یک لخت دروازہ کھلا۔ ایک انسپکٹر پولیس اور کانسٹبل اندر داخل ہوئے۔

"کیا زبیر احمد آپ کا ہی اسم گرامی ہے؟" انسپکٹر نے دریافت کیا۔

"جی ہاں — نہیں — ہاں میں ہی ہوں"۔ اس نے گھبرا کر کہا

"میں آپ کو کلکتہ کی مشہور طوائف نرگس کے قتل کے جرم میں گرفتار کرتا ہوں۔ یہ رہا آپ کا وارنٹ گرفتاری"۔

"لیکن میرا نام تو سید زاہد احمد ہے"۔ زاہد کے مُنہ سے بدقت تمام نکلا۔

"جی! میں ایسی چالوں سے خوب واقف ہوں"۔ انسپکٹر نے مسکرا کر کہا "کیا آپ یہ بتا سکتے ہیں کہ یہ جو مضمون آپ کے سامنے رکھا ہے۔ اس پر شیخ زبیر احمد کے دستخط کیوں ہیں؟ اور یہ تصویر جو نرگس کے کمرہ میں سے دستیاب ہوئی ہے کیا آپ کی نہیں؟"

"ارے" زاہد کے مُنہ سے بیاختہ نکلا۔ اس کے سامنے زبیر کی تصویر تھی۔ لیکن اس وقت وہ کرزن فیشن نہ تھا.... اُسے یقین ہو گیا کہ زبیر کی کوئی عزیز بیمار نہ تھی۔ بلکہ وہ اسی موذی کے چنگل سے نکلنے کے لئے اسے دھوکا دے کر فرار ہو گیا تھا۔

انسپکٹر نے اُسے ہتکڑی پہنادی۔ زاہد فیصلہ نہ کر سکا کہ اپنے آپ کو خوش نصیب کہے۔ یا بدنصیب!

(پلاٹ انگریزی سے ماخوذ) سرور رعنا

لیموں عرصہ تک خراب نہ ہونگے

پہلی ترکیب ایک ذرے کو پھیٹ کر لیموں کے اُوپر ملیں اور خشک ہونے دیں۔ خشک ہونے پر ہر ایک لیموں کو دھاگا باندھ کر لٹکا دیں۔ یہ خیال رکھیں کہ لیموں ایک دوسرے سے ملا کر ہرگز نہ رکھے جائیں ورنہ خراب ہو جائیں گے۔

دوسری ترکیب لیموں کو ایک بڑے شیشے کے جار میں ڈال دیں۔ اور پانی سے بھر دیں۔ روزانہ پانی بدلتے رہیں۔ اس طریقے سے مدت تک لیموں خراب نہ ہوں گے۔

(از انگریزی) طیبہ خاتون۔ بریلی

خانہ داری سے واقفیت

عورتوں کے لئے اصول خانہ داری سے واقف ہونا بہت ہی ضروری اور لازمی ہے اور بہ ضرورت امرا کو غربا کی نسبت بہت زیادہ ہے۔ جس قدر کسی گھر میں دولت زیادہ ہے اسی قدر اس گھر والی میں انتظام خانہ داری کی قابلیت زیادہ ہونی چاہیئے۔ خانہ داری کا علم عورت کا خاص حصہ ہے۔ اگر دیگر علوم میں اسے کامل دستگاہ حاصل ہے لیکن خانہ داری کے اصول سے ناواقف ہے تو وہ عورت عالمہ فاضلہ مفکر خواہ کچھ بھی ہو لیکن عورت نہیں ہو سکتی۔ کوئی تاجر جو علم حساب سے ناواقف ہے تاجر نہیں کہلایا جا سکتا۔ اسی طرح عورت خانہ داری کی قابلیت کے بغیر عورت کہلانے کی مستحق نہیں۔ عورت کو خواہ وہ امیر ہو یا غریب جوان ہو یا بڑھیا۔ ہر حال میں گھر کے ہر کام کرنے کی لیاقت اور ہر کام کی اچھی طرح استعداد حاصل ہونی ضروری ہے۔

پہلے زمانہ میں گڑیا اور ہنڈ کلیا کا بہت ہی اچھا طریقہ تھا۔ جس سے لڑکیاں بچپن ہی میں خانہ داری کے ہر کام کی پریکٹس کر کے قبل از وقت ماہر ہو جاتی تھیں۔ مگر آجکل فیشن اور نئی روشنی کی تقلید میں ہم لوگ پچھلی تمام باتوں کو خیرباد کہہ رہے ہیں۔ اور خود ان مشکلات کا کوئی حل نہیں سوچتے۔ مشرقی اصولوں پر تربیت یافتہ لڑکیاں پھر بھی بسا غنیمت ہیں۔ مگر کثیر تعداد آجکل ان لڑکیوں کی ہے۔ جنہوں نے فیشن پرست مغرب زدہ والدین کی گود میں تربیت پائی ہے۔ جو اعلیٰ تعلیم یافتہ نہ سہی مگر فیشن پرستی کی رو میں بہنا معراج کمال سمجھتی ہیں۔ جن کو خانہ داری کے کاموں کی طرف نہ ان کی معاشرت متوجہ ہونے دیتی ہے نہ طبیعت۔ کہنے کو یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسکولوں میں خانہ داری اور پکوان وغیرہ کی دوسرے نصاب کے ساتھ کافی تعلیم ہوتی ہے۔ مگر یہ سب عذر لنگ ہیں۔ کیونکہ اسکول میں نصابی تعلیم رٹ لینے اور امتحان میں پاس ہونے کی حد تک ختم کر دی جاتی ہے۔ اور بہت کم لڑکیاں ایسی ہوتی ہیں جو اسکول کی تعلیم کے بعد پھر اُن پر عمل کرتی ہوں۔

سوچنے کی بات ہے جو لڑکی خود کوئی کام نہیں جانتی وہ کسی سے کیا کام لے گی۔ خوشی اور آرام صرف گھر کے باقاعدہ انتظام پر منحصر ہے۔ لڑکی کے اوصاف میں سب سے پہلے اسی صفت کو دیکھنا چاہیئے۔ کیونکہ خانہ داری کے انتظام کی قابلیت تمام گھر کے آرام اور آسائش کے لئے ضروری ہے۔ اور گھر کے ادنیٰ ادنیٰ کام بہت بڑے آرام اور آسائش کا باعث ہوتے ہیں۔ جو گھر والی کی توجہ کے بغیر کبھی درست نہیں ہو سکتے۔ جس طرح مردوں کے لئے روپیہ پیدا کرنا اور اپنے کاموں کو بحسن و خوبی انجام دینا ضروری ہے اسی طرح عورتوں کے لئے سینا پرونا کھانا پکانا بچوں کی پرورش اور نگہداشت گھر کی ہر ایک چیز کی خبر گیری اور اس کو سلیقہ سے برتنا بہت ضروری ہے۔ اگر گھر والی میں انتظام کی قابلیت نہیں تو ہمیشہ گھر میں ابتری اور ویرانی پائی جاتی ہے۔ خواہ گھر میں کتنے ہی نوکر چاکر کیوں نہ ہوں اور نوکر بھی اسی صورت میں کام کرتے ہیں۔ جب گھر والی میں انتظام کی قابلیت اور کام کاج سے دلچسپی دیکھتے ہیں۔ ورنہ جو کام نوکروں کے اختیار اور مرضی پر چھوڑ دیا جائے کبھی عمدہ اور بہتر نہیں ہوتا اور نہ بیگم صاحبہ کی لیاقت اور تمکنت کی یہ نشانی ہو سکتی ہے کہ سارے دن پلنگ پر بیٹھی پان چباتی رہیں یا آرام کرسی پر ذرا اخبار بینی اور مطالعہ میں مستغرق رہیں۔ اور گھر میں کتے لوٹتے رہیں۔ بلکہ عورت کا فرض ہے کہ اس کے وقت کا

(باقی صفحہ ۱۱۲ پر)

آنکھیں دُکھنا

موسم کی تبدیلی کے دوران میں بعض اور بیماریوں کی طرح اکثر آشوب چشم کا بھی زور رہتا ہے۔ سردی اور گرمی کے غلبہ کے علاوہ گرد آلود ہوا کے تیز جھونکوں کا لگنا۔ دھوپ کی تپش غیر معمولی روشنی اور شب بیداری بھی آشوب چشم کا سبب ہو سکتے ہیں۔ گرمیوں کی آنکھ میں سُرخی درد اور کرکراہٹ کی تکلیف زیادہ ہوتی ہے۔ ورم کم رطوبت بہت کم چیپڑ گاڑھا نکلتا ہے۔ سردیوں کی آنکھ سے رطوبت بکثرت خارج ہوتی ہے۔ ورم زیادہ سُرخی اور درد نسبتاً کم رہتے ہے۔ ابتدائے آشوب چشم میں سر پر تیل کی مالش نہ کریں تیل کی مالش سے اکثر آنکھیں باتی رہتی ہیں۔ تین چار روز کے بعد ہلکے ہاتھوں بالوں میں تیل لگا لینے کا مضائقہ نہیں۔ سر میں درد ہو تو سر دبائیں نہیں نہ پیشانی پر کوئی دوا لگائیں۔ درد سر کی غرض سے سر کو رومال وغیرہ سے باندھ لیں۔ دھوپ میں نہ نکلیں نہ کوئی چمکدار چیز دیکھیں۔ رونا چیخنا سینا پرونا پڑھنا لکھنا نظر جما کر کوئی کام نہیں کرنا چاہئے۔ دھوئیں اور آنچ سے بھی بچیں ٹھنڈی سایہ دار جگہ میں رہیں۔ خورد و نوش میں بھی احتیاط کی ضرورت ہے ترشی سے قطعی پرہیز کریں ورنہ ناخونہ کا اندیشہ ہے۔ نمک کھانے سے آنکھوں میں کنکر سے چبھتے ہیں۔ جسے کرکن کہتے ہیں کرکراہٹ کی اذیت درد سے کبھی بڑھ کر ہوتی ہے۔ اس لئے کم سے کم شروع میں نمکین کھانے نہ کھائیں اگر تین روز صرف میٹھی اشیاء پر قناعت کریں تو بہتر ہے۔ نزلے کا زور نہ ہو تو دودھ پی سکتے ہیں۔ بالائی اور حلوا کا استعمال خصوصاً سوتے وقت ہر حالت میں مفید ہے۔

درد کی شدت ناقابل برداشت ہو آنکھیں یک لخت بند ہو جائیں یا اور کوئی غیر معمولی امر واقع ہو تو حکیم ڈاکٹر کو دکھانا لازم ہے۔ غفلت نہ کریں۔ لیکن معمولی حالت میں گھریلو دواؤں سے بھی کام نکل سکتا ہے۔ دور افتادہ مقامات پر اور شہروں میں بھی کم استطاعت بے مقدور اور عدیم الفرصت لوگوں کو گھریلو دواؤں سے واقف ہونا ضروری ہے بڑی درد سری اور پریشانیوں سے نجات رہتی ہے البتہ احتیاط اور دواؤں کی نسبت اور ترکیب کی صحت کا لحاظ رہے۔

ڈاکٹروں کی ہدایت تو یہی ہوگی کہ علاج میں دیر نہ کرو فوراً [illegible] اور ان سے رجوع کرنے والوں کے لئے یہی مناسب ہے۔ لیکن گھریلو دواؤں کے سلسلے میں یہ تجربہ ہے کہ دو روز بلکہ تیسرے روز دوا لگانے سے آنکھیں جلد اچھی ہوتی ہیں۔ اور اس اثنا میں درد کی تخفیف کی غرض سے صرف ہلکے پانی سیدھی ترف گھی چپڑ کر نیم گرم باندھ لینا چاہئے کرکراہٹ نیم کی سبز پتیاں گرد و غبار اور جالے وغیرہ سے صاف کرکے تہہ تہہ آنکھوں پر رکھ کر باندھنے سے آرام ہو جاتا ہے۔

نیم کی پتیوں کا عرق کان میں ڈالنا کبھی کبھی فائدہ بھی کرتا ہے لیکن خطرے سے خالی نہیں پتی پھٹکری بھی آنکھوں میں ڈالنا نہ چاہیے کسی اور دوا کے ہمراہ کوئی حکیم ڈاکٹر بتائے تو دوسری بات ہے۔

مدار یعنی آک کے پتیوں کے عرق ڈالنے سے کئی آنکھیں چوپٹ ہو گئی ہیں۔ اسی طرح بے جلے بوجھے ترپھلا کا بھپارہ لینے سے موتیا بند کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

دُکھتی ہوئی آنکھوں کی پلکیں سوتے میں چیپڑ سے چپک جاتی ہیں اور صبح کو آنکھیں بند رہتی ہیں صاف رومال سے

باآہستگی چیپڑ پونچھ کر آنکھیں کھول دینی چاہئیں۔ چھوٹے بچے نہ کھولیں تو انہیں اندھیری جگہ میں لے جائیں۔ اور کوئی چیز بجاکر یا اور کسی طرح بہلا پھسلا کر کھلوا دیں تاکہ وہ گرم گرم رطوبت جو اندر بھری رہتی ہے نکل جائے پھر بورک لوشن اور بورک لوشن نہ دستیاب ہو تو نیم گرم سادہ پانی سے دھو ڈالیں۔ سادہ ٹھنڈے پانی سے خصوصاً بند آنکھیں ہرگز نہ دھوئیں۔ بورک لوشن بھی نیم گرم بہتر ہے۔ وقتی آرام کے علاوہ ورم میں تخفیف ہوتی ہے۔

چند آسان سہل الحصول نسخے لکھے جاتے ہیں جن میں نقصان کا احتمال نہیں۔

(۱) شیر خوار بچوں کی آنکھوں پر (اگر ہر وقت پانی بہتا رہتا ہو) باریک پسی ہوئی پھٹکری لگادیں۔

(۲) ایک چٹکی یہی سفوف ہتھیلی پر لیں اور دو تین قطرہ ماں کا دودھ ٹپکا کر انگلی سے ملائیں اور لگائیں۔

(۳) ایک عدد بنگلہ پان کتھہ دو چٹکی تمباکو کی پتی یا چائے پیس کر نیم گرم لیپ کریں۔

(۴) پٹھانی لودھ باریک پیس کر کپڑے میں چھان لیں اور ایک چمچے میں گھی لیں اور پسا ہوا پٹھانی اس میں ڈال کر چراغ کی لو پر گرم کر کے لگائیں (چراغ کی لو پر گرم کرنے کا یہ مطلب ہے کہ آنچ بہت ہلکی اور ایک اندازہ کی ہو اور دوا گرم ہو جائے پکے نہیں۔

(۵) سردیوں کی زیادہ سوجی ہوئی آنکھ پر زعفران ماں کے دودھ میں یا پانی گھول کر لگایا جاتا ہے۔ پانی میں گھلا ہوا گرم کر لیا جاتا ہے۔ ماں کے دودھ پر گرم کرنے کی ضرورت نہیں۔

(۶) پھٹکری افیون اور زعفران کی لیپ بھی اچھی چیز ہے۔ گرمیوں کی آنکھ کے لئے یہ دوا بھی مفید ہے۔

(۷) پانچ تولہ گلاب میں تین ماشہ کچی پھٹکری اور دو چھواروں کے چورے کی پوٹلی بھی ڈال دیں۔ پھٹکری حل ہو جانے کے بعد وہ پوٹلی آنکھوں پھیریں۔ چند بار پھیرنے سے آرام معلوم ہو تو پندرہ پندرہ منٹ کے وقفہ سے پھیرتے رہیں۔ پوٹلی اسی گلاب میں بھیگی رہے اور دوسرے روز بدل دی جائے۔

(۸) بگڑی ہوئی آنکھ کی سرخی زائل کرنے میں یہ مختصر سی دوا بھی اکسیر ہے۔ دس بارہ عدد آم کی وہ نئی پتیاں جن پر سبزی نہ آئی ہو بلکہ ارغوانی رنگ کی ہوں۔ پھٹکری بریاں کے ہمراہ کوٹ چھان لیں اور صبح شام تین تین قطرے آنکھوں میں ٹپکائیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے علیحدہ نہ چھانیں بلکہ پوٹلی بنا کر آنکھوں میں نچوڑ دیں۔ اسی اندازے کے مطابق اس عرق کو نکالکر رکھنا نہ چاہیئے۔ دونوں وقت عرق تازہ ہونا چاہیئے۔ یہ بھی ایک آزمودہ بے ضرر اور سریع الاثر دوا ہے جو ہر قسم کے آشوب چشم میں خواہ گرمی کے غلبہ سے ہو یا سردی کے اور چھوٹے بڑے سب کیلئے یکساں مفید ہے۔

(۹) املی کی نرم پتیاں پاؤ سیر معہ درمیانی تنکوں کے صاف سِل پر تین چھٹانک پانی میں سے تھوڑا سا ڈال کر خوب کچلیں اور نچوڑ نچوڑ کر عرق نکالیں اس عرق کو لوہے کی چھوٹی کڑھائی کر چھے میں رکھیں پھر اس میں سفوف پھٹکری بریاں ۶ ماشہ۔ سفوف پٹھانی لودھ ۶ ماشہ۔ ہڑ خورد مسلم دو عدد۔ رسونت ۳ ماشہ۔ افیون ۳ رتی۔ موسم سرد ہو تو لونگ ۲ عدد۔ گرم ماشہ اور گرم ہو تو نیم کے ٹکڑے کے چند ٹکڑے شامل کر کے دھیمی آنچ پر پکائیں۔ اور نیم کی انگلی برابر موٹی ایک بالشت لمبی لکڑی سے چلاتے رہیں جب گاڑھی ہو کر پیالے کے قابل ہو جائے تو اُتار لیں۔ اور نیم گرم صبح و شام تلے اوپر آنکھوں پر لیپ کریں۔ دوا سوکھ جائے تو پانی ڈال کر پھر پکائی جائے۔ لیکن یہ خیال رہے کہ جلنے نہ پائے۔ یہ دوا آنکھوں میں لگتی بہت ہے۔ چھوٹے بچے اس کی تاب نہیں لاتے اس لئے اس طرح لگانا چاہیئے کہ اندر نہ جائے۔ لیکن سمجھدار بچے اور بڑے

یوں لگائیں کہ اندر بھی پہنچ جائے تو بہت جلد اثر کرے گی ۔ اس دوا کو سوائے لوہے کے کسی اور دہات کے برتن میں نہ رکھنا چاہیئے ۔ نہ کھلی ہوئی رکھنا چاہیئے ۔ نہ گرد وغبار پڑے ۔ آشوب چشم کے بعد اور کبھی کبھی خود بخود آنکھوں میں روئے ہو جاتے ہیں جن میں چاکسو استعمال کیا جاتا ہے ۔ چاکسو کی شکل مور سے ملتی جلتی ہوتی ہے ۔ تولہ دو تولہ چاکسو لے کر کپڑے میں رکھیں اور ڈھیلی پوٹلی بنا کر پتیلی میں نیم کے پتوں کی تہ میں رکھ کر ابالیں ۔ جب اُبل جائے تو نکال لیں ۔ ایک ایک دانہ انگلیوں سے دبائیں دالیں اور چھلکا علیحدہ ہو جائے گا ۔ دالوں کو کسی پلیٹ میں رکھ کر خشک کرلیں ۔ پھر کھرل میں یا سِل بٹے سے باریک پیس کر چھان لیں ۔ صبح کے وقت آنکھیں دہونے کے بعد پلکیں اُلٹ کر چٹکی سے دونوں پر لگائیں تین روز سے پانچ روز تک لگایا جائے اور ضرورت ہو تو تین حصہ سرمہ میں ایک حصہ چاکسو ملا کر معمولاً بطور سرمہ لگا لیا کریں ۔ بعض لوگ بغیر ابالے اور چھلکا دور کئے مسلّم چاکسو پیس چھان کر استعمال کرتے ہیں یہ ذرا گرم زیادہ ہوتا ہے بعض اوقات آنکھوں کے گوشوں میں زخم پڑ جاتے ہیں سلبل اور کھجلی ہوتی ہے کھجلانے کے بعد آنکھیں سُرخ ہو جاتی ہیں ۔ اس مرض کے لئے چھوٹی ہرڑ گھڑے پر پیس کر لگانا مفید ہے ۔ یہ انجن بھی اگر ہرڑ سے فائدہ نہ ہو تو استعمال کیا جاتا ہے ۔ روئی کی بالشت لمبی اور ذرا موٹی بتی بنا کر ارینڈی کے تیل میں چراغ جلائیں ۔ بتی کو بڑھاتے اور اس کا گل کتر کتر کر رکھتے جائیں اس گل کو جست کی تھالی پر ہتھیلی سے گھنٹے سوا گھنٹے رگڑیں پھر اس پر پانی ڈال کر دیکھیں ۔ اگر پانی اُوپر ہی اُوپر بہہ جائے دوا نہ بہے تو سمجھیں انجن تیار ہے ۔ اگر دوا بہے تو اور رگڑیں یہاں تک کہ انجن تیار ہو جائے تو دہو ڈالیں یعنی اُوپر سے پانی ڈالکر بہا دیں اور صبح و شام ٹھنڈے وقت آنکھوں میں لگائیں ۔

واضح ہو کہ یہ انجن تیار ہونے پر دھویا جاتا اور تیار ہونے یعنی سب اجزا کے حل ہو کر ایک ذات ہو جانے کی پہچان یہی ہے کہ دھونے سے پانی کے ساتھ بہتا نہیں ۔ اگر بہے تو سمجھا جائیگا کہ کچا ہے ابھی اور رگڑنے کی ضرورت ہے ۔ انجن رگڑنا ذرا طاقت کا کام ہے ۔ جبکہ سورج نکلنے سے قبل شروع اور دن چڑھے ختم کر دینا چاہیئے ۔ ایک دن میں دوائیں حل نہ ہو سکیں تو دوسرے دن پھر رگڑا جا سکتا ہے کوئی سخت دوا پوری نہ گھسی ہو لیکن انجن دھونے سے ٹھہر رہتا ہے بہتا نہیں تو سمجھنا چاہیئے کہ استعمال کے قابل ہو گیا ۔ ان دواؤں کو نکال دیجئے اور انجن کسی ڈبے میں احتیاط سے رکھ لیجئے ۔ آشوب چشم سے صحت یاب ہونیکے بعد انجن کے استعمال سے ضعف اور خشکی دُور ہو جاتی ہے ۔ جس وقت آنکھیں زیادہ سُرخ ہو رہی ہوں انجن کا استعمال درست نہیں ۔ ہاں خفیف سُرخی کٹ جاتی ہے ۔ انجن بہتیرے ہیں ۔ ایک انجن کا نسخہ جو عموماً مستعمل ہے ذیل میں درج کیا جاتا ہے ۔

سیندور ۔ ایک چٹکی ۔ پھٹکری بریاں ۲ رتی ۔ پٹھانی لودھ ۲ رتی ۔ تخم کھرنی مسلّم ۱ عدد ۔ ہڑ خورد مسلّم ۱ عدد ۔ افیون ۱ رتی چرچڑی کی جڑ ایک انگل ۔ نیم اور بیل کی پتیوں کا عرق ۶ ماشہ ۔ گھی ۶ ماشہ ۔

پیتل کی تھالی پر حسب ترکیب مندرجہ بالا رگڑ لیا جائے ۔ انجن کی تیاری میں دواؤں کی عمدگی ہاتھ برتن اور جگہ کی صفائی شرط ہے ۔ ضعف چشم ضعف دماغ یا اور کسی وجہ سے اب بھی ہوتا ہے کہ آنکھیں جلد جلد اور بار بار دُکھنے آتی ہیں ۔ یہ بہت بُرا ہے ۔ ضعف چشم کی وجہ سے دکھنا تو کسی عمدہ انجن اور مختلف دواؤں کے استعمال سے دُور ہو سکتا ہے ۔ اور ضعف دماغ کے لئے گھسے ہوئے بادام نہایت مفید ہیں ۔ دھنیئے کی گریوں کا حلوا یا ایک تولہ خشخاش تھوڑے پانی میں پیس کر کچی کھانڈ اور گھی ہموزن ملا کر صبح تڑکے نہار منہ کھائیں ۔ دھنیا کھانے سے بھی یہ شکایت رفع ہو جاتی ہے ۔

پھٹکری بریاں کرنے (یعنی بھوننے کی) ترکیب یہ ہے کہ پھٹکری کی ڈلیاں یا چورا کسی دھات کے برتن میں آگ پر رکھیں۔ پھٹکری پکنے لگے گی۔ اور آخر میں دودھ سی سفید اور پھول کر خشک بتاشے کی مانند ہو جائے گی۔ اور چمک بالکل نہ رہے گی۔ نکالنے سے آسانی نکل آئیگی کچی پھٹکری برتن میں لپٹی رہتی ہے۔

شرمہ کی ڈلیاں بھی نیم کے پتوں کے ہمراہ اُبال لی جاتی ہیں۔ روزانہ سُرمہ لگانا اچھی بات ہے۔ موٹا کرکرا سُرمہ اور کھردری سلائی آنکھوں کے لئے سخت مضر ہے۔ جست آمیز چاندی کی سلائی بہترین ہوتی ہے۔ صرف جست یا چاندی کی بھی اچھی ہوتی ہے لیکن خواہ کسی دھات کی ہو بالکل چکنی ہو۔

آنکھیں آنے کے آثار معلوم ہوں تو کنپٹیوں پر چونے میں کتھا ملا کر پیسے برابر دائرہ میں لگا دینے سے فائدہ ہوتا ہے۔

بنی فاطمہ

باقی صفحہ ۱۰۸ کا

بہت ساحصہ گھر کی دیکھ بھال اور رنگھ داشت میں صرف ہو۔ اور اپنی خوش مذاقی قابلیت سے اپنے گھر کو ایسا صاف پاکیزہ دلکش اور آرام دہ بنائے کہ جب اس کا شوہر تمام دن کی تکلیف دہ محنت اور کاروبار کے مشاغل سے فرصت پاکر گھر آئے تو یہاں وہ مسرت راحت اور آرام کو اپنا استقبال کرتا پائے۔ اور وہ اپنے گھر کو نہایت منظم اور باقاعدہ دیکھ کر خوش اور بشاش ہو۔ اور اسے معلوم ہو کہ دنیا میں صرف اس کا گھر ہی ایسی پاک اور بہترین جگہ ہے جہاں اسے کشمکش مشاغل سے پناہ مل سکتی ہے۔ اور وہ خوش بشاش اور مطمئن رہ سکتا ہے۔

آنسہ جمیلہ ذوالفقار حسین کیرانوی

پیغام (صفحہ ۱۲۱ کا بقیہ)

وہ قومیں درحقیقت کامراں ہوتی ہیں دُنیا میں
جو دل سے عورتوں کی قدرداں ہوتی ہیں دُنیا میں
سمجھ لے خوب تجھ کو چھوڑ کر اے پیکرِ خوبی
کوئی بھی قوم دُنیا کی ترقی کر نہیں سکتی
یہ ظاہر ہے تو پھر خاموش کیوں ہے بزمِ ہستی میں
گری جاتی ہے ناحق قوم کے ہمراہ پستی میں
اُصولِ مذہبِ فطرت سے سرگرمِ عمل ہوجا
اندھیرے میں غم و آلام سے روشن کنول ہوجا
پھر اپنی قوم کو ممتاز کر اقوامِ عالم میں
خدارا پھونک دے رُوحِ مسرت پیکرِ غم میں
تیرے قدموں پہ اک دن زورِ باطل سر جھکائے گا
گذشتہ دَور تیری عظمتوں کا لوٹ آئے گا
تری کوشش بڑھا دے گی وقارِ طبقۂ نسواں
فضائیں وقت کی ہوں گی نثارِ طبقۂ نسواں
ترے ایثار کی قوم و وطن کو پھر ضرورت ہے
تری ہستی سے وابستہ وطن کی شان و عظمت ہے
مرا پیغام سُن جذبے عمل کے دل میں پیدا کر
پھر اپنی خاک کے ذرّوں کو ہمدوشِ ثریا کر

خلیق برہانپوری

سیلاب اشک — پرستارِ محبت بوچی کے تین رنگ طوفان کا سفید بال۔ حج اکبر وغیرہ گیارہ سب تصویر بیگم، ثریا کا تخیل ۷ درد انگیز باتصویر افسانے — قیمت عہ

طوفان اشک — معاشرے کی جو کھٹ پر مظلوم عورتوں کی قربانیاں، دل ہلا دینے والے بارہ افسانوں کا مجموعہ نہایت درد انگیز اور عبرتناک — عہ

نانی عشو — ایک نہایت ہی پر لطف افسانہ جسے پڑھ کر ہنسی ضبط کرنی ناممکن ہے۔ ۱۲ اور افسانے جو مزاحیہ بھی ہیں اور دردناک بھی — ۱۰ ار

نسوانی زندگی — ۱۴ افسانے ہیں جن میں دکھایا گیا ہے کہ ماں، بیوی، بیٹی، بہن ہر حیثیت میں عورت ایسی ایسی قربانیاں کرتی ہے کہ غور کرے تو مرد حیرت میں رہ جائے — ۸ر

گلدستۂ عید — عید اور رمضان کے متعلق بارہ مضمونوں اور افسانوں کا مجموعہ ہے۔ گو اثر اور نتیجے کے اعتبار سے ہر وقت پڑھنے کی چیز ہے۔ — ۸ر

روداد قفس — حضرت علامہ مغفور کی درد و اثر میں ڈوبی ہوئی ان نظموں کا مجموعہ جنہیں پڑھ کر دل درد مند تڑپ اٹھتے ہیں۔ چھٹی مرتبہ چھپا ہے۔ — ۱۰ ار

گرفتار قفس — اس مجموعہ میں بھی بہت مؤثر نظمیں ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ حضرت مصور غم علیہ الرحمۃ کو جذبات نگاری میں کس درجہ کمال حاصل تھا۔ — ۴ر

تاریخ۔ سیرۃ۔ ادب و انشا

آمنہ کا لال — اردو زبان میں مولود شریف کی بہترین کتاب جس میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں جو خلاف عقل کہا جا سکے۔ اس میں علامہ مغفور کا بہترین لٹریچر ہے — عہ

سیدہ کا لال — اردو زبان میں مکمل تاریخ شہادت جس میں واقعہ کربلا سے پہلے اور مابعد کے مفصل حالات ہیں۔ نثر میں مصور غم نے جو حق تھا لکھ دیا ہے صدیوں کا جواب نہ ملیگا — ۱ہ

امت کی مائیں — رسول اکرم صلعم کی بیبیوں کے مقدس حالات زندگی، کثرت ازدواج پر نہایت معقول بحث۔ یہ کتاب مردوں اور عورتوں کو دین و دنیا کی کامیابی کا راستہ بتاتی ہے — ۱۲ر

الزہرا — اردو زبان میں جگر گوشۂ رسول خاتون جنت حضرت بی بی فاطمۃ الزہرا کی بہترین سوانح عمری۔ آخر میں واقعہ کربلا کا مختصر بیان۔ نواں ایڈیشن چھپا ہے۔ — عہ

وداع خاتون — مشہور ادیبہ محترمہ خاتون اکرم کی جوانمرگی پر قدردان قسمت کے خون کے آنسو۔ یہ کتاب بتائیگی کہ یوں کیسے کہتے ہیں۔ — ۵ر

قلب حزیں — ان چھوٹے چھوٹے لطیف ادبی مضامین کا مجموعہ جن میں حضرت علامہ مغفور نے شاعری کی ہے طرز تحریر اتنا پیارا کہ بار بار پڑھیے۔ — ۸ر

وداع ظفر — یا نوبت بہ جبروزہ بہادر شاہ بادشاہ دہلی کے آخری پانچ جشن۔ ستر سال پہلے کی دلی کی جھلک قلعہ کی بہاریں شاہی جھمگھٹے میلوں ٹھیلوں کے رنگ — ۱ہ

امین کا دم واپسیں — شہنشاہ ہارون الرشید اور ملکہ زبیدہ خاتون کے لخت جگر شہزادہ امین الرشید کے دردناک قتل کے حالات اور پھر مصور غم کے قلم سے! — ۴ر

تاریخی ناول

جو شادی شدہ خواتین مطالعہ کر سکتی ہیں، مگر کنواری بچیاں نہ منگائیں

یاسمین شام — امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ خلافت کی اسلامی لڑائیاں، یرموک انطاکیہ بیت المقدس وغیرہ کی لڑائیاں، قنسرین میں مسلمان عورتوں نے دشمنوں کے دانت کھٹے کر دیئے — ۱ہ

عروس کربلا — کربلا کا واقعہ یوں نہیں کچھ کم درد انگیز نہیں ہے۔ پھر مصور غم رحمۃ اللہ علیہ کے قلم نے قیامت ڈھادی ہے بلحاظ دردو اثر مصنف کے تاریخی ناولوں میں بہت ممتاز ہے۔ — ۱ہ

محبوبۂ خداوند — شمالی افریقہ کے مسلمانوں کی ایک قلیل جماعت نے خلیفہ سوم کے زمانہ میں عیسائیوں کی ٹڈی دل فوج پر کس طرح فتح پائی۔ صلیب و ہلال کے معرکے اسلام اور عیسائیت کی لڑائیاں — ۱۲ر

اندلس کی شہزادی — مسلمانوں کے زمانہ کا دلاویز محبت کا افسانہ جو بتائیگا کہ مسلمانوں نے کس طرح فتح پائی اور کس طرح اپنے اعمال سے فنا ہوئے۔ — ۸ر

دُرِ شہوار — ایران، ماژندران، سیستان کی ہولناک لڑائیوں کا مرقع۔ مندرجہ بالا چاروں تاریخی ناولوں کی طرح یہ بھی محبت کا دلچسپ افسانہ ہے۔ — ۸ر

منظر طرابلس — تسخیر طرابلس کے لیے مسلمانوں کا جوش ایمانی۔ حضرت زبیر بن عوام کی بے مثل شجاعت و ایثار محبت کے آتش کدہ میں بے گناہ لڑکی کی قربانی — ۵ر

شہید مغرب — طرابلس۔ مراکش میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے مقابلے۔ مسلمان عورتوں کی ناموس اسلام پر قربانیاں۔ ہندوستان میں شدھی اور ارتداد کا اثر — عہ

سودائے نقد — تاریخی نہیں، محبت کا افسانہ ہے۔ جس سے معلوم ہوگا کہ جوان بیٹی کی شادی نہ کرنا سوسائٹی پر کیا اثر ڈالتا ہے۔ حقیقی ماں کے ہاتھوں جوان بیٹے کا قتل — ۵ر

شہنشاہ کا فیصلہ — عہد عباسی کے بغداد کا دلچسپ افسانہ۔ ایک شخص اپنی بیوی کا نکاح ایک اور شخص سے کرتا ہے ایک مصیبت زدہ ماں کا بیگناہ بچہ واجب القتل ٹھہرتا ہے۔ — ۴ر

تیغ کمال — ترکوں اور اتحادیوں کی ہولناک اور خونریز لڑائیاں۔ مصطفےٰ کمال پاشا کے حیرت انگیز کارنامے۔ اور محبت کا افسانہ — عہ

حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ کے مضامین کے جدید مجموعے

پہلا سٹ

کتاب	تفصیل	قیمت
قرآنی قصے	ان نبیوں اور پیغمبروں کے حالات جن کا قرآن مجید میں ذکر ہے علامہ مغفور کے مخصوص پیرایہ میں۔ بار دوم	قیمت [illegible]
گودڑی میں لعل	عورتوں کو سگھڑ، مہذب، کفایت شعار اور منتظم بنانے کے لئے خانہ داری کے متعلق دلنشین پیرایہ میں بے بہا مشورے۔ بار دوم۔	[illegible]
نالۂ زار	عورتوں کی مظلومیت کا مرقع۔ ان کے مصائب و آلام کی دردانگیز داستانیں وہ مضامین جو تحریر میں غیر فانی درجہ رکھتے ہیں۔	۱۲ار
عروسِ مشرق	مغربی تہذیب کے زہریلے اثر سے مشرقی خواتین کو محفوظ رکھنے کے لئے علامہ مغفور کے معرکۃ الآرا مضامین۔	۱۰ار
بزمِ رفتگان	اردو نثر کے بے مثل مرثیے جو ملک و قوم کی چند مایہ ناز خواتین اور باکمال ادیبوں اور شاعروں کی یاد میں لکھے گئے۔ باتصویر	۱۰ار
سیاحتِ ہند	ہندوستان کے مختلف شہروں اور قصبوں کی تعلیم یافتہ خواتین و حضرات کا ذکر و مختلف صوبوں کے معاشرتی حالات خود علامہ مرحوم کے متعلق معلومات بھی ہیں۔	[illegible]
گردابِ حیات	عورتوں کی اصلاح و حمایت میں ۲۵ چھوٹے چھوٹے سبق آموز موثر افسانوں کا دلاویز مجموعہ	[illegible]
ولولۂ سبحانی	ایک چلبلی نہایت ہی پر لطف مزاحیہ لیکن نتیجہ خیز قصے۔ نانی عشو اور ملانی نصو کے ساتھ کی کتاب۔ بار دوم	۸ار
بیگم کی آخری دن	وہ مضامین لڑکیوں کے لئے جنہیں پڑھ کر وہ کنوار پنے کی قدر کریں گی اور اپنے فرائض سمجھنے لگیں گی۔ بار دوم	۴ار

دوسرا سٹ

کتاب	تفصیل	قیمت
احکام النسواں	عورتوں کے متعلق قرآن مجید کے احکام اور ان کی تفسیر عام فہم اور صاف ستھری زبان میں۔	[illegible]
دعائیں۔	حضرت علامہ مغفور کی آخری تصنیف سوز و گداز اور درد و اثر میں ڈوبی ہوئی اردو زبان میں نظم و نثر کی دعائیں۔	۸ار
دلی کی آخری بہار	نصف صدی پہلے کی تہذیب، تعلقات، وضعداری اور محبت کی پر درد کہانیاں اور بربادی دلی کے جگر خراش افسانے	[illegible]
محسنِ حقیقی	سرورِ کائنات صلعم کی مقدس زندگی کے چند متفرق واقعات اور مجالس میلاد کے متعلق اصلاحی مضامین	۲ار
چمنستانِ مغرب	خانہ داری، تاریخ، معاشرت، ادب وغیرہ پر خواتین کے مطلب کے چند بہترین انگریزی مضامین کے عام فہم ترجمے۔	[illegible]
مسلی ہوئی پتیاں	دلی کی ٹکسالی زبان میں چند خطوط جن کا ایک ایک لفظ تیر و نشتر کی طرح کلیجہ کے پار ہو جاتا ہے۔	۲ار
داستانِ پارینہ	چند تاریخی مضامین (باتصویر) جن میں افسانہ سے زیادہ دلچسپی اور دلآویزی ہے۔	۱۲ار
بلبلِ بیمار	لڑکیوں کی تربیت تعلیم اور پردہ پر طبقۂ نسواں کے سب سے بڑے نباض نے تہائی صدی تک غور و فکر کے جو نسخے تجویز فرمائے تھے ان کا مجموعہ	۱۰ار
حور اور انسان	عصمت و تمدن میں اب سے ۲۰ سال پہلے جو معرکۃ الآرا افسانے شائع ہوئے تھے۔ ان میں سے آٹھ افسانے۔	۱۲ار
بساطِ حیات	حیات انسانی کے متعلق جانوروں کا مشاہدہ۔ چار سبق آموز نہایت موثر افسانے۔	۲ار
نشیب و فراز	نو عورتوں نے اپنی اپنی زندگی کا کوئی اہم واقعہ یا مشاہدہ بیان کیا ہے۔	۴ار
یادگارِ تمدن	تمدن مذاق نسواں کی حمایت میں پہلا اور آخری پرچہ تھا۔ اس کے متعلق مضامین ہیں۔ طرز بیان بے انتہا دلآویز۔	۲ار

تیسرا سٹ

کتاب	تفصیل	قیمت
محلِ عورتوں کے حقوق	حقوق نسواں کی حمایت میں علامہ مغفور کے معرکۃ الآرا مضامین جن کی بساط عصمت میں شائع ہو کر دھوم مچ گئی تھی۔	۱۲ار
زیورِ اسلام	مسلمان لڑکیوں اور عورتوں کے لئے نہایت موثر اور دلچسپ مذہبی مضامین کا قیمتی مجموعہ	[illegible]
خدائی راج	اردو کے سب سے پہلے مختصر افسانہ نگار کے آخری بے مثل افسانوں کا دلآویز مجموعہ جو اردو افسانہ نگاری میں غیر فانی درجہ رکھتا ہے۔	[illegible]
ساجن موہنی	شوہر کو دل کس طرح مسخر کیا جا سکتا ہے۔ اس موضوع پر بے بہا مشورے۔	۴ار
شادی کا انتخاب	لڑکا لڑکی کی شادی کے وقت کیا باتیں ضرور دیکھنی چاہئیں۔	۸ار
عالم النسواں	خواتین سے متعلق ملکی و غیر ملکی تحریکیں پر خواتین ہند کے حسن اقلم کا تبصرہ جو ادبی حیثیت رکھتا ہے۔	۸ار
فریبِ ہستی	مسلمان گھرانے کس طرح اندر ہی اندر کھوکھلے ہو رہے ہیں اور ان کی ہستی کی کیا تدابیر ہیں۔ اس بحث پر مفید مضامین۔	۲ار
بکھری ہوئی پتیاں	مختلف موضوعوں پر علامہ مغفور کے متفرق مضامین جن میں حضرت مصنف کی مختلف ادبی حیثیتیں نظر آتی ہیں	[illegible]

ملنے کا پتہ: عصمت بک ڈپو۔ دہلی

مصورِ غم حضرت علامہ راشد الخیری رح کی مشہور و مقبول تصانیف

گوہرِ مقصود

یعنی خیالستان کی پری اور لال کی تلاش۔ وہ بہت مشہور قصے پہلا قصہ ملک خیالستان کی ایک پری کا ہے جو مدت تک ادھر ادھر پھرتی اور بار بار کوشش کرنے کے بعد دنیا کا بہترین تحفہ لانے میں کامیاب ہوتی ہے۔ دوسرا قصہ ایک دکھیاری ماں کا ہے۔ جو گمشدہ بچہ کی تلاش میں جنگلوں اور پہاڑوں میں ماری ماری پھری۔ دونوں قصے اس قدر دلچسپ اور دردانگیز ہیں کہ ہر لفظ کلیجہ کے پار ہو جاتا ہے۔

قیمت ۶ر

سنجوگ

ایک تعلیم یافتہ سلیقہ شعار مگر کرموں جلی اور نصیبوں پھوٹی لڑکی کی داستان جس کا نکاح والدین نے سوچ سمجھ کر نہ کیا اور طبیعتوں کا اندازہ نہ لگایا۔ بلکہ دولت و ثروت کی ترازو پر اپنے جگر کے ٹکڑے کو بیدردی سے ذبح کر دیا۔ اس لڑکی کو سسرال میں کیا کیا تکلیفیں پہنچیں۔ لڑکی کے ہاتھوں کیا کیا اذیتیں برداشت کیں۔ سوسائٹی کی پابندیوں اور زیادتیوں کو کس طرح سہتی رہی اور آخر کس طرح دنیا سے گئی۔

یہ واقعات معلوم ہو کر بے اختیار آنسو نکل پڑتے ہیں۔

قیمت ۱۰ر

سوکن کا جلاپا

ناشاد و نامراد محمود کا افسانۂ غم ایک بیگناہ لڑکی پر ساس نے سوکن لا بٹھائی اور غم نصیب مصیبت زدہ لڑکی نے ماں باپ کی لاج رکھنے کے لئے ساس کی زیادتیاں، شوہر کے مظالم غرض سب اونچ نیچ سہیں اور ہنس کھیل کر صبر و شکر سے برداشت کیں۔ یہاں تک کہ ان غموں میں گھل گھل کر جان دے دی۔ درد و اثر، سوز و گداز میں ڈوبا ہوا مصور غم کا بہت مشہور و مقبول افسانہ ہے۔

قیمت ۵ر

لڑکیوں کی انشاء

خط و کتابت سکھانے کی اردو زبان میں بہترین کتاب جس میں خطوں کے ذریعہ لڑکیوں کو بتایا گیا ہے کہ ہمیشہ کی زندگی انہیں کس طرح [illegible] اور سسرال میں جا کر ان کی ذمہ داریاں کیا ہیں۔ ایک عورت کی حیثیت سے انہیں کیا کیا فرائض انجام دینے ہیں۔ اور زندگی [illegible] ناگوار منزلوں اور کٹھن راستوں کو وہ کس طرح کامیابی کے ساتھ طے کر سکتی ہیں۔ اس میں پچاس کے قریب زنانہ خطوط ہیں۔ مگر معمولی خطوط نہیں۔ حیات انسانی کے وہ راز ہیں۔ جن کو پڑھ کر جی چاہتا ہے کہ الفاظ کو اٹھا کر آنکھوں پر رکھ لیجئے۔ زبان ایسی پیاری کہ اردو لٹریچر کی شاید ہی کوئی کتاب اس کا مقابلہ کر سکے۔ صفحات سو کے قریب۔

قیمت ۱۲ر

ماہِ عجم

فاروق اعظمؓ کے عہد میں سلطنت ایران پر [illegible] کے لئے مسلمانوں کے بے مثل جنگی کارنامے۔ فرزندان ایران کا سرفروشانہ مذہبی جوش ایرانیوں کا پروانہ وار شمع وطن پر قربان ہونا۔ اسلام اور نصرانیت کی لڑائیاں کفر و ایمان کے معرکے۔ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی دلاویز جانبازیاں جذبات لطیفہ کی حقیقت طرازیاں۔ مشرق کے تاریخی ناولوں میں بہت ممتاز ہے۔ کنواری لڑکیاں نہ منگائیں۔

قیمت ۸ر

قطراتِ اشک

آنسوؤں کے بادشاہ حضرت علامہ راشد الخیری مرحوم کی افسانہ نگاری کے دور اول کے بہترین نمونے وہ مضامین جو مخزن، عصمت، تمدن، کہکشاں وغیرہ میں شائع ہو کر شہرت دوام حاصل کر چکے ہیں۔ ردیف مقصود۔ بدنصیب کا لال۔ دار الغرور۔ ستارس کی تارک الوطنی۔ عصمت و جشن ساون کی چڑیاں۔ مظلوم کی فریاد۔ تمدن کا خط چاندنی چوک کا جنازہ۔ جوہے کی یاد وغیرہ وغیرہ وہ مضامین اور افسانے ہیں جنہوں نے پڑھنے والوں کو جادو نگار مصنف کی قلم کا اثر دکھا دیا تھا۔

قیمت ۸ر

شاہین و درّاج

حضرت علامہ مرحوم کا وہ معرکۃ الآرا تاریخی ناول جس نے مصنف کی سحر نگاری کا بڑے بڑے ادیبوں کو قائل کر دیا تھا۔ اس میں محبت کے جذبات لطیفہ کو نہایت لطف اور رنگینی سے بیان کیا گیا ہے۔ بلحاظ زور قلم اور جذبات نگاری اور ناولوں میں یہ قصہ بہت نمایاں درجہ رکھتا ہے۔ شاہین و درّاج مصور غم رحمۃ اللہ علیہ کی بہت مشہور ٹریجڈی ہے۔ قصہ کی دلآویزی کی یہ کیفیت ہے کہ شروع کرنے کے بعد ختم کئے بغیر کتاب چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا۔ کئی بار شائع ہو چکا ہے۔

قیمت ۸ر

ملنے کا پتہ عصمت بک ڈپو۔ دہلی

عصمت بک ڈپو کی چند مشہور و مقبول کتابیں

نام کتاب	مختصر کیفیت	قیمت
زچہ خانہ	ہندوستان کی کسی زبان میں اس موضوع پر اس قدر مکمل مفصل اور مدلل اور اس قدر کارآمد و مفید عام فہم کتاب شائع نہیں ہوئی۔ کپتان ڈاکٹر نصیر الدین احمد میڈیکل افسر کا غیر فانی کارنامہ ہے۔ حاملہ اور زچہ دونوں حصوں میں زیادہ کثیر صرف کرکے تصویریں دیگئی ہیں۔ قیمت دونوں حصے ساڑھے تین روپیہ	۳ ۸/
صنعت و حرفت	سینکڑوں قسم کی چیزیں گھر پر تیار کرکے مالی پریشانیاں دور کرنے کے لئے بہانے مسز رحیم حنیف کیمسٹ کی اہلیہ محترمہ نے تجربہ کے بعد لکھے ہیں۔	۱۲ر
مشرقی و مغربی کھانے	عصمتی دسترخوان کا دوسرا حصہ مغربی اور ایشیائی کھانوں کی صحیح ترکیبیں جو تجربہ کے بعد لکھی گئی ہیں سلیقوں کے نہایت کارآمد مضامین بھی ہیں۔ دوسرا ایڈیشن۔	۱۲ر
سنگھار خانہ	خوبصورتی اور تندرستی کی قابل قدر کتاب جسم کے ہر حصہ کو خوشنما بنانے جوانی قائم رکھنے کی ہدایتیں سنگھاری اشیاء کے استعمال کے صحیح طریقے اور بہت کچھ نہیں۔ بار دوم	۱ر
خانہ داری کے تجربات	ذاتی تجربوں کی بناپر خانہ داری کے متعلق بے بہا مضامین۔ جو نامور مضمون نگار محترمہ ا۔ بلقیس بیگم نے لکھے ہیں پہ ہر لڑکی ان کا مطالعہ کریں تو سگھڑ بن جائیں۔	۱۲ر
مفید النسوان	خانہ داری کے تجربوں کا دوسرا حصہ تندرستی۔ تیمارداری کے متعلق ذاتی تجربوں کی بنا پر نہایت مفید اور کارآمد مضامین۔	۸ر
تندرستی ہزار نعمت	عصمت کی مشہور نامہ نگار محترمہ زہرا فیضی کے یورپ اور امریکہ کے تجربات صحت قائم رکھنے کے متعلق قیمتی مشورے تندرستی کے اصول۔	۴ر
بچوں کی تربیت	سائنس اور حفظان صحت کے اصول پر بچوں کی پرورش اور ان کی تربیت کس طرح کی جائے اپنے موضوع پر بہترین کتاب ہے۔	۱۰ر
خواتین اندلس	مسلمانوں کے زمانہ کے سپین میں بڑی بڑی شاعرہ ادیب مصورہ۔ بذلہ سنج لطیفہ گو۔ مدبر خواتین گذری ہیں ان کا تذکرہ ہے تاریخ میں افسانہ کا لطف۔	۶ر
انوری بیگم	اُردو کی بہت مشہور افسانہ نگار مسز نذر سجاد حیدر مرحومہ کا مشہور اور مقبول افسانہ جس میں تمدنی خرابیوں اور رسوم کی پابندیوں کے نقصانات دکھائے ہیں۔	۱ ۴/
دولت پر قربانیاں	دولت کا لالچ میں سوکن پر بیٹی بیاہنے اور ناموزوں لڑکے لڑکی کی شادی کردینے کے دردناک نتائج پانچ عبرتناک سبق آموز افسانے	۸ر
غیرت کی پتلی	تین مختلف الخیال عورتوں کے حالات اور اولوالعزمی اور ہمت سے کس طرح بگڑا ہوا گھر بن سکتا ہے اس موضوع پر محترمہ فاطمہ بیگم منشی فاضل کی تصنیف۔	۶ر
چار رُخ	چار عورتوں کی آپ بیتی مغربی تمدن کی اندھادھند تقلید عیسائی مشنریوں کی صحبت پردہ کی پابندیوں کے دردانگیز نتیجے دکھائے گئے ہیں۔	۴ر
شہید وفا	اے۔ آر۔ خاتون صاحبہ مشہور نامہ نگار ہیں، یہ کتاب انہیں کے نتیجہ قلم دلآویز دلچسپ افسانوں کا مجموعہ ہے۔ سب افسانے کامیاب اور بہت اچھے ہیں۔	۱۲ر
تاریخی لطیفے	دنیا کی نامور شہزادیوں۔ بادشاہوں۔ شاعروں اور ادیبوں کے لطیفے جن میں تہذیب سے گرا ہوا۔ لغویات۔ خرافات سے بھرا ہوا کوئی لطیفہ نہیں۔	۸ر
ہنسی کی باتیں	عامیانہ بازاری لطیفے نہیں۔ عصمتی بہنوں کے لکھے ہوئے نئے نئے پُرلطف اور سنجیدہ لطیفے۔ مہذب ظرافت کی دلپسند کتاب	۸ر
عقل کی باتیں	بڑے بڑے پیغمبروں بادشاہوں، مصنفوں، فلاسفروں کے وہ مقولے جو برسوں کے تجربوں پر مبنی ہیں جن میں زندگی کی مشکلوں کا حل ہے۔	۸ر
پردہ و تعلیم	مسلمان عورتوں کا تمام مذاہب کی عورتوں سے مقابلہ۔ مسلمان عورتوں کے حقوق۔ تعلیم کی طرف سے غفلت کے نتائج پردہ پر مستقل بحث	۱۲ر
آئینۂ جمال	بلقیس جمال صاحبہ کی چالیس نظموں کا مجموعہ اسلام کے دو اولیوں کی سبق آموز تاریخی کہانیاں اور مناظر قدرت کی مصوری ہندوستان کی نامور شاعرہ کی بہترین نظمیں ہیں۔	۱۲ر
شمع خاموش	خواتین کی محبوب شاعرہ نجمہ بیگم لکھنوی کی دردانگیز نظمیں جو ہندوستانی عورتوں کی مظلومیت کا صحیح فوٹو ہیں۔ شروع میں مولانا راشد الخیری ایڈیٹر عصمت کا دیباچہ ہے۔	۶ر
نغمات موت	محترمہ حجاب اسمٰعیل کے دردانگیز مضامین جو انہوں نے اپنی والدہ مرحومہ کی یاد میں لکھے اور جو مختلف رسالوں میں شائع ہوکر مقبول ہوچکے ہیں۔	۶ر
ادب زریں	محترمہ حجاب اسمٰعیل کے دردانگیز مضامین کا مجموعہ مصنفہ کے بلند تخیل کی تجلی۔ جذبات کی ترجمانی اور شاعری کا بہترین نمونہ	۸ر
آئینہ موثر	انجمنِ کے ہر پہلو کے متعلق معلومات کتاب کے مطالعہ سے مالک موٹر خود گاڑی کا نقص دور کرسکتا ہے۔ اردو میں اپنے موضوع پر بہترین کتاب	۱ ۸/
جاں باز	محترمہ نذر سجاد حیدر کا بہترین افسانہ جس کے پلاٹ کی دلچسپی کتاب کو ختم کرنے پر مجبور کرتی ہے۔	۱۲ر
فیروزہ	ایک دولتمند گھر یتیم لڑکی کا افسانۂ غم۔ شرافت اور انسانیت کی دل ہلادینے والی قربانیاں استقلال اور ہمت کی ناکامیوں پر فتح	۸ر

ملنے کا پتہ عصمت بک ڈپو دہلی

عصمت بک ڈپو کی چند مشہور و مقبول کتابیں

نام کتاب	مختصر کیفیت	قیمت
افسانۂ حرم	لڑکیوں کے لئے ایک فاضل جرنلسٹ نے نہایت آسان زبان میں اخلاق آموز مفید دس کہانیاں لکھی ہیں۔	۷ر
مزیدار کہانیاں	چھوٹے بچوں کے لئے انہیں کی زبان میں نہایت دلچسپ کہانیاں۔ جن کی تصویریں بھی دیکھ کر بچے خوش ہوں گے۔ از سید ابوتمیم صاحب	۵ر
مختصر دُنیا	ایک انگریز سیاح بالشتیوں کی دنیا میں چلا گیا۔ بالشتئے اُسے دیو سمجھتے تھے۔ سیاح دو چار بالشتیوں کو جیب میں ڈال لیتا تھا بہت مزیدار ہے	۵ر
بچوّں کی دُنیا	ملک روس کے سب سے بڑے مصنف ٹالسٹائی نے بچوں کے لئے جو کہانیاں لکھی تھیں ان کا انتخاب۔ ترجمہ بہت آسان زبان میں ہے۔	۷ر
جاپانی کہانیاں	جاپانی بچوں کی بہترین کہانیاں۔ نہایت آسان عام فہم اُردو میں محترمہ مسز نفضل نے لکھی ہیں۔ ہر کہانی کے ساتھ تصاویر بھی ہیں۔	عمر
دامن باغبان	مشہور افسانہ نگار ڈاکٹر سعید احمد بریلوی کے سبق آموز دلچسپ اخلاقی افسانوں کا دلآویز مجموعہ	عہ
عصمتی دسترخوان	(از محترمہ آمنہ نازلی) کھانے پکانے کے متعلق ہندوستان کی بہترین کتاب جس کی تیاری میں ۸۰ عصمتی بہنوں نے حصہ لیا جس کی تمام ترکیبیں تجربہ کے بعد لکھی گئی ہیں ۸ دفعہ چھپی ہے۔ قیمت حصہ اول دو روپے۔ حصہ دوم دو روپیہ دونوں حصہ	للعہ
مشرقی مغربی کھانے	(از محترمہ آمنہ نازلی) عصمتی دسترخوان کا دوسرا حصہ کھانوں کی ترکیبیں سب تجربوں کے بعد لکھی گئی ہیں۔ سو صفحوں کے مضامین بھی کھانے پکانے کے متعلق ہیں	عہ
ناشتہ	(از محترمہ آمنہ نازلی) دوپہر اور رات کے کھانے سے قبل کیا اور سہ پہر ہندوستان کے مختلف صوبوں میں جن جن چیزوں کا ناشتہ کیا جاتا ہے ان کی صحیح ترکیبیں۔	۱۰ر
عصمتی ہنڈکلیا	(از محترمہ آمنہ نازلی) چھوٹی بچیوں کے کھانے پکانے کی سب سے اچھی کتاب مضامین بہت مفید ہیں۔ بار سوم	۸ر
بچوّں کے کھانے	(از محترمہ آمنہ نازلی) اصول صحت سے بچوں کو کس قسم کی غذا دینی چاہئے۔ یہ بتا کر صحت بخش اور مقوی غذائیں تبدیل کرنے کی صحیح ترکیبیں درج کی گئی ہیں۔	۸ر
بیماروں کے کھانے	(از محترمہ آمنہ نازلی) نامور ڈاکٹروں اور تجربہ کار بزرگوں اور عمر رسیدہ عورتوں نے مریضوں کے لئے بہترین کھانے لکھے ہیں۔	۱۰ر
مذاقیہ کھانے	(از محترمہ آمنہ نازلی) دولھا بھائی سے۔ نند ملی سے سہیلیوں سے مہذب اور شائستہ مذاق کرنے کی پسندیدہ کتاب بار دوم	۶ر
عصمتی کشیدہ	کشیدہ کاری کی پسندیدہ کتاب جس میں کاڑھنے کے لئے عمدہ عمدہ نمونے دیئے گئے ہیں۔ بار چہارم۔	عہ
گلزار درخشاں	(از محترمہ آر۔ کے درخشاں) مختلف وضع کی کڑھت کے لئے کئی کئی قسم کے خوبصورت نمونے مع ضروری ہدایات۔	عہ
گلدستۂ کشیدہ	(از محترمہ خدیجہ فاطمہ) کشیدہ کاری کی سب سے اچھی کتاب جس میں ہر قسم کے نمونے بہتر سے بہتر دیئے گئے ہیں۔	عہر
چمنستان خیاطی	کپڑوں کی کٹائی سلائی کے متعلق کارآمد ہدایات اور متعدد عمدہ عمدہ نمونے (از محترمہ فاطمہ بیگم منشی فاضل) بار دوم۔	عہ
گلستان خیاطی	چمنستان خیاطی کا دوسرا حصہ جس میں مفید مضامین کارآمد ہدایتیں اور نئی نئی طرز کے اعلیٰ درجہ کے نمونے ہیں۔	عہ
عصمتی کروشیا	(از محترمہ فاطمہ انور علی صاحبہ) فن کروشیا کے متعلق مشہور کتاب۔ جس میں بہترین نمونے دیئے گئے ہیں۔ بار سوم	عہر
کراس اسٹچ ورک	اپنے موضوع پر اُردو میں پہلی کتاب جس کی دھوم مچ گئی مرتبہ محترمہ خدیجہ فاطمہ رکن ادارت جوہر نسواں دہلی	عہر
موتیوں کا کام	۲۷ عصمتی بہنوں نے یہ کتاب تیار کی ہے۔ ہندوستان بھر میں موتیوں کے کام کے متعلق ایسی مفید کتاب نہیں چھپی۔ بار دوم	۱۲
سلمہ ستارہ کا کام	محترمہ خدیجہ بائی مرحومہ ہندوستان کی مایہ ناز دستکار خاتون کی تالیف ہے۔ دوسری دفعہ چھپی ہے۔	۱۲
تارکشی کا کام	کپڑوں سے دھاگہ نکالنے کے کام پر سب سے پہلی کتاب اُردو زبان میں۔ بار دوم۔	عہ
گلدستۂ تارکشی	محترمات سیدہ اشرف اور سنجیدہ اشرف جیسی نامور دستکار خواتین نے مرتب کی ہے۔ بہت خوبصورت ہے۔	عہر
اونی کام سلائیوں سے	فن ننٹنگ پر قابل قدر کتاب جس میں ننٹنگ کے متعلق عام فہم ہدایتیں اور لیتھو بلاک کے بہت سے نمونے ہیں۔	عہر
جالی کا کام	ہندوستان کی قدیم زنانہ صنعت پر سب سے پہلی کتاب جس میں لیتھو اور بلاک کے بہت سے نمونے ہیں۔	عہر
شمیم سوزن کاری	ایک چمنستان پُر بہار ہے جس میں مختلف قسم کی زنانہ دستکاریوں کے گلہائے رنگا رنگ کھل رہے ہیں۔	عہر
خواتین کی دستکاریاں	کم استطاعت نادار غریب عورتوں کو بتایا گیا ہے کہ وہ کیا کیا کام کرکے مالی مشکلات میں مدد کرسکتی ہیں۔	۸ر

ملنے کا پتہ:۔ عصمت بک ڈپو دہلی

نام کتاب	مختصر کیفیت	قیمت
لکڑی کا باریک کام	اس فن کے متعلق اردو میں پہلی کتاب جس پر ولایت کے پرچوں نے بھی شاندار ریویو لکھے از سید رضا احمد صاحب جعفری ۔	۸ر
دھلی کا کام	غریب عورتیں دھلی کے کیا کام کر کے مالی پریشانیاں دور کر سکتی ہیں۔ از سید رضا احمد صاحب جعفری	۵ر
پھول پھلواری	پھولوں کی کاشت کیاری اور باغیچہ کی نگہداشت اور انگریزی ہندوستانی اور ہر موسم اور ہر قسم کے پھولوں کی کاشت کے متعلق ہدایات	۸ر
خیابان نسواں	از مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی ، خواتین کے لئے معاشرتی اخلاقی اصلاحی مضامین کا دلچسپ مجموعہ جس میں یورپین معاشرت کے متعلق بھی معلومات ہیں	۱۲ر
کپڑوں کی چھپائی	سائنٹیفک طریقوں سے کپڑوں کو کس طرح چھاپنا چاہیے ایک ماہر فن نے نہایت عام فہم پیرایہ میں یہ کتاب لکھی ہے۔	۸ر
انشاء سلمیٰ	لڑکیوں کو خط و کتابت سکھانے کی جدید ترین نہایت مفید اور دلچسپ کتاب ۔ از صاحبزادہ ولی احمد خاں صاحب ام۔ اے۔ ام۔ الف	۶ر
دیہاتی گیت	جاہل گنواروں کے مختلف طرز کے گیتوں کا نہایت ہی دلچسپ مجموعہ ڈاکٹر اعظم صاحب کریوی مشہور ادیب کی محنت اور قابلیت کا بہترین نمونہ	۸ر
شہزادی نیلوفر	چھوٹے بچوں اور بچیوں کے لئے دلچسپ کہانیوں کا دلچسپ مجموعہ ۔ جسے بچے اور بچیاں بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔	۱۲ر

تصانیف محترمہ خاتون اکرم مرحومہ

نام کتاب	مختصر کیفیت	قیمت
جہان ہمنشین	ادیبہ جلیلہ محترمہ خاتون اکرم جنت مکانی کے بے مثل ادبی مضامین کا حسین مجموعہ جس سے اردو لٹریچر میں قابل قدر اضافہ ہوا ہے	عہ
گلستان خاتون	اردو کی پہلی ترقی پسند افسانہ نگار خاتون یعنی محترمہ خاتون اکرم کے دلآویز نتیجہ خیز سبق آموز افسانوں کا خوبصورت مجموعہ تیسرا ایڈیشن	[illegible]
پیکر وفا	محترمہ خاتون اکرم جنت مکانی کا لکھا ہوا ایک نہایت دلآویز افسانہ جس پر نہایت شاندار ریویو اخبارات نے کیا ہے ۔	۸ر
بچھڑی بیٹی	ایک دلچسپ مختصر افسانہ جسے پڑھنے کے بعد محترمہ خاتون اکرم جنت مکانی کی افسانہ نگاری کی داد دیے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔ تیسرا ایڈیشن	۲ر

تصانیف محترمہ صغرا ہمایوں مرزا

نام کتاب	مختصر کیفیت	قیمت
مشیر نسواں	ایک دلچسپ اخلاقی ناول جس میں عورتوں کی ہر حالت اور ہر عمر کے متعلق معلومات کا دلچسپ ذخیرہ ہے ۔	[illegible]
سرگذشت ہاجرہ	دلچسپ اور سبق آموز قصوں کے پیرایہ میں بہت مفید باتیں بتائی گئی ہیں۔	۱۲ر
تحریر النساء	لڑکیوں اور عورتوں کے لئے جدید طرز پر خط و کتابت کی بے نظیر کتاب جس میں خطوط کے پیرایہ میں بہت سی باتیں بتائی گئی ہیں ۔	۱۲ر
موہنی	اخلاقی و عاشقی افسانہ جس میں ایرانی رسوم وغیرہ کی دلچسپ معلومات بھی ہے ۔	۱۰ر

تصانیف منشی پریم چند آنجہانی

نام کتاب	مختصر کیفیت	قیمت
روحانی شادی	رومانی اور اصلاحی ڈرامہ ، جو چاٹ مکالمہ کیرکٹر ہر اعتبار سے کامیاب ہے ۔ سبق آموز عبرتناک اور دلچسپ ہے ۔	۲ر
دودھ کی قیمت	اور سات اور افسانے جو خاص طور پر خواتین کے لئے منشی پریم چند نے لکھے تھے منشی جی کے افسانوں کا آخری اور سب سے بہتر مجموعہ ہے	ہ

تصانیف مولانا سیماب اکبرآبادی

نام کتاب	مختصر کیفیت	قیمت
آغاز زندگی	از مولانا سیماب اکبرآبادی ، ایک لڑکی کے کنوار پنے کے دلچسپ حالات دلنشین پیرایہ میں لکھے گئے ہیں۔	۶ر
شباب زندگی	از مولانا سیماب اکبرآبادی (آغاز زندگی کا دوسرا حصہ جس میں اس لڑکی کی شادی کے بعد کے حالات دلچسپ پیرایہ میں لکھے گئے ہیں ۔	۶ر
زنانہ بستہ	بچیوں اور لڑکیوں کے لئے دس ننھی ننھی کتابوں کا نہایت مفید مجموعہ چوتھا ایڈیشن حال میں چھپا ہے۔	عہ

ملنے کا پتہ عصمت بک ڈپو ۔ دہلی

وداعِ راشد

حیاتِ راشد کا آخری باب — از رازق الخیری

حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ کی علالت اور وفات کے حالات، ذاتی اوصاف اور مختلف انسانی حیثیتوں کا تذکرہ۔

مولانا رازق الخیری نے اپنے عظیم المرتبت والد کا اچھوتا طرزِ تحریر گویا ورثہ میں پایا ہے جملہ حالات اس قدر مفصل، مؤثر لکھے ہیں کہ پڑھنے والوں کی آنکھوں کے آگے سینما کے فلم کی طرح نظر آنے لگتے ہیں حزن نگاری کے بادشاہ کے آخری وقت کا بیان نہایت ہی رقت انگیز ہے

ساقی دہلی

رازق الخیری صاحب نے دلی کی صاف ستھری اور آسان زبان میں سچے پاکیزہ جذبات کی دردناک تصویر کھینچ کر رکھ دی ہے۔ واقعات کو اس دلدوز اور موثر انداز میں بیان کیا ہے کہ بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل آتے ہیں

شاہکار لاہور

اس کتاب میں اس زبردست شخصیت کی زندگی کے آخری دنوں کا المناک افسانہ ہے جس نے ہندوستان کی مسلمان عورت اور اردو زبان کے سلسلے میں ایسا قابل قدر کام کیا ہے جس کی مثال نہیں نسل ہی سے مل سکیگی۔ بلکہ نہیں مل سکے گی کیونکہ اگرچہ اردو زبان کے متعلق تو اس جامع ہستی کے کارنامے بہتوں کی نظر میں ہیں لیکن مسلمان عورت کی ترقی و بہبود کے لئے اس نے جو کچھ کیا وہ ابھی مکمل طور پر لوگوں کو نہیں معلوم ہے یہ کام اس شخصیت کی زندگی میں ایک علیحدہ باب کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس پر امید ہے کہ ہندوستان کی تاریخ نسواں کا مؤلف کماحقہ توجہ کرے گا۔ موجودہ کتاب انداز بیان کے لحاظ سے علامہ راشد الخیری مرحوم کے دردناک طرز تحریر کا ایک کامیاب کس ہے اور اس میں جس سادگی سے جناب رازق الخیری نے اس عظیم شخصیت کے آخری لمحوں کے بیان کے ساتھ ساتھ گھریلو زندگی کا دلکش اور قابل رشک نقشہ کھینچا ہے وہ بھی کچھ کم لائق توجہ نہیں ہے۔ رازق صاحب کو معلوم ہو لیت کہ اثر ورثے میں ملا ہے اور جگہ جگہ بعض روزمرہ زندگی کے شگفتہ واقعات کے بیان نے اس اثر میں اصل تصویر سے تضاد کی وجہ سے اور بھی شدت پیدا کر دی ہے۔

ہندوستان کی بنیادی عورتیں ذہنی طور پر علامہ مرحوم کی تحریروں کی پروردہ ہیں ان کے لئے دلکش لیکن المناک بیان خصوصاً مرغوب طبع ہوگا۔ کیونکہ ایک ایسے شخص کے حالات کے مطالعہ سے ایک طرح کی تسکین پیدا ہوتی ہے جس کا اس دنیا سے اٹھ جانا اس وسعت کے ساتھ اثر انداز ہوا ہو جیسا کہ اردو زبان میں طبقۂ نسواں کے سب سے بڑے مصنف کا سانحۂ انتقال ہے۔ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد ملال میں ایک ہلکی سی مسرت بھی پیدا ہوتی ہے کہ سوانح نگاری کا یہ ضروری کام علامہ مرحوم ہی کے ایک لائق بیٹے کے ہاتھوں تکمیل پایا

ادبی دنیا

۸۰ صفحات — ۲ فوٹو — قیمت ۸/

عصمت کی کہانی

از رازق الخیری

حضرت علامہ راشد الخیری رحمۃ اللہ علیہ کے زیر سایہ ہندوستان کے مشہور و معروف ماہنامہ عصمت نے ۴۰ سال ۱۹۰۸ء تا ۱۹۴۸ء کس طرح گزارے۔ تاریخ میں افسانہ کا لطف

ادبی دنیا کی رائے: بظاہر یہ مختصر سی کتاب ملک کے مشہور زنانہ ماہنامے عصمت کی تاریخ ہے۔ لیکن اس حکایت کے بیان کے ساتھ ہی ساتھ رنگیلے ادب کے ایک احول کی دلچسپ کہانی بھی ہمارے پیش نظر ہو جاتی ہے۔ یہ وہ ادبی ماحول ہے جو عصمت کے اجرا سے کر اب تک اس قابل قدر ماہنامے کے کارکنوں کے اردگرد قائم رہا۔ گزشتہ چند مہینوں میں ملک کے ایک دو اور ادبی اداروں نے بھی اسی طرح اپنی تاریخ کتابی صورت میں شائع کی ہے۔ لیکن زیر نظر تاریخ میں ایک خاص دلکشی یہ بھی ہے کہ یہ اس ادارے کی تاریخ ہے جس کا قیام اور جس کی ترقی اردو کے ایک زندہ جاوید مرحوم علامہ راشد الخیری مرحوم کی ان تھک کوششوں کا نتیجہ تھی اور اس لئے اس سے جہاں ادارۂ عصمت کی کارگزاریوں پر روشنی پڑتی ہے وہاں علامہ مرحوم کے حالات بھی معلوم ہوتے ہیں۔

دین و دنیا کی رائے: مولانا رازق الخیری ہندوستان کے پہلے مدیر اہل قلم ہیں جنہوں نے اس چیز کی کوشش کی کہ ہندوستان کو اپنے مشہور نسوانی رسالہ "عصمت" کی تاریخ سے باخبر کر دیں۔

ہندوستان میں کسی اخبار یا رسالہ کا جاری کرنا اور پھر اسے قائم رکھنا اور چلانا اتنا دشوار کام ہے جس کا عام لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ مولانا رازق الخیری نے رسالہ عصمت کی ۴۰ سالہ زندگی پر روشنی ڈال کر یہ بتا دیا ہے کہ علمی اداروں کے لئے ہندوستان کی سرزمین کس قدر غیر موزوں ہے۔

عصمت کی کہانی پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس مشہور رسالہ کو زندہ رکھنے کے لئے مولانا راشد الخیری مرحوم نے کیسی کیسی تکلیفیں برداشت کیں لیکن اس کے باوجود آپ اردو لٹریچر اور عورتوں کے مظلوم طبقہ کی خدمت کرتے رہے۔ کاغذ اور کتابت اور طباعت نہایت عمدہ

۹۰ صفحات — ۲ فوٹو — قیمت ۸/

اچھوتا سفر

سابق مہاراجہ صاحب جے پور دربار تاجپوشی میں شرکت کے لئے انگلستان گئے تھے ان کے سفر کے حالات صاحبزادہ ولی احمد خاں صاحب ایم۔ اے نے لکھے ہیں۔ اور یہ اس قدر دلچسپ ہیں کہ آپ بےاختیار تحسین دینے پر مجبور ہو جائیں گے۔ مہاراجہ صاحب کے لئے ہاتھ دھونے کی مٹی اور پانی اور اناج تک ہندوستان سے جاتا تھا۔ ایسا دلچسپ اچھوتا سفرنامہ آپ نے کبھی پڑھا یا سنا نہ ہوگا۔

قیمت ۵/

مثنوی عائشہ صدیقہؓ

سرورِ کائنات سرکارِ دو عالم کی بیوی اور مسلمانوں کی ماں حضرت عائشہ صدیقہؓ کے منظوم حالاتِ زندگی از جناب وقار وارثی۔ ہر مسلمان مرد و عورت کو اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

قیمت ۴/

حلیمہ

ایک سگھڑ سلیقہ شعار سمجھدار اور نیک لڑکی کے حالاتِ زندگی جس نے برے گھر کو بنا دیا۔ قصہ دلچسپ بھی ہے اور سبق آموز بھی از جناب مولوی عبد الغفار صاحب الخیری دوسری دفعہ چھپا ہے

قیمت ۴/

ملنے کا پتہ: عصمت بک ڈپو دہلی

پنجابی گیت

پنجابی گھروں میں بیاہ شادی اور بچے کی پیدائش پر جو گیت گائے جاتے ہیں وہ دلچسپی سے خالی نہیں۔ خدا ہی جانے یہ گیت کس شاعر نے نظم کئے ہیں۔ ہیر رانجھا۔ سوہنی مہینوال کے لکھنے والے وارث شاہ اور فضل شاہ کے نام تو زبان زد خاص و عام ہیں۔ مگر ان گیتوں کے مصنفوں کا نام کسی کو نہیں معلوم۔ البتہ بعض اوقات ایسی کتابیں دیکھنے میں آئی ہیں جن میں ہندوستانی گھروں کے گیتوں کی مفصل فہرست دی گئی ہے۔ بس گیت ہیں جو توجہ ہوتی ہیں۔ بعض گیت تو بہت مضحکہ خیز معلوم ہوتے ہیں۔ سننے والے ہنس ہنس کر لوٹن کبوتر بن جاتے ہیں اور بعض حد درجہ درد انگیز اور غم افزا ہیں کہ بے اختیار آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگتے ہیں۔ پنجاب کے دیہات میں قبیح رسمیں عام ہیں۔ ایسی رسمیں جنہیں دیکھ کر خواہ مخواہ دل کڑھتا ہے۔ طبیعت مکدر ہو جاتی ہے۔ اور ساتھ ہی ہنسی ضبط کرنا بھی قدرے مشکل ہو جاتا ہے۔ مثلاً غیر تعلیمیافتہ طبقے میں جب دولہا دلہن کو بیاہنے آتا ہے تو لڑکی والیاں لڑکے والیوں کو ایسی فحش گالیاں دیتی ہیں کہ معاذ اللہ۔ وہ کھری کھری سناتی ہیں کہ توبہ ہی بھلی۔ آنے والے بیچارے چپ سادھے کھڑے رہتے ہیں۔ بجیت خطاوار ہوں۔ یہاں تک سننے میں آیا ہے کہ جاہل عورتیں آنے والوں کی خاطر تواضع جوتوں سے کرتی ہیں۔ لڑکی والیاں گاتی ہیں۔ سڈے ویہڑے آیاں سور۔ کتا" اور آگے یہ فحش گالی دی جائے گی۔ سور کمینہ کہنے کے بعد اس سے سوال کیا جاتا ہے کہ وہ لڑکی لینے ان کے ہاں کیوں آیا۔ وہ غریب کیا جواب دے۔

بچے کی پیدائش سے لے کر بیاہ تک شاید موت تک خوشی اور غمی کے لئے طرح طرح کے گیت ہیں۔ غم ہو تو انسان کو گانے کی نہیں سوجھتی مگر عموماً دیکھا گیا ہے کہ ہندو عورتیں کسی عزیز کی وفات پر جب نالہ و شیون کرتی ہیں تو نائین گانے کی تال پر دو ہتڑیں سر پہ مارتی جاتی ہیں۔ مسلمان گھروں میں یہ رواج نہیں، ہاں عورتیں روتی ضرور ہیں مگر اس طرح یہ طوفان بپا نہیں کرتیں۔ اہل ہنود کی رسوم بھی جداگانہ ہیں۔ اور مجھے ان کی بابت پوری واقفیت نہیں ہاں مسلمان گھروں میں ڈھولک کے ساتھ جو گیت گائے جاتے ہیں وہ میں نے ایک بڑی بی سے جو اس علم کی ماہر ہیں سن کر لکھ لئے۔ بچے کی پیدائش پر جو گیت گائے جاتے ہیں، انہیں "ہولر" کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ دنیا کا دستور ہے ماں باپ لڑکے کی زیادہ قدر کرتے ہیں اور لڑکی غریب دھتکار دی جاتی ہے۔ لڑکی کی پیدائش پر کوئی گیت گانے کے لئے موزوں نہیں کیا گیا۔ مگر لڑکے کے متعلق آپ کو سینکڑوں ہزاروں گیت ملیں گے۔ یوں تو ایک ہی موضوع پر آپ ایک ضخیم کتاب لکھ سکتے ہیں۔ مگر اختصار سے کام لے کر میں چند گیتوں کے اقتباسات درج کرتی ہوں۔ لڑکے کی پیدائش پر مندرجہ ذیل گیت زیادہ سننے میں آتے ہیں۔

جسدن ہولر جرملیا بردواں اسرباں۔ لال ہاں

گر۔ نند ہٹیلی نے ہٹ کیتا ہیں تاں لینیاں پھلجھڑیاں
بھاوج ۔ جوڑیاں دے وچوں جوڑا چنگا پیا سو میری نندنوں دے ۔
مطلب ۔ بھاوج سٹ پٹائی ۔اس نے شوہر سے کہا کہ میرے جوڑوں میں سے سب سے خوبصورت جوڑا نند کو دیدو۔

گر۔ نند کچی گولیاں تھوڑے ہی کھیلی تھی وہی " اونہوں "
اٹھڑی نند جو گھر گئی تاں جا بیٹھی گھر بار
آنڈ گوانڈ ناں بھین آیاں بی بی کے لے آئی ہیں۔
مطلب ۔ غرض نند روٹھ کر اپنے گھر جا بیٹھی ۔ پڑوس کی عورتیں پوچھنے آئیں کہ کیوں بی بی اپنے باپ کے ہاں سے کیا لیکر آئی ہو۔ کیا جواب دے نند روٹھ کر تو آئی ہے وہاں سے ۔ بددعا دینے لگی ۔بڑی لطیف بددعا کہ میرا بھائی تو خدا کرے قیامت تک جیتا رہے ۔ مگر بھاوج کے ہاں اللہ میاں سات لڑکیاں دے ۔ کیا لڑکیاں خدا کا قہر سمجھی جاتی ہیں ۔

نند ۔ ویراتاں میرا جم جم جیوے بھابو نوں اللہ ست کڑیاں ۔
مطلب ۔ میرا بھائی تو قیامت تک زندہ رہے اور بھابی کے ہاں سات لڑکیاں پیدا ہوں ۔
بھر ۔ ننگی ناں پیریں ویر گیا اپنی بہن نوں لیا یا منا ۔
تھال بھریا جگ موتیاں اوپر پھلجھڑیاں ۔
لے نی بی بی پھلجھڑیاں اپناں ویراں نوں دے نی اسیس ۔
پتی تو پوتیں نوں پھل دیرا میری بھابو دا اعلیٰ سہاگ
مطلب ۔ لیجئے بھائی صاحب بہن کی دلجوئی کے لئے آحاضر ہوئے ۔ ننگے پاؤں آئے اور اپنے بہن کو منا کرلے گئے ۔ ایک تھال میں سچے موتی اور پھلجھڑیاں اوپر رکھ کر بہن کو دیں ۔ بھاوج نے کہا بی بی پھلجھڑیاں لو اور اپنے بھائی کو دعا دو ۔ بہن نے دعا دی کہ جب بھیا تمہارے ہاں بیٹے اور پوتے ہوں میری بھابی کا سہاگ قائم رہے ۔ اب بددعا نہیں دی ۔یعنی یہ نہیں کہہ دیا کہ تیرے ہاں لڑکوں کی جگہ لڑکیاں پیدا ہوں ۔

لڑکا بڑا ہوا کھیل کود میں لگ گیا ۔جوان ہوا اور بیاہ کی باری آئی ۔ گھر والیوں نے مل جل کر گیت گانے شروع کئے ۔ دولہا کے گھر والیاں جو گیت گاتی ہیں انہیں پنجابی میں " گھوڑیاں " کہا جاتا ہے اور دلہن والیوں کے گائے ہوئے گیت " سہاگ " کہلاتے ہیں ۔ لیجئے " گھوڑی " کا بھی نمونہ دیکھ لیجئے ۔
گیت ۔ ایدھر مروا ایدھر چمبا وچ مالن آئی وے ہاں
آئی مالن آپے آئی ہے کیا سلطان نے بلائی وے ہاں ۔
ترجمہ ۔ ایک طرف مروا کا پودا ہے دوسری طرف چمبا اپنی بہار دکھا رہی ہے اور بیچ میں مالن کھڑی ہے ۔ مالن سے سوال کیا جاتا ہے کہ اے مالن تو آگئی تو آ ۔ تو خود ہی آئی ہے یا تجھے سلطان یعنی دولہا کے باپ نے بلایا ہے ۔

گیت - آ بہن بیٹھ وہیڑے کر سہرے دا مول وے ہاں -

مطلب - آ بہن دہر آ کر دہیز پر بیٹھ جا اور سہرے کا سودا کر۔

گیت - اک لکھ سہرا دو لکھ سہرا تِن لکھ میں بدھائی دے ہاں -

مطلب - سہرا ایک چھوڑ دو لاکھ کا ہے اور اس پر تین لاکھ آدمی مبارکباد دیں گے۔ پھر ان سے کہا جاتا ہے کہ اس سہرے کو نوشاہ بن کر بیٹھیں پر باندھے گا مگر اس کا رکھوالا کون ہوگا - جواب ملتا ہے۔ دادی پھوپھی۔ ماں اور بہن سہرے کی رکھوالی کریں گی اور دلہن کا سہاگ قائم رہے گا - رواج کے مطابق دولہا گھوڑی پر چڑھ کر بیٹھ جاتا ہے - اس کے متعلق بھی بیسیوں گیت بنے گئے ہیں سنیئے -

گیت - دھر ملتان نے گھوڑی آئی کیہ سعدن نے بدائی دے ہاں -

کون منگی گھوڑی کون منگائی کون سوداگر لیائی وے ہاں -

ترجمہ - یہ گھوڑی سیدھی ملتان سے آئی ہے کیا سعدن نے منگوائی ہے۔ گھوڑی کس نے مانگی کس نے منگوائی اور کون سوداگر لایا -

جواب ملتا ہے - بیٹے منگی گھوڑی باپ منگائی چاچے سوداگر لیائی وے ہاں -

مطلب - بیٹے نے گھوڑی مانگی باپ نے منگوائی اور چچا نے لا کر دی -

اور - بیاں بدھی گھوڑی راوی دے کنڈے تاگر بیل وودھائی دے ہاں -

کی لکھ گھوڑی دا مل دے ویرا میری ماں دیا جایا کی لکھ تیتن آلی وے ہاں -

نوشاہ کی بہن کہتی ہے کہ گھوڑی دور دریائے راوی کے کنارے باندھ دی گئی - خدا کی مہربانی ہے کہ اس نے زیادتی کی پھر وہ بدلی سے بوچھتی ہے، اے بھائی اے میری ماں کے جائے یہ گھوڑی بیٹے گھوڑی کتنی قیمت کو لاتے ہو۔

دو لکھ گھوڑی دا مل نی بی بی میری اماں دی جائی وے ہاں -

بھائی نے جواب دیا - گھوڑی کی قیمت پورے دو لاکھ ہیں - سوال جواب کے بعد دولہا نہا دھو کر گھوڑی پر سوار ہو گئے اور بہنوں نے پگڑی کا پلو تھام لیا -

نہائے دھوئے ویر گھوڑی چڑھیا تنیں گیاں بہناں -

ترجمہ - نہا دھو کر بھائی گھوڑی پر سوار ہو گئے - اور بہنوں نے پلو تھام لیا -

کہنے لگے :- چھوڑ دو چھوڑ دو میرا آنچل بی بی میری اماں دئے جائے میں گھر سوہرے جاناں -

ترجمہ - عزیز بہن میرا پلو چھوڑ دو میں سسرال جا رہا ہوں -

بہن بولی :- تینوں اماں بٹو دیاں سانیاں تیریاں دور بلائیاں -

مینوں اماں تیریاں -

ترجمہ - تجھے اپنی دلہن کا خیال ہے کہ تیری بلا میں دور ہوں مگر مجھے تیرا خیال ہے -

بھائی کہنے لگا :- اپنے باپ دا تخت بچھاواں کوئی تک دا رج وکھاواں جے گھر بیواں بٹونوں -

ترجمہ - اگر میں اپنی بنوں یعنی بیوی کو گھر لے آؤں تو ابا میاں کو کسی ملک کا نواب بنا دوں اور ماں کو ملکہ بنا دوں۔

اور ساتھ ہی - اپنی بہن دا داج رنگاواں دند کھنڈ چراواں جسے گھر لیاواں بنونوں۔

اور ساتھ ہی اپنی بیوی کو گھر لاکر بہن کا جہیز تیار کروں اُس کے لئے ہاتھی دانت دند کھنڈ کا جوڑا بنواؤں -

بہری بنوں وڈے گوتی سے وادے دی ہوتی نک چمک دا موتی -

ترجمہ - میری بیوی اُونچے گھرانے کی لڑکی بڑے وادے کی پوتی ہے - اور اس کی ناک میں ایک چمکتا ہوا موتی ہے - بیوی کو گھر لے آئیں گے دولہا میاں اور لڑکی کی ماں بہنیں اسے آنسو بہا بہا کر رخصت کریں گی حقیقت میں پنجابی کا رخصتی گیت بہت زیادہ دردناک ہے - میں تو یہ گیت بالکل نہیں سُن سکتی - حساس انسان کے آنسو از خود رواں ہو جاتے ہیں - آنکھیں لال انگارہ ہو جاتی ہیں - اور دل دھک دھک کرنے لگ جاتا ہے - وہ بہنیں جو اس بات کا تجربہ کر چکی ہیں اُس وقت کے تاثرات سے بخوبی واقف ہوں گی کانے داسب گائے جاتی ہیں مگر سننے والے کا کلیجہ شق ہوا جاتا ہے - وہ گیت بھی پڑھیئے -

سٹھ سہیلی بابل درتے کھڑی مینوں نہیں میڈن دا چا میرے بابلا

میں تیری پراہونی ہوئیاں میرے بابلا میں تیری پراہونی ہویاں میرے بابلا

گڈیاں بھرے بابل طاق چھوڑے مینوں نہیں کھیڈن دا چا میرے بابلا - میں تیری پراہونی ہویاں میرے بابلا -

ترجمہ - لڑکی باپ کو مخاطب کر کے کہتی ہے کہ اے باپ میری ساٹھ سہیلی باہر کھڑی میرا انتظار کر رہی ہیں - مگر میرے دل میں اب کھیلنے کا شوق نہیں - میں تمہاری مہمان ہوں - مجھے رخصت کرو - برستی ہوئی آنکھوں سے مجھے رخصت کرو - گڑیوں سے بھرے ہوئے طاقوں پر حسرت سے نظر کرتی ہوئی سسرال جا رہی ہوں ایک گھر خالی کر کے دوسرا آباد کر رہی ہوں - اے میرے باپ میں تمہاری مہمان ہوں مجھے اچھی طرح رخصت کرو -

گلیاں تاں ہویاں بابل بھیڑیاں بینوں آنگن ہو یا پردیس - سُن باپ میرا - میں تیرا پراہونی -

ترجمہ - اپنے گاؤں کی گلیاں اب میرے لئے تنگ و تاریک ہو گئی ہیں - اور اپنے گھر کا صحن میرے لئے پردیس بن گیا ہے - اے میرے باپ میں پردیس جا رہی ہوں - تمہاری مہمان ہوں -

سونا وی دتا بابل روپا وی دتا اک نہ دیتی کنگڑی میری بولے بڑے بول سُن باپ میرے - سونا دی دتا بابل روپا وی دتا موتی دتے ان تول میرے بابلا میں تیری پراہونی ہویاں میرے بابلا میں تیری پراہونی -

ترجمہ - اے میرے عزیز باپ تم نے سونا بھی دیا روپے بھی دیئے - اچھے سے اچھا جہیز دیا ایک کنگھی دینا بھول گئے جس پر میری ساس طعنے دے رہی ہے - میرے عزیز باپ تم نے سونا چاندی اور انمول موتی مجھے بے حساب دئے مگر یہ جہیز میرے کس کام کا میں پردیس جا رہی ہوں - عزیز و اقارب سے دُور اغیار کے ہاں - اے میرے باپ میں تمہاری مہمان ہوں - مجھے دُعائیں دے کر رخصت کرو - جم جم جیون میری آماں دے جائے تیرے رہے میراں ان میرے بابلا میں تیری پرہونی

مطلب - خدا کرے میرے بھائی قیامت تک زندہ رہیں - مگر تیری وجہ سے اس گھر میں میرا زور دعوٰی ہے - میری عزت تیرے ساتھ ہے میرے ابا جان مگر اب تو میں تمہاری مہمان ہوں -

مسز ن - س - حجاب

بیداریِ نسواں

تقریباً دس سال سے ہندوستانی خواتین میں بیداری کا احساس بہت زیادہ ہے۔ یہ چیز ہر طبقہ کی خواتین کے لئے سودمند ہے خواہ وہ امیر ہوں یا غریب تعلیم یافتہ ہوں یا غیر تعلیم یافتہ۔ جن بہنوں کے دلوں میں اس قسم کا احساس پیدا ہو چلا ہے اُن کو یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ دوسری بہنوں میں بھی بیداری کا احساس پیدا ہو جائے۔ تاریخ شاہد ہے کہ راماین اور مہابھارت کے زمانہ میں عورتوں نے مردوں کے کاموں میں مساوی ہاتھ بٹا کر ترقی درجہ پایا ہے۔ مثال کے طور پر سیتا اور دروپدی ہی کو لے لیجئے جنہوں نے جلاوطنی میں بھی اپنے شوہر کا ساتھ نہ چھوڑا تھا۔ اسی طرح زمانہ قدیم میں عرب کی مسلمان عورتوں کو بھی مردوں ہی کی طرح مساوی حق ہوتا تھا۔ جب اسلامی طاقت عروج پر تھی اُس وقت مسلم عورتیں مردوں کی طرح قریب قریب کل باتوں میں مساوی حقوق رکھتی تھیں اور اُن کو پوری آزادی بھی ملی ہوئی تھی۔ مثال کے لئے حضرتؐ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہؓ کی زندگی کا مطالعہ کریں۔ آپ کی پہلی بیوی حضرت خدیجہؓ ۲۵ سال تک آپ کے ساتھ آپ کے کاموں میں حصہ لیتی رہی تھیں۔ ان کی وفات کے بعد دوسری بیوی حضرت عائشہؓ کی فضیلت علمیت شجاعت سے کون انکار کر سکتا ہے۔ پھر خاتون جنت حضرت فاطمہ زہرہؓ نے سیاسی مباحثہ میں شاندار شہرت حاصل کی ہے۔ ان کی صاحبزادی حضرت زینبؓ نے بھی میدان کربلا اور خانگی زندگی میں بہت نام پایا ہے۔

سلطان بیاض اول کے دور حکومت میں عورتیں مسجد اور مدرسوں میں تقریر کرتی تھیں۔ اسی زمانہ کا ذکر ہے کہ لڑکے اور لڑکیاں یکجا تعلیم پاتی تھیں۔ مختصر یہ کہ دورِ حکومت تو درکنار سنہ ۹۲۱ء تک جب تک کہ اسلامی دنیا ترقی پر تھی عورتوں میں بھی بیداری کی لہر دوڑ رہی تھی۔

پھر سنہ ۹۲۱ء کے بعد سے عورتوں کی ترقی میں رکاوٹ پیدا ہونے لگی۔ اس زمانہ میں بڑے لوگوں کی عورتیں کوئی کام خود سے نہیں کرتی تھیں اس لئے دن بدن وہ کاہل ہوتی گئیں۔ اس کے برعکس نیچے طبقہ کی عورتوں کو اس قدر کام کرنا پڑتا تھا کہ گویا وہ جانوروں سے بھی بدتر ہوتی معلوم ہوتی تھیں۔ یہ حالت سنہ ۹۲۱ء کے بعد سے تا غایت ازمنہ وسطیٰ تک تھا۔

ازمنہ وسطیٰ کے آغاز سے عورتوں کی آزادی کا دور پھر شروع ہوتا ہے یعنی سنہ ۹۲۱ء کے قبل اُن کی جو عزت تھی وہی عزت پھر ہونے لگی۔ اس زمانہ میں نائٹ (Knight) قسم کھایا کرتے تھے کہ عورتوں کے ساتھ نامناسب سلوک سے پرہیز کریں گے اور اُن کے ساتھ پاکیزگی اور راستی سے اپنا فرض ادا کریں گے۔ ان قسموں کے علاوہ ہر سپاہی یہ بھی قسم کھایا کرتا تھا کہ اپنی وابستگی اپنی منکوحہ کے ساتھ ہمیشہ قائم رکھوں گا۔ گویا یہ زمانہ عورتوں کے لئے ست جگ کا تھا۔ یہ کہنا بھی بیجا نہ ہوگا کہ جس وقت یورپ کے باشندے جاہل اور وحشی تھے اُس وقت ہندوستانی تہذیب و تمدن میں آگے تھے۔ اس بات کو بھی بھولنا نہیں چاہیئے کہ منو نے دو ہزار سال قبل عورتوں کو ایک اختیار عطا کیا تھا جس کا نام استری دھن تھا۔ اس سے زیادہ وسیع حقوق عورتوں کو یورپ کے کسی ملک نے ابتک نہیں دیا ہے۔

سولہویں اور سترہویں صدی میں ہندوستان میں جو جنگ ہوتی رہی اُس سے طوائف الملوکی پھیلی۔ جس کے سبب سے تعلیمی سلسلہ برباد ہو گیا اور عورتوں کی آزادی چھن گئی۔ اور ان کو چہار دیواری کے اندر بند کر دیا گیا۔

اب پھر عورتوں کی بیداری اُن کی تعلیم پر مبنی ہے۔ جب تک کہ وہ جاہل ہیں وہ تاریکی میں ہیں۔ اب کوشش یہ کرنی چاہیئے کہ وہ جاہل نہ رہیں۔ کیونکہ مردوں کا دارومدار اور اُن کا تمدن اور معاشرت عورتوں ہی کی روشن خیالی پر منحصر ہے۔ شیریڈن جو کہ ایک مشہور ڈراما نویس گذرا ہے اُس کا قول ہے کہ عورتیں ہم پر (مردوں پر) حکومت کرتی ہیں۔ اس لئے اُن کو کامل بنانا ہمارا فرض ہے۔ جتنی زیادہ وہ روشن خیال ہوں گی اتنے ہی زیادہ ہم لوگ (مرد) بھی ہونگے۔ کیونکہ عورتوں کے دماغی ارتقا پر مردوں کی عقل کا انحصار ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ عورتوں کی تعلیم کس طرح اور کن اصول پر ہونا چاہیئے۔ یہ مدنظر رکھنا چاہیئے کہ ہندوستانی عورتوں اور یورپ اور امریکہ کی عورتوں میں بہت فرق ہے اس وجہ سے طریقہ تعلیم بھی ہندوستان میں مختلف ہونا چاہیئے ان تمام باتوں کا خیال رکھتے ہوئے بہتر ہے کہ ان کو ایسی تعلیم دی جائے کہ اُس تعلیم کا تعلق ان کی خانگی زندگی سے وابستہ رہے۔ اور ان میں تین چیزیں ضرور ہوں یعنی خانگی زندگی کا تعلق۔ ماں کی حیثیت۔ اور تحصیل معاش۔ بہتوں کا خیال ہے کہ عورتوں کو اُس کام میں نہیں لگانا چاہیئے جس میں جسمانی محنت زیادہ کرنی پڑے۔ لیکن میرے ناقص خیال میں یہ بات غلط معلوم ہوتی ہے۔ میرا تو یہ خیال ہے کہ عورتیں ہر کام بحسن و خوبی انجام دے سکتی ہیں۔ ہاں البتہ ہر لڑکی کے متعلق شروع سے یہ جاننے کی کوشش کرنی چاہیئے کہ اس میں کن کن چیزوں کی صلاحیت ہے اور کس موضوع سے زیادہ دلچسپی رکھتی ہے۔ اس طرح جس چیز اور جس موضوع کا رجحان زیادہ ہو انہیں چیزوں کی تعلیم دینی چاہیئے۔ لیکن پھر بھی مذکورہ بالا تینوں چیزوں کی وابستگی یعنی خانگی زندگی کا تعلق۔ ماں کی حیثیت اور تحصیل معاش کا تعلق ضرور ہونا چاہیئے۔

شہر بانو

تاروں کی مملکت

شام کا سیاہ سورج کوہسار کی نیلی چادروں کے پیچھے روپوش ہوا ہی تھا کہ ننھے ننھے تارے آسمانی بلندیوں پر اس طرح جگمگانے لگے ... جیسے کسی کمسن اور معصوم حیرت کی آنکھوں میں روشنی کانپ رہی ہو ......

شبِ ماہ کی چاندنی اپنی سیمین کرنوں سے اُنکی روحوں کے پٹ کھول رہی ہے۔ اور عالم بالا کی مقدس پہنائیاں ایک شعلہ جوالا معلوم ہوتی ہیں .... جیسے عروسِ شب کی سیاہ زلفوں پر نور کی افشاں چھڑکی جارہی ہو .... سوز و ساز میں ڈوبی ہوئی دن بھر کی تگ و دو سے ماندہ کائنات پر ایک نشہ سا طاری ہے۔ لیکن نیچے کی مملکت کے مکیں سرگرم کار ہیں ... جیسے برگشتہ قسمت کسی کی سوئی ہوئی تقدیر کا مسئلہ سلجھا رہے ہوں ... نغمہ بدوش رفتار کی تیز تیز تاروں کے مشاغل بڑھا رہی ہے۔ وہ اپنی ننھی ننھی پلکیں جھپکا کر زمین و آسمان کی خدمت اور صوفیانی جوگ بہاتی۔ بل کھاتی سمندری لہروں کی وارفتگی پر متحیر ہیں ... لیکن اس بات سے شاید بے خبر کہ شعریت سے بھرپور نظم کائنات کا سب سے حسین شعر وہ خود ہی ہیں۔

اپنی دُھن میں مست۔ خواب و خیال سے بیگانہ تارے مصروف آنکھ مچولی ہیں۔ نہ معلوم کب صبح کی متجسس آنکھ کی نظر پڑنے سے پیشتر ہی ملکہ شب کے گیسوؤں کی آڑ میں جا چھپیں ....

آنسہ محمودہ رضویہ کراچی

عصمت کی مضمون نگار نسترن شرافت بیگم ادیب فاضل و منشی فاضل، جن کی شادی شفیع احمد ادیب کے ساتھ ۱۸ اپریل ۱۹۶۲ء کو ہوئی۔

یاس

اضطرابِ جاں ہیں یہ ہنگامہ ہائے آرزو — وجہِ بیتابی! تمنا کی مسلسل کاہشیں
باعثِ بیم و ہراس! امید کا جوشِ نمو — جاں ستاں ہیں کس قدر شوقِ نظر کی کاوشیں
خنجرِ امید سے ہر لمحہ ہے خونِ شکیب — سوزشِ پنہاں تمناؤں کی نشتر آفریں
ہر دم و ساعت ہے ایماں شکن کی پُر فریب — باعثِ تخریبِ دل ہے یہ شرابِ احمریں
کائنات دل کی بربادی کا ساماں سربسر — یہ امید و آرزو کا خوابِ رنگین و حسیں
اس کمندِ آرزو میں مثلِ صید ہے مرغِ نظر — ہے سرابِ بے حقیقت اس کا بحرِ نیلیں
اس طلسمِ رنگ و بو میں ہے تو ہی عقدہ کُشا — چہرۂ حسنِ حقیقت سے اٹھاتی ہے نقاب
ہے کلیم آسا شکستِ ساحری تیرا عصا — تو مٹا دیتی ہے آنکھوں سے تجلیِ سراب
عقدہ کریں اس جادۂ پُرخم کی کھولتی ہے تو — تیرِ آوازۂ دل ہے گوشِ شنوا کے لئے
ضبطِ تسکیں اضطرابِ غم کو سکھلاتی ہے تو — رفعتِ کونین ہے تو چشمِ بینا کے لئے
یاس! تو سرمایۂ تسکینِ دل کی ہے امیں — کاہشِ جاں کو ترے دامن میں ملتا ہے سکوں
ہے ترے انفاس میں کیفِ تسلی آفریں — پھونکتی ہے سحر گویا تیری آنکھوں کا فسوں
بحرِ غم، طوفان کی شدت اور ساحل دور تر — کشتیِ امید گردابِ حوادث میں اسیر
اہلِ کشتی بے قرار اور ناخدا مجبور تر — اس یمِ طوفاں آور میں تو ہی ہے دستگیر
شعلۂ غم جب بھڑکتا ہے دلِ بیتاب میں — آگ سی لگتی ہے سینے کی رگوں میں بار بار
جب جلن ہوتی ہے تیرہ دیدۂ خوں ناب میں — چھوٹتا ہے ہاتھ سے جب دامنِ صبر و قرار
دردِ دل ہوتا ہے جب نشتر زنِ ضبط و شکیب — اشکِ خوں پلکوں پہ تھرّاتے ہیں آ کر متصل
جب کہ مٹ جاتا ہے آنکھوں سے تمنا کا فریب — نوبتِ غم سے لُٹ جاتی ہے جب دنیائے دل
جب انیس و رازدانِ غم نہیں ہوتا کوئی — جب محبت سے [illegible] ہے خودی کی کائنات
شدتِ حرماں میں جب محرم نہیں ہوتا کوئی — ڈھونڈتی ہے جب پناہِ موت کا چشمِ حیات
اس دمِ آخر میں بھی آ کر بہ اندازِ کرم — جوڑتی ہے اس شکستہ ساز کے تاروں کو تو
خشک ہو جاتی ہے تیری آستیں میں چشمِ نم — زخم ہائے سینۂ صد چاک کرتی ہے رفو
تیرے دم سے اب بھی قائم ہے نظامِ زندگی — ورنہ ہو جاتی فنا یہ کائناتِ رنگ و بو
تو تنِ بے جاں کو دیتی ہے پیامِ زندگی — بازوؤں پر گرنے والوں کو اٹھا لیتی ہے تو

یاس! تو ہی بادۂ تسکیں کا شیریں جام ہے
تو بقائے جاوداں کا دل نشیں پیغام ہے

رابعہ پنہاں

خانہ داری

(جس میں سنگھار و آرائش بھی شامل ہے)

کامیاب شادی

شادی بجائے خود اچھا لفظ ہے آدمی اسے سُن کے خوش ہوجاتا ہے مگر حقیقت میں یہ ذمہ داریوں کی ابتدا ہے۔ یہ ضرور کہ قسمت نہیں بلکہ تدبیر سے اسے مسرت بخش بنایا جاسکتا ہو۔ اسوقت مسرت پائیدار ہوتی ہو۔ شادی کے بعد گھربار سنبھالنا بیوی کا کام سمجھا جاتا ہو لیکن خانہ داری میں اس قدر مصروفیت مناسب نہیں کہ حُسن وجوانی اس طرح وقت سے پہلے رخصت ہوجائے کہ آپ کو خبر بھی نہ ہو۔ شادی کے بعد خوش رہنے کی جو دعائیں دی جاتی ہیں انکا مطلب یہ ہے کہ گھربار کے ساتھ ساتھ اپنے اُن فرائض کو بھی نہ بھولا جائے جنکی بدولت آپکو تمدن و معاشرت میں نام و نمود حاصل ہوتی ہو۔ آجکل عورتوں کے حقوق کا شور ہے بالخصوص اس وجہ سے کہ اب لڑکیاں مدرسوں میں پڑھتی ہیں۔ انٹرنس ایف اے وغیرہ ہوتی ہیں۔ دعوی کیا جاتا ہے کہ میاں بی بی کا برابر کا ساتھ ہے۔ اسمیں کوئی شبہ نہیں کہ یہ دعوے درست ہیں مگر اس کمبخت دنیا میں عورت کا درجہ مرد سے کم ہے۔ البتہ وہ زمانہ جب آئے گا جس میں ہرطرف [illegible] حریت کے جھنڈے ہونگے اُس وقت ضرور برابر کا ساتھ کامیابی سے عمل پذیر ہوگا۔ آجکل تو اس دعوے کے ساتھ متاہل زندگی شروع کرنا جھگڑوں بھری زندگی کا ساز چھیڑنا ہے۔ آجکل مرد اس خبط میں مبتلا ہے کہ عورت مرد کی تفریح ہے اور اکلوتے بیٹے کا تو کہنا ہی کیا ہے جسے اپنی بہنوں کی زندگی کے مطالعہ کا اتفاق ہی نہیں ہوا۔

روپیہ پیسہ اس زندگی کا ایک خاص مسئلہ ہے۔ ہر مہینہ آمد و خرچ کا ایک موازنہ قائم کیا جائے جس میں میاں بیوی دونوں کی ضروریات ملحوظ رکھی گئی ہوں۔ تکلیف کے وقت کے لئے کچھ رقم پس انداز کرنا فرض سمجھنا چاہیئے۔

دولہن کو چاہیئے کہ وہ اپنے شوہر کو اپنا گرویدہ رکھے۔ وہ اُس کے دل و دماغ کا مطالعہ کرے مثلاً وہ اُسے کسی خاص رنگ کے لباس میں دیکھ کے خوش ہوتا ہے۔ وہ کس چیز کو رغبت سے کھاتا ہے اپنی چیزوں اور گھر کی دیگر اشیا رکھنے کا اُسے کونسا طریقہ پسند ہے وغیرہ۔ اس کی سیرت پر نظر ڈالنا ضروری ہے کیا وہ شادی کو ضروری چیز سمجھتا ہے یا اسے بار جانتا ہے۔ کیا وہ کم ہمت ہے اور وہ اپنے آپ کو ناکارہ سمجھنے کا عادی ہے؟ کیا وہ خاموش زندگی پسند کرتا ہے یا اُسے اپنے گھر میں چہل پہل کا شوق ہے؟ اُسے گانا پسند ہے یا کوئی خاص فن یا کتب بینی؟ کیا اُسے آیندہ زمانے کی کچھ بے چینی رہتی ہے؟ اگر ایسا ہے تو اس کی خلش کو معلوم کرو۔ اگر وہ عصبی مزاج کا ہے اُس پر چوٹیں نہ کرو۔ اُسے ہمدردی کی ضرورت ہے اُسے دوسرے کے سامنے خفیف نہ کرو۔ اگر وہ کم حوصلہ ہے اور اپنے آپ کو حقیر سمجھتا ہے اور اُس نے تمہیں کس قدر ممنون کیا ہے کہ دنیا کی اتنی ساری عورتوں میں سے صرف تمہیں ہی منتخب کیا۔ اگر اُسے دنیا کی پروا نہ ہو تو وجہ معلوم کرو۔ یہ دیکھو کہ اسے کیا کام پسند ہو سکتا ہے۔ اور اس کے حصول میں اس کی مدد کرو۔ آدمی میں حوصلہ ہو اور اس کی بیوی اس پر اعتقاد رکھتی ہو تو وہ پہاڑ ڈھا سکتا ہے۔ اگر وہ گھر میں چہل پہل چاہتا ہے تو تم تھوڑے خرچ سے اس کا انتظام کر سکتی ہو۔ اپنے آدمی کا مطالعہ کرو۔ اُسے سمجھو۔ اُس سے ہمدردی کرو۔ اُس کی رازداری کرو۔ نکتہ چینی کر کے اُس کی پریشانیوں میں اور اضافہ نہ کرو۔ اُسے اوروں اور خود اس کی نظروں میں بھی ہلکا نہ کرو۔ اگر تم کامیاب زندگی بسر کرنا چاہتی ہو ان تمام باتوں پر غور کرو۔

آنکھوں والی ہر وقت زرد رنگ لگائیں۔ رات کے سنگھار میں پوڈروں کو ایک جان کرنے والا آلہ make up blender ضروری ہے کیونکہ اس سے تہموار حاصل ہوتی ہے۔ سنگھار کیلئے بالوں پر چمک و خوشبو کیلئے Brilliantine کی پھوار ضروری چیز ہے۔ روشنی میں اس سے بالوں میں جگمگاہٹ آجاتی ہے۔ کپڑوں وغیرہ میں ہلکی خوشبو بھی لگانے سے رونق آجاتی ہے۔ مگر یاد رہے زیادہ کبھی نہ لگائیں۔

سنگھاری ہدایات

(۱) بالوں کو ہمیشہ تازہ دم اور دل خوش کن خوشبودار رکھیں۔ باقاعدہ انہیں صابن سے دھوئیں اور کھوپری پر پوروں سے دائرے کی صورت میں مالش کریں تاکہ غدود وتمنا اٹھیں اور اپنا کام کرنے لگیں۔ مضبوط برش بالوں میں پھیریں۔ سفید ملائم مل سے یوڈی کولون eau de cologne کے چند قطرے سر میں ملیں۔ برش اوپر کو باہر کی طرف پھیریں (۲) سنگھار کو محض حسن کی امداد سمجھ کے اختیار کریں۔ بنیادی کریم اور جلدی غذا احتیاط سے منتخب کریں۔ اور کازمیٹنگ بھی معتبر استعمال کریں۔ پوڈر لگانے سے پہلے چہرے کو بالکل صاف رکھیں تاکہ جلد کو نقصان نہ پہنچے۔ روژ صفائی سے لگائیں تاکہ لکیریں نہ معلوم ہوں۔ رنگ کی موزونیت کا غائر مطالعہ کرکے پوڈر وغیرہ کا رنگ پسند کریں۔ یہ چیزیں زیادہ نہ لگائیں (۳) آنکھیں دنیا کی کھڑکی ہیں اور نہایت قیمتی چیز اور غضب کا ہتھیار ہیں۔ مناسب نیند اور غذا کا انتظام کریں اور ایک طرف سے دوسری طرف اور دائرہ میں پتلیوں کو پھرا کے ورزش کرتے رہیں۔ آنکھوں میں سرمہ لگا کے سونے کی عادت ڈالیں۔ دن میں کئی مرتبہ صاف خوشگوار پانی یا لوشن سے انہیں دھوتے رہیں۔ دھوپ کے وقت رنگین عینک لگائیں تاکہ زرد پڑ کے آنکھیں خراب نہوں (۴) ہاتھوں کی بھی احتیاط رکھیں۔ ناخنوں پر پیٹرولیم جیلی Petrolium jelly اور لائم روزواٹر Lime rose water لگا کے ہاتھوں کو ٹھنڈا اور نرم رکھیں (۵) سیدھی چال چلیں۔ سر اٹھا ہوا اور کندھے پیچھے کو رکھیں تاکہ سانس پورا اور گہرا آئے۔ چال بلا ٹھوکر اور جھجک کے جاری رکھی جائے۔ خوبصورتی سے بیٹھنا سیکھیں۔ معمولی ایڑی کی جوتیاں پہنیں۔ ہر حرکت میں ایک قسم کی دلکشی پیدا کریں۔

خانگی ٹوٹکے

ربڑ کی بوتلیں اگر رکھے رہنے سے سخت ہوجائیں تو انہیں گرم پانی میں ڈبو دینے سے ٹھیک ہوجاتی ہیں۔ پہلے بوتل میں گرم گرم چند منٹ کے لئے ڈال کے پھر گرم پانی میں آدھ گھنٹے کے لئے ڈبو دیں۔ پانی کھولتا ہوا نہ ہو۔ دو تہائی سے زیادہ بوتل میں گرم پانی نہ بھرا کریں اور پانی بھی گرم ہو کھولتا ہوا نہ ہو۔

ہاتھ خشک اور ناخن کھردرے رہتے ہوں تو صابن اور گرم پانی میں ڈبوئیں اور دھوکے اچھی طرح سکھا لیں۔ پھر پوروں کو گرم سلاد آئل salad oil میں ڈبوئیں اور ایک روئی کی پھریری کے اسی تیل میں ڈبوئیں اور اس سے ناخن کی جڑوں کے گوشت کو اندر کی طرف دبائیں اور اسی تیل کو ناخنوں پر ملیں۔ زائد تیل پونچھ ڈالیں۔ پھر ٹیلکم پوڈر Telcum powder چھڑک دیں۔ رات کے وقت ناخنوں پر سے وارنش بالکل صاف کردیا کریں ورنہ وہ بالکل خشک ہوکے ترخنے لگیں گے۔

گرمی میں لکڑی کا سامان ترخنے نہیں پاتا اگر کپڑا السی کے تیل linseed oil میں بھگو کے لکڑی پر پھیر دیا جائے۔

محمد ظفر

سیر بین

کامیاب شادی

ڈیڑھ ہزار میاں بیویوں کے حالات کی چھان بین کرنے کے بعد مندرجہ ذیل معلومات حاصل ہوئیں۔

نکمی بیوی	نکما شوہر
۱۔ مین میخ نکالنا۔	۱۔ خود غرض اور بے پروا۔
۲۔ محبت نہ کرنا۔	۲۔ غیر صادق۔
۳۔ خود غرض اور بے پروا۔	۳۔ گلہ شکوہ۔
۴۔ پھوہڑ پن کی صورت شکل۔	۴۔ اظہار محبت ندارد۔
۵۔ آسانی سے جذبات مجروح۔	۵۔ بچوں پر سختی۔
۶۔ شوہر پر اعتراضات۔	۶۔ بیوی پر اعتراضات۔
۷۔ خراب خانہ داری	۷۔ گھر یا بچوں سے دلچسپی ندارد۔

شادی کو کامیاب بنانا ایک بڑا اہم فرض ہے۔ شادی کرنے سے پہلے خوب غور و خوض کی ضرورت ہے۔ تاکہ شکست و ریخت کی صورت پیش نہ آئے۔

بڑوں کے اوہام

توہمات ہر جگہ ہر قوم کے آدمیوں میں جاری ہیں۔ بڑے بڑے موسیقی دانوں مصنفوں مدبروں اور سپہ سالاروں میں وہم پرستی دیکھی گئی ہے۔ ڈاکٹر جانسن کسی جگہ جاتا ہوا سیڑھیوں کو گنتا جاتا تھا تاکہ داہنا قدم پہلے پڑے۔ کسی خاص راستہ میں جس قدر راستہ کے ناموں کی تختیاں ہوتیں ان کو چھوتا جاتا۔ اس کو وہم تھا کہ اگر کوئی چھوٹنے سے رہ گیا تو کوئی بڑی سخت مصیبت نازل ہوگی۔ ربن شٹین مشہور پیانو نواز پیر یا جمعہ کو کبھی سفر نہ کرتا۔ چوپن اور شیپیے کو وہم تھا کہ ان کو روحیں نظر آتی ہیں۔ بسمارک ۱۳ کے ہندسے سے ڈرتا تھا۔ نپولین شگونوں کا بڑا قائل تھا۔ میری انٹوئنیٹ ملکہ فرانس اپنی زندگی کے ایک اتفاق سے بے حد گھبرا گئی اور سخت وہم میں مبتلا ہو گئی۔ ورسائی کے محل میں ایک آئینہ کچھ اس قسم کا بنا ہوا تھا کہ اس میں آدمی کا صرف دھڑ نظر آتا تھا۔ ملکہ نے اس میں نظر ڈالی تو اسے اپنا بے سر کا دھڑ نظر آیا۔ اسے اس قدر وحشت ہوئی کہ وہ بے ہوش ہو گئی اور سنبھل نہ سکی۔ اسے اپنی موت کا یقین ہو گیا۔ اس وہم کا نتیجہ نکلا۔ انقلاب فرانس میں اس کا سر اُڑا دیا گیا۔

چالیس سال کے بعد

۱۔ آہستگی پیدا کرو لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ بیزار زندگی، کام کاج بالحیثیت چھوڑ دو۔

۲۔ خاص قابلیت کے لوگ ایک خاص طریقے پر زندگی بسر کرنے لگتے ہیں اس [illegible]

۳۔ جس کام کو بار بار کیا جائے اس کا لطف جاتا رہتا ہے اس کے لئے نیا جوش پیدا کرتے رہو۔

۴۔ ان خاص عادات جو تمدن و مجلس سے تعلق رکھتی ہیں اور جنہیں بھلا دینے کا باعث ہیں ترک کر دو۔

(۵) اپنے پٹھوں کو کم استعمال کرو۔ اس کی بجائے عمر کی حاصل کی ہوئی دانائی کو زیادہ استعمال کرو۔

(۶) آیندہ زمانہ کا پہلے سے سوچ بچار کر لو۔ بڑی عمر میں کام نہ کرنا خطرناک ثابت ہوجاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ پنشن لینے کے بعد جلد مرجاتے ہیں۔ کاروبار سے دامن کش ہونے سے پہلے اپنی مصروفیت کا انتخاب کر لینا چاہیئے۔

(۷) ہنگامی واقعات سے دلچسپی قائم رکھو۔ معلومات کو تازہ بتازہ رکھا کرو تاکہ طبیعت میں ولولہ حس اور چوکنا پن قائم رہے۔

بال بال بچنا

بعض اوقات لوگوں کو حادثے پیش آتے ہیں مگر نتیجہ یقیناً موت ہونے کے باوجود وہ بال بال بچ جاتے ہیں۔ میری ایک عزیز لڑکی رات کے وقت دومنزلہ پر سے نیند کی حالت میں گری اُس منزل کی آڑ اس کے ساتھ ساتھ وحشت ناک آواز کے ساتھ دوسری منزلوں سے ٹکراتی ہوئی لڑکی کے ساتھ ساتھ نیچے فرش پر نیچے آئی۔ سب گھبرا کے کانپتے ہوئے جاگے۔ لڑکی زندہ پائی گئی۔ کوئی شکایت نہیں ہوئی۔ لاہور میں اسی طرح ایک چھوٹی سی بچی سب سے اُوپر کی منزل سے گری۔ سب سے نیچے کی منزل میں دکان کے آگے بانسوں پر دھوپ روکنے کے لئے ٹاٹ لگا ہوا تھا۔ وہ بچی اس میں اس طرح آکر گری جس طرح سرکس میں اتفاق سے تمبو کی چوٹی سے کوئی کھلاڑی قلا کرتا ہوا آدمیوں کے ہاتھوں میں نیچے تنی ہوئی دری میں آپڑتا ہے۔ بچی کو ذرا بھی خراش نہ آئی۔

سنہ ۱۷۴۰ء میں لندن میں ایک شخص کو پھانسی دی گئی۔ بعد میں اس کی لاش رسی سے کاٹ کے اسی طرح کے دوسرے پھانسی یافتہ ملزموں کی لاشوں کے پاس رکھدی گئی۔ لندن کی کارپوریشن نے ایک لاش حاصل کرنیکی ہدایت کر رکھی تھی کہ ایک خاص عمل کے لئے اُس کی چیر پھاڑ ڈاکٹر کرسکیں۔ چنانچہ اتفاق سے اس شخص کی لاش خریدی گئی۔ اسے ہسپتال پہنچا دیا گیا وہاں لاش چیر پھاڑ کے لئے میز پر لٹا دی گئی۔ ڈاکٹر چاروں طرف جمع ہوگئے۔ بڑا ڈاکٹر آیا اور اُس نے پہلو میں شگاف دیا۔ وہ دوسرا شگاف دینے والا تھا کہ وہ ایک دم گھبرا کے پیچھے کو بھاگ پڑا۔ لاش اُٹھ کے بیٹھ گئی تھی اور زور زور سے چلا رہی تھی۔ نہ چیر ہے نہ چیر نیے۔ اب سوال ہوا اس زندہ لاش کا کیا کیا جائے۔ وہ سزا یافتہ تھا جان باقی رہ گئی۔ سزا پوری کئے جانے کے لئے اُسے واپس کیا جائے یا نہیں۔ قرار پایا کہ انصاف یہ ہے کہ قانون اپنا عمل کر چکا گو وہ عمل ناکام رہا۔ اس ناکامی کا اس شخص کو فائدہ ملنا چاہیئے۔ چنانچہ اُس کی مرہم پٹی کی گئی اور اُس کے لئے چندہ کیا گیا اور اسے گاڑی میں بھیجا گیا تاکہ وہ اچھی زندگی بسر کرنے کی کوشش کرے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ وہ کامیاب ہوا اور بڑا مالدار سوداگر ہوگیا۔ وہاں سے اس نے لندن کے اس جراحی کے دفتر کے لئے ایک بہت بیش قیمت تحفہ بھیجا جواب تک موجود ہے۔

سنہ ۱۹۳۶ء میں کیوبک میں ایک شخص گرجا سے گھر موٹر میں آرہا تھا کہ موٹر کی گھوڑا گاڑی سے ٹکر ہوگئی گاڑی کے بم کے ٹکڑے ہوگئے اور ایک اُس کے منہ میں سے گھس کے سر سے باہر نکل آیا اور کھڑکی میں جا گرا۔ خوش قسمتی سے خون کی رگ سلامت رہی ورنہ موت اُسی وقت واقع ہوجاتی۔ ڈاکٹر بلائے گئے وہ مایوس ہوگئے۔ انہوں نے لکڑی اس کے منہ سے نکالنے کی تجویز کی لیکن پادری نے روکا کہ اس طرح وہ ضرور مر جائیگا۔ چنانچہ منہ اور سر کے باہر لکڑی چیر دی گئی۔ وہاں سے اسے موٹر میں شفاخانہ لے گئے۔ گو اس کی حالت نازک سمجھی گئی مگر جراحی کر کے لکڑی اُس کے منہ میں سے نکال لی گئی۔ چونکہ وہ مضبوط آدمی تھا اور ڈاکٹروں نے محنت بھی سخت کی سات ہفتہ بعد وہ شفاخانہ سے چلا آیا اور زندہ ہے۔

ایک خوش قسمت خبر منیج میکسیکو میں سمندر میں اسپنج کا شکار کرتا تھا۔ اُس کے رفیقوں نے کشتی میں سے کسی وقت دیکھا کہ اُس کے

پیچھے ایک شارک مچھلی اُس پر جھپٹی۔ غوطہ خور اپنے فن کا ماہر تھا اس لئے سب کو ایسے قابل آدمی کے مارے جانے کا فکر ہوگیا۔ اُنہوں نے دیکھا کہ وہ اُس بوجھ دار زنجیر کو جس کے بل پر وہ پانی میں اُترا اپنے بائیں ہاتھ میں لے کے سینہ تان کے شارک کی طرف بڑھا۔ شارک کے منہ میں وہ وزن چلا گیا۔ بعد کو وہ غوطہ خور چلایا۔ چند ہی سکنڈ میں شارک نے اُسے اگل دیا۔ رفیقوں نے فوراً اُسے اوپر گھسیٹ لیا۔ وہ بوجھ بدستور اُس کے بائیں ہاتھ میں تھا۔ جب اُس کے حواس درست ہوئے اُس نے بتایا کہ محض اس بوجھ کی وجہ سے بچ گیا۔ اسے میں نے اس کے گلے میں ٹھونس دیا جس کی وجہ سے شارک نے گھبرا کر اُسے اگل دیا۔

عورت کے دو نقطۂ نظر

مجھے مردوں پر رشک آتا ہے کیونکہ (۱) گو عام طور پر فرض کر لیا گیا ہے کہ عورت کی زبان زیادہ چلتی ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ مردوں نے اپنے مفاد کی وسعت، بہتر طریق استدلال اور زیادہ معلومات کی وجہ سے جو زیادہ تحقیقات اور تجسس کا نتیجہ ہیں گفتگو میں زیادہ حاذق ثابت ہوئے ہیں عورت ہزار ذہین اور بات چیت میں دلفریب ہو مگر مردوں کی گفتگو زیادہ دلچسپ اور ولولہ انگیز ہوتی ہے۔ کوئی مضمون مرد کو دیدیجئے ایسا شاذ ہی ہوگا کہ وہ اس کے کسی پہلو پر پُر لطف گفتگو نہ کر سکے۔ وہی مضمون عورت کو دیجئے۔ اس صورت کو تو جانے دیجئے کہ اس میں اس نے کوئی خصوصیت حاصل کی ہو بالعموم وہ دو لفظوں میں ہی اس کا خون کر دے گی اور اگر زیادہ ہمت کی تو دو منٹ میں سکافتہ ہو جائے گا۔ (۲) مرد کنوارا نہیں رہتا۔ اگر رہتا ہو تو یہ محض اس کی خواہش کی وجہ سے کوشش وہ دن آئے کہ عورت کنواری ہو تو بخود اس کی مرضی سے ہو۔ واقعات کی مجبوری سے وہ کنواری نہ رہ گئی ہو۔ (۳) مرد عورتوں کے مقابلہ میں وفاداری اور اصلی رفاقت کے جذبے زیادہ پاس ہوتے ہیں۔ دو لڑکے یار دو گہرے دوست ہو جائیں ہمیشہ دوست رہیں گے ان کی ملاقاتوں کے درمیان کتنی ہی مدت کیوں نہ پڑے اور ان کے مقام کتنے ہی فاصلہ پر کیوں نہ ہو گئے ہوں جب وہ ملیں گے وہی پہلی سی محبت اور جوش دوستداری نمایاں اپنا موجود ہوگی۔ عورتوں کو یہ بات میسر نہیں۔ اُن کے مزاج میں فوقیت اور غلبہ کا اس قدر زور ہوتا ہو کہ وہ اچھی دوست نہیں بن سکتیں۔ وہ اپنی سہیلی کی ہر قسم کی جیبی پر نکتہ چینی کی نظر ڈالیں گی۔ زمانہ زیادہ گذرے تو عورت اپنی قلبی سہیلی تک سے دور جا پڑے گی۔ جب بیگانگی اجنبیت ہوگی۔ اور دل ہی دل میں ایک دوسرے کی عیب چینی کرے گی۔ محض اس لئے کہ کبھی وہ ایک دوسرے کی دلدادہ نہیں رہیں۔ (۴) مرد آرام و تکلیف ہر حالت میں اپنی زندگی گذارنے کا سامان کر سکتا ہے۔ مرد عورت کے مقابلہ میں اس کو بہت زیادہ دلکشی اور تنفس سے نباہ سکتا ہے۔ وہ اپنے ہم جنسوں کے تعلق دیانتداری اور نیکی کے راستہ سے ٹھیک کئے جلد زیادہ فراخ حوصلگی اور ہمت سے کام لے سکتا ہے۔ عورت ذرا ذرا سی بات کے بعد کینے پر اُتر آتی ہے۔ مرد سمجھتا ہے کہ انسان حرص و آز کے مقابلہ میں کمزور ہے اسی لئے مرد اچھا منصف اور ہمدردی کا مجسمہ ثابت ہوتا ہے۔ (۵) مرد اپنے پیش نظر معاملہ پر خواہ وہ کام ہو یا کھیل محبت ہو یا تفریح دیگر دلچسپیوں کو ایک طرف کر کے گویا اس وقت ان کا کوئی وجود ہی نہیں زیادہ خود غرض اور انہماک کی قابلیت رکھتا ہے۔ مرد میں یہ خوبی سب سے بہتر ہے۔ عورتیں صرف جذبات پر زندگی بسر کرتی ہیں۔ وہ اس خوبی کو اختیار کرنے کی کوشش کریں۔ عورت کے محسوسات اس کے کام میں ظاہر ہو جاتے ہیں۔ مرد اپنے موجودہ انہماک میں اپنے غصہ درد دل اور نفرت کو بالکل فراموش کر دیتا ہے۔

مگر مجھے اپنے عورت ہونے پر خوشی ہے کیونکہ (۱) عورت ذرا سی چیز سے بہت کچھ بنا سکتی ہے۔ عورت کو چھوٹے سے چھوٹا کمرہ دیدیجئے وہ اسے گھر بنا کے دکھا دے گی۔ مرد کو محل دے دیجئے اور اس کے ساتھ سارا ساز و سامان۔ مگر وہ محل چار دیواری اور چھتوں کا ایک بے جان ڈھانچہ بن کے رہ جائیگا۔ مرد ہو یا لڑکی ہو یا لڑکا دونوں اپنی اپنی جگہ سنوارنے اور اچھی نظر

آنے کی عملی جد وجہد میں نظر آئیں گی (۳) گو عورت تمام مردانہ مشاغل میں دخل حاصل کر چکی ہے مگر اُس میں مرد کی سی آرزوئیں اور حرص پیدا نہیں ہوئی اسی لئے مرد کی طرح بے رحم نہیں پائی جاتی۔ وہ مرد سے زیادہ جانتی ہے کہ تکمیل آرزو یا حصول زر ضعیفی اور دیر پا مسرت کا باعث نہیں۔ مرد روپیہ کو پوجتا ہے۔ عورت اس کی پرستار ہے کہ اس سے کیا کچھ خریدا جا سکتا ہے اور اس سے کیا حاصل ہو سکتا ہے (۴) عورت میں اخلاقی جرأت و استقلال زیادہ ہے۔ مصیبتوں میں بھی راحت کے پہلو کی جستجو کرتی ہے۔ مرد اپنی مصائب شراب نوشی یا کسی دیگر بیہودگی میں غرق کرنے کی کوشش کرتا ہے (۵) مردوں کی سی تمکنت و تفاخر اور سخت گھمنڈ نہ ہونے کی وجہ سے عورت اپنی موجودہ حالت کو بہتر بنانے کیلئے کوشاں رہتی ہے۔ وہ یہ نہیں سمجھتی کہ قدرت نے اُسے سب کچھ دے دیا ہے۔ اسی لئے وہ سنگھار کر کے زیادہ دلکش نظر آنے کی کوشش کرتی ہے۔ اور مرد اس بات سے اس لئے جلتا ہے کہ اس کی زینت دوسرے مردوں کو اُس کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ (۶) عورتوں پر زیادہ بار زندگی نہیں کیونکہ مرد یہ سمجھے بیٹھا ہے کہ وہ عورت کا حفاظت کرنے والا ہے اس لئے بیچاری کو اس نظریہ کی وجہ سے ایک قسم کا چھٹکارہ حاصل ہو اس سے زندگی کا لطف حاصل کرنیکا زیادہ موقع نصیب رہتا ہے (۷) سب سے بڑی بات یہ کہ عورت کو بچہ کی ماں بننے اور اس کی پرورش کر کے اسے قوم کا نامور فرد بنانیکا مقدس فرض دیا گیا ہے۔ یہ کتنا بڑا کام ہے اور عورت کس خوش اسلوبی سے انجام دیتی ہے۔ کتنا پیارا کام ہے۔ بچوں کے پیچھے پیچھے دیکھ بھال میں رہتی ہے۔ اس کا دل اُن کے دل سے باتیں کرتا ہے۔ تکلیف میں آرام و تشفی دیتی ہے۔ اسکے برعکس مرد بچوں کو بگاڑ دیتا ہے۔ یہ کتنی بڑی بات ہے کہ عورت اُس مرد کے جس کی وہ عزت کرتی ہے اور جس سے اُسے محبت ہے بچہ کی ماں بن کے اُس کا نام چلاتی ہے۔

مرد غور کرے تو عورت کا یہی ایک کام اُسے بہت بلند پایہ پر پہنچا دیتا ہے۔ اور ہمارے سر اُس کے سامنے جھکنے چاہئیں۔

دُلہن کی خرید و فروخت

سربیہ یگوسلاویہ بننے سے پہلے چھوٹی سی ریاست تھی۔ اب اس لڑائی میں وہ پھر اپنی اصلی حالت پر کردی گئی ہے اور جو حصے دوسرے ملکوں سے لیکے اسے دئے گئے تھے اُن ملکوں کو واپس دئے جا رہے ہیں۔ یہاں شادی کا عجیب رواج ہے ایک بچولئے کی مدد سے لڑکی کے ماں باپ سے بات کیجاتی ہے۔ دولہا کو رات کے وقت نہایت خفیہ دولہن کے گھر لاتا ہے وہ اسے دیکھتا ہے۔ اگر پسند نہیں آتی تو معاملہ ختم ہو جاتا ہے اور کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی۔ اگر پسند آجائے تو لڑکی نئے گھر میں جا کے کام کرے گی اور وہ خود محروم ہو جائیگا جس کی تلافی قیمت سے ہونی چاہیئے۔ آخر دام ٹھہر جاتے ہیں۔ ایک حصہ اُس وقت دیدیا جاتا ہے اور باقی پھر دیا جاتا ہے۔ اگر دولہا نہ دے سکے تو لڑکی کسی اور کے ہاتھ بیچ دی جاتی ہے۔ اور ادا شدہ رقم ضبط ہو جاتی ہے۔ قیمت خوبصورتی اور صحت کے لحاظ سے مقرر کیجاتی ہے۔

پھلجھڑیاں

انگوٹھے کے بغیر ہاتھ بیکار ہے۔ اسی لئے نیافہ دانوں نے اسے بڑی اہمیت دے رکھی ہے۔ انگوٹھا بڑا ہو تو یہ ذہن رسا قوت فیصلہ اور عزم و استقلال کا نشان ہے۔ چھوٹا ہو تو کام کرنے کے بعد خیال آتا ہے۔ ایسا آدمی دل کا غلام ہوتا ہے۔ دماغ کو تھوڑا دخل حاصل ہوتا ہے۔ کامیاب کاروباری آدمیوں سائنس دانوں، وزار استعمال کرنے والوں وغیرہ کے انگوٹھے بڑے ہوتے ہیں اور شاعروں اور گویوں کے چھوٹے۔

انگلستان میں سب سے زیادہ لمبی عمر کے دو میاں بی بی ہیں۔ میاں ۱۰۰ سال کا ہے اور بیوی ۹۶ کی۔ جنگ کی وجہ سے انہوں نے سالگرہ منانی بند کر دی ہے۔ چودہ بچوں میں سے نو ابھی زندہ ہیں۔ پوتے پوتیوں اور پڑپوتے پڑپوتیوں کی گنتی انہیں یاد نہیں رہتی۔ اپنی درازیٔ عمر کا راز وہ سخت محنت اور سادہ زندگی بتاتے ہیں۔

بارہ ۱۲ روپے کا برقعہ پانچ روپے میں
شہرت حاصل کرنے کیلئے رعایتی اعلان
ریشمی برقعہ قیمت پانچ روپے
ریشمی کپڑے کا جدید فیشن کے مطابق اسلامی برقعہ، آنکھوں کی جالی بیحد حسین اور نہایت صاف اور خوبصورت پورا برقعہ پردہ کا پورا محافظ۔ نئے فیشن کا پورا برقعہ دو حصوں میں ہوتا ہے۔ ایک حصہ سر سے کمر تک، دوسرا حصہ کمر سے پیروں تک۔ اس قسم کے برقعے ہم نے رنگین ریشمی کپڑوں کے تیار کرائے ہیں جن کی بناوٹ اور دیدہ زیبی کیوجہ سے عصمتی بہنیں اس کو بیحد پسند کرتی ہیں۔ سر کی ٹوپی کی چنٹ کاری میں بڑی کاریگری ہے جس سے برقعہ نہایت شاندار اور قیمتی معلوم ہوتا ہے۔ یہ برقعہ پوری طرح جسم کو ڈھک دیتا ہے۔ رفتار کے وقت ہاتھوں کی حرکت اور چال سے بے پردگی کا خوف نہیں رہتا۔ کپڑے کی مضبوطی اور وضع کی خوشنمائی نے مسلم خواتین کو یہ برقعے استعمال کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ آپ بھی ایک برقعہ اپنے لئے طلب فرما کر اس کی بناوٹ اور سلائی کی داد دیں۔ قیمت فی برقعہ پانچ روپے۔ بذریعہ وی پی پارسل منگا لیجئے۔ محصول پارسل کیا ہوگا لگے گا۔ اگر مندرجہ بالا برقعہ منگانا ہو تو ایک خط
منیجر کامیاب بکڈپو ۳۴ دہلی
کو لکھ دیں۔ آپ کا آرڈر آنے پر ہم آپ کو یہ برقعہ بذریعہ پارسل بھیجدیں گے۔ آپکا پوسٹ مین آپ کو یہ برقعہ دیدے گا۔ آپ اس کو قیمت دے دیں۔ خط میں اپنے سر کی گولائی کا ناپ، کمر کی گولائی کا ناپ اور کمر سے پیروں تک ناپ بھی بھیجدیں۔ جس رنگ کا منگانا ہو وہ رنگ لکھ دیں۔
نوٹ:۔ ناپسند ہونے پر قیمت واپس کر دی جائے گی۔

بچہ ہونے کی دوا
جس عورت کو اولاد نہ ہوتی ہو
نئے زمانہ کی سائینس نے جہاں اور بہت سے کرشمے دکھلائے ہیں۔ وہاں یہ بات معلوم کرکے بھی ہماری ہندوستانی بہنوں کو بیحد خوشی ہوگی کہ اب نئے زمانہ کی سائینس کی بدولت بے اولادی کے صدمے عورتوں کو برداشت کرنے نہیں پڑیں گے یعنی اگر کسی بہن کی شادی کو عرصہ گذر گیا ہو اور کسی سبب سے اولاد نہ ہوتی ہو تو اب اولاد ہو سکے گی۔
سائینس کے اصولوں پر تیار کی ہوئی دوا "محافظ اولاد" کا گذشتہ بارہ سال سے نہایت کامیاب تجربہ ہو رہا ہے۔ بعض عورتوں کی شادیوں کو پچیس اور تیس سال گذر چکے تھے مگر اس عجیب و غریب دوا یعنی محافظ اولاد نے ان مایوس عورتوں کو بھی صاحب اولاد بنا دیا۔ اس حیرت انگیز اور قابل فخر دوا کی ایجاد کا سہرا دہلی کے مشہور و معروف زنانہ دواخانہ کے سر ہے۔ اور اُمید ہے کہ عنقریب کسی بین الاقوامی مقابلہ میں اس دوا کو رکھ کر ساری دُنیا کو ثابت کیا جائیگا کہ اس مقصد کے واسطے "محافظ اولاد" دوا کتنی حیرت خیز چیز ہے۔
دوا "محافظ اولاد" ہدایات کے مطابق مسلسل سات روز تک استعمال ہوتی ہے (جس کی مفصل ہدایات دوا کے ساتھ ہوتی ہیں) اور اس کے بعد "اُمید" ہو جاتی ہے۔ اور آئندہ سال ایک جیتا جاگتا کھلونا مایوس ماں کی گود میں ہوگا۔
یہ وہ شاندار تجربہ ہے جو سالہا سال سے ہندوستانی اطبا اور ڈاکٹروں کو حیران کر رہا ہے۔ اور ہر شخص محافظ اولاد دوا کے اس حیرت انگیز اثر کو دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔ زنانہ دواخانہ دہلی کے ریکارڈ میں اس عجیب و غریب دوا کے متعلق لاتعداد سارٹیفکٹ موجود ہیں۔ لہٰذا اعلان کیا جاتا ہے کہ عصمتی بہنوں میں سے اگر کوئی بہن اولاد سے محروم ہوں تو انہیں چاہیئے کہ وہ
لیڈی ڈاکٹر زنانہ دواخانہ ۲۴ دہلی
کے پتہ پر ایک خط لکھ کر دوا "محافظ اولاد" کی ایک شیشی بذریعہ وی۔ پی پارسل منگالیں۔ اور ہدایات کے مطابق اس دوا کا استعمال کریں۔ اولاد ہونے لگے گی۔ ایک شیشی میں ایک عورت کے لئے پوری سات خوراک دوا ہوتی ہے۔ ایک شیشی کی قیمت دو روپے آٹھ آنے ہے اور پارسل پر سات آنے خرچ ہوں گے۔
ٹیلی فون نمبر

بزم عصمت

بزم عصمت میں صرف وہی خطوط درج کئے جاتے ہیں جن میں نمبر خریداری کا حوالہ ہو (۲) خط بہت مختصر ہو (۳) وہی استفسار نہ ہو جس کے جوابات عصمت میں پہلے بھی شائع ہو چکے ہیں (۴) رسالہ کے انتظامی امور یا مضامین کے بارے میں کوئی بات نہ ہو (۵) علیحدہ کاغذ پر روشن سیاہی سے لکھا ہوا ہو۔

ایڈیٹر

عصمتی بہنوں کو یہ معلوم ہو کر مسرت ہو گی کہ عصمت کی پرانی مضمون نگار محترمہ شرافت بیگم صاحبہ منشی فاضل ادیب فاضل کا عقد ۱۰ مئی کو شفیع سرور صاحب ایم ایس سی آنرس سے ہوا۔ اس خوشی میں چار روپیہ کی حقیر رقم نادار فنڈ کے لئے ارسال ہے۔ اس شادی میں کوئی فضول رسم ادا نہیں کی گئی عصمتی بہنیں دعا کریں یہ شادی دولہا دولہن کو مبارک ہو۔ سرفراز بیگم بنت محمد سعید خاں

میں نہایت مسرت سے اطلاع دیتی ہوں کہ میری بھانجی مس بلقیس احمد حسن نے جو اکثر ریڈیو پر تقریریں کر چکی ہیں لکھنؤ یونیورسٹی سے ایم اے کی ڈگری حاصل کی اور ساتھ ہی نفسیات کی سب سے بڑی ڈگری ای پی ایس سی بھی حاصل کی جو ہندوستان کے طبقہ نسواں میں پہلی مثال ہے۔ عزیزہ اعلیٰ مغربی تعلیم کے ساتھ بہترین مشرقی خصوصیات کی حامل ہے نماز روزے کی بچپن ہی سے پابند ہے۔ میں اپنی نند صاحبہ کو بچی کی کامیابی اور اس کی خوبیوں پر دلی مبارکباد دیتی ہوں۔ قمر النساء بیگم۔ بھوپال

میرا چھوٹا بھائی سخت بیمار ہو گیا تھا خدا کا شکر ہے کہ وہ اب صحتیاب ہو گیا ہے اس کی خوشی میں تین روپیہ کی حقیر رقم برائے نادار فنڈ ارسال ہے۔

رئیس جہاں بیگم بنت محسن علی خاں نیمچہا

عصمتی بہنوں کو یہ معلوم کر کے بہت افسوس ہو گا کہ عصمت کے مشہور نامہ نگار سید رضا احمد صاحب جعفری اکبرآبادی کے والد ماجد سید مصطفیٰ جعفری صاحب کا انتقال ۱۰ مئی کو ہو گیا وہ دو تین سال سے بعارضہ فالج مبتلا تھے۔ خداوند کریم ان کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور میرے چچا کو جن کے دل پر اس صدمے سے بہت گہرا اثر پڑا ہے صبر جمیل عطا فرمائے عصمتی بہنوں اور خالاؤں سے التماس ہے کہ قرآن مجید کا ایک ایک پارہ پڑھ کر اس کا ثواب میرے دادا صاحب مرحوم کو بخش دیں۔ ممنون ہوں گی۔ سمانہ خاتون۔ آگرہ

میری عزیز بھاوج شمشاد بیگم صاحبہ جو کئی سال سے رسالہ عصمت کی خریدار تھیں ۲۵ سال کی عمر میں دو بچے چھوڑ کر ۴ جون بروز جمعرات بوقت دو بجے اس جہان فانی سے رحلت فرما گئیں عصمتی بہنوں سے ملتجی ہوں کہ قرآن پاک کی تلاوت سے مرحومہ کی روح کو ثواب پہونچا دیں نیز انکی تاریخ وفات کے لئے کوئی بہن یا بھائی موثر قطعہ اور چند اشعار بھی قلمبند فرما دیں تاکہ کتبہ کھدوائے جائیں۔ ہمشیرہ خورشید حیدری منوخرو عصمت دہلی

میری ایک دوست کا سب بدن گورا ہے مگر بازو کا
رنگ کالا ہے جو برا معلوم ہوتا ہے۔ اگر کسی بہن یا بھائی کو
کوئی دوا معلوم ہو تو مہربانی سے عصمت میں شائع کردیں۔

ایک ضرورت مند

میرے سر کے بال عرصہ دو ماہ سے گرنے شروع
ہو گئے ہیں۔ بہت علاج کئے لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا
سر میں درد بھی رہتا ہے۔ اگر کسی بہن کو کوئی مجرب تیل
یا نسخہ معلوم ہو تو آگاہ فرمائیں۔

شہزادہ بیگم نمبر خریداری ۱۰۳۲۲

کیوٹیکس ناخن پالش عرصہ تک رکھنے سے سوکھ کر
شیشی میں جم جاتی ہے اس کو پھر کس طرح ملائم کیا جائے۔
کوئی بہن کوئی آزمودہ ترکیب لکھ کر ممنون کریں۔

خریدار نمبر ۱۰۷۳۳

بہن مومنہ خانم بریلی کی خدمت میں عرض ہے کہ
ماہ فروری کے پرچہ میں آپ نے چھاسوں کے لئے نسخہ طلب
کیا ہے جو ارسال کرتی ہوں۔

سوکھا بائی کا رب - بادام مقشر - نشاستہ۔
کوڑی - گل سرخ - گلیسرین - ان سب کو باریک
کرکے سفوف بنا لیں۔ منہ دھو کر چہرہ پر ملیں۔ ایک
گھنٹہ کے بعد منہ دھو ڈالیں۔ انشاءاللہ ایک ماہ
بعد چہرہ صاف ہو جائے گا۔

خورشید جہاں شیریں کاظمی نعمت پور

اگر آپ کو اپنے شہر کے ایجنٹوں سے یہ دوا نہ ملے تو براہ راست ماڈرن کیمیکل ورکس پوسٹ بکس نمبر ۲۱۱ لاہور سے بذریعہ وی۔ پی منگائیں

محبت پیدا ہوگی۔ دولت غیب سے ملیگی

میں اپنی بہنوں کیلئے اپنے قیمتی سینہ کے راز کو ظاہر کر رہا ہوں۔ کیونکہ یہ میرا وہ سرمایہ ہے جس کے حاصل کرنے میں میں نے ہزاروں روپیہ صرف کر دیا تھا۔ اور برسوں محنت کی تھی۔ اور اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کے بعد ان رازہائے سربستہ کو چھپا کر رکھنا فرض سمجھتا تھا۔ مگر ضرورت مندوں نے مجھ کو مجبور کر دیا کہ کیوں نہ خلق خدا کو اس گوہر گرانمایہ اور کلام الہٰی کی برکت سے مالامال کیا جائے۔ اس لئے میں بے کم و کاست آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ اور خدا کو حاضر ناظر جانکر عرض کئے دیتا ہوں کہ مندرجہ ذیل نقش و تعویذ سے کبھی ناکامی نہ ہوگی۔ میں چند پیسوں کی خاطر اپنے ایمان کو فروخت نہیں کروں گا اور مجھے یقین ہے کہ میرے تمام بھائی میرے ایماندارانہ قول کو سچا سمجھ کر ان سے فائدہ اٹھائیں گے اور کامیابی کے بعد فقیر کے لئے دعائے خیر کریں گے۔

تعویذ و نقش حسب ذیل ہیں جن کا ہدیہ بہت ہی قلیل ہے۔ اور یہ تمام لفافے کے اندر بذریعہ وی۔ پی رجسٹری کے ذریعہ روانہ کئے جاتے ہیں۔ ہدیہ کے علاوہ رجسٹری لفافہ کا خرچہ چار آنے اور آتا ہے۔

نقش بشارت

یہ نقش ہر کام کی کامیابی اور ناکامی کی بشارت دیتا ہے۔ رات کو اپنے سرہانے رکھ کر سو جاؤ۔ اور کام کا تصور دل میں رکھو۔ سوتے میں بشارت ہو جائے گی۔ بیاہ، شادی، مریض کی بیماری۔ تجارت میں کامیابی یا ناکامی غرضکہ اس کا موکل خواب میں آکر جواب دیتا ہے۔ ہدیہ ایک روپیہ دس آنے۔

تعویذ دولت

مفلسی میں خدا ہی یاد آتا ہے۔ خدا کسی کو مفلس نہ کرے۔ مفلسی دور ہونے کی جب کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آجائے یا روپیہ کی ترقی رک جائے تو اس متبرک تعویذ کی مدد سے آپ کی مفلسی دور ہوگی۔ روپے پیسے میں رکھ دینے سے دولت کی زیادتی ہوگی۔ اور عجیب انگیز طریقے سے آمدنی کے ذرائع پیدا ہونگے۔ بس خدا کی قدرت نظر آئے گی۔ ہدیہ سوا روپیہ۔

محبت کی ڈوری

میرے بزرگ نے صرف مجھ کو اجازت دی تھی کہ ایسے ضرورتمندوں کو دیا جائے جو جائز طور پر طلب کریں اس لئے میں اس محبت کی ڈوری کو ضرورت مند بہنوں کیلئے پیش کر رہا ہوں کہ اگر ان کی اپنے شوہر سے لڑائی رہتی ہو۔ یا شوہر کی طبیعت انکی طرف سے ہٹی ہوئی ہو۔ یا شوہر غصہ ور ہو۔ بیوی سے ذرا ذرا سی بات پر جھگڑتا ہو تو یہ تعویذ آپس کی محبت بڑھانے میں محبت کی زنجیر ثابت ہوگا۔ چند ہی دن میں سارے جھگڑے ختم ہو کر شوہر بیوی کا غلام بن جائے گا۔ یہ خدا کے کلام اور اس کے مقرب بندوں کی برکت ہے کہ ہر جائز محبت کے وقت اس تعویذ معظم کی برقی قوت اپنا اثر دکھاتی ہے اور ضرور کامیابی نصیب ہوتی ہے۔ ہدیہ صرف ڈہائی روپیہ۔

اقرار

ہر ضرورت مند بہن بھائی کو یہ اقرار کرنا ہوگا کہ۔ اپنے سوا کسی دوسرے کو ان نقش و تعویذ کے استعمال کی ترکیب یا نقل نہ بتائیں گے

پتہ۔ عامل نواب میاں شاہ صاحب پھتہ حکیم آغا جان۔ آئی۔ ڈی دہلی

عراقیوں اور انگریزوں میں چندروز جنگ رہی۔ اس نے جرمنوں سے مدد مانگی۔ چنانچہ شام کے راستہ سے کچھ ہوائی جہاز وہاں پہونچے۔ ہوائی اڈوں پر گولہ باری کی گئی۔ انگریزوں نے بھی ہوائی جہازوں سے عراقی لشکروں پر گولہ باری کی۔ عام طور پر ہندی مسلمانوں نے اپنی رائے رشید علی جیلانی کے خلاف ظاہر کی۔ جرمنی کی اسے امداد کافی نہ پہونچ سکی۔ رشید علی کو فرار ہونے کے سوا اور کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ انگریزوں نے بغداد پر قبضہ کرلیا اور وہاں والوں نے ان سے عارضی صلح کرکے ان کے جملہ مطالبات مان لئے۔ تیل کے چشموں پر جو موصل میں واقع ہیں انگریزوں کا قبضہ ہوگیا۔ بچہ بادشاہ شاہ فیصل بغداد ہی میں ہے۔ اور نائب السلطنت عبداللہ نے واپس آکر نئی وزارت قائم کردی اور انقلاب پسندوں کو سزائیں دی گئیں۔

جاپانی سرگرمی: جاپانیوں نے دعوےٰ کیا ہے کہ انھوں نے دو بڑے چینی لشکروں کو جو خود مارشل چیانگ کائی شک کی سپہ سالاری میں تھے زبردست شکست دے کے مٹا دیا ہے۔ ان لشکروں کے ہمراہ ۳۰ چینی دستے بھی تھے۔ یہ جنگ جنوبی شانسی اور شمالی ہونان میں ہوئی

آسٹریلیا والے پریشان ہیں کہ اگر شام جرمنی کے زیر اقتدار آگیا اور جرمنی کو مصر میں بھی کامیابی ہوگئی تو ٹوکیو کے خداوندان جنگ کی بن آئے گی اور جنگ آسٹریلیا کے سر پر منڈلانے لگے گی۔

جاپانی سفارتی حلقوں میں نقل و حرکت نظر آتی ہے۔ جاپانی کابینہ کا اجلاس ہوا جس میں بحری اور بری فوج کے افسر موجود تھے۔ وزیر جنگ نے مختلف محکموں کے افسروں سے ملاقات کی۔ جاپانی جہازوں کے متعلق اطلاعات دستیاب ہوئیں کہ وہ جنوبی سمندر کی طرف جاتے دیکھا گیا۔ قرائین سے معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ کے شریک جنگ ہوتے ہی جاپان بھی خاموش نہ بیٹھ سکے گا۔

فرانسیسی تلاطم: چند ماہ سے کچھ ایسی خبریں آرہی ہیں کہ جرمنی فرانس پر مراعات حاصل کرنے کے لئے دباؤ ڈال رہا ہے۔ مگر فرانسیسی سردار مارشل پیٹیان انکار رہا ہے۔ لیکن یہ سب مغالطے تھے۔ فرانسیسی کیفیت اب پوری طرح ظاہر ہوگئی ہے چنانچہ دمشق میں بحث و مباحثہ کے بعد امیرالبحر دارلان نے اعلان کردیا کہ فرانسیسی ہوائی طاقت شام و ٹیونس کو منتقل کی جارہی ہے تاکہ برطانوی حملہ کی مدافعت کی جائے۔ فرانسیسی فوجیں جنرل ویگان کے زیر کمان اُن نوآبادیات کو واپس جائیں گی جو انگریزوں کے اتحادی فرانسیسی جرنیل ڈی گول کے زیر اقتدار آگئی ہیں۔ السس لورین جرمنی کے قبضہ میں رہے گا۔ کیلے کے پاس کے علاقہ اور ہالینڈ اور کچھ حصہ بلجیم جرمنی میں جذب ہوجائیں گے۔ تا اختتام جنگ تمام شمالی اور مغربی فرانسیسی ساحل بدستور جرمنی کے قبضہ میں رہے گا۔ فرانس کے بحری مستقر جرمنی فرانس کے ساتھ استعمال کرسکے گا۔ فرانس کے کارخانے جرمنی کے لئے اسلحہ تیار کرتے رہیں گے۔ اس کے بدلہ میں بلجیم کا وہ حصہ جہاں فرانسیسی آباد ہیں فرانس کو دے دیا جائے گا۔ پیرس صدر مقام ہوجائے گا۔ مزدور اور زمیندار فرانسیسی قیدی سب رہا کردئے جائیں گے۔ جرمنی فرانس کی جنگی تربیت کرے گا۔ اطالیہ فرانسیسی علاقوں کے مطالبہ سے دستبردار ہوجائے گا۔ اس کے بدلہ میں اسے کردشیہ دے دیا گیا ہے۔

صحرا و شام میں جنگ

افواہیں گرم ہیں کہ جرمنی کی فوجیں ترکی ساحل کے قریب سمندر سے ہوتی ہوئی شام میں پہنچ رہی ہیں فلسطین اور شام کی سرحد بند کر دی گئی ہے۔ حلب اور پلمیرا پر جرمنی نے قبضہ کر لیا ہے۔ اسی وجہ سے انگریزوں نے آزاد فرانسیسیوں کی معیت میں شام پر حملہ کر دیا کہ جرمنی کے وہاں قدم جمانے سے پہلے مارشل پیتان کی ماتحت حکومت کو ختم کر دیا جائے اور اس علاقہ کو محفوظ کر لیا جائے چنانچہ انگریزی فوجیں ملک کے اندر تک فتحیابی کے پھریرے اڑاتی چلی گئیں۔ جرمنوں کے متعلق یہی معلوم ہوا کہ وہ وہاں سے چلے گئے۔ فرانسیسی مقابلہ کر رہے ہیں جرمنی کی طرف سے بھی اظہار کیا جاتا ہے کہ یہ معاملہ انگریزوں اور فرانسیسیوں کا ذاتی ہے۔ اس میں وہ دخل نہ دے گا۔ انگریزوں نے دمشق فتح کر لیا اور بیروت نرغہ میں آتا جا رہا ہے۔ حلب کی طرف بھی پیش قدمی جاری ہے۔ طرابلس کی طرف بھی گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ عنقریب شام اور طرابلس و مصر میں شدید جنگ کا سلسلہ شروع ہونے والا ہے جس سے ممکن ہو جنگ کے نتیجہ پر اثر پڑے۔ انگریزوں نے جو پیش قدمی کی تھی اس کو انھوں نے ترک کر دیا۔ اور اپنی پہلی چوکیوں پر واپس آ گئے۔

تاروں کا جھرمٹ

جرمنی نے ترکی سے دس سال تک دوستی کے عہد و پیمان کا عہدنامہ کر لیا۔ اس عرصہ میں تجارت بڑھیگی۔ دس سال تک دونوں نے ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے کا اطمینان دلایا۔ انگریزوں کی دوستی پر اس کا کچھ اثر نہ پڑے گا۔

۲۲ مئی کو جرمنی نے اچانک روس پر حملہ کر دیا۔ ساری دنیا میں اس پر تعجب کیا جا رہا ہے۔

سال گزشتہ صوبہ دہلی میں، ۳۰۸ کتابیں شائع ہوئیں جن میں، ۲۰۷ ہندی میں۔ ۳۵ اردو میں اور ۲۹۔ انگریزی میں۔ صوبجات متحدہ میں ۲۴۲۰ کتابیں چھپیں جن میں سے ۱۲۹۶ ہندی میں ۲۱۴۔ انگریزی میں۔ ۴۰۸۔ اردو میں ۱۱۴ سنسکرت میں ۴۲ نیپالی میں ۹ بنگالی میں اور ۳۳۵ متفرق زبانوں میں شائع ہوئیں۔

الہ آباد یونیورسٹی کے بی۔ اے کے امتحان میں اس سال پھر ایک لڑکی مس کورک فرانسس اول آئی ہے۔ اس سے پہلے بھی دو مرتبہ اسی امتحان میں دو لڑکیاں اول آ چکی ہیں۔

ہندی زنانہ مجلس نے مطالبہ کیا ہے کہ دھرم شاستر کے مختلف مقامات میں مختلف احکام و قواعد کی بجائے یکساں منصفانہ قانون ہندو عورتوں کے لئے منظور کیا جائے۔ اس میں استری دھن اور اس اقسام اور وراثت۔ بچوں کی ولایت اور ان کی جائداد کی نگہداشت اور طلاق کے مسائل شامل ہیں۔ لڑکے لڑکی۔ رانڈ اور رنڈوے۔ میاں بیوی۔ ماں باپ کی وراثت مساوی ہونی چاہئے۔ وراثت کے معاملہ میں عورتوں کو مردوں کے برابر اختیارات ملنے چاہئے تاکہ وہ جائداد بیچ سکیں۔

جبریہ تعلیم کے قانون میں ایسی ترمیمیں کر دی گئیں جن کی وجہ سے تعلیم میں جو سابقہ رکاوٹ دیکھی جا رہی ہے دور ہو جائے گی۔ ایک دفعہ جو بچہ یا بچی مدرسہ میں داخل ہو جائے اور سال بھر تک حاضری اس کی ہوتی رہے وہ ابتدائی تعلیم کے زمانہ کے اختتام سے پہلے مدرسہ نہ چھوڑ سکے گا۔ بلدیہ کو جبریہ تعلیم کے نفاذ کے لئے علیحدہ ٹیکس لگانے کی اجازت ہو گی۔ جبر اب مؤثر ہو گا۔ برائے نام نہ ہو گا۔

حکومت ہند نے پھر خاکساروں کا مجمع خلاف قانون قرار دے دیا ہے۔ وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ وہ علامہ مشرقی کی رائے کے مطالبہ میں معقولیت سے تجاوز کرنے کے اندیشے پیدا کر رہے تھے۔

قیصر ولیم سابق شاہنشاہ جرمنی کا، اپنے مقام جلاوطنی میں تخت سے دستکش ہونے کے ۲۳ سال بعد ۸۲ سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔

Regd. No. L. 1872 November 1941 Established 1908

مصورِ غم حضرت علامہ راشد الخیری کی تصانیف

تاریخ و سیرت

- آمنہ کا لال ۔ ۸ر
- سیدہ کا لال ۔ ۱۲ر
- الزہرا ۔ ۸ر
- نوبت پنج روزہ یا وداعِ ظفر ۔ ۸ر
- وداعِ خاتون ۔ ۵ر
- امین کا دم واپسیں ۔ ۳ر
- دلی کی آخری بہار ۔ ۸ر
- بزمِ رفتگاں با تصویر ۔ ۱۰ر
- داستانِ پارینہ ۔ ۱۲ر

مذہبی مضامین

- احکام نسواں ۔ ۸ر
- حسنِ حقیقی ۔ ۶ر
- دعائیں ۔ ۸ر
- قرآنی قصے ۔ ۸ر
- زیورِ اسلام ۔ ۸ر

سیاسی صحافی بیانی مضامین

- شہیدِ مغرب ۔ ۸ر
- یادگارِ تمدن ۔ ۶ر
- عالمِ نسواں ۔ ۸ر
- سیاحتِ ہند ۔ ۸ر

مضامین کے متفرق مجموعے

- عروسِ مشرق ۔ ۱ر
- گدڑی میں لعل ۔ ۱۲ر
- مسلمان عورت کے حقوق ۔ ۱۲ر
- نالۂ زار ۔ ۱۲ر
- بلبلِ بیمار ۔ ۱۰ر
- ساجن موہنی ۔ ۴ر
- شادی کا انتخاب ۔ ۸ر
- فریبِ ہستی ۔ ۴ر
- بے فکری کا آخری دن ۔ ۴ر
- چمنستانِ مغرب ۔ ۸ر
- بکھری ہوئی پتیاں ۔ ۴ر

اصلاحی معاشرتی ناول

- حیاتِ صالحہ ۔ ۱۲ر
- منازل السائرہ مکمل ۔ ۱ر
- صبحِ زندگی ۔ ۱۲ر
- شامِ زندگی ۔ ۸ر
- شبِ زندگی دو حصے ۔ ۱ر
- نوحۂ زندگی ۔ ۱۲ر
- طوفانِ حیات ۔ ۸ر
- جوہرِ قدامت ۔ ۱۲ر

اسلامی تاریخ بطرز ناول

- ماہِ عجم ۔ ۱۲ر
- عروسِ کربلا ۔ ۱۲ر
- یاسمینِ شام ۔ ۱۲ر
- محبوبۂ خداوند ۔ ۱۲ر
- تیغِ کمال ۔ ۸ر
- شہنشاہ کا فیصلہ ۔ ۴ر
- منظورطرابلس ۔ ۵ر
- شاہین و دراج ۔ ۸ر
- دُرِّ شہوار ۔ ۸ر

مذاحیہ افسانے

- نانی عشو ۔ ۱۰ر
- ولایتی نعمی ۔ ۶ر
- دادا اماں کا معجزہ ۔ ۸ر

نظموں کے مجموعے

- رودادِ قفس ۔ ۱۰ر
- گرفتارِ قفس ۔ ۴ر

ادبِ لطیف و انشا

- قلبِ حزیں ۔ ۸ر
- لڑکیوں کی انشا ۔ ۱۲ر
- مسلی ہوئی پتیاں ۔ ۶ر

لڑکیوں کا نصاب زیرِ طبع

اصلاحی معاشرتی افسانے

- بنتُ الوقت ۔ ۸ر
- سرابِ مغرب ۔ ۸ر
- فسانۂ سعید ۔ ۸ر
- سوانے نقد ۔ ۵ر
- تنبیہ شیطانی ۔ ۱۲ر
- ساتوں کے امتحان ۔ ۰
- غدر کی ماری شہزادیاں ۔ ۱۲ر
- سبز ترک ۔ ۱۰
- سترونتی ۔ ۶
- سوکن کا جلاپا ۔ ۵
- موؤدہ ۔ ۶ر
- تفسیرِ عصمت ۔ ۵ر
- انگوٹھی کا راز ۔ ۶ر
- منازلِ ترقی ۔ ۴ر
- بچپے کا کرتہ ۔ ۴ر
- ویدیا کی سرگذشت ۔ ۴ر
- چہار عالم ۔ ۴ر

مختصر افسانوں کے مجموعے

- جوہرِ عصمت ۔ ۱۲ر
- سیلابِ اشک باتصویر ۔ ۱ر
- طوفانِ اشک ۔ ۸ر
- قطراتِ اشک ۔ ۱۲ر
- فدائی راج ۔ ۸ر
- نسوانی زندگی ۔ ۸ر
- گلدستۂ عید ۔ ۸ر
- گوہرِ مقصود ۔ ۶ر
- گردابِ حیات ۔ ۸ر
- بساطِ حیات ۔ ۶ر
- ورادافسانہ ۔ ۱۲ر
- نشیب و فراز ۔ ۴ر

کھانے پکانے کی مستند کتابیں

- عصمتی دسترخوان ۔ ۱ر
- مستندِ مغربی کھانے ۔ ۱ر
- عصمتی ہنڈ کلیا ۔ ۸ر
- ناشتہ ۔ ۱۰ر
- بچوں کے کھانے ۔ ۸ر
- بیماروں کے کھانے ۔ ۱۰ر
- مذاقیہ کھانے ۔ ۶ر

دیگر تصانیف محترمہ آمنہ نازلی

- دولت پر قربانیاں خطانے ۔ ۸ر
- تاریخی لطیفے ۔ ۸ر
- عقل کی باتیں ۔ ۸ر
- ہنسی کی باتیں ۔ ۸ر

تصانیف منشی پریم چند

- دودھ کی قیمت (افسانے) ۔ ۸ر
- روحانی شادی (ڈراما) ۔ ۶ر

تصانیف رازق الخیری

- وداعِ ماشد ۔ ۸ر
- عصمت کی کہانی ۔ ۸ر

تصانیف مولانا سیماب اکبرآبادی

- زنانہ بیت (دو حصے) ۔ ۸ر
- آفتابِ زندگی ۔ ۶ر
- شبابِ زندگی ۔ ۶ر

تصانیف صاحبزادہ ولی اعظم علیم

- مختصر و نیلوا شیئوں کی دنیا کے تصویر
- انشائے سلمیٰ (زنانہ خطوط) ۔ ۶ر

کچھ اور زنانہ کتابیں

- پردہ و تعلیم مذہبی و سیاسی نقطۂ نظر
- خواتین و دنیا ... کو ۔ ۶ر
- خیابانِ نسواں ... ۔ ۴ر

خانہ داری و سینے پرونے کی نہایت مفید کتب

- عصمتی کروشیا ۔ ۱۲ر
- عصمتی کشیدہ ۔ ۸ر
- گلزارِ درخشاں ۔ ۸ر
- گلدستۂ کشیدہ ۔ ۱۲ر
- گلشنِ زہرہ ۔ ۱۲ر
- چمنستانِ خیاطی ۔ ۱۲ر
- گلستانِ خیاطی ۔ ۱۲ر
- موتیوں کا کام
- سلمہ ستارہ کا کام
- اونی کام سلائیوں سے ۔ ۱۲ر
- گوٹہ کناری کا کام ۔ ۱۲ر
- جالی کا کام ۔ ۱۲ر
- تارکشی کا کام ۔ ۸ر
- گلدستۂ تارکشی ۔ ۱۲ر
- کراس سٹیچ ورک ۔ ۱۲ر
- جوہرِ نسواں، سخنوری ۔ ۸ر
- شمیم سوزن کاری ۔ ۱۲ر
- خواتین کی دستکاریاں ۔ ۸ر
- لکڑی کا باریک کام
- وصلی کا کام ۔ ۸ر

عورتوں کی خاص کتابیں

- زیبِ خانہ (دو حصے)
- سنگھار خانہ ۔ ۱ر

نامور خواتین کے افسانے و ناول

- انوری بیگم ۔ ۱۲ر
- جاں باز ۔ ۱۲ر
- غیرت کی پتلی ۔ ۶ر
- شہیدِ وفا ۔ ۸ر
- چاند رخ ۔ ۴ر
- قیصر ونہ ۔ ۸ر

کچھ اور نہایت مفید کتابیں

- صنعت و حرفت ۔ ۱ر
- تندرستی ہزار نعمت ۔ ۴ر
- بچوں کی تربیت ۔ ۱۰ر
- آئینۂ موفر ۔ ۱۲ر
- کپڑے کی چھپائی ۔ ۸ر

تصانیف محترمہ خاتون اکرم مرحومہ

- جمالِ ہمنشیں ۔ ۸ر
- گلستانِ خاتون (افسانے) ۔ ۱۲ر
- پیکرِ وفا ۔ ۸ر
- گھڑی بیتی ۔ ۶ر

تصانیف محترمہ نفیسہ ہمایوں

- مشیرِ نسواں یا زہرہ ۔ ۱۲ر
- [illegible] ۔ ۱۰
- [illegible] ۔ ۱۲
- موتی ۔ ۱۰

تصانیف محترمہ بلقیس بیگم

- [illegible] ۔ ۶ر
- خانہ داری ... ۔ ۱۲ر
- [illegible] ۔ ۸

تصانیف [illegible]

- ادبِ [illegible] ۔ ۸
- نغمۂ [illegible]

تصانیف محترمہ [illegible] جہاں

- پھول پھلواری ۔ ۰
- شہزادی تیلو [illegible]

زنانہ افسانہ و بیت

- افسانۂ حرم ۔ ۶ر
- دامنِ باغباں ۔ ۸ر
- دیہاتی گیت ۔ ۸ر

زنانہ نظمیں

- شمعِ خاموش ۔ ۶
- آئینہ بتاں ۔ ۱۲ر

بچوں کے لئے کہانیاں

- جاپانی کہانیاں ۔ ۸ر
- مزیدار کہانیاں ۔ ۵ر
- بچوں کی دنیا ۔ ۶

خواتین کے لئے دوسرے مصنفوں کی کتابیں بھی عصمت بکڈپو دہلی سے مل سکتی ہیں۔

عصمت بک ڈپو دہلی

عصمت بک ڈپو دہلی

ہندوستان بھر میں سب سے بڑا زنانہ دارالاشاعت

تصانیف علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ

مردوں اور عورتوں کیلئے اصلاحی معاشرتی ناول

صبح زندگی لڑکی کی پیدائش سے شادی تک کیونکر تعلیم و تربیت کرنی چاہیئے۔ اس موضوع پر اردو زبان کی بہترین کتاب لڑکیوں کی اتالیق۔ بیویوں کی مشیر اور مردوں کے لئے لٹریچر کا بیش بہا خزانہ۔ انتہا دلاویز نتیجہ خیز۔ موثر ناول یہ کتاب اکیس (۲۱) دفعہ چھپی ہے۔ قیمت عہ/

شام زندگی صبح زندگی کا دوسرا حصہ۔ شادی سے موت تک نسیمہ بیگم کے حالات۔ عورتیں اسکی مدد سے اپنے خاوند کا دل موہ لیتی ہیں۔ موثر اتنی کہ قوم نے اسی کی وجہ سے مصنف کو مصور غم کا خطاب دیا تھا۔ ہر سطر آنکھوں کو پُرنم کر دیتی ہے۔ انیسواں (۱۹) ایڈیشن۔ قیمت ایک روپیہ (عہ)

شب زندگی صبح زندگی میں نسیمہ کے بچپن اور جوانی کو دکھایا گیا ہے۔ شام زندگی میں اسے آخر منزل تک پہنچایا ہے شب زندگی میں موت کے بعد کے حالات پڑھو۔ اپنے رنگ میں بے مثل اصلاحی ناول ہے پلاٹ بے حد دلآویز۔ دو حصے ہیں قیمت دو روپیہ۔

حیات صالحہ یا صالحات ایک نیک لڑکی کی زندگی کے وہ واقعات نہایت موثر پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں جو اکثر ہندوستانی گھروں میں پیش آتے ہیں۔ سوتیلے رشتوں پر معرکۃ الآرا ناول ہے واقعات اس قدر موثر کہ کلیجے کے پار ہو جاتے ہیں۔ قیمت صرف ایک روپیہ آٹھ آنے (عہ/)

منازل السائرہ اس میں ایک شریر لڑکی کی پیدائش سے موت تک کے تمام واقعات نہایت دلچسپ پیرایہ میں لکھے گئے ہیں طرز تحریر اسقدر پیارا کہ سر دھنئے قیمت دونوں حصے عاصہ

نوحۂ زندگی بیوہ کے نکاح ثانی کے متعلق نہایت دردانگیز اور عبرتناک ناول۔ اس کے مطالعہ کے بعد ان خاندانوں میں جہاں بیوہ کا نکاح ثانی گناہ سمجھا جاتا ہے۔ شرع اسلام کے بموجب کتنے ہی بیواؤں کے نکاح ہوئے اور کتنے ہی کنوارے نوجوانوں نے بیواؤں سے نکاح کئے ملو دفعہ چھپی ہے۔ قیمت ۱۲/

طوفان حیات قبیح رسوم اور شرک و بدعت۔ پیر پرستی قبر پرستی وغیرہ پر وہ بے مثل ناول جس کے مطالعہ کے بعد شرک کوسوں دور بھاگ جاتا ہے۔ اور رسوم مروجہ خوفناک اژدہے کی صورت میں نظر آنے لگتی ہیں۔ اور انسان خدائے واحد کی عظمت کے آگے سر جھکا دیتا ہے نہایت دلچسپ اور دردانگیز ہے۔ قیمت صرف ایک روپیہ (عہ)

جوہر قدامت دو بہنوں کی پُرلطف کہانی دو لڑکیوں کی مفصل زندگی دو عورتوں کی جگر خراش داستان جن میں ایک دور قدیم کی درخشندہ تصویر اور دوسری طرز جدید کی دلدادہ ہے۔ اس ناول سے معلوم ہوگا کہ نصف صدی قبل ہمارے گھرانوں میں کیسے کیسے لعل گدڑیوں میں چمکتے تھے۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے۔ عہ/

اصلاحی و معاشرتی فسانے

تمغۂ شیطانی اس تصنیف میں امت شیطانی کے آئندہ کیرکٹر دکھائے گئے ہیں۔ ان لوگوں کے جو نیک انسان سمجھے جاتے تھے۔ مگر ان کے صرف ایک فعل سے جو بظاہر بہت معمولی بات تھی حلقۂ شیطانی میں داخل ہوئے۔ واقعات اس قدر دردانگیز کہ آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے ہیں بے حد موثر سبق آموز اور عبرت انگیز افسانے۔ قیمت ۱۲/

سات روحوں کے اعمال نامے دنیا کی سات عجیب و غریب روحیں ایک شیطان کی مغفرت کے لئے پیش کی جاتی ہیں جن کے مطالعہ سے کہیں ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جائیں کہیں آنسو نکل آئیں۔ آخری روح کے کارنامے اس قدر دردانگیز ہیں کہ ہچکی بندھ جائے۔ سات دفعہ چھپی ہے۔ قیمت ۸/

غدر کی ماری شہزادیاں یا ہٹیلے میں میلہ ۱۸۵۷ء کے غدر کی لٹی ہوئی دلی کی شہزادیوں اور بیگموں کی دل ہلا دینے والی کہانیاں نہایت دردانگیز اور عبرتناک تین چار گئی گئی

رنگ کی بلاک کی تصویریں بھی ہیں۔ قیمت بارہ آنے (۱۲؍)

سنتو نتی ایک دلچسپ سبق آموز قصہ۔ جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ مرد کے لئے بیوی سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہو سکتی۔ اور شریف عورت ایثار کے جوہر دکھا کر دنیا کو محو حیرت کر دیتی ہے۔ قیمت ۸؍

موؤدہ ہندوستان کے بعض صوبوں میں شرع اسلام کے خلاف مسلمان لڑکیوں کو ترکہ پدری نہیں دیتے۔ علامہ محترم نے یہ افسانہ اسی خرابی کے انسداد پر لکھا اور ایسے درد سوز و گداز سے کہ پتھر سے پتھر دل بھی اس کو پڑھ کر پسیجتے ہی نہیں موم ہو جاتے ہیں۔ قیمت ۷؍

تفسیر عصمت خلع اور ارتداد پر اس سے بڑھ کر موثر افسانہ آج تک اردو زبان میں شائع نہیں ہوا۔ ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت کی نظر سے گذرنا چاہئے واقعات کہیں نہایت درد انگیز اور کہیں مزاحیہ۔ قیمت پانچ آنہ ۵؍

انگوٹھی کا راز تین مختلف الخیال لڑکیوں کا سبق آموز افسانہ۔ رابعہ کا عبرت انگیز انجام۔ اسلامی کی جگر خراش داستان اور صفیہ کی مشکلات۔ انگوٹھی کا راز نہایت خوبی سے حل کرتا ہے۔ ۶؍

ولائتی ننھی ایک نہایت پر لطف با تصویر افسانہ جس کے ہر ہر صفحے پر ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جاتے ہیں۔ بی ننھی نے بڑھاپے میں وہ وہ سوانگ بھرے ہیں کہ بس پڑھتے ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ قیمت ۴؍

منازلِ ترقی اس عبرت انگیز افسانے میں دکھایا گیا ہے کہ انسان ترقی کی دھن۔ لیڈری کے شوق۔ اور دولت کے نشہ میں۔ اخلاق۔ انسانیت۔ اور مذہب کو بیچ کر غریب رشتہ داروں پر کیسے کیسے مظالم ڈھاتا ہے۔ قیمت چار آنے ۴؍

بچہ کا کرتہ ایک عاشق زار بدنصیب ماں اپنے جوان بچہ کی بدولت وہ وہ مصیبتیں اٹھاتی ہے کہ کلیجہ منہ کو آتا ہے دنیا اس کی محبت اور ایثار کا ایسا عبرت انگیز جواب دیتی ہے کہ آنکھ سے آنسو نکل پڑتے ہیں بہت موثر افسانہ ہے اور کئی بار چھپ چکا ہے۔ قیمت ۴؍

وِیڈیا کی سرگذشت فیشن و جدت کی دلدادہ ایک انگریز عورت کی کہانی اسی کی زبانی مغربی معاشرت کا ایک نہایت کامیاب مرقع۔ میاں بیوی کے تعلقات کا ہو بہو فوٹو۔ قیمت ۴؍

چہار عالم حیات انسانی پر پرندوں کی بحث۔ چند نسوانی کمزوریوں کا بیان ہندوستان کی معاشرت کا مرقع۔ قصہ کا پلاٹ نہایت دلکش ہے۔ کئی قلمی تصویریں ہیں۔ قیمت ۴؍

بنت الوقت ہماری مستورات کی تعلیم و تربیت کا بے مثل مرقع وقت کا اندھا دھند ساتھ دینے والی ایک ناعاقبت اندیش لڑکی کا حیرت انگیز انجام۔ سات دفعہ چھپ چکی ہے۔ قیمت ۸؍

سرابِ مغرب غیر مسلم مدارس میں لڑکیوں کا تعلیم پانا کہاں تک جائز ہے اس بحث پر مشہور کتاب۔ تقلید مغربی کے دردناک نتائج۔ پارسیز کا حشر۔ ماں باپ کی ناعاقبت اندیشی اور لڑکی کی تباہی قیمت ۸؍ یہ کتاب آگرہ یونیورسٹی کے بی اے کورس میں شامل ہے۔

فسانہ سعید بیوہ کا نکاح ثانی اسلام کا حکم ہے مگر اس افسانہ میں حضرت مصورِ غم نے سعید کا نکاح بے سود ثابت کیا ہے۔ سعید کی جگر خراش داستان دل ہلا دیگی۔ ۸؍

سنجوگ ایک تعلیم یافتہ سلیقہ شعار سمجھدار مگر کرم جلی اور نصیبوں پھوٹی مصیبت زدہ اور مظلوم لڑکی کی درد انگیز داستان جس کا نکاح والدین نے سوچ سمجھ کر نہ کیا اور فریقین کی طبیعتوں کا اندازہ نہ لگایا۔ بلکہ دولت و ثروت کی قربان گاہ پر اپنے جگر کے ٹکڑے کو بیدردی سے ذبح کر دیا اس کتاب کا فقرہ فقرہ تیر ہے اور سطر سطر نشتر۔ قیمت صرف ۱۲؍

سوکن کا جلاپا ایک بے گناہ لڑکی پر ساس سے سوکن لا بٹھائی اور کم نصیب مصیبت زدہ لڑکی نے ماں باپ کی لاج رکھنے کے لئے ساس کی زیادتیاں شوہر کے مظالم غرض سب اذیتیں ہنس کھیل کر صبر و شکر سے برداشت کیں۔ یہاں تک کہ ان غموں میں گھل گھل کر جان دیدی۔ قیمت ۵؍

مختصر افسانوں کے مجموعے

جوہر عصمت حضرت علامہ مغفور کے بہت مشہور ۱۴ سبق آموز مختصر افسانے (۱) مظلوم بیوی کا پاک جذبہ (۲) ہونے والی دولہن (۳) اگلی مجتنبیں (۴) فسانہ تنویر (۵) بیگناہ کا قتل (۶) بھاوج کا کینہ۔ (۷) مامون رشید کا دربار اور ایک سچی عورت (۸) عدل جہانگیری۔ (۹) بلبل کی شہادت (۱۰) ملکہ شہزاد (۱۱) برقع کی مستحق (۱۲) غلط فہمی (۱۳) خاتمہ بالخیر۔ ان ۱۴۔ افسانوں کا مجموعہ جوہر عصمت ہر شریف مرد اور شریف عورت کی نظر سے گذرنا چاہئے۔ بہت مشہور و مقبول ہے۔ قیمت ۱۲؍

سیلابِ اشک با تصویر حضرت مصورِ غم کے سات درد انگیز افسانے (۱) پرستار محبت (۲) بلوچن کے تین رنگ (۳) طلاق کا سفید بال (۴) حج اکبر (۵) عدل گلبدن (۶) بے قصور بچی (۷) ثریا کا تخیل۔ ہر افسانے کے ساتھ زر کثیر صرف کر کے فوٹو بلاک کی تصاویر لگائی گئی ہیں۔ قیمت ۱۰؍

طوفانِ اشک یعنی رواج کی چوکھٹ پر مظلوم عورتوں کی قربانیاں وہ موثر اور سبق آموز کتاب جس میں ۱۲ دل ہلا دینے والی کہانیاں ہیں اور سب درد و اثر اور سوز و گداز میں ڈوبی ہوئی۔ قیمت ۱۰؍

قطراتِ اشک آنسوؤں کے بادشاہ حضرت علامہ راشد الخیری مرحوم کی افسانہ نگاری اور مضمون نگاری کے دور اول کے بہترین نمونے جو مخزن۔ عصمت۔ تمدن کہکشاں وغیرہ میں شائع ہو کر قبولیت عام اور شہرت دوام حاصل کر چکے ہیں۔ جنھوں نے پڑھنے والوں کو جادو نگار مصنف کی تحریر کے اثر و تاثیر کا قائل کر دیا تھا اور جو ادبی رنگینیاں اور طرز تحریر کی دلاویزی کے باعث بار بار پڑھے جاتے ہیں۔ قیمت صرف ۱۴؍

شہیدِ مغرب طرابلس اور مراکش میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے مقابلے۔ اسلام اور نصرانیت کے معرکے مسلمان عورت کی ناموس اسلام پر قربانیاں۔ مسلمانوں کی ترقی کا راز اور تنزل کے اسباب شدھی اور تبلیغ کا اثر۔ ۹ سبق آموز افسانے۔ قیمت ۱۰؍

نسوانی زندگی ان افسانوں میں خصوصیت کے ساتھ۔ بیوی۔ بیٹی۔ بہن کی ہر حیثیت علیحدہ دکھائی گئی ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ ہر حیثیت میں عورت ایسا ایثار اور قربانیاں کر دکھاتی ہے کہ مرد حیرت میں رہ جاتا ہے۔ قیمت ۸ر

گوہر مقصود یعنی خیالستان کی پری اور لال کی تلاش" دو بہت مشہور قصے۔ پہلا قصہ ملک خیالستان کی پری کا ہے جو مدت تک ادھر اُدھر پھرتی اور بار بار کوشش کرنے کے بعد دُنیا کا بہترین تحفہ لانے میں کامیاب ہوتی ہے۔ دوسرا قصہ ایک دکھیاری ماں کا ہے۔ جو گم شدہ بچے کی تلاش میں جنگلوں اور پہاڑوں میں ماری ماری پھری قیمت ۶ر

نانی عشو آپ کتنے ہی سنجیدہ کیوں نہ ہوں ناممکن ہے کہ نانی عشو پڑھتے یا سُنتے وقت آپ کے پیٹ میں بل نہ پڑ جائیں۔ تمام ہندوستان میں اس کتاب کا ڈنکا بج چکا ہے۔ مصورِ غم مرحوم نے ظرافت کے مضامین بھی لکھے تو کمال کر دیا۔ چھٹا ایڈیشن قیمت ۱۰ر

رودادِ قفس حضرت علامہ مرحوم کی درد و اثر میں ڈوبی ہوئی نظموں کا مجموعہ یہ معمولی نظمیں نہیں۔ بے کس عورتوں کے جگر خراش نالے اور مسلمان گھرانوں کے حیرت انگیز مرقعے ہیں۔ علامہ مرحوم کو جذبات نگاری میں جو کمال حاصل تھا وہ پورے طور پر ان نظموں میں نمایاں ہے۔ قیمت ۱۰ر

گرفتارِ قفس حضرت علامہ راشد الخیری مرحوم کی درد انگیز نظموں کے مشہور مجموعے رودادِ قفس کا دوسرا حصہ یہ نظمیں اس قدر درد و اثر میں ڈوبی ہوئی ہیں کہ سنگدل سے سنگدل انسان کی آنکھ سے بھی آنسو نکل پڑیں۔ قیمت ۴ر

گلدستۂ عید سچی خوشی کس طرح میسر ہوتی ہے۔ رمضان شریف میں کیا کرنا چاہیئے۔ عید کس طرح منانی چاہیئے۔ ان موضوعات پر نتیجہ خیز مضامین اور افسانے۔ کتاب ایک طرف بہترین بھی عیدی ہے تو دوسری طرف ہر وقت پڑھنے اور روزانہ زندگی میں بہت سے مفید نتائج اخذ کرنے کی چیز ہے۔ قیمت صرف ۸ر

تاریخ و سیرت۔ ادب و انشاء

آمنہ کا لال اُردو زبان کا سب سے بہترین مولود شریف حضرت علامہ مرحوم کی وہ تصنیف جو اپنے رنگ میں جواب نہیں رکھتی۔ اب تعلیم یافتہ گھرانوں میں مجلس میلاد پر یہی کتاب پڑھی جاتی ہے کیونکہ اس میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ہے جو خلاف عقل کہا جا سکے۔ نثر کے ساتھ ساتھ نظم بھی علامہ مغفور کی ہے۔ قیمت مہ

سیدہ کا لال شہادت کی مکمل و مفصل تاریخ۔ حصہ اول مکمل تاریخ شہادت ہے۔ جس سے واقعہ کربلا کے صحیح اسباب ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔ دوسرا حصہ مراثی کربلا ہے۔ یوں تو تمام کتاب اس قدر درد انگیز ہے کہ بغیر آنسو بہائے نہیں پڑھی جاسکتی مگر نثر میں جو مرثیے علامہ مغفور لکھ گئے ہیں ان کی ایک ایک سطر کلیجے کے پار ہو جاتی ہے۔ ادب لطیف کے علاوہ جو کتاب کی جان ہے شہادت کا اس قدر مفصل اور مکمل درد انگیز اور موثر بیان کسی کتاب میں نہیں۔ قیمت عہر

الزہرا اردو زبان میں جگر گوشۂ رسول ﷺ سیدۃ النساء حضرت بی بی فاطمہ علیہا السلام کی بہترین سوانح عمری جو بتاتی ہے کہ میاں بیوی کو کس طرح رہنا چاہیئے۔ بچوں کی پرورش کس طرح کرنی چاہیئے۔ دنیا کے ساتھ دین کس طرح میسر آتا ہے۔ آخر میں واقعہ کربلا کا مختصر بیان اور مصورِ غم کا قلم۔ قیمت ایک روپیہ

نوبت پنج روزہ شاہ جہاں آباد اجڑ چکا مگر اس کے کھنڈر اب تک مٹنے والوں کے کارنامے سنا رہے ہیں اور شہر کے در و دیوار اس وقت بھی اپنے مہمانوں کا مرثیہ پڑھ رہے ہیں۔ آج سے ستر سال پہلے دلی کیا تھی بادشاہ کا جلوس قلعہ معلی کی بہاریں۔ شاہی جھگڑے میلے تماشوں کے رنگ دربار کی کیفیت۔ شہر آبادی کی چہل پہل۔ ہندو مسلمانوں کی معاشرت رمضان۔ عید۔ سالگرہ کے تزک و احتشام۔ شادی بیاہ کی رسوم۔ غرض دورِ گذشتہ کی بہار اگر دیکھنی ہو تو نوبت پنج روزہ یعنی وداعِ ظفر ملاحظہ فرمائیے۔ جس میں آخری تاجدار مغلیہ کی پانچ نوبتیں اس قدر درد انگیز پیرایہ میں لکھی گئی ہیں کہ خون کے آنسو رلوا دیتی ہیں۔ قیمت عہر

قلبِ حزیں چھوٹے چھوٹے نہایت لطیف ادبی مضامین کا دلاویز مجموعہ جذبات نسوانی کی درد انگیز ترجمانی ان مضامین میں علامہ مغفور نے شاعری کی ہے۔ اور نظم نما نثر کا یہ کتاب بہترین نمونہ ہے۔ قیمت صرف آٹھ آنے (۸ر)

وداعِ خاتون وہ درد انگیز مضامین جو مشہور ادیبہ محترمہ خاتون اکرم کی جوانمرگی پر لکھے گئے تھے۔ جو بتائیں گے کہ ہوتے کہتے ہیں۔ اور لڑکی شادی کے بعد کس طرح سسرال والوں کے دل فتح کر سکتی ہے۔ قیمت ۵ر

امین کا دم واپسین شہنشاہ ہارون رشید اور ملکہ زبیدہ کا نامی گرامی لخت جگر شہزادہ امین الرشید کا دردناک قتل اسلامی تاریخ کا یوں ہی ایک درد انگیز واقعہ ہے اس پر مصورِ غم نے قصے کے دلکش پیرایہ میں عبرت انگیز واقعات اپنے خاص رنگ میں لکھے ہیں۔ قیمت ۴ر

لڑکیوں کی انشاء خط و کتابت سکھانے کی اُردو زبان میں بہترین کتاب جس میں خطوں کے ذریعہ لڑکیوں کو بتایا گیا ہے کہ میکہ کی زندگی انہیں کس طرح بسر کرنی چاہیئے۔ اور سسرال میں جا کر ان کی ذمہ داریاں کیا ہیں۔ ایک عورت کی حیثیت سے انہیں کیا کیا فرائض انجام دینے ہیں اور زندگی کی دشوار گذار منزلوں اور کٹھن راستوں کو وہ کس طرح کامیابی کے ساتھ طے کر سکتی ہیں۔ ضخامت سو صفحوں کے قریب۔ قیمت ۱۲ر

اسلامی تاریخ افسانہ کے طرز پر

ماہِ عجم مصورِ غم حضرت علامہ راشد الخیری رحمۃ اللہ علیہ کا بے نظیر تاریخی ناول فاروق اعظم کے عہد مبارک میں

سلطنت ایران پر قابو پانے کے لئے مسلمانوں کے بے مثل جنگی کارنامے۔ فرزندان ایران کا سرفروشانہ مذہبی جوش۔ ایرانیوں کا پروانہ وار وطن پر قربان ہونا اسلام اور نصرانیت کی لڑائیاں۔ کفر و ایمان کے معرکے قرون اولے کے مسلمانوں کی ولولہ خیز جانبازیاں اور محبت کے جذبات لطیفہ کی حقیقت طرازیاں دیکھنی ہوں تو یہ تاریخی ناول پڑھئے۔ کنواری لڑکیاں نہ منگائیں عہ

عروس کربلا علامہ مغفور کے تمام تاریخی ناولوں میں بہ لحاظ درد و اثر کے ممتاز ہے۔ کربلا کے تاریخی واقعات پہلے ہی کچھ کم درد انگیز نہیں اس پر مولانا کے قلم گوہر ریز نے قیامت ڈھا دی ہے کئی جگہ ہچکی بندھ جاتی ہے۔ اس پر لطف یہ ہے کہ محبت کا دلآویز افسانہ ہے بہت مشہور کتاب ہے ہزاروں کی تعداد میں شائع ہو چکی ہے۔ قیمت عہ/

یاسمین شام حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ثانی کے عہد کی اسلامی جنگ ہلال و صلیب کے معرکے اسلام کی فتح اور تسخیر شام کے حالات۔ اس کے ہمراہ حسن و محبت کی داستان نہایت متانت اور تہذیب سے لکھی گئی ہے۔ قیمت عہ/

محبوبۂ خداوند طرابلس کے مقدس خداوند کار تقیبہ شمالی افریقہ کی حسینہ سفیریہ کو قابو میں کرنے کے لئے اپنے فرضی دعوؤں میں کیا کیا کرتب دکھاتا ہے۔ یہ ایک راز ہے جو محبوبۂ خداوند کے مطالعہ سے حل ہوگا۔ حضرت عثمانؓ خلیفۂ ثالث کے زمانہ میں اسلام اور عیسائیت کے معرکے اور لڑائیوں کے حالات لکھے گئے ہیں۔ قیمت ۱۲/

شہنشاہ کا فیصلہ عہد عباسی کے بغداد کا دلچسپ افسانہ ایک شخص اپنی بیوی کی شادی کن اسباب کے تحت ایک دوسرے شخص سے کرتا ہے۔ ایک مصیبت زدہ ماں کا بے گناہ بچہ کس وجہ سے واجب القتل ٹھیرایا جاتا ہے۔ ملکہ اپنے حصول مقصد کے لئے کیا کیا کوششیں کرتی ہے اور آخر میں کس خوبی سے شہنشاہ کا دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ کر دیتا ہے۔ قیمت ۴/

شاہین و درّاج مصور غم حضرت علامہ راشد الخیری مرحوم کا وہ معرکۃ الآرا تاریخی ناول جس نے مصنف کی جادو نگاری کا بڑے بڑے ادیبوں کو قائل کر دیا تھا۔ علامہ مغفور کا سب سے پہلا تاریخی ناول ہے جس میں محبت کے جذبات لطیفہ کو نہایت لطف اور رنگینی سے بیان کیا گیا ہے بہ لحاظ زور قلم اور جذبات نگاری اردو ناولوں میں یہ قصہ نہایت نمایاں درجہ رکھتا ہے۔ پانچواں ایڈیشن قیمت ۸/

منظر طرابلس تسخیر طرابلس کے لئے مسلمانوں کا جوش ایمانی حضرت زبیر بن عوام کی بے مثل بہادری ایثار و شجاعت محبت کے آتش کدہ میں بے گناہ لڑکی کی قربانی۔ حقیقی بہن کے ہاتھوں بھائی کا قتل۔ مذہبی پیشوا کی سیاہ کاریاں۔ قیمت ۵/

دُرِ شہوار ایران۔ مازندران۔ سیستان کی ہولناک لڑائیوں کا مرقع بہرام کے شجاعانہ کارنامے اور ملکہ پر احسانات شہزادی سبطورہ کی فراست اور بہادری۔ اور وزیر کی مکاری اور فریب۔ قیمت صرف ۸/

سودائے نقد جس سے معلوم ہوگا کہ مرد کا نکاح ثانی اور اسلام میں عورت کی حیثیت کیا ہے۔ یہ افسانہ بتائے گا کہ جوان بیٹی کی شادی نہ کرنا سوسائٹی کا کیسا زبردست گناہ ہے دوسگی بہنوں کی کوششیں اور حقیقی ماں کے ہاتھوں جوان بیٹے کا قتل ۵/

تیغِ کمال اگر آپ کو غازی اعظم مصطفےٰ کمال کے مفصل حالات یونان کے برخلاف مسلمانوں کی کوشش اور فتح کے منظر دیکھنے ہیں تو اس کتاب میں دیکھئے۔ جس میں یورپ کی سازشوں کے راز افشا کئے گئے ہیں۔ شکست یونان کے درد انگیز مناظر جانباز ترکوں کی شجاعت اور کمال پاشا کا کمال۔ قیمت عہ/

مضامین اور افسانوں کے جدید مجموعے

قرآنی قصے ان نبیوں اور رسولوں کے مقدس حالات جن کا قرآن مجید میں ذکر ہے۔ حضرت علامہ راشد الخیری رحمۃ نے یہ قصے مسلمان بچوں کے لئے ان کی سمجھ کے مطابق انہیں کی زبان میں مگر اپنے خاص رنگ میں لکھے تھے۔ قیمت صرف عہ/

عروسِ مشرق وہ مضامین جو یورپ کی امداد ہند نقالی اور مغربی تہذیب کے زہر آلود اثر سے محفوظ رکھنے کے لئے مرحوم مصور غم نے تحریر فرمائے تھے ان میں ان مشرقی خوبیوں کو جو روز بروز مٹ رہی ہیں اور جن پر ہندوستان کے بسنے والے ناز کرتے تھے موثر پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے۔ قیمت ۱۰/

گردابِ حیات حضرت مصور غم نے عورتوں کی اصلاح و حمایت میں چھوٹے چھوٹے نتیجہ خیز اور موثر افسانے عام فہم پیرایہ میں عصمت میں لکھے تھے ان کا مجموعہ ان افسانوں نے بیسیوں عورتوں کو افسانہ نگار بنا دیا۔ اور سینکڑوں عورتوں کی زندگی سنور گئی۔ عہ/

بزمِ رفتگاں اردو ادب کے غیر فانی نثر کے سہتے جو ملک کی مایۂ ناز خواتین اور باکمال شعرا مدد باقی یاد میں لکھے گئے تھے جو معدن ادب کے بیش بہا جواہر ریزے ہیں ایک ایک فقرہ اور ایک ایک جملہ درد و اثر میں ڈوبا ہوا ہے قیمت ۱/

گدڑی میں لعل لڑکیوں اور عورتوں کو سگھڑ ہنرمند اور کفایت شعار بننے اور کامیاب زندگی بسر کرنے کے خانہ داری کے متعلق نہایت ہی مفید مشورے دل نشین پیرایہ میں۔ یہی ہیں وہ مضامین جنہوں نے ہزاروں عورتوں کی زندگی میں انقلاب پیدا کر دیا اور وہ کامیاب گھر والی بن کر خوش و خرم زندگی گذارنے لگیں۔ عہ/

سیاحتِ ہند جو ہندوستان کے مختلف مقامات کی تعلیم یافتہ و دردمند خواتین و حضرات کا تذکرہ جس سے مختلف صوبوں کی معاشرت۔ تمدن سے واقفیت ہوتی ہے۔ اور علامہ مرحوم کی طبیعت و عادات و خصائل کا بھی پتہ چلتا ہے۔ قیمت ۸/

دادا لال بجھکڑ پانچ نہایت ہی پر لطف مزاحیہ قصے جنہیں پڑھ کر ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جائیں۔ ولائتی نخھی اور نانی عشو کے سلسلہ کی تفریحی لیکن نتیجہ خیز کتاب جس سے

معلوم ہوتا ہے کہ مصور غم علیہ الرحمۃ ظرافت نگاری میں بھی کس درجہ کمال رکھتے تھے۔ قیمت ۸/

بے فکری کا آخری دن

اور دوسرے مضامین کنواری بچیوں کے لئے۔ جن کا مقصد یہ ہے کہ ان میں اچھے عادات و خصائل پیدا ہوں۔ وہ اپنے فرائض کو سمجھنے لگیں قیمت چار آنہ ۴/

نالۂ زار

خواتین ہند کے محسن اعظم کے دردانگیز مضامین جن میں عورت کی مختلف حیثیت پر بحث کی گئی ہے۔ عورتوں کی مظلومیت کا مرقع اور ان کے مصائب و آلام کی دردانگیز داستانیں ہیں جنھیں پڑھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ اور سنگدل سے سنگدل انسان کی آنکھیں نم ناک ہو جاتی ہیں۔ قیمت ۱۲/

احکامِ نسواں

قرآن مجید کے وہ احکام جو عورتوں سے متعلق ہیں مع ترجمہ و تفسیر جس نے مسلمان عورتوں کی ایک اشد ضرورت کو پورا کر دیا۔ کتاب زنانہ لٹریچر میں نہایت اہمیت رکھتی ہے اور ہر مسلمان خاتون کے پاس رہنی چاہئے۔ اس کی پوری قدر و قیمت مطالعہ کے بعد ہی معلوم ہو سکتی ہے۔ قیمت ۱۲/

دعائیں

حضرت علامہ مغفور کی سب سے آخری تصنیف مصور غم علیہ الرحمۃ نے اپنے مخصوص رنگ میں اردو زبان میں نثر و نظم کی دعائیں لکھی تھیں۔ جو اس قدر سوز و گداز اور درد و اثر میں ڈوبی ہوئی ہیں کہ ایک ایک جملہ اور ایک ایک مصرعہ کلیجہ سے پار ہو جاتا ہے۔ قیمت آٹھ آنے۔

دلی کی آخری بہار

ساٹھ برس پہلے دلی کیا تھی۔ مرد۔ عورتیں۔ بوڑھے بچے کس طرح بے فکری اور سادگی کے ساتھ زندگی کا لطف اٹھاتے تھے۔ میلے ٹھیلے کس طرح مناتے اور سیر و تفریح کس طرح کی جاتی تھی۔ اس کتاب میں قدیم معاشرت۔ محبت۔ تعلقات اور وضعداری کی دردانگیز کہانیاں اور بربادی دلی کے جگرخراش افسانے ہیں۔ قلعہ معلیٰ کی کوثر سے دھلی ہوئی زبان میں مصنف نے فسانہ شب شناگر دردمند دلوں کو تڑپا دیا ہے۔ قیمت صرف ایک روپیہ ۱/

محسنِ حقیقی

مسلمانوں کے آقا و مولا سردار دو جہاں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی کے چند متفرق واقعات مصنف آمنہ کے لال کے قلم سے اور اس قدر موثر پیرایہ میں کہ آنکھ سے آنسو نکل پڑیں۔ مجالس میلاد کے متعلق چند سطلاحی مضامین بھی اس کتاب میں ہیں۔ قیمت چھ آنہ - ۶/

داستانِ پارینہ

تاریخی مضامین کا مجموعہ جن میں متعصب غیر مسلم مورخوں کے ان حملوں کا مدلل جواب بھی دیا گیا ہے جو مسلمان بیگمات اور حکمرانوں پر کئے جاتے ہیں۔ افسانوں سے زیادہ دلآویزی ہے۔ قیمت باتصویر ۱۲/

بلبلِ بیمار

لڑکیوں کی تعلیم اور تربیت اور پردہ کے مختلف پہلوؤں پر طبقۂ نسواں کے سب سے بڑے ناصح نے بتائی

صدی تک غور و فکر کے بعد جو بیش بہا مضامین تحریر فرمائے تھے ان کا بے انتہا قیمتی مجموعہ۔ قیمت ۱۰/

مسلی ہوئی پتیاں

دلی کی بیگماتی زبان میں زنانہ خطوط حیات انسانی کے وہ راز جن کو پڑھ کر بے ساختہ جی چاہتا ہے کہ الفاظ کو اٹھا کر آنکھوں پر رکھ لیجئے ۶/

چمنستانِ مغرب

خانہ داری۔ تاریخ۔ معاشرت۔ ادب غرض ہر موضوع پر جو خواتین کے لئے مفید ہو سکتا ہے۔ انگریزی زبان کے چند بہترین مضامین کے عام فہم ترجمے۔ جن میں حضرت علامہ مغفور کا خاص رنگ بھی جھلک رہا ہے۔ قیمت ۸/

حور اور انسان

اب سے تقریباً تیس سال قبل رسالہ تمدن میں علامہ مغفور نے حقوق نسواں کی حمایت میں چند نہایت موثر دردانگیز افسانے تحریر فرمائے تھے جنھوں نے تعلیم یافتہ مردوں میں ایک تہلکہ مچا دیا تھا۔ ان کا مجموعہ ۱۲/

بساطِ حیات

چار مختصر افسانوں کا مجموعہ۔ حیات انسانی کے متعلق جانوروں کا مشاہدہ اور مطالعہ چاروں افسانے دلآویز اور نتیجہ خیز ہیں۔ قیمت ۶/

نشیب و فراز

آٹھ عورتوں نے اپنی اپنی زندگی کا کوئی اہم اور مشاہدہ بیان کیا ہے۔ ہر افسانہ نہ صرف حد درجہ دلچسپ ہے بلکہ نسوانی زندگی کے کسی نہ کسی پہلو پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔ قیمت ۴/

مسلمان عورت کے حقوق

جو مرد خانگی زندگی خوشگوار بنانے کے آرزومند ہیں، جو عورتیں معلوم کرنا چاہتی ہیں کہ اسلام میں ان کی کیا وقعت اور کیا درجہ ہے وہ اس مجموعہ کا مطالعہ کریں۔ جس دل میں مسلمانوں کی ترقی اور بہتری کا درد ہے ممکن نہیں وہ ان مضامین کو پڑھے اور تڑپ نہ اٹھے۔ قیمت بارہ آنہ۔ ۱۲/

ساجن موہنی

بہت سی بیبیاں باوجود کوشش کے شوہر کو خوش نہیں رکھ سکتیں کیونکہ انھیں تسخیر شوہر کے گُر ہی نہیں معلوم۔ اس مجموعہ کا مطالعہ نہ صرف شادی شدہ خواتین ہی کے لئے بے انتہا مفید ہے بلکہ ان لڑکیوں کے لئے بھی جن کی عنقریب شادی ہونے والی ہے۔ قیمت ۴/

زیورِ اسلام

لڑکیوں اور عورتوں کے لئے نہایت موثر مذہبی مضامین جن کے مطالعہ سے انھیں معلوم ہوگا کہ ان کی ہستی کیا معنی رکھتی ہے اور آئندہ زندگی کو خطرات سے بچا کر ایک مسلمان کی حیثیت سے پرلطف اور باطمینان زندگی کس طرح بسر کی جاتی ہے۔ قیمت ایک روپیہ ۱/

شادی کا انتخاب

ہر وقت اولاد کی شادی کا انتخاب مسلمانوں کے لئے نہایت نازک مسئلہ ہے اس کتاب میں اولاد کی شادی کے بارے میں بیش بہا مشورے دئے گئے ہیں۔ قیمت ۱/

عالم نسواں

ان ملکی اور غیر ملکی واقعات پر جو خواتین بالخصوص مسلمان عورتوں سے متعلق تھے حضرت علامہ مغفور کا اپنے مخصوص پیرایہ میں تبصرہ۔ تحریک نسواں۔ بیداری نسواں۔ آزادی نسواں۔ حریت نسواں پر گرانبہا خیالات۔ قیمت ۸ر

فریب ہستی

وہ بیش بہا مضامین جو اصلاح معاشرت اور اصلاح اخلاق کے متعلق ہیں اور جن کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ کس طرح مسلمان گھرانے اندر ہی اندر گھن کی طرح کھوکھلے ہو رہے ہیں۔ اور ان کی حالت درست ہونے کی کیا تدبیر ہیں۔ ٦ر

بکھری ہوئی پتیاں

مختلف موضوعات کے متفرق مضامین انشائے لطیف اور رنگین درد انگیز نظمیں بھی ہیں۔ گویا اس مجموعہ میں حضرت علامہ مغفور کی کئی حیثیتیں نظر آتی ہیں۔ قیمت ایک روپیہ چھ آنے۔ ١٦ر

خدائی راج اور دوسرے افسانے

اردو کے سب سے پہلے مختصر افسانہ نگار کے آخری افسانوں کا بے مثل مجموعہ جس میں حیات انسانی کی پیچیدہ سے پیچیدہ گتھیوں کو سلجھایا گیا ہے اور جذبات انسانی کی بے مثل ترجمانی کی گئی ہے۔ پلاٹ۔ مکالمہ۔ کردار نگاری۔ مناظر نویسی۔ جذبات نگاری ہر اعتبار سے یہ افسانہ مشرق کے بہترین افسانوں میں سے ہیں جن پر اردو ادب ہمیشہ فخر کرے گا۔ قیمت ایک روپیہ۔ عمر

یادگار تمدن

تمدن حقوق نسواں کی حمایت میں پہلا اور آخری مردانہ رسالہ تھا۔ جس کے ایڈیٹر کی حیثیت سے علامہ مغفور نے جو مضامین تحریر فرمائے تھے اُن کا مجموعہ طرز بیان اس قدر دلآویز ہے کہ بار بار پڑھنے کو دل چاہتا ہے۔ قیمت ٦ر

تصانیف محترمہ خاتون اکرم جنت مکانی

گلستان خاتون

محترمہ خاتون اکرم ہندوستان کے بہترین افسانہ نگاروں میں نہایت ممتاز درجہ رکھتی تھیں۔ گلستان خاتون متفقہ طور پر اردو کے بہترین افسانوں کا مجموعہ تسلیم کی گئی ہے اور اس میں وہ سبق آموز موثر اور درد انگیز افسانے ہیں جو افسانہ لٹریچر میں غیر فانی درجہ رکھتے ہیں اس سے پہلے کسی ہندوستانی خاتون کے اتنے بلند پایہ افسانوں کا مجموعہ نہیں چھپا۔ ملک کے تمام مشہور اخبارات اور رسائل اور نامور اہل قلم مردوں اور عورتوں نے نہایت شاندار ریویو کئے ہیں۔ دیباچہ مولانا راشد الخیری ایڈیٹر عصمت نے لکھا ہے تمام کتاب آرٹ کے کاغذ پر چھپی ہے۔ بار سوم۔ قیمت عہ

پیکر وفا

دلآویز نتیجہ خیز افسانہ جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ وفا عورت کی خلقت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ اور شریف بیوی اپنے شوہر کے لئے ایسی ایسی قربانیاں کر دکھاتی ہے کہ دنیا حیرت میں رہ جائے۔ قیمت ۸ر

بچھڑی بیٹی

ایک دلچسپ اور سبق آموز افسانہ۔ ایک لڑکی ماں باپ سے بچھڑ جاتی ہے۔ اس کی جدائی میں ماں باپ کی جو کیفیت ہوتی ہے۔ صرف کتاب پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ برسوں کے بعد وہی لڑکی اس طرح ملتی ہے کہ جنت مکانی کی بے مثل افسانہ نگاری کی داد دینی پڑتی ہے۔ قیمت ٦ر تیسری بار چھپی ہے۔

جمال ہمنشیں

جنت مکانی کے بے مثل ادبی مضامین کا نہایت حسین شاندار مجموعہ رسالہ حرم کی رائے۔ یہ مضامین بہ لحاظ زبان و خیال نہایت ہی بلند ہیں اور ان کی اشاعت اردو زبان پر بڑا احسان ہے۔ قیمت عہ تیسرا ایڈیشن قریب ختم ہے۔

تصانیف محترمہ صغرا ہمایوں مرزا صاحبہ ایم۔ آر۔ اے۔ ایس لندن

مشیر نسواں یا زہرہ

ایک دلچسپ اخلاقی ناول جس میں لڑکیوں کو بہت سی بیش بہا اخلاقی باتیں بتائی گئی ہیں۔ قصہ دلچسپ اور نتیجہ خیز ہے۔ طرز بیان نہایت آسان اکابرین قوم نے جسے پڑھ کر شاندار ریویو کئے تھے۔ قیمت ایک روپیہ چار آنے۔

سرگذشت ہاجرہ

دلچسپ اور سبق آموز قصوں کے پیرایہ میں اخلاق اور اسلامی جواہرات کا بیش بہا ذخیرہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ازدواجی زندگی میں جو بدمزگی پیدا ہو جاتی ہے عورت انہیں کس طرح دور کر سکتی ہے۔ قیمت ١٠ر

موہنی

ایک اخلاقی معاشرتی افسانہ۔ ایک شہزادی شوہر کے انتقال پر گھر بار چھوڑ کر جنگلوں میں ماری ماری پھرتی تھی یہاں تک کہ ایران پہونچتی ہے اور وہاں عجیب طریقہ سے شوہر سے ملاقات ہوتی ہے ایران کی معاشرت اور مہمانداری زچہ خانہ شادی بیاہ رسم و رواج پر دلچسپ معلومات بھی ہیں۔ قیمت ١٠

تحریر النساء

لڑکیوں اور عورتوں کے لئے جدید طرز پر خط و کتابت کی مفید کتاب۔ اخلاق۔ معاشرتی۔ مذہبی سبقوں کا لاجواب دلچسپ مجموعہ۔ یہ کتاب انشا کی انشا ہے اور نتیجہ خیز سبق آموز مضامین کا مجموعہ بھی۔ قیمت ۲ر

اخلاقی و اصلاحی ناول و افسانے

شہید وفا

سلمہ کی محبت کی سچی داستان دنیا فراموش نہیں کر سکتی اپنے سعید کی محبت میں فنا ہو کر وہ وہ مصیبتیں اٹھائیں جن کی تاب شاید ہی کوئی انسان لاسکے۔ مشہور افسانہ نگار محترمہ امۃ الوحی صاحبہ کے اس کامیاب افسانے کے ساتھ ۹ نہایت سبق آموز افسانے اور بھی ہیں۔ قیمت عہ

انوری بیگم

اردو کی نامور افسانہ نگار محترمہ طیبہ بیگم مسز نواب ضمیر جنگ بہادر کا نہایت دلآویز ناول ہے جس میں حیدرآباد کے ایک شریف معزز و اعلیٰ تعلیم یافتہ گھرانے کی بلند معاشرت دکھائی گئی ہے۔ پلاٹ میں نہایت دلکشی اور طرز بیان میں بے تکلفی اور سادگی ہے۔ قیمت ١ہ

دولت پر قربانیاں تعلیم یافتہ اور روشن خیال لڑکی کا اس درجہ سے گر کر غیر کفو میں شادی کرنے سے زکہ بیدردی دینا ہوگا برادری کے نااہل لڑکے سے شادی کرنے کے دردناک نتائج اور دولت کے لالچ میں سوکن پر بیٹی بیاہنے کا عبرتناک انجام قیمت ۸؍

چار رُخ عصمت کی مشہور انشا پرداز محترمہ انیس فاطمہ کا لکھا ہوا ایک نتیجہ خیز افسانہ جس میں چار عورتوں کی عبرت انگیز اور سبق آموز آپ بیتی ہے۔ مغربی تمدن کی اندھا دھند تقلید۔ عیسائی مشنریوں کی صحبت۔ رواج کی پابندی کے دردناک نتائج۔ قیمت ۴؍

چال باز جس میں ایک معزز اعلیٰ تعلیم یافتہ گھرانے کے حالات نہایت ہی دلچسپ پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں۔ زبیدہ اپنے منگیتر کے لئے کیا کیا قربانیاں کرتی ہے۔ مسٹر نیر ایک کم حیثیت مغربی لڑکی کے باعث کس طرح اپنی پرمسرت زندگی کو تباہ کرتے ہیں خاندان حسن کا ایک سچا دوست تمام مشکلات کو حل کرتا اور اپنے دوستوں کی خاطر کیسی کیسی قربانیاں کرتا ہے۔ یہ ایسے باب ہیں کہ آپ عش عش کریں گے۔ از محترمہ نذر سجاد حیدر صاحبہ۔ قیمت ۱۲؍

فیروزہ ایک دولت مند گر یتیم و بیسہارا لڑکی کا افسانہ غم۔ شرافت اور انسانیت کی دل ہلا دینے والی قربانیاں جن سے معلوم ہوگا کہ کس وجہ سے ایک شریف عورت اپنے شوہر کو ایک دوسری عورت کے حوالے کر دیتی ہے۔ لالچ بے ایمانی۔ ہنگامی جذبات کے قابل نفرین مرقعے حسن فرموشی محسن کشی کے آئینہ صفحے اور استقامت استقلال اور دور اندیشی کی فتح۔ از حمیدہ بیگم صاحبہ کلکتہ۔ قیمت ۸؍

نغمات موت محترمہ حجاب امتیاز علی کے لا جواب مضامین کا مجموعہ جو انہوں نے اپنی والدہ مرحومہ کی یاد میں لکھے تھے۔ یہ مضامین مصنفہ کے دلی جذبات کا آئینہ اور نظم نما نثر کا بہترین نمونہ ہیں۔ مصنفہ کے انداز بیان کی دلکشی اور ان کے شاعرانہ خیالات کی نزاکت و رفعت پورے طور پر نغمات موت میں نمایاں ہیں۔ قیمت ۶؍

ادبِ زرّیں محترمہ حجاب امتیاز علی کا طرز تحریر ملک کی دوسری مشہور انشا پرداز خواتین سے بالکل جدا نہایت دلچسپ ہے۔ وہ نثر میں خوب شاعری کرتی ہیں۔ ان کے چھوٹے چھوٹے لطیف مضامین بلند تخیل عبارت کی رنگینی اور جذبات کی ترجمانی کا بہترین نمونہ ہوتے ہیں۔ اس مجموعہ میں پچاس مضامین ہیں جن میں سے اکثر مختلف رسائل میں شائع ہوکر خراج تحسین وصول کر چکے ہیں۔ قیمت ۸؍

غیرت کی پتلی محترمہ فاطمہ بیگم صاحبہ منشی فاضل کا لکھا ہوا ایک سبق آموز اور دلچسپ قصہ جس میں زن مطلقہ الخیال عورتوں کے حالات ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ اولوالعزمی اور ہمت سے عورت کس طرح بگڑا ہوا گھر بنا سکتی ہے۔ قیمت ۶؍

روحانی شادی اصلاحی ڈرامہ منشی پریم چند نے عصمت کے لئے لکھا تھا۔ پلاٹ مکالمہ کیرکٹر اور ہر اعتبار سے کامیاب ہے۔ نتیجہ خیز سبق آموز ہے۔ دلچسپ اور دلآویز ہے۔

عبرت ناک بھی اور کافی تفریحی مزاحیہ بھی۔ اصلاح معاشرت پر نہایت موثر اور بلند پایہ ڈرامہ ہے۔ قیمت ۶؍　دودھ کی قیمت (افسانے) ۸؍

دامنِ باغبان مشہور افسانہ نگار ڈاکٹر سید احمد بریلوی کے افسانے جذبات نگاری میں ڈاکٹر صاحب کو کمال حاصل ہے۔ اور زبان روزمرہ عام فہم لکھتے ہیں۔ دامن باغبان ڈاکٹر صاحب کے ۱۷ سبق آموز افسانوں کا مجموعہ ہے۔ جو اردو کے بہترین افسانوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ قیمت صرف ۸؍

افسانہ حرم لڑکیوں کے لئے ایک فاضل جرنلسٹ نے دس کہانیاں لکھی ہیں اور ہر کہانی سے کوئی نہ کوئی مفید نتیجہ نکلتا ہے۔ لڑکیاں کتاب کو نہایت دلچسپی سے پڑھیں گی۔ طرز بیان میں دلآویزی ہے۔ عبارت بہت ہی آسان عام ہندوستانی گھرانوں کی کیفیت نہایت خوبی سے دکھائی گئی ہے۔ قیمت ۸؍

آئینہ جمال یعنی دورِ حاضرہ کی نامور شاعرہ محترمہ ملقب بہ جمال صاحبہ کی بہ نظمیں اسلام کے دور اولین کی سبق آموز منظوم کہانیاں دل کی تڑپ۔ مناظر قدرت کی مصوری۔ جذبات نسواں کی صحیح ترجمانی۔ موسیقی کی لطافت وہ کیا خوبی ہے جو آئینہ جمال میں نہیں خوف خدا پاس مذہب۔ حب الوطنی۔ ایثار ہمت بہادری کے جذبات اس کے مطالعہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ قیمت ۱۲؍

شمعِ خاموش اردو کی مشہور شاعرہ منو بیگم لکھنوی کی درد انگیز اور موثر نظموں کا مجموعہ مع دیباچہ مولانا راشد الخیری یہ نظمیں ہندوستانی مسلمان عورتوں کی مظلومیت کے صحیح ترجمان ہیں۔ اردو رسائل میں شائع ہوکر مقبول ہو چکی ہیں ہر ہر مصرعہ درد سے لبریز ہے۔ پڑھ کر آنسو نکل آتے ہیں۔ کسی خاتون کے کلام کا ایسا درد انگیز مجموعہ اب تک نہیں چھپا۔ زبان آسان اور عام فہم۔ قیمت ۶؍

کچھ اور مفید زنانہ کتابیں

تاریخی لطیفے دنیا بھر کے نامور مصنفوں شاعروں بادشاہوں شہزادیوں وغیرہ کے لطیفے جو دائرہ تہذیب سے باہر نہیں۔ نہ فرضی من گھڑت۔ ان سے ہنسی بھی آئے گی معلومات بھی بڑھے گی۔ قیمت آٹھ آنے ۸؍

ہنسی کی باتیں یہ کتاب ہندوستان کے معزز گھرانوں کی محترم خواتین کے نئے نئے طبع زاد مہذب لطیفے ہیں جنہیں پڑھ کر سنجیدہ انسان بھی ہنسے بغیر نہ رہ سکے۔ لطف یہ ہے کہ کوئی لطیفہ وقار تہذیب سے گرا ہوا نہیں۔ مہذب ظرافت کی بہترین کتاب ہے۔ قیمت ۸؍

عقل کی باتیں دنیا کے بڑے بڑے آدمیوں پیغمبروں بادشاہوں مصنفوں شاعروں ادیبوں اور فلاسفروں کے وہ سات سو اقوال جو برسوں کے تجربوں پر مبنی ہیں۔ جن میں خوشی کامیابی سے زندگی گذارنے کا راز اور حقیقی حیات انسانی کی پیچیدہ سے پیچیدہ گتھیاں سلجھانے کا حل ہے جو دل بہلانے اور غم غلط کرنے کا ذریعہ ہیں قیمت ۸؍

تندرستی ہزار نعمت

عصمت کی نابہ ناز مضمون نگار محترمہ زہرہ بیگم صاحبہ فیضی بمبئی کے نہایت مفید مضامین جن میں صحت قائم رکھنے کے چند اصول بڑی خوبی سے بیان فرمائے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ اپنی سیاحت امریکہ اور یورپ کے تجربات بھی تحریر فرمائے ہیں - قیمت ۴ر

بچوں کی تربیت

بچوں کی پرورش اور تربیت پر بہترین کتاب پہلے شریف گھرانوں میں بچوں کی پرورش میں جن جن باتوں کا خیال رکھا جاتا تھا - آج جن بیماریوں پر اشرفیاں خرچ کی جاتی ہیں اس وقت پیسوں میں کام ہوجاتا تھا - وہ سب اس میں جمع کی گئی ہیں - قیمت ۱۰ر

خواتین اندلس

اندلس یعنی اسپین پر مسلمانوں نے ۸۰۰ سال تک حکومت کی ہے - مسلمانوں کے زمانہ میں سرزمین اندلس (اسپین) نے ایسی ایسی باکمال خواتین پیدا کی تھیں جنہوں نے علوم وفنون کے دریا بہادئے تھے - یہ ان کی تذکرہ ہے جس سے معلوم ہوگا کہ اس زمانہ میں طبقہ نسواں میں کیسی کیسی اعلیٰ پایہ کی شاعر ادیب - مصور بذلہ سنج - لطیفہ گو - حاضر جواب موجود تھیں
قیمت صرف ۶ر

زمانہ بستہ

دس چھوٹی کتابوں کا مجموعہ (۱) بسم اللہ کی کتاب (۲) کہانیوں کی کتاب (۳) کھیل کی کتاب (۴) لکھنے کی کتاب (۵) نماز کی کتاب (۶) کھانے پکانے کی کتاب (۷) تندرستی کی کتاب (۸) تہذیب ادب اور اخلاق کی کتاب (۹) روزہ کی کتاب (۱۰) خانہ داری کی کتاب یا دولہن کا اصلی جہیز - جو کتاب جس مضمون پر ہے مکمل ہے - بچیوں اور لڑکیوں کے لئے زمانہ بستہ نہایت ہی مفید اور بڑے کام کی کتاب ہے - قیمت صرف ۵ر
بچوں کے لئے بچوں ہی کی زبان میں ۵ کتابیں.

مختصر دنیا

انگریز سیاح گلیور صاحب بالشتیوں کی دنیا میں چلے گئے تھے جنہیں بالشتیے دیو کہتے تھے - سیاح کبھی درجنوں بالشتیوں کو ہتھیلی پر اٹھا لیتا تھا اور سینکڑوں بالشتیوں کا جو کھانا اہتمام سے تیار ہوتا تھا ایک لقمہ میں ختم کردیتا تھا بڑی مزے دار کہانی ہے - قیمت ۵ر

بچوں کی دنیا

روس کے مشہور مصنف ٹالسٹائی کی ان کہانیوں میں سے جو بچوں کے لئے مصنف نے لکھی تھیں پانچ بہترین کہانیوں کا ترجمہ بچوں ہی کی زبان میں کیا گیا ہے جن سے علاوہ دلچسپ ہونے کے بچوں کے اخلاق درست ہوتے ہیں - ان میں نیکی بہادری - حب الوطنی - ہمدردی - ایثار کے جذبات پیدا ہوتے ہیں -
قیمت ۷ر

مزیدار کہانیاں

بھولے بچوں کے مطلب کی انہیں کی زبان میں لکھی ہوئی کہانیاں اس قدر دلچسپ کہ بغیر ختم کئے بچے چھوڑ نہ سکیں باتصویر - ازسید ابوتمیم فرید آبادی - قیمت ۵ر

جاپانی کہانیاں

مسز فضلی صاحبہ نے اپنے شوہر کے ساتھ جاپان میں کئی سال رہ کر بچوں کے مطلب کی نہایت عمدہ سبق آموز کہانیاں جمع کی ہیں اور بڑی قابلیت سے اردو میں لکھی ہیں - جاپانی بچوں کی یہ بہت مشہور پسندیدہ کہانیاں ہیں - تصویریں بھی دی گئی ہیں - قیمت ۸ر

شہزادی نیلوفر

اور دوسری نہایت مزیدار دلچسپ کہانیاں - چھوٹے بچوں اور بچیوں کے لئے از محترمہ سرور جہاں رعنا بی.اے - قیمت ۱۲ر

آئینہ موٹر

موٹر کے متعلق اردو میں کئی کتابیں ہیں مگر وہ سب مل کر آئینہ موٹر کا پاسنگ بھی نہیں ہیں - اس کتاب میں موٹر انجن کے ہر حصہ کے اصول کیا سلیس اور عام فہم عبارت میں سمجھائے گئے ہیں - اس کتاب کی مدد سے پرزے کے متعلق کافی واقفیت ہوجاتی ہے - ڈرائیور اور دکتاب کی ضرورت نہیں کی نہیں آتی اور بہت سا روپیہ اور وقت ضائع ہونے سے محفوظ ہوتا ہے بہت سے نقشے اور انڈکس بھی ہے - قیمت صرف ۱۲ر

آفتاب زندگی

مولانا سیماب اکبرآبادی نے اس دلچسپ قصہ میں ایک لڑکی کے کنوارپنے کے حالات دل نشین پیرائے میں لکھے ہیں اور فضول اور نقصان دہ رسموں پر مدلل بحث کی ہے - واقعات دلآویز اور طرز بیان دلکش ہے - قیمت ۶ر

شباب زندگی

آفتاب زندگی کا دوسرا حصہ ہے جس میں شمس النساء کی شادی اور بعد کے حالات ہیں - اس ضمن میں جو مصائب اور جو تکلیفیں اور جو آرام اور جو راحتیں اس نے اٹھائیں اور جو تجربے اس نے حاصل کئے وہ سننے اور زیب اور گرہ میں باندھ لینے کے قابل ہیں - قیمت ۶ر

پھول پھلواری

پھولوں کی کاشت کیاری اور باغیچہ کی نگہداشت اور انگریزی ہندوستانی اور ہر موسم اور ہر قسم کے پھولوں کے متعلق نہایت مفید اور کارآمد معلومات اور عورتوں کے لئے قابل قدر تحفہ - از محترمہ سرور جہاں رعنا بی-اے - قیمت ۸ر

وداعِ راشد

حیات راشد کا آخری باب

از رازق الخیری حضرت علامہ راشد الخیری رح کی علالت اور وفات کے حالات ذاتی اوصاف اور مختلف انسانی حیثیتوں کا تذکرہ - رسالہ شاہکار لکھتا ہے - رازق صاحب نے دلی کی صاف ستھری زبان میں سچے پاکیزہ جذبات کی دردناک تصویر کھینچ کر رکھدی ہے - واقعات کو اس قدر مؤثر انداز میں بیان کیا ہے کہ بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل آتے ہیں۔ اخبار وکیل لکھتا ہے "ہندوستان کے سب سے بڑے حزن نگار کی موت کے تاثرات کو اسقدر درد ناک انداز میں بیان کیا ہے گویا خود مولانا مرحوم کتاب کے مصنف ہیں. ۸۰ صفحات دو رنگ قیمت ۸ر

چند باتیں

دوسری جنگ عظیم کو دو سال دو ماہ ہو گئے۔ اس عرصہ میں چیزوں کی قیمتیں کہیں سے کہیں پہنچ گئیں۔ خصوصیت کے ساتھ کاغذ تو اس قدر مہنگا ہو گیا کہ بڑے بڑے اخبارات اور رسائل چیخ اُٹھے۔ عصمت کے کاغذ اور ضخامت میں دو سال تک فرق نہ آیا اور کاغذ کی گرانی کا خاموشی سے مقابلہ کیا گیا مگر سفید چکنا کاغذ جس پر عصمت چھپتا تھا گراں ہوتے ہوتے جب کمیاب ہو گیا تو مجبوراً ستمبر سے رف کاغذ لگانا پڑا۔ اب مشکل یہ ہے کہ رف کاغذ بھی عصمت کے لئے نہیں ہے۔ گورنمنٹ اخبارات و رسائل کی آسانی کیلئے کاغذ پر کنٹرول کر رہی ہے مگر یہ کنٹرول عصمت و جوہر نسواں کیلئے مصیبت بن رہا ہے کیونکہ گورنمنٹ اس کاغذ کی اجازت صرف اُن پرچوں کو دے رہی ہے جو پہلے اس کاغذ پر چھپتے تھے۔ سفید چکنے کاغذ پر چھپنے والے پرچوں کی تعداد تھوڑی ہے۔ انہیں سارٹیفکٹ نہیں دیا جا رہا جس کے معنی یہ ہیں کہ انہیں بند ہو جانا چاہیئے۔ قریب قریب پچاس ہزار روپیہ کی وہ رقم جو حضرت علامہ راشد الخیری کی تصنیفات کے کاپی رائٹ عصمت بک ڈپو کے منافع، جائداد اور نقد روپیہ کی صورت میں گذشتہ پینتیس ۳۵ سال میں عصمت پر قربان کر دی گئی اس کا نصف حصہ بھی اگر اسوقت محفوظ ہوتا یا عصمت بھی ہزاروں پرچوں کی طرح تجارتی اُصولوں پر چلایا جاتا یا کسی زندہ قوم کا پرچہ ہوتا تو آج سے سال ڈیڑھ سال پہلے پندرہ بیس ہزار روپیہ کا کاغذ خرید کر اس مصیبت کا مقابلہ کرنے کے لئے محفوظ کر لیا جاتا جس کا آج سامنا ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ حضرت والد مرحوم نے جو کچھ کمایا سب عصمت اور مدرسہ کی نذر کر دیا۔ اور اپنے بعد کوئی جائداد یا نقد روپیہ نہیں چھوڑا حالانکہ اس پایہ کا کوئی اور مصنف یا مصلح کسی اور زبان یا کسی اور قوم کا ہوتا تو عصمت جیسے رسالہ کا ہزاروں کا سرمایہ چھوڑنے کے علاوہ لاکھوں روپیہ کی جائداد چھوڑ کر رخصت ہوتا۔ ہمارے پاس جو کچھ تھا ہم اپنی قوم کی بہتری کے خیال میں یا یوں کہہ لیجئے کہ خبط میں لٹا چکے اور اب کاغذ کی گرانی اور کمیابی ہماری طاقت سے باہر ہو رہی ہے۔ جن کے لئے یہ ناچیز پرچہ پینتیس ۳۵ برس سے شائع ہو رہا ہے ان میں اپنے پرچہ کی مشکلات کا احساس اور ہمدردی کا عملی ثبوت دینے کا حوصلہ نہیں اور اگر کاغذ فنڈ کھولدیا جائے اور دو دو چار چار روپیہ دو چار سو دردمند بھیج بھی دیں تو اس سے ہونا ہی کیا ہے۔ کاغذ کا حال یہ ہے کہ عصمت میں جو سفید چکنا عمدہ قسم کا لگتا تھا اس کی قیمت چار روپیہ رم تھی اب وہ کاغذ چودہ روپے رم سے کم میں نہیں مل رہا۔ جنگ اگر سال بھر اور جاری رہے تو بیس بائیس روپیہ رم ہو جانا تعجب انگیز نہ ہوگا۔ اگر اٹھارہ روپیہ رم کا اوسط سال بھر کا لگایا جائے تو فی رم چودہ روپے زیادہ ہوتے ہیں۔ اگر ہمیں چکنے سفید کاغذ کے ۵۰ رم کی ضرورت ہر ماہ ہو تو سات سو روپیہ ماہوار کا یا سال بھر میں ساڑھے آٹھ ہزار روپیہ سے زیادہ کا نقصان صرف کاغذ کی گرانی سے ہوتا ہے۔ جسے اب ہم برداشت نہیں کر سکتے۔ اگر اکھٹی رقم موجود ہوتی تو خاص طور پر کاغذ بنانے والی مل سے براہ راست انتظام کر لیا جاتا کیونکہ بازار میں تو اکھٹے ۱۰، ۵ رم بھی نہیں ملتے۔ دو رم آج مل جائیں گے اور وہ بھی مشکل سے تو دو تین رم ہزار جتن کر کے کل۔ پس ایسی حالت میں کہ سفید کاغذ ناقابل برداشت حد تک گراں ہو گیا اور پھر بھی جس قدر چاہیئے دستیاب نہیں ہوتا اور رف کاغذ کیلئے ہمیں اجازت نہیں ملتی۔ سیدھی سی بات یہ ہے کہ پرچہ ہی بند کر دیا جائے کیونکہ جب کاغذ ہی نہ ملیگا تو چھپے گا کس چیز پر لیکن چونکہ یہ واقعہ ہے کہ باوجود اسکے کہ متعدد زنانہ پرچے اسوقت شائع ہو رہے ہیں عصمت کا بند ہو جانا قوم کے لئے مدتوں ناقابل تلافی نقصان ہوگا۔ اسلئے اس پرچہ سے مضامین کے صفحے ۵۶ کر دئے گئے ہیں مگر چونکہ ہر صفحہ کی کتابت باریک ہوگی اور ہر صفحہ میں سابقہ مسطر کے ڈیڑھ صفحہ کا مضمون آتا ہے اسلئے ۵۶ صفحوں میں ۸۰ صفحوں سے زیادہ کے مضامین ہوں گے سوائے اسکے ابھی تک ہماری سمجھ میں اور کوئی بات نہیں آئی مگر عصمتی بہنیں یقین کریں کہ جس طرح عصمت نے گذشتہ ۳۵ سال میں متعدد مرتبہ بڑی بڑی مشکلات کا مقابلہ کیا ہے۔ اسی طرح اب بھی ہماری کوشش ہوگی کہ جس طرح بھی ممکن ہو یہ ناچیز پرچہ اپنی حقیر خدمات اور ناچیز کوششوں میں

اچھی بیوی

از حضرت علامہ راشد الخیری علیہ رحمۃ

جس طرح یہ مثل مشہور ہے کہ جس نے ماں کا پیٹ دیکھا وہ گور کا منہ پہلے دیکھے گا اسی طرح اسمیں بھی کلام نہیں کہ ہماری
یہی چھوٹی چھوٹی اور ننھی ننھی بچیاں جو آج کھیلنے کی گڑیاں اور دل بہلانے کے کھلونے معلوم ہو رہے ہیں کل ایک زبردست
گاڑی میں جتنے والی ہیں۔ ان کو ایک گھر کا پورا مالک بننا ہے۔ چند بندگان خدا دو چار بے زبان جانور ان کے قبضۂ قدرت
میں ہوں گے۔ ایک شخص کی اچھی یا بری زندگی بسر ہونے کا انحصار ان پر ہوگا ان کو اتنی قدرت ہوگی کہ اس شخص کی زندگی
جو ان کا عمر بھر کا ساتھی ہے۔ نعمت عظمیٰ بنادیں اور اسی ناپائیدار دنیا کو اس کے واسطے جنت کردکھائیں۔ ان کے اختیار
میں ہوگا کہ اسی شریک عمر کو جینا وبال جان۔ زندگی سوہان روح اور دنیا دوزخ کردیں۔ مختصر یہ ہے کہ یہی لڑکیاں جو
آج بیٹیاں نواسیاں بھانجیاں بھتیجیاں بنی ہیں انہیں ابھی بہت کچھ بننا ہے۔ بیویاں بنیں گی مائیں بنیں گی اور یہ وہ
کام ایسے ہوں گے جن کی بہتری اور برتری کا تعلق فقط ان ہی کی ذات سے نہیں بلکہ اس کا اثر دوسروں پر پڑنے والا
ہے۔ مجھ کو اس وقت صرف ان کے بیوی بننے سے بحث ہے اور یہ ان کے اوپر زندگی کی سب سے پہلی ذمہ داری ہوگی۔
وہ مقدس الفاظ جو دو اجنبیوں کو شیر وشکر کر دیتے ہیں۔ دو ایسے غیروں کو جو ایک دوسرے سے سینکڑوں ہزاروں کوس
کے فاصلے پر رہنے سہنے والے ہوں ایک جان دو قالب بنا سکتے ہیں یعنی خطبۂ نکاح وہ ایک زنجیر ہے جو دونوں کو
آپس میں جکڑ دیتی ہے۔ جس کو گلے میں ڈالنے کے بعد یہ بیوی کی خوشی پر منحصر ہے کہ وہ اس ذمہ داری کی بھاری زنجیر کو
چندن ہار بنادے۔ یا قیدی کا طوق۔ کوئی رشتہ کا تعلق جو۔ ممتا کی ماری ماں اور شفیق باپ سے ہوتا ہے پائیدار نہیں۔ مگر یہ زنجیر
اس وقت تک اترنے والی نہیں جب تک زوجین میں سے ایک دنیا ہی کو خیرباد نہ کہہ دے۔ گویا زندگی کا آغاز اس وقت
سے ہوا جب لڑکی اس گھر سے جس میں ننھی سے کنواری اور کنواری سے بیاہی ہوئی رخصت ہو کر ایک دوسری دنیا ایک غیر
گھر ایک نئے ماں باپ کے ہاں داخل ہوئی اب آئندہ اچھی زندگی بسر ہونے کا دارومدار اس شخص کی خوشی پر ہے جس کے
ہاتھ میں ماں باپ جیسے رفیقوں نے ہاتھ دے دیا اور زبردستی نہیں ہنسی خوشی سے منت سماجت سے۔ پس بیوی کا
سب سے پہلا کام نہ خاوند کی اطاعت ہے نہ فرمانبرداری بلکہ اس بات کا پتہ لگانا ہے کہ اس کی طبیعت کا رجحان کس طرف ہے
کیا اسباب ہیں جن سے اس کی طبیعت مکدر ہو سکتی ہے۔ اور کونسا سامان ہے جو اس کی طبیعت کو بشاش بنا سکتا ہے۔
جن لڑکیوں کا یہ خیال ہے یا ان کو یہ تعلیم دی گئی کہ اول ہی دن سے خاوند پر رعب بٹھانا چاہئیے وہ بالکل غلط رستے پر جارہی
ہیں منزل مقصود ان سے کوسوں دور ہے مشکل ہے کہ وہ اپنی زندگی ہنسی خوشی بسر کرسکیں۔ عمر بھر جوتیوں میں دال بٹے گی
اور تکا فضیحتی رہے گی اگر کسی شریف سے پالا پڑ گیا تو وہ اپنی عزت کے ڈر سے زبان نہ ہلائے مگر یاد رکھنا کہ یہی مسکین ایک
دفعہ طوطے کی طرح دیدے بدل جائیگا اور ایسی مصیبتوں کا پہاڑ سر پر ڈھائے گا جس کو موت ہی سرکائے تو سرکائے۔
اس لئے ہر کنواری لڑکی کو اپنے اس نئے مکان میں جس کی تعمیر اس کی زندگی کے ساتھ ہی ساتھ ہو رہی ہے داخل

پاپ

غریب کا نہ ایشور ہوتا ہے اور نہ سنسار۔

ہولی بھی آئی اور دیوالی بھی پر بھو پر نہ بھگوان دیوتا مہربان ہوئے اور نہ لکشمی دیوی۔ اس کا جیون یوں ہی گذرتا چلا گیا جیسے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے۔ گیتا نہیں اس کے من مندر میں تو بڑے بڑے سندر محل آشاؤں کے بنے تھے مگر جب گانٹھ میں پھوٹی کوڑی نہ ہو تو سپنے اور ساری آشائیں خواب سے زیادہ نہیں۔ پاگل پریمی کی طرح ہاتھ پیر مارتے مارتے جیون گذار دینا سنسار والوں نے ایشور کی مرضی سمجھ رکھا ہے۔ نہ جانے یہ بھی کونسی ایشور کی مرضی ہے کہ پاپی پھلیں پھولیں اور اس کے سیدھے سادے بچے روٹی کے ایک ایک ٹکڑے کو بھی ترسیں۔

تین دن ادھر ادھر دھکے کھانے کے بعد گرستی کو ٹکنے کی مزدوری نہ ملے اور اس کے ساتھ اس کے چھوٹے چھوٹے بچے بھوک اور پیاس سے دم توڑ رہے ہوں تو اس وقت اگر کسی کے دل میں چوری کا خیال آ جائے تو کونسا گناہ ہے آخر یہی لوگ جن کے نزدیک غریب کا سب سے مشکل کام روٹی ہضم کرنا ہوتا ہے پیسے کہاں سے وہ بڑے بن کر آتے ہیں کہ روپیہ خرچ بھی کریں تیرتھ جاترا بھی کریں اور بیمار کا کر دینے بن سکتے بھی محسوس کریں۔ کیا اس جھونپڑی میں غریب کا اتنا بھی حق نہیں کہ وہ اپنے بھوکے بچوں کا پیٹ بھرنے کو تھوڑا بہت لے سکے۔

بغاوت کے جذبے آدمی کو بیکار دکھائی دینے لگتے ہیں جب اس کو کچل دیا جاتا ہے۔ پربھو اپنے جیون سے تنگ آگیا تھا آج اس کے بچوں کے منہ میں تین دن سے کھیل کا دانہ بھی نہ گیا تھا۔ پڑوس ہی میں سیٹھ کاشتا پرشاد کا گھر تھا جن کے بارے میں کہتے ہیں روپیہ ان کے اخراجات سے زیادہ ہونے کی وجہ سے زمین میں گڑا ہوا تھا۔ جب پربھو کی آس ہر طرف سے ٹوٹ گئی تب اس کے ہردے میں یہ خیال پیدا ہوا کہ کیوں نہ ان کے ہاں چوری کی جائے۔ جب سنسار والے مجھ پر دیا کرنے کو تیار نہیں تو میں پاپ ہی کر کے اپنے بچوں کو موت سے بچا لوں۔

کہتے ہیں کہ دان پیٹ اچھے خیال سے اچھی نہیں۔

پھر اگر بچوں کے بچانے کے لئے پربھو چوری کرنے چلا تو کوئی اس کو پاپی کیوں کہے تو کون سزا دینے والا کون؟ جب ملک بیکاری کو ختم نہیں کرتا۔ محنت کرنے والوں کو دھتکار دیا جاتا ہے۔ امیر زادوں کی کوئی نہیں سنتا۔ بھوکے کو کوئی پاس نہیں کھڑے ہونے دیتا تو کیوں نہ ہر صورت سے پیٹ بھر جائے۔

آج سیٹھ جی کے ہاں لڑکی کا بیاہ رچا تھا۔ دور دور سے لوگ آئے ہوئے تھے۔ طرح طرح کے عمدہ کھانے پک رہے تھے۔ امیروں کی بڑی آؤ بھگت ہو رہی تھی۔ روپیہ پانی کی طرح بہایا جا رہا تھا۔ ذرا ذرا سے اشارے پر لوگ دوڑ رہے تھے۔ دور دور کے گانے اور ناچنے والے بڑی بڑی رقمیں دے کر آئے تھے۔ خزانہ کا منہ کھل گیا تھا۔ مگر پڑوس میں ایک غریب کے بچے بھوکے بلک رہے تھے۔ کوئی بات بھی پوچھنے والا نہ تھا۔

رات کے سمے پربھو دھونی چڑھانی کے پیڑ پر چڑھ کر وہاں سے سیٹھ جی کی چھت پر پھاند گیا۔ سب سو رہے تھے رات کے تین بجے ہوں گے نوکر چاکر سب ہی اونگھتے بیٹھے بڑے خراٹے لے رہے تھے۔ طرح طرح کی مٹھائیاں دھری تھیں

جنکی خوشبو نے بدھو کو بے قرار کر دیا اس نے لڈو اٹھایا اور چاہا کہ منہ میں رکھے مگر ننھے کلو کی تصویر اسکی آنکھوں میں پھر گئی جو روتے روتے بھوک سے بیدم ہو کر سو رہا تھا اس نے لڈو رکھ دیا انگوچھا اتارا اور تھوڑی سی مٹھائی باندھ لی۔ اتنے میں اس کے ہاتھ سے ڈھکن گرا لوگ جاگ پڑے چور چور کی صدا بلند ہوئی وہ پکڑ لیا گیا سب نے جی کھول کھول کر مارا۔ بھوکا پیاسا پٹتے پٹتے مر گیا۔

تھانہ اطلاع کرائی گئی۔ داروغہ جی مونچھوں پر تاؤ دیتے توند پر ہاتھ پھیرتے نازل ہوئے۔ سیٹھ جی نے بھی دانت نکال کر اُن کا سواگت کیا وہ بیٹھ گئے تمام واقعہ سُنا۔ سیٹھ جی سے دو سو کی تھیلی وصول کی اور ٹھنڈے ٹھنڈے تھانہ واپس چلے گئے۔ لاش اُٹھا کر گنگا میں پھکوا دی گئی۔

دو تین سیر مٹھائی کی قیمت غریب کی جان تھی مگر اپنی جان بچانے کو دو سو خوشی خوشی نکال کر پکڑا دئے ماتھے پر بل بھی نہ آیا اُوپر سے ایشور کا شکریہ ادا کیا۔

یہ ہے ہندوستانی غریب کی زندگی۔ یہ ہی ہمارے سماج کی کارگذاری جس پر اترا اترا کر ہم ہندوستان ہمارا۔ یا بندے ماترم گاتے پھرتے ہیں۔ جہاں جانوروں پر دیا کی جاتی ہے مگر غریب کی کوئی نہیں سُنتا۔ اُس کی آہیں قہقہوں سے گونجتے ہوئے محلوں بنگلوں اور کوٹھیوں میں اس طرح گُم ہو جاتی ہے جس طرح شام کے دھندلکے میں دن کی سپیدی۔

مس کنیز فاطمہ کاشؔ ایم اے

مشکلیں لاکھوں دفعہ مردوں کی آساں ہوگئیں

اپسرائیں سورگ میں فردوس میں حوریں ہوئیں
ہندوؤں کی شان اور فخرِ مسلماں ہوگئیں
جذبۂ انسانیت ان میں بھرا ہے کوٹ کر
عورتیں ہی بزمِ عالم میں ہیں انساں ہوگئیں
ان کے ہی دم سے ہے باقی دھرم اور ایمان بھی
دھرم کی روح ہوگئیں ایمان کی جاں ہوگئیں
بال بچوں پہ یا شوہر پہ فدا ہونا الگ
دیکھکر دکھ درد اوروں کا پریشاں ہوگئیں
وادیٔ پُرخار میں چلنا انہیں کا کام ہے
آشنائے سوزشِ خارِ مغیلاں ہوگئیں
لب شکایت اور شکوہ سے نہیں ہیں آشنا
سوزِ غم بھڑکی جو سینے میں تو گریاں ہوگئیں
پرورش پائی جہاں وہ گھر بھی ان سے چھٹ گیا
کیا ہوا دو دن کبھی جا کر جو مہماں ہوگئیں
وقت پر ناصح بھی ہیں شوہر کی۔ ان سے دیکھئے
مشکلیں لاکھوں دفعہ مردوں کی آساں ہوگئیں
مِل گیا اپنی وفا کا گر کبھی ان کو صلہ
پھر تو کھِل کر پھول ان کے دل کی کلیاں ہوگئیں
گھر کی رونق ہیں اگر تو قوم کی عزت ہیں یہ
پُر ان اوصافِ حمیدہ سے جو نسواں ہوگئیں
ہوں نہ گر نسواں کنور معمور ان اوصاف سے
ان کا ہونا ہی ہے کیا یہ لاکھ پریاں ہوگئیں

کنور کول کنور

خلیفہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ

جب حضرت عمر ابن عبدالعزیز (جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نواسے تھے) کو خلافت ملی تو لوگ دُور دُور سے مبارکباد دینے کے لئے دربار خلافت میں حاضر ہوئے۔ دربار پر جاہ وجلال برس رہا تھا۔ امیر المومنین تخت خلافت پر جلوہ افروز تھے۔ امیر و وزیر قطار در قطار اپنے اپنے مرتبے کے مطابق مرصّع کرسیوں پر بیٹھے ہر قبیلے کے بزرگ سردار یکے بعد دیگرے سامنے آتے اور مبارکباد عرض کرتے تھے۔ اسی اثنا میں ایک ایک نو عمر لڑکا پیش ہوا جس نے ابھی شباب کی سرحد میں بھی قدم نہ رکھا تھا۔ امیر المومنین نے فرمایا "اے لڑکے اپنی اپنے سے بڑی عمر والے سردار کو گفتگو کے لئے پیش کر"۔

لڑکے نے جواب دیا "امیر المومنین جب خدا اپنے بندے کو یقین، یاد رکھنے والا دل اور بولنے والی زبان عطا کرے تو وہ گفتگو کا مستحق ہے اور اے امیر المومنین اگر فضیلت عمر کے لحاظ سے ہوتی تو اس وقت امّت میں جو آپ سے زیادہ عمر والے ہیں وہ تخت پر بیٹھے ہوتے"۔

امیر المومنین کو لڑکے کی یہ بات بہت پسند آئی اور پوچھا "تو کیا کہنا چاہتا ہے"؟

لڑکے نے ادب سے جواب دیا "حضور والا ہم مبارکباد عرض کرنے آئے ہیں۔ خداوند تعالےٰ نے آپ جیسا عادل خلیفہ مقرر کر کے ہم پر بڑا احسان کیا ہے"۔ امیر المومنین یہ سنکر چشم پُرآب ہو گئے اور فرمایا کہ "اے لڑکے مجھے کچھ نصیحت کر"۔ (اللہ اللہ کیا بے نفسی اور خاکساری ہے کہ خلیفۂ اسلام ایک کم سن لڑکے سے نصیحت کا طالب ہے) لڑکے نے جرأت کے ساتھ جواب دیا "بہت سے ایسے بادشاہ گذرے ہیں جو خدا کے حلم پر مغرور ہو گئے اور یہ نہ سمجھے کہ خدا کی لاٹھی میں آواز نہیں ہوتی۔ خوشامدی مصاحبوں نے ان کو رعایا کے حالات سے بے خبر کر کے نفس پروری میں پھنسا دیا۔ بیشک ایسے لوگ جلتی آگ کا ایندھن ہیں۔ اے امیر المومنین ہماری دُعا ہے کہ آپ ایسے لوگوں میں شامل نہ ہوں اور آپ کا حشر امّت کے نیک لوگوں کے ساتھ ہو"۔

حضرت عمر ابن عبدالعزیز اس لڑکے کی فصاحت و بلاغت، حکمت و جرأت دیکھ کر بہت متعجب ہوئے اور مفصل حال دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ خاندان نبوت سے تعلق رکھتا ہے اور ابھی اس کی عمر صرف دس سال ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اس باغ نبوت کے گل نو دمیدہ کی سب دُعائیں قبول فرمائیں اور حضرت عمر ابن عبدالعزیز کو ان تمام اعلیٰ صفات سے متصف کیا جو ایک بہترین بادشاہ کے شایانِ شان ہیں۔ آپ کا زمانہ خلافت راشدہ کی یاد دلاتا تھا مزاج میں عدل، انصاف، رحم و کرم، خوف خدا پرلے درجے کا تھا۔ ایک مرتبہ رات کے وقت بیت المال میں بیٹھے ہوئے حساب کتاب دیکھ رہے تھے کہ گھر سے ایک غلام کچھ کہنے کے لئے حاضر ہوا اور باہر ہی سے پیغام پہونچانا شروع کر دیا۔ آپ نے فرمایا "بھلے آدمی ذرا تو ٹھہر" اور چراغ گل کرنے کے بعد اس کی پوری بات سُنی اور جب اس کو جواب دیکر فارغ ہوئے تو پھر روشنی کر کے اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ یہ سب احتیاط اس لئے تھی کہ وہ چراغ بیت المال کا تھا اور آپ اسے اپنے ذاتی کام میں نہیں لانا چاہتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ کے عہدِ حکومت میں قحط پڑا اور بیت المال کا سب روپیہ غریبوں محتاجوں کی امداد میں اُٹھ گیا۔ لیکن ابھی خلق خدا کی مصیبت دور نہیں ہوئی تھی اور خلیفۃ المومنین اپنی رعایا کی تکلیف سے سخت بے چین تھے یہاں تک کہ انہیں اپنی انگوٹھی کے نگینے کا خیال آیا اور اُتار کر دیدی کہ اسے بیچ کر قحط زدوں کے لئے کام میں لایا جائے۔ اس پر سب امرائے عرض کی کہ ایسا قیمتی جواہر پھر ہاتھ آنا دشوار ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات دوسری سلطنتوں تک پہونچے گی کہ اتنے بڑے بادشاہ کی یہ حالت ہے کہ انگوٹھی میں نگینہ تک نہیں۔ لیکن آپ نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی اور نگینہ کی قیمت خیرات کر دی۔

اسی طرح ایک مرتبہ عید کو بچوں کے رونے اور بیوی کے اصرار سے آپ نے ارادہ کیا کہ بیت المال سے اپنا ماہوار وظیفہ پیشگی لے کر بچوں کے کپڑے بنا دیں۔ لیکن جس وقت خزانچی نے کہا کہ امیر المومنین کو آئندہ ماہ تک اپنے زندہ رہنے کا یقین ہے تو آپ آبدیدہ ہوگئے اور فرمایا کہ خدا اس کا بھلا کرے مجھے کیا اچھی بات یاد دلائی۔ اور بچوں کو سمجھا کر خاموش کر دیا۔

و - ا

ننگ قوم

اوباش اور آوارہ گرہ کٹوں اور جیب تراشوں بیماروں اور فقیروں کی کثیر تعداد آئینہ ہے بدنصیب قوم مسلم کی حالت کا۔ ایک غریب کلرک جسکی آمدنی تیس چالیس روپیہ سے زیادہ نہیں ہوتی آٹھ دس بچوں کا باپ کہلانے پر فخر کرتا ہے۔ ایک ماں اور آٹھ دس بچوں کی پرورش غریب حال سے بے حال تو ویسے ہی ہو جاتی ہے اور پھر اُسے پیٹ کی مار آج پکانے کو نہیں تو کل پہننے کو۔ ان تمام مصیبتوں کو جھیلتے ہوئے ہر سال زچہ خانہ کا خرچ بیماری کہاں تک پورا ڈالے۔ بیمار اور کمزور ماں کے بچے بھی اس قدر لاغر ہوتے ہیں کہ تاک بگڑ کر دم نکلے۔

بچہ کی تربیت و اخلاق کا دارومدار ماں کی تندرستی اور خوشحالی پر ہے۔ لیکن ننھے ننھے تلے اوپر کے بچے اور ایک اکیلی ماں کا دم کس کس کو سنبھالے اور کس کس کو دیکھے۔ جوں توں کر کے اندھی سیدھی پرورش تو ہو جاتی ہے لیکن تربیت و تعلیم میں یہ بچے بالکل صفر رہ جاتے ہیں اور یہی وہ بچے ہوتے ہیں جو بڑے ہو کر چور بدمعاش اور بھیک تک مانگنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور آئے دن کسی نہ کسی الزام میں پکڑے جاتے ہیں۔ ان جرائم پیشہ نوجوانوں کی تعداد نصف قوم سے کم نہ ہوگی۔ اس آوارہ اور بدنصیب گروہ کے ذمہ دار اُن کے والدین ہیں جن کی وجہ سے اس ننگ قوم گروہ کا اضافہ ہوتے چلا جا رہا ہے لیکن جو تربیت و اخلاق سے قطعی بے بہرہ رکھے گئے۔ پھر غضب یہ ہے کہ اس بدبخت گروہ کو صحیح راستہ پر چلانے والا بھی کوئی نہیں ملتا۔ ہاں لیڈرانِ قوم لمبی لمبی ڈاڑھیوں اور اُونچی اُونچی توندوں پر ہاتھ پھیر پھیر کر ایسی ایسی زہریلی اور متعصبانہ تقریریں کرتے ہیں جن کے اثرات سے یہ جاہل نوجوان کر بیٹھتے ہیں کر بیٹھ اور مکروہ سے مکروہ فعل کر کے کتے کی طرح اپنی جانیں گنوا بیٹھتے ہیں۔ اگر اس ننگ قوم گروہ کا احساس اگر قوم کی اصلاح اور ترقی کا سچا درد اور اگر قوم کے ہر متنفس کو باعلم شریف اور باذوق رائے بہادر بنانے کا خیال والدین کو پیدا ہو جائے تو میرا خیال ہے مسلمانوں کی بہتری کی بہت کچھ امید ہو سکتی ہے۔

آمنہ نازلی

میں تو اُن کو کھو ہی بیٹھی تھی

شادی کے شروع شروع میں تو ان کو مجھ سے بیحد محبت تھی۔ ہر قسم کے تحفوں کی بھرمار تھی عطر، تیل، صابون طرح طرح اور قسم قسم کے ساریوں پر ساریاں۔ آج یہ کپڑا لئے چلے آتے ہیں اور کل وہ۔ گرمیوں میں ہر روز بیلے اور چنبیلی کے پھول کبھی کبھی کوئی دلچسپ اور مفید کتاب۔ برسات میں آج قطب کی سیر ہے تو کل نظام الدین اور ہمایوں کے مقبرے کے۔ عید بقرعید پر کوئی نہ کوئی تحفہ ضرور خریدا جاتا تھا۔ غرض ہر بات میں ہی میں تھی۔ مگر رفتہ رفتہ یہ توجہ کم ہونے لگی۔

اب شادی کو سات برس ہو گئے۔ اللہ کے فضل سے دو لڑکے اور ایک لڑکی ہے۔ مگر ان کی اب وہ پہلے کی سی بات نہیں رہی۔ یا تو وہ حال تھا یا اب ایسے تنک مزاج ہو گئے ہیں کہ بات بات پر بگڑنے لگے ہیں۔ میری کوئی بات اُن کو پسند ہی نہیں آتی۔ ہر چیز میں عیب نکالتے ہیں۔ میں اتنی محنت سے اُن کے لئے کھانا پکاتی ہوں۔ اُن کو بُھنا ہوا گوشت، میٹھے ٹکڑے، گاجر کا حلوا، شامی کباب وغیرہ کبھی بہت پسند تھے مگر اب اُن میں بھی عیب نکلنے لگے۔ پہلے ہر لباس میں میں بھلی لگتی تھی۔ اب یہ ہے کہ جو لباس بھی پہنو کہتے ہیں وہ لباس کیوں نہیں پہنا۔ بچوں پر الگ خفگی ہے اور سارا الزام مجھ پر رکھا جاتا ہے کہ مجھ کو بچوں کا کھانا بالکل نہیں آتا۔

غرض کچھ عرصے سے زندگی بالکل دوبھر ہو گئی تھی کہ ایک دن اسی طرح صبح ناشتے پر بگڑنے لگے۔ میں نے اپنے خیال میں ان کے پسند کی چیزیں بنائی تھیں۔ شامی کباب اور پراٹھے اور پھر دودھ چائے۔ کہنے لگے شامی کباب اور پراٹھے کھاتے کھاتے جی کٹ گیا۔ تمہیں کچھ اور آتا ہی نہیں بس یہی پکا رکھا کرتی ہو اور اپنی شکل تو آئینے میں دیکھو آخر میں آدمی ہوں۔ میں محنت سے جلدی جلدی ناشتہ تیار کر کے خوش ہو رہی تھی مگر اس کا یہ بدلہ ملا۔ میں نے بس کہا کہ نہ معلوم تم کو کچھ دنوں سے کیا ہو گیا ہے۔ بس بگڑ گئے۔ شامی کبابوں کی رکابی ادھر پھینکی اور چائے کی پیالی اُدھر اور بُرا بھلا کہتے ہوئے گھر سے چل دئے۔

اُن کے جانے کے بعد مجھ کو بہت رنج ہوا۔ خوب روئی۔ ماما بھی سمجھانے لگی۔ بچے بھی جمع ہو گئے۔

میں اسی حال میں تھی کہ ایک دوست آمنہ گھر میں آ گئیں۔ ہمارے ایک رشتے کے چچا ہیں یہ ان کی بہو ہیں۔ بہت ہی ہیں۔ بڑی عقلمند اور سمجھدار ہیں۔ گھر کا کام کاج اور بچوں کی تربیت سے خوب واقف کھانا پکانے اور کپڑے سینے بھی خوب جانتی ہیں۔ ان معلومات پر بڑی حیرت ہوتی ہے۔ ان کو مجھ سے بہت محبت ہے۔ بہت دنوں سے نہیں آئی تھیں۔ اس لئے اُن سے ملنا نہیں ہوا تھا۔ میں نے ان کو دیکھ کر جلدی جلدی رومال سے آنسو پونچھے۔ مگر انہوں نے مجھ کو روتا دیکھ لیا۔ بولیں بہن کیوں رو رہی ہو۔ کیا بات ہے۔ دیکھو مجھ سے نہ چھپانا۔ اگر مجھ سے ہو سکا تو میں سب کچھ کرنے کو تیار رہوں۔

میں نے آمنہ کو سارا قصہ کہہ سنایا۔ سوچ کے بولیں بہن مرد کا ٹھیک رکھنا بھی کچھ مشکل کام ہے۔ تم تو پڑھی لکھی ہو سمجھدار ہو جس طرح چاہو اپنے میاں کو چلا سکتی ہو۔ مگر شرط یہ ہے کہ اپنی طبیعت پر جبر کرو۔ کبھی خود آپے سے

باہمت ہو۔ ہر مرد میں بچپن ہوتا ہے۔ بیوی کو چاہیئے کہ میاں کے ساتھ اس طرح سلوک کرے جیسے بچوں کے ساتھ۔ مگر یہ کہ میاں کو ہرگز ہرگز یہ نہ معلوم ہونے پائے کہ بیوی مجھکو بچہ سمجھتی ہے۔ جیسے بچے باہر سے آکر اپنے اسکول کا اور کھیلوں کا حال بیان کرتے ہیں اور اپنے کاموں کی شیخی بگھارتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ ماں باپ تعریف کریں اسی طرح مرد جب باہر سے گھر میں آتا ہے تو اپنے کاموں کی شیخی بگھارتا ہے اور اکثر بیویاں یہ پسند نہیں کرتیں بس پھر مرد ایسے دوستوں میں جانے لگتا ہے جو اس کی شیخیاں سنتے ہیں اور اس کی تعریف کرتے ہیں۔ بچوں کی طرح مرد بھی کھیلنا پسند کرتا ہے۔ ہنسی مذاق اس کو بھلا لگتا ہے۔ اکثر بیویوں کو کام کاج سے فرصت نہیں اور خاص کر جب مرد گھر میں ہوتا ہے تو وہ اور بھی زیادہ کام کاج میں مشغول ہو جاتی ہیں۔ اب میاں زیادہ گھر میں کس لئے بیٹھے۔ خاص کر بچے ہونے کے بعد بیوی بچوں ہی کی ہو جاتی ہے اور یہ سمجھتی ہے کہ بچے میاں کے بھی ہیں اس کو بھی یہ بات پسند آنی چاہیئے۔ مگر میاں یہ چاہتا ہے کہ بیوی کی نگاہوں میں وہ سب سے زیادہ پیش پیش ہو۔ یہ چند چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں اور ہاں بیوی کو چاہیئے کہ میاں کی نگاہ میں ہمیشہ اپنے آپ کو خوبصورت ہی بنا کر دکھائے۔ چاہے شادی کو تیس برس ہو جائیں اور چاہے وہ دس بچوں کی ماں ہی کیوں نہ بن جاوے۔ لباس میں اور بناؤ سنگھار میں جسم اور کپڑوں کی صفائی میں کبھی بے پرواہی نہ کرنی چاہیئے۔ اگر شروع شروع میں کبھی اس طرف سے بے پرواہی ہو بھی جاوے۔ مگر جوں جوں عمر بڑھتی جائے اس کا اور بھی زیادہ خیال رکھنا چاہیئے۔ ہاں نوجوانی کا بناؤ سنگھار اور ہوتا ہے اور بعد کا اور۔

میں نے تانتے کا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور کہا کہ آج ہی سے میں جو جو کچھ آپ نے کہا ہے اس پر عمل کروں گی۔ خدا کرے وہ آجاویں گئے تو ایسے بگڑ کر ہیں کہ اللہ کی پناہ۔

تانتے نے کہا ہاں ایک سب سے ضروری بات اور ہے جو میں تم سے آج تفصیل سے کہنا چاہتی ہوں۔ اور باتوں کی تفصیل پھر کبھی بیان کروں گی۔ بیٹی تم نے جو کھانے کا ذکر کیا اور اس میں ہمیشہ بھنا اور تلا ہوا گوشت، شامی کباب، قورمہ، ماش کی دال، میٹھے سکے، گاجر کا علاوہ چائے اور قہوہ، مصالحہ دار ترکاریاں تو میٹھی چاہیے یہ چیزیں مزے میں کتنی ہی اچھی ہوں مگر جب جوں میں غور کرتی ہوں تو مجھکو یہی معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے میاں جو اس قدر تنگ مزاج ہو گئے ہیں اور بات بات پر بگڑنے لگے ہیں اور اکثر آپے سے باہر ہو کر برتن ورتن بھی پھینک دیتے ہیں تو ہو نہ ہو اس کا سبب یہ کھانا ہے جو تم اُن کو بڑے شوق اور محنت سے اپنی طاقت اور اپنا پیسہ خرچ کر کے کھلاتی ہو۔

میں نے تعجب سے پوچھا کہ تانتے پھر کیا کھلاؤں۔ یہی چیزیں وہ بہت پسند کرتے ہیں۔

تانتے ۔ بیٹی تم دیکھتی ہو کہ دنیا نے کس قدر ترقی کی ہے۔ کیسی کیسی چیزیں ایجاد ہوئی ہیں۔ کیسے کیسے راز اور کیسی کیسی قوتیں دریافت کی گئی ہیں۔ پانی کے نیچے جہاز چلتے ہیں۔ ہواؤں میں آدمی اڑنے لگے ہیں۔ ہزاروں میل سے باتیں کر سکتے ہیں اور سن سکتے ہیں۔ جسم کے اندر کی ہڈیاں دیکھ لیتے ہیں۔ گردے کی پتھری نظر آنے لگتی ہے اور پھر کیسے کیسے علاج نکلے ہیں۔ اسی طرح غذاؤں کے بارے میں بھی بہت تحقیقات اور چھان بین ہوئی ہے اور برابر ہو رہی ہے۔

میں ۔ ہاں ہاں تانتے کبھی کبھی میں نے اخباروں اور رسالوں میں اس کے بارے میں پڑھا تو ہے۔

تانتے ۔ بڑے بڑے سائنس داں لوگوں نے اور ڈاکٹروں نے تمام کھانوں کو علمی طور سے درست استعمال کرنے کے لئے چار بڑی قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلی قسم اُن غذاؤں کی ہے جن سے ہمارا جسم بنتا ہے۔

دوسری قسم وہ ہے جس سے کام کرنے کی قوت پیدا ہو جاتی ہے۔

تیسری اور چوتھی قسم اُن غذاؤں کی ہے جن سے ہم بعض بیماریوں سے بچتے ہیں ہمارے دل و دماغ کو نشاط اور فرحت پہنچتی ہے۔ طبیعت میں اُمنگ پیدا ہوتی ہے خوش مزاجی آتی ہے۔

میں۔ تائی جی ذرا اور کھول کر بتا دیجئے اور یہ بھی کہئے کہ ان میں سے ہر قسم میں کون کون سی غذائیں شامل ہیں۔

تائی جی۔ میں آگے چل کر بتانے ہی والی تھی۔ تو سنو:-

(۱) وہ غذائیں جن سے جسم بنتا ہے۔ دودھ، پنیر، انڈے، گوشت، مچھلی، ان سب میں علاوہ اور ضروری مادّوں کے جو خاص مادّہ اور بہترین قسم کا ہوتا ہے۔ اس کو انگریزی میں پروٹین Protains اور عربی میں مادّہ زلالیہ کہتے ہیں۔

(۲) وہ غذائیں جو جسم میں کام کرنے کی قوت پیدا کرتی ہیں۔ چربی، گھی، مکھن، مارگرین، پنیر، میوہ ہائے خشک (بادام، پستہ، اخروٹ، مونگ پھلی، کشمش وغیرہ) شکر، گڑ، شہد، گیہوں، چاول، ساگودانہ، آلو، ترکاری۔ جو خاص مادّے علاوہ اور مادّوں کے ان میں ہوتا ہے ان کو انگریزی میں کاربوہائڈریٹ Carbo-hydrate اور فیٹ (Fats) یا دسومت کہتے ہیں۔ یہ مادّے جسم میں جلتے ہیں اور گرمی پیدا کرتے ہیں اور اس طرح جیسے کوئلہ انجن کو کام کرنے کی طاقت پہنچاتا ہے یہ ہمارے جسم کو گرمی پہنچا کر کام کرنے کی طاقت دیتے ہیں۔ ٹھنڈا اور مردہ جسم تو خود چل بھی نہیں سکتا۔

(۳) صحت اور نشاط کی غذائیں۔ دودھ، مکھن، مارگرین، پنیر، انڈے، کلیجی، ہیرنگ مچھلی، سامن مچھلی (تازہ یا ڈبہ کی)

علاوہ دوسرے مادّوں کے جو مادّہ خاص ان میں ہوتا ہے اس کو وٹامین (Vitamine) کہتے ہیں۔ اور خاص کر وٹامین A (اے) اور وٹامین D (ڈی) یہ وٹامین تیل میں گھلنے والی ہیں۔

(۴) صحت اور نشاط کی غذائیں۔ آلو، گاجریں، سبز ترکاریاں، سلاد، ٹماٹر، پھل (تازہ یا ڈبے کے) بغیر چھنے ہوئے آٹے کی روٹی۔ ان میں جو مادّہ خاص قابل ذکر ہے وہ وٹامین B (بی) اور C (سی) ہیں۔ یہ وٹامین پانی میں گھلنے والی ہیں۔

علاوہ ان غذاؤں کے بہت سے ضروری نمک ہیں جیسے فاسفورس کے نمک، کیلسیم، لوہا وغیرہ۔ ان کا الگ ذکر اس لئے نہیں کیا کہ اگر ہم ٹھیک ٹھیک وہ غذا جس کو ہم متوازن کھانا کہتے ہیں تو یہ حاصل ہو ہی جاتے ہیں۔ اوپر چار قسم کی غذاؤں میں بیٹی تم نے دیکھا کہ بعض غذائیں دو دو اور تین تین قسموں میں موجود ہیں۔

بیٹی تم کو ناموں ہی سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ تیسری اور چوتھی قسم کی غذائیں کس قدر ضروری ہیں۔ پہلی اور دوسری قسم کی غذائیں تو اکثر پوری ہو ہی جاتی ہیں۔ مگر تیسری اور چوتھی قسم کی غذائیں اکثر بہت کم استعمال میں آتی ہیں۔ اور ان کے جسم کو نہ ملنے سے علاوہ اور باتوں کے آدمی کی طبیعت سے بالکل نشاط اور فرحت جاتی رہتی ہیں آدمی سے خوش مزاجی دور ہو جاتی ہے اور آدمی تنگ مزاج اور چڑچڑا ہو جاتا ہے۔ اللہ کی عجیب شان ہے کہ جو چیزیں انسان کے لئے سب سے زیادہ ضروری اور لازمی ہیں وہ کثرت سے موجود ہیں اور یا تو بالکل ہی مفت ملجاتی ہیں نہیں تو بہت سستی ہوتی ہیں۔ مثلاً

چولائی، پالک کا ساگ گاجریں کس قدر سستی ہیں۔ چولائی اور پالک کو زیادہ دیر تک نہیں پکانا چاہیے۔ کھانوں کو بہت دیر تک پکانے سے وٹامین مر جاتی ہے۔ اور گاجریں کھانے کا سب سے عمدہ طریقہ تو یہ ہے کہ خوب دھو کر اگر ہو سکے تو پوٹاسیم پرمنگنیٹ سے دھو کر کچی کھائی جائے عادت پڑ جانے سے مزہ آنے لگے گی۔ نہیں تو کدوکش پر رگڑے اور اس میں کشمش اور تھوڑی سی شکر ملا کر کھائے۔ ٹماٹر بھی کچے کھانے چاہئیں۔ ایک طریقہ تو ڈبل روٹی سے سالن کی طرح کھانا یہ ہے کہ ٹماٹر کو دھو کر اور ٹکڑے ٹکڑے کاٹ کر ہاتھ دھو کر ہاتھوں سے خوب خوب مسلا جاوے پھر تھوڑا سا لہسن کچل کر ملا دے اور زیتون کا تیل نہیں تو کڑوا تیل ڈال کر خوب کھاوے جی چاہے ہری مرچیں اور سرکہ بھی ڈال دے۔ شروع شروع میں شاید یہ کڑوے تیل کا مزہ اچھا نہ لگے مگر تھوڑے ہی دنوں میں نہایت مزیدار اور لذیذ معلوم ہونے لگے گا۔ لوگ کڑوے تیل کو ذلیل سمجھتے ہیں اس لئے کہ سستا ہے اور غریب آدمی استعمال کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر حالت میں ہر طرح سے کڑوا تیل گھی سے زیادہ مفید ہے۔ یہ خیال کہ کڑوا تیل کھانے سے کھانسی ہو جاتی ہے بالکل غلط ہے۔

بیٹی تم اپنے میاں کو وٹامین والے کھانے کھلاؤ پھر دیکھو دس پندرہ دن میں ہی نتیجہ ظاہر ہو جاویگا۔ مہینہ بھر کے بعد میں غالباً پھر آؤں تو مجھکو بتانا کہ اب کیا حال ہے اور پھر میں تم کو اور بہت سی باتیں خانہ داری تربیت اور سب سے بڑی یہ بات کہ اپنے میاں کو اپنا گرویدہ کس طرح بنا سکتی ہو بتاؤں گی۔

میں ۔ نانتے تو آپ نے تو چچا میاں کو خوب گرویدہ بنا لیا ہوگا۔

نانتے ۔ ارے بیٹی بہت دیر ہو گئی۔ آج ہی مجھے باہر جانا ہے اور پھر آؤں گی تو بہت سی باتیں بتاؤں گی۔

نانتے کے جانیکے بعد میں نے خوب سوچا۔ میری طبیعت میں فوراً تبدیلی پیدا ہونے لگی اور میں نے فوراً ہفتہ بھر کے وٹامین دار کھانے کی جدول تیار کی اور نہا دھو کر نئے کپڑے پہنے۔ جو ایک دفعہ انہوں نے بہت پسند کئے تھے۔ خوشبو لگائی۔ بال ٹھیک کئے۔ مکان کی بھی صفائی کی میز کو آراستہ کیا۔ جب شام کو آئے تو میں نے نہایت ہنس مکھ ان کا استقبال کیا۔ وہ بھی گھر میں گھستے ہی مسکرا دئے۔ بولے ارے آج یہ کیا ہو گیا۔ میں تو سمجھا تھا کہ اکھوائی کھٹوائی لئے پڑی ہونگی۔ اور کھانا تک پکا ہوگا بھی نہیں۔ میں نے مسکرا کر کہا تم ہمیشہ اسی طرح غلط سمجھتے رہتے ہو۔ پھر لگے وہ دن بھر کے واقعات بیان کرنے اور خوب دلچسپی لی میں میں بھی حیرت سے اُن کی طرف دیکھتی رہی اور کبھی کبھی تعریف بھی کر دیتی تھی۔ تھوڑی دیر میں میز پر کھانا چنا۔ کلیجی اس طرح تیار کرائی تھی جس طرح نانتے نے بتایا تھا کہ اسکے پتلے پتلے پارچے کاٹ دئے اور پھر بہت سی پیاز کے لچھے کاٹ اور سب پیاز کو کلیجی پر ڈال کر سرکہ ڈال کر خوب ملا دیا اور پھر گھی میں ہلکا ہلکا تل لیا نہایت لذیذ تھی وہ تو کھا کر پھڑک گئے۔ بولے یہ تم نے کہاں سیکھا۔ کلیجی کے علاوہ سلاد تھا کترا ہوا اسمیں کترے ہوئے ٹماٹر اور پیاز کے لچھے اور سرکہ تھا اور آخر میں دودھ اور انڈے کا پڈنگ۔ پہلے ہی دن حالت بدل گئی اصرار کرتے رہے آج تم کو یہ ہو کیا گیا۔ تم تو بالکل بدل گئیں بتاؤ تو بات کیا ہے کھانے کے بعد گھنٹہ بھر سے زیادہ ہنسی مذاق میں گذرا۔ دوسرے دن جب گھر آئے تو ایک نہایت ہی خوشنما ساڑی ساتھ لائے اور ایک عطر کی شیشی بھی۔ میں نے خط لکھ کر فوراً نانتے کو سارا حال سنایا اُن سے چند اور طرح کے اور وٹامین کھانے پکانے سیکھ لئے۔ دس ہی دنوں میں گھر کا رنگ بدل گیا۔ ماں باپ کے ایکدوسرے کے ساتھ اچھے برتاوے کا اثر بچوں پر بھی پڑا۔ گھر جو ایک طرح کا جہنم بن گیا تھا اب جنت ہو گیا ہے۔ میں نے بھی اب ارادہ کر لیا ہے کہ اب گھر میں کسی قسم کی کدورت نہ آنے دونگی۔ نانتے کی نصیحت پر حرف بحرف عمل کرونگی۔ اور جب وہ اگلے مہینے آئیں گی تو جو جو باتیں وہ مجھکو بتائیں گی اپنے پیارے رسالے عصمت کے ذریعہ اپنی بہنوں کو بھی اطلاع دونگی۔

(ایک بہن کی کہانی)

بقلم **محمد عبدالستار خیری**

عورت موجودہ سوسائٹی میں

قبل اس کے کہ عورتوں کی حالت اور ان کی جگہ موجودہ سوسائٹی میں بیان کی جائے اس بات پر روشنی ڈالنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ سوسائٹی اور پرانی سوسائٹی میں کیا فرق ہے۔ انگریزوں کے ہندوستان میں آنے سے قبل یہاں راجپوت افغان مرہٹہ وغیرہ آباد تھے۔ ان لوگوں کے رسم و رواج عادات و اطوار موجودہ زمانہ کے عادات اطوار سے بالکل مختلف تھے۔ اس کے بعد انگریزی قوم نے یورپین تہذیب پھیلائی۔ یہ بات بالکل مستند ہے کہ جب دو قومیں جنکے عادات و اطوار رسم و رواج اور تہذیب ایک دوسرے سے الگ ہوں اور وہ پھر ایک ہی جگہ ساتھ رہنے لگیں تو ایک کا اثر دوسرے پر ضرور ہوتا ہے جیسے کہ انگریزوں کے آنے سے قبل اہل ہنود پر مسلمانوں کا اثر پڑا۔ اسی طرح سے انگریزوں کے ذریعہ سے یورپین تہذیب کا اثر مسلمانوں اور ہندوؤں پر پڑا اور ایسا پڑا کہ اپنے رسم و رواج کو چھوڑ کر ان کے رسم و رواج اختیار کرنے شروع کئے۔ انگریزی زبان و تہذیب و ترقی کے ساتھ ساتھ پردہ کم ہوتا جا رہا ہے۔ عورتیں گھر کی چہار دیواری میں بند رہ کر زندگی بسر کرنا زیادہ پسند نہیں کرتیں اور وہ بجائے اس کے کہ اہلیہ الف پکاری جائیں۔ مسز الف پکاری جانا زیادہ پسند کرتی ہیں۔ آجکل چونکہ فرنگی سرکار ہے لہذا سوسائٹی کی حالت بھی وہی ہے جس پر کہ انگریزیت کا عنصر ایک حد تک غالب ہے۔ انگریزی سوسائٹی میں عورتوں کا مردوں کے ساتھ آزادانہ میل جول رکھنا گھومنا بہت مناسب اور سوسائٹی کے اصول کے مطابق خیال کیا جاتا ہے وہ پرانے فرسودہ خیالات و رسوم جن پر ہمارے آبا و اجداد کو ناز تھا اب ہم کو غیر مہذب و ناشائستہ نظر آتی ہیں اور ہم غیر ملکی رسوم کے زیادہ پابند ہوتے جا رہے ہیں۔

چونکہ ہمارے اوپر بیا کا پردہ پڑا ہوا ہے لہذا ہم اتنی جلدی ایک غیر ملکی سوسائٹی کے قوانین کو اختیار نہیں کر سکتے حالانکہ ہماری سوسائٹیوں کے اصول پر غالب آ چکے ہیں اور ہم ان کو آہستہ آہستہ غیر محسوس طریقہ پر اپنی سرشت کا جزو عظیم پاتے ہیں۔

پہلے زمانہ کی تہذیب کے مطابق بیوی کی زندگی میاں کی خوشی ہوتی تھی وہ مثل ایک کٹھ پتلی کے میاں کے ہاتھوں میں اپنے ہاتھ دے کر اپنی زندگی کے دن گذارتی تھی۔ اسلامی تہذیب کے مطابق شوہر بیوی کے لئے مثل دوسرے خدا کے ہوتا تھا حالانکہ اسی کے ساتھ ساتھ میاں کو بھی بیوی کی تمام خواہشات کا پورا کرنا لازم ہوتا تھا۔ مگر اب ہم بالکل مختلف دیکھتے ہیں۔ ایک نئی روشنی کی امراء کے پاس بیوی اپنے میاں کو صرف یہ الفاظ کہ ہم مسز خلیل کے ساتھ ٹینس کھیلنے جا رہے ہیں ایک نوکر زبانی خاوند کو کہلا بھیجتی ہے اور رات کو بارہ بجے موٹر میں اپنے گھر واپس آتی ہے اور میاں بھی سوسائٹی کے قوانین کے مطابق اپنی بیوی سے کچھ کہنے کا حق نہیں رکھتے۔

ہمارے آبا و اجداد کی یہ عادت تھی کہ وہ اپنے گھر کی لڑکیوں کو زیادہ تعلیم دلوانا مناسب نہ سمجھتے تھے۔ اگر تعلیم کا کوئی بڑے سے بڑا معیار ان کی نگاہ میں ہو سکتا تھا تو وہ یہ کہ لڑکی قرآن کلام پاک اور معمولی صورت گھر کا حساب کتاب اور خط و کتابت کر سکے۔ مگر اب لڑکی کا سولہویں جماعت یعنی انٹرنس پاس کرنا معمولی بات خیال کی جاتی ہے۔ لڑکیوں کی تعلیم کا

رواج لڑکوں کی تعلیم سے زیادہ پھیل رہا ہے اور چونکہ یہ صنف نازک قدرتاً زیادہ ذہین اور صبیح ہوتی ہے لہٰذا اس کو تعلیم حاصل کرنے میں نسبتاً لڑکوں سے زیادہ آسانی پڑتی ہے تعلیم نسواں کا اس قدر چرچا ہو چکا ہے کہ جس طرح سے کچھ عرصہ قبل لڑکے اپنی بغل میں کلام مجید دبا کر قریب کی مسجد میں حفظ سے قرآن شریف پڑھنے جاتے ہوئے نظر آتے تھے اسی طرح اب لڑکیاں اسکول جاتے ہوئے دکھائی دیتی ہیں اور اگر حقیقت میں نگاہوں سے دیکھا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ ان لڑکیوں کی تعداد جو کہ تعلیم حاصل کر رہی ہیں کسی طرح لڑکوں سے کم نہیں ہے۔ اسی طرح زندگی کے اور شعبوں میں بھی عورتیں مردوں کے ہم پلہ اور برابر چلنے کی کوشش کر رہی ہیں بلکہ کامیابی حاصل کر رہی ہیں۔ مثلاً ووٹ دینے کا حق اب عورتوں کو بھی حاصل ہو گیا ہے۔

لڑکیوں کی شادی پرانے زمانہ میں ماں باپ کے اختیار میں ہوتی تھی۔ والدین ہی اپنی رائے اور پسند کے مطابق جس جگہ چاہتے تھے لڑکیوں کی شادی کر دیتے تھے مگر اب ایک اسکول کی لڑکی کو بالکل جائز طریقے سے اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ اپنے لئے کالج کا ایک خوبصورت جوان اپنے نظریہ کے مطابق ڈھونڈھے اور وہ اس کے ساتھ اپنے والدین کی مرضی کے خلاف سیول میرج بھی کر سکے۔ تمام دنیا کے مولویوں کے فتوے اس شادی کو ناجائز قرار نہیں دے سکتے یہ واضح رہے کہ اس شادی میں مذہب کی کوئی قید نہیں ہوتی ہے۔

ہم زمانہ قدیم میں یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ایک بیوہ اکثر اپنی شادی دوبارہ نہ کرتی تھی یہ صرف اس وجہ سے کہ اس کو اپنے شوہر کا خیال عمر بھر رہتا وہ اس رنج کو جو اسے شوہر کے مر جانے سے ہوا تھا بھول نہ سکے۔ وہ یہ خیال کر کے کہ خدا کی مرضی اسی میں تھی کہ وہ دنیا میں چین کی گھڑیاں اتنے ہی دن گذارے دوسری شادی کرنے پر رضامند نہیں ہوتی تھی۔

عہد قدیم میں پردے کا بہت سخت خیال رکھا جاتا تھا عورتیں غیر مردوں کے سامنے نہیں آتی تھیں مگر موجودہ سوسائٹی کے مطابق عورتیں باقاعدہ عزیزوں اور دیگر رشتہ داروں کو چھوڑ کر غیر مردوں کے سامنے جن سے جان پہچان ہے آنے سے پرہیز نہیں کرتیں۔ ایک موٹر ہے اور اس میں بیگم صاحبہ خود موٹر چلا رہی ہوں اور وہ حضرت گنج اور امین آباد جیسے بازاروں میں اپنے ہاتھ سے اپنی پسند کا سودا خریدتی پھریں یہ ہے آجکل کی تہذیب۔ موجودہ تہذیب کے دلدادہ اس بات کے ثبوت میں یہ بات پیش کرتے ہیں کہ عورت دلیر ہو جاتی ہے اس کی صحت عمدہ اس کا نظریہ بلند اور اس کو تجربہ حاصل ہو جاتا ہے اور وہ اپنے شوہر کی گھر سے باہر بھی مدد کر سکتی ہے مگر ان کو یہ نہیں معلوم کہ ان تمام باتوں میں سے شاید ہی کوئی بات کسی حد تک حاصل ہوتی ہو۔ اگر ہم نظر غائر سے دیکھیں تو ہم کو تھوڑی سی تعلیم یافتہ بیویاں ایسی ملیں گی جو اپنے بچوں کی دیکھ بھال اور سیر و تفریح کے بعد باقی وقت کو کچھ وقت نکال کر اپنے خاوند کی مدد اس کے دفتر کے کام میں کر دیتی ہوں ہاں اگر حقیقت کا پتہ لگانا ہو تو تاریخ کی ورق گردانی کیجئے آپ خود ہی دیکھیں گے کہ ایک طرف تو جہانگیر بادشاہ اپنی زندگی کی گھڑیاں عیش و نشاط طرب بیخبر مشغولیں گذارتا ہے اور دوسری طرف نورجہاں تمام انتظام سلطنت کرتی ہے۔ ایسے فیصلے صادر کرتی ہے جن کو دیکھ کر اعلیٰ سیاست داں تک عش عش کرنے لگتے ہیں کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ نورجہاں یا چاند بی بی کا نظریہ پست تھا یا وہ اپنے شوہر کی مدد نہ کر سکتی تھی یا وہ ناتجربہ کار تھیں یا ان کی صحت عمدہ نہ تھی۔ لڑائی کے میدان میں فوجی سپاہیوں کو کمان کرنا اور حکومت کی سیاسی گتھیاں سلجھانا کوئی معمولی کام نہیں تھا۔ میری عصمتی بہنیں حضرت رسولؐ کائنات کی بیٹی حضرت فاطمہؓ کی مثال دیکھیں۔ آپ خود ہی معلوم کر لیں گی کہ پردے کا رواج انہیں کے گھر سے نکلا اور ان کے تجربہ اور سیاسی معاملات کو

سمجھنے کی لیاقت کا اندازہ اسلامی تہذیب و تمدن کے مطالعہ سے بخوبی ہو سکتا ہے۔

پہلے زمانے کی عورتوں کو زیوروں کی ہوس بہت زیادہ ہوتی تھی۔ ان کے ہاں صندوق بھرے ہوئے گہنے موجود رہتے تھے حالانکہ آجکل کی عورتوں میں بھی یہ بات موجود ہے کہ انہوں نے اگر کسی بی بی کو ایک خاص قسم کا کوئی زیور پہنے دیکھا اور گھر آتے ہی دوسرے دن اپنے شوہر سے خواہش ظاہر فرمائی کہ ہم بھی ویسے ہی زیور لیں گے۔ شوہر بے چارے روپے کہاں سے لائے تنخواہ تو کلب کی نذر ہو جاتی ہے۔ بیوی کی خوشی کے واسطے وعدہ تو کر لیا مگر اپنے اوپر بہت بڑا جبر و احسان کر کے اپنے ٹینس ریکیٹ کی قیمت میں سے زیور لے آئے مگر بجائے اصل سونے کے گولڈ بن گولڈ یا امریکن گولڈ کا۔ کیونکہ میاں کی جیب میں تھا ہی کیا جو وہ اصلی سونے کا زیور لاتے۔ بہرحال بیوی کو خوش کر دیا۔ بس یہ ہے بیوی کی کل کائنات۔ جو ان کے پاس موجود ہے وہ تو اس خیال میں ہیں کہ میاں نے پچاس روپیہ تولہ والا سونا خرید کر بنوایا ہے۔ آجکل کی تہذیب میں تمام پرانی قسم کے زیورات سب فضول ہیں۔ بس صرف کانوں میں ایک بندہ (ایر رنگ) ہے۔ ہاں ہونٹوں اور ناخنوں کی سرخی اور چہرے کے واسطے پوڈر اور کریم کا ہونا ضروری ہے۔

ایک اور نئی بات جو موجودہ سوسائٹی میں ہے وہ یہ کہ عورتیں اپنے گھر کا اور اپنا کھانا خود اپنے ہاتھ سے پکانا غیر مہذب خیال کرتی ہیں۔ اس کے واسطے خاص طور پر ایک باورچی رکھا جاتا ہے۔ جو ہندوستانی اور انگریزی دونوں طرح کا کھانا پکانا جانتا ہو اور اس پر صحت خراب ہونے کا الزام بیچارے پردے کو دیا جاتا ہے۔ یہ تو بالکل واضح بات ہے کہ ہم جتنا کام کریں گے اتنی ہی زیادہ ہماری صحت ٹھیک رہے گی اور اگر ہم دن بھر آرام کرسی پر پڑے رہیں گے تو ہماری صحت روز بروز بد سے بدتر ہوتی جائے گی۔ تعلیم یافتہ عورتوں کی خوبیں یہ بات داخل ہے کہ وہ گھر کے کام کاج سے بھاگتی ہیں۔ میری نظر میں بہت سی ایسی عورتوں کی مثال موجود ہے جنہوں نے چکی پیسنا اپنا ذریعہ معاش قرار دیا ہے۔ چونکہ وہ بیوہ ہیں اور ان کی آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں۔ اس لئے یہ محنت کرتی ہیں۔ ان کی عمر بھی طویل ہے صحت بھی بالکل درست۔

مندرجہ بالا صورت سے یہ بات بالکل صاف طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ عورتوں کی موجودہ سوسائٹی کی کیا حالت ہے۔ اور وہ کتنی ترقی حاصل کر چکی ہیں۔ اور آیا وہ ترقی ان کے لئے سودمند ہے یا مضر۔ ان کے رسم و رواج پرانے زمانے میں کیا تھے اور وہ کتنے بدل گئے ہیں۔ موجودہ تہذیب خواہ کتنی ہی ترقی کیوں نہ کر جائے لیکن عورت و مرد یا شوہر و بیوی کے ذاتی تعلقات ایک دوسرے کے ساتھ اس قدر خوشگوار اور وابستہ رہیں کہ دونوں کی زندگی آرام و آسائش سے کٹے اور جو ایک کی رائے ہو وہی دوسرے کی بھی۔ اگر ایک کا لفظ یہ کچھ اور دوسرے کا کچھ اور ہوگا تو زندگی نہایت دشوار و محال ہو جائے گی۔

عظمت رئیس بانو رضویہ

(باقی صفحہ ۳۸۰ کا)

سیر و تفریح ضروری ہے اسی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ یہ ضروری ہے کہ وہ زیادہ نہیں صرف دو گھنٹے اپنی بچی کی تعلیم کی دیکھ بھال پر صرف کریں اگر شوہر کی توفیق ہو تو ماسٹر کا بتایا ہوا کام اپنی نگرانی میں کرائیں اور اگر ماسٹر کی گنجائش نہیں تو جو کچھ خود آتا ہو بچے کو اس کی ابتدا گھر پر کرا دیجئے تاکہ جب بچہ اسکول جائے تو اسکا یکدم دل نہ گھبرائے وہ شوق اور دلچسپی کے ساتھ تعلیم میں مصروف رہے۔ آپکی اس وقت کی محنت کا نتیجہ بچے کے لئے کتنا اچھا ہوگا جب آنکھ بند کر کے چند سال گذر جائیں گے اور وہ بڑا ہو کر ایک قابل لڑکا یا لڑکی ہوگی۔

واجدہ خیری

نشاطِ زندگی

نشاطِ زندگی ہے درد کو لذت بنا لینا
سکونِ قلب ہے دینا رہائے داغ پا لینا

حیاتِ دہر میں آوازِ غم سُن کر تڑپ اُٹھنا
کسی اندوہگیں کو دیکھ کر یکدم بلبلا اُٹھنا

جو کچھ ممکن نہ ہو آنکھوں سے آنسو ہی بہا لینا
اعزّا بے رُخی سے چھوڑ دیں جب ہم مصیبت میں

میسّر ہو نہ اک پنکھا بھی جب زندانِ کلفت میں
شکایت کچھ نہ کرنا دل کی آہوں سے ہوا لینا

خوشی کے پھول میں بھی چاہتی تھی توڑنا خواہر
کہا مالی نے مُرجھایا ہوا ایک پھول[۱] دکھلا کر

سراپا رنگ سے زیبا ہو دامن کو بچا لینا
پھنسی گردابِ حیرت میں وہ دیکھی صنعتِ صانع

مری کشتی نہ سطحِ بحر پر پھر رہ سکی قانع
ذرا اہلِ نظر اس سمت بھی نظریں اُٹھا لینا

ہر اک ہستی سراپا مادّیت تشنۂ تنویر
بہت مشکل سے ملتی ہے جہاں میں درد کی اکسیر

مری خاکسترِ دل سے تم اک چٹکی اُڑا لینا
یہ کوئی زندگی ہے خواہشوں پر اپنی دَم دینا

حیاتِ چند روزہ کے لئے اوروں کو غم دینا
ستم ہے بنتِ دانش اس جگہ نامِ وفا لینا

ساجدہ بنتِ دانش شاہجہانپوری

[۱] عزیزم مقبول مرحوم

بچّوں کی تعلیم کی ابتدا

بچوں کی ابتدائی تعلیم اگر ماں باپ سمجھدار اور ہوشیار ہیں تو اچھی ہو جائے گی لیکن اگر ماں نے غفلت سے کام لیا تو اس کی لاپرواہی سے جو بظاہر بچہ کی محبت لیکن حقیقت میں اس کے ساتھ دشمنی ہوگی بچہ کی زندگی برباد ہو جائے گی۔ فطرتاً اس کا ہر لمحہ کھیل کود میں گذرتا ہے اگر اس وقت ماں نے ذرا توجہ کر لی تو ان کی کامیابی مستحکم ہو جاتی ہے۔ میں نے کئی گھرانے ایسے دیکھے ہیں جہاں بچوں کی تعلیم پر توجہ قطعی نہیں۔ اول تو سات آٹھ برس کی عمر تک امّا جان یہی کہتی رہتی ہیں کہ ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے بہت وقت پڑا ہے پڑھ لیں گے۔ اور اگر پڑھنے بٹھا دیا تو کچھ خبر نہیں کہ کب پڑھا ماسٹر صاحب آئے اپنا وقت پورا کیا اور چلدئے۔ اور بچہ کو جو کام بتایا تھا وہ دوسرے دن یونہی کا یونہی آکر دیکھ لیا۔ بھلا بتائیے اسمیں بچہ بچارے کا کیا قصور ہے یہ تو والدین کو چاہیئے تھا کہ ماسٹر کے جانے کے بعد خود لے کر بیٹھتیں اور دیکھتیں کہ وہ ٹھیک کام کر رہا ہے یا نہیں۔ مگر انہوں نے بڑا کرم کیا جو ذرا دیا ارے تو نے تختی بھی لکھی یا نہیں۔ آنے دے انکو دیکھ کیسی خبر لواتی ہوں یہ کہا اور سینے بیٹھ گئیں۔ یا کسی سے باتیں کرنے لگیں بچہ کھیلنے چلا گیا۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ بچہ میں لاپرواہی کی عادت پڑ گئی۔ اب جو پڑھنے کا وقت آیا تو کھوٹ کے کھوٹ رکھے ہیں۔ کسی نہ کسی طرح مدرسہ میں داخل ہو بھی گئے تو آگے چلنا مشکل ہے کیونکہ طبیعت میں تو کام کرنے کی عادت ہی نہیں ہے۔ جو مائیں اس وقت کو معمولی سمجھ کر پرواہ نہیں کرتیں وہ اپنے بچوں پر انتہائی ظلم کرتی ہیں۔ جس طرح کھانا پکانا سینا پرونا گھر کی صفائی

(باقی صفحہ ۳۷۹ پر)

پھل

اس سے پہلے ترکاری غذا وغیرہ کے متعلق میں لکھ چکی ہوں اب کچھ پھلوں کے بارے میں لکھنا چاہتی ہوں عام طور پر لوگ نارنگی سیب ناشپاتی کیلے انگور وغیرہ جو عمدہ پھل مشہور ہیں استعمال کرتے ہیں اور دوسرے عام پھل چھوڑ دیتے ہیں لیکن بعض معمولی چیزیں بھی بہت عمدہ خاصیت رکھتی ہیں۔ ان چیزوں کا بھی تھوڑا بہت استعمال ضروری ہے۔ ذیل میں ہندوستانی پھلوں کی خاصیت لکھی جاتی ہے۔ یہ آپ خود اندازہ کرلیں کہ کس چیز میں کیا فائدے اور کیا نقصانات ہیں۔

(۱) **سیب** ۔ مفرح ہے دل و دماغ اور جگر کو قوت دیتا ہے خفقان اور سانس کی تنگی کو بیحد مفید ہے۔ پیاس روکتا ہے بھوک بڑھاتا ہے خشک کھانسی کے مریضوں کے لئے بہت عمدہ چیز ہے اس میں بیحد خوبیاں ہیں لیکن مائل بہ صفرا ہے۔

(۲) **انگور** ۔ خون صحیح پیدا کرتا اور بدن موٹا کرتا ہے زیادہ کھانا سدوں کا دافع ہے۔ انجیر کے ساتھ پرانی کھانسی اور ہچکی کے ساتھ سینے کے درد کو نافع ہے دودھ بادام کے ساتھ خفقان کو اور سرکے کے ساتھ کانوں اور تلی کو دفع کرتا ہے آتش جو کے ساتھ اس کا عرق پیشاب بند ہو جانے کو مفید ہے۔

(۳) **کیلا** ۔ رنگ پر جلا کرتا ہے کثیر الغذا دیر ہضم ہے۔ خون گاڑھا پیدا کرتا ہے بدن کو موٹا کرتا مفرح و ملین سینہ ہے خشک کھانسی حلق کی خراش و گردے کی لاغری کو دور کرتا ہے۔ پھیپھڑے صاف رکھنے والا ہے۔

(۴) **گلاب جامن** ۔ یہ ایک پھل ہے لذیذ ہوتا ہے مفرح دل و دماغ و قلب ہے۔ دیر ہضم ہے دستوں کو بند کرتا ہے مگر لوگ اس کو بہت کم استعمال کرتے ہیں اکثر لوگ جانتے ہی نہیں۔

(۵) **بگوگوشہ** ۔ خون صفرا کی تیزی کا دافع ہے۔ متلی کو روکتا گرم مزاجوں کو فرحت بخشتا پیاس کو کم کرتا ہے معدہ کو بہت فرحت دیتا ہے لوگ اس کو گرم خیال کرتے ہیں مگر یہ سرد ہے۔

(۶) **لیچی** ۔ مفرح اور مقوی قلب و معدہ ہے پیاس کو کم کرتی ہے زود ہضم ہے۔

(۷) **لیموں شیریں** ۔ مفرح قلب و دل و دماغ ہے۔ حرارت جو گرمی سے ہو بیحد مفید ہے۔ پیاس کو دور کرتا ہے۔ اور صفرا کی حدت کو فرو کرتا ہے۔ اختلاج قلب میں بیحد مفید ہے۔

(۸) **نارنگی یا سنترے** ۔ صفرا اور خون کی حدت کی دافع امراض صفراویہ کو مفید مفرح و مقوی قلب و معدہ متلی قے گرمی کی کھانسی کا دافع بشرطیکہ شیریں ہو اس کے کھانے سے رنگ صاف ہوتا ہے۔ اس کے چھلکے کا ابٹن رنگ کو جلا دیتا ہے مہاسے دور کرتا ہے قوت دیتا ہے۔

(۹) **ناشپاتی و ناگے** ۔ قابض و دیر ہضم ہے مقوی معدہ پیشاب لاتی ہے۔ لیکن ثقیل ہونے کی وجہ سے معدہ کو خراب اور زیادتی اس کی درد قولنج پیدا کرتی ہے۔

(۱۰) **انار شیریں** ۔ اس میں غذائیت بہت کم ہے نفخ ہے گرم مزاجوں کو نقصان کرتا ہے معدہ میں حبس ہو جاتا ہے پیاس بڑھاتا ہے۔ کانوں تلی خفقان گرم و خشک کھانسی کو مفید ہے آواز کو صاف کرتا چہرے کے رنگ کو کھولتا ہے

اس کی کثرت غذا کو فاسد کرتی ہے اور معدے کو سست۔

(۱۱) **کھٹ مٹھا انار** ۔ شیریں سے بہتر ہے خون کی حدت صفرا کی زیادتی کے لئے بیحد مفید ہے صفراوی مزاجوں کے لئے بہت بہتر چیز ہے۔ اس کے عرق کو تانبے کے قلعی برتن میں اس قدر پکایا جائے کہ وہ گاڑھا ہو جائے اس کو سلائی سے آنکھوں میں لگانے سے سلاق چشم اور پپوٹوں کے زخم کو مفید بینائی کے لئے مقوی ہے۔

(۱۲) **انار کھٹا** ۔ کھانے میں بہت کم آتا ہے اس سے دوا کا کام خوب لیا جا سکتا ہے صفرا میں اس کا عرق خاص طور سے مفید ہے قے و متلی کو روکتا ہے زیادہ نیند کو دور کرتا بخارات کو دماغ کی جانب جانے سے روکتا ہے اس کا عرق آنکھوں میں لگانا سبل کو نافع ہے اس کی کلی سوڑھوں کے زخم کو مفید ہے مویزج کے پیس کر پینا کرم معدہ نکالتا ہے عرق کا ب پیچش کا دافع ہے پھول میں چھڑکنے سے زخم بھرتا ہے۔

(۱۳) **اناناس** ۔ یہ بہت کم مقدار میں استعمال ہوتا ہے حالانکہ بہت عمدہ چیز ہے اس میں غذائیت و قوت بہت زیادہ ہے۔ صفرا کی حدت کو مارتا ہے مقوی ہونے کی وجہ سے دیر ہضم ضرور ہے۔ مگر دماغ قلب و معدہ و گردہ کو بہت قوت دیتا ہے۔ گرم مزاج والوں کے لئے بیحد مفرح ہے۔ خفقان دور کرتا ہے اختلاج قلب کے لئے مفید ہے نہایت نفیس عمدہ غذا ہے شربت مربے زردہ پڈنگ آئس کریم میں ہر صورت سے استعمال ہو سکتا ہے۔

(۱۴) **آم یا انب** ۔ یہ چیز انتہائی قوت آور اور کثیر الغذا ہے چہرے کے رنگ کو نکھارتا ہے بدن کو فربہ کرتا ہے دردسر اور کھانسی قولنج بواسیری اسہال سستی کمزوری کو دور کرتا ہے۔ کیری کو بھون کر اس کا عرق ذرا سا نمک ڈال کر پلانے سے لو کا اثر نہیں ہوتا۔ لو لگتی ہے اگر لگ جائے تو از زائل ہو جاتا ہے۔ اگر جیب میں کیری پڑی ہو تو لو نہ لگے گی۔ اس کی ایک قسم (قلمی) دیر ہضم اچار پیدا کرتا ہے قابض ہے آم پتلے رس کا تخمی آم بہت بہتر ہوتا ہے۔

(۱۵) **چکوترہ** ۔ خون صفراوی کی حدت کا دافع ہے پیاس کو تسکین دیتا اور رنگ کھولتا بھوک بڑھاتا ہے گرم مزاج والوں کے معدے کے لئے بہت عمدہ چیز ہے اس کی کھٹاس بجائے نقصان کے فائدہ مند ہے سینہ صاف کرتا ہے کھانسی کو مضر نہیں ہے۔ اس کا چھلکا سرکہ کے ساتھ کھانے سے پیٹ کے کرم نکل جاتے ہیں اور مقوی دماغ ہے گرمی سے جو دردسر ہو اس کے اختلاج قلب کو مفید ہے۔

(۱۶) **تربوز** ۔ خون کے جوش کو مارتا پیاس کو دور کرتا ہے۔ صفرے کے لئے مفید ہے۔ پیشاب لانے والا ہے۔ بلغم رقیق (پتلا) کرتا ہے سکنجبین نعناعی و عرق تربوز ملا کر پینے سے کا لوردفع ہوتی ہے۔ پتھری کو دفع کرتا ہے امراض سوداوی کو دور کرتا ہے خارش دفع کرتا ہے چاول کے ساتھ نہ کھانا چاہیئے مضر ہے اس کے کھانے کا وقت دوپہر شام کے کھانے کے درمیان بہت بہتر ہے۔

(۱۷) **خربوزہ** ۔ ورم جگر اور تلی کے لئے مفید ہے۔ زبان و حلق کی خشونت گرم کھانسی اور سینہ کے درد کو دفع کرتا ہے معدے کی سوزش کا دافع جلے ہوئے چھلکے کی راکھ تلی کو درست کرتی ہے خربوزہ مع چھلکے کے پیس کر لیپ کرنے سے چہرے کا رنگ صاف ہوتا ہے۔ اور جھائیاں دور ہو تی ہیں۔ پسینہ لاتا ہے۔ استسقا کو بھی مفید ہے زیادتی آشوب چشم صفراوی و دموی مادہ بہا کرتا ہے۔

(۱۸) **خوبانی یا زرد آلو** ۔ ورم معدہ کا ملین۔ ستہ نکا دافع زیادہ کھانا معمولی مسہل صفرا اور پیاس

کو تسکین دیتا گرمی کے بخار میں اس کو کہد کر گرم پانی شہد قدرے ملا کر پلا لینے سے قے ہو جاتی ہے بخار کم ہو جاتا ہے معدہ کی جلن کو دفع کرتا ہے سرد مزاج - سرد بخار ضعیف اور ضعف معدہ والوں کو بیحد مضر ہے - خود دیر ہضم ہے - بوڑھوں کو اور کم عمر بچوں کو نقصان کرتا ہے - کرم معدہ کا قاتل ہے -

(۱۹) فالسہ - دل و جگر و معدے کو قوت دیتا ہے پیاس کم کرتا ہے - دستوں اور قے ہچکی و سوزش اعضا کا دافع تپ دق میں مفید - مگر کچا نہ دینا چاہیئے شربت بنا کر استعمال کریں اس کے پانی سے کلی غرارہ کرنے سے خناق دور ہوتا ہے اختلاج قلب - خون کی حدت - حرارت گرم خفقان کو بے مفید خاص طور سے ذیابیطس والوں کے لئے بہت مفید ہے -

(۲۰) کسیرو - اس میں تریاقیت اور قوت بہت زیادہ ہے - امراض دموی سوداوی کو مفید دل و دماغ کو قوت دیتا ہے بیضے کے بعد دینے سے معدہ مضبوط ہوتا ہے - گرمی دور ہوتی ہے - تپ دموی دور کرتا ہے گرم زہر دل کو مارتا ہے - اس کی ٹھنڈائی بیس کر چھان کے پیئے بے حد مفرح قلب ہے مگر اس کو بہت کم لوگ استعمال کرتے ہیں -

یہ تو وہ پھل ہیں جو استعمال ہوتے ہیں اب آئندہ ان پھلوں کے متعلق بتاؤں گی جو بہت بُرے سمجھ کر استعمال نہیں کئے جاتے صرف غریب دیہاتی لوگ کھاتے ہیں - مگر ان کے فوائد اس قدر ہیں کہ صحت میں بہت مدد ملتی ہے نفیس پھل استعمال کرنے والے ہمیشہ صحت کے شاکی رہتے ہیں -

مسز حمید لکھنوی

آمدِ سحر

چھایا ہے گہرا سکوت اشجار پر
صبح کا تارا ہوا ہے جلوہ گر
سن کے شب کی ہلکی ہلکی سسکیاں
دھندلے اُجیالے نے لیں انگڑائیاں
کہکشاں پہ چھا گئی افسردگی
انجمن تاروں کی پھیکی پڑ گئی
صحنِ گلشن میں تھی رقصاں چاندنی
دیکھ کر نورِ سحر کمہلا گئی
شوخیاں کرتی ہے پھولوں سے نسیم
آہ یہ مہکی ہوئی دلکش فضا
اوس سے بھیگے ہوئے شمشاد پر
آکے لرزاں ہے شعاعِ سیم بر
پھول پر شبنم کے در بیگوں
اُف یہ منظر کس قدر ہے پُرسکوں
رات آدھی سر دھر کر مٹ گئی
مسکرا کر صبح مشرق سے بڑھی
دیکھ کر یہ روح پرور سا سماں
طائران خوش نوا ہیں نغمہ خواں

نجمی رحمت اللہ بی اے

ہار جیت

بالکشن رائے اپنے گاؤں کے مکھیا تھے۔ خدا کے فضل سے گھر میں دھن دولت بہت تھا۔ اچھی کھاتے اچھا پہنتے اور چین کی نیند سوتے تھے۔ منورما ان کی اکلوتی بیٹی تھی۔ باپ کی آنکھوں کا نور، ماں کے جگر کا ٹکڑا۔ اُسے دیکھ دیکھ کر جیتے تھے۔ اور لڑکی تھی پیار کے لائق۔ اپنے تو اپنے غیروں کو بھی اس پر بے ساختہ پیار آتا تھا۔ بس یوں سمجھئے اُس کے لب کی خوبصورت کلی کے مانند تھی جو دن رات میں کھلنے والی ہو!

بالکشن نے منورما کی تعلیم و تربیت میں خاص دلچسپی لی تھی۔ ہندی اور سنسکرت کے ساتھ ساتھ اردو کی بھی تعلیم دوائی تھی۔ خدا نے نہایت رسیلا گلا عطا فرمایا تھا۔ جب بھجن گاتی تو سننے والے مبہوت ہو جاتے۔ بالکشن کی بس ایک ہی آرزو تھی وہ اپنی بیٹی کا بیاہ شہر میں کرنا چاہتے تھے۔ منورما دوسری دیہاتی لڑکیوں کی مانند نہ تھی۔ اس کی قسمت اُن سے بالاتر تھی۔ بالکشن کے ملنے والے بھی کہتے "بھائی منورما کی شادی شہر میں کرنا۔ سنتے ہیں وہاں بہت آرام رہتا ہے"۔

رفتہ رفتہ منورما چودہ سال کی ہوگئی۔ کلی کھل کر پھول بن چکی تھی۔ اس کے لمبے لمبے سیاہ بال، رسیلی آنکھیں، سُرخ وسفید رنگ، بوٹا سا قد سب کا دل موہ لیتا تھا۔ جو دیکھتا کہتا منورما تو تو شہزادی ہے۔ منورما جا کر آنکھیں نیچی کر لیتی۔ اس کے حُسن میں چار چاند لگ جاتے۔ لیکن اُسے کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی احساس نہ ہوتا کہ وہ لاثانی حُسن کی مالک ہے۔ معصومیت اس کے حُسن میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ اور وہ ان تمام باتوں سے بے نیاز ایک چہچہانے پرندے کی طرح زندگی بسر کر رہی تھی۔

بالکشن کو پھلوں اور پھولوں سے محبت تھی۔ اپنے مکان کے ساتھ ایک چھوٹا سا باغ لگوا لیا تھا۔ جس میں بھانت بھانت کے درخت اور پودے اپنی بہار دیتے تھے۔ منورما کو تو اس باغیچے سے عشق تھا، وہ دن رات کا زیادہ حصہ یہیں بسر کرتی۔ سہیلیوں کے جھرمٹ میں وہاں جا پہنچتی۔ پھول چُنے جاتے۔ ہار گوندھے جاتے۔ تاج بنائے جاتے اور منورما کے گلے اور سر کی زینت بنتے۔ ایک دوسری سے ہنسی مذاق ہوتا رہتا۔ ان کی شیریں آوازوں سے تمام باغیچہ گونج اٹھتا۔ فطرت بھی مسکرا پڑتی۔ اور ان سادہ لوح دیہاتی لڑکیوں کا ساتھ دیتی۔

منورما کی منگنی ہوگئی۔ اس کا ہونے والا شوہر جگدیش چندر بی اے ایل ایل بی تھا۔ جس نے حال ہی میں شہر میں وکالت شروع کی تھی۔ رہنے والا تو ایک گاؤں کا ہی تھا۔ لیکن شہر میں ہی تعلیم پائی۔ اور اب وہاں ہی اپنی وکالت کا بورڈ لگا کر نامور وکیل بننے کے خواب دیکھنے لگا تھا۔

جگدیش مغرب زدہ تھا۔ اُسے فیشن سے عشق تھا۔ مشرقی طرز رہائش سے قطعی نفرت تھی۔ ہر ایک بات میں نئی روشنی کا دخل لازمی سمجھتا۔ چنانچہ بیوی کے معاملہ میں بھی اس کے خاص خیالات تھے۔ اس نے اپنے خیالوں کی دنیا میں ایک ایسی حسین وجمیل بیوی کی تصویر بنا رکھی تھی جو سینما کی دلدادہ۔ نئے فیشن کی پرستار اس کے دوستوں سے بلا تکلف بات چیت

کرنے والی اور کلبوں کی رونق رہ چکی تھی۔ بس وہ اس تصویر کا پجاری تھا۔ وہ ایک جاہل کٹر ہندو پرانے فیشن کی پابند
پتی ورتا بیوی کو مرد کے لئے بڑی لعنت سمجھتا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ ایک اجڈ پھوہڑ بیوی کے ساتھ ہرگز اپنی زندگی
نہ گذارے گا۔ ایسی بیوی جسے نہ اخبار پڑھنے کی عادت ہو اور نہ سوسائٹی میں آنے جانے کا ربط ہو۔ جو دن رات گھر میں گھسی رہے
جس کی آنکھیں باورچی خانہ کے دھوئیں نے، جس کے ہاتھ برتنوں کی صفائی نے خراب کر دیے ہوں اُسے نہ چاہئے تھی۔ وہ
اس خیال سے بھی کانپ اُٹھتا۔

لیکن اس کے زبردست باپ نے اس کی آرزوؤں کے پودے کو بیدردی سے بیخ کنی کر ڈالی۔ منورما دولت مند بالکشن
کی اکلوتی بیٹی تھی۔ اور ان کی معقول جائداد کی بلا شرکت غیرے مالک۔ چنانچہ منورما سے جگدیش کی زندگی وابستہ کرنے کا
فیصلہ کر لیا گیا۔ جگدیش بہت چیخا چلایا۔ وہ جس تصور کی دیوی، خوابوں کی ملکہ کو پوجتا تھا۔ وہ اس سادہ لوح، دیہاتی فیشن
سے نابلد لڑکی سے بالکل مختلف تھی۔ خیالی محلوں کو یوں ٹوٹتے دیکھ کر اس کے دل پر چوٹ سی لگی۔ لیکن باپ بھی ایک ہی
کائیاں تھا۔ ساری عمر ساہوکاری میں گذاری تھی۔ بیٹے کو رام کرنے کی ایک نئی تجویز سوچی۔ جھٹ ایک اچھا سا فوٹو گرافر بلوا
بالکشن کی اجازت لے کر منورما کی تصویر بنوائی۔ اور جگدیش کو بھیج دی۔ جو کام دولت سے نہ بن سکا وہ حسن کی ایک ذرا سی
جھلک نے انجام کو پہنچا دیا۔ اور جگدیش نے اپنی منظوری دے دی۔

منورما کا بیاہ ہو گیا۔ بالکشن کی آرزوئیں اور تمنائیں جگدیش کے مجسمہ میں سمٹ آئی تھیں۔ انہیں اعلیٰ تعلیم یافتہ
شہر کا رہنے والا داماد مل گیا تھا۔ شہر میں بہت سکھ ہوتا ہے۔ ان کی بیٹی بھی سکھی رہے گی۔ یہی خیال انہیں خوش رکھنے
کے لئے کافی تھا۔ وہ کبھی اپنی خوش قسمتی پر فخر کرتے اور کبھی اپنی بیٹی کے لاثانی حسن پر نازاں ہوتے۔ ان کے نزدیک منورما
کا ستارہ عروج پر تھا۔

کچھ عرصہ تو جگدیش منورما کے حسن کا پروانہ بنا رہا۔ لیکن جلد ہی یہ محبت کی آندھی اتر گئی تو اُسے منورما میں ہزاروں
خامیاں نظر آنے لگیں۔ منورما حسین ہے۔ شہر بھر میں کوئی لڑکی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ لیکن اس کی زندگی اب دیہات
میں بسر ہوتی رہی۔ اس سے وہ سوسائٹی میں آنے جانے کے اہل نہیں۔ جب کبھی جگدیش کا کوئی دوست آ جاتا تو منورما
کے چہرے پر شرم کی سرخی دوڑ جاتی۔ اس کی آنکھیں اٹھائے نہ اٹھتیں۔ اس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے نمودار ہو جاتے
اور جب کوئی بات اس سے کہی جاتی تو منورما ایک جملہ بھی پورا زبان سے ادا نہ کر سکتی۔ اس کی آواز گلے میں اٹک جاتی وہ
جگدیش کے ملنے والوں کو خود چائے اور سگرٹ پیش نہ کر سکتی۔ اس لئے جگدیش کو خود یہ کام سرانجام دینا پڑتا۔ اس کے دل
پر دھکا سا لگتا۔ سوچتا۔ آخر میرے دوستوں کی بھی تو بیویاں ہیں۔ حسن میں منورما کا عشر عشیر بھی نہیں۔ لیکن جب میں ان کے
ہاں جاتا ہوں تو کس گرمجوشی سے میرا خیر مقدم کرتی ہیں۔ پھول کی طرح کھل جاتی ہیں۔ کیسی مزے مزے کی باتیں کرتی ہیں۔
کس سلیقہ سے چائے پیش کرتی ہیں۔ کس بے تکلفی سے سینما اور کلب جاتی ہیں۔ ان کے لباس میں کس قدر نفاست ہوتی ہے
ان کے بالوں کا بناؤ سنگھار کا طریقہ کس قدر دلفریب ہوتا ہے۔ اور یہاں میری منورما ہے۔ ڈھنگ سے کا لباس
پہننا ہی نہیں آتا۔ اس روز جو پکنک پر گئے تھے تو مسز ہیرام اور مسز سندر بار بار منورما کے بناؤ کو دیکھ کر مسکراتی تھیں۔ شرمندگی
سے میرا برا حال تھا۔ مسز سندر کیا اچھا رقص کرتی ہیں۔ دیکھنے والے کو معلوم ہوتا ہے جیسے پانی پر کنول کا پھول تیر رہا ہو۔

آہ مجھے کس قدر افسوس ہوا تھا جب ستندر نے منورما کو ڈانس کے لئے کہا تو اس نے جواب دیا مجھے تو آتا ہی نہیں۔ دوسرے دن کلب میں ستندر نے منورما کو ٹینس میں اپنا پارٹنر بنانا چاہا تو تب بھی منورما کا یہی جواب تھا۔ ستندر حیرت اور استعجاب سے اُسے دیکھ رہا تھا اور میرا دل شرم سے بلیوں اُچھل رہا تھا۔ میری بیوی اور ان تمام باتوں سے نابلد۔ کاش پتا جی نے روپے کا لالچ نہ کیا ہوتا!! اور آج اس دیہاتی لڑکی کے بجائے کوئی تہذیب یافتہ، فیشن ایبل لڑکی میری رفیقۂ حیات ہوتی۔ لیکن مجھے اس سے محبت ہے۔ انتہائی محبت۔ اور اسی محبت کی بنا پر میں اس کا دل دُکھانا نہیں چاہتا۔ میری آرزوئیں دل کی دل ہی میں رہیں۔ اور خاموشی کا قفل میرے لبوں پر لگا ہے۔

جگدیش کی یہ کیفیت منورما سے زیادہ دنوں چھپی نہ رہ سکی۔ وہ یہ خاموشی برداشت نہ کرسکتی تھی۔ قیافہ شناس تھی۔ بھانپ گئی۔ کہ میں موجودہ سوسائٹی کے قدم بقدم نہیں چل سکتی۔ اُسے معلوم تھا کہ جگدیش کس قدر تہذیب نو کا دلدادہ ہے۔ وہ جانتی تھی کہ جگدیش کی دلی خواہش ہے کہ وہ بھی اس کے دوستوں کی بیویوں کی طرح آزاد اور فیشن ایبل ثابت ہو۔ جگدیش سوسائٹی کی رُوحِ رواں تھا۔ اس کی آرزو تھی کہ منورما بھی اسی طرح عورتوں میں اوّلین جگہ لے۔ لیکن یہ اسکے بس کی بات نہ تھی۔ دیہات کی بودوباش نے اُسے شرم وحیا کی مورت بنادیا تھا۔ اُسے ڈھنگ سر سے ڈریس اَپ ہونا نہ آتا تھا۔ اُسے اپنے لباس کے جوڑ میل کے زیورات پہننے کی تمیز نہ تھی۔ اسکا دل غیر مرد کو دیکھ کر کانپنے لگ جاتا۔ ٹینس وغیرہ کھیلنے کا اُسے کبھی اتفاق نہ ہوا تھا۔ اور ڈانس کے نام سے ہی وہ ناواقف تھی۔ لیکن منورما میں ایک اچھی بیوی بننے کی تمام خوبیاں موجود تھیں۔ جب وہ نئی نئی بیاہی آئی تھی تو اس نے بھی کئی خیالی قلعے تعمیر کئے تھے۔ وہ سوچا کرتی تھی جب جگدیش کورٹ سے گھر آیا کریں گے تو اپنے ہاتھ سے چائے تیار کرکے انہیں پلایا کروں گی۔ عمدہ عمدہ قسم کی مٹھائیاں تیار کیا کروں گی۔ تھکے ماندے ہوں گے۔ اپنی پُرلطف باتوں سے اپنے شیریں گیتوں سے ان کا دل بہلاؤں گی یا پھر رامائن پڑھ کر سناؤں گی۔ اور وہ ہنس کر خوش ہوکر میری طرف پریم کی نظروں سے دیکھنے لگیں گے۔ لیکن اب اس کی آرزوئیں پھولوں کی طرح مُرجھاکر اُمید کی ٹہنی پر سے پتی پتی ہوکر بکھر گئی تھیں۔ اس کے خیالی قلعوں کی بُنیاد ریت پر ہوئی تھی یا سطحِ آب پر، کیونکہ وہ آناً فاناً میں تباہ و برباد ہوگئے تھے۔

ایک دن جگدیش اپنے نئے دوست راجندر کے ہاں سے ہوکر جو گھر آیا تو طبیعت بیحد مکدر تھی۔ راستہ بھر مسز راجندر کا مقابلہ منورما سے کرتا رہا۔ سوچتا تھا جس گھر میں کرن جیسی بیوی ہو۔ وہ جنت ہے کس قدر فیشن ایبل ہے۔ کیسی تہذیب یافتہ ہے۔ راستہ بھر کرن کا ہی خیال رہا۔ اور یہ خیال ایک آرزو بن کر اس کے دل میں چھپا ہوا تھا۔ کاش منورما کی جگہ کرن ان کی رفیقۂ حیات ہوتی تو اس کی زندگی کس قدر قابلِ رشک ہوتی!

گھر آکر کپڑے بدلے اور ایک کرسی پر دراز ہوا اپنی بدقسمتی پر دل ہی دل میں افسوس کرنے لگا۔ منورما نزدیک آئی اور دبی زبان سے بولی "کیوں! کیا طبیعت اچھی نہیں پران ناتھ! اگر کہو تو رامائن پڑھ کر سناؤں؟"

منورما کے الفاظ گویا سمندِ ناز پر ایک تازیانہ تھے۔ تڑپ اٹھا بولا "جی نہیں معاف کیجئے"۔

منورما کی خوبصورت آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہوگئیں۔ ہاتھ جوڑکر بولی "پتی دیو! آخر مجھ سے کیا قصور سرزد ہوا ہے۔ کئی ہفتوں سے آپ میرے ساتھ جو بے رخی کا برتاؤ کر رہے ہیں وہ میں دیکھ رہی ہوں۔ آخر اس بے اعتنائی کا کیا سبب ہے؟"

جگدیش۔ تمہارا یوں ہی خیال ہے۔ میں تمہاری طرف سے لاپرواہ نہیں۔
منورما۔ آپ مجھ پر بڑی عنایت رکھتے ہیں۔ میری خاطرداری میں کوئی بات اُٹھا نہیں رکھتے۔ آپ کی یہی عادت تو میرے لئے زیادہ تکلیف کا باعث ثابت ہو رہی ہے۔
جگدیش۔ آہ! منورما اب کیا پوچھتی ہو۔ جب دل جل چکا تو راکھ کیوں ٹٹولتی ہو؟ میری تمناؤں میرے ارمانوں کا خون ہو چکا ہے۔ اب ان باتوں سے کیا حاصل؟ مجھے جس بات کا اندیشہ تھا وہی پیش آئی۔ لیکن تمہارا اس میں کیا قصور ہے؟ سب الزام ہمارے والدین پر عائد ہوتا ہے۔ میرے پتا جی کو دولت کا لالچ تھا۔ اور تمہارے باپ کو ایک پڑھے لکھے داماد کی تمنا۔ دونوں کے دل کی مرادیں بر آئیں۔ لیکن میری دنیا برباد ہوگئی۔
منورما۔ (گلوگیر آواز میں) پتی دیو! آپ مجھ سے ناراض نہ ہوں۔ میں جانتی ہوں مجھ میں کیا خامیاں ہیں۔ میں اپنی طاقت بھر انہیں درست کرنے کی کوشش کرونگی۔ آپ اب جی بُرا نہ کیجئے۔
جگدیش۔ (منورما کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے) منورما تم جس قدر حسین ہو کاش اس قدر فیشن ایبل بھی ہوتیں۔ تو پھر میں اپنی خوش قسمتی پر فخر کرتا!
دونوں خاموش تھے اور اپنے اپنے خیالات میں کھوئے ہوئے تھے۔ دفعتاً جگدیش بولا:۔
"منورما میرے چند دوست ایک ماہ کے لئے برما بغرض سیر و تفریح جا رہے ہیں۔ میرا بھی ان کے ہمراہ جانے کا ارادہ ہے۔ تم اس عرصہ میں چاہو تو اپنے والدین کے پاس چلی جاؤ۔ خواہ یہاں رہو۔ تمہاری خوشی ہے۔
منورما۔ (کچھ سوچکر) میں آپ سے ایک اجازت چاہتی ہوں۔ مسز سہراب جی کچھ عرصہ کے لئے بمبئی جا رہی ہیں مجھے بھی ہمراہ چلنے کے لئے کہہ رہی ہیں۔ مجھے بمبئی دیکھنے کا بڑا ارمان ہے اگر آپ کی ـــ
جگدیش (بات کاٹ کر) بہت اچھی بات ہے۔ تم ضرور جاؤ۔
جگدیش سوچتا ہے ممکن ہے کہ بمبئی کی فضا اور مسز سہراب کی صحبت منورما کے گنوارپنے کو فیشن سے بدل دے۔ اور اس کی آس پوری ہو۔

جگدیش برما سے واپس آگیا ہے۔ لیکن منورما ابھی بمبئی ہی میں ہے۔ کیونکہ اُسے بمبئی کی سیر و تفریح میں اس قدر لطف آیا ہے کہ وہ جلدی واپس آنا نہیں چاہتی۔ جگدیش نے بھی اصرار نہ کیا۔ کیونکہ ان دنوں وہ بلا کسی فکر کی روک ٹوک کے مسز راجندر اور مسز ستیش کی صحبت کا لطف اُٹھا رہا تھا۔ دن رات وہ تھا اور یہ رنگین تیتریاں۔ خوب دعوتیں اُڑتیں سینما دیکھا جاتا۔ سیریں ہوتیں۔ اور بچاری اُجڈ گنوار منورما کا کبھی بھولے سے بھی خیال نہ آتا۔
ایک دن منورما کی واپسی کا خط آن ہی پہونچا۔ جگدیش کا جی تو نہ چاہتا تھا لیکن دل پر جبر کرکے بیوی کو لینے اسٹیشن پر چلا گیا۔ بمبئی میل دندناتی ہوئی پلیٹ فارم پر آکر رکی۔ جگدیش تیز تیز قدم اُٹھاتا ہوا۔ زنانہ سیکنڈ کلاس کی طرف چلا۔ کمپارٹمنٹ میں صرف دو ہی عورتیں تھیں اور دونوں نہایت فیشن ایبل ادھیڑ عمر تو غالباً مسز سہراب تھیں۔ لیکن دوسری کوئی اور تھی۔ منورما نے خواہ مخواہ پریشان کیا۔ آج تو مسز راجندر کے ساتھ دریا کی سیر کو جانے کا ارادہ تھا۔ اب تو وہ ستیندر کے ساتھ چلی بھی گئی ہوگی۔ یہ سوچتا سوچتا وہ پلیٹ فارم کی دوسری طرف چل دیا۔ اُسے اس اُدھیڑ بن میں مسز سہراب جی کر

بھی ملنے کا خیال نہ رہا۔
ارے یہ کیا!! وہ نوجوان اپ ٹو ڈیٹ عورت اپنا ہینڈ بیگ اٹھاتے ساڑھی سنبھالے جگدیش کی طرف لپکی چلی آرہی تھی۔
حسین اور فیشن ایبل عورت کو جی بھر کر دیکھنا جگدیش کی سرشت میں داخل تھا ہی۔ اپنی طرف آتی ہوئی عورت کو گھورنے لگا لیکن یہ کیا! وہ تو ہو بہو اس کی منورما ہی تھی۔ ایک نئی فیشن ایبل منورما۔
آواز نے شبہ کو یقین کی صورت میں بدل دیا۔ "سلیہ جگدیش! اسی طرح اسٹیشن پر ریسیو کرنے آتے ہیں۔ وہ تو مسز سہرتی نے آپ کو دیکھ لیا۔ ورنہ ہم تو دوسری طرف سے نکل جاتے۔"
جگدیش (حیرانی سے منورما کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر) منورما! منورما! یہ تم ہو۔ میری خوابوں کی ملکہ! میرے خیالوں کی رانی!
منورما۔ ہاں جگدیش تمہیں خوش کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر یہ روپ بدلا ہے۔ ایشور کرے آنکھ پٹ آ جائے۔
اندھے کو کیا چاہیے؟ دو آنکھیں! جگدیش اس وقت اپنے آپ کو فردوس بریں میں سمجھ رہا تھا۔

اس بات کو چھ مہینے گذر گئے۔ منورما جگدیش کے قدم بقدم چل رہی ہے۔ جگدیش کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں اس کے خوابوں کی تعبیر اس قدر سنہری اور چمکدار ہو سکتی تھی۔ یہ اُسے معلوم نہ تھا۔
ایک دن منورما سہ پہر کی سیر سے واپس آئی تو اس کے ساتھ ایک خوش وضع خوبرو نوجوان بھی تھا۔ جگدیش ایک مقدمہ کی تیاری میں اس قدر منہمک تھا کہ منورما کو سیر کے لئے بھی تنہا ہی جانا پڑا تھا۔ اس وقت وہ اپنا کام ختم کر کے لائبریری میں ہی بیٹھا سگار پی رہا تھا۔ منورما وہیں چلی گئی اور بولی :۔
" یہ مسٹر رمیش ہیں۔ کلکتہ میں انجنیر ہیں۔ میری ممانی کے سگے بھائی ہیں۔ شادی سے پہلے ایک آدھ دفعہ ان سے ملنے کا اتفاق ہوا تھا۔ آج اچانک ہی ان سے ملاقات ہو گئی۔ آپ سے ملنے کے لئے یہاں آ گئے۔"
جگدیش نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ اور تینوں بہت دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ لیکن جگدیش دیکھ رہا تھا۔ کہ رمیش کی نگاہیں بار بار منورما کے چہرے کی طرف اُٹھ رہی ہیں۔ اور وہ اسی کی باتوں میں دلچسپی لے رہا ہے۔ منورما بھی کچھ ایسی منہمک تھی کہ جگدیش سے کوئی بات کرنیکا خیال بھی اُسے نہ گذرتا۔ آٹھ بجے رمیش دوسرے دن کے وعدے پر واپس چلا گیا۔
منورما کی مصروفیتیں پہلے ہی سے بہت بڑھی ہوئی تھیں۔ دوپہر کو لنچ پر جانا ہے تو رات کو ڈنر پر۔ ایک دن ایٹ ہوم ہے تو دوسرے دن ڈانس میں شرکت کرنی لازمی ہے۔ لیکن اب رمیش کی ملاقات کے بعد سے تو اس کا گھر ٹکنا ہی ناممکن ہو گیا۔
اگر جگدیش کو منورما کے ساتھ جانے فرصت نہ ہوتی تو کوئی پرواہ نہ تھی۔ کیونکہ رمیش ہر وقت ہمراہ جانے کے لئے تیار ہوتا۔ وہ تین ماہ کی رخصت پر تھا۔ اس کا ارادہ تو کسی ایک جگہ جانے کا تھا لیکن اب منورما کی ملاقات نے اس کا پروگرام بالکل بدل ڈالا تھا۔ اور اس نے یہیں اپنی تمام چھٹیاں گذارنے کا ارادہ کر لیا تھا۔
جگدیش یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ لیکن موجودہ سوسائٹی اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ خاوند بیوی کی آزادی میں کسی قسم کی رخنہ اندازی کرے۔ وہ منورما کو ایک لفظ بھی نہ کہہ سکتا تھا۔ ایک وہ دن تھا کہ منورما گھر سے باہر نکلنا بھی نہ جانتی تھی۔ لیکن آج گھر میں چند گھنٹے ٹھہرنا بھی اُسے دوبھر تھے۔ گھر کا تمام انتظام چوپٹ تھا نوکر خوب گلچھرے اڑاتے۔ خرچ آمدنی سے بڑھ رہا تھا۔

لیکن منورما نے یہ سب جگدیش کو خوش کرنے کے لئے ہی تو ملازمت۔ اس نے کبھی کتنے جتن کئے تھے۔ بیوٹی اسپیشلسٹ سے مشورہ، آؤٹ ڈور کے اس بانات رنگ کا سنہری داخلہ۔ جگدیش کی خیالی دنیا میں جو تصویر بنی تھی وہ اس موجودہ منورما سے بالکل مٹ چکی تھی۔ وہ ایک آزاد تیتری تھی۔ اور تیتری کو ہر ایک شاداب و خوش رنگ اور اپنی پسند کے پھول پر بیٹھنے کا پورا پورا اختیار ہے۔

جس قدر منورما اب اپنے روپ اور رنگ دونوں سے خوش تھی اسی قدر جگدیش اس سے کنارہ کش تھا۔ موجودہ سوسائٹی نئی روشنی، مرد اور عورت کی پوری پوری آزادی۔ یہ ایسے خوش رنگ پھول ہیں کہ دور سے جب انہیں دیکھا جائے ان کی دلفریبی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ لیکن جب انہیں ہاتھ سے چھو لیا جائے تو تازگی فنا، مرجھا جاتے ہیں!!

ایک دن جگدیش کی طبیعت اچھی نہ تھی۔ سر کے درد کے ساتھ بخار کی بھی شکایت ہو گئی تھی۔ اس کا جی چاہتا تھا منورما اس کے پاس بیٹھی رہتی۔ مگر منورما کو اس دن کلب جانا ضروری تھا۔ وہ اس وقت ڈریسنگ روم میں لباس تبدیل کر رہی تھی اور جگدیش آنکھیں بند کئے ہوئے کچھ سوچ رہا تھا۔ اتنے میں دروازہ کھلا اور منورما اندر داخل ہوئی۔ وہ اس وقت نہایت دلآویز لباس میں ملبوس تھی۔ جس سے اس کے حسن میں چار چاند لگ گئے تھے۔ بولی:۔

اگر تکلیف زیادہ ہو تو میں راستہ میں ڈاکٹر ملن سے نرس کے لئے کہتی جاؤں۔ میں تو جلدی واپس نہ آسکوں گی۔ مسٹر [illegible] نے وعدہ لیا تھا کہ کلب سے فارغ ہو کر سینما چلیں گے۔

جگدیش تڑپ کر اٹھ بیٹھا۔ اس کا رنگ راکھ کی طرح زرد ہو رہا تھا۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ اس کے ہونٹ لرز رہے تھے۔ آہستہ آہستہ بولا:۔

منورما۔ مجھے اپنی حماقت کی کافی سزا مل چکی ہے۔ میں نے اپنے خیالات کی جو دنیا بنائی تھی۔ اس کی تلخی میری رگ رگ میں بس گئی ہے۔ ایشور کے لئے تم وہی پہلی منورما بن جاؤ۔

منورما گھبرا کر ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔ شاید جگدیش ہذیان کی حالت میں بک رہا ہو۔ لیکن جگدیش کی ملتجی نگاہوں نے اس پر حقیقت کو ظاہر کر دیا۔ اس نے اپنا ہینڈ بیگ میز پر پھینک دیا۔ اپنے خوبصورت سینڈل اتار ڈالے۔ اور جگدیش کے پلنگ کی پٹی کے پاس فرش پر بیٹھ کر بولی:۔

”پران ناتھ! اگر ہو سکے تو میرا من پڑھ کر شانت کر لو۔ دل کو سکون مل جائے گا۔“

”ہاں منورما! میں آج پورا من شانت کروں گا۔ آج میری ہار اور تمہاری جیت کا دن ہے۔“ جگدیش نے جواب دیا۔

سرور رعنا

باقی صفحہ ۳۹۲ کا

کیونکہ سے مذہبی امور سے ناواقف ہیں۔ مگر بعض دیہاتوں میں میں نے دیکھا کہ نماز اور قرآن تو درکنار مسلمان عورتیں کلمہ تک پڑھنا نہیں جانتیں مگر ان کے نام زینب اور فاطمہ۔ لکھے پڑھے نام محمد و فضل۔ دیگر شہروں کی طرح یہاں بھی نام بگاڑ کر پکارنا بھی ایک عام بات ہے مثلاً اگر زینب نام ہو گا تو اسے جینو، فاطمہ ہو گا تو فتیا یا پھاپا کہہ کر پکاریں گے۔ اسی طرح مردوں میں حمید الدین کا میدا یا میدو، فیض الدین کا فیجو۔ جلال الدین کا جلو ہو جائے گا۔ بہرحال پنجاب کی دیہاتی زندگی کافی سے زیادہ دلچسپ اور دلنواز ہے۔ یہ ایک جنت ہے جس میں رہ کر انسان اکتا نہیں سکتا۔

مسز ن۔ س حجاب۔ جالندھر

دیہاتی زندگی

آپ گرمی کے موسم کی دوپہریں کس طرح گذارتی ہیں؟ میں تو پنجاب کے ایک گاؤں میں رہتی ہوں جہاں خس کی ٹٹیاں اور بجلی کے پنکھے تو مل نہیں سکتے۔ اور مجھ میں اتنی استطاعت بھی نہیں کہ ایسی شاہانہ زندگی بسر کرسکوں۔ گرمی کے دنوں میں دوپہر کے وقت جب سورج آسمان سے زمین پر اپنی جھلس دینے والی شعاعوں کی بارش کرتا ہے رہٹ کے پاس شیشم کے درختوں کی ٹھنڈی ٹھنڈی چھاؤں میں خوب لطف ملتا ہے۔ بدن کو جھلس دینے والی لو شیشم سے ٹکرا کر ٹھنڈی ہوجاتی ہے۔ اور آدمی وہ تپش محسوس نہیں کرتا جو چھت کے نیچے بیٹھ کر پختہ اینٹوں کی بنی ہوئی اور تپتی دیواروں سے محسوس ہوتی ہے۔ مجھے تو یہ زندگی بہت پسند ہے۔ ہمارے ہاں ایک فلاسفر صاحب ہیں۔ انہوں نے ام اے فلسفہ میں کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر انسان گرمیوں میں کمبل اوڑھ کر یا لحاف میں لپٹ کر پڑا رہے تو وہ گرمی محسوس نہیں کرسکتا۔ ممکن ہے کہ یہ درست ہو میرے تو خیالات بھی وہاں نہیں پہنچ سکتے۔ جہاں ایک فلسفی اپنی دنیا بناتا ہے۔ اگر آپ کمبل اوڑھ کر چارپائی پر لیٹ جائیں تو پہلے پہل آپ شدت کی گرمی محسوس کریں گی۔ دم گھٹنے لگے گا۔ سانس رک جائیگا۔ پسینہ میں شرابور ہونے کے بعد ہی گرمی آپ کو ٹھنڈک پہنچائے گی۔ آپ نے بارہا ریل کا سفر کیا ہوگا اور اسٹیشنوں پر لگے ہوئے اشتہاری بورڈ بھی ملاحظہ کئے ہوں گے کہ گرمیوں میں گرم چائے ٹھنڈک پہنچاتی ہے تو اب آپ خود ہی اندازہ کر لیجئے کہ ہمارے فلاسفر صاحب کی کہنت کہاں تک ٹھیک ہے۔ بہرحال چونکہ میں ایک گاؤں کی رہنے والی ہوں۔ اس وجہ سے مجھے ان پسندیدہ مناظر سے خاص دلچسپی اور وابستگی ہے۔ ہندوستان کے غریب کسانوں کی زندگی سے کون واقف نہیں۔ چلچلاتی دھوپ میں دن بھر کام کرنا ان ہی غریبوں کا کام ہے۔ بیچارے پیٹ کے لئے کیا کیا تکالیف برداشت کرنے میں کتنی محنت کرنی پڑتی ہے۔ کسان ہی اناج پیدا کرکے دنیا کے لوگوں کا پیٹ بھرتا ہے مگر آپ پھر بھی ننگا اور بھوکا ہی رہتا ہے۔ ایک دفعہ میں اور میری دو سہیلیاں شہر سے آئی ہوئی تھیں سب بیٹھی کسانوں کی مصیبت زدہ زندگی پر باتیں کررہی تھیں۔ شکیلہ کہنے لگیں "یہ تو اپنے کئے کی سزا بھگت رہے ہیں"۔ میں نے پوچھا، ان سے ایسی کیا خطا سرزد ہوئی ہے"۔ اس پر شکیلہ نے ایک قصہ سنایا۔ قصہ واقعی مضحکہ خیز ہے۔ آپ کی ظرافت طبع کے لئے سپرد قلم کرتی ہوں۔ کہنے لگی کہ جب حضرت آدم کے ساتھ چند کسان زمین پر آئے تو حضرت آدم نے ان سے کاشت کرنے کے لئے کہا۔ ان کے چوہدری نے سوال کیا "فرمایئے حضرت کونسی فصل تیار کی جائے؟" "ایسی فصل" آدم نے جواب دیا "جس کے دو حصے ہوسکیں۔ اوپر کا حصہ تم لے لو۔ اور نیچے کا ہمارے لئے چھوڑ دو" چوہدری صاحب نے گندم کی کاشت شروع کردی۔ جب فصل تیار ہوگئی تو خوشے اپنے لئے رکھ لئے اور بھوسہ حضرت آدم کے ہاں بھجوا دیا۔ حضرت آدم بہت سٹ پٹائے اماں حوا سے کہنے لگے " دیکھو چوہدری نے ہمارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ حیوانوں کے کھانے کی چیز ہمارے لئے بھیج دی اور خود۔ ۔ ۔ ۔ "۔ "تو اس میں کیا ہے" حوا نے بات کاٹتے ہوئے کہا "ابکی بار ایسی فصل لگوایئے جس کے خوشے ہمیں مل جائیں اور نیچے کا حصہ چوہدری لے جائے"۔ حضرت آدم نے اپنا یہ خیال چوہدری پر ظاہر کردیا۔ اس نے جواب دیا کہ "حضرت یہ بھی کوئی بات ہے ابھی لیجئے"۔ اس نے اس دفعہ کھیت میں گنے

لگوا دئے۔ اب تو آدم سے بھی نہ رہا گیا۔ خشمگیں لہجے میں کہنے لگے "بھئی واہ عجیب آدمی ہو تم بھی۔ خواہ مخواہ تنگ کر رہے ہو
ہمیں۔ اچھا اس دفعہ ایسی فصل کرو جس کا درمیانی حصہ تم لے جاؤ اور باقی ہمارے لیے چھوڑ دو"۔ کسان نے مکئی کھیت
میں ڈال دی۔ جب فصل تیار ہو گئی۔ بھٹے تو خود لے گیا اور بقایا ہری ہری ڈنڈیں حضرت کے لئے چھوڑ دیں
حضرت آدم نے جھلا کر کہا "جا تجھ پر بڑی مار۔ تیرے کام میں برکت نہ دے تو دنیا کو کھلائے گا مگر خود ہی جوار کی روٹی اور ساگ
... بعینہ وہی ہوا۔ بات تو شکیلہ نے سچے کی کہی۔ کسان اوروں کو کھلاتے ہیں۔ بنئے کے ہتھے چڑھ کر کوڑی
کوڑی کو محتاج ہو جاتے ہیں۔ مگر بنئے لئے اور بنئے عیال و اطفال کے لیے وہی حضرت آدم کا بتایا ہوا کھانا من و سلویٰ
یعنی ساگ روٹی اور لسی۔ کیا یہی زندگی ہے ان لوگوں کی ...... آج صبح میں ایک انگریزی کتاب پڑھ رہی تھی
جس میں مصنف نے اپنے گاؤں کی تعریف کے پل باندھے ہیں۔ نیلگوں پانی والی ایک جھیل کھریا مٹی کے بنے ہوئے
چند یک مکان۔ پرانی طرز کا بنا ہوا ایک شکستہ گرجا وغیرہ وغیرہ۔ میں سوچتی ہوں کہ کیا سب گاؤں ایک ہی انداز سے بنائے
جاتے ہیں۔ میں نے جتنے بھی گاؤں دیکھے ان میں مندرجہ بالا خصوصیات تھیں۔ کچھ کچے مکان۔ ریگستان کی آغوش میں
ایک جوہڑ ایک ٹوٹی ہوئی مسجد یا شکستہ حال مندر۔ انگریزی کے کسی شاعر نے کہا ہے کہ "گاؤں کی بنا تو خدا نے رکھی اور
شہر انسانوں نے آباد کئے۔ شاعر کا یہ خیال کسی حد تک درست ہے۔ آدمی ہی کو لے لیجئے خدا کا بنایا ہوا ہے۔ مشرق سے مغرب
تک اور شمال سے جنوب ایک ہی سانچے میں ڈھلے ہوئے آدمی ملیں گے۔ دو ہی ٹانگیں دو ہاتھ دو کان اور ایک ناک اسی
طرح گاؤں بھی شاید ایک ہی نقشے پر تیار کئے گئے ہیں۔ سب مشترکہ خصوصیات کے حامل ہیں۔ ہمارے مکان سے کچھ پرے
ایک جوہڑ ہے۔ ہوا کے چلنے سے اس کے پانی کی سطح پر لہریں اٹھتی ہیں۔ یہ جوہڑ سمندروں اور دریاؤں کی طغیانیوں اور
طوفانوں سے قطعاً ناواقف ہے۔ لیکن یہ جوانی کے جذبات سے کیونکر آشنا ہو سکتا ہے۔ جوہڑ کی سطح پر سورج کی شعاعیں
عموداً پڑتی ہیں تو ایک چمک پیدا ہوتی ہے۔ کنارے پر اگی ہوئی بیریاں سر جھکائے خاموش کھڑی ہیں۔ ایک ننھا چرواہا
بانسری لئے برگد کی جڑ میں لیٹا ہوا ہے۔ بکریاں اور بھیڑیں پاس بیٹھی ہانپ کر جگالی کر رہی ہیں۔ تھوڑے فاصلہ پر سبز اور
لہلہاتے ہوئے کھیتوں کے درمیان بل کھاتی ہوئی پگڈنڈیاں سورج کی روشنی میں چمک رہی ہیں۔ کسان کاندھوں
پہ کدال پھاوڑے رکھے آتے جاتے دکھائی دیتے ہیں۔ بڑی بوڑھی عورتیں اور جوان لڑکیاں کمسن بچے سروں پر
روٹیوں کی ٹوکریاں رکھے ہنستی کھیلتی باتیں کرتی کھیتوں کی سمت جا رہی ہیں۔ اس اداس فضا میں ننھے ننھے تیرتے
ہیں۔ کھیتوں کی درمیانی پگڈنڈی پر ایک نوعمر لڑکی اس دسمبر میں تنگ بازوں والی رنگ کی اوڑھنی اوڑھے اپنے خیال
میں محو کوئی دیہاتی گیت گاتی ہوئی جا رہی ہے۔ وقت گذرتا جا رہا ہے۔ سورج افق مغرب کی طرف جھک رہا ہے۔
چمکدار اور تیز روشنی بھی ہو کر پیلی ہوتی جاتی ہے۔ سورج کا چہرہ زرد پڑ چکا ہے۔ شام ہونے والی ہے ڈھور ڈنگر جن میں سے
اکثر کے گلے میں گھنٹیاں اور گھنگال پڑے ہوئے ہیں گرد میں اٹے تھکن پر آ رہے ہیں۔ اکثر عورتیں اور لڑکیاں اپنی
اپنی ڈول رسیاں لے کنوئیں پر پانی بھر رہی ہیں کچھ خالی پانی کی بھری مٹکے گھلیاں سروں پر رکھے آ جا رہی ہیں۔ دیکھئے یہ کس
قدر حیات پرور زندگی ہے۔ انسان مایوسیوں سے "کشمکش ناامیدیوں سے گھبرا کر اگر ایسی دنیا میں چلا جائے تو یقیناً وہ
بے رنج والام کو فراموش کر دے۔ مگر یہ زندگی کیا ہے۔ کیا یہ انسان دنیا میں خوش و خرم رہ سکتا ہے۔ نہیں ... اس
فلسفے کو سمجھنے کے لئے انسان کے دماغی قوی منجمد ہو چکے ہیں۔ اس کا دماغ مفلوج ہو چکا ہے۔ اس کے حواس زائل

ہو چکے ہیں وہ اس فلسفے کو قیامت تک نہ سمجھ سکے گا۔ خلاق دوجہاں کے ہاں انسان کی تمناؤں کو ناجائز کیوں سمجھا جاتا ہے۔ زندگی ایک کھلونا ہے کھیلنے کے لئے دل بہلانے کے لئے۔ مگر نہیں۔

جینا بھی ایک فرض ہے پروردگار کا اے میرے دوست عین عبادت ہے زندگی

کچھ دیر بعد پہلا شب دن کے روئے روشن پہ اپنی سیاہ چادر اڑھا دے گی۔ بدر منیر وسط سما سے دہقانوں کے جھونپڑوں پر چاندی برسائے گا۔ کنواری لڑکیاں کوٹھوں کی چھتوں پر ڈھولک لے کر بیٹھ جائیں گی۔ اور دلآویز روح پرور گیتوں سے فضا گونج اٹھے گی۔ بڑی بوڑھی عورتیں چھوٹے بچوں کو قصے کہانیاں سنانے لگیں گی۔ کمسن لڑکے تفریح طبع کے لئے میدانوں میں جا کر بانسریاں اور الغوزے بجائیں گے۔ گھروں میں جنوں بھوتوں اور پریوں کے قصے دہرائے جائیں گے۔ مردوں میں چوپال میں بیٹھ کر آس پاس کے گاؤں کے زمینداروں کے واقعات بیان کرتے ہوئے حقے کا دور چلے گا۔ اگر اپنے گاؤں میں قصہ جھگڑا ہوا یا کوئی نیا واقعہ پیش آیا تو پنچایت اکٹھی ہو کر اس میں مشورہ کرے گی۔ ذرا رات گئے گاؤں کی فضا میں خاموشی چھا جائے گی۔ خاموشی، سکون اور خاموشی آسمان پر ستاروں کا قافلہ سرعت سے سفر کر رہا ہوگا۔ پو پھٹنے سے پہلے کسان کلمہ پڑھ کر اٹھ بیٹھے گا۔ بیلوں کی جوڑی، بیل ہل کندھے پر رکھ خدا کے توکل پر گھر سے روانہ ہو جائے گی۔ اطراف عالم میں درختوں پر سے شاما کے چہچہے خوش نوا پرندوں کی چہکاریں۔ چنڈول کا اپنے بل میں سے نکل کر لوٹ نٹ کی بلندی پر اڑ کر ہوا میں تھرتھراتے ہوئے نغمہ سنجی کرنا ایسا عجیب سماں ہوتا ہے کہ جس کا بیان کرنا ناممکن ہے۔ جب مشرق سے نور کے چشمے ابلنے لگیں گے۔ گھر والیاں دودھ بلونے اور اوپلے تھاپنے میں مصروف ہو جائیں گی۔ مرد معمول کے مطابق دن کا کام کاج شروع کر دیں گے۔

پنجاب کی دیہاتی عورتیں اپنے گھروں کی صفائی کا خاص خیال رکھتی ہیں۔ البتہ دیہات کے گلی کوچوں میں آپ کو عموماً کوڑے کرکٹ کے ڈھیر نظر آئیں گے۔ مگر گھر بہت عمدگی سے صاف ستھرے ہوتے ہیں ان کی دیواریں اور چھتیں لپی پتی طرح طرح کے نقش و نگار سے مزین ہوتی ہیں۔ برتن دالان میں قرینے سے رکھے ہوئے معمولی اخبارات کی پھٹی پرانی تصاویر دیواروں پہ چسپاں۔ دیہاتی عورت ان امور خانہ داری کی جانب خاص طور پر توجہ دیتی ہے صبح اٹھ کر ضروریات سے فراغت حاصل کر کے وہ ان چیزوں کی طرف دھیان دیگی۔ ایک "جھاڑن" سے ہر برتنوں پر پڑی ہوئی گرد دور کرے گی۔ جھاڑو سے تنکا تنکا باہر پھینک دے گی۔ اگرچہ خود غلیظ رہنا اس کی عادت ہے۔ مگر مکان کی غلاظت دور کرنا وہ اپنا فرض سمجھتی ہے۔ پنجاب کی دیہاتی عورت کے عادات و اطوار پسندیدہ ہیں۔ خصوصاً جاٹ قوم کی عورت (پنجاب میں اسے جٹی کہتے ہیں) بہت دلیر نڈر اور بہادر محنتی جفاکش پائی گئی ہے۔ چند ہی دنوں کا واقعہ ہے جاٹ قوم کی ایک عورت کسی خوفناک جنگل میں گھوڑے پر اکیلی سفر کر رہی تھی۔ دستور کے مطابق اس نے بہت سا زیور بھی پہن رکھا تھا۔ کچھ اچکے بدمعاشوں نے اس کو ڈرا دھمکا کر نقدی اور گہنا چھین لینا چاہا۔ اس کو راستہ ہی میں گھیر لیا عورت بالکل نہ گھبرائی۔ دلیری سے ان کا مقابلہ کرتی رہی۔ اتفاق سے دوسرے راہ گیر اس جگہ پہنچ گئے انہوں نے اس اکیلی عورت کی مدد کی اور بدمعاش رفو چکر ہو گئے۔ پنجابی عورت کی شجاعت بستی بھی مشہور ہے۔ دیہاتی عورتیں گانے بجانے کی بھی بہت مشتاق ہیں۔ سسی پنوں، ہیر رانجھا کے متعلق ہزاروں لاکھوں گیت سننے میں آئیں گے جن میں سسی اور ہیر کے ظلم و ستم کا رونا رویا جاتا ہے۔ پنجابی نظموں میں جنگی ترانے بھی کافی موجود ہیں جنہیں پڑھنے یا سننے سے دل میں جرأت اور بہادری کا جوش پیدا ہوتا ہے عشقیہ قصے کہانیاں بھی بہت مشہور ہیں۔ محنت و مشقت تو ان بیچاریوں کے خون میں شامل ہے۔ اگرچہ کم علمی اور کم فہمی

(باقی صفحہ ۳۸۹ پر)

پیغامِ عمل

اٹھیں پھر فصلِ گل میں آرزوؤں کو جواں کر دیں
چلیں پھر بلبلوں کو آشنائے گلستاں کر دیں

حوادث کے خس و خاشاک میں پیدا دھواں کر دیں
زمانے بھر پر اپنی شعلہ سامانی عیاں کر دیں

چمن زادِ خوش آواز کب تک چپ رہیں آخر
تقاضہ ہے یہ فطرت کا انہیں پھر نغمہ خواں کر دیں

بہت خوابِ گراں میں سو چکے اب وقت آیا ہے
کہ اپنی عقل و دانش کو ہم اپنا پاسباں کر دیں

ثبوتِ زندگی دینا ہے پھر تہذیبِ حاضر کو
ہماری کوششیں پھر اس زمیں کو آسماں کر دیں

اگر دنیا میں رہنا ہے تو یوں دنیا پہ چھا جائیں
کہ سینے ہر عمل کو زندگی کا ترجماں کر دیں

تعاون ہو عمل میں نعرے میں کچھ ایسی خوبی سے
صدائے حق میں بہنوں کو پھر اپنا ہمزباں کر دیں

مٹا دیں جہل کی تاریکیاں نورِ عمل چمکے
سیہ خانوں کو روشن کر کے رشکِ کہکشاں کر دیں

ضرورت ہے کہ ہم ایثارِ قومی کا نمونہ ہوں
فدا انسانیت پر اپنی یہ روحِ رواں کر دیں

ضرورت ہے کہ ہم بیدار ہو کر دردِ قومی سے
بدل دیں فطرتِ غم ختم یہ آہ و فغاں کر دیں

ستم کش بے بسی کے ہیں جن بانوؤں کی آنکھوں کو
ستاروں کی طرح ان موتیوں کو ضوفشاں کر دیں

سنا دیں غنچہ و گل کو حکایت باغباں کی
نگاہ نغمۂ فطرت کو اپنا رازداں کر دیں

ترقی کے منازل چومتے ہیں پائے ہمت کو
اٹھیں یوں پھر قدم اک موجِ بیداری رواں کر دیں

وہ پابندی جو سکھلا دے ہمیں بے لوث قربانی
نثار اس قید پر ہم سیکڑوں آزادیاں کر دیں

شگوفے تیغِ علم و عمل کے کھلنے والے ہیں
ہوائے ذوق سے بیدار روحِ گلستاں کر دیں

نہیں ہے اس سے بہتر تحفۂ خدمت قومی
مٹیں لڑ کر کہ مٹنے کو حیاتِ جاوداں کر دیں

حیا مرکز رہا ہے لکھنؤ علم و تمدن کا
نہ کیوں نورِ عمل سے بھی اسے ہم ضوفشاں کر دیں

کنیز فاطمہ حیا

یہ تو مجھے یاد نہیں کہ ہم دونوں میں سے کون پہلے ڈبے میں داخل ہوا تھا۔ اور سچ پوچھئے تو بہت دیر تک مجھے یہ بھی معلوم نہیں ہوا کہ ڈبے میں میرے علاوہ کوئی اور بھی ہے۔ جیسے جیسے گاڑی اسٹیشن پر رکتی جاتی تھی مسافر ایک ایک دو دو کر کے اُترتے جاتے تھے۔ اور یوں بھی آپ جانئے سیکنڈ کلاس میں بھیڑ کم ہی ہوتی ہے۔ جو دو تین مسافر میرے ڈبے میں بیٹھے تھے وہ سب ایک ایک کر کے اُتر گئے اور میں ڈبے میں اکیلی رہ گئی۔

ریل کا ڈبہ اور وہ بھی رات کے وقت اگر خالی مل جائے تو میں اُسے بہت بڑی نعمت سمجھتی ہوں۔ خالی ڈبے میں آپ بالکل آزاد ہوتی ہیں۔ چاہیں تو زور زور سے باتیں کر سکتی ہیں کوئی سُننے والا نہ ہوگا۔ آپ چاہیں تو کتاب زور زور سے پڑھ سکتی ہیں کوئی اعتراض نہ کرے گا۔ جی چاہے تو زور زور سے گا سکتی ہیں۔ اگر آپ کی آواز تھرتھرا جاتی ہو یا آپ کو ٹھیک طرز نہ آتی ہو تب بھی آپ گا سکتی ہیں۔ کیونکہ آپ کو اطمینان ہوگا کہ کوئی سننے والا اور سُن کر چپکے چپکے ہنسنے والا نہیں ہے۔ بلکہ آپ اگر چاہیں تو وہ تمام کھیل جو آپ بچپن میں کھیلا کرتی تھیں اور اب بڑی ہو جانے کی وجہ سے نہیں کھیل سکتیں اس زریں موقعہ پر کھیل سکتی ہیں۔

آپ سب کھڑکیاں کھول یا بند کر سکتی ہیں اور ظاہر ہے کہ آپ تمام کھڑکیاں بار بار کھول اور بند کر سکتی ہیں۔ کوئی اعتراض نہ کرے گا۔ آپ سیٹوں کے جس کونے پر چاہیں بیٹھ سکتی ہیں۔ آپ جب چاہیں پنکھا اور لائٹ کھول یا بند کر سکتی ہیں۔ آپ بار بار آئینے کے سامنے جا کر اپنے بال سنوار سکتی ہیں۔ غرض اب میں کہاں تک گناؤں کہ اکیلے کمپارٹمنٹ میں آپ کیا کیا کر سکتی ہیں۔ بس یوں سمجھ لیجئے کہ آپ ہر وہ کام کر سکتی ہیں جو آپ کسی دوسرے کے سامنے نہیں کر سکتیں۔ بلکہ گھر میں بھی نہیں کر سکتیں کیونکہ وہاں بھی ڈر ہوتا ہے کہ کہیں کوئی دیکھ یا سُن نہ لے۔ لیکن اس روز جہاں تک مجھے یاد ہے میں نے مندرجہ بالا قسم کی حرکات میں سے کوئی حرکت نہیں کی۔ یا یوں کہیئے مجھے ان کا خیال ہی نہ آیا۔

جب آخری مسافر بھی ڈبے میں سے اُتر گیا تو میں نے کتاب ہاتھ سے رکھدی۔ ہاتھ پاؤں اطمینان سے پھیلائے اور انگڑائی لے کر کھڑی ہو گئی۔ کھڑکی میں سے آسمان پر جھلملاتے ہوئے تاروں پر نگاہ ڈالی۔ تھوڑی دیر آہستہ آہستہ گنگناتی رہی اور پھر بیٹھ کر کتاب پڑھنے لگی۔ اور اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ ڈبے میں میں اکیلی نہیں ہوں بلکہ میرا ایک ساتھی بھی ہے۔ وہ میری ناک پر آکر بیٹھ گیا۔ وہ ان بھورے پردار بھنبھنانے اور کاٹنے والے کیڑوں میں سے تھا جسے عرف عام میں مچھر کہتے ہیں۔ میں نے ہاتھ ہلا کر اُسے اُڑا دیا۔

اس نے ڈبے کا ایک دورہ کیا۔ کھڑکیوں کے پاس گیا۔ لائٹ کا طواف کیا اور پھر شاید یہ تہیہ کر کے کہ کمپارٹمنٹ میں سوائے ایک بڑے جاندار کے کوئی اور دلچسپی کی چیز نہیں ہے میری گردن پر آکر بیٹھ گیا۔ میں نے پھر اُسے اُڑا دیا۔ اس نے پورے ڈبے کا ایک اور دورہ کیا اور پھر کمال گستاخی کے ساتھ آکر میرے ہاتھ پر بیٹھ گیا۔ یہ کافی ہے۔ میں نے کہا ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے۔ دو مرتبہ تم کو چھوڑ دیا گیا تھا۔ میں ان عام لوگوں میں سے نہیں ہوں جن پر جب چاہو

سو چونکہ تم خون چوس سکتے ہو۔ میں تم پر موت کا فتویٰ صادر کرتی ہوں۔ انصاف کا تقاضا یہی ہے اور کورٹ بھی اس بات کی اجازت دیتی ہے۔

"تمہارے خلاف بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ تم قاتل ہو۔ نہ معلوم کتنے آدمیوں کو کاٹ کاٹ کر تم نے ملیریا کے مرض میں مبتلا کیا ہے۔ نہ معلوم ان میں سے کتنے بچے اور کتنوں نے لمبے گڑھے کا راستہ لیا۔ تم پبلک کو سخت تکلیف دیتے ہو۔ تم بغیر ٹکٹ سفر کر رہے ہو۔ ان جرائم کی سزا میں تم پر موت کا فتویٰ صادر کیا جاتا ہے۔" میں نے پوری طاقت سے سیدھے ہاتھ پر الٹے ہاتھ سے وار کیا۔ وار خالی گیا۔ مچھر بھنبھناتا ہوا اڑ گیا۔ میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ میں نے دونوں ہاتھوں کے بیچ میں چٹکی کی طرح اسے میں دبانا چاہا لیکن بے سود۔ میں نے کتاب اس پر پھینک کر ماری۔ بیکار۔ وہ اوپر اڑا۔ میں نے سیٹ پر چڑھ کر اس کا تعاقب کیا۔ بلی کے خاندان کی تمام جنگی تدابیر کر ڈالیں۔ یہاں تک کہ جب تک وہ نزدیک نہ آتا دور سے بیٹھی رہتی اور جب وہ منہ پر بیٹھ جاتا تو خوفناک طریقے سے حملہ کرتی لیکن سب بے سود۔

وہ مجھ سے کھیل رہا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا گویا وہ مجھے دعوت مقابلہ دے رہا ہے اور بھنبھنا کر کہہ رہا ہے "ہے ہمت؟ ہمیں مار لو تو جانیں۔" وہ میرے آرام میں صرف اس لئے مخل ہوا کہ وہ ذرا ورزش کرنی چاہتا تھا۔

کہاں گیا وہ میرا الجبرا جامیٹری۔ وہ میری حساب دانی۔ وہ تاریخ سائنس اور جغرافیہ۔ وہ میرا "جنرل نالج" جس پر مجھے بے انتہا فخر تھا۔ وہ میرے کتب خانے کی ان گنت کتابیں۔ کیا ان میں سے کسی میں مجھے یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ اگر ایک مچھر اس طرح تنگ کرے تو اسے کس طرح فنا کرنا چاہئے۔

مجھے مچھر پر رشک آنے لگا۔ کس مزے اور اطمینان کے ساتھ یہ ایک کمپارٹمنٹ میں بالکل تنہا ایک ایسی ہستی کو جو اس سے سیکڑوں نہیں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں اور کروڑوں گنا بڑی ہے مقابلہ کی دعوت دے رہا ہے۔ کیا میں بھی اتنی بڑی کسی برابر والی ہستی سے اس بے تکلفی اور دلیری کے ساتھ چہل کر سکتی ہوں۔

میرے دل میں اس کی قدر و منزلت بہت بڑھ گئی۔ اس وقت اس ذرا سے کیڑے نے مجھے شکست دیدی تھی۔ میں دل ہی دل میں اپنی شکست تسلیم کرتی ہوئی اٹھی اور اپنی سیٹ پر جا کر بیٹھ گئی۔ "میں تم کو مار نہیں سکتی بخش سکتی ہوں" میں نے کہا اور کتاب کھول کر پڑھنے لگی۔ وہ آ کر کتاب پر بیٹھ گیا۔ "بیوقوف" میں نے کہا "تم نے اپنے آپ کو بالکل میرے بس میں دے دیا ہے۔ صرف کتاب بند کرنے کی دیر ہے اور تم فوراً مر گئے۔ بلکہ کتاب کے دو حصوں کے بیچ میں سینڈوچ Sandwich بن جاؤ گے۔ لیکن میں ایسا نہیں کروں گی۔ میں تم کو ایک مرتبہ معاف کر چکی ہوں۔ میں اشرف المخلوقات میں سے ہوں اور تم کو بتا دینا چاہتی ہوں کہ اشرف المخلوق جب کچھ کہتا ہے تو وہ کرتا بھی ہے۔

اس کے علاوہ بھی میں تم کو مارنا نہیں چاہتی ہوں۔ تمہاری حرکات نے میرے دل میں تمہاری عزت پیدا کر دی ہے۔ میں تمہارے لئے دلچسپی کا باعث ثابت ہوئی اور تم نے مجھ کو سبق دیا۔ بس ہم دونوں برابر ہو گئے۔ گاڑی رک گئی۔ یہیں مجھے اترنا تھا۔ جاتے جاتے میں نے مڑ کر دیکھا تو میرا ننھا سا [illegible] کا اعلان کر رہا تھا۔ "خدا حافظ میرے ہم سفر!" میں نے رومال ہلا کر کہا اور [illegible] لے کر اتر گئی۔

آنسہ آصف جہاں بیگم بلگرامی

ذات

کوئی بہن یا بھائی یہ بتا سکتے ہیں کہ ذات کیا چیز ہے اور اس کا چرچا اور اس کی تلاش کیوں ہوتی ہے؟ ذات کا یہ
اور متعدی مرض اور کہیں ہو یا نہ ہو لیکن بہار میں تو اس قدر ترقی پر ہے کہ معاذ اللہ۔
کسی گھر اور کسی شخص کو اس مرض سے نجات نہیں۔ مسلمان بہنوں کا فرض ہے کہ قرآن حکیم کے احکام کو آگے رکھ کر
ذات کے امتیاز کو ہر ممکن طریقہ سے مٹانے کی کوشش کریں۔ کلام پاک ترجمہ کے ساتھ جو بہنیں پڑھتی ہیں اُن کو معلوم ہوگا
کہ خدائے تعالیٰ کا فرمان کیا ہے۔ وہ اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے کہ "میرے نزدیک وہی شخص مقرب ہے جس کے اعمال
اچھے ہوں"۔ یہ کہیں نہیں لکھا کہ صرف سید جنت میں جائیں گے اور جلاہے دُھنئے یا اور ذات کا آدمی جہنم میں۔ اسکے
علاوہ اکثر دیکھا گیا ہے اُونچی ذات کہنے والے۔ اعلیٰ طبقہ کے لوگ نماز بہت کم پڑھتے اور روزے بھی مشکل سے رکھتے ہیں۔
اور شب قدر میں جاگنا تو ناممکن ہے۔ لیکن اللہ تعالےٰ کی عبادت غریبوں محتاجوں جلاہوں قصابیوں میں جن کو نیچ
ذات کہا جاتا ہے ان ہی میں نظر آتی ہے۔ مجھے کوئی یہ گنوا دے کہ کتنے امیر امرا باقاعدہ پنجوقتہ نماز یا شب قدر وغیرہ
میں نوافل پڑھتے ہیں

میرا خیال و تجربہ تو یہ ہے کہ ذات کا گھمنڈ نہ دین کے لئے سودمند ہے نہ دُنیا کے لئے۔ بلکہ اپنی ذات کا اُونچا اور
دوسرے کی ذات کو نیچا سمجھنا ایک قسم کا غرور ہے جو اللہ تعالےٰ کو کسی طرح پسند نہیں ہے۔ اس وقت میرے کنبے میں خوب
گھروں کی کئی لڑکیاں جوانی کی منزلیں ختم کر چکی ہیں رواج کے مطابق عورت و مرد سے سخت پردہ ہے نہ کہیں آنا نہ کہیں
جانا۔ ایک تو ہر وقت گھر میں بند ہیں دوسرے ماں باپ کے اُوپر بار بنی ہیں۔ ان کا دل پریشان ہے اور تندرستی برباد ہو رہی
ہے لیکن ماں باپ ان کی شادی نہیں کرتے۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ لڑکے تو بہت ملتے ہیں لیکن ذات نہیں ملتی۔
اگر ذات والا لڑکا مل بھی گیا تو آپ اپنی امارت میں مغرور اور مال میں مست اور غریب کو ذلیل سمجھتے ہیں۔ ایسی بے حقیقت
بات جو قرآن شریف سے کہیں ثابت ہی نہیں۔ اس پر اس قدر جوش و خروش سے عمل پیرا ہونا کیا جہالت اور بے وقوفی
بلکہ بربادی اور تباہی نہیں ہے؟

مسز عابدہ اشرف

انقلابِ زمانہ

زمانہ عجب رنگ دکھلا رہا ہے — گلستاں بیاباں ہوا جا رہا ہے
جہاں بلبلیں چہچہاتی تھیں ہر دم — خزاں کا قدم اب وہاں آ رہا ہے
نہ دلکش نوائیں ہیں اب اگلی جیسی — ہے دریا خموشاں بہا جا رہا ہے
رواں ہے جہازِ جنوں رفتہ رفتہ — خبر کچھ نہیں کہ کہاں جا رہا ہے
دلوں میں تعصب نے گھر کر لیا ہے — قدم راہِ حق سے ہٹا جا رہا ہے
نرالے طریقے، نرالے قواعد — خزانہ حیا کا لٹا جا رہا ہے
طریقہ یہاں کا یہی ہے صبا کہ — کوئی آ رہا ہے کوئی جا رہا ہے

عزیزہ صادقہ صبا

منصف کی بیٹی

ایک ایکٹ کا ڈرامہ

اشخاص ڈرامہ

ہیڈسٹرونگ ۔ منصف ۔
لوسی - منصف کی بیٹی ۔
ولیم - منصف کا نوکر ۔
مسز لبٹل ۔ سرائے مسز ہیڈسرائے کی مالکہ ۔
فریادی ایک بوڑھا شخص ۔

سین پہلا

(ہیڈسٹرونگ کے مکان کا ایک حصہ ۔ لوسی پودوں کو پانی دیتی ہوئی دکھائی دیتی ہے)

پس منظر نوکر کسی سے یہ کہتا ہوا سنائی دیتا ہے ۔ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ صاحب میرے آقا ابھی بیدار نہیں ہوئے ۔ تم اس وقت نہیں مل سکتے ۔ بہتر ہے کہ انتظار کرلو؟

لوسی ۔ کون ہے ولیم ؟ تم کس سے باتیں کر رہے ہو؟

ولیم ۔ مس صاحبہ ایک بوڑھا شخص صاحب سے کچھ عرض کرنا چاہتا ہے ۔

لوسی ۔ اوہ اچھا اس کو ٹھہرنے دو ۔

ولیم ۔ مگر صاحب نے تو ابھی اپنا قہوہ بھی نہیں پیا اور آپ جانتی ہیں کہ وہ بغیر اس سے فارغ ہوئے کسی سے ملاقات نہیں کرتے ۔

لوسی ۔ تو اس کو یہاں آنے دو شاید وہ کچھ دیر ٹھہر سکے ۔

(ولیم جاتا ہے لوسی پھر اپنے پودوں کو پانی دینے لگتی ہے ۔ ولیم بوڑھے شخص کو لئے ہوئے آتا ہے ۔ اور بوڑھے سے کہتا ہے ۔" اس وقت صاحب تم سے نہیں مل سکتے مگر مس صاحبہ تمہیں ٹھہرنے کے لئے کہتی ہیں "۔

لوسی (بوڑھے کی طرف دیکھتے ہوئے آہستہ آہستہ کہہ رہی ہے) بیچارے غریب کی ٹانگیں چلنے میں کس طرح کانپتی ہیں (آواز سے) بیٹھئے بیٹھئے ۔ میرے والد آپ سے جلد ملاقات کریں گے (بوڑھا تامل کرتا ہے)

لوسی (ایک کرسی اس کے آگے کرتے ہوئے) برائے مہربانی بیٹھئے ۔

بوڑھا بیٹی تم بہت اچھی ہو (بیٹھ جاتا ہے ۔ لوسی پھر اپنے پودوں کے پاس جاتی ہے)

لوسی ۔ اف یہ ننھا سا پودا تو مرجھا گیا (بوڑھا آہ کھینچتا ہے لوسی اس طرف مڑتی ہے اور آپ ہی آپ کہتی ہے تعجب ہے کہ اس نے اس طرح کیوں آہ بھری" (آواز سے) گھبرائیے نہیں آپ کو انتظار کی زیادہ تکلیف نہ ہوگی "۔

بوڑھا ۔ نہیں بیٹی مجھے اس کی ایسی کچھ جلدی نہیں ہے ۔ آنے دو یہ معمولی سی بات ہے ۔

لوسی ۔ تو پھر آپ نے ایک معمولی سی بات کے لئے اس طرح آہ کیوں بھری ۔

بوڑھا ۔ مس صاحبہ گو یہ معمولی سی بات ہے آہ بھرتے ہوئے) تاہم میرے لئے یہ بہت کچھ ہے ۔ کیونکہ میں نے اپنا سب کچھ کھو دیا ہے ۔

لوسی ۔ اس سے تمہارا کیا مطلب ہے تم نے اپنا کیا کھو دیا؟

بوڑھا ۔ میری بیٹی میں تمہیں سنا کر تکلیف دینا نہیں چاہتا ۔

لوسی ۔ اس کے سننے سے مجھے کچھ تکلیف نہ ہوگی برائے مہربانی سنائیے ۔

بوڑھا- یٹی بات یہ ہے کہ میں کل شب اس شہر کی ایک سرائے میں ٹھہرا تھا ۔ ۔ ۔ "

لوسی (بات کاٹتے ہوئے) سُنا آپ نے میرے والد نیچے آرہے ہیں۔ میرے پیچھے چلے آیئے۔ ہم باتیں کرتے چلیں گے۔

بوڑھا- تو ہاں میں کہہ رہا تھا کہ کل شب جبکہ میں اس سرائے سر لیسینس ہیڈ میں ٹھہرا تھا تو میرے ۔ ۔ ۔ ۔ (دونوں خاموشی سے چل دیتے ہیں)

سین دوسرا

(ہیڈ سٹرونگ کا دارالمطالعہ ہیڈ سٹرونگ اپنے شب خوابی کے لباس میں ظاہر ہوتا ہے اور اپنے نقرس زدہ پیر کو ایک تپائی پر رکھتے ہوئے میز کے قریب رکھی ہوئی کرسی پر نیم دراز ہوجاتا ہے۔ لوسی کرسی کے دستے سے ٹیک لگائے کھڑی ہے۔ میز پر قہوے کی پیالی رکھی ہے)

ہیڈ سٹرونگ- اچھا اچھا میری بیٹی میں ابھی ابھی اس سے ملونگا۔

لوسی- تو پاپا کیا آپ قہوہ نوشی کے درمیان اس سے ملاقات کریں گے؟

ہیڈ سٹرونگ- نہیں نہیں میری جان- جبتک میں اپنا قہوہ ختم نہ کرلوں کسی سے ملاقات نہ کروں گا (قہوہ کا ایک گھونٹ پیکر) میری بچی اس میں تو بالکل شکر نہیں ہے۔

لوسی- لیکن پاپا میں نے خود اسمیں دو چمچے بھر کر شکر ڈالی ہے۔

ہیڈ سٹرونگ- مگر میں کہتا ہوں کہ اس میں بالکل شکر نہیں ہے۔ میری بچی تم ہمیشہ مجھے جھٹلاتی ہو۔

لوسی (منہ بنا کر اٹھاتے ہوئے) دیکھئے پاپا یہ کافی ہے۔

ہیڈ سٹرونگ- ہوں اس میں شکر گھلی نہ ہوگی جس کے باعث مٹھاس معلوم نہیں ہوتی۔ بس جاؤ بیٹی جاؤ- میں بہت مصروف ہوں مجھے بہت سا کام کرنا ہے جاؤ اور ہاں ولیم کو بھیجتی جانا۔ سُنا تم نے؟

لوسی- اور اُس بوڑھے شخص کو بھی پاپا؟

ہیڈ سٹرونگ (تیزی کے ساتھ) بوڑھے بوڑھے کی کیا رٹ لگا رکھی ہے گویا میں صبح اسی کے لئے بیدار ہوا ہوں اگر وہ نہیں ٹھہر سکتا تو اپنے کام پر جا سکتا ہے۔ اس کو جانے دو میری بچی کیا تم نہیں جانتیں کہ میں جبتک اپنا قہوہ ختم نہیں کرلیتا کسی سے نہیں ملا کرتا۔ خواہ وہ کوئی میں ہی کیوں نہ ہو- ابھی تو بارہ ہی بجے ہیں اگر وہ نہیں ٹھہر سکتا تو اس کو جانے دو منع کس نے کیا ہے۔

لوسی- جی نہیں وہ ٹھہر سکتا ہے وہ ایسا بے صبر نہیں ہے (لجاجت آمیز لہجہ میں) یہ تو صرف میں نے دریافت کیا تھا پاپا اُس بیچارے نے تو کچھ نہیں کہا آپ اس پر خفا نہ ہوں۔

ہیڈ سٹرونگ- اچھا اچھا (قہوے کی پیالی کو ختم کرتے ہوئے ایک طرف رکھکر) اس میں ہر حال میں شکر نا کافی تھی- میری بیٹی ولیم کو بھیجو میں پہلے اپنا کام ختم کرلوں تو پھر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (ولیم کا آنا) ہاں کہو ولیم سر لیسینس ہیڈ سے کیا خبر لائے ہو؟ کیا میرے حکم کے مطابق مسز لیٹل سے تم خود ملے تھے؟

ولیم- حضور مالکہ سرائے سے میں خود ملا تھا- اس نے کہا کہ وہ فوراً حاضر خدمت ہوگی۔

اسٹرونگ- تو وہ فوراً آئے گی؟

ولیم- ہاں حضور لیجئے وہ آگئی ہیں- میں نے ابھی ابھی اُس کی آواز نیچے سُنی ہے۔

اسٹرونگ- آگئی ہو تو بلا لاؤ- ہاں اُس بوڑھے کو بھی بلا لانا- میں اب اپنے کام سے فارغ ہوچکا ہوں- مگر ولیم یہ تو کہو وہ کس قسم کا آدمی ہے۔

ولیم- حضور عالی وہ مسافر معلوم ہوتا ہے اور میرے خیال میں تو وہ آوارہ خانہ بدوش ہے۔

اسٹرونگ (بڑبڑاتے ہوئے) آوارہ خانہ بدوش یا مسافر اچھا ولیم اس کو بھی یہاں بھیجدو۔

[illegible]

کے بل آہستہ آہستہ بوڑھے کے پیچھے کمرے میں داخل ہوتی ہے۔ سٹرونگ کرسی کی پشت پر پیچھے کو جھکا ہوا کسی گہری سوچ میں بیٹھا ہے۔ مسز بشل اپنی کمر پر ہاتھ ٹیکے برابر میں کھڑی ہے۔ بوڑھا دروازے میں سے اُس کو دیکھ کر ٹھٹکتا ہے)

اسٹرونگ - دوست اندر آؤ رک کیوں گئے؟

مالکہ سرائے (آگے بڑھتے ہوئے) اوہو جناب یہ آپ ہیں۔ شاید تم نے سمجھا ہوگا کہ میں یہاں نہیں آسکتی یا میں یہاں میری موجودگی کا علم نہ ہوگا۔ مگر نہیں یہاں غیر متوقع طور پر اپنے بن بلائے مہمان سے دوچار ہونا پڑا کیونکہ تمہاری تو وہی مثل ہوئی کہ بھنے کو اور بھیدیا۔

اسٹرونگ - کیا ہوا یہ کیا بات ہے؟

مالکہ سرائے (اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے) میں تجھے تنبیہ کئے دیتی ہوں کہ تیری خوشامدانہ گفتگو جس کو رحم پر محمول کرسکتی ہے اور نہ مجھے رام کرسکتی ہے۔

اسٹرونگ (پر رعب لہجہ میں ہاتھ ہلاتے ہوئے) مسز بشل خاموش رہو۔ سوچو تم کس کے سامنے بول رہی ہو۔ او دوست تم آگے آؤ اور جو کچھ کہنا چاہتے ہو بلا تامل بیان کرو (بوڑھا آگے بڑھتا ہے) تم کون ہو کہاں سے آئے ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟

مسز بشل - جناب میں کچھ عرض کرنے کی اجازت چاہتی ہوں . . . (اسٹرونگ اس کو خاموش رہنے کا اشارہ کرتا ہے)

بوڑھا - آقا میں ایک بوڑھا سپاہی ہوں . . .

مسز بشل (دخل در معقولات کرتے ہوئے) اور ایک بوڑھا مکار بھی ہو . . .

اسٹرونگ - مسز بشل برائے مہربانی اس کو کہنے دو۔ میں سُننا چاہتا ہوں کہ آخر وہ کیا کہتا ہے۔

بوڑھا - حضور جب میں جوان تھا تو محنت کرتا رہا۔ بازو ہاتھ کے ناکارہ ہوجانے کے بعد محنت کے قابل نہ رہا۔

مسز بشل (طنزیہ لہجہ میں) ہاں تو بھی کام کرتا۔ یہ بدمعاش کہیں کا . . .

اسٹرونگ (غصہ سے) مسز بشل میں کہتا ہوں کہ اس کو اپنا بیان ختم کرنے دو۔

لوسی - ہاں ہاں بابا پہلے اس کا قصہ سُن لیجئے اچھی مسز بشل پہلے اس کو اپنا بیان ختم کرلینے دیجئے۔

مسز بشل (لوسی کی طرف مڑکر) لوسی لوسی گڈ مارننگ تم ہو معاف کرنا۔ میں نے تمہیں نہیں دیکھا تھا۔

(اسٹرونگ سر کی جنبش سے بوڑھے کو آگے بیان کرنے کو کہتا ہے بوڑھا اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے) دو سال سوئے کارتوں خیرات پر گذر رہی۔ ان دو سالوں میں اس میں سے بمشکل تمام میں نے ڈیڑھ گنی کی رقم پس انداز کرلی تھی۔

مسز بشل - جھوٹ بالکل جھوٹ . . .

اسٹرونگ (غصہ اور تیزی سے) مسز بشل میں چاہتا ہوں کہ تھوڑی دیر خاموش رہو۔ تمہیں بھی بات کرنے کا موقع دیا جائے گا۔

بوڑھا - اسی پس انداز رقم سے کر میں اپنی زندگی کے آخری ایام اپنے پوتے کے پاس گذارنے کے لئے جانب شمال سفر پر روانہ ہوا۔ لیکن (آہ بھرتا ہے)

اسٹرونگ - لیکن کیا؟ آگے کہو۔

بوڑھا - ہاں گذشتہ شب میں اس قریہ کی سرائے سرسنس ہیڈ میں ٹھہرا۔

مسز بشل (پیر زمین پر مار کر مداخلت کرتے ہوئے) ہاں سرسنس ہیڈ میں آج تک کوئی ایسا شخص فروکش نہ ہوا۔ اور نہ کبھی آئندہ ہوگا۔ اور جب تک مسز بشل کے نام سے سرسنس ہیڈ چلے گا . . . . .

اسٹرونگ - مسز بشل پھر تم نے مداخلت کی یہ بہت بُری بات ہے میں کہتا ہوں کہ تمہیں بھی بات کرنے کا

جلد موقع دیا جائے گا پہلے اس کو اپنا بیان ختم کرنے دو۔ (بوڑھے سے) ہاں تو تم گذشتہ شب سر لسبنس ہیڈ میں شب باش ہوئے تھے تو . . .

بوڑھا - حضور عالی میں کسی پر الزام نہیں رکھتا مگر اتنا کہتا ہوں کہ جب میں شب کو سویا تھا تو میرا معمولی ساندوختہ محفوظ تھا اور صبح کو جب بیدار ہوا تو اس کو نہ پایا۔

مسز بسٹل - صاف یہ کیوں نہیں کہتے کہ میرے گھر سے چرا لیا گیا۔ کیا میں اسی سلوک کی مستحق تھی کہ مجھ پر چوری کا الزام لگایا جائے۔ حضور عالی کیا میں اپنے اوپر اس طرح کا الزام سُن کر خاموش رہ سکتی ہوں معاف کیجئے گا اگر اس وقت بادشاہ اور شاہی خاندان کے افراد بھی موجود ہوں تو اس الزام بدنامی کو سنکر میں برداشت نہیں کر سکتی (بوڑھے کی طرف متوجہ ہوکر) کیا یہی تیری احسان مندی ہے۔ بے ایمان احسان فراموش بوڑھے۔ کیا تو نے یہ نہیں کہا تھا کہ رات بھر پڑا رہنے کے لئے تجھے میرے گھر کا ایک کونہ کافی ہوگا۔ اس احسانمندی کا صلہ مجھ کو یہ دیا جا رہا ہے کہ میرے گھر کو چوروں اور اُچکوں کا اڈہ سمجھا جا رہا ہے۔

بوڑھا - اوہ نہیں نہیں ہرگز نہیں چوروں کا اڈا میرا مطلب یہ ہرگز نہ تھا۔

مسز لیسٹل - تو پھر کیا اس کے بھی سینگ ہوتے ہیں۔

اسٹرونگ (تحکمانہ لہجہ میں) بس خاموش۔ ابتک میں پانچ مرتبہ کہہ چکا ہوں مگر سب بیکار ثابت ہوا۔ اس سے پیشتر میرا حکم ٹالنے کی کسی کو اس قدر جرأت نہ ہوئی۔ مسز بسٹل خاموش نہ ہوگی۔

مسز بسٹل - حضور عالی تو پھر میرا یہاں ٹھہرنا بیکار ہے میں جاتی ہوں (غصہ میں بھری ہوئی تیزی کے ساتھ کمرے سے نکل جاتی ہے۔

سین تیسرا

ہیڈ سٹرونگ۔ بوڑھا شخص اور لوسی باہم گفتگو کرتے نظر آتے ہیں۔

لوسی (مسز بسٹل کے چلے جانے سے خوش ہوکر) آہا بوڑھے میاں اب میں مطمئن ہوں کہ تم اب سب کچھ اطمینان کے ساتھ سُنا سکو گے۔ جو کچھ تمہیں کہنا ہو بلاخوف تردید میرے باپ سے کہدو۔ درحقیقت وہ نہایت نیک اور رحمدل ہیں۔ پاپا اس غریب کو جھٹلا نہیں جو کچھ کہتا ہے سچ ہے۔

اسٹرونگ - ہاں ہاں بیٹی تم ہر بات میں مجھے جھٹلاتی رہتی ہو۔ ابھی قہوہ پینے سے پہلے بھی تو تم نے مجھے جھٹلایا تھا۔

لوسی - پاپا خفا نہ ہوجئے یہ میں کہتی ہوں اس غریب نے تو کچھ بھی نہیں کہا۔

اسٹرونگ - ہاں بوڑھے میاں آگے بیان کرو۔ خدا کا شکر کرو کہ انگلینڈ میں عدالت کا دروازہ ہر امیر و غریب کے لئے کھلا ہے۔ جہاں ہر کس و ناکس کی دادرسی کیجاتی ہے بلاخوف و تردد سب کچھ بیان کرتے چلو۔

بوڑھا - حضور عالی آپ کی عنایت کا شکریہ۔

اسٹرونگ - میرا شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں یہ میرا اپنا فرض ہے۔ مگر برائے مہربانی اس کی وضاحت کرنا یہ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ جب تم سوئے تھے تو تمہارا اندوختہ محفوظ تھا اور جب تم بیدار ہوئے تو کیسے کھویا گیا۔ کیا تمہیں اس کا یقین ہے۔

بوڑھا - ہاں حضور عالی مجھے اس کا یقین ہے میں نے خود اپنے ہاتھ سے گن کر یہ رقم رکھی تھی۔

اسٹرونگ - تم نے اس کو کہاں رکھا تھا؟

بوڑھا - اپنے تمباکو کے ڈبے میں جہاں میں ہمیشہ رکھا کرتا تھا۔

اسٹرونگ - آجتک یہ کبھی سُننے میں نہ آیا کہ کسی نے اپنی پونجی تمباکو کے ڈبے جیسی غیر محفوظ جگہ رکھی ہو۔

تو کیا پیسے ڈبہ سمیت چرائے گئے تھے؟

بوڑھا - حضور عالی نہیں ڈبہ تو اس بنک سے باتک نہیں جہاں میں نے اسے رکھا تھا۔

اسٹرونگ - میرے خیال میں کوئی انسان اتنی حماقت نہیں کر سکتا کہ ڈبہ چھوڑ کر رقم چرائے وہ چاہتا تو ڈبہ بھی ساتھ اٹھا لے جاتا - مگر یہ میری سمجھ میں نہ آیا کہ اس نے ڈبہ کیوں چھوڑ دیا۔

بوڑھا - حضور عالی میں نے جو کچھ عرض کیا صحیح ہے۔

اسٹرونگ - اس کا ثبوت؟

بوڑھا - عالی جاہ یہ رہا خالی ڈبہ (ڈبہ دکھاتا ہے مگر سٹرونگ اس کو بغیر دیکھے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے) نہیں نہیں قانون اس کو نہیں مانتا یہ کوئی بات نہیں ہے اس کو ماننے کے لئے ہرگز تیار نہیں - میں کیا کوئی بے وقوف بھی یہ پسند نہ کرے گا کہ اس ڈبہ کو جو بآسانی اٹھایا جا سکتا تھا چھوڑ کر صرف رقم غائب کر لے گیا۔

بوڑھا - حضور عالی میں جھوٹ نہیں کہتا -

اسٹرونگ - بس بس میں اور کچھ سننا نہیں چاہتا تمہارا دعویٰ غلط ہے۔

لوسی (ڈبہ اٹھا کر باپ کے آگے کرتے ہوئے) پاپا تو پھر یہ ڈبہ یہاں کہاں سے آیا۔

اسٹرونگ - بیٹی تم جس بات کو نہیں جانتیں اس میں دخل مت دیا کرو جاؤ کھیلو - اپنا کام دیکھو - کیا تم کوئی نیا قانون نکالنا چاہتی ہو؟

لوسی - نہیں پاپا قانون سے میرا کوئی مطلب نہیں ہے میں تو محض اس ڈبے کے متعلق کہتی ہوں -

اسٹرونگ - بیٹی تم نہیں جانتیں یہ سب جھوٹ ہے بالکل جھوٹ - شروع سے آخر تک جھوٹ -

بوڑھا - حضور عالی

اسٹرونگ - بس میں اور کچھ سننا نہیں چاہتا - دیکھو ویم اس بوڑھے کو یہاں سے نکال دو - بس زیادہ میرا وقت ضائع نہ کرو۔

بوڑھا افسردہ ہو کر سر جھکا لیتا ہے اور آہستہ آہستہ کمرے سے نکل جاتا ہے - لوسی اس کے پیچھے جاتی ہے۔

لوسی - بوڑھے میاں گھبراؤ مت جب تم سچ کہہ رہے ہو تو پھر گھبرانے کی کیا بات ہے - مگر ہاں میرے دماغ میں ایک بات آئی ہے ایک منٹ کے لئے ٹھہر کر اس کا جواب دیتے جانا -

(بوڑھا لوسی کو اپنے پیچھے دیکھ کر ٹھہر جاتا ہے)

لوسی - ہاں بڑے میاں یہ تو کہو کہ کیا ڈبہ جسمیں تم نے رقم رکھی تھی اچھی طرح سے بند تھا؟

بوڑھا (چونک پڑتا ہے اور چہرہ اوپر کر کے کہتا ہے) نہیں بیٹی اندھیرے میں مجھے اس کا ڈھکن سوجھائی نہ دیا - اس وجہ سے یہ کھلا رہ گیا تھا۔

لوسی (خوشی سے یہ کہتی ہوئی دوڑتی جاتی ہے) بس بس بوڑھے میاں اب مجھے حقیقت معلوم ہو گئی - تھوڑی دیر کے لئے یہیں ٹھہرے رہنا میں ابھی آئی -

سین چوتھا

مسٹر سٹرونگ اپنے دارالمطالعہ میں میز پر جھکا ہوا کچھ لکھتا دکھائی دیتا ہے۔

بوڑھا - حضور عالی میری زندگی کے چند دن جو باقی رہ گئے ہیں تو گویا وہ مصیبت و آلام کی نظر کر دئے جائیں گے۔ میری حالت پر رحم کیا جائے۔

اسٹرونگ (لکھتے ہوئے میز سے سر اٹھا کر) یہ ایک فرضی اور بناوٹی قصہ معلوم ہوتا ہے - قانون اس کو تسلیم نہیں کر سکتا - اس لئے مجبوراً تیرا دعویٰ خارج کیا جاتا ہے۔

(اسی اثنا میں لوسی دوڑتی ہوئی آتی ہے اور ہانپتی ہوئی کہتی ہے)

لوسی - ٹھہریئے ٹھہریئے پاپا ابھی فیصلہ نہ دیجئے میں نے اس کو ڈھونڈھ نکالا میں نے چور کو پا لیا ہے - بوڑھے

بوڑھے میاں خوش ہو جاؤ کہ تمہاری رقم مل گئی - یہ رہی ویڑکنی یہی سب کچھ تھا نا؟ ایک شلنگ چھ پینی ہی تو اس نے کہا تھا نہ پایا -

(مسز بٹل کمرے میں داخل ہوتی ہے)

مسز بٹل (ہانپتی ہوئی) حضور عالی آپ نے یہ بھی سنا؟

اسٹرونگ - میں نے کچھ نہیں سنا - مگر پہلے یہ تو کہو کہ تم نے چور کو پکڑ لیا؟

لوسی (مسز بٹل کو خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے) ہاں پاپا ہم نے اس کو پکڑ لیا ہے اب وہ ہماری قید میں ہے کیا وہ یہاں لایا جائے؟

اسٹرونگ - ہاں ہاں ضرور میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں یہ میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ کیا معاملہ ہے تاہم میرے نزدیک یہ کچھ ایسا اہم معاملہ نہیں ہے - ہاں مسز بٹل جب میں اس سے کوئی سوال کروں تو تم بیچ میں نہ بولنا

(مسز بٹل تعجب سے اپنی انگلی ہونٹوں پہ رکھ لیتی ہے اور ہر شخص تعجب سے دروازے کی جانب دیکھتا ہے - لوسی ہاتھ میں پرندے کا ایک پنجرہ لئے آتی ہے - جس میں ایک مینا بند ہے - اس کو دیکھ کر اسٹرونگ کے ہاتھ سے قلم چھوٹ پڑتا ہے)

اسٹرونگ - ہائیں مسز بٹل یہ کیا ایک معمولی سی مینا اور چور؟

مسز بٹل - ہاں عالی جاہ یہ میری ہی مینا ہے مگر یہ بات میرے کیا کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھی کہ مینا پیسے اٹھا سکتی ہے - حالانکہ یہ مدت سے میرے پاس ہے مگر میں اس کی اس عادت سے واقف تک نہیں - نہ معلوم مس لوسی نے یہ کیسے جانا واقعی لوسی نہایت تیز فہم اور عقلمند لڑکی ہے جس نے اصلی چور کا پتہ لگا لیا مگر وہ اس نتیجے پر کیسے پہونچیں - میں یہ معلوم کرنے کی متمنی ہوں -

بوڑھا - بہت خوب بہت خوب -

اسٹرونگ - میری جان آخر تم ایک منصف کی بیٹی ہو نا مگر میں یہ سننا چاہتا ہوں کہ تم نے یہ کیسے جانا؟

لوسی - ہاں پاپا یہ بات میرے وہم گمان میں بھی نہ تھی مگر جب میں نے بڑے میاں سے سنا کہ وہ تمباکو کا ڈبہ جس میں انہوں نے پیسے رکھے تھے کھلا رہ گیا تھا تو میرا خیال یک لخت اُس واقعہ کی جانب منتقل ہو گیا جو گذشتہ موسم گرما میں ہیں سرسینس ہیڈ میں پیش آیا تھا جبکہ چچا اپنے ایک دوست سے اس مینا کے متعلق گفتگو کر رہے تھے کہ وہ پیسے دیکھے تو اُڑا لیجاتی ہے اور چھپا دیا کرتی ہے اور تمثیلاً جب چچا نے ایک شلنگ سامنے میز پر رکھا تو یہ لے کر اُڑ گئی - اور جا کر چھپا دیا - سو مجھے خیال آیا کہ غالباً یہ حرکت بھی اسی نے کی ہوگی - لہذا جب تلاش کی تو واقعی رقم وہیں برآمد ہوئی - اور میرا گمان یقین کی حد تک پہنچ گیا کہ چور اس کے سوا اور کوئی نہیں ہے - دیکھئے پاپا یہ غریب سچ کہتا تھا نا ایک بزدہ ڈبہ تو نہیں لیجا سکتا - **اسٹرونگ** - بیٹی میں نے بھی تو یہ درست کہا تھا کہ کوئی انسان ہوتا تو ڈبہ نہ چھوڑ جاتا -

لوسی - یقیناً مگر میں خوش ہوں کہ بوڑھے میاں تم نے اپنی رقم پالی (مسز بٹل سے مخاطب ہو کر) مسز بٹل آپکو بوڑھے میاں سے سخت و سست الفاظ کی معافی مانگنی چاہیئے۔

اسٹرونگ - ہاں ہاں ضرور -

مسز بٹل - واقعی بوڑھے میاں آپ سے معذرت چاہتی ہوں اور ساتھ ہی لوسی کی دانشمندی سے تمہارا اندوختہ ملجانے کی مبارکباد دیتی ہوں -

بوڑھا - (خوش ہو کر) آہا کچھ ہو میں نے اپنا اندوختہ پالیا ہے اب میں جھوٹا نہیں - **اسٹرونگ** ہاں ہاں بڑے میاں تم سچ کہتے تھے (لوسی کے ہاتھ میں پیسوں کا کیسہ دیکر) لوسی بیٹی یہ رقم بھی اس رقم میں ملا کر اس بوڑھے کو بطور انعام دیدینا - **بوڑھا** - آہاہا کچھ ہو میرا اندوختہ میری کھوئی ہوئی دولت مجھے ملگئی میں دنیا میں سب سے زیادہ خوش قسمت انسان ہوں - مس لوسی تم نے میرے غم کو خوشی سے بدلدیا خدا تمہیں خوش رکھے - (پردہ گرتا ہے) **ب - ن - آنسہ ابراہیم** (مدراس)

(ترجمہ از انگریزی از میریا ایجورتھ)

اگر تم انکی ہو سچی ترقی خواہ خاتونو

کرو تم بچیوں پر رحم اب للہ خاتونو
کرو کھوٹی ترقی کی نہ ان کی راہ خاتونو
پڑھی لکھی دلہن کی مانگ ہے میرے زمانے کو
یہی درخواست کرتا ہے ہر اک نوشہ خاتونو
بنا دو بچیوں کو یوں نہ تم گلدستہ پھولوں
نہ رکھو بے ہنر ان کو بس ان کا واسطہ خاتونو
زر و زیور کے بدلے دو انہیں تعلیم کا زیور
یہی جو گیسو تم ان کے کرو ہمراہ خاتونو
رہ میں دیکھتا رہتا ہوں میں تعلیم نسواں کی
کمی کو دیکھ کر روتا ہوں خوں واللہ خاتونو
اگر جاہل مجسم بن کے یہ شوہر کے گھر پہنچیں
تو دکھ دے گا بے لطفی کا سب بیہودہ خاتونو
سنوارو ان کے مستقبل کو فرض دیں یہ ہر
اگر تم ان کی ہو سچی ترقی خواہ خاتونو
ابھی تعلیم نسواں ملک میں ہے محض ناکافی
نکالو علم آموزی کی ان کے راہ خاتونو
سراپا پیکر تعلیم ہر بچی تمہاری ہو
بنا دو ان کو حسن تربیت سے ماہ خاتونو
پرائے گھر میں جب بچی تمہاری بیاہ کر جائے
تو اس کی خوبیوں پر ہو تمہاری واہ خاتونو
کرو بیدار اور تعلیم گاہوں میں انہیں بھیجو
کرو ان کے لئے تم صرف خود طرح ہ خاتونو
یہ صرف ان کے حق میں مایۂ آرام ہوگا پھر
رہیں گی شوہروں کے گھر بعزت جاہ خاتونو
گرشتہ علم کے کیا کیا ہیں مت مد دلداد زیر تعلیم
ن ترقی سب یہی تعلیم شہنشاہ خاتونو

یاد

ایسے وقت میں جب موسم خزاں میں ڈھل جانے کے بعد آسمان کا رنگ شفق سے سرخ ہو جاتا ہے۔ اور بادلوں کا عکس ہر سمت پڑنے لگتا ہے۔ سکھی تم مجھے یاد آتی ہو۔

پہاڑی صبح کے قریب جب سورج خاموشی سے بہتے ہوئے دریا پر ہلکی سی دھند اٹھاتا ہے۔ اس ارغوانی فضا میں درخت جو موسم بہار کی آمد سے کانپتے ہوئے لالہ گوں بن جاتے ہیں۔ اور سورج کی کیف آور کرنیں انکو گرمانے کی کوشش کرتی ہیں۔ ایسے وقت اے سکھی تم مجھے بہت یاد آتی ہو۔

دن بھر پانی برستا رہا لیکن شام کے قریب بادلوں کے دل کا بخار کسی دکھے ہوئے دل کی طرح نکل گیا۔ اب تیت فضائے آسمانی صاف ہے اور خنک ہوا چل رہی ہے۔ ایسے میں سکھی! تم مجھے یاد آ رہی ہو۔ اگرچہ تم بہت دور ہو۔۔۔ سات سمندر پار۔ مگر تصور میں بہت نزدیک اور دل کے لئے تمہاری یاد ایک ترنم بن گئی ہے۔ البتہ فراموشی کے عالم میں ایک خلیج حائل ہو جاتی ہے۔ جس کو نہ تمہاری روح عبور کر سکتی ہے اور نہ میری یاد۔

ایس۔ بی طاہرہ پشاور

زندگی میں دلچسپی قائم رکھنے کے لئے ہمکو کچھ نہ کچھ کرتے رہنا چاہئیے۔ بہت سے لوگوں کو کہتے سنا ہے کہ دن کیا ہے پہاڑ ہے کسی طرح گذرتا ہی نہیں۔ ایسے لوگ درحقیقت وہی ہیں جن کی زندگی بغیر کسی شغل کے گذرتی ہے۔ ہمکو اپنی طبیعت کی مناسبت سے ایک خاص مشغلہ پسند کرلینا چاہئیے تاکہ فرصت کے اوقات لایعنی باتوں میں صرف نہ ہوں۔ دیکھا جائے تو بغیر کسی اپنے پسندیدہ مشغلے کے زندگی پھیکی معلوم ہوتی ہے۔ جن لوگوں کا کوئی محبوب شغل نہیں وہ اپنے اوقات محض بیکار باتوں میں گذار دیتے ہیں۔ ہم پُرمسرت دن گذارنے سے بہت کم واقفیت رکھتے ہیں اس کی وجہ کچھ تو جہالت اور کچھ اپنے ماحول کے ہاتھوں مجبوری۔ یوں تو سب ہی زندگی گذار لیتے ہیں۔ کوئی رو کر تو کوئی ہنس کر غرضکہ

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے عمر یوں ہی تمام ہوتی ہے

لیکن جو کچھ بھی ہو ہم کو حتی الامکان زندگی کے بیش قیمت دنوں کو اچھی طرح بسر کرنے کی کوشش کرنی چاہئیے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم اپنا ایک منٹ بھی بیکار نہ جانے دیں۔ دل کے بہلانے کا سب سے بڑا اور مفید مشغلہ مطالعہ ہے۔ ہر انسان کو اس کا عادی ہونا چاہئیے۔ مطالعہ کا معیار ہمیشہ بلند ہو۔ فضول کتابوں اور لچر رسالوں کے پڑھنے سے ہمیشہ پرہیز کرنا چاہئیے بلکہ بیکار قصوں کہانیوں ناولوں کے پڑھنے کی بجائے بزرگوں اور مشاہیر عالم کی سوانح عمریاں تاریخ و سیاسیات کا مطالعہ کرتے رہیں۔ بہت ممکن ہے کہ شروع میں دل نہ لگے لیکن پوری توجہ سے چند صفحات پڑھنے کے بعد طبیعت کو ایک لگاؤ پیدا ہو جائیگا پھر خاص خاص مضامین میں دلچسپی اور معلومات میں خاطر خواہ اضافہ ہوتا جائیگا۔ مذہبی کتابوں کا مطالعہ کرنا اور بزرگان دین کے حالات ضرور پڑھتے رہنا چاہئیے (اس سے مذہبی) معلومات میں اضافہ ہوگا۔ کسی نہ کسی واقعہ یا مضمون کو ضبط تحریر میں لانا اور اسکی مشق کرتے رہنا بھی مفید اور باعث دلچسپی ہوتا ہے۔ اس طرح تحریر میں روانی پیدا ہو سکتی ہے اور خط بھی درست ہو جاتا ہے ضروری ہے کہ ہم اپنے گھر کے متعلق کھانا پکانا اور دستکاری پر زیادہ وقت صرف کریں۔ کیونکہ بغیر ان دونوں باتوں کے عورت کی زندگی فضول ہے کھانے پکانے میں کسی عورت کو محتاج نہ رہنا چاہئیے۔ اگر کسی وجہ سے وہ خود نہ کرسکے تو دوسروں کو بتا کر اس سے وہ کام لیلے۔ اسی طرح سے دستکاری کا بھی یہی حال ہے۔ خیال کیجئیے کہ دستکار عورت گھر میں موجود نہیں ہے۔ تو گھر کے سب لوگوں کے کپڑوں کی تیاری پر آپ کا کس قدر روپیہ خرچ ہو جاتا ہے۔ مہارت پیدا کرکے اسے فروخت کرنے میں بھی کوئی عیب نہیں ہے۔ وہ بہنیں جن کی تعلیم نامکمل ہو اور اب انہیں تعلیم حاصل کرنیکا موقع نہ ہو انہیں تو ضرور اس طرف متوجہ ہونا چاہئیے تاکہ کچھ ہنر ان کے ہاتھ میں آ جائے اس کے علاوہ کام کرنے سے دل بھی بہلتا ہے اور وقت بھی کٹتا ہے ان کاموں سے تو ہر عورت کو واقف ہو کر اس پر عملی طریقے سے کاربند ہونا چاہئیے۔ اس کے بعد جو وقت بچے اس میں بھی آپ کوئی مشغلہ جاری رکھئیے لیکن اس کا خیال رہے کہ وہ کارآمد ہو۔ وقت کو فضول گپ شپ میں گنوانا حماقت ہے اور اپنے بیش قیمت وقت کی ناقدری۔

صغرا عبد السبحان

ہمارے رسولؐ

اہل قریش سے آپ کا سلوک

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف مسلمانوں کے لئے باعث فخر و ناز ہیں بلکہ منافقین اسلام اور دیگر مذاہب کے افراد بھی باوجود مذہبی اختلافات کے آپ کی ذات برکات کو بہترین انسان سمجھتے ہیں - چنانچہ کارلائل Carlyle لکھتا ہے کہ آنحضرتؐ اخلاق انسانی کا مکمل نمونہ تھے - اسی طرح مارگولیتھ باوجود متعصب ہونے کے - اقرار کرتا ہے کہ آنحضرتؐ کامل اخلاق رکھتے تھے - یہی حال اہل قریش کا تھا - فتح مکہ کے بعد جب آنحضرتؐ نے والیان مکہ کو مخاطب کرکے یہ پوچھا کہ اب میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں - سب کی زبان سے بے ساختہ یہی نکلا کہ آپ کریم ابن کریم اور نیک بھائی ہیں اور ہم کو تحریر اعتبار ہے - میں اس مضمون میں آنحضرت صلعم کے اس سلوک کا جو آپ نے فتح مکہ کے بعد مکے والوں کے ساتھ کیا کچھ ذکر کروں گی اور ساتھ ہی یہ بھی عرض کروں گی کہ اہل قریش کا آنحضرتؐ کے ساتھ فتح مکہ تک کیا رویہ رہا - یہ تو سب کو معلوم ہے کہ قریش کی جتنی کارروائیاں تھیں وہ سب زیادہ تر خود غرضی اور منافقت پر مبنی تھیں - بخلاف اس کے آنحضرتؐ کے ہر ایک فعل سے - اور آپ کی ہر بات سے - آپ کی تمام زندگی تعلیم حق کے لئے وقف ہے - اس راہ میں چاہے کتنی ہی کٹھن منزلیں کیوں نہ پیش آئیں آپ ہر شخص کی ہر بات کو نہایت ہمت اور استقلال سے برداشت کرتے اور جہاں بھی خلق اللہ کی بہتری دیکھتے اپنے دشمن کی زیادتی اور بہتان کو بھی برداشت فرما لیتے - یہ وہ خصوصیت ہے جس نے آنحضرت کو تمام پیغمبروں پر فضیلت بخشی اور جس نے فتح مکہ کے مقابلہ میں دنیاوی فتوحات کی خود غرضی کو بے اثر کر دیا - آنحضرت کے دل میں کبھی کسی کو نقصان پہنچانے کا خیال نہ آتا تھا - بلکہ آپ کی ہر وقت خدا سے یہی دعا رہتی تھی کہ وہ گمراہوں کو راہ حق پر لائے -

اس سے پہلے کہ مکہ والوں کے اس سلوک کا جو آنحضرت کے ساتھ فتح مکہ تک رہا ذکر کیا جائے - عرض کرنا ضروری ہے کہ اہل قریش کی آپ کے ساتھ دشمنی کی کیا وجوہ تھیں - اس لئے سب سے پہلے ہمیں عرب کے جغرافیہ پر نظر ڈالنی پڑتی ہے - سرزمین عرب زیادہ تر ریگستان ہے جس میں کہیں کہیں سرسبز قطعات ہیں جن کو وہاں کے درختوں کی نسبت سے نخلستان کہتے ہیں - عرب کی آبادی دو حصوں پر منقسم ہے - ایک وہ جو کھیتی باڑی کرتے ہیں - دوسرے وہ جن کی زمانہ قدیم سے لوٹ مار پر گزران ہے - سپہ گری میں موروثی شجاعت ہے - لوٹ مار کو عرب میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے - چنانچہ اہل عرب جب کسی کو رخصت کرتے ہیں تو کہتے ہیں صحیح سلامت آنا اور مال غنیمت لانا -

اس طرح لوٹ مار عرب کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی اور قبائلی تعصب کا عرب میں عام رواج تھا - اس کا اثر عرب کی طرز معاشرت تہذیب و اخلاق اور سماجی زندگی پر نمایاں طور سے نظر آتا ہے - حالت یہ تھی کہ اگر ایک قبیلہ والا کسی دوسرے قبیلے کے آدمی کو مار ڈالتا تھا تو مقتول کے خون کا بدلہ اس کے قریبی رشتہ دار اور اہل قبیلہ پر فرض ہو جاتا تھا - اور وہ جب تک قاتل اور اس کے قبیلے والوں سے خون کا بدلہ نہ لے لیتے چین سے نہ بیٹھتے تھے - اس طرح یہ قصاص کی لڑائیاں صدیوں تک چلتی تھیں - اس کو عرب اصطلاح میں ثار کہتے ہیں - ابتدائی انگلستان کے خون کے جھگڑوں سے

بہت مشابہ ہے - اس طرح چھٹی صدی عیسوی میں عرب میں قومیت کا خیال بالکل مفقود تھا - اور مختلف قبیلے ایکدوسرے کو لوٹنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے - زمانۂ نبوت میں بھی بعض صحابہ کے دل سے مال غنیمت کی ہوس نہ گئی تھی - ابوداؤد سے منقول ہے کہ کسی نے آنحضرت سے پوچھا کہ ایک شخص خدا کی راہ میں جہاد کرنا چاہتا ہے لیکن کچھ دنیوی فائدہ بھی چاہتا ہے - آپ نے فرمایا "اسے کوئی ثواب نہ ملے گا" یہ بات سامعین کو بہت عجیب معلوم ہوئی اور اس شخص سے کہا پھر جاکر دریافت کرو شاید تم نے آنحضرت صلعم کا مطلب نہیں سمجھا - بار بار لوگ اس شخص کو دریافت کرنے کے لئے بھیجتے تھے - اور ان کو یقین نہیں آتا تھا کہ آنحضرت نے ایسا فرمایا ہوگا - بالآخر جب آپ نے تیسری مرتبہ بھی یہی فرمایا کہ "اس کو کچھ ثواب نہ ملے گا" تب لوگوں کو یقین آیا -

اس طرح کا ایک اور واقعہ ابوداؤد نے بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت نے چند صحابہ کو ایک قبیلے کے مقابلہ کیلئے بھیجا - ان میں ایک صاحب صف سے آگے نکل گئے قبیلے والے روتے ہوئے آئے ان صحابی نے فرمایا "لاالہ الا اللہ" کہو تو بچ جاؤ گے اس پر ان لوگوں نے اسلام قبول کرلیا اور ان کی جان اور مال بچ گیا - مگر جب دوسرے صحابہ نے یہ بات سنی تو وہ ان صحابی پر بہت برہم ہوئے اور کہا تم نے ہم کو غنیمت سے محروم کردیا - آنحضرت صلعم کے پاس جب یہ لوگ گئے تو آپ نے ان صحابی کی تحسین کی - اور فرمایا کہ "تم کو ایک ایک آدمی کے بدلے جس کو تم نے چھوڑ دیا اس قدر ثواب ملے گا -

جنگ احد میں مسلمانوں کی شکست کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہوئی کہ بعض مجاہدین نے بخلاف حکم آنحضرت صلعم لوٹ مار شروع کردی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن نے موقعہ پاکر دھاوا کردیا -

جب ابتدا میں اہل عرب کی یہ ذہنیت ہو تو ان کو بھلا اسلام کی تلقین کیونکر پسند آتی - اسلام لوٹ مار کو کس طرح جائز رکھ سکتا تھا - آنحضرت صلعم اس کے سخت خلاف تھے لیکن بعض منافقین اور دیگر مذاہب کے لوگوں میں یہ غلط فہمی اب تک پھیلی ہوئی ہے کہ اسلام قتل وغارت کی ترغیب دیتا ہے - اور مثال کے طور پر وہ غزوات کو پیش کرتے ہیں - جو آنحضرت صلعم کے زمانہ میں وقوع پذیر ہوئے - یہ خیال سراسر غلط ہے - جہاد کے عائد کرنے کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ امن و امان قائم کیا جائے اور کمزوروں کو ظالم کے پنجے سے چھڑایا جائے - اور گمراہوں کو راہ حق پر لایا جائے - اہل قریش کو یہ ڈر تھا کہ اسلام کی اشاعت سے ان کی آزادی پر روک ٹوک بڑھ جائے گی - اس لئے ان لوگوں نے اسلام کی مخالفت پر شروع سے کمر باندھ لی تھی - قریش کو اس بات کا بھی ڈر تھا کہ اسلام ان کے لوٹ مار کے مشغلے میں بھی مخل ہوگا - اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے معبودوں کو بھی نیست ونابود کردیں گے - اسلام کا سب سے بڑا رکن توحید ہے جو اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ "اللہ تعالٰے ایک ہے اور کوئی اس کا شریک نہیں"۔ برخلاف اس کے اہل قریش بت پرست تھے - وہ لات ومنات اور عزےٰ اور ہبل کی خدائی کو مانتے تھے اور ان سے اپنی تمام امیدیں وابستہ رکھتے تھے -

اس میں شک نہیں کہ آنحضرت کی نبوت سے پہلے بھی عرب میں چند لوگ ایسے موجود تھے جو اس بات کو محسوس کررہے تھے کہ لات ومنات کی کوئی حقیقت نہیں اور کوئی ذات ایسی بھی ہے جو ان سب سے بزرگ و بالا تر ہے اور جس کو سب پر قدرت حاصل ہے - مگر ابھی تک وہ خدا کے مفہوم یا الوہیت کو صحیح طور پر سمجھ نہ سکتے تھے - اس قسم کا میلان ممکن ہے اہل عرب میں عیسائیوں اور یہودیوں کے ساتھ میل جول اور تجارتی تعلقات کی وجہ سے پیدا ہوگیا ہو - اس میلان کا اثر یمن میں

پہلے پایا جاتا تھا جہاں بہت سے یہودی اور دیگر مذہب کے لوگ بستے تھے۔ اور یمن کے باشندوں نے بھی یہودی یا عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ اس کے علاوہ غسانی عربوں نے بھی جو قیصر روم کے زیر اثر تھے عیسائیت قبول کر لی تھی۔ شام میں بھی یہودی مذہب اور نصرانیت کا چرچا تھا۔ اور چونکہ مکہ والے تجارت کے لئے اکثر شام جایا کرتے تھے اس لئے ان کے کان میں بھی ان مذہبوں کی بھنک پڑ گئی تھی۔ مگر ایسی نہیں کہ ان میں کوئی مذہبی میلان پیدا کر سکے۔ کعبہ کی بنیاد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ڈالی لیکن بجائے توحید کی روشنی کے زمانہ جاہلیت میں وہ بت پرستی کا سب سے بڑا مرکز بنا ہوا تھا۔ اور قبیلہ قریش کو کعبہ کے متولی ہونے کی حیثیت سے عرب میں ایک خاص اعزاز حاصل تھا۔ اس لئے انہیں اس بات کا بڑا خیال تھا کہ کہیں کعبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا مرکز نہ بن جائے۔ ایسے لوگ جو بت پرستی سے بیزار تھے ان میں سے قابل ذکر زید ورقہ حارث اور عثمان تھے۔

زبیدہ یزدانی بی اے آنرس (آکسن)

(باقی آئندہ)

(باقی صفحہ ۴۰۸ کا)

پردہ ہوتا ہے دو حصے ہیں۔ درمیان میں راستہ ہے۔ اگر راستے کو چھوڑ کر ان دو حصوں کو اس طرح تقسیم کر دیا جائے کہ مستورات جہاں جھولے وغیرہ پڑے ہیں وہ حصہ تو انکے بیٹھنے اور جھولنے کے لئے چھوڑ دیا جائے۔ اور دوسری طرف ان تمام دوکانوں کے لئے مختص کر دیا جائے تو بہت بہتر ہو جن سے مستورات کو خریداری کرنا ہے وہ اس طرف خرید و فروخت کریں اور جو محض تفریح کے لئے آتی ہیں وہ اس طرف تفریح کرتی رہیں۔

میونسپل کمیٹی سے دوکانداروں کو ایک صاف تیل پر دوکان لگانے کا حکم ملنا چاہئے تاکہ اوپر رکھنے سے مٹی وغیرہ گرد سے محفوظ رہیں۔ میونسپلٹی کے متعینہ سپاہی پانی والوں کے برتنوں یا ڈلیوں کا معزز اوقات پر معائنہ کرتے رہیں کہ صاف ہوں۔ اور دودھ والی کو سفید اچھے اور صاف کپڑے پہن کر آنے کی ہدایت کی جائے۔ سپاہیوں کو چاہئے کہ پردہ دار بیگمات کے علاوہ کمتر عورتوں ان کے بچوں اور فقیرنیوں کو اندر نہ داخل ہونے دیں۔ اخبارات و اشتہارات کے ذریعہ ایسی ہدایات شائع کرا دی جائیں۔ بلکہ اسی مضمون کا ایک بورڈ باغ کے دروازے پر بھی آویزاں کر دیا جائے۔

اس کے علاوہ وہاں کچھ زاید بنچوں کا بھی انتظام ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ بیٹھنے کی بہت ہی دقت ہے۔ اور سائبان جو ڈالا جاتا ہے بارش کے لئے وہ بھی کافی بڑا ہو۔

میری ناقص رائے میں یہ انتظام اگر ایک باقاعدہ زنانہ کمیٹی کے سپرد کر دیا جائے۔ اس کمیٹی کو میونسپلٹی سے امداد و مشورہ بھی ملتا رہے۔ تو امید ہے کہ تمام اور اسی قسم کی دیگر شکایات رفع ہو جائیں گی۔

بیگم نور الٰہی خان

پردہ باغ

اپنے وطن میں رہتے ہوئے اکثر دہلی کے پردہ باغ کا تذکرہ سُنا تھا اور مجھے وہاں جانے کا اشتیاق بھی بہت تھا۔ عرصہ ہوا موسم سرما میں ایک بار دہلی آئی تھی تو پردہ باغ گئی بھی تھی۔ لیکن اُس وقت شاید سردی کی وجہ سے وہاں زیادہ مستورات کا ہجوم نہیں تھا۔ اس مرتبہ چونکہ میں یہاں چند ماہ سے مقیم ہوں۔ کئی بار پردہ باغ جانے کا اتفاق ہوا۔

پردہ باغ کو دیکھ کر مجھے وہاں کی بے ترتیبی پر بہت کچھ افسوس ہوا۔ شاید دہلی میونسپلٹی کی طرف سے کوئی بیگم صاحبہ اس کی انچارج ہونگی۔ لیکن مجھے علم نہیں کہ وہ کون ہیں ورنہ میں خود اُن سے ملکر اس کی بابت کچھ عرض کرتی۔ افسوس کہ یہاں دہلی میں اس قدر معزز و تعلیم یافتہ بیگمات کے ہوتے ہوئے بھی پردہ باغ جو صرف ایک ہی ایسی جگہ ہے جہانکہ دہلی کی معزز بیگمات اور متوسط طبقہ کی مستورات یکجا جمع ہو کر لُطف ملاقات حاصل کریں۔ ایسی بے ترتیب و کس مپرسی کی حالت میں نظر آتا ہے۔

سب سے پہلے تو یہ تکلیف غور کرنے کے قابل ہے کہ آجکل وہاں کوئی ایسا سائبان نہیں جو بارش میں بچوں اور مستورات کو بھیگنے سے بچا سکے۔ شاید پہلے ایک چھوٹا سا سائبان تھا لیکن اب وہ بھی ختم ہو چکا ہے۔

دوسرے یہ کہ اندر داخل ہوتے ہی سبزہ زاروں کے قریب گندگاہ ہے وہاں چند دایوں نے اپنی دوکانیں سجا رکھی ہیں جس کی وجہ سے خاص اُس جگہ جہاں سے گذر کر پردہ باغ میں اندر جاتے ہیں اس کثرت سے مستورات اس جگہ کھڑی اور بیٹھی ہوتی ہیں اور اتنا شور ہوتا ہے کہ ان کے بعد یا دیر میں آنے والی بیگمات کے لئے اور خصوصاً بچوں کے لئے سخت دِقت کا سامنا ہوتا ہے۔ اس موقعہ کے پاس ہی پکوان اور دیگر اشیاء کی دوکانیں ہوتی ہیں۔ وہاں بھی خاصا ہجوم ہوتا ہے۔

تیسرے نمبر پر برف اور سوڈے کی دوکان ہے اس دوکان پر خراب میلی پُرانی بالٹیوں میں پانی ہوتا ہے اور بڑے بھلے ہاتھوں سے میلے گلاسوں میں دُھلی بے دُھلی برف ڈال کر شربت و سوڈا لیمن وغیرہ وہ عورت ہر خریدار کو دیتی رہتی ہے۔ اگر ہم کسی مردانہ پارک کی سوڈے لیمن کی دوکان کو دیکھیں تو صفائی کے لحاظ سے پردہ باغ والی دوکان میں زمین آسمان کا فرق نظر آئے گا۔

چوتھے ہفتہ بھر کی کلفت مٹانے کو ہفتہ بھر میں صرف ایک روز چند گھنٹوں کیلئے بیبیاں آتی ہیں اُن ہی میں گھسی ہوئی بہت سی فقیرنیاں اندر آجاتی ہیں اور بہت سی بے پردہ گندی عورتیں اور بچے بھی گھس آتے ہیں جن سے اندر زیادہ کشمکش ہو جاتی ہے۔ فقیرنیاں تو ایک ایک کے پیچھے اس بُری طرح اور ڈھٹائی سے بھیک مانگتی ہیں کہ ہر آنے والی کی چند منٹ کی عارضی مسرت بالکل برباد ہو جاتی ہے۔

(باقی صفحہ ۴۰۷ پر)

بیوہ کی دُنیا

جہاں گہرائیوں میں دل کی پوشیدہ ہو آزادی جہاں جذبات کی دُنیا کی ہو خونخوار بربادی
جہاں شادی میں غم ہو اور غم میں ہو جہاں شادی جہاں پر آہ کرنے کو بھی ہو مجبور فریادی
وہی بیوہ کی دُنیا ہے وہی بیوہ کی دُنیا ہے

جہاں پر درد کا سیلاب ہو غم کی ہو طغیانی جہاں وحشت ہو بے پایاں جہاں نفرت ہو طولانی
جہاں پر حُسن ہو شکوہ طرازِ دردِ پنہانی جہاں پر آہِ سوزاں پھونک ڈالے عالمِ فانی
وہی بیوہ کی دُنیا ہے وہی بیوہ کی دُنیا ہے

جہاں پر سازِ حسرت خامشی سے گنگناتا ہو جہاں پر نغمۂ غم کل فضا میں گونج جاتا ہو
صدائے دل سے جلّادِ فلک بھی تھرتھراتا ہو جہاں پر خود اجل کا پاؤں آ کر ڈگمگاتا ہو
وہی بیوہ کی دُنیا ہے وہی بیوہ کی دُنیا ہے

جہاں پر ہر تمنا میں نہاں اک سوزِ حسرت ہو جہاں پر زندگی کا کاٹنا گویا مصیبت ہو
زمانہ جس کو ٹھکرا دے زمیں کو جس سے نفرت ہو فلک غرّائے جس پر کل فضا کو جس سے وحشت ہو
وہی بیوہ کی دُنیا ہے وہی بیوہ کی دُنیا ہے

جہاں پر زندگی سے زندگی بیزار رہتی ہو جہاں پر ہر بلا سر پر کھڑی تیار رہتی ہو
جہاں خونِ تمنا سے زمیں گلزار رہتی ہو شرابِ اشک پی کر کل فضا سرشار رہتی ہو
وہی بیوہ کی دُنیا ہے وہی بیوہ کی دُنیا ہے

جہاں پر چھاؤں میں تارو ں کی حسرت سی برستی ہو جہاں پر ساونی راتوں سے وحشت سی برستی ہو
جہاں پھولوں کے دل کی آگ شبنم سے بھڑکتی ہو جہاں پر نرم باتوں سے بھی دل پر چوٹ لگتی ہو
وہی بیوہ کی دُنیا ہے وہی بیوہ کی دُنیا ہے

ویدپرکاش شاد بی اے

خانہ داری

جس میں سنگھار و آرائش بھی شامل ہے

سونے کا طریقہ

عورتوں کو عموماً بے خوابی کی شکایت ہوا کرتی ہے۔ نیند نہیں آتی ہے۔ کسی وجہ سے آنکھ کھل جاتی ہے تو پھر نہیں لگتی یا لگتی ہے تو دو تین گھنٹے بعد۔ صبح آنکھ کھلتی ہے تو جی نڈھال ہوتا ہے۔ ایسے لوگ کتوں کے بھونکنے چوکیداروں کے گلا پھاڑنے اور بلیوں کے لڑنے کی آوازوں کو ذمہ دار ٹھہرایا کرتے ہیں اور ایسی آوازوں کے وقت اُن کو ہزاروں کوسنے دے جاتے ہیں۔ بہتر طریقہ یہ ہے کہ ان آوازوں کا متعلق دھیان نہ کیا جائے۔ سونے سے دو گھنٹے پہلے کوئی بھاری قسم کی غذا نہ کھائی جائے۔

سونے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے دس منٹ تک بائیں کروٹ پر لیٹیں۔ پھر اتنی ہی دیر کے لئے چت ہو جائیں اور ٹانگ پر ٹانگ رکھ لیں اور پھر داہنی کروٹ کے بل لیٹ کے سو جائیں۔ اسی کروٹ سونا اچھا ہے۔ دل وغیرہ کی دھڑکن اس کروٹ پر محسوس نہیں ہوتی اور اندرونی اعضا کا توازن قائم رہتا ہے۔ تنفس پُرسکون اور باقاعدہ ہونا چاہیئے۔ سوتے ہوئے آدمی کو دیکھنے سے آپ کو معلوم ہوگا کہ اندر سانس لینے کے مقابلہ میں باہر سانس نکلنا زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔ اس طریقہ کے تنفس سے نیند جلد آجاتی ہے۔ اس قسم کے سانس کو دیکھ کے اوروں کو بھی نیند آنے لگتی ہے۔

بعضوں کو سونے سے پہلے گرم پانی کا غسل فائدہ دیتا ہے مگر بعضوں کو نقصان دیتا ہے اس لئے مناسب ہے کہ ہر شخص اپنے مزاج کے مطابق کام کرے۔ بعضوں کو پیٹ کے بل لیٹنے سے نیند آجاتی ہے مگر [illegible] اور گرمی ہونی چاہیئے اور نشست گھٹنے سے زیادہ نہ بڑھ جائے۔ اس طرح دماغ سے دنیاوی افکار نکل جاتے ہیں اور نیند آنے پر لیٹتے وقت ہتھیلیوں کو ڈھیلا چھوڑ دیا جائے۔ پتلی کر کے ناک کی جڑ پر نظر رکھی جائے اور پھر آنکھیں بند کر لی جائیں۔

معدہ اور نیند کا بڑا گہرا تعلق ہے۔ بدہضمی کی حالت میں نیند میں فرق پڑ جاتا ہے۔ اکثروں کو مستقل بدہضمی سے بے خوابی کا مرض ہو جاتا ہے۔ اس لئے معدہ صاف رکھنا چاہیئے۔

خوشبو لگانے کا طریقہ

عورتوں کو چیزوں کے خریدنے کا خاص طریقہ آتا ہے۔ بڑی مین میخ نکالتی ہیں۔ دکانداروں کی جان کھا جاتی ہیں۔ پوشاک اور سجاوٹ کی چیزوں کے لینے میں مرد عورت کے سامنے اناڑی ثابت ہوتا ہے۔ یہ حالات عموماً ہر گھر میں پیش آتے ہیں مگر یہ باریکی خوشبوؤں میں خدا جانے کہاں غائب ہو جاتی ہے۔ عام طور پر خوشبو کے لگانے میں بڑا بھدا پن دکھایا جاتا ہے اسکی وجہ یہی ہے کہ ان کا انتخاب نہیں آتا۔ خوشبوؤں کے انتخاب میں عورتوں کو بہت احتیاط اور باریک بینی دکھانی چاہیئے۔ خوشبو کی بڑی شیشی پر نہیں مرنا چاہیئے۔ عمدہ خوشبوئیں عموماً چھوٹی شیشیوں میں بکتی ہیں بشرطیکہ ان کا بنانے والا معتبر کارخانہ ہو۔ کم قیمت کی بڑی شیشی کو نظرانداز کر دینا چاہیئے اگر اس کا کارخانہ غیر معروف ہو۔ ایسی سستی خوشبو کے لگانے سے آپ کے پاس بیٹھنے والیاں خود آپ کی بدمذاقی کا اندازہ کریں گی۔ ایسی شیشی لینے کی کوشش کریں جسکی ڈاٹ میں شیشے کی ایک ڈنڈی لگی ہو جس سے خوشبو کپڑوں پر لگائی جا سکے۔ عام شیشیوں سے خوشبو زیادہ مقدار میں اور بے قاعدہ چھڑکی جاتی ہے۔ دستی فوارہ اپنی دلپسند خوشبو کا پانی Toilet Water سے بھر کے غسل خانہ میں رکھ دیں تاکہ غسل کے بعد

استعمال کریں۔ ٹوائلٹ واٹر سستا بھی ہے اور اس کے لگانے سے طبیعت میں شگفتگی پیدا ہوتی ہے۔ چونکہ یہ پتلا ہوتا ہے اس لئے یہ دن و رات کیلئے ہی کارآمد ہے۔ آپ کا غسل کا ٹیلکم Bath Telcum آپ کی خوشبو کی ٹکر کا ہونا چاہئے۔ بالفاظ دیگر اس کے مقابلہ میں زیادہ نہ ہو۔ ان میں باہم تصادم نہ ہونا چاہئے۔ یہ بات موسم گرما میں خاص طور سے ملحوظ رکھی جائے۔

بری لی ن ٹین Brilliantine لگانے کا درست طریقہ یہ ہے کہ اس کے چند قطرے بالوں پر چڑھانے والے برش پر چھڑک کر اپنے سر پر اسے مل لیں۔ اس سے آپ کے سارے بالوں میں اس کا اثر آجائیگا اور آہستگی سی نہ ان پر چربی ہو جیسی کہ جو ہر سے ان میں چمک پیدا ہو جاتی۔ خشک اور گرم موسم میں لونڈی کولون Eau de Cologne جسم پر مل لیں۔ اب یوڈی کولون مختلف خوشبوؤں کا دستیاب ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد ٹیلکم پوڈر Talcum Powder چھڑک لیں۔ اس کا خاص خیال رکھیں کہ آپ کا پوڈر اور صابن آپ کے ٹوائلٹ واٹر سے نہ ٹکرائے۔

استری کرنے سے قبل ٹوائلٹ واٹر کے چند قطرے کپڑے پر چھڑک لیں۔ خوشبو میلے ہونے تک قائم رہے گی کیونکہ استری کی گرمی خوشبو کو کپڑے میں جذب کر دے گی۔ باہر جانے سے پہلے پاؤں میں یوڈی کولون لگا لیں اور پھر خوب ٹیلکم پوڈر چھڑک دیں۔ تمام دن پاؤں کو سکون اور ٹھنڈک معلوم ہوتی رہے گی۔

وچ ہیزل کے فائدے

وچ ہیزل Witch hazel اپنے طبی فوائد کے لئے عرصے سے مشہور ہے۔ یہ امریکہ میں کثرت سے بویا جاتا ہے اور وہاں کے دیسی اس کے صحت بخش خواص سے بخوبی واقف تھے۔ وہ خون نکلنے اور سوزش ہونے کے لئے اس کو باطنی اور بیرونی طور سے استعمال کرتے تھے۔ اس عرق نکالنے کے ان کے طریقے گو دقیانوسی تھے مگر ان ہی سے اس کے فوائد کا دوسروں کو حال معلوم ہوا۔ وہ کسی کھلے برتن میں اس کی ٹہنیاں ڈال کے آگ پر رکھ دیتے تھے۔

جس طرح تلسی کا پودا ہندوستان میں متبرک سمجھا جاتا ہے اور اس کے متعلق طرح طرح کی عجیب عجیب کہانیاں مشہور ہیں اسی طرح امریکہ کے دیسیوں میں وچ ہیزل کے متعلق عجیب عجیب قصے مشہور ہوتے تھے مثلاً ایک حکیم نے اس کی چند ٹہنیاں ایک برتن میں ڈالیں تو ایک نازنین اس کی بھاپ میں نمودار ہوئی۔ وہ نازنین اس کی صحت بخش خوبیوں کا مجموعہ تھی۔ اس اس کے ناس سننے میں آئے۔

معمولی سنگھار اور روزمرہ استعمال کے لئے معمولی وچ ہیزل کا کوئی خالص لوشن چاہے پانی یا گلیسرین میں ملا کر لگایا جائے۔ باقاعدہ طور سے وچ ہیزل لگانے سے خدوخال میں رعنائی پیدا ہوتی ہے۔ بعض بڑے بڑے مسام بند ہو جاتے ہیں اور جلد کا کھردرا پن بھی دور ہو جاتا ہے۔ داڑھی وغیرہ مونڈنے کے بعد اس کو لگانے سے جلد کو سکون حاصل ہوتا ہے۔ اور وہ نرم ہو جاتی ہے اور اگر بورک ایسڈ Boric Acid کی ایک تہائی چمچہ وچ ہیزل میں گھول لی جائے تو یہ چکنی جلدوں کے لئے بے نظیر کسنے والی دوا Astringent ثابت ہوتی ہے۔ اگر آپ کے بال خشک ہوں یا چندیا چکنی رہتی ہو اور اس میں بفہ (خشکی) پھیل جائے تو ہر روز وچ ہیزل چندیا میں ڈالا کریں۔

آنکھوں پر بوجھ پڑ جانے یا کسی گرد وغیرہ کے سفر یا دن بھر کھلی ہوا میں رہنے سے آنکھیں تھکیں تو ایک حصہ وچ ہیزل

میں دو حصے گرم پانی ملا کے آنکھیں دھوئیں بڑا آرام آئیگا۔ پاؤں چلنے پھرنے سے دکھنے لگیں تو وچ ہیزل لگائیں تو تکلیف جاتی رہے گی اور ورم جاتا رہے گا۔ اگر دھوپ میں جلد جل جائے تو چہرہ بدہیئت ہو جاتا ہے۔ یہ بغل گند کو بھی دور کرتا ہے۔ آدھا اونس وچ ہیزل میں ایک چمچہ بورک ایسڈ اور نصف چمچہ گلیسرین ملا کے تھپک کے لگائیں اور خشک ہو جانے دیں۔ پوڈر چھڑکنے کے لئے یہ بہت عمدہ ثابت ہوگی۔ ڈیڑھ پاؤ وچ ہیزل میں ایک چمچہ بورک ایسڈ ملانے سے جلد کی شکنیں دور کرنیکا بڑا عمدہ لوشن (محلول) تیار ہو جاتا ہے۔ کوئی گھر وچ ہیزل کی شیشی سے خالی نہ رہنا چاہئیے کیونکہ اس کے فائدے بے شمار ہیں۔ جلد کٹ جائے یا پتی اچھل آئے یا گرمی دانے نمودار ہو جائیں تو پہلے ان مقامات کو دھوئیں۔ پھر ملائم ململ کے ٹکڑے کو اس کے محلول میں بھگو کے مقام پر لگائیں۔ جسم کا کوئی حصہ اکڑ جائے یا موچ آ جائے تو اسے لگائیں اور مالش نیچے سے اوپر کے رخ کریں۔ جلنے سے چھالے پڑ جائیں تو کپڑا اس میں گیلا کر کے جلے ہوئے مقام پر لگائیں۔ زیادہ جلنے کی صورت میں ڈاکٹر ہی سے رجوع کریں۔ گٹھیا اور ریاح وغیرہ کے دوروں میں روئی میں یہ لگا کے مقام پر کسی پٹی سے باندھ دیں۔ زکام بخار اور گلے کی جلن میں اس کے پانی سے غرغرہ کریں اور ناک میں چڑھائیں۔ محلول گرم پانی دو حصہ میں ایک حصہ وچ ہیزل ملائیں۔ ہر دوسرے تیسرے گھنٹے غرغرہ کریں۔ ناک میں چڑھانے کے لئے دو چمچے وچ ہیزل میں برابر کا گرم پانی ملائیں۔ مچھروں وغیرہ کے ڈنک اور کھٹملوں پر دھو کے کپڑے پر لگا کے باندھ دیں اور پٹی جلد جلد تبدیل کرتے رہیں۔

خانگی ٹوٹکے

مخمل کے کپڑے پر بارش کی بوندوں کے دھبے پڑ جائیں تو گرم پانی کے ایک بڑے چمچے میں یوکلپٹس آئل Eucalyptus oil کے پانچ چھ قطرے ملائیں۔ خوب ہلائیں۔ فلالین کے کپڑے کی ایک گدی پر ذرا سا لگائیں اور مخمل پر ہلکے ہلکے ملیں۔ روئیں کے رخ کی جانب ملتے ہوئے ہاتھ چلائیں۔ کسی صاف کپڑے سے مل کے اس مقام کو خشک کر دیں۔ پھر مخمل کے روئیں ہی سے اسے برش کر دیں۔

گھن وغیرہ لگ جائے تو کافور کی تین ٹکیاں ۱½ چھٹانک پیرافین Paraffin میں ڈال کے اونٹ کے بالوں کے برش سے کیڑوں کی جگہ پر لگائیں۔ کیڑے جلد ہی دور ہو جائیں گے۔

سنگار کے شیشوں یا منہ دیکھنے کے آئینوں پر خشک صابن مل کے خشک کپڑے سے چلا دینے سے بعد میں وہ ماند نہیں ہونے پاتے یعنی ان پر دھند نہیں آنے پاتا۔ السی کا تیل تارپین اور سرکہ مساوی مقدار میں ایک بوتل میں بھر لیں اور ہلا کے ملا لیں۔ اسباب کیلئے بہت عمدہ پالش بن جاتا ہے۔ لگانے سے پہلے ہر دفعہ خوب ہلا لیں۔

دیواروں کا کاغذ میلا ہو جائے تو چیتھڑا نمک اور پانی کے گاڑھے محلول میں بھگو کے خوب نچوڑ لیا جائے اور کاغذ پر پھیر دیا جائے صاف ہو جائے گا۔ جس پانی میں اونی کپڑے دھوئے جائیں اس میں گلیسرین کا ایک چمچہ ڈال دیا جائے تو اس سے پانی نرم ہو جائے گا کپڑا ملائم اور پھولا پھولا رہنے کے علاوہ سکڑ نہ سکے گا۔

گہرے رنگ کے کپڑے پر چہرے کے پوڈر کا داغ پڑ جائے تو امونیہ کی ایک چمچہ میں اتنا نمک ملائیں جس سے نرم مرکب تیار ہو جائے۔ کسی نرم کپڑے سے داغ پر ملیں۔ دور ہو جائیگا۔

نکل اور مراد آبادی چمکدار برتنوں کو میتھی لیٹڈ سپرٹ نرم کپڑے سے لگا کے ملنے سے چمکدار رکھا جا سکتا ہے۔

محمد ظفر

سیربین

پہلی بائیسکل سکاٹ لینڈ کے ایک لوہار نے بائیسکل ایجاد کی تھی۔ اس کی صد سالہ سالگرہ ۲۹ ستمبر ۱۹۳۹ء میں منائی گئی۔ اس لوہار کی عمر ۲۵ سال تھی۔ اس نے جب اس پر پہلے پہل گلاسگو کا سفر کیا تو وہاں والوں میں بڑی کھلبلی مچی۔ ایک شخص نے بیان کیا کہ میں نے ایک آدمی ہوا میں پہیوں پر اڑتے دیکھا۔ اگر وہ آدمی نہ تھا تو وہ یقیناً جن یعنی شیطان تھا۔

اندازہ کیا گیا ہے کہ اس وقت دنیا میں چھ کروڑ دس لاکھ سے زیادہ بائیسکلیں ہیں۔ ۱۹۳۸ء میں برطانیہ نے ۵۷۶۴۵۸ بائیسکلیں باہر بھیجیں جن میں سے ۲۰۰۰۰ ملک ہند نے خریدیں جن کی قیمت ۲۰۶۰۸۰۰ پونڈ ملی۔ اس سے زیادہ پہلے اس قدر فروخت نہ ہوئی تھیں۔

فرعون کی لعنت طوطنخ آمن فرعون مصر کی لاش کھودنے والوں میں سے یکے بعد دیگرے انیس آدمی مختلف طریقوں سے مرتے چلے گئے۔ انہیں سے نبرد آزما تھے اور چند فرانسیسی۔ یہ موتیں دردناک حالات میں واقع ہوئیں۔ اس لئے یورپ میں وہم پھیل گیا کہ یہ اس لاش کی بد دعا کا اثر ہے اور یہ مصری جادو کا اثر ہے۔ سائنس نے اس زمانہ میں ترقی بہت کرلی ہے۔ مگر یورپ اب بھی توہمات کا غلام ہے چنانچہ مذکورہ بالا اموات کا سبب فرعون کی لاش کی لعنت سمجھا گیا۔ برٹش میوزیم عجائب خانہ میں ایک منحوس ممی (مصری لاش جسے خوشبوؤں اور مسالحوں سے محفوظ رکھا گیا ہو) رکھی ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ جس نے بھی اس کے معائنہ میں دخل دیا اس پر مصائب نازل ہوئے اور جب ٹائٹانک جہاز ڈوبا اس کے متعلق بھی مشہور ہے کہ اس میں ایک ایسی ہی لاش کا صندوق تھا۔ کلیوپیٹرا کی سوئی جب انگلستان لائی گئی اس کے متعلق بھی مشہور ہے کہ اس کے لانے والوں پر مصیبتیں آئیں اور ممیوں پر جو گفتگو رہی ہے ان سے ان حادثوں کی تصدیق ہوتی ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ عجائب خانہ کے ممیوں والے مقام میں رات نہیں رہتے۔ گھنٹہ دیکھنے والے کہ ان لاشوں کے سکون میں خلل ڈال کے انہیں ناراض کرنے کا باعث نہ ہوں۔

ان عقائد کے پیدا ہونے کا سبب انگریزوں کے نزدیک یہ ہے کہ قدیم تاریخ مصر کے مختلف زمانوں میں یہ عقیدہ رائج رہا ہے کہ مردوں کی حفاظت کی جائے اور ان کیلئے مختلف تدبیریں کی جائیں اسی لئے بادشاہ اور امراء اپنے لئے عجیب عجیب مقبرے بنواتے تھے۔ مردوں سے مختلف مذہبی رسوم سے کام لیا جاتا تھا۔ مردہ پیدا ہونے والے بچہ کا گوشت کوٹ کے باریک قیمہ بنایا جاتا تھا اور کاہنوں کے بدنوں پر ملا جاتا تھا تاکہ بعض رسوم کے دوران میں ان کی روحیں جسم سے الگ ہو کے بعد میں پھر آسکیں۔ بعض کا ان دنوں عقیدہ تھا کہ مردوں کی روحیں سالہا سال کے بعد پھر ان لاشوں میں واپس آجاتی ہیں اسی لئے لاشوں کو محفوظ رکھنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ تاکہ روح ممی میں آجائے اور بھٹکتی نہ پھرے۔ بعض کا خیال تھا کہ جب تک لاش سلامت ہے روح پھر دنیا میں واپس نہ آسکے گی۔ وہ چاہتے تھے کہ روح پھر واپس نہ آئے۔ یہی وجہ تھی کہ بعض لوگ اپنی زندگی میں ہی اپنے بڑے بڑے مقبرے بنوا لیتے تھے ان میں وہ قیمتی چیزیں اور مورتیں بھر لیتے تھے یہ کھلونے نیلی مٹی سے بنائے جاتے تھے تاکہ دوسری دنیا میں یہ سب چیزیں اس کے کام آسکیں اور جن لوگوں کی وہ مورتیاں ہوتی تھیں وہ وہاں رہنے والے کی

خدمتگذاری کریں۔ کاہنوں کی لاشوں کے ساتھ بڑا اہتمام کیا جاتا تھا۔ چونکہ فرعون سب سے بڑا کاہن یا بمنزلہ خدا تھا اس لئے اس کے متعلق غیر معمولی تدابیر اختیار کیجاتی تھیں۔ یہ کاہن اُس زمانہ میں سب سے بڑے جادوگر تھے۔ وہ جب جانتے اپنا جسم چھوڑ کر چلے جاتے اور اس قسم کی ہپناٹزم کام میں لاتے جس کا آجکل کے اس علم والوں کو خواب وخیال بھی نہیں آسکتا جب کوئی بڑا آدمی مرتا یہ کاہن غلاموں کو پکڑ کے اُن پر جانگداز سختیاں کرتے جب ان کو سہتے سہتے غلام جاں بلب ہوتا اور اس قدر دہشت زدہ ہوتا کہ وہ بالکل اپنے ظالم کو اپنا خدا سمجھتا۔ اُس پر ہپناٹزم سے کچھ اثر ڈالا جاتا اور اسی اثر میں اس کو ختم کر دیا جاتا اور کسی چیز یا جگہ سے اُس کی روح کو بندھ دیا جاتا مرنے والے کے دماغ میں بس وہی ایک خیال ہوتا جس کا اثر اُس پر ڈالا گیا۔ اسی طرح بیسیوں روحیں طوطنخ یا مین کے مقبرہ کی پابند کر دی گئی ہونگی جن پر ایک اثر قائم ہوگا کہ مار ڈالو۔ مار ڈالو۔ مار ڈالو۔

جب ایسی کوئی چیز جس پر ایسی روح پاسبان ہو چھیڑی جاتی ہے اُس پر وہ دوزخ کی فضا نازل کر دیتی ہے دہشت مردہ تلی غم واندوہ جو خودکشی پر جا کے ختم ہو اعصاب کی بے بسی مسلط کر دی جاتی ہے جن کا عموماً یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ آسیب زدہ گھل گھل کے مرجاتا ہے موٹر چلا رہا ہے کہ ہاتھ بے بس ہو جاتے ہیں اور وہ حادثہ میں مرجاتا ہے یا اُس کے ہاتھ میں بندوق چل جاتی ہے اور وہ خود اس کا نشانہ بن جاتا ہے۔ بعض اوقات ایسے غلام کی روح اپنا موعودہ کام کر کے آزاد ہو جاتی ہے اور بعض حالات میں قیامت تک وہ اپنا مقررہ کام کرتی رہے گی تاوقتیکہ کوئی عامل اُسے آزاد کرے۔

سائنس ترقی کرتی جاتی ہے جادو ناپید ہوتا جاتا ہے کیونکہ سائنس کے عامل بکثرت ہوتے ہیں اور جادوگر بہت کم ہوتے تھے کیونکہ ایسے آدمی خال خال تھے جو بڑی بڑی ریاضتیں وغیرہ برداشت کر کے اس علم کو حاصل کرتے تھے۔ سائنس کی ترقی کا یہ نتیجہ لابد ہے کہ جادو دُنیا سے فنا ہو جائے۔

مکھیوں کی افزائش

اپریل میں جس مکھی کو نہ مارا جائے۔ استمبر تک اُس کی تعداد ۵۵۹۸۷۲۰۰۰۰۰۰۰ تک پہنچ جاتی ہے۔ جو لوگ مکھیوں کی نسل بڑھنے کے طریقوں سے واقف ہیں اس تعداد کو بالکل صحیح تسلیم کرلیں گے۔ ایک مادہ مکھی ایک وقت میں ۱۲۰ سے ۱۵۰ انڈے تک دیتی ہے اور اپنی مختصر زندگی میں پانچ چھ جھول اتنے انڈوں کی دیتی ہے اس طرح ایک مادہ مکھی چھ سو سے نو سو تک انڈے دیتی ہے۔ اگر ہندوستان جیسا گرم موسم ہو تو اس کے آٹھ سے ۲۴ گھنٹے بعد اور دیگر حالات میں کم وبیش تین دن بعد انڈوں سے ننھے ننھے سفید بھنگے نکلتے ہیں جو خوب کھاتے خوب بڑھتے اور ۱/۲ ۲ سے لیکے چار یا پانچ دن میں اپنے اصلی قد نصف انچ تک پہنچ جاتے ہیں۔ چند روز بعد یہ کیڑے پوری مکھی کی صورت اختیار کرلیتے ہیں۔ مکھی ہونیکے بعد وہ نہیں بڑھتی۔ اس عمل کے تین ہفتوں بعد سے یہ نئی مکھی اب خود انڈے دینے لگتی ہے۔ تین ہفتوں کے بعد مکھیوں کی ایک نئی فوج پیدا ہو جائے گی جس میں سے ہر ایک اسی رفتار سے انڈے دیتی رہے گی۔

خدا نے ہر چیز کی رکاوٹ کا سامان دُنیا میں کر رکھا ہے۔ مکھیاں اس قدر زبردست افزائش کی صورت میں دنیا پر چھا جائیں مگر ان کے بھی بہت سے دُشمن ہیں جو انہیں مار مار کے کھا جاتے ہیں۔

ہندوستان کی دولت

ہندوستان غریب ملک ہے جہاں بیشتر آبادی کو ایک وقت پیٹ بھر کے روٹی نہیں ملتی مگر اسی ملک میں دولت کے دریا بھی بہ رہے ہیں۔ انگریزوں کو یہاں کے راجاؤں اور نوابوں کی دولت مندی کا شاہجہاں کے دربار میں علم ہوا۔ ہندوستان میں سب سے زیادہ مالدار حضور نظام ہیں جنکی دولت کے سامنے راتھس چائلڈ راک فیلر فورڈ کے دولتمند بونے لوگ ہیں۔ ان کی ذاتی دولت پانچ کروڑ پونڈ سے زیادہ سمجھی جاتی ہے جو سونے کی

سواخوں اور لاکھوں روپوں کے جواہرات پر مشتمل ہے۔ ان میں دنیا کے دو سب سے بڑے ہیرے ہیں۔ ایک نظام ہیرا ہے جس کا
وزن ۲۷۷ قیراط ہے اور دوسرا وکٹوریہ ہیرا ہے جس کا وزن ۱۷۷ قیراط ہے۔ موخرالذکر کے لئے انہوں نے چار لاکھ پونڈ ادا کئے
تھے۔ ان کی رعایا ۱۴ کروڑ ہے اور ذاتی سالانہ آمدنی ایک کروڑ پونڈ یعنی دو لاکھ پونڈ فی ہفتہ سے زیادہ ہے۔ گذشتہ جنگ عظیم
میں انہوں نے دو کروڑ پونڈ جنگی فنڈ میں دیا۔ اس دفعہ اس سے زیادہ رقوم دے چکے ہیں۔ ان کے متعلق عجیب عجیب
قصے مشہور ہیں کہ انہیں عدنی سواخوں کے گننے اور اپنے حیرت انگیز جواہرات پر انگلیاں پھیر پھیر کے خوش ہونیکا بڑا شوق
ہے۔ ان کے دفتروں میں [illegible] کے بہترین جواہرات شامل ہیں۔ کہتے ہیں کہ وہ تہ خانے چھ میل تک چلے گئے ہیں۔ انکے
علاوہ ایک کشتی [illegible] میں رکھے ہیں جن کی حفاظت کا انتظام کرتے ہیں۔ دکن کا ہر بادشاہ بالغ ہونے پر اس جگہ آنے اور ہاتھوں
میں جواہرات لینے کا حقدار ہے مگر تخت نشین ہونے سے پہلے وہ سب اس جگہ واپس کردیے جاتے ہیں۔ حضور نظام بڑے فیاض
ہیں اور مہمانوں کی نہایت زبردست تواضع کی جاتی ہے۔

مہاراجہ پٹیالہ کے پاس ایک موتیوں کی مالا ہے جس کی قیمت ۱۶ لاکھ پونڈ ہے۔ ایک پیٹی بھی ہے جس میں دنیا کے
بڑے سے بڑے جواہرات جڑے ہوئے ہیں۔ مہاراجہ جموں و کشمیر کی ذاتی سالانہ آمدنی ۱۶ لاکھ پونڈ ہے۔ اور جواہرات کے
علاوہ متعدد [illegible] ہیں۔ مہاراجہ پٹیالہ خاص خاص موقعوں پر اپنے مشہور سرخ جواہرات اپنے لباس پر لگاتے ہیں۔ انہیں سے
ہر ایک کبوتر کے انڈے کے برابر ہے۔ اور قیمت کا اندازہ ۲۰ لاکھ پونڈ کیا جاتا ہے۔ مہاراجہ [illegible] کی پگڑی میں سونا اور جواہرات
ٹنکے ہوتے ہیں۔ مہاراجہ [illegible] کے جواہرات کی قیمت ۲۰ لاکھ پونڈ ہے۔ ان میں ایک سلطان ہیرا ہے جو سب سے زیادہ قیمتی
ہے۔ مہاراجہ [illegible] کے خزانہ میں دیگر قیمتی اشیاء کے علاوہ ایک [illegible] ہے جو سونے چاندی اور جواہرات کا بنا ہوا ہے اور
اس کی قیمت ۲۰ لاکھ پونڈ سے زیادہ ہے۔ مہاراجہ بڑودہ کی پگڑی میں اکبر شاہ ہیرا لگا ہوا ہے جو مغل بادشاہ اکبر شاہ کی
ملکیت تھا۔ اس کا وزن ۱۰ قیراط ہے۔ ایک ہیرا ستارہ جنوب ہے جس کا وزن ۱۲۵ قیراط ہے۔ جس کے لئے ۸۰ ہزار
پونڈ ادا کئے گئے تھے۔ ان کے پاس شہزادی یوجینی کا ہیرا بھی ہے۔ جو روس کی ملکہ کیتھرائن کو پوٹم کن نے نذر کیا تھا
اور بعد میں وہ نپولین سوم کے قبضہ میں آیا تھا۔ مہاراجہ میسور کے پاس [illegible] ہیں جن کی سونے کی کانیں ۳۲ لاکھ پونڈ کا
سونا ہر سال پیش کرتی ہیں۔ مہاراجہ نیپال کو ہر سال ایک بیش قرار رقم بطور وظیفہ سرکار انگریزی سے ملتی ہے۔ ان کی
ذاتی آمدنی ۱۲ سے ۱۸ لاکھ پونڈ سالانہ ہے۔

امریکہ کے اعداد و شمار

ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا رقبہ دنیا کے رقبہ کا چھ فیصدی ہے اور اس کی آبادی دنیا
کی سات فیصدی ہے۔ یہاں دنیا کے [illegible] ۵۵ [illegible] ۴۸ فیصدی [illegible] ۵۳ فیصدی [illegible] ۵۶ فیصدی [illegible]
فیصدی شکر ۲۷ فیصدی [illegible] ۳۶ فیصدی کوئلہ ۴۲ فیصدی [illegible] ۴۷ فیصدی تانبا ۶۹ فیصدی پٹرول پیدا کرتا ہے۔ اس وقت
میں دنیا کا ۶۰ فیصدی ٹیلیفون تار ۸۰ فیصدی موٹریں ۳۳ فیصدی ریل استعمال کرتا ہے۔ ۷۰ فیصدی تیل ۶۰ فیصدی گیہوں
[illegible] ۵۰ فیصدی تانبا المونیم ۴۰ فیصدی سیسہ اور کوئلہ پیدا کرتا ہے۔ دنیا بھر کا آدھا سونا یہاں موجود ہے۔ اس میں
دنیا بھر کا ۲/۳ ساہوکارہ ہوتا ہے۔ اس کے خزانے کے [illegible] یورپ کے پچاس کروڑ آدمیوں کے [illegible] سے کہیں زیادہ ہے۔

بیہوشی کی نئی دوا

ڈاکٹر بروٹو Dr. Brotteaux نے دو دواؤں سکوپولا مائن Scopolomine. کلورلوز Chlorlose کو ملاکے ایک

سفوف سکوپو کلورا لوز Scopochloralose. تیار کیا ہے۔ کسی عمل جراحی سے پہلے ڈاکٹر مریض سے مسکرا کے کہتا ہے کہ ہم ایک سکون بخش پچکاری خون میں لگائیں گے لیکن آپ کو نیند نہ آئیگی جاگتے رہیں گے۔ اس کے لگتے ہی فکر ہوجاتا ہے۔ مریض خوش خوش نظر آتا ہے۔ قوتِ ارادی گم ہوجاتی ہے۔ جو کچھ ڈاکٹر کہے مریض اُسے بے عذر کرنے لگتا ہے۔ پھر غنودگی آنے لگتی ہے مگر آنکھیں کھلی رہتی ہیں اور مریض سوالوں کا جواب دیتا رہتا ہے۔ اس پُرلطف حالت میں مریض کو جراحی کے کمرے میں میز پر لٹا دیا جاتا ہے اور بہت نفیس جراحی کی رو سے سنگھائی جاتی ہے۔ جراحی کے بعد مریض کو اُس کے کمرے میں اپنے بستر پر پہنچا دیا جاتا ہے۔ وہ رفتہ رفتہ جاگتا ہے اور مسکرا کے پوچھتا ہے کہ جراحی کب ہوگی۔ اُس کا نہ جی متلاتا ہے نہ درد معلوم ہوتا ہے۔ نہ پیاس ہوتی ہے اور نہ پھیپھڑوں میں کسی قسم کی پیچیدگی پیدا ہونے پاتی ہے۔ چند روز کے بعد مریض اچھا ہوجاتا ہے۔ ۹۱ مردوں اور ۱۰۹ عورتوں پر یہ عمل کیا گیا۔ بیشمار زچگیوں میں اس سے کام لیا گیا۔ ہر طرح اطمینان بخش پایا گیا۔ مرنیوالوں کی تکلیف کم کرنے کے لئے اُن پر بھی اسے استعمال کیا گیا۔

پھلجھڑیاں

اسپانیہ کے محکمۂ احتساب نے نہایت ہولناک سزائیں ایجاد کی ہوئی تھیں۔ ایک آلہ نہایت خوفناک تھا۔ بظاہر ایک خوبصورت عورت تھی۔ اس بڑی گڑیا کو نہایت عمدہ کپڑے پہنائے ہوئے تھے۔ اسکی بانہیں بغل گیری کے لئے باہر کو پھیلی ہوئی تھیں۔ اس کے قدموں کے پاس ایک سرخ دائرہ کھینچا ہوا تھا۔ اس کے عذاب کا شکار اسی دائرہ میں سے گزرتا تو ایک کمانی دب کے اس گڑیا کے پُرزے چلنے لگتے۔ بانہیں اس غریب کو بغل میں لے لیتیں اور ہزاروں چاقو اس میں سے نکل کے بغل گیری میں اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتیں۔

سنگترے کا پودا اپنی زندگی میں دو لاکھ سنگترے دیتا ہے۔ سارے پودوں میں سنگترہ سب سے زیادہ پھل دیتا ہے۔

۳۳ سو ریشم کے کیڑے ایک پونڈ ریشم تیار کرتے ہیں۔

تمام انگلستان کے میووں کی پیداوار کا چھٹا حصہ اکیلا کینٹ مہیا کرتا ہے۔

ثابت کچا انڈا نگلنے سے گلے میں پھنسی ہوئی مچھلی کی ہڈی نیچے اُتر جاتی ہے۔

اگر سارے سمندر بھاپ بن کے اُڑ جائیں تو نمک اس قدر رہ جائے کہ اسکی موٹائی ۱۶۰ فٹ ہوگی۔

فروری کے مہینہ میں ہر سو برس میں صرف تین مرتبہ پانچ اتوار آتے ہیں۔ سنہ ۱۹۲۰ء تک فروری میں پانچ اتوار آچکے ہیں۔

برادہ ریت کے مقابلہ میں جلد آگ بجھا دیتا ہے۔ اس سے آکسیجن آگ تک پہنچنی جلد بند ہوجاتی ہے۔

ہر ہزار آدمیوں میں صرف ایک سو برس کی عمر کو پہنچتا ہے۔ ہر سو میں صرف چھ کو ۶۵ سال کی عمر ملتی ہے۔ اور ساٹھ سو میں ایک سے زیادہ اسی برس کی عمر تک پہنچنے نہیں پاتا۔ فولاد اور لوہے میں پہچان اس طرح ہوسکتی ہے کہ نائٹرک ایسڈ پتلا کر کے اسکی بوند ڈالیں۔ فولاد پر اس کا رنگ گہرا خاکستری ہوجائیگا اور لوہے پر سبز۔

اشرفی کو گنی اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کا سونا زیادہ تر افریقہ کے ملک گنی سے آیا کرتا تھا۔

کوکین ایک جھاڑ کی پتیوں کو چائے کی پتیوں کی طرح اکٹھی کر کے بنائی جاتی ہے۔ دنیا میں ۲۷۹۶ زبانیں ہیں قواعد دانوں نے کل تعداد ۲۷۹۶ بتائی ہے جن میں سے آدھی سے زیادہ ناپید ہوچکی ہیں۔ زیادہ بولی جانیوالی زبانیں نمبروار یہ ہیں۔ انگریزی۔ روسی۔ جرمن۔ ہسپانوی۔ فرانسیسی۔ پرتگالی۔ اطالوی۔ چینی۔ جاپانی۔ عربی۔ اردو۔ فارسی۔

محمد ظفر

بزمِ عصمت

بزمِ عصمت میں صرف وہی خطوط درج کئے جاتے ہیں جن میں خریداری نمبر کا حوالہ ہو (۲) خط بہت مختصر ہو (۳) وہی استفسار نہ ہو جس کے جواب عصمت میں پہلے شائع ہو چکے ہیں (۴) رسالہ کے انتظامی امور یا مضامین کے بارے میں کوئی بات نہ ہو (۵) علیحدہ کاغذ پر روشن سیاہی سے لکھا ہوا ہو۔ اڈیٹر

عصمتی بہنوں کو نہایت رنج و افسوس سے مطلع کرتی ہوں کہ میرے والد خان بہادر محمد سعید صاحب پنشنر ڈپٹی انسپکٹر ۲۷ ستمبر ۱۹۳۹ء بروز دوشنبہ ۶ بجے صبح کو ہم کو روتا تڑپتا چھوڑ کر عالم جاودانی کو سدھار گئے۔ عصمتی بہنیں دعائے مغفرت کریں نیز لوحِ مزار کے لئے کوئی بہن تاریخ اور چند موزوں اشعار بھی لکھ دیں۔

مسز سید محمد چشتی

بہن ج۔ ل صاحبہ ملتان کی خدمت میں عرض ہے کہ گذشتہ ماہ کے پرچہ میں آپ نے کیلوں کے لئے نسخہ طلب کیا ہے جو ارسال کرتی ہوں یہ نسخہ مجرب ہے۔

ایک پاؤ ارہر کی دال ایک سیر پانی میں ڈالدیں اور ہلدی ایک یا دو تولے سیاہ مرچ آٹھ عدد۔ اور ایک تولہ سنگ جراحت ان سب کو پیس کر پانی میں چھوڑ دیں جب پانی خوب گرم ہو جائے تو پانی نتھار لیا جائے اور دال ارہر کو دھوپ میں خشک کرلیں۔ دال کے خشک ہو جانے پر اسے چکی میں پیس لیں۔ روزانہ اس آٹے کو منہ دھونے سے قبل منہ پر ملا کریں۔

مسز رزاق جبل پور

ماہ ستمبر ۱۹۳۹ء کے عصمت میں سر کے بال بڑھانے اور مضبوط کرنے کے لئے بیگم مولانا شیخ احمد قطاری نے کسی مفید تیل کی ترکیب پوچھی ہے۔ میں ان کو ایک ایسے تیل کا پتہ دیتی ہوں جو میرا آزمودہ ہے اور سر کے بالوں کے کل امراض کا ایک ہی علاج ہے۔ یہ تیل براہمی بوٹی سے تیار کیا جاتا ہے۔ دکان کا پتہ یہ ہے۔ کشمیر ہاؤس مظفر نگر ایک بوتل دس یا بارہ آنے کی علاوہ محصول ملتی ہے۔

مسز الطاف حسین مظفر نگر

بہن نورجہاں بیگم بنارسی نے ہارمونیم سیکھنے کی کتاب کا پتہ دریافت کیا ہے۔ میں ایک مفید کتاب کا پتہ لکھتی ہوں جس کا نام "اسرار موسیقی" ہے۔ قیمت حصہ اول عمر۔ قیمت حصہ دوم ۱۲؍ قیمت حصہ سوم عمر۔ اشرف میوزیکل بک ڈپو۔ مشتاق اسٹریٹ میرٹھ۔

ایک طرف سے میرے بال گرنے لگے ہیں اور بہت تھوڑے رہ گئے ہیں۔ سر میں گرمی بہت رہتی ہے۔ بال برابر اتر رہے ہیں کوئی دوا یا تیل بتائیں کہ جس سے بال گرنا بند ہو جائیں۔

مسز احمد رؤف خانصاحب شروانی

اگست کے عصمت میں بھائی محمد ظفر صاحب نے سفید بال سیاہ کرنے کی بابت لکھا ہے کہ خالص ارنڈی کے تیل کی سر پر مالش کرنے سے سفیدی رک جاتی ہے دریافت طلب یہ ہے کہ اگر ارنڈی کے تیل کی سر پر مالش کرکے چند گھنٹے کے بعد اگر گرم پانی سے سر دھو لیا جائے تو کچھ نقصان تو نہیں ہے۔ نیز جوارش جالینوس کس خاص جگہ ملتی ہے۔ یا ہر عطار کی دکان پر کس قدر کتنک کھائی جائے۔ فولادی دوا کونسی استعمال کی جائے اور چھ ہفتہ دوا اور ارنڈی کے تیل کی مالش ساتھ ہو۔ چھ ہفتہ بعد سر پر مالش اور دوا کا استعمال کرکے ترک کر دیجئے۔ یا اور سلسلہ جاری رہے۔ اُمید کہ بھائی صاحب براہ مہربانی وضاحت سے سب لکھیں گے۔

ضرورتمند بہن۔ خریدار نمبر ۳۷۹۳

بیس ہزار روپے کا سونا مفت

آپ بھی مفت منگا لیں

گولڈن کیمیکل گولڈ کی شہرت دنیا میں ہو رہی ہے اور اس سونے کے زیورات لاکھوں روپے کے تیار ہو رہے ہیں اور تصدیق ہو چکی ہے کہ یہ سونا موجودہ زمانہ کی عجیب اور بہترین ایجاد ہے۔ آپ بھی اس عجیب ایجاد گولڈ کا تجربہ کریں تجربہ کے لئے دو تولہ سونا مفت ہر شخص کو دیا جا رہا ہے۔ اس سونے کی خوبی یہ ہے کہ کسوٹی پر کسنے کوٹنے پگھلانے میں بالکل سونے کے مطابق ہے اسی سونے کا بنا ہوا زیور رنگ میں چمک دمک میں بالکل اصل کے موافق ہے۔ اسی سونے کی بنی ہوئی چار عدد چوڑیاں اور ایک عدد انگوٹھی بھی بھیجی جاتی ہے آرڈر دینے والوں کی فوراً تعمیل کی جاتی ہے۔ چوڑی کا ناپ ساتھ بھیجیں۔ پتہ

گولڈ لک ٹریڈ ایجنسی ۲ دہلی

دیندار مسلمان پہلے اسے پڑھ لیں

ناظرین دنیا میں جھوٹ اور سچ کی تمیز نہیں مگر آپ کو خدا کی قسم کھا کر یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میں نے ان چیزوں کے حاصل کرنے میں برسوں محنت کی ہے اور ہزاروں روپیہ برباد کیا ہے جب کامیابی نصیب ہوئی ہے ایسی اپنی محنت سے حاصل کئے ہوئے ان عملیات کو عام فائدہ کی غرض سے پیش کر رہا ہوں اور یقین دلاتا ہوں کہ اگر آپ مسلمان ہیں تو ایک مسلمان کی قسم کا اعتبار کرنے میں تامل نہ کیجیے۔ چند روزہ زندگی کیلئے اور چند پیسوں یا روپیوں کی خاطر کون ایسا مسلمان ہوگا جو اپنے ایمان کو برباد کرے گا اور مسلمان بھائیوں کو دھوکہ دیگا اگر آپ کا ضمیر مطمئن ہو تو حسب ذیل تعویذات منگا لیجیے اور کرشمہ خداوندی دیکھیے کامیابی آپ کی پیشانی پر ظاہر ہونے لگے گی تمام نقش و تعویذ بذریعہ وی۔ پی لفافہ میں بھیجے جاتے ہیں۔

قسمت کا موتی رات کو سوتے وقت اپنے سرہانے رکھنے سے خواب میں بشارت ہو جاتی ہے کہ اس کام میں کامیابی ہوگی یا نہیں اور یہ کہ اس کا طریقہ کیا ہے اور کیونکر کامیابی ہوگی بالکل سچا جواب مل جاتا ہے اس کے عامل نے برسوں میں اس عمل کو یاد کیا ہے۔ ہدیہ ایک روپیہ دس آنے محصول الگ۔

دولت کی کنجی یہ ایک تعویذ ہے جس کو روپیہ پیسہ میں رکھ لینے سے اس قدر ترقی ہوتی ہے کہ خدا کی شان دکھائی دیتی ہے۔ غیب سے مفلسی دور ہونے کے سامان ہو جاتے ہیں اور تعجب ہوتا ہے کہ کیونکر آتنی جلدی دولت مل گئی نوکری کی صورت میں اسکو افسر کے سامنے جیب میں رکھ کر جائے تو وہ اس قدر مہربان ہو جاتا ہے کہ قدرت کا کرشمہ دکھائی دیتا ہے اور اس کے دل میں خود بخود اپنے ماتحت کی ترقی کا خیال دامنگیر ہو جاتا ہے۔ ہدیہ ایک روپیہ چار آنے محصول ڈاک الگ۔

عورتوں کے جھگڑے ختم اگر کسی عورت کا اپنے شوہر سے جھگڑا رہتا ہو یا اس کا مزاج کڑوا ہو یا اسکو بات بات میں جھگڑ پڑنے کی عادت ہو تو تعویذ محبت منگا لے۔ اور اس کی ہدایتوں پر عمل کرے چند روز میں اس کو محبت پیدا ہو جائے گی۔ اس عمل کی تاثیر سے میاں بیوی میں انسیت بڑھ جائے گی۔ اور شوہر کو اشاروں پر چلانے لگے گی۔ بڑی محنت کے بعد اس عمل کو حاصل کر کے پیش کیا جا رہا ہے۔ ناکامی کی صورت میں ہدیہ واپس ہوگا۔ ہدیہ صرف ڈھائی روپے

منگانے کا پتہ **سید نواب میاں شاہ صاحب عامل کالا محل بازار ع۔ م۔ دہلی**

دوربین

دو تقریریں: مسٹر چرچل وزیر اعظم انگلستان نے دارالعوام میں تقریر کی کہ روس بہادری سے لڑ رہا ہے۔ ہمارے آدمی ہم سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ ہم جرمنوں کے دباؤ کو اس پر سے ہٹانے کے لئے یورپ پر کسی جگہ حملہ کریں اور روس کو ہر طرح کی فوجی مدد دیں۔ روس کی ہر طرح مدد کی جا رہی ہے کیونکہ اس کا نامعلوم زمانہ تک میدان جنگ میں ڈٹے رہنا خود ہمارے لئے مفید مطلب ہے۔ اس کے لئے ہر طرح کا سامان اسے پہونچایا جا رہا ہے۔ ہمارے لئے اب ایران کی وجہ سے راستہ کھل گیا ہے۔ وہاں کا خود مختار بادشاہ اب جلاوطن ہے اور وہاں آئینی حکومت قائم ہو گئی ہے جو ہر طرح اتحادیوں کی مدد کرے گی۔ دشمن پر ہوائی حملے جا بجا جاری ہیں۔ ہم اپنے آئندہ طرزِ عمل کے متعلق کوئی ایسی بات بتانا نہیں چاہتے جو دشمن کو معلوم ہو جائے اور وہ اس سے فائدہ اٹھائے۔ ہٹلر سات ماہ سے خاموش ہے۔ انگریزوں کو ہم پر اعتبار کرنا چاہئے۔ یورپ پر حملہ کرنا بڑی جان جوکھوں کا کام ہے لیکن ہم اس سے غافل نہیں ہیں جب وقت مناسب آئیگا ہم اس سے بھی درگزر نہ کریں گے۔ دشمن کا عندیہ نہیں معلوم ہوتا کہ اب وہ کہاں وار کرنا چاہتا ہے۔ روس کا عمدہ زرخیز علاقہ اس کے پاس ہے وہاں وہ مدافعت کی صورت اختیار کر کے انگلستان سے مغرب میں یا ایشیا میں دو دو ہاتھ کر سکتا ہے۔ آئندہ انگلستان پر ہوائی حملہ کا خطرہ پہلے سے زیادہ ہے اور مشرق وسطیٰ میں بھی ایسی سخت لڑائی ہونے والی ہے جو پہلے نہیں ہوئی۔ اب انگلستان پہلے سے کہیں زیادہ تیار ہے۔ مگر ہم اپنا لشکر جو گو روس اور جرمنی سے کم ہے مگر بہتر ہے انگلستان سے نہیں ہلا سکتے کیونکہ دشمن اسی سے اب تک جھجکتا رہا ہے۔

اس کے دو تین دن بعد ہر ہٹلر نے اپنے فوجی صدر مقام سے برلن پہونچ کے تقریر کی کہ روس کے ہم دوست تھے مگر اس نے غداری کی اور وہ ایسے وقت میں ہم پر حملہ کرنا چاہتا تھا کہ ہم اپنی ساری قوت کے ساتھ انگلستان سے دست بگریباں ہوتے۔ ہم نے انگلستان کی طرف بھی دوستی کا ہاتھ بڑھایا مگر اس سے دوستی ممکن نہیں۔ اب فیصلہ ہتھیاروں سے ہی ہوگا۔ یہ لڑائی گو لمبی ہو گئی ہے اور میں اس سال ختم کر دینے کا وعدہ پورا نہ کر سکا۔ مگر ایسے زرخیز علاقے بھی تو ہاتھ آگئے ہیں جن کو اپنے کام میں لانا ہمیں معلوم ہے۔ اور ہمیں ان سے بے اندازہ فائدہ ہوگا۔ لڑائی سو سال تک کا فیصلہ کر دیگی ہم روس کو پہلے ہی پاش پاش کر چکے ہیں۔ آج کل ایسی سخت جنگ ہو رہی ہے جس سے دشمن کو شکست دینے میں مدد ملے گی۔ ہم دو سال سے برابر دشمنوں کو ایک ایک کر کے پچھاڑ رہے ہیں اور ہماری ہر تدبیر سیدھی پڑ رہی ہے۔ ہمارا کوئی اندازہ غلط نہیں ہوا ہم نے یہ لڑائی خود نہیں بڑھائی۔ نہ ہمیں اپنی بہادری کا ڈنکا دنیا میں بجانے کا خیال تھا مگر ہم اپنی آزادی بھی پامال ہوتے نہ دیکھ سکتے تھے۔

جاپانی الجھن: جاپان نے جزیرہ تیمور تک اپنا ہوائی راستہ قائم کر کے آسٹریلیا اور امریکہ میں بے چینی کے آثار پیدا کر دئے ہیں۔ یہ جزیرہ غیر ہموار آتش فشاں پہاڑوں کا مجموعہ ہے اور مجمع الجزائر ملایا میں واقع ہے اور اس پر ہالینڈ اور پرتگال کا علیحدہ علیحدہ قبضہ ہے۔ جاپانی اپنا آخری اسٹیشن پرتگالی علاقہ میں قائم رکھیں گے مگر راستہ ہالینڈ کے علاقہ پر سے جائیگا جس کے یہ معنی ہیں کہ اسے ہالینڈ کی رضامندی کی ضرورت ہوگی۔ یہ راستہ زیادہ خرچ کا باعث ہوگا اور سب حیران ہیں کہ اخراجات پورے کس طرح کئے جائیں گے۔ پرتگالی علاقہ میں ۴۶۳۷۹۶ لوگ آباد ہیں۔ ۱۹۳۹ء میں بجٹ ۱۰۱۴۶۱۱ پونڈ ہوئی تھی۔ اس کی فوج میں سات افسر اور ۳۶ سپاہی ہیں۔ اس کی برآمد قہوہ صندل وغیرہ

وغیرہ نیز جن کی مالیت کچھ زیادہ نہیں۔ آسٹریلیا سے صرف ۴۰۰ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

جاپان کی وزارت نے استعفیٰ دے دیا اور جنرل توجو نے نئی وزارت قائم کی ہے۔ یہ سابقہ وزارتوں سے زیادہ جنگی نوعیت کی ہے اور اس لئے اس کا عمل شدت کا امکان ظاہر کرتا ہے۔ انگریزی اور امریکی مدبروں کو یقین ہے کہ اب مشرق وسطیٰ میں جنگ کی آگ بھڑکنے والی ہے۔ جاپان کے لئے اور چارہ نہیں رہا چنانچہ اس نے روس کی چینی سرحد پر اپنی فوج بہت زیادہ بڑھا دی ہے اور سیام کی سرحد پر بھی اپنی چوکیاں قائم کر دی ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ وہ روس کی حالت خستہ دیکھ کے شریک جنگ ہونے کے لئے بیتاب ہے۔ مگر وہ اس وقت کودتا نظر آتا ہے جب فرانس کی طرح روس لڑکھڑانے لگے۔ امریکہ اور برطانیہ بالکل مستعد کھڑے ہیں۔

روس کی جنگ عظیم:- روس بڑی پامردی سے میدان جنگ میں جما ہوا ہے۔ اس کا بہت نقصان ہو رہا ہے لیکن جرمنی کا بھی وہ بہت کافی نقصان کرتے رہنے کا دعویدار ہے۔ ہٹلر کی تقریر کے بعد جرمنی نے ماسکو پر دھاوا بول دیا اور اسے تین طرف سے گھیر لیا۔ روسیوں نے اپنا دارالسلطنت بدل دیا ہے اور اب اس مقام پر چلے گئے ہیں جو پہلے سمارا کہلاتا تھا اور اب کوئی بی شیف کہلاتا ہے۔ اس کی آبادی تین لاکھ نوے ہزار ہے اور اقتصادی حیثیت سے اہم شہر ہے۔ [illegible] ماسکو کے [illegible] مقامات جرمنوں نے توڑ دیے ہیں اور اس طرف سے اس کے تسخیر ہونے کا اندیشہ ہے۔ ساتھ ہی ساتھ جرمنوں نے جنوب میں اسی تندہی سے کریمیا پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا ہے اور متعدد اہم مقامات فتح کر لئے ہیں۔ کوہ قاف کی طرف اسٹالن بھی زد میں آ رہا ہے۔ لینن گراڈ [illegible] ماسکو اور جنوب کے تینوں [illegible] روس نے [illegible] ان کے حملے [illegible] میں۔ برطانیہ اور [illegible] روس کو مدد پہنچا رہے ہیں مگر یہ سب آرچنجل ولاڈی واسٹک اور ایران والے راستے پرخطر اور مشکلات سے بھرپور ہیں۔ جرمنی دعوے کرتا ہے کہ روس کی جنگی قوت بالکل پارہ پارہ ہو گئی ہے۔ بایں ہمہ روس اسی استقلال سے لڑ رہا ہے جیسے کہ [illegible] جرمنی بھی حیران ہے۔ کوہ قاف اب زد میں نظر آتا ہے۔ اندیشہ ظاہر کیا جا رہا ہے کہ جرمنی چونکہ بلغاریہ وغیرہ میں زبردست تیاریاں کر رہا ہے اس لئے وہ ترکی پر حملہ کرنے والا ہے۔ ترکوں نے اعلان کر دیا ہے کہ ان کی آزادی کسی کی مہربانی کا نتیجہ نہیں اور نہ ان کی زندگی اور خود مختاری کسی شخص یا سلطنت کی بخشی ہوئی ہے۔ یہ ان کی قوت بازو کا ثمرہ ہے اور اسی کی بدولت یہ قائم رہے گی۔ وہ ہر حملہ کا جی توڑ کے مقابلہ کریں گے۔

روس اور برطانیہ کے دباؤ سے افغانستان نے بھی اپنے ہاں سے جرمنوں اور اطالویوں کو نکال دیا ہے۔ البتہ انھوں نے یہ رعایت حاصل کر لی ہے کہ ان بدرشدہ لوگوں کو حفاظت سے ان کے گھر پہونچا دیا جائے گا کیونکہ افغانی مہمان نوازی اور مروت کا یہی تقاضہ ہے۔

برطانوی مستعدی:- برطانیہ میں عام رائے حکومت سے مطالبہ کر رہی ہے کہ روس کی امداد کی صورت یہی ہے کہ جرمنی کے مغربی یورپ پر حملہ کیا جائے۔ مگر حکومت کو اس سے انکار ہے کہ یہ بہت خطرناک اقدام ہوگا۔ مگر ہم اس کے لئے بھی موقع و محل کے منتظر ہیں۔ برطانوی ہوائی جہاز برابر جرمنی کے مختلف اہم مقامات پر گولہ اندازی کر کے ہر قسم کا نقصان کر رہے ہیں۔ ایرانی علاقہ مستحکم کر لیا گیا ہے۔ ملایا اور

شنگھائی وغیرہ کو پہلے سے زیادہ مضبوط کرلیا گیا ہے تاکہ جاپان کی جنگی نقل وحرکت کا دنداں شکن جواب دیا جاسکے حبش میں گونڈار تک برطانوی فوجیں پہونچ گئی ہیں اور امید ہے کہ یہ آخری اطالوی چھاؤنی بھی سر کرلی جائے گی۔ طرابلس میں جنگی کمک پہونچ گئی ہے بس سے خیال کیا جاتا ہے کہ جاڑوں میں اس میدان میں سرگرمی کے اظہار کی امید ہے۔ روزمرہ وہاں جھڑپیں ہوجاتی ہیں۔ برطانوی ہوائی جہاز طرابلسی بندرگاہوں اور اطالیہ کے علاقوں پر متعدد بار گولہ باری کرچکے ہیں۔ امریکہ بھی انگلستان اور روس کی مدد کے لئے ہاتھ پاؤں چلا رہا ہے۔ اس کے کئی جہاز جرمنی ڈبوچکا ہے جس سے توقع کی جاتی ہے کہ امریکہ شریک جنگ ہوجائے گا۔ اور برطانیہ کو نئی تقویت حاصل ہوجائے گی۔

تاروں کا جھرمٹ:-

حج کے لئے اس سال حفاظت کے خاص انتظامات کئے گئے ہیں۔ حکومت نے جہاز والوں کو نقصانات کی تلافی کا اطمینان دلایا ہے۔ کرایہ بھی سال گزشتہ کے قریب قریب برابر ہی رکھا ہے بمبئی سے جدہ تک واپسی کرایہ ۱۹۴۰ء کے ۱۹۵ روپیہ کے مقابلہ میں اس سال دوسَو روپیہ ہوگا۔ کامران کی فیس تین روپیہ دینی ہوگی پچھلے سال یہ نہ لی گئی تھی۔ جدہ کی حفظان صحت کی فیس میں ایک روپیہ کا اضافہ ہوگا کھانے کے دام کچھ بڑھ جائیں گے۔

سندھ میں عربی کی یونیورسٹی قائم ہوگئی ہے۔ بیس مدرسے اس سے ملحق ہوں گے۔ اس کا مرکز تاج پور ضلع حیدرآباد ہوگا اور تعلیم گاہ کراچی میں قائم کی جائے گی۔

دیاسلائیوں کی قیمت میں ترمیم ہوگئی ہے۔ ایسی ڈبیوں کی بارہ درجن جن میں ۴۰ سلائیوں سے زیادہ ہوں مگر ۵۰ سے زیادہ نہ ہوں ڈھائی روپیہ میں ملے گی اور وہ ڈبیاں جن میں پچاس سے زیادہ سلائیاں ہوں مگر ۶۰ سے زیادہ نہ ہوں تین روپیہ فی ۱۲ درجن ملا کرے گی۔

ڈھاکہ یونیورسٹی سے اس سال ایک لڑکی انیما بوس نے بی اے بی ایس سی میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کئے اور اسے چالیس روپے ماہوار کا راجہ کالی نرائن وظیفہ ملا ہے۔ جب سے یونیورسٹی قائم ہوئی ہے اس وقت سے اب تک یہ دوسری لڑکی ہے جسے یہ وظیفہ ملا ہے۔ یہ لڑکی سنسکرت میں بھی اول آئی ہے۔

بنارس ہندو یونیورسٹی کی سِلور جوبلی منائی جانے والی ہے۔ وہاں کے وائس چانسلر نے چندہ کی اپیل کی بہت تھوڑی مدت میں بمبئی۔ کلکتہ۔ احمد آباد سے دو لاکھ روپے سے زیادہ چندہ ہوچکا ہے۔

۱۹۴۰ء میں صوبہ دہلی میں ۲۶۶ کتابیں رجسٹری ہوئیں۔ سال ماسبق میں ۲۶۳ ہوئی تھیں۔ طبع زاد کتب ۱۸۹ تھیں۔ ہندی کتابیں ۱۰۹۔ اردو ۴۳۔ انگریزی ۲۴ چھپیں۔

رضا شاہ پہلوی سابق شاہ ایران کو ارجنٹائن کی بجائے انگریزی جزیرہ ماریشس میں لے جایا گیا ہے۔ لڑائی کی نزاکت کی وجہ سے ان کا وہاں عارضی قیام رہے گا۔ اور اس اثنا میں ان کی خواہش کے مطابق اُن سے حسب رتبہ برتاؤ کیا جائے گا۔

پنجاب میں چند دوکانداروں کے خلاف یہ مقدمہ تھا کہ وہ بناسپتی تیل میں مقررکردہ رنگ ملائے بغیر بیچ رہے تھے حکومت نے اب مقدمات اس بنا پر واپس لے لئے ہیں کہ جنگ کی وجہ سے وہ رنگ دستیاب نہیں ہوتا۔

دستکاری کی مفید کتابیں
عصمتی کروشیا
گلدستہ تارکشی
تارکشی کا کام
کراس اسٹچ ورک
عصمتی کشیدہ
گلدستہ کشیدہ
گلزار درخشاں
گلشن زہرا
قیمت ایک روپیہ
اونی کام سلائیوں سے
موتیوں کا کام
سلمہ ستارہ کا کام
جالی کا کام
چمنستان خیالی
گلستان خیالی
شمیم سوزن کاری
گوٹہ کناری کا کام
عصمت بک ڈپو دہلی

حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ کے مضامین کے جدید مجموعے

احکامِ نسواں

عورتوں کے متعلق احکام قرآن مجید اور ان کی تفسیر خواتین ہند کے محسن اعظم نے کئی سال تک رسالہ بنات میں یہ تفسیر اس غرض سے لکھی تھی کہ مسلمان عورتوں کو مسائل کے دریافت میں وقت ہوتی ہے وہ رفع ہو۔ افسوس موت نے مہلت نہ دی کہ علامہ مغفور تفسیر کو مکمل فرما دیتے۔ تاہم تمام احکام کی محنت سے رازق الخیری صاحب نے جمع کئے ہیں۔ علامہ مغفور کی تفسیر کے علاوہ بہت سے احکام کی ضروری تشریح بھی عام فہم اور صاف ستھری زبان میں ہے۔ کتاب زنانہ لٹریچر میں نہایت اہمیت رکھتی ہے اور ہر مسلمان خاتون کے پاس رہنی چاہیئے قیمت ایک روپیہ عہ

محسنِ حقیقی

مسلمانوں کے آقا مولا سردار دو جہاں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی کے چند متفرق واقعات۔ مصنفہ آمنہ کے لال کے قلم سے اور اس قدر مؤثر پیرایہ میں کہ آنکھ سے آنسو نکل پڑیں۔ مجالس میلاد کے متعلق چند اصلاحی مضامین بھی اس کتاب میں ہیں۔ قیمت چھ آنے ۶ر

قرآنی قصے

اُن نبیوں اور رسولوں کے مقدس حالات جن کا قرآن مجید میں ذکر ہے۔ حضرت علامہ راشد الخیری نے یہ قصے مسلمان لڑکیوں کیلئے انکی سمجھ کے مطابق انہی کی زبان میں مگر اپنے خاص رنگ میں لکھے تھے عورتوں کیلئے نبیوں کے حالات میں بہترین کتاب ہے جس کا درجہ باعتبار ادب نہایت بلند ہے۔ قیمت ایک روپیہ عہ

گدڑی میں لعل

لڑکیوں اور عورتوں کو سگھڑ ہنرمند کفایت شعار بننے اور کامیاب زندگی بسر کرنے کیلئے خانہ داری کے متعلق نہایت مفید مشورے دلنشین پیرایہ میں۔ یہ کتاب زنانہ لٹریچر میں بیش بہا اضافہ ہے یہی وہ مضامین ہیں جنہوں نے دس بیس نہیں ہزاروں لڑکیوں کی زندگی میں انقلاب کر کے خوشگوار زندگی بنا دی قیمت عہ

دُعائیں

حضرت علامہ مغفور کی سب سے آخری تصنیف۔ ہم اپنے مقاصد کی کامیابی کیلئے دعائیں تو مانگتے ہیں مگر دعا مانگنی جانتے ہیں نہ دعا سمجھتے ہیں۔ مصور غم نے اپنے مخصوص رنگ میں اردو زبان میں نظم و نثر کی یہ دعائیں لکھی تھیں جو اس قدر پُرسوز دلگداز اور درد و اثر میں ڈوبی ہوئی ہیں ایک ایک جملہ ایک ایک لفظ کلیجہ کے پار ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید کی دعائیں۔ پیغمبروں کی دعائیں۔ فخرِ کائنات اور آپ کے عزیزوں کی دعائیں بھی ہیں۔ باعتبار ادب دعاؤں کی کوئی کتاب اس قدر بلند درجہ نہیں رکھتی۔ قیمت آٹھ آنے ۸ر

چمنستانِ مغرب

خانہ داری تاریخ ادب معاشرت غرض ہر موضوع پر جو خواتین کیلئے مفید ہو سکتا ہے انگریزی زبان کے چند بہترین مضامین کے عام فہم ترجمے جن کی خصوصیت یہ ہے کہ حضرت علامہ مغفور کا رنگ بھی انہیں جھلک رہا ہے جنہیں پڑھ کر ترجمہ کا گمان نہیں بلکہ طبعزاد کا دھوکا ہوتا ہے مشرق کے بے مثل ادیب نے مغربی لٹریچر کو اردو زبان میں منتقل کیا تو اس سلیقہ کے ساتھ کہ مشرقی بیبیاں بھی دلچسپیوں کا لطف اٹھانے کے علاوہ خانہ داری اور اپنی زندگی میں تجربہ کی باتوں سے بہت کچھ فائدہ اُٹھا سکیں۔ قیمت ایک روپیہ عہ

دلی کی آخری بہار

۷۰ برس پہلے دلی کیا تھی۔ مرد عورتیں بوڑھے بچے کس طرح بے فکری اور سادگی کے ساتھ زندگی کا لطف اٹھاتے تھے پہلے پہل کس طرح منانے اور سیر و تفریح کس طرح کی جاتی تھی۔ اس کا جواب اس کتاب میں ملیگا جو نصف صدی پہلے کی معاشرت محبت تعلقات اور وضعداری کی درد انگیز کہانیاں اور دلی کی بربادی جگر خراش افسانے ہیں جنہیں علامہ مغفور نے انشا پردازی کا کمال ہی نہیں دکھایا قلعہ معلی کی کوثر سے دھلی ہوئی بیگماتی زبان ہی نہیں لکھی بلکہ فسانہ شب سنا کر درد منددلوں کو تڑپا دیا ہے۔ قیمت ایک روپیہ عہ

مسلی ہوئی پتیاں

دلی کی بیگماتی زبان میں زنانہ خطوط انشا کی مکمل کتاب نہیں حیات انسانی کے وہ راز ہیں جنکو پڑھکر بے اختیار جی چاہتا ہے کہ الفاظ کو اٹھا کر آنکھوں پر رکھ لیجئے حضرت مصور غم کا سب سے پہلا مضمون جو ۱۸۹۰ء کے مخزن میں شائع ہوا تھا وہ بھی اس مجموعہ میں شامل ہے۔ قیمت چھ آنے ۶ر

داستانِ پارینہ

حضرت مصور غم جامع حیثیات مصنف تھے ان کی مصنفانہ حیثیت کے آگے بڑے بڑے مؤرخوں کی گردن جھکانی پڑی اسلامی تاریخ کے عظیم ناول دیکھے چکے اب تاریخی مضمونوں کا مجموعہ پڑھیئے اور دیکھئے کہ تاریخ میں افسانہ سے بڑھ کر لطف پیدا کر دینا علامہ راشد الخیری جیسے انشا پرداز مؤرخ ہی کا کام تھا واقعات سب تاریخی ہیں مگر پیرایہ بیان ایسا کہ پڑھنے سے پڑھکر تاثیر قیمت ۱۲ر

ساجن موہنی
بہت سی بیبیاں باوجود کوشش کے شوہروں کو خوش نہیں رکھ سکتیں۔ کیونکہ انہیں شوہر کے گر ہی نہیں معلوم۔ میاں بیوی میں آئے دن لڑائی جھگڑے ہوتے رہتے اور زندگی میں بے لطفی پھیکا پن ہی نہیں ناخوشگواری بلکہ تلخی محسوس ہوتی ہے۔ اس مجموعہ کا مطالعہ نہ صرف شادی شدہ خواتین ہی کیلئے بے انتہا مفید ہے بلکہ اُن لڑکیوں کے لئے بھی جنکی عنقریب شادی ہونے والی ہے۔ قیمت چار آنے ۴ر
عالمِ نسواں
ان ملکی اور غیر ملکی واقعات پر جو خواتین بالخصوص مسلمان عورتوں سے متعلق تھے حضرت علامہ مغفور کا اپنے مخصوص پیرایہ میں تبصرہ۔ تحریک نسواں، آزادیٔ نسواں۔ حریتِ نسواں سے جنہیں ذرا بھی دلچسپی ہے وہ علامہ مغفور کے جنہوں نے تمام عمر عورتوں کی ترقی اور بہتری کی کوشش میں ختم کردی ان گراں بہا خیالات کی قدر کریں گے۔
قیمت آٹھ آنے ۸ر
بکھری ہوئی پتیاں
مختلف موضوعات کے متفرق مضامین اس مجموعہ میں وہ مضامین ہی شامل ہیں جو بعض گذشتہ مجموعوں میں مثلاً گدڑی میں لعل بزمِ رفتگاں۔ بے فکری کا آخری دن عروسِ مشرق۔ گرداب حیات وغیرہ میں شامل ہونے سے رہ گئے تھے انشائے لطیف اور کئی دردانگیز نظمیں بھی ہیں گویا اس مجموعہ میں علامہ مغفور کی کئی مختلف حیثیتیں نظر آتی ہیں قیمت ۱۲ر
فریبِ ہستی
وہ بیش بہا مضامین جو اصلاحِ معاشرت اور اصلاحِ اخلاق کے متعلق ہیں اور جن کے مطالعہ سے معلوم ہوگا مسلمان گھرانے اندر ہی اندر گھن کی طرح کھوکھلے ہو رہے ہیں اور ان کی حالت درست ہونیکی کیا تدابیر ہیں۔ قیمت ۶ر
افسانوں کے جدید مجموعے
خدائی راج اور دوسرے افسانے
اُردو کے سب سے پہلے مختصر افسانہ نگار کے آخری افسانوں کا بیش بہا مجموعہ جس میں حیاتِ انسانی کی پیچیدہ سے پیچیدہ گتھیوں کو سلجھایا گیا ہے۔ اور جذبات انسانی کی دردانگیز ترجمانی کی گئی ہے پلاٹ مکالمہ کردار نگاری مناظر نویسی جذبات نگاری غرض ہر اعتبار سے یہ افسانے مشرق کے بہترین افسانوں میں سے ہیں جن پر اُردو ادب ہمیشہ فخر کرے گا۔ قیمت ایک روپیہ ۱عہ
گردابِ حیات
حضرت مصورِ غم نے عورتوں کی اصلاح و حمایت میں چھوٹے چھوٹے نتیجہ خیز اور موثر افسانے عام فہم پیرایہ میں عصمت میں لکھے تھے ان میں سے ۲۵ افسانوں کا مجموعہ مرتب کیا گیا ہے۔ ان افسانوں نے بیسیوں عورتوں کو افسانہ نگار بنا دیا اور سینکڑوں عورتوں کی زندگی سنور گئی۔ قیمت ایک روپیہ ۱عہ
بساطِ حیات
چار مختصر افسانوں کا مجموعہ حیات انسانی کے متعلق جانوروں کا مشاہدہ اور مطالعہ تمام افسانے دلآویز اور نتیجہ خیز ہیں یہ جانوروں کی زبانی معمولی انسانی کہانیاں نہیں قصہ کے پیرایہ میں درستی اخلاق اور اصلاح معاشرت کے اسباق بے بہا ہیں۔
قیمت چھ آنے ۶ر
حور اور انسان
اب سے ۲۵ سال قبل رسالہ تمدن میں علامہ مغفور نے حقوقِ نسواں کی حمایت میں چند نہایت موثر اور دردانگیز افسانے تحریر فرمائے تھے جنہوں نے تعلیم یافتہ مردوں میں ایک تہلکہ مچا دیا تھا۔ اس مجموعہ میں ان افسانوں کے علاوہ عصمت کے دور اول کے بھی چند مشہور افسانے ہیں۔ ان افسانوں کے عنوانات یہ ہیں۔ حور اور انسان، پریوں کی محفل، ضمیمہ مشرح کا خون۔ تنہائے حمیت۔ ایک روح کی سرگذشت سوکن کی نصیحت۔ ہر افسانہ سبق آموز ہے۔
قیمت بارہ آنے ۱۲ر
نشیب و فراز
انحضرتوں نے اپنی اپنی زندگی کا کوئی اہم واقعہ یا مشاہدہ بیان کیا ہے۔ ہر افسانہ حد درجہ دلچسپ اور زندگی کے کسی پہلو پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔ قیمت چار آنے ۴ر
دادا لال بجھکڑ
پانچ نہایت ہی پرلطف قصے جنہیں پڑھ کر ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جائیں گے ولایتی نہیں اور نانی مٹ کے سلسلہ کی نتیجہ خیز کتاب جس سے معلوم ہوگا کہ مصورِ غم ظرافت نگاری میں بھی کمال رکھتے تھے۔ قیمت ۸

نامور خواتین کے لکھے ہوئے ناول اور افسانے

شہیدِ وفا

سلسلہ دنیا کے سامنے محبت اور وفا کا جو دردناک نمونہ پیش کیا ہے شہیدِ وفا میں پڑھیئے دل لرز جائیگا آنکھیں پُرنم ہوجائیں گی اور ایک بہادر لڑکی کی تصویر آپ کی آنکھوں کے سامنے آجائے گی۔ ہندوستان کی مشہور افسانہ نگار محترمہ امتہ الوحی صاحبہ کا مشہور افسانہ ہے جس کے ساتھ موصوفہ کے ۸ اور دلچسپ افسانے بھی آپ کی دلچسپی کے لئے حاضر کئے گئے ہیں۔

یہ ۸ افسانے بھی محترمہ موصوفہ کے نہایت مؤثر نتیجہ خیز بہترین افسانے ہیں ہر افسانہ درد اور جذبات کی سچی تصویر ہے مرد اور عورتوں کیلئے یکساں دلچسپی کا سامان شہیدِ وفا اور اس افسانوں میں عصمت تہذیب التخلیل انقلاب وغیرہ میں شائع ہو چکے ہیں ضخامت دو سو صفحوں کے قریب ہے قیمت صرف (۱۰؍)

فیروزہ

ایک دولتمند مگر یتیم و بیکس لڑکی کا افسانہ غم۔ خدا ترسی اور انسانیت کی دل ہلا دینے والی قربانیاں جن سے معلوم ہوگا کہ کس وجہ سے ایک شریف عورت اپنے شوہر کو ایک دوسری عورت کے حوالہ کر دیتی ہے۔ لالچ بے ایمانی اور ہنگامی جذبات کے قابل نفرین نتیجے۔ احسان فراموشی محسن کشی کے گھنونے مظاہرے اور استقلال و صاف دلی کی فتح ایک سبق آموز افسانہ بتائے گا کہ بڑی بڑی مشکلات کا مقابلہ کرنے پر بھی عورت اعلیٰ تعلیم، سلیقہ شعاری اور معاملہ فہمی کی بدولت زندگی خوشگوار بنا سکتی اور قومی خدمات انجام دے سکتی ہے۔ عصمت کی مشہور مضمون نگار محترمہ جمیلہ بیگم صاحبہ کاملہ کی تصنیف ہے۔

قیمت آٹھ آنے (۸)

انوری بیگم

اردو کی نامور افسانہ نگار محترمہ طیبہ بیگم مسز نواب خدیو جنگ بہادر کا مشہور و مقبول ناول بیماری تیمارداری کے عنوان سے عصمت میں چند قسطیں شائع ہوکر بہت پسند کی گئی تھیں۔ اس دلآویز ناول میں حیدرآباد کے ایک شریف معزز اعلیٰ تعلیم یافتہ گھرانے کی بلند معاشرت دکھائی گئی ہے۔ انوری بیگم جو لطیفہ کی ہیروئن ہے بیمار اور تیمارداری اور تندرستی منگنی اور شادی کے حالات نہایت ہی دلچسپ پیرایہ میں لکھے ہیں۔ تمدنی خرابیوں اور پرانے رسم و رواج کی پابندیوں کے نقصانات خوش اسلوبی کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں پلاٹ میں نہایت دلکشی اور طرزِ بیان میں بے تکلفی اور سادگی ہے حیدرآبادی ماؤں کی زبان بھی خوب لکھی گئی ہے، کہیں کہیں ظرافت کی چاشنی ہے، اردو میں خواتین کے لکھے ہوئے ایسے بلند معاشرتی ناول کم نکلیں گے لکھائی چھپائی عمدہ قیمت (۱۲؍)

جانباز

ہندوستان کی نامور افسانہ نگار محترمہ نذر سجاد حیدر صاحبہ کے افسانے پلاٹ کی دلآویزی کے اعتبار سے ادبی حلقوں میں نہایت پسندیدگی کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ محترمہ موصوفہ ہندوستان کے بہترین افسانہ نگاروں میں نہایت ممتاز درجہ رکھتی ہیں جانباز ان کا اصلاحی معاشرتی ناول ہے جس میں ایک معزز اعلیٰ تعلیم یافتہ گھرانے کے حالات نہایت ہی دلچسپ پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں نبیلہ اپنے منگیتر کے لئے کیا کیا قربانیاں کرتی ہے مسٹر ایک کم حیثیت مغربی لڑکی کے ہاتھوں کس طرح اپنی پُرمسرت زندگی کو تباہ کرکے موت کے منہ میں پہنچ جاتے ہیں۔ ذاتی حسن کا ایک سچا دوست تمام مشکلات کو کس طرح حل کرتا ہے اور اپنے دوستوں کی خاطر کیسی کیسی قربانیاں کرکے محوِ حیرت کر دیتا ہے۔ ایسے ایسے باب ہیں کہ آپ عش عش کریں گے۔ قیمت بارہ آنے (۱۲)

دولت پر قربانیاں

تعلیم یافتہ اور روشن خیال لڑکی اس وجہ سے کہ غیر کفو میں شادی کرنے سے ترکِ پدری دینا ہوگا۔ برادری کے لڑکے سے جو لڑکی کے لئے عمر و قابلیت وغیرہ کے لحاظ سے موزوں نہیں اور مذاق و خیالات جداگانہ رکھتا ہے شادی کر لیجئے در..ناک نتائج اور دولت کے لالچ میں سوکن پر بیٹی بیاہنے کا عبرتناک انجام۔ ہندوستان میں لاکھوں بے زبان لڑکیاں رواج اور دولت کی چوکھٹ پر قربان کی جا رہی ہیں۔ انعامی سلسلے کے یہ ۵ بہترین افسانے ہیں۔ قیمت ۸؍

غیرت کی پتلی

محترمہ والدہ بیگم صاحبہ منشی فاضل سابق اڈیٹر ریاض نسواں کا لکھا ہوا ایک سبق آموز عجیب قصہ جس میں مختلف الخیال عورتوں کے حالات ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ اولوالعزمی اور ہمت سے عورت کس طرح بگڑا ہوا گھر بنا سکتی ہے دولت کے لالچ میں اور چھوٹی حیثیت کے لوگوں میں شادی کرنے کے کیا نتائج ہوتے ہیں۔

قیمت چھ آنے (۶)

چار رُخ

عصمت کی مشہور انشاپرداز محترمہ انیس فاطمہ بنت لبیق مرحوم کا لکھا ہوا ایک نتیجہ خیز افسانہ ہے جس میں چار عورتوں کی عبرت اور سبق آموز آپ بیتی ہے چاروں کہانیاں اچھی ہیں اور انہیں مغربی تمدن کی اندھا دھند تقلید عیسائی مشنریوں کی صحبت، رواج کی پابندیوں کے نہایت دردناک نتائج دکھائے گئے ہیں۔ کتاب نہایت مختصر ہے لیکن جو نتیجے اس سے نکلتے ہیں وہ نہایت اہم ہیں۔ قیمت چار آنے (۴)

ادبِ زریں

محترمہ حجاب اسمٰعیل نثر میں خوب شاعری کرتی ہیں انکے چھوٹے چھوٹے لطیف مضامین انکے بلند تخیل عبارت کی رنگینی اور جذبات کی ترجمانی کا بہترین آئینہ ہوتے ہیں اس مجموعہ میں وہ مضامین ہیں جو مختلف رسائل میں شائع ہوکر خراجِ تحسین حاصل کر چکے ہیں قیمت ۸؍

نغماتِ موت

ان دلآویز مضامین کا مجموعہ مصنفہ نے زینب والدہ مرحوم کی یاد میں لکھے تھے اور جو اردو کے مشہور رسائل میں شائع ہوکر مقبول ہو چکے ہیں یہ دلی جذبات کا آئینہ اور آہ و فغاں کا بہترین نمونہ ہیں محترمہ حجاب کے زورِ بیان کی دلکشی اور انکے شاعرانہ خیالات کی نزاکت اور لطافت پورے طور پر نغماتِ موت میں نمایاں ہے۔ قیمت ۶؍

ملنے کا پتہ دفتر عصمت دہلی
دسمبر
۵
عصمت دہلی
دلچسپ اور مفید زنانہ کتابیں
تاریخی لطیفے
دنیا کے نامور مصنفوں شاعروں بادشاہوں شہزادیوں وغیرہ کے لطیفے جو نہایت سنجیدہ اور حاضر جوابی کے بہترین نمونے ہیں تہذیب اور متانت کے ساتھ انکے مطالعہ کر دل بہلنے کا، ہنسی آنے کی اور معلومات میں اضافہ ہوگا کوئی لطیفہ فحش یا پست گھڑت نہیں۔ تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ از محترمہ آمنہ نازلی صاحبہ۔ قیمت ۸
ہنسی کی باتیں
عامیانہ اور بازاری لطیفے نہیں جو پھکڑ پن سے بھرے ہوتے ہیں یہ کتاب شریف گھرانوں کی محترم خواتین کے نفیس طبع زاد مہذب لطیفے ہیں جنہیں پڑھکر سنجیدہ طبائع بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکیں لطف یہ ہے کہ گویا کوئی لطیفہ نہیں مہذب ظرافت کی بہترین کتاب ہے عورتوں، مردوں، بڈھوں اور بچوں سب کو پسند ہے از محترمہ آمنہ نازلی۔ قیمت ۸
پھول پھلواری
پھولوں کی کاشت کیاری اور باغیچہ کی نگہداشت اور انگریزی ہندوستانی اور ہر موسم اور ہر قسم کے پھولوں کے متعلق نہایت مفید معلومات از محترمہ۔ قیمت ۸
عقل کی باتیں
بڑے بڑے پیغمبروں بادشاہوں مصنفوں شاعروں اور فلاسفروں کے وہ اقوال جو برسوں کے تجربوں پر مبنی ہیں جن میں ہنسی خوشی کامیابی سے زندگی گذارنے کا راز ہے جن میں حیات انسانی کی پیچیدہ سے پیچیدہ گتھیاں سلجھانے کا حل ہے جو دل بہلانے غم غلط کرنے کا بہترین ذریعہ ہیں۔ ان بیش بہا مشوروں کو سوچنے اور ان پر غور کرنے سے عقل بڑھتی ہے اور انسان زندگی میں انقلاب پیدا کر سکتا ہے۔ بہت محنت سے تیار کی گئی ہے۔ از محترمہ آمنہ نازلی صاحبہ۔ قیمت ۸
تندرستی ہزار نعمت
عصمت کی مایۂ ناز مضمون نگار محترمہ زہرہ فیضی بیگم کے نہایت مفید مضامین جن میں صحت قائم رکھنے کے چند اصول بڑی خوبی سے بیان فرمائے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ اپنی سیاحت امریکہ اور یورپ کے تجربات بھی تحریر فرمائے ہیں آنکھیں۔ آنکھوں کا تعلق ہاضمہ سے۔ دانت۔ ناشتہ۔ کھانے پینے کا پانی۔ نیند کتاب کے اہم عنوانات ہیں۔ قیمت ۴
خواتین اندلس
اندلس یعنی اسپین میں مسلمانوں نے آٹھ سو سال تک جس شان سے حکومت کی ہے تاریخ سنہری الفاظ میں ہمیشہ اس کو دہراتی رہے گی مسلمانوں کے زمانہ میں سرزمین اندلس میں ایسی ایسی باکمال خواتین پیدا ہوئی تھیں جنہوں نے علوم و فنون کے دریا بہا دئے اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ اس زمانہ میں طبقۂ نسواں میں کیسی کیسی پایہ کی شاعرہ ادیبہ مصور، طبیبہ، لطیفہ گو، حاضر جواب تھیں۔ طرز بیان بہت دلچسپ۔ تاریخ میں افسانہ کا لطف ہے۔ قیمت ۱۲
پردہ و تعلیم
از حضرت اکبر آبادی و ڈاکٹر نصیر الدین احمد صاحب اس کتاب سے معلوم ہوگا کہ تعلیم نسواں کی طرف سے غفلت کرنے سے مسلمانوں کو کیا شدید قومی نقصان پہنچ چکا ہے لہذا ان کی ترقی و بہتری کی کیا صورت ہے اس کتاب میں ہر مذہب کی عورتوں کا مقابلہ کر کے پردہ پر قرآن و حدیث کی رو سے اسلامی بلکہ سیاسی و معاشرتی نقطۂ نظر سے بھی بحث کی گئی ہے۔ مشہور افسانہ نگار محترمہ ایس اے کرانیہ مصنفہ نیرنگ لکھتی ہیں اس موضوع پر اس سے بہتر کوئی کتاب میری نظر سے نہیں گزری۔ قیمت ۱۲
بچوں کی تربیت
اگر آپ کے گھر میں ننھے بچے ہیں تو ضرور یہ کتاب منگا لیجئے کیونکہ بچوں کی پرورش اور تربیت پر اس قدر آسان پیرایہ میں ایسی مفید کتاب اردو میں آج تک شائع نہیں ہوئی دہلی کے شریف گھرانوں میں بچوں کی پرورش میں جن باتوں کا خیال کیا جاتا تھا آج جن بیماریوں پر افراط خرچ کیا جاتی ہیں۔ اس وقت پیسوں میں کام ہو جاتا تھا وہ سب اس میں بیان کی گئی ہیں پھر سائنس اور حفظان صحت کے اصولوں پر بھی گئی ہے اور ذاتی تجربے بیان کئے گئے ہیں از مولوی عبد الغفار خیری سابق پروفیسر ڈگری یونیورسٹی بیروت۔ قیمت ۱۰
زنانہ نظموں کے دو مجموعے
آئینہ جمال
یعنی دور حاضرہ کی نامور شاعرہ محترمہ لطیف جمال صاحبہ کی نظمیں نہایت دلآویز اور اخلاقی آموز اسلام کے دور اولین کے سبق آموز تعلیم واقعات۔ یہ کتاب مناظر قدرت کی مصوری جذبات نسوانی کی سچی ترجمانی کی لطافت کیا خوبی سے آئینہ جمال نہیں ہے۔ قیمت ۱۲
شمع خاموش
اردو کی مشہور شاعرہ محترمہ شمیم لکھنوی کی دردانگیز اور موثر نظموں کا مجموعہ۔ عصمت نے دیباچہ لکھ کر مرتب کیا ہے۔ نظمیں ہندوستانی مسلمان عورتوں کی مظلومیت کا صحیح ترجمان ہیں۔ رسائل میں شائع ہو کر مقبول ہو چکی ہیں۔ زبان آسان اور عام فہم ہے۔ قیمت ۶

عصمتی دسترخوان کا دوسرا حصہ

مشرقی مغربی کھانے

جن کی ترکیبیں تجربہ کرنے کے بعد لکھی گئی ہیں سب ترکیبیں نئی ہیں اور ایک ایک چیز کی کئی کئی ترکیبیں ہیں مشرقی مغربی کھانے کی تمام خصوصیات یہ ہیں کہ اس میں کھانے پکانے کے سلسلے میں تقریباً ۵۰ ایسے نہایت ہی کارآمد مضامین ہیں جو بڑی کوشش اور محنت سے حاصل کئے گئے ہیں عنوانات یہ ہیں۔ علم غذا کے متعلق ایک یورپین خاتون کا مفصل مضمون۔ ہماری خوراک پر ایک سائنٹیفک مضمون کھانے کے اصول پکانے کے اصول۔ کھانے کی حفاظت جرمنی باورچی خانہ ایک جرمن خاتون کا مضمون باورچی خانہ کیسا ہو۔ باورچی خانہ کی ضروریات اناج کا صندوق سیکھی سبزی ترکاری کے فائدے۔ ترکاریوں کی حفاظت۔ کھانے کا کمرہ۔ ہوٹل خانہ۔ نعمت خانہ پھولوں کے فائدے۔ ایرانی دعوت۔ جاپانی باورچی خانہ۔

کھانے پکانے کے متعلق اسقدر کارآمد قیمتی مضامین کھانے پکانے کی کسی کتاب میں آجتک شائع نہیں ہوئے۔

مشرقی مغربی کھانوں میں سادہ ترکاری کے سالن کی ۸۰ ترکیبیں ہیں اور مختلف قسم کی برانی۔ حلوے۔ کھچڑی۔ ملغوبہ۔ مربے۔ زعفرزدہ کی ۲۸ نئی ترکیبیں ہیں اور اسی طرح بہت سے کھانے اس کتاب میں بہت زیادہ ہیں عربی ایرانی ترکی جاپانی۔ عوامی کھانوں کی ترکیبیں بھی کافی ہیں اور انگریزی جرمنی فرانسیسی روسی اطالوی کھانوں کی ترکیبیں ہیں۔ جدید اڈیشن بھی قریب الختم ہے۔ قیمت دو روپے (عہ) مجلد دو روپے چھ آنے (عہ)

کپتان ڈاکٹر نصیر الدین احمد صاحب میڈیکل افسر کی قابل کتاب

زچہ خانہ

ہندوستان میں ہر سال لاکھوں عورتوں کی جانیں زچگی کے سلسلہ میں ضائع ہوتی ہیں نہ ہر جگہ ایسا معقول انتظام ہو کہ امیر و غریب فائدہ اٹھا سکیں۔ نہ ہندوستانی زبانوں میں کوئی ایسی کتاب شائع ہوئی تھی جو انہیں پورا پورا فائدہ پہنچا سکے کپتان صاحب موصوف کی طبی ہدایتوں سے ہندوستان میں ہزاروں عورتوں نے زچگی کے زمانہ سے پہلے اور بعد میں فائدہ اٹھایا ہے کپتان صاحب مشکل سے مشکل پیچیدہ اور خشک مضمونوں پر اسقدر عام فہم اور دلآویز پیرایہ میں اظہار خیالات فرماتے ہیں کہ معمولی قابلیت کی خواتین بھی ان سے پوری طرح فائدہ اٹھاتی ہیں۔ کپتان صاحب نے کتاب میں نہایت دردمندی اور دلسوزی کے ساتھ تحریر فرمایا ہے جنیں حاملہ اور زچہ سے متعلق کوئی بات چھوڑی نہیں گئی پھر جو مشورے دیئے گئے ہیں وہ سب عام ہندوستانی معاشرت کو مد نظر رکھکر جن سے ہندوستانی عورتیں فائدہ اٹھا رہی ہیں۔

حاملہ و زچہ

دونوں حصوں میں ۲۶ فوٹو بلاک کی تصاویر ہیں جو صرف کثیر کے بعد خاص طور پر اس کتاب کیلئے لیگئی ہیں اور ۶ شکلیں بہت صاف اور واضح ہیں دونوں حصوں کی قیمت ساڑھے تین روپے علاوہ محصولڈاک ہے ہندوستان کی کسی زبان میں اس موضوع پر اتنی محنت اور قابلیت سے لکھی ہوئی اتنی مفید اور کارآمد اور مفصل مکمل کتاب ہندوستانی عورتوں کے لئے آجتک شائع نہیں ہوئی ہر گھر میں اس کتاب کی موجودگی ضروریات میں سے ہے جس نے منگائی بیحد پسند کی قیمت دونوں حصے ساڑھے تین روپے

صنعت و حرفت

خواتین ہند کو بڑے سے بڑے اور چھوٹے سے چھوٹے پیمانہ پر تجارت کرنے اور روزمرہ کی ضروریات سے ہر ماہ ایک معقول رقم پس انداز کرنے کے بے بہا نسخے کئی سال کی محنت کے بعد محترمہ انیسہ الحفیظ صاحبہ اہلیہ مولوی عبدالرحیم صاحب چیف کیمسٹ نے ایک ایک چیز کا تجربہ کرکے منتخب کئے ہیں۔ روزمرہ کی ایک ایک چیز کی کئی کئی نسخے تیار کرنے کے لئے نہایت صحیح اور آزمودہ نسخے نہایت احتیاط سے درج کئے گئے ہیں۔ صابن سازی۔ سنگار کے ... روغن ... کے لئے منجن۔ کریم۔ ... پاؤڈر۔ ویسلین غازہ حسن۔ پامیڈ۔ تیل اور روغن خضاب مختلف اشیا کو جوڑنے کے مصالحے سینٹ ... بوٹ پالش ... کریم اور پالش۔ شربت سازی۔ پسریٹ۔ لاکھ کی تجارت بڑا اور کھمچی کی تجارت اچار۔ مربے۔ چٹنیاں وغیرہ۔ خوشبو تمباکو خود دنی اسپرٹ عطریات۔ ... تیل اور کیفٹ ... اور رنگ کا تیل۔ ... آتش کریم کھینچنے بنانا وغیرہ ۳۴ باب ہیں اور ہر باب میں کم سے کم ایک چیز کے مختلف قسم کے آٹھ آٹھ دس دس بلکہ پندرہ پندرہ آزمودہ نسخے ہیں بازاری کتابوں کی طرح کوئی نسخہ سنا سنایا درج ہوا نہ ... نسخے کسی ... نہ کسی کتاب سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ بلکہ تجربہ کیا ہوا ہے۔ ہندوستان کی کسی زبان میں اس موضوع پر اس قدر صحیح اور مستند اتنی مفید اور کارآمد کتاب آجتک نہیں چھپی کتاب صنعت و حرفت نادار اور کم استطاعت عورتوں کی مالی پریشانیاں ختم کردے گی وہ گھر بیٹھے عزت و آبرو ... کے ساتھ ... کر سکیں گی۔ خوشحال گھرانوں کی بیبیاں کتاب صنعت و حرفت کی موجودگی میں ہر ماہ ایک رقم جمع کر سکیں گی۔

قیمت دو روپے مجلد سوا دو روپے محصولڈاک بذمہ خریدار

عورت کی سب سے بڑی خوبی

یہ ہے کہ وہ امور خانہ داری میں ماہر ہو۔ عورت کتنی ہی اعلیٰ تعلیم یافتہ کتنی ہی خوبصورت اور کتنی ہی دولت مند کیوں نہ ہو۔ اگر گھرداری کے کام کاج اچھی طرح نہیں کرسکتی تو اس کی زندگی ہرگز کامیاب نہیں عصمت کی نامور مضمون نگار طفیلہ بیگم (د۔ا) صاحبہ کی کتاب **خانہ داری کے تجربات** بھولی بھالی نئی لڑکیاں بھی اگر مطالعہ کریں تو سلیقہ شعار اور سگھڑ بن جائیں گی۔ کیونکہ اس بیش بہا کتاب میں وہ مضامین ہیں جو ذاتی تجربوں کی بنا پر نہایت محنت اور بڑی قابلیت سے لکھے گئے ہیں۔ فصل اول میں ان ہم کھانوں کے تیار کرنے کی نہایت مکمل اور نہایت صحیح ترکیبیں ہیں جو طاقت بخش یا کسی تکلیف کے رفع کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ یا بیماری سے اٹھ کر کمزوری کی حالت میں کھانا نہایت مفید ہے۔ فصل دوم میں مفید صحت توانا و تندرست رہنے کے بیش بہا مضامین ہیں مثلاً

پانی کی احتیاط	دودھ کی احتیاط	باسی روٹی	مرچ	دونسل کا تجربہ	رات کو سوتے وقت
اصول تربیت	اچھی غذا	آرام کی ضرورت	جسم کی صفائی	ہمارا مکان	

فصل سوم میں وہ کارآمد باتیں ہیں جن کا جاننا ہر گھروالی عورت کے لئے اشد ضروری ہے۔

لوگوں سے برتاؤ	بچوں کی تربیت	شادی بیاہ	مہمان جانا	صنعت و حرفت	کام کی باتیں

خانہ داری کے تجربات کا ہر مضمون جو ذاتی تجربوں کی بنا پر نہایت سلیقہ اور خوبی سے لکھا گیا ہے ہر شریف عورت اور ہر لڑکی کو ضرور مطالعہ کرنا چاہیئے۔ عورتوں کی زندگی میں اس کتاب سے ایک انقلاب پیدا ہوسکتا ہے۔ قیمت بارہ آنے (۱۲)

مفیدِ نسواں

خانہ داری کے تجربوں کا دوسرا حصہ جس میں تندرستی اور بیماری کے متعلق نہایت کارآمد مضامین ہیں مثلاً آنکھوں کی قدر و قیمت، نظر کی کمزوری کے اسباب اختلاج قلب۔ چیچک۔ مختلف قسم کے درد۔ تھن۔ لو لگنا۔ کھانسی۔ نزلہ زکام وغیرہ کے اسباب علاج ہدایات احتیاطیں تفصیل کے ساتھ لکھی گئی ہیں اس کتاب میں ایک مضمون بھی ایسا نہیں جس میں سُنی سنائی باتیں لکھی ہوں یا کسی کتاب سے نقل کیا گیا ہو بلکہ ہر چیز ذاتی تجربہ کی بنا پر لکھی گئی ہے قیمت ۸ر

خیابانِ نسواں

حیدرآباد دکن کے مشہور ادیب مولوی نصیرالدین صاحب ہاشمی کے وہ مضامین جو مختلف زنانہ رسائل میں شائع ہو کر مقبول ہوئے دلچسپ پیرایہ میں خواتین کے مفید مطلب ضروری امور پر بحث کی گئی ہے۔ چند معاشرتی اخلاقی مسائل پر قابل قدر خیالات ہیں۔ خواتین ہند کی ترقی کے سلسلے میں قابل مصنف نے سیاحت یورپ کے بعد جو نتائج اخذ کئے ہیں وہ اس قابل ہیں کہ ان پر غور و فکر کیا جائے۔ ان مضامین سے معلومات میں نہایت دلچسپ اضافہ ہوتا ہے۔ قیمت ۱۲ر

رُوحانی شادی

یہ اصلاحی ڈرامہ بھی ملک کے مشہور افسانہ نگار منشی پریم چند نے خواتین کے لئے لکھا تھا۔ پلاٹ مکالمہ کیرکٹر ہر اعتبار سے نہایت کامیاب نتیجہ خیز سبق آموز ہے دلچسپ دلآویز عبرتناک بھی ہے اور تفریحی مذاق بھی ہے۔ اصلاح معاشرت پر اتنے مؤثر و بلند پایہ ڈرامے بہت کم لکھے گئے ہیں۔ قیمت ۶ر

دیہاتی گیت

ہندوستان کے مشہور افسانہ نگار ڈاکٹر اعظم کریوی نے ہندوستانی گاؤں کی سیدھی سادی زندگی کا لطف اٹھانے والیوں کے شادی بیاہ کے گیت۔ کولھو کے گیت المختصر دیہاتی گیت بڑی محنت سے جمع کئے ہیں۔ جن میں جاہل گنواروں نے انسانی جذبات اور قدرتی مناظر کے ایسے ایسے نقشے کھینچے ہیں کہ بہت سے پڑھے لکھے شہریوں کو مات کردیا ہے پھر ڈاکٹر اعظم صاحب نے ہر شعر کا مطلب نہایت ہی عام فہم زبان میں بیان کیا ہے۔ قیمت ۸ر

انشائے سلمیٰ

جناب صاحبزادہ رفیع احمد خاں صاحب ایم اے ایم ایڈ نے لڑکیوں کو خط و کتابت سکھانے کے لئے یہ کتاب لکھ کر زنانہ لٹریچر میں مفید اضافہ کیا ہے۔ اس کے شروع میں اردو کتابت کی تاریخ بہت عالمانہ اور مفید معلومات سے پُر ہے۔ پھر خطوط کے نمونے ایسے دیئے گئے ہیں جو دلچسپ بھی ہیں اور مفید بھی نہ صرف لڑکیوں کے لئے بلکہ بڑی عمر کے واسطے بھی خط لکھنا سیکھنے معلومات میں اضافہ کرنے اور دلچسپی سے مطالعہ کرنے کے لئے بہترین دلچسپ ہیں قیمت صرف ۶ر

دُودھ کی قیمت اور دوسرے

افسانے ہندوستان کی افسانہ نگاری کی تاریخ میں منشی پریم چند کا نام نہایت اہم ہے منشی جی عصمت کے خاص افسانہ نگار تھے اور عصمت نے کچھ صرف کرکے ان سے بیگمات کے مذاق و مطلب کے افسانے خاص طور پر لکھوائے تھے۔ یہ مجموعہ منشی پریم چند کا ایک ڈرامہ اور ۸ افسانے ہیں جو بہنوں کے لئے لکھے گئے تھے عنوانات یہ ہیں (۱) کرمہ (۲) کا دیوان (۳) دودھ کی قیمت (۴) عیدگاہ (۵) [illegible] (۶) اکسیر (۷) رفیق کا دیوتا (۸) دو بہنیں (۹) نادیہ نگاہ۔ اصلاح معاشرہ اصلاح اخلاق اور جذبات نگاری کے اعتبار سے یہ مجموعہ دوسرے بہترین افسانوں کا ہے جن میں دیہاتیوں اور شہری لوگوں کی زندگی کا ہو بہو نقشہ کھینچا گیا ہے ضخامت ۲۰۰ صفحے قیمت عہ

مصور غم حضرت علامہ راشد الخیری رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور و مقبول تصانیف

گوہر مقصود

یعنی "خیالستان کی پری" اور "لال کی تلاش" دو بہت مشہور قصے ۔ پہلا قصہ ملک خیالستان کی ایک پری کا ہے جو مدت تک اِدھر اُدھر پھرتی اور بار بار کوشش کرنے کے بعد دُنیا کا بہترین تحفہ لانے میں کامیاب ہوتی ہے۔ دوسرا قصہ ایک دُکھیاری ماں کا ہے جو گمشدہ بچے کی تلاش میں جنگلوں اور پہاڑوں میں ماری ماری پھری دونوں قصے اس قدر دلچسپ اور درد انگیز ہیں کہ ہر لفظ کلیجے کے پار ہو جاتا ہے قیمت ۶ر

سنجوگ

ایک تعلیم یافتہ سلیقہ شعار مگر کرموں جلی اور بدنصیبوں بھری لڑکی کی داستان جس کا نکاح والدین نے سوچ سمجھ کر کیا اور زلیخین کی طبیعتوں کا اندازہ نہ لگایا، بلکہ دولت و ثروت کی قربان گاہ پر اپنے جگر کے ٹکڑے کو بیدردی سے ذبح کر دیا اس لڑکی کو سسرال میں کیا تکلیفیں پہنچیں شوہر کے ہاتھوں کیا کیا اذیتیں برداشت کیں ۔ سوسائٹی کی پابندیوں اور زیادتیوں کو کس طرح سہتی رہی اور آخر کس طرح دنیا سے گئی یہ واقعات معلوم ہو کر بے اختیار آنسو نکل پڑتے ہیں۔

قیمت صرف دس آنے ۱۰ر

سوکن کا جلاپا

ناشاد و نامراد محمود کا افسانۂ غم ۔ ایک بے گناہ لڑکی پر ساس نے سوکن لا بٹھائی ۔ اور غم نصیب مصیبت زدہ لڑکی نے ماں باپ کی لاج رکھنے کے لئے ساس کی زیادتیوں شوہر کے مظالم غرض سب اذیتیں ہنس کھیل کر صبر و شکر سے برداشت کیں یہاں تک کہ ان غموں میں گُھل گُھل کر جان دیدی ۔ درد و اثر سوز و گداز میں ڈوبا ہوا مصنف کا بہت مشہور و مقبول افسانہ ہے ۔

قیمت پانچ آنے (۵ر)

لڑکیوں کی انشا

خط و کتابت سکھانے کی اُردو زبان میں بہترین کتاب جس میں خطوں کے ذریعہ لڑکیوں کو بتایا گیا ہے کہ میکہ کی زندگی انہیں کس طرح بسر کرنی ہے اور سسرال میں جا کر ان کی ذمہ داریاں کیا ہیں ۔ ایک عورت کی حیثیت سے انہیں کیا کیا فرائض انجام دینے ہیں ۔ اور زندگی کی دشوار گذار منزلوں اور کٹھن راستوں کو وہ کس طرح کامیابی کے ساتھ طے کر سکتی ہیں ۔ اس میں پچاس کے قریب نازک خطوط ہیں ۔ مگر معمولی خط نہیں جذبات انسانی کے وہ راز ہیں جنکو پڑھ کر بے ساختہ جی چاہتا ہے کہ الفاظ کو اُٹھا کر آنکھوں سے لگا لیجئے ۔ زبان ایسی پیاری کہ اُردو لٹریچر کی شاید ہی کوئی کتاب اس کا مقابلہ کر سکے ۔ ضخامت سو صفحوں کے قریب ۔

قیمت بارہ آنے (۱۲ر)

ماہِ عجم

فاروق اعظمؓ کے عہد مبارک میں سلطنت ایران پر قابو پانے کے لئے مسلمانوں کے بے مثل جنگی کارنامے زرتشتان ایران کا سرفروشانہ مذہبی جوش ایرانیوں کا پروانہ وار شمع وطن پر قربان ہونا ۔ اسلام اور نصرانیت کی لڑائیاں کفر و ایمان کے معرکے قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی ولولہ خیز جانبازیاں جذبات لطیفہ کی حقیقت طرازیاں مشرق کے تاریخی ناولوں میں بہت مشہور ہے کنواری لڑکیاں ضرور منگائیں ۔

قیمت صرف ۱۲ر

قطراتِ اشک

آنسوؤں کے بادشاہ حضرت علامہ راشد الخیری مرحوم کی افسانہ نگاری کے دور اول کے بہترین نمونے وہ مضامین جو مخزن عصمت ۔ تمدن ۔ کہکشاں وغیرہ میں شائع ہو کر شہرت دوام حاصل کر چکے ہیں ۔ رویائے مقصود ۔ بدنصیب کا لال دار الغرور ۔ سارس کی تارک الوطنی عصمت و حسن ساون کی چڑیاں ۔ مظلوم کی فریاد ۔ نند کا خط چاندنی چوک کا جنازہ ۔ جھولے کی یاد وغیرہ وغیرہ وہ مضامین اور افسانے ہیں جنہوں نے پڑھنے والوں کو جادو نگار مصنف کی تحریر کے اثر کا قائل کر دیا تھا ۔ قیمت صرف (۱۲ر)

سب کتابیں عصمت بکڈپو دہلی سے منگایئے

شاہین و درّاج

حضرت علامہ مرحوم کا وہ معرکۃ الآرا تاریخی ناول جس نے مصنف کی سحر نگاری کا بڑے بڑے ادیبوں کو قائل کر دیا تھا اس میں محبت کے جذبات لطیفہ کو نہایت لطف اور رنگینی سے بیان کیا ہے بلحاظ زور قلم اور جذبات نگاری اُنکے ناولوں میں یہ قصہ بہت نمایاں درجہ رکھتا ہے شاہین و درّاج مصور غم کی بہت مشہور ٹریجیڈی ہے قصہ کی دلآویزی کی یہ کیفیت ہے کہ شروع کرنے کے بعد ختم کئے بغیر کتاب ہاتھ سے چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا کئی بار شائع ہو چکی ہے ۔ قیمت ۸ر

رسالہ عصمت دہلی

چونتیسواں سال | بابت ماہ دسمبر ۱۹۴۱ء | جلد ۶۷ نمبر ۶

فہرست مضامین

چندہ سالانہ پیشگی مع محصول ڈاک چار روپے۔ ممالک غیر سے دس شلنگ

قسم خاص: رف کاغذ کا ایڈیشن دس روپے۔ روساء سے پچیس ۲۵ روپے۔ والیان ریاست سے سو روپے۔ ممالک غیر سے ایک پونڈ۔ فی پرچہ ایک روپیہ

رسالہ عصمت ہندوستان کے بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں پر میسرز اے ایچ وہیلر کے بک اسٹال پر بھی ملتا ہے

باہتمام رازق الخیری ایڈیٹر پرنٹر پبلشر محبوب المطابع دہلی میں چھپا

جلد ۷، نمبر ۹
صرف لکس سے کپڑوں کا
پورا پورا بچاؤ ہوتا ہے۔
اونی کپڑے دھونے کا طریقہ
موٹے کاغذ پر کپڑے کی شکل کا نقشہ بنالو۔ لکس کی بڑی سی مٹھی ٹھنڈے پانی میں ڈال کر گاڑھا جھاگ بنالو لکس کو نرمی کے ساتھ کپڑے کے اندر دباؤ۔ مسلنے مروڑنے اور پتھر پر پٹخنے کی ضرورت نہیں۔ کپڑے کو کئی بار ٹھنڈے پانی میں کھنگالو لیکن جب پانی صاف نکلنے تو پھر کھنگالنا بند کر دو۔ اس کے بعد کپڑے کو نرمی سے دبا کر پانی جتنا ہو سکے اتنا نچوڑ کر نکالو اور پانی کو نکالنے کیلئے کپڑے کو ایک صاف اور سوکھے تولئے میں لپیٹو جب ہو چکے تو کپڑے کو موٹے کاغذ پر پھیلا دو اور اسے اسی شکل پر موزوں طور پر کپڑے کو ایک ہوادار اور سایہ والی جگہ میں سوکھنے کے لئے پھیلا دو۔
LUX
لکس سے اونی کپڑوں کو پورا پورا بچاؤ حاصل ہوتا ہے۔
وجہ یہ ہے کہ عام کپڑے دھونے کے صابونوں کی نسبت لکس پانچ دفعہ زیادہ تیزی کیساتھ گھل جاتا ہے پس جب کپڑے کو لکس میں دھویا جائے تو یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ صابون بے گھلا رہ کر نفیس اونی کپڑوں کو خراب کر دے۔
اپنے تمام اونی کپڑوں کو ملائم لکس میں دھونے سے ان میں کپڑوں کی پوری سلامتی ہے لکس اسقدر خالص اور لطیف ہے کہ ٹھنڈے پانی میں بھی عام صابونوں کے مقابلہ میں پانچ دفعہ زیادہ تیزی کیساتھ گھل جاتا ہے۔ علاوہ اس کے لکس میں یہ نادر خصوصیت ہے کہ جب کپڑے کو اسمیں دھونے کے بعد کھنگال لیا جاتا ہے تو پھر اس کا نشان بھی باقی نہیں رہتا حالانکہ معمولی صابون کپڑے میں چمٹ جاتے ہیں جس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ نازک اونی کپڑے بے رونق بھی ہو جاتے ہیں اور جلد جلد سکڑ کر بالکل خراب بھی ہو جاتے ہیں لکس حقیقتاً کپڑے کی رونق اور لچک کو بڑھاتا ہے۔
LX 22-66 UD
LEVER BROTHERS (INDIA) LIMITED

عصمت کی لاج

جن بہنوں اور بھائیوں نے عصمت کی توسیع اشاعت میں حصہ لیا اور اپنے پرچہ کو خریدار دئے اُن کے نام دلی شکریہ کے ساتھ درج ذیل کئے جاتے ہیں۔

جناب سید رضی الدین حیدر صاحب عیدگاہ ۲ خریدار

ایک ایک خریدار جنہوں نے دئے:۔ محترمہ عائشہ بیگم صاحبہ مسز سردار محمد حسین صاحب الہ آباد۔ مس حمیرا انساء صاحبہ پونہ۔ سلطانہ بیگم صاحبہ جاڑاؤں۔ ظفرالنساء صاحبہ گوردا سپور۔ جی ایم صادق صاحب اندور۔ حسن جہاں بیگم صاحبہ پنڈی۔ بدرالنساء عرف چاند بی بی صاحبہ الہ آباد۔ عاہدہ سلطانہ صاحبہ ہمراہ لدھیانہ۔ سکرٹری جونیر بیگم صاحبہ تحسین۔ منہ مختار علی انصاری صاحب حیدرآباد دکن۔ بنت امام اکبرآبادی صاحبہ آگرہ۔ مسز محمد قیصر انصاری صاحبہ ایٹہ۔ محترمہ شمیم اذن صاحبہ سندیلہ۔ جناب شفیق احمد خاں صاحب حیدرآباد دکن

منیجر

نادار فنڈ

اکتوبر اور نومبر ۱۹۴۱ء میں جو روپیہ دفتر عصمت میں بدرکاخیر وصول ہوا اور حسب اعلان نادار فنڈ میں جمع کیا گیا اسکی تفصیل یہ ہے:۔

بیگم قطب الدین احمد صاحب حکیم پور۔ علیگڈھ	للعہ
بیگم سید شبیر علی صاحب معرفت بیگم عظمت علی صاحب ناگپور	لعہ
محترمہ قدسیہ صاحبہ حاجی رشید احمد صاحب۔ دہلی	عار
مس شمیم حامد صاحب ریاست بنارس	۵ر
بیگم شاہد علی صاحب	عہر
حبیبہ خاتون صاحبہ چھتر ہزاری باغ	سہ
	۲۵
میزان	۲۵

مطابق عصمت اکتوبر صفحہ ۳۵۱ جو روپیہ نادار فنڈ میں جمع تھا | ۸۶ ... ۱۱ر

کل رقم نادار فنڈ میں جمع | ... ۱۱ر

مضمون نگاری کے قواعد

مضمون نگاروں کو عصمت کے لئے مضامین بھیجنے سے پہلے ان باتوں کا ضرور خیال رکھنا چاہیئے۔ تاکہ ان کا وقت اور محنت بیکار نہ جائے (۱) مضامین کاغذ کے ایک رخ پر روشن سیاہی سے لکھے جائیں نظرثانی مناسب ترمیم و اصلاح و اضافہ کے لئے ایک سطر چھوڑ کر خوشخط لکھنے چاہئیں (۲) ایڈیٹر کے نام کے خط میں مضمون نگار کا صحیح نام اور پورا پتہ درج ہونا اشد ضروری ہے (۳) طویل مضمون کیلئے تین تین چار چار ماہ کے بعد بھی ممکن ہے کہ جگہ نہ نکل سکے۔ لیکن چھوٹے چھوٹے مضامین جلد درج رسالہ ہوسکتے ہیں اس لئے مضمون نگار جہاں تک ممکن ہو مضمون مختصر لکھیں اور کم از کم الفاظ میں اپنے خیالات کا اظہار کریں (۴) مضمون کسی کتاب یا رسالہ سے نقل ہو یا ترجمہ یا اخذ ہو تو مصنف کا نام اور کتاب یا رسالہ کا حوالہ ضرور دیا جائے (۵) عصمت کے لئے صرف وہ مضامین ارسال کئے جائیں جو عصمت کے لئے لکھے جائیں وہ مضمون ہرگز نہ بھیجئے جو کسی اور پرچہ کو بھیجا جا چکا ہو (۶) مضامین کے لئے پرانے پامال عنوانات جن پر بارہا عصمت میں مضامین شائع ہوچکے ہیں منتخب نہ کرنے چاہئیں۔ نئے نئے موضوعوں پر چھوٹے چھوٹے مضامین جو اسلوب بیان ندرت خیال وغیرہ کے اعتبار سے دلچسپ سمجھے جاسکتے ہیں خوشی کے ساتھ شائع کئے جاتے ہیں (۷) مضامین میں تہذیب و سنجیدگی کا پورا خیال رکھنا چاہئے۔ جو مضامین ذاتیات سے آلودہ ہوتے ہیں یا جن سے کسی فرقہ یا کسی شخص کی دل آزاری ہوسکتی ہے رد کردئے جاتے ہیں عصمت مذہبی جھگڑوں کا اکھاڑہ نہیں ہے۔ عصمت کیلئے ایسے مضامین بھیجنے چاہئیں جو ہندوستان بھائی بہنوں سب کے لئے مفید ہوں۔ (۸) مضامین کی زبان سلیس اور عام فہم ہونی چاہیئے۔ رنگین بے معنی عبارت ہمیں ناپسند ہے۔ فارسی عربی انگریزی الفاظ ٹھونسنے سے مضمون بھدا ہوجاتا ہے (۹) جو مضامین عصمت میں شائع ہوتے ہیں اُن کا دائمی حق اشاعت بحق عصمت محفوظ ہوتا ہے (۱۰) عصمت سال کے بہترین مضامین پر فی الحال تین چار سو روپے کے انعامات مضمون نگار خواتین میں تقسیم کرتا ہے۔ کہنہ مشق مضمون نگاروں کو معاوضہ بھی دیتا ہے۔ غیر مسلم خواتین کے مضامین خوشی سے شائع کئے جاتے ہیں جو خواتین و حضرات ان قواعد کی پابندی نہیں کرتے ان کے مضامین ناقابل اشاعت ہوتے ہیں۔

ایڈیٹر

سوتیلی اولاد بھی سوکن ہے

از حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمت

ہم عورتوں میں قریب قریب پچاس فیصدی ایسی ہوں گی جن کا واسطہ کسی نہ کسی طرح سوتیلے رشتوں سے پڑتا ہو کہیں سوکن ہے کہیں اُس کے بچے ہیں کہیں سوتیلی ماں ہے کہیں سوتیلے بہن بھائی کہیں سوتیلی ساس کہیں سوتیلی نند غرض ایسی خوش نصیب بہنیں جن کو زندگی میں سوتیلے رشتوں سے سابقہ نہ پڑا ہو پچاس فیصدی سے زیادہ نہ ہونگی اس گروہ میں جن کو سوتیلے عزیز بھگتنے پڑتے ہیں جہاں بہت سی بہنیں سنگدل مکار بے رحم ہوتی ہیں وہاں دو چار ایسی بھی ہوتی ہیں جو اپنی طرف سے بھلائی کرنے میں کسر نہیں کرتیں لیکن سوتیلے عزیز ان کے ساتھ طرح طرح کی زیادتیاں کرتے ہیں مگر چونکہ بد اچھا بدنام بُرا ان کی شرارتوں کو کوئی نہیں دیکھتا۔ہاں وہ جو کچھ ان بیچاریوں پر الزام اور بہتان رکھ دیتے ہیں وہ فوراً تھُپ جاتا ہے۔اس موقعہ پر کیا یہ بے گناہ سوسائٹی کی ہمدردی حاصل کرنیکا حق نہیں رکھتیں۔

فاطمہ میری بہن ڈاکٹرنی کے نام سے مشہور ہے اس لئے نہیں کہ وہ خود ڈاکٹر ہے بلکہ ایک ڈاکٹر کی بیوی ہے۔ اس کے دو سوتیلے لڑکے اور دو سوتیلی لڑکیاں ہیں اس نے ڈاکٹر صاحب کا دودھ شام ہی سے گنجینہ میں رکھدیا ڈاکٹر صاحب کا بڑا لڑکا اوپر کی بالائی اور آدھا دودھ پی گیا مگر جب ڈاکٹر صاحب نے دریافت کیا تو ان کے چاروں بچے ایک منہ ہو گئے کہ فاطمہ اپنی بچی کو پلا رہی تھی مجھے معلوم ہے فاطمہ سے زیادہ سیدھی لڑکی دنیا میں مشکل سے ہوگی جھوٹ یا فریب کا اس کے پاس گذر ہی نہیں ہو سکتا اس کے ہاتھ سے دوات ٹوٹ گئی برابر میں فانوس کی جوڑی تھی وہ ڈاکٹر صاحب کے بچے نے توڑی نام اس بیچاری کا لگا۔ڈاکٹر صاحب نے پوچھا تو کہہ دیا کہ دوات مجھ سے ٹوٹی ہے۔ فانوس کی مجھے خبر نہیں غرض فاطمہ کی طرف سے یہ گمان بھی نہیں ہو سکتا کہ کبھی اس کے ذہن میں چال یا داؤں تو درکنار کوئی بات بھی پیدا ہو سکتی ہو۔ اس کی شادی کو گیارھواں سال ہے۔گھر پر قبضہ ڈاکٹر صاحب کی پہلی اولاد کا ہے جو بیاہی ہوئی بیٹیاں اور بچوں والے ہیں اور فاطمہ کی حیثیت ایک بے عزت مہمان سے زیادہ نہیں ہے۔مہینہ تو کیا کوئی ہفتہ ایسا جاتا ہوگا کہ اس پر کوئی نہ کوئی الزام رکھا اور اس کی سادگی سے تھُپ بھی نہ جاتا ہو اس کے پاس جو کچھ زیور تھا جہیز کا بھی اور چڑھاوے کا بھی وہ سب جاتا رہا چوری نہیں گیا انہی سوتیلے رشتوں میں غائب ہوا۔ڈاکٹر صاحب کے بچوں نے صندوقچہ غائب کر دیا۔ اور ساتھ ہی اپنے اسباب کی بھی چوری مشہور کر دی۔ فاطمہ کا زیور ہم نے اپنی آنکھ سے ان کی بیٹیوں کو پہنے دیکھا گجراتی کنگن خود میرے ابا جان کی سرفنت بنے ہوئے میں نے پہچانے لیکن کوئی اُف نہیں کر سکتا۔

میں یہ نہیں کہتی کہ سوسائٹی میں کثرت ایسے مظلوم انسانوں کی ہے کثرت تو واقعی ان ہی سنگدل عورتوں کی ہے جو شوہر

پر غالب ہوتے ہیں ان کو طاق میں رکھ دیتی ہیں۔ اگرچہ ان معاملات میں بھی میں شوہروں کو بے گناہ نہیں سمجھتی اور میرا یقین ہے کہ ہر اس عورت کے مظالم کا سبب جو سوکن یا اس کے بچوں پر ہوں شوہر کا وجود ہے اور اس لئے مرد عورت سے کم ذمہ دار نہیں تاہم تعجب یہ ہے کہ سب حالات ایسے بھی موجود ہیں کہ بچے سوتیلی ماں پر ظلم توڑیں تو کیا وجہ ہے کہ ان کے ذکر کی صدا [illegible]

موت زندگی کا لازمی انجام ہے۔ اولاد اور والدین جیسے جدا ہو کر دل سے فراموش ہو جاتے ہیں اور رفتہ رفتہ یہ نوبت پہنچ جاتی ہے کہ [illegible] کی مجلس اُن پیاروں کی شرکت بھی گوارا نہیں کرتی ہے جبکہ میاں بیوی کے تعلقات دونوں کو حق حاصل ہے کہ مرنے کے بعد اس کی تلافی کریں چنانچہ یہ ہوتا رہا اور ہوتا ہے اور اس سلسلے میں سوتیلے تعلقات الگ کھڑے یا نزاع نہیں آخر سے بچے اور اکثر بھتیجیں سے [illegible] بیوائیں خود ختم ہو گئے مگر ان کے سلوک کی داستانیں ابھی خاندانوں میں زندہ ہیں جو ان کے کارناموں کو زندہ کر رہی ہیں ایک خان بہادر صاحب کو جانتی ہوں سالہا برس کی عمر میں پینتالیس برس ساتھ رہ کر بیوی نے ان سے مفارقت اختیار کی۔ یہ بہت کافی زمانہ تھا اور خان بہادر صاحب اس سے زیادہ بیوی کی زندگی کی توقع رکھ بھی نہ سکتے تھے میرے خیال میں وہ میاں بیوی نہایت خوش نصیب ہیں جو پچاس برس کے قریب ساتھ رہ کر رخصت ہوں۔ خان بہادر صاحب شاید قیامت تک کی توقع رکھتے ہوں گے۔ میاں بیوی کی محبت خاندان میں ضرب المثل تھی باوجود بیوی کی معمولی شکل و صورت ہونے کے خان بہادر صاحب حد سے زیادہ فرمانبردار تھے۔ بیوی نے آٹھ لڑکے چھوڑے بیٹے بھی بیٹیاں بھی نواسیاں بھی پوتے پوتیاں بھی۔ خان بہادر بھی ساٹھ سے اوپر تھے اور اب دنیا کو اچھی طرح دیکھ چکنے کے بعد اللہ اللہ کا وقت تھا۔ پنشن معقول تھی لیکن [illegible] دو ہی روز کے بعد انہوں نے مشہور کر دیا کہ مرتے وقت بیوی پچیس ہزار روپے کا مہر معاف کر گئی۔ بچوں کے کان کھڑے ہوئے کہ اس شہرت کی کیا مصلحت ہے۔ مختصر یہ کہ تین چار مہینے کے اندر [illegible] بیوہ چچا زاد بہن سے شادی کر لی اور نہ صرف ساری جائداد اس کو دے گئے بلکہ جس قدر زیور اور کپڑے موجود تھے وہ اور جو کچھ اسباب تھا وہ حتی کہ موٹر بھی اور بچوں کو ایک کوڑی تک نہیں دی۔

یہ واقعہ تنہا نہیں بہت سے اسی قسم کے موجود ہیں اور ہمارے اہلِ قلم نے اس پر خامہ فرسائی بھی کی ہے اور مردوں ہی کو ذمہ دار قرار دیا ہے لیکن مجھے اس سے بھی انکار نہیں کہ بعض تعلیم یافتہ بیویاں بھی شوہروں کے ذریعے سوتیلے عزیزوں پر پیٹ بھر کر ظلم ڈھاتی ہیں۔ مگر یہاں ہمارا کام مردوں کے برخلاف ہے وہ یہ کہ دوسری بیوی کے بچوں سے پہلی بیوی کے حقوق زائل کر دیتے ہیں یا ان عورتوں کے کمینہ پن پر سخت ملامت کرنی ہے جو شوہر کی محبت پا کر اپنے سے باہر ہو جاتی ہیں وہاں اسکو بھی نظر کے سامنے رکھنا ہے کہ بعض سوتیلے عزیز بھی اگر شوہر پر قابو پا جاتے ہیں تو دوسری بیوی اور اس کے بچوں کی مٹی پلید ہوتی ہے خدا کی پناہ۔

خاتمہ میں سوا اس کے اور کوئی عیب نہیں کہ وہ سیدھی ہے چپ رہتی ہے بہرحال وہ ایک شریف عورت ہے اور مسلمان عورت میں کم از کم یہ صفتیں ہونی ضروری ہیں لیکن وقت کی خوبی ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی نگاہ میں یہ عیب ہے کہ وہ اندیشہ [illegible] نتیجہ یہ ہے کہ سوتیلی اولاد طرح طرح کی تکلیفیں پہنچاتی ہے اور ڈاکٹر صاحب مطلق پروا نہیں کرتے۔

شادی میں دشواریاں

یہ بات آجکل خاص طور سے محسوس ہو رہی ہے کہ لڑکیوں کی شادی میں بیحد مشکلات پیش آتی ہیں۔ لڑکیوں کی عمریں ڈھل رہی ہیں مگر موزوں بر نہیں ملتا۔ میرے خیال میں اس کی وجہ مسلمانوں کی سوسائٹی کا بدلتا ہوا دور ہے۔ ایک خاندان یا شہر تو کجا ہر ایک گھر کی ترقی تہذیب طرز معاشرت و تعلیم الگ ہے۔ ایک طرز معاشرت اور ایک طرح کی تعلیم یافتہ لڑکی کو دوسری طرز کے خاندان والے رشتہ کے لئے موزوں نہیں سمجھتے۔ کچھ عرصہ پہلے یہ حالت تھی کہ ایک متوسط طبقہ کی لڑکی کا اس طبقہ کے ہر لڑکے سے رشتہ ہو سکتا تھا یا ایک متمول طبقہ کی لڑکی متمول طبقہ کے ہر خاندان میں بیاہی جا سکتی تھی۔ متوسط اور متمول دونوں خاندانوں میں جدید معاشرت کی پیروی یا غیر پیروی نے ایک تفریق پیدا کر دی ہے۔ ایک لڑکی جو تعلیم یافتہ۔ فیشن ایبل۔ انگریزی طرز معاشرت سے واقف ہو اس کی نسبت ایسے گھرانے میں نہیں ہو سکتی جہاں فیشن گناہ اور انگریزی طرز معاشرت کفر خیال کی جائے۔ لہذا وہ حلقہ جہاں سے اس کا رشتہ آسکتا ہے محدود ہے۔ کیونکہ صرف بہت پرانے طرز کے خاندان سے اس کا رشتہ نہیں آئے گا۔ بلکہ وہ خاندان جو بیحد جدت پسند ہیں ان کے یہاں سے بھی اس کا رشتہ نہیں آئے گا۔ کیونکہ ان کے لئے تعلیم اور انگریزی طرز معاشرت سے واقفیت ہی کافی نہیں بلکہ ساتھ ہی ساتھ بے پردگی کلب کی شمولیت۔ کسی جلسہ یا بال میں جا کر ناچنا بھی ضروری ہے۔ پہلے اس لڑکی کے رشتہ میں دشواریاں پیش نہ آتی تھیں۔ اس کے طبقہ کے ہر خاندان میں اس کا رشتہ ہو سکتا تھا لیکن اب معاشرتی تفرقہ کی دیوار حائل ہے۔

دوسری بڑی وجہ جس نے مسلمان لڑکیوں کے لئے موزوں بر کا ملنا بیحد دشوار کر دیا ہے۔ مسلمان لڑکوں کا دن بدن کثرت سے غیر مسلم لڑکیوں سے شادی کرنا ہے۔ اکثر متمول تعلیم یافتہ گھروں میں یہ دیکھا گیا ہے کہ اگر گھر میں چار لڑکے ہیں تو ان میں سے دو نے میموں اور یہودنیوں وغیرہ سے شادی کر رکھی ہے۔ اب آپ ہی بتایئے کہ اس طبقہ کی اور ان خاندانوں کی مسلمان لڑکیوں کو بر ملے تو کہاں سے۔ کئی جگہ تو میں نے دیکھا ہے کہ جن لڑکوں نے غیر مسلموں میں شادی کی ان کی نسبت ہو چکی تھی اور ان لڑکیوں کے والدین جو پرانی شرافت کے مطابق لڑکی کی منگنی کر کے زبان دے چکے اور مطمئن ہو کر بیٹھ گئے تھے۔ ان کے سر پر پھر لڑکی کا فکر سوار ہو گیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ جس کثرت سے مسلمان متمول لڑکے غیر مسلم لڑکیوں سے شادی کر رہے ہیں اس سے متمول طبقہ کی مسلمان لڑکیوں کے رشتہ میں سخت دشواری پیش آ رہی ہے۔ اور اس کا کوئی علاج نظر نہیں آتا۔ اور ایسا کرنے والے لڑکے کسی طرح سے مطعون نہیں کئے جاتے محبت اور عشق کی شادی تو شاید فیصدی ایک ہوتی ہو۔ زیادہ تر اپنی حماقت سے ہوتی ہیں۔ میرے خیال میں اگر ان لڑکوں سے ذرا بھی سختی برتی جائے تو ممکن ہے انکی عقل درست ہو جائے لیکن ان سے کسی طرح کی باز پرس نہیں ہوتی۔ ننانوے فیصدی ہندوستانی لڑکے نیچ ذات اور کمینہ طبقہ کی انگریز عورتوں سے شادی کر لیتے ہیں۔ اور وہ عورتیں بھی صرف روپیہ کے لالچ میں ان سے شادی کرتی ہیں۔ ایک بات یہ بھی ہونی چاہیئے کہ ایسی عورتوں سے شادی کرنے والے ہندوستانی لڑکوں کو سوسائٹی میں جگہ نہیں دی جائے نہ ان کی کوئی امداد کی جائے ممکن ہے کہ ایسی سختیوں کی وجہ سے اثر پذیر ہو کر ایسا کرنے کی اور لڑکے جرأت نہ کر سکیں۔

یورپ کی جس تقلید میں ہم یہ سب کچھ کر رہے ہیں وہاں آج تک اپنے طبقہ سے باہر شادی کرنے والوں کو بہت سخت نقصانات اور بدنامی اٹھانی پڑتی ہے ملازمت کی کامیابی سے منہ موڑنا بلکہ بعض اوقات نوکریوں سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔ آپ سابق شاہ ایڈورڈ ہشتم کی ہی مثال دیکھ لیں کہ تخت سے بھی دست بردار ہونا پڑا۔ لیکن ہماری سوسائٹی کا کوئی دباؤ ہم پر برقرار نہیں اس لئے ہمارے معاشرتی نقائص کی اصلاح ہو تو بھلا کس طرح؟ متمول اور تعلیم یافتہ لڑکوں میں ان موم کی پریوں سے جو دس بیس بچ بھی جاتے ہیں ان میں سے بھی اکثر کی ذہنیت کا نمونہ یہ ہے کہ وہ حضرات عموماً کورٹ شپ کے خواہاں ہوتے ہیں۔ لڑکی کو دیکھ بھال جانچ پڑتال کر کے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ ابھی تک مسلمانوں کے بہت کم گھرانے ایسے ہیں جہاں والدین اتنی بے باکی اور آزادی جائز رکھتے ہوں۔ چند والدین ایسے ہیں جو اپنی حماقت سے لڑکیوں کو بالکل ہی شتر بے مہار آزاد چھوڑ دیتے ہیں وہ اپنے انتخاب سے شادیاں کرلیتی ہیں تو وہ بھی شادیوں کے بعد پشیمان ہوتی ہیں۔ یا سوسائٹی میں ان کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ غرض ہماری سوسائٹی کچھ ایسی مخلوط ہے کہ ایک خاندان کا دوسرے خاندان سے پیوند ملنا سخت دشوار ہو رہا ہے۔

شادی کی راہ میں ایک اور دشواری پیش آ رہی ہے خصوصاً متوسط اور متوسط ادنیٰ طبقہ کو وہ یہ ہے کہ لڑکیاں تعلیم پاکر نوکریاں کرنے لگی ہیں۔ ایک بی اے پاس لڑکی کو آسانی سے سو ڈیڑھ سو کی ملازمت مل جاتی ہے۔ کیونکہ ان کی مانگ زیادہ ہے اور ابھی تک تعداد کم۔ ایک بی اے پاس لڑکے کو بھی بدقت اسی سو کی نوکری مل جاتی ہو لیکن اکثر اوقات اس سے بہت کم کی نوکری ملتی ہے۔ اب لڑکی یہ کیوں پسند کرے گی کہ ڈیڑھ سو چھوڑ کر اپنے سے کم آمدنی والے شخص کے گھر جاکر اپنی آزادی۔ اپنی خود مختاری اپنا آرام قربان کر کے متاہلانہ زندگی کی قید کا بوجھ اپنے سر پر اٹھائے کیونکہ بعض مردوں کی غیرت اس بات کو قبول نہیں کرتی کہ میاں کے ہوتے بیوی نوکری کرتی پھرے۔ لیکن خدا کے فضل سے ایسے بے غیرتوں کی بھی کمی نہیں جو ایسی بیویوں کے متلاشی رہتے ہیں کہ بیوی تعلیم یافتہ اور نوکر پیشہ ہو تو شادی کریں۔

مختصر یہ کہ ہماری سوسائٹی میں نئی تہذیب کی وجہ سے ایسے تمام نقائص پیدا ہو گئے ہیں اور یہ جب ہی دور ہوں گے جب کہ سوسائٹی اس انقلابی زمانہ سے نکل کر ایک مستقل رنگ اختیار کرے گی۔ جب تک یہ نہیں ہوگا اس وقت تک ہماری معاشرت کی ایسی ہی غیر تشفی بخش حالت رہے گی۔

شائستہ اختر سہروردی

پکار

صبح کا سہانا وقت تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں پھول کھل کھل کر اپنی بہار دکھارہے تھے پتہ پتہ وجد کر رہا تھا۔ ڈالی ڈالی جھوم رہی تھی غرض جدھر نگاہ جاتی تھی عجب پُرلطف منظر تھا۔ میں اس شخص کے ہمراہ سیر کر رہا تھا جس کا بچہ حال ہی میں فوت ہوگیا تھا۔ ہم لوگ باغ کی اس سڑک سے گزر رہے تھے جہاں چھوٹے چھوٹے بچے کھیل میں مشغول تھے۔ یک بیک ابا ابا کی ایک صاف آواز سنائی دی۔ میرا ہمراہی اپنے بچے کی سی آواز سنکر فوراً مڑا اور خوش ہوا۔۔۔ لیکن۔ اپنے بچے کو نہ پاکر ایک ٹھنڈی سانس بھری اور پھر چلنا شروع کیا۔ میرے قیاس میں آیا کہ جس طرح باپ اپنے گمشدہ بچے کی آواز کا متمنی رہتا ہے اسی طرح خدا بھی اپنے بندوں کی دعاؤں کا انتظار کرتا رہتا ہے۔

ترجمہ۔ اے۔ زیڈ منظر حسن

بہار و خزاں

دریں حدیقہ بہار و خزاں ہم آغوش است
زمانہ جام بدست و جنازہ بر دوش است

پہلا رُخ

(ایک خاتون نوعروسی کی خوشی میں)

اے گلِ نوبہار جھوم!

اے گلِ نوبہار جھوم! اے گلِ نوبہار جھوم!
مہکی ہوئی ہیں وادیاں، لہکا ہے سبزہ زار جھوم!
ہنستی ہے کائنات جھوم، مست ہو کوہسار جھوم!
گاتے ہیں آبشار جھوم!
اے گلِ نوبہار جھوم!

پھول بکھیرتی ہوئی آئی ہوا بہار کی!
گلشن و سبزہ زار پر چھائی گھٹا بہار کی!
نغمے سے قاصدِ بہار دیکھ فضا بہار کی!
او رسر شاخسار جھوم!
اے گلِ نوبہار جھوم!

کس کی نظر نے بخشدیں عشق کی راحتیں مجھے
مل گئیں دو جہان کی پاک مسرتیں مجھے
عیش و نشاط کی خبر دیتی ہیں جنتیں مجھے
کہتی ہیں بار بار جھوم!
اے گلِ نوبہار جھوم!

میں ہی نہیں ہوں شادماں میرا خدا بھی شاد ہے
جوشِ بہار پر ہے آج جو بھی مری مراد ہے
لب پہ کسی کا نام ہے، دل میں کسی کی یاد ہے
آ کروں تجھ کو پیار جھوم!
اے گلِ نوبہار جھوم!

دوسرا رُخ

(ایک خاتون شوہر کی بیوفائی کے رنج میں)

اے دلِ بیقرار، رو

اے دلِ بیقرار رو! اے دلِ بیقرار رو!
کوئی نہیں جہان میں درد کا غمگسار رو!
مجھکو بھی رات دن رُلا آپ بھی بار بار رو!
رو یونہی زار زار رو.
اے دلِ بیقرار رو!

رو کہ میں بیقرار ہوں، فصلِ قرار لُٹ گئی.
ہو چکی خوابِ امیدِ دل، حسرتِ زار لُٹ گئی!
میری خوشی اُجڑ گئی، میری بہار لُٹ گئی!
چھن گیا میرا پیار رو!
اے دلِ بیقرار رو!

کس کی نگاہِ ناز نے اپنا بنا لیا اُسے؟
مکر و فریبِ عشق سے آہ لبھا لیا اُسے
گیسوئے خم بہ خم میں ہائے کس نے پھنسا لیا اُسے؟
روتی ہے چشمِ زار، رو!
اے دلِ بیقرار، رو!

کرتی ہوں جسکو یاد میں اُس نے بھلا دیا مجھے
خواب و خیال کی طرح دل سے مٹا دیا مجھے
میں تھی امید کا چراغ اُس نے بجھا دیا مجھے
رو، مرے سوگوار رو.
اے دلِ بیقرار، رو!

اختر شیرانی

خوبصورتی اور تندرستی

تانتے کا خط بھتیجی کے نام

از پروفیسر ستار خیری ام اے

پیاری بھتیجی سلمہا۔

جیتی رہو اللہ تم کو اپنے گھر میں خوش رکھے۔ تمہارا خط پہنچا حال معلوم ہوا۔ یہ معلوم کر کے بہت خوشی ہوئی کہ تمہارے میاں اب ہمیشہ کھانا گھر ہی میں کھاتے ہیں۔ اور اکثر تمہارے پکائے ہوئے کھانے کی تعریف کرتے رہتے ہیں۔ بیٹی یاد رکھو کہ مرد کے دل کا راستہ اُس کے مُنہ سے ہو کر جاتا ہے۔ اور میٹھی کھانے میں فقط مزا ہی نہیں دیکھا جاتا کھانا چاہے کیسا ہی مزیدار سے مزیدار کیوں نہ ہو اگر ہمیشہ وہی کھانے کو ملے تو طبیعت اُکتا جاتی ہے۔ اور آدمی وہی ایک طرح کا کھانا کھاتے کھاتے چڑچڑا ہو جاتا ہے۔ بات بات پر جھنجھلانے لگتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ کسی ایک کھانے میں ہر قسم کی وٹامین موجود نہیں ہوتی۔ اور وٹامین ہر قسم کی جسم کو چاہیئے۔ اس لئے مختلف قسم کے کھانے چاہئیں۔ اس کے متعلق میں تم کو پہلے جب تم دلی آئی تھیں تو بہت کچھ اصول تو بتا ہی چکی ہوں۔ آئندہ پھر مفصل چند باتیں بتاؤں گی۔ بڑا ہی اچھا ہو اگر تم تین چار دن کے لئے کبھی میرے پاس آ جاؤ تو میں تم کو بہت سے وٹامین بھرے کھانے پکانے سکھا دوں۔ اس خط میں میں کھانوں کے متعلق اور کچھ لکھنا نہیں چاہتی بلکہ ایک اور معاملے کے متعلق جس کی وجہ سے تم نے بڑی پریشانی ظاہر کی ہے تم کو بعض بنیادی باتیں بتانا چاہتی ہوں۔

تم نے لکھا ہے کہ ایک دن کہیں باتوں باتوں میں تمہارے میاں کی زبان سے مذاق مذاق میں تمہاری نسبت موٹی بھینس کا لفظ نکل گیا جس کا تم کو بہت رنج ہوا۔ تمہارا خیال ہے کہ اس وقت اُنہوں نے گو مذاق ہی میں کہا مگر اکثر مذاق ہی میں دل کی بات مُنہ سے نکل جاتی ہے۔ یہ تمہارا کہنا بہت درست ہے۔ گو بیٹی تم کو موٹی بھینس کہنا غلط ہے۔ تم کو کوئی بھی موٹا نہیں کہے گا۔ مگر یہ بالکل ٹھیک ہے کہ تمہارے بدن میں وہ بات نہیں رہی جو بیاہ سے پہلے تھی اور اگر تم نے احتیاط نہ کی اور اس کی رکاوٹ کا کچھ انتظام نہیں کیا تو بے شک پانچ چھ مہینے میں ہر ایک شخص تم کو موٹی بھینس کہنے لگے گا۔

بیٹی اپنی خوبصورتی کو قائم رکھنا عورت کے بڑے فرضوں میں سے ہے اور موٹاپا خوبصورتی کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ گھر مرد کا ہوتا ہے مگر گھر میں حکم عورت ہی کا چلنا چاہیے اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے جب بیوی اپنے میاں کے دل کی پوری طرح مالک ہو۔ آج کل زمانہ بدل رہا ہے تم کو نئے زمانہ سے پوری طرح واقف ہونا چاہئے۔ وہ دن اگر گئے نہیں تو جا رہے ہیں۔ جب ماں باپ نے دیکھ بھال کر شادی کر دی اور دونوں نے باوجود ہر بات کے جس طرح سے بھی ہو سکا نبھا دیا۔ سوائے چند باتوں کے نہ مرد کے بیوی سے کچھ مطالبات تھے اور نہ بیوی کے میاں سے۔ اب سب جانتے ہیں کہ دونوں طرف سے کیا کیا شرطیں کی جاتی ہیں۔ مجھ کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ بچہ پیدا ہی

اُٹھتا جا رہا ہے۔ سڑکوں پر بازاروں میں باغوں میں دوستوں کے گھروں میں بیبیاں بناؤ سنگھار کرکے کس کس ادا سے مٹکتی اور پھرتی ہیں اور مہمان داری کرتی ہیں۔ اس حالت میں میاں کے دل پر بیوی کے لئے قابو رکھنا بڑا مشکل ہے۔ مردوں کے دل بھی آجکل بہت کمزور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ کھونے کے لئے ہر وقت ہاتھ میں لئے بیٹھے رہتے ہیں۔ بلکہ ہاتھ میں لئے پھرتے ہیں۔ اپنے آپ کو اپنے میاں کی نظروں میں پسندیدہ بنانا ہر بیوی کا فرض ہے۔ اسلام اسکے ہرگز خلاف نہیں۔ جہاں اسلام نے مرد کے لئے ریشم اور سونا حرام قرار دیا ہے وہاں عورت کے لئے جائز رکھا ہے۔ کیونکہ ریشمی کپڑے اور سونے کے گہنے عورت کو زیادہ دلکش بنا دیتے ہیں۔ اور بیٹی کسی عورت کو صرف اس وجہ سے کہ اس کا رنگ اُجلا نہیں یا صراحی دار گردن اللہ نے اس کی نہیں بنائی یا آنکھ ناک کان خاص طرح کے نہیں۔ بیٹی اللہ نے کچھ ایسا نظام بنایا ہے کہ ہر ایک خوبصورت کہلایا جا سکتا ہے۔ سب سے پہلے تو خوبصورتی کے لئے تندرستی ضروری ہے اور تندرستی قائم رکھنے اور حاصل کرنے کے قاعدوں پر جو عمل کرے وہ اللہ نے چاہا تو تندرست رہ سکتا ہے۔ پھر جسم کی خوبصورتی ادا پر بھی بہت منحصر ہے اور پسندیدہ اور دلکش ادا ہر ایک سیکھ سکتا ہے۔ اور پھر حُسن اخلاق یعنی اچھے اخلاق میں جو خوبصورتی ہوتی ہے وہ جسم کی خوبصورتی میں ہر قسم کی کمی کو پورا کر دیتی ہے۔ اور حُسن اخلاق حاصل کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا بیٹی کسی کو اگر اس کے جسم کی خوبصورتی میں کچھ کمی ہو تو مایوس نہ ہونا چاہیئے۔

ہاں تو میں کہاں سے کہاں چلی گئی تم بھی کہو گی کہ گوتا نتے چچا کی ہمیشہ شکایت کرتی ہیں کہ ان سے کوئی ذرا سی بات پوچھی اور اُنہوں نے لکچر دینا شروع کر دیا اور اب تانتے نے خود ہی ایک لمبا چوڑا مضمون لکھنا شروع کر دیا۔ ہاں تو بیٹی موٹاپے کا تم کو فوراً علاج کرنا چاہیئے موٹاپا خوبصورتی کا جانی دشمن ہے اور جوانی کا بھی۔ موٹاپا آدمی کو زیادہ عمر کا بنا دیتا ہے۔

بیٹی اتنی نیصدی کھانے میں احتیاط نہ کرنے سے آدمی موٹا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ گو بعض آدمی قدرتی دُبلے ہوتے ہیں وہ چاہے جو کچھ کھائیں اور چاہے جتنا کھائیں دُبلے ہی رہتے ہیں۔ اسی طرح بعض لوگوں میں موٹاپن کی بیماری ہوتی ہے۔ ان کو ڈاکٹر کا علاج کرانا چاہیئے۔ بیماری کے موٹاپے کو چھوڑ کر بیٹی موٹا ہونا نہایت مذموم اور ذلیل بات ہے کیونکہ اس کے یہ معنی ہوئے کہ اس شخص کو بالکل اپنے نفس پر قدرت نہیں ضرورت سے زیادہ کھاتا ہے اور چٹورا ہے ور اس کو زبان کا چٹخارا ہے سان میں سے کوئی بات بھی قابل تعریف نہیں۔ لہٰذا یہ سب باتیں چھوڑ دینی چاہیئے۔ مٹھاس کھانا بہت ہی کم کر دینا چاہیئے۔ مکھن اور گھی کی مقدار بھی گھٹانا چاہیئے۔ چکنا گوشت بھی چھوڑ دینا چاہیئے۔ چلنا پھرنا زیادہ چاہیئے۔ محنت مشقت کرنی چاہیئے۔ حرکت میں برکت ہے۔ کچھ ریاضت جسم یعنی کسرت بھی کرنی چاہیئے۔ تاکہ جسم کے پٹھوں میں مضبوطی آوے۔ مثلاً (۱) سیدھے کھڑے ہو کر پاؤں جوڑ کر دونوں ہاتھ سر کے اُوپر سیدھے کرکے اس طرح آگے کو جھکنا چاہیئے کہ ہاتھوں کی انگلیاں دونوں پاؤں کی انگلیوں کو چھو لیں اور سر کو بھی ساتھ ساتھ جھکانا چاہیئے۔ پھر آہستہ آہستہ سیدھا کھڑا ہو جانا چاہیئے۔ جھکتے وقت سانس باہر کو نکالنا چاہیئے۔ اور اُٹھتے وقت اندر کو لینا چاہیئے۔ شروع شروع میں آٹھ دس دفعہ اس طرح کرے (۲) سیدھا چت لیٹ جانا چاہیئے۔ ہاتھوں کو بھی سیدھا کرنا چاہیئے۔ سر کے اُوپر اور پھر آہستہ آہستہ اُٹھنا چاہیئے اور پاؤں کی طرف جھکنا چاہیئے اس طرح کہ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں دونوں پاؤں کی انگلیوں کو چھو لیں۔ دھڑ کا نیچے کا حصہ کمر سے لے کر ایڑی تک برابر زمین سے لگا رہنا چاہیئے پھر آہستہ آہستہ چت لیٹ جانا چاہیئے۔ اُٹھتے ہوئے سانس بھرنا چاہیئے اور پھر چت لیٹتے ہوئے نکالنا چاہیئے۔ (۳) پہلے کی

طرح چت لیٹ جانا چاہیئے اور آہستہ آہستہ دونوں ٹانگوں کو اٹھانا چاہیئے کہ بالکل سیدھی ہو جائیں کہ سیدھے آسمان کی طرف ہوں اور پھر پہلے کی طرح نیچے لے جانا چاہیئے۔ ٹانگیں اٹھاتے وقت سانس بھرنا چاہیئے اور پھر زمین کی طرف لے جاتے وقت نکالنا چاہیئے (۴) نمبر تین کی طرح بجائے دونوں ٹانگوں سے ایک دم الگ الگ ہر ایک ٹانگ سے یہی مشق کرنی چاہیئے (۵) معمولی چکنے بیلن سے پیٹ اور پہلوؤں، رانوں کو اور جہاں موٹاپے کا زیادہ اثر ہو وہاں یا خود یا کسی کی مدد سے خوب بیلنا چاہیئے۔

جیسا بتایا ہے اگر تم دیا کھانے کا پرہیز کرو گی اور یہ چند ریاضتیں کرو گی تو پندرہ ہی دن کے اندر اندر نتیجہ دیکھ لو گی وزن کم ہونا شروع ہو جائے گا۔ ملائم لٹکے ہوئے گوشت میں تنائین آ جائے گا۔ تمام جسم میں لچک پیدا ہونی شروع ہو جائے گی نشاط محسوس ہونے لگے گا اور یہ کہنا فضول ہے کہ خوبصورتی اور حسن دوبالا اور صحت اچھی ہو جائے گی۔ اگر ورزش کے بعد نہا لیا کرو تو بہت مفید ہے اور بھی بہت سی ورزشیں ہیں مگر فی الحال یہ کافی ہیں۔ سیکڑوں بلکہ ہزاروں اور لاکھوں کی آزمائی ہوئی ہیں۔ ابھی سال میں میرے ایک جان پہچان کا وزن پندرہ سیر گھٹ گیا ہے۔ بدن سڈول ہو گیا ہے۔ رانوں اور بازوؤں کا گوشت جو بیحد نرم ہو کر لٹکنے لگا تھا وہ پھر ٹھیک ہو گیا ہے۔ دیکھنے والے کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ عمر دس سال جوانی کی طرف گھٹ گئی ہے۔ چہرے پر رونق آ گئی ہے۔ نسخہ آسان ہے اور اس کا آسان ہونا ہی اسے مشکل بنائے دیتا ہے۔

سب سے بڑی بات نفس پر قابو پانا ہے۔ بڑے موذی کو مار نفس امارہ کو گر مارا" اس علاج سے فقط جسم کی تندرستی اور خوبصورتی ہی نہیں بڑھتی بلکہ روحانیت بھی بہت بڑھ جاتی ہے اخلاق بھی اچھے ہونے لگتے ہیں۔

تو بیٹی اگر تم یہ نہیں چاہتیں کہ تمہارے میاں تم کو موٹا بھینس کہیں یا وہ کسی طرف متوجہ ہوں تو ہمت کر کے مستقل ارادہ کر لو اور میرے بتائے ہوئے نسخے پر فوراً عمل کرنا شروع کر دو۔ جب تم میرے پاس آئیں یا جب میں دلی آئی تو تم کو اور بہت سی باتیں خوبصورتی بڑھانے اور تندرستی حاصل کرنے اور قائم رکھنے کے بارے میں بتاؤں گی۔ اگر کوئی خاص بات ہو تو خط میں لکھ کر پوچھ لینا اگر جانتی ہوں گی تو فوراً لکھوں گی۔ اپنے میاں کو دعا کہنا اور اگر اپنی اماں سے ملو تو بہت بہت سلام کہنا۔　　تمہاری چاہنے والی "نانی"

مذہبی تعلیم سے لاپرواہی

اب نئی روشنی نئے خیالات اور فیشن کا زمانہ ہے۔ جس کا رجحان مذہب کی طرف ہو نماز قرآن کا پابند ہو وہ پرانے خیالات کا انسان اور جاہل ہے۔ ایسا انسان فیشن ایبل نہیں۔ اس کی ترقی کا راستہ بند ہے۔ مذہب کا پابند انسان متعصب ہے۔ اور اب متعصب کا اوروں کے ساتھ رہنا ٹھیک نہیں۔ یہیں آجکل کے خیالات۔ بہت افسوس ہے کہ مسلمانوں کے بچے اپنی مذہبی تعلیم سے کورے رکھے جاتے ہیں۔ اور یہ نونہال پودے جنہیں شروع ہی سے ٹھیک راستہ نہیں بتایا جاتا اور نہ دینی تعلیم دی جاتی ہے بڑے ہوکر بھٹکتے پھرتے ہیں۔

امیر اور اپٹوڈیٹ ماں باپ کا پیارا بچہ تو ہوش سنبھالتے ہی انگریزی اور مشن اسکولوں میں جاتا ہے بائبل پڑھتا ہے اور غلط باتیں دماغ میں پڑتی ہیں۔ مگر پرواہ کسے۔ گھر پر بچوں کی مذہبی تعلیم باقاعدہ اور مکمل طور پر ہونی چاہیئے۔ مگر والدین سوچتے ہیں کہ بچے پر انگریزی پڑھائی کا بہت بوجھ ہے۔ بچہ کمزور ہے بڑا ہوگا تو دیکھا جائیگا۔ مگر یہ نہ سوچا کہ بچہ ہے۔ ہر طرف نرم پودے کی طرح جھکا سکتے ہیں۔ بڑا ہوگا تو تعلیم اور کام بھی بڑھ جائیں گے۔ پھر اس کی مرضی ہوگی کہ اس طرف دھیان دے یا نہ دے کوئی مشکل بات نہیں اگر والدین روزانہ بچوں کو تھوڑی دیر کے لئے مذہبی تعلیم دینا فرض سمجھ لیں۔

بعض والدین اپنے بچوں کو اسلامیہ اسکولوں میں داخل کرکے مطمئن ہو جاتے ہیں کہ ان کے بچوں کو مکمل مذہبی تعلیم مل جائے گی۔ مگر خود کبھی اسکولوں میں جاکر دیکھتے نہیں کہ کیا ہو رہا ہے۔ عام طور پر اسلامی اسکولوں میں پچیس تیس منٹ دینیات کے لئے مقرر ہیں۔ ان میں سے پانچ دس منٹ لڑکیاں جماعت میں آنے اور بیٹھنے میں ضائع کر دیتے ہیں۔ چالیس یا پچاس لڑکیوں کی جماعت اُستانی جی کے کہنے سے سپارہ کھولا۔ اگلی لائنوں کی لڑکیاں تو کچھ پڑھ بھی لیتی ہیں۔ لیکن پچھلی لڑکیاں باتیں کرتی رہتی ہیں۔ اُستانی جی سر جھکائے بیٹھی رہتی ہیں اور ان کا ڈر بھی کسے؟ کیونکہ انگریزی حساب کی مس صاحبہ کی طرح بارعب تو ہیں نہیں اور نہ یہ مضمون دیگر مضمونوں کی طرح لازمی ہے۔ اُستانی جی نے کچھ کہا او گھڑکی دی تو لڑکیوں نے آگے سے دانت نکال اِدھر اُدھر کے بہانے تراش دئے۔ اس طرح دینیات کا وقت گذر گیا۔ اب اسلامیہ کالج کو لیجئے وہاں ہر روز پڑھائی شروع ہونے سے پہلے قرآن شریف کی تلاوت کرائی جاتی ہے۔ مگر چند باتیں دیکھ کر بہت صدمہ ہوا سپڑھنا اور قرآن مجید پرحل تو الگ رہا کلام اللہ کے ادب کا کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا۔ تلاوتِ قرآن شریف کیلئے سارے کالج کی لڑکیاں آگے پیچھے دو صفوں میں بیٹھتی ہیں۔ اگلی لائن والی لڑکیاں اپنے پیچھے والیوں کی طرف جن کے ہاتھ میں بھی قرآن ہوتے ہیں۔ برابر بیٹھے ہوئے بیٹھی رہتی ہیں اور اُستانی صاحبہ کو بھی ان باتوں کا کوئی خیال نہیں ہوتا۔ آیت پڑھ کر قرآن شریف کے معنے کئے جاتی ہیں۔ یہ بھی دیکھا جائے کہ کتنی لڑکیوں کو رواں پڑھنا آتا ہے۔ تلاوتِ قرآن مجید کے لئے بجائے اس کے کہ کمرے میں لڑکیاں میز کرسیوں پر ایک دوسری کی طرف پیٹھ کرکے بیٹھیں یہ بہتر ہے کہ باہر گراؤنڈ میں دری بچھاکر دائرہ بناکر بٹھائی جائیں ہر ایک لڑکی رحل پر رکھکر پڑھے۔ لڑکیوں کو پوری طرح قرآن شریف اور مذہب سے آگاہ کرنیکا طریقہ یہ ہے کہ کالج میں ایک مولوی مقرر کیا جائے جو پس پردہ روزانہ سارے کالج کی لڑکیوں کو قرآن شریف کے معنی بتائے اور درس دے۔ جو کچھ ایک لائق عالم مولوی بتا سکتا ہے معمولی عربی پڑھی ہوئی دو تین اُستانیاں نہیں بتا سکتیں۔

رشیدہ اے عزیز۔ بی اے۔

بیگم صاحب

سلطانہ میری عزیز سہیلی کئی سال بعد مجھ سے ملی تو اس نے اپنا حال اس طرح سُنایا:-

"میں اپنی چار دیواری میں بیگم صاحب کہلاتی ہوں۔ گھر کی ماما نوکر سقہ دھوبن سب بیگم صاحب کہتے ہیں۔

اور وہ — وہ بھی بیگم صاحب کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔ اب میں بتاؤں کہ میرے ذمہ کیا کیا کام ہیں اور میری حیثیت کیا ہے۔

میرا سب سے اہم کام بچوں کی پرورش اور ان کی خدمت گذاری ہے۔ اگر ننھی کے کان میں درد ہے یا بڑے ننھے کی آنکھیں دکھ رہی ہیں تو ساری ساری رات آنکھوں میں کٹ جاتی ہے۔ بچہ کو اگر کچھ بے چینی ہے تو پہلو بدل بدل کر اس کو بہلاتی ہوں کہ کسی طرح چُپکا ہو جائے جو کہیں اُن کی آنکھ کھُل گئی تو ساری بیگم صاحبی رکھی رہ جائے گی۔

پرسوں رات کو مجھے اختلاج قلب کا زبردست دورہ اٹھا سارے جسم کی رگیں کھنچی جاتی تھیں ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے اور پسینے میں بھیگ گئی۔ وہ مطالعہ میں مصروف تھے اور میں چُپ دم سادھے پڑی تھی اللہ اللہ کر کے آدھی رات گئے آنکھ لگی مشکل سے دس منٹ سوئی تھی کہ میں نے کوئی دہشت ناک خواب دیکھا۔ ڈر کر میں اچھل پڑی اور ایک چیخ بھی نکل گئی۔ میری چیخ سے انکی آنکھ کھل گئی سہتے دیکھا ان کی تیوری پر بل آ گیا لاحول ولا قوۃ کہہ کر وہ اُٹھ بیٹھے اور ایک سانس میں لاکھوں نصیحتیاں کر ڈالیں۔ صبح ہو چکی تھی ماما نے آواز دی "بیگم صاحب"۔

میں گھبرا کر اٹھی دیکھا تو دن خاصا چڑھ گیا تھا۔

"کیا بات ہے بڑی بی سرکار کی چائے تو ابھی نہیں گئی ہوگی"

"جی نہیں بیگم صاحب چائے میں دیر ہو گئی سرکار نے چائے کے برتن اٹھا کر پھینک دئے اور خود کہیں باہر چلے گئے۔

میرے ہاتھ پاؤں بے جان سے ہو گئے باہر آ کر دیکھا تمام برتن ٹوٹے پڑے تھے میں ندامت سے رونے لگی۔

مجھے آج تک معلوم نہیں ان کی تنخواہ کتنی ہے سنتی ہوں پانچ چھ سو کے افسری گریڈ میں ہیں۔

مجھے ہر مہینے پہلی تاریخ کو پچاس روپے مل جاتے ہیں۔ میں میرے بچے ماما نوکر غرض تمام اخراجات اس رقم میں پورے کرنے پڑتے ہیں۔ ان کی تنخواہ سے مجھے کوئی واسطہ اور ان کی جمع جتھا سے میرا کوئی تعلق نہیں ان کا روپیہ عزیز اقربا میں بٹ جاتا یا دوست احباب میں خرچ ہو جاتا ہے مجھے نہیں معلوم۔

مجھے تو اُن پچاس روپوں سے واسطہ ہے جو ہر مہینے کی پہلی کو ہاتھ اٹھا کر دیدے جاتے ہیں۔ پچھلے اتوار کو آپا نسیمہ نے کہا "بوا مبارک ہو بڑی خوشی ہوئی تمہارے میاں کی پچاس روپے ترقی ہوگئی"۔

میں ہکا بکا اُن کا منہ تکنے لگی لیکن فوراً ہی سنبھل کر بولی "ہاں آپا آپ لوگوں کی دعا اور اللہ پاک کی مہربانی ہے ورنہ میرا منہ تو اس قابل نہ تھا"۔ تف ہے ایسی بیگم صاحبی پر جس کی حقیقت ایک آنا اور جس کی حیثیت دو کوڑی کے خدمتگذار سے زیادہ نہ ہو"

سلطانہ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے۔ اس نے میری طرف دیکھا تو میں بھی آبدیدہ تھی۔

روس کی کام کرنے والی عورتیں

اشتراکی روس میں لاتعداد عورتیں ہر شعبہ زندگی میں موزوں اور مفید کاموں میں مصروف ہیں۔ ہر دو پنج سالہ معاشی نظام العمل (۱۹۲۸ - ۱۹۲۷ء) میں اُن عورتوں کی تعداد جو روس میں مفید کاموں میں مصروف تھیں ۳۰ لاکھ سے ۹۰ لاکھ تک پہنچ گئی۔ تیسرے پنجسالہ معاش نظام العمل کے اختتام تک ان عورتوں کی تعداد جو قومی اہمیت کے کاموں میں مصروف ہیں دو کروڑ تک پہنچ جائے گی۔ عورتوں کے کاموں کی نوعیت بھی ان دنوں بدل گئی ہے۔

۱۸۹۷ء کے اعداد و شمار کے مطابق روس میں دو میں سے ایک عورت خانگی ملازمہ تھی۔ باقی عورتیں مزرعہ جات یا بڑی زمینداریوں میں کام کرتی تھیں اور ایک قلیل جماعت کارخانوں شفاخانوں اور تعلیمی اداروں میں کارکن تھیں۔

بیالیس سال بعد کی روسی مزدور عورتوں کا مقابلہ ان اعداد و شمار سے کیجئے:۔

۱۹۳۹ء میں جمہوریہ روس کی تقریباً ۴۰ فیصدی مزدور عورتیں بڑے کارخانوں اور بڑی صنعت گاہوں میں کام کرتی تھیں ۱۵ فیصد عورتیں دوکانوں اسٹوروں اور باربرداری کے مقامات اور ہوٹلوں میں ملازم تھیں۔ ۲۰ فیصدی ڈاکٹر اور معلم تھیں۔ اور صرف دو فی صد گھریلو ملازمہ تھیں۔ باقی ماندہ ۲۲ فیصدی علم و فن اور صنعت کی دوسری شاخوں میں کام کرتی تھیں۔

سوویٹ یونین میں بڑے بڑے صنعتی کارخانے موجود ہیں جیسے کہ لینن گراڈ کا Sokorohod جوتوں کا کارخانہ Shoe Factory۔ یہاں پر دو ثلث سے زیادہ کام کرنے والی عورتیں ہیں۔ روسی عورتوں کی مدد کیلئے حکومت نے مختلف نرسریاں اور بالک باغ kindergarten. قائم کر رکھے ہیں جہاں پر کام کرنے والی مائیں اپنے بچوں کو حفاظت کے ساتھ کام کے اوقات میں چھوڑ سکتی ہیں۔ پانچ سال قبل اس طریقے پر نرسریوں اور بالک باغی تعلیم گاہوں نے ۱۸ لاکھ بچوں کی نگرانی کی تیسرے پنج سالہ معاش نظام العمل کے دوران میں یہ توقع کی جاتی ہے کہ یہ تعداد دوگنی ہو جائے گی اور ۵۰ لاکھ بچوں کی حفاظت اور نگہداشت ان پبلک اداروں اور تعلیم گاہوں میں ہوسکے گی اور اتنی ہی تعداد میں مائیں اپنے گھر کے تفکرات سے آزاد ہو سکیں گی تاکہ حکومت کے صنعتی کارخانوں اور دیگر امور میں آزادی سے حصہ لے سکیں۔ اس کے علاوہ فصل کے کاٹنے کے زمانہ میں اجتماعی مزرعہ جات اپنی وقتی یا موسمی نرسریاں ہر سال قائم کر لیتی ہیں جس میں تقریباً ۶۰ لاکھ بچوں کی حفاظت کی جاتی ہے اور اُس وقت ان کی مائیں کھیتوں میں کام کرتی ہیں۔ روسی عورتوں کے لئے ایک سب سے بڑی سہولت جو حکومت نے مہیا کر دی ہے وہ یہ ہے کہ اُن کو پبلک دارالطعام کے ذریعہ پکا پکایا کھانا تیار مل جاتا ہے۔ ۱۹۳۹ء میں اشتراکی رُوس کے بڑے بڑے شہروں میں پچاس ہزار دارالطعام تھے اور ان بھوجن گھروں کی سال کی مجموعی آمدنی ۱۲ ہزار پانسو تین روبل ہوئی۔

مرد کی طرح عورت کے کام کرنے کا دن ۷ گھنٹے کا ہے۔ بعض کارخانوں میں روسی عورتیں اور مرد صرف ۶ گھنٹے ہی کام کرتے ہیں۔ مگر مساوی کام کے لئے مساوی اُجرت کے اُصول پر بہت سختی سے عمل کیا جاتا ہے چاہے مرد ہو یا عورت۔

عورتوں کی جسمانی کمزوری کے قانون میں لحاظ رکھا گیا ہے۔ اور جو کام عورت کی طاقت سے باہر ہو وہ اس سے نہیں لیا جاتا اور ایسے کارخانے جو صحت کے لئے مضر ہوں اُن میں عورتوں سے کام لینے کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ وہ مائیں جن کے بچوں کی عمر یں ۷ ماہ سے کم ہوں اُن کو رات کے کام سے روک دیا گیا ہے۔

روسی مزدور عورت کی زندگی میں کہیں اتنی زبردست اور متحیر کن تبدیلی نہیں ہوئی جتنی کہ میدان مزارعت میں۔ اِن چند ملین عورتوں میں سے جو اجتماعی مزرعہ جات اور دیگر ملکیت کے کاموں میں مصروف ہیں کیا اُن کی نسبت یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ گونگے کھلونے ہیں جیسے کہ گورکی نے زار کی حکومت کے زمانہ میں ستم رسیدہ اور آفت زدہ مظلوم عورتوں کی نسبت کہا تھا۔

کاشتکار عورتوں کو بے تمیز زندگی مل گئی ہے۔ انقلاب کے پہلے عورتیں طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک کھیتوں میں پسینہ ٹپکاتی رہتی تھیں اور حیرت ہے کہ اِن میں سے کسی کو یہ معلوم ہونے پاتا تھا کہ اُنہوں نے کتنا کمایا۔ آج یہ سب کچھ بدل گیا ہے۔ زراعتی عورتوں کی تعداد بھی بہت بڑھ گئی ہے۔ ۱۹۳۶ء کے اعداد و شمار یہ بتلاتے ہیں کہ اجتماعی فارم پر کام کرنے والی عورتیں ۵۰ فیصد کام تن تنہا کرتی ہیں۔ انقلاب سے قبل عورتوں سے دراِنتی اور ہنسیے کے علاوہ دوسری بڑے کام نہیں لیا جا سکتا تھا ورنہ ان میں یہ صلاحیت تھی۔ آج فارم پر کام کرنے والی عورتیں خود ٹریکٹر اور ہر قسم کی بڑی زراعتی مشینیں چلاتی ہیں اور اُن کی کارکردگی تقریباً مردوں کے برابر ہے۔ سوویٹ یونین کے ۱۵ لاکھ ٹریکٹر چلانے والوں میں بہت زیادہ عورتیں ہیں۔

علم و فن اور صنعت میں عورتوں نے مردوں کے برابر بلکہ ان سے زیادہ ہی ترقی کی ہے۔ دُنیا کے تمام ممالک میں مجموعی طریقہ پر انجینیری اور اُس کے متعلقہ پیشوں میں دس ہزار عورتوں سے زیادہ نہیں۔ مگر سوویٹ یونین کو اس بات کا فخر ہے کہ اس کی دو لاکھ عورتیں انجینیرنگ، دوسری پیشہ ورانہ مہارت کے کاموں میں صنعت اور اُس کے متعلقہ شعبوں میں کام انجام دیتی ہیں۔ سائنس کے میدان میں بھی لیجئے۔ مطالعہ کرنے والی عورتوں کی تعداد جو زار روس کے زمانہ میں دو ہزار تھی اب ایک لاکھ تک پہنچ گئی ہے۔ اس کے سوا ایسی عورتیں بھی ہیں جو ماہر کیمیا ہیں ہوا باز ہیں اور عالمانہ کام بھی انجام دیتی ہیں۔ کھیل اور جسمانی ورزشوں میں سوویٹ عورت اتنی ہی دلچسپی لیتی ہے جتنی کہ اور ملکوں کی عورت۔ سوویٹ یونین میں دس ہزار عورتیں ریڈ آرمی کی خدمت کرتی ہیں جو سرحد پر ان الفاظ کے "ہم محنت اور مدافعت کیلئے تیار ہیں" اور دیکھو یہ عورتیں نہایت فخر کے ساتھ دوش بدوش لگاتی ہیں جو قادر اندازی کی علامت ہے۔

رفعت مسعود صدیقی

قطعات

(۱)

جب وطن کو چھوڑ کر پردیس کو جاتی ہوں میں
روح کو صرف تپش آشنا دیکھتی ہوں ہمیشہ
ساجدہ! وہ غالباً حسن ازل کی یاد میں
ہر قدم پر جان دیتی ہے وطن کے نام پر

ساجدہ بنت دانش

(۲)

گو قفس کی تیلیوں پر تھی چمک با آب و رنگ
طوطی شیریں ادا تھا مضمحل اور سرنگوں
یہ چمک اے کاش ملتی روح کی تقدیر کو
خواہ من اجسم کے پنجرے کی آرائش زبوں

کُنجی

کنجی ہوتی تو عموماً چھوٹی سی چیز ہے مگر ذرا اس کی قُدرت پر غور کرو یہ لاکھوں روپیہ کے جواہرات کی حفاظت کرتی ہے۔ بڑے بڑے خزانوں کی نگراں ہے۔ بڑے بڑے گولے بارود کے گودام اس کی بدولت محفوظ ہیں۔ یہ کنجی بادشاہوں کے تاج کی نگراں ہے کوہ نور و کوہ طور ہیرے بھی اسی کنجی کی حفاظت میں ہیں۔ غرض کنجی کیا ہے دنیا و آخرت کا خزانہ ہے۔ دُنیا کا خزانہ اس لئے کہ مالِ دُنیا کی حفاظت کرتی ہے آخرت کا خزانہ اس لئے کہ خیر خیرات جس روپیہ سے ہوتی ہے اس کی محافظ بھی کنجی ہے۔ بڑی بڑی درگاہوں خانقاہوں میں بھی رات کو قفل ڈالا جاتا تو حفاظت کنجی کرتی ہے۔ کنجی پھرانے سے موٹر چلتی ہے۔ ایروپلین اُڑتا ہے۔ کسی بڑے ادارہ یا نمائش وغیرہ کا افتتاح جب کیا جاتا ہے تو قفل لگا دیا جاتا ہے۔ کسی بڑے آدمی کے ہاتھ میں وہ کنجی دی جاتی ہے اور افتتاح ہوتا ہے۔ اکثر بڑی عمارتوں نمائشوں کا افتتاح بادشاہوں کے ہاتھ سے بھی ہوتا ہے۔ غرض کنجی کیا ہے ایک خزانہ ہے اور خزانہ کی مالک کنجی ہے۔ اور ہر ایک چیز کا افتتاح کنجی سے ہوتا ہے۔ اکثر خواتین کنجیوں کو ڈوری میں ڈال کر گلے میں ڈال لیتی ہیں بعض اپنی جیب میں رکھتی ہیں۔ غرض ہر شخص حفاظت کرتا ہے اس پر بھی کنجی کھوئی جاتی ہے۔ ایک فرقہ مسلمانوں کا ایسا ہے کہ ان کے مرشد ان کو جنت کی کُنجی دیدیتے ہیں مُردے کے ساتھ وہ کنجی دفن کیجاتی ہے اس عقیدہ سے کہ جنت میں جا کر اس کنجی سے قفل کھولکر مزہ جائے گا۔ لیکن میں یکھتی ہوں کہ جو کنجی خزانہ کی مالک ہے جو کنجی خزانہ اور ہمارے زیور وغیرہ کی حفاظت کرتی ہے۔ ہم اس کنجی کی حفاظت نہیں کرتے کنجی ادہر پڑی ہے یا اُدہر ہر وقت کنجی کی ڈہونڈ یا پڑ رہی ہے دیکھو یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ صرف ہم ہندو مسلمانوں میں کنجی ڈہونڈہی جا رہی ہے بلکہ یورپین لوگوں کو بھی میں نے کنجی ڈہونڈہتے دیکھا ہے۔ ایک بار ایک لیڈی کے گھر میں گئی وہ کنجی ڈہونڈ رہی تھیں۔ میں نے کہا آپ بھی کنجی ڈہونڈھ رہی ہیں۔ انہوں نے کہا میں کنجی ادہر اُدہر ڈال دیا کرتی ہوں۔ میں نے ہنس کر کہا میری بھی یہی حالت ہے اکثر کنجیاں کھو جاتی ہیں۔ اکثر میں اپنی کنجیاں الماری کو لگا کر چھوڑ دیتی ہوں۔ بعض وقت زیور کے صندوق میں کنجی لگی کی لگی رہتی ہے۔

ایک واقعہ یاد آیا جب ہم یورپ سے ہندوستان روانہ ہو رہے تھے اسٹیشن پر بہت سے لوگ پہنچانے آئے بہت خوبصورت خوبصورت پھول اور گلدستے ہم کو دئے مرے ہاتھ میں بیگ تھا جب دوسرے اسٹیشن پر ریل بدلنے کے لئے اترے میں نے اپنا بیگ ریل میں چھوڑ دیا اور پھول اور گلدستے خوشی خوشی ہاتھ میں لئے اُتر گئی۔ جب صندوق کھولنے کی ضرورت ہوئی مرحوم نے کنجیاں مانگیں تو مجھے بیگ یاد آیا اس وقت کی پریشانی ہمیشہ یاد رہے گی۔ مرحوم کہا کرتے تھے تم ہمیشہ کنجیاں کھو دیتی ہو۔ اور میں کہتی ہوں کاش قفل ڈالنے کا رواج ہی نہ ہوتا تو یہ آفت آتی کیوں۔ لوہار بلایا گیا اس نے جب دیکھا ہم پریشان ہیں اور کنجی بھی ولایتی صندوق کی بنانی ہے تو چند کنجیوں کے آٹھ روپے لئے اور پریشانی الگ ہوئی آج میری کنجیاں کھو گئی تھیں تنخواہ ابھی بانٹنی تھیں جب کنجی ملی تو یہ مضمون خیال میں آیا۔ خدا سب کی کنجیوں کو ہر آفت سے بچائے تاکہ پریشانی نہ ہو۔

صغرا ہمایوں مرزا

بڑی بوڑھیاں

ہندوستان میں جہاں مشترکہ خاندان کا طریقہ رائج ہے کونسا گھر ایسا ہوگا جہاں کوئی بزرگ دادی، نانی، خالہ، پھوپھی یا کوئی اور عزیز موجود نہ ہوں، بہت سے گھرانے ملیں گے جہاں کوئی قریبی عزیز نہیں ہوتا مگر والدہ کی بوڑھی انا یا دادا کی کھلائی بنسبت اعزّہ کے وہاں موجود ہوتی ہیں اور اپنی دیرینہ خدمات اور وفاداریوں کے صلہ میں ان کو بھی بزرگ خاندان کی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے۔ اس طرح گویا ہر مکان کا ان بزرگوں کا سایہ باعث خیر و برکت ہوتا ہے قدرت خود انتظام کرتی ہے ہر گھر میں بزرگوں کا وجود پایا جاتا ہے، گو اس کے مدارج میں فرق ہوتا ہے، پھر بھی ان کا مختلف وجوہ سے کیا جاتا ہے مثلاً کہیں ان بزرگوں کے پاس کافی دولت یا جائداد ہوتی ہے، لہٰذا ہر شخص ان کا خیال کرتا ہے کہ شاید ہم کو ان کی ذات سے فائدہ پہونچ جائے۔ بعض گھرانوں کے بزرگ اپنی طویل العمری کی وجہ سے زمانہ کا ہر قسم کا نشیب و فراز دیکھ چکے ہیں۔ تو ہر قسم کی حالت میں کام آتی ہے یعنی تنگدستی اور محتاجی میں۔ لہٰذا اس خیال سے کہ ان کو ان کی پرانی خدمات اور وفاداری کے سبب سے پوچھیں ان کا خیال کرتے ہیں۔ بعض لوگ اپنے کردار اور سیرت کے لحاظ سے ہر ایک کے دل میں گھر کر لیتے ہیں اور اس محبت اور خلوص کی وجہ سے سب ان کا خیال کرتے ہیں۔

یہ بالکل صحیح ہے کہ بزرگوں کی موجودگی خیر و برکت کا سبب ہوتی ہے بعض نازک موقعوں پر ان کے قیمتی مشورے ہماری رہنمائی کا باعث ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ جہاں دیدہ اور زمانہ کے گرم و سرد کو دیکھے ہوئے ہوتے ہیں، زمانہ کے نشیب و فراز سے خوب واقف ہوتے ہیں۔ پھر چونکہ عام طور پر نوجوانوں کے مقابلہ میں ان کے خون کی حدت کم ہو جاتی ہے اس لئے ان کے جذبات بھی دھیمے پڑ جاتے ہیں اور وہ فوراً مشتعل نہیں ہوتے اور اپنی اس خصوصیت کی وجہ سے وہ بہت سے خانگی جھگڑوں اور نازک معاملوں کو بڑی خوش اسلوبی سے سلجھا دیتے ہیں۔ مگر بعض اوقات یہ بزرگ اپنے اقتدار کو غلط طریقہ سے استعمال کرتے اور اہل خاندان پر حکومت کرنے لگتے ہیں۔ ڈکٹیٹر بنکر اپنی من مانی چلاتے اور غیر دانشمندانہ تجویزوں کو منوا کر خاندان کو نقصان پہونچاتے ہیں، دراصل تصویر کا یہی رخ ہے جس کے متعلق ہمیں احتیاط کی آنکھ بند کرنا چاہتے ہیں۔

ان بزرگوں کے پاس اپنی خود رائی اور ہٹ کو منوانے کے دو حربے ہوتے ہیں ایک رونا اور دوسرے غذا کو ترک کر دینا۔ جب ان سے کسی بات میں اختلاف کیا جائے تو فوراً اپنے حربے کا استعمال شروع ہو جاتا ہے، اور عام طور پر ان کو اس میں کامیابی بھی ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر اتفاقاً ان کا یہ داؤں نہ چلا تو پھر بھوک ہڑتال شروع کر دی جاتی ہے، اور اس میں ان کو سو فیصدی کامیابی ہو جاتی ہے۔ اب یہ کون سنگدل انسان ہوگا جو یہ دیکھے کہ اس کا کوئی بزرگ جو پہلے تو خود اپنی عمر کی وجہ سے کمزور اور ناتواں ہے، فاقوں اور رونے دھونے سے اپنے آپ کو اور بھی نقصان پہونچا رہا ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ کچھ دن کے بعد اس کی ضد کا نتیجہ اچھا نہیں نکلے گا۔ اس لئے با دل ناخواستہ

یا مجبوراً ان کی بات مان لی جاتی ہے۔ لیکن وہ اس کو اپنی فتح ہی سمجھتی ہیں۔ ان کو یقین ہو جاتا ہے کہ ان کی اولاد یا سکے اعزا ان کا اس قدر خیال کرتے ہیں کہ ان کی کسی بات کو رد نہیں کرتے، چنانچہ وہ بعد میں اپنے ان کارناموں کو فخریہ بیان فرماتی ہیں اور ہر طرف سے ان کو داد تحسین بھی ملتی ہے۔ میری ایک عزیزہ محترمہ صاحبہ کو اس بات پر بڑا فخر ہے اور وہ اس کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ سمجھتی ہیں کہ ان کے بڑے بیٹے کو افریقہ میں ایک ہزار روپیہ ماہوار کی ایک ملازمت مل رہی تھی، مگر انہوں نے اس کو وہاں نہیں جانے دیا۔ سب معاملات طے ہو چکے تھے، سامان تک بندھ چکا تھا مگر آخر وقت اماں جان نے رونا شروع کیا اور اس قدر روئیں کہ تین مرتبہ بے ہوش ہو گئیں، چنانچہ پہلے وقت مقررہ کی گاڑی کو روانگی ملتوی کی گئی مگر پھر بھی ان کی حالت ٹھیک نہیں ہوئی۔ اور انہوں نے کھانا پینا ترک کر دیا۔ چار روز تک سارے گھر میں ایک کہرام مچا رہا۔ سمجھدار آدمیوں نے لاکھ سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ یہ کہتی تھیں کہ میرا اب کیا بھروسہ نہ معلوم کب وقت آجائے تو صورت دیکھنا بھی نصیب نہ ہوگی۔ دوسرے رشتہ دار بھی موجود تھے جو یہ کہتے تھے کہ میاں ملازمت تو بعد بھی مل سکتی ہے۔ مگر ماں کہاں ملے گی۔ نتیجہ میں ان ہی لوگوں کو کامیابی ہوئی۔ چوتھے روز تار سے استعفیٰ بھیج دیا گیا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک اعلیٰ ملازمت کے متعلق تمام معاہدات گورنمنٹ سے طے ہونے کے بعد معاہدہ کی خلاف ورزی میں پانچ ہزار کا تاوان اپنے گھر سے بطور جرمانہ دینا پڑا وہ الگ رہا۔ اس واقعہ کو سات سال ہو گئے، اور ان کے بلند اقبال کو کسی جگہ ساڑھے تین سو سے زیادہ تنخواہ میسر نہیں ہوتی۔ خصوصاً اس قسم کی بزرگ خواتین اپنے آپ کو خاندان کا مطلق العنان حاکم سمجھتی ہیں۔ ہر شخص کے قول و فعل پر تنقید و تبصرہ کرتی رہتی ہیں لیکن اس کے انجام سے بالکل ناواقف ہوتی ہیں۔ ہر نئے پرانے اپنے یا غیر تعلیم یافتہ یا جاہل سے یہ توقع رکھتی ہیں کہ وہ ان کی بات کا جواب نہ دے۔ اگر کسی نے اپنی صفائی میں کچھ کہہ دیا تو بس غضب ہو جاتا ہے، بدتمیز بے ادب گستاخ منہ پھٹ وغیرہ کے خطابات اسکو مل جاتے ہیں، گھر خاندان، محلے اور جان پہچان والوں میں اس کی بیہودگیوں کا تذکرہ کر کے اس غریب کو راندہ درگاہ کر دیا جاتا ہے۔ سارا خاندان اس کا دشمن ہو جاتا ہے۔ اور چاروں طرف سے اس کو اپنے قصور پر نادم ہونے، معافی مانگنے، اور آئندہ کے لئے اسی حرکت سے توبہ کرنے کے لئے مجبور کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ایک فرد کو سارے خاندان کے آگے جھک کر معافی مانگنی پڑتی ہے۔

اس طرح سے ایسے بزرگوں کی حکومت کے قلعے اور زیادہ مضبوط اور مستحکم ہو جاتے ہیں۔

تنقید و تبصرہ کے وقت عمر، ماحول، اور دوسری تمام چیزوں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً ایک بزرگ خاتون اپنے داماد سے اس لئے ناراض ہیں کہ وہ اپنی بیوی کو گھر سے کم میکہ بھیجنا چاہتا ہے، گویا ان کے نزدیک وہ قصور وار ہے، اور اس کی یہ حرکت ناقابل معافی ہے ایک ساس اپنے بیٹے سے اس لئے خفا ہیں کہ وہ اپنی بیوی کو ایک رات جبکہ تانگہ نہ ملا، اپنے ایک عزیز کے یہاں ... لے کر چلا گیا، حالانکہ یہی بیٹا جب اپنی شادی شدہ اور غیر شادی شدہ بہنوں کو پیدل ہوا خوری کے واسطے لے گیا اس وقت ... پر کوئی اعتراض نہ ہوا۔

اس قسم کی بزرگ خواتین بھولے چھوٹے بچوں کی زندگی تباہ کرنے میں بھی بڑا حصہ لیتی ہیں۔ چنانچہ ح صاحبہ اپنے داماد کے پاس رہتی ہیں، ان کو اپنی ایک نواسی سے بڑی محبت ہے، جب اس بچی سے کوئی غلطی ہو جاتی ہے اور ماں اس کو سزا دینا چاہتی ہے تو نانی فوراً بیٹی کو ڈانٹتی ہیں کہ خبردار جو اسے ہاتھ لگایا، وہ تو خود ہی کمزور ہے کیا تم اس کی جان لینا چاہتی ہو۔ اگر باپ نے بچی کو گھورا تو ساس کے فوراً تیور چڑھ گئے، اور فرمایا، ہمیں یہ ہر وقت کا گھورنا اچھا

نہیں لگتا تو خواہ مخواہ گھور گھور کر بچی کی جان ہلکان مت کرو۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بچی ان حرکتوں سے شیر ہونے لگی۔ ماں باپ کا خوف اس کے دل سے نکل گیا، استادوں کا ڈر نہیں رہا۔ پڑھنے نہ لکھنے کی وجہ سے اگر ماں نے اس کو یہ سزا دی کہ پیسہ نہیں دیا، تو وہ فوراً روتی ہوئی نانی کے پاس پہونچی، اور ماں کی دو چار من گھڑت شکایتیں بھی کر دیں، نانی نے اس کو سینے سے لگایا، دو چار پیار کئے، بیٹی کو چند صلواتیں سنائیں اور جھٹ بٹوہ میں سے پیسہ نکال اس کو دے دیا۔ اب بچی کو کیا غرض کہ وہ کسی کام کو ہاتھ لگائے یا لکھنے پڑھنے کی طرف متوجہ ہو۔ اس وقت اس بچی کی عمر بارہ سال کی ہوگی ہے مگر سلیقہ اور تمیز سے کوسوں دور ہے۔ زبان اس قدر تیز ہے کہ جو سنتا ہے کانوں پر ہاتھ دھرتا ہے۔ غریب ماں جب پریشان ہو کر یہ کہتی ہے کہ دوسرے گھر جا کر نہ معلوم اس کا کیا حشر ہوگا۔ تو نانی جان فرماتی ہیں "تو نہ بڑے ہو کر سب ٹھیک ہو جاتے ہیں"۔ اب ان محترمہ سے کون بحث کرے کہ

خشت اول چوں نہد معمار کج ․․․ تا ثریا می رود دیوار کج

ہمارے پڑوس میں ایک صاحبزادی ہیں جن کی والدہ کا انتقال بچپن میں ہو گیا تھا۔ ان کی پرورش ان کی دادی نے کی، پرورش میں جو جا و بیجا ناز نخرے لاڈ پیار اٹھائے گئے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صاحبزادی امور خانہ داری کے تمام کاموں سے ایسی ناواقف ہیں جیسے کہ لڑکے، البتہ خود مختاری، خود سری ضد ہٹ اور بیجا حکومت کرنا ان کی طبیعت میں جاگزیں ہو گیا۔ ضد کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ سوتیلی ماں سے کسی بات پر جھڑپ ہو گئی اور بول چال بند ہو گئی۔ اس زمانہ میں ان کے رشتہ داروں میں کسی جگہ کوئی تقریب تھی جہاں سب گھر والوں کا جانا ضروری تھا صاحبزادی نے ضد کی کہ میں اس وقت ریل سے نہیں جاؤں گی جس سے ان کی سوتیلی ماں جائیں گی اور دادی نے پوری کی اس ضد کو بڑے چاؤ سے پورا کیا۔ چنانچہ ایک ریل سے ایک آدمی ان کی ماں کو لے کر گیا اور دوسری ریل سے اپنے ایک عزیز کے ساتھ صاحبزادی سوار ہوئیں ذرا سی ضد میں ایک آدمی کا آمد و رفت کا کرایہ برداشت کیا گیا۔ جب ان کی شادی ہوئی تو ان ہی عادات کی وجہ سے ایک سال کے اندر ہی اندر میکے واپس تشریف لے آئیں دادی نے کوٹھے سے لگا کر بٹھا لیا ورنہ داماد کو ہزاروں صلواتیں سنائیں اسی زمانہ میں یہ ایک بچہ کی ماں بن گئیں اور کچھ علیل ہو گئیں۔ علالت سے جب اٹھیں تو مزاج میں اور زیادہ تیزی درشتی اور چڑچڑا پن پیدا ہو گیا۔ اسی طرح چار سال گذر گئے گذشتہ سال ان کی دادی مقامات مقدسہ کی زیارت کرنے تشریف لے گئیں۔ وہاں ان کے کچھ عزیز اقارب بھی تھے چند دنوں انہوں نے ان کو وہاں رکھا۔ وہیں کا ارادہ تھا کہ بعض بین الاقوامی صورت حال کی وجہ سے پورے ایک سال کے بعد واپس آئیں مگر اس اثنا میں گھر کا سب نقشہ ہی بدل گیا تھا، سوتیلی ماں جن کا پہلے کوئی اقتدار نہ تھا اب صاحب اقتدار تھیں۔ چھوٹی بہن کی شادی ہو چکی تھی اور داماد بھی سسرال میں رہتا تھا، اس کا سب پر اثر تھا۔ قاعدہ ہے کہ جب زمانہ رنگ بدلتا ہے تو لوگ بھی رنگ بدل دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ عزیز و اقربا اور متعلقین بھی جو پہلے ان کے ساتھی تھے اب دوسروں کے ساتھی بن گئے اور یہ صاحبزادی صاحبہ گھر میں ایک عضو معطل، ناقابل برداشت بار اور سب کی آنکھوں کا کانٹا بن گئیں تھیں۔ دادی نے آ کر یہ رنگ دیکھا تو بنانا اثر جمانے کی کوشش کی مگر جب کامیابی نہیں ہوئی تو مصلحتاً خاموش ہونا پڑا۔ اس طرح سے ان بڑی بی نے اس بچی کی بیجا حمایت کر کے زندگی برباد کر دی۔ وہی بیوی جو شوہر کی ذرا سی بات پر ناک بھوں چڑھا کر میکے آ گئیں تھیں اس کو اب سارے گھر کی باتیں سننی پڑتی تھیں۔ وہی بیوی جس نے شوہر کی خدمت کو عار سمجھا اس کو اب چھوٹے بہنوئی اور بہن کی خدمت

کرنی پڑتی تھی، مگر اب سوائے اپنی قسمت پر آنسو بہانے کے اور کیا ہو سکتا تھا، کیونکہ شوہر سے تو پہلے ہی بگاڑ کر لیا تھا۔

بہر حال اس طرح بڑی بوڑھیاں ہر چھوٹے بڑے معاملہ میں بولا کرتی ہیں اور کبھی اس پر غور نہیں کرتیں کہ دوسروں پر اس کے اثرات کیا پڑ رہے ہیں، اور کہیں ان کے نتیجوں میں دوسروں کی زندگی تو تباہ نہیں ہو رہی، ان کو صرف اپنی بات منوا لینے سے کام ہوتا ہے۔

کہتے ہیں کہ بچہ اور بوڑھا یکساں ہوتا ہے، لیکن ضد اور ہٹ کے سلسلے میں بڑی بوڑھیاں بچوں سے بہت آگے نکل جاتی ہیں۔ بچوں کو ڈانٹ ڈپٹ کر، سزا دے کر خاموش کیا جا سکتا ہے مگر ان کا کوئی علاج نہیں۔

اس سے میرا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ بڑی بوڑھیوں کی کوئی بات ہی نہ مانی جائے۔ وہ یقیناً ہر طرح کے احترام کی مستحق ہیں، ان کی دعاؤں کی ہمیں سخت ضرورت ہے۔ لیکن ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ ضروری نہیں کہ ہم ان کی ہر بات کو تسلیم کر لیں۔ وہ جو کچھ کہتی ہیں اس کو دو حصوں میں تقسیم کر لیا جائے ایک وہ باتیں جن کو ماننے سے کوئی نقصان نہیں مثلاً کسی کے سینما جانے، پیدل پھرنے اِدھر اُدھر آنے جانے کسی جگہ دیر تک رہنے پر اعتراض ہے، تو اس کو ان کی خاطر تھوڑی سی تکلیف برداشت کر کے مان لینا چاہیئے، لیکن جب وہ ایسے مشورے دیں جو تخریب کا باعث ہوں، جن سے بنے بنائے گھر بگڑ جائیں، جن سے زندگیاں تباہ ہو جائیں، وہاں ان کے مشوروں کو نہ مانا جائے۔ یہ لوگ جب کوئی بات کہتے ہیں تو یہ محسوس نہیں کرتے کہ ان کے اس حکم یا فعل سے دوسروں کی زندگیوں کو کتنا نقصان پہنچے گا۔ نیز اکثر اس قسم کی خواتین دماغی طور پر کمزور ہو جاتی ہیں اور ان میں اچھائی برائی یا نتیجہ سمجھنے کی صلاحیت کم ہو جاتی ہے، پھر ہر وہ شخص جو اپنے ماحول کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے متعلق زیادہ صحیح فیصلہ کر سکتا ہے۔ ایسی صورت میں اُس کو کوئی نقصان دہ مشورہ دیا جائے تو اس کا فرض ہے کہ وہ آہستہ آہستہ اس کے خلاف احتجاج کرتا رہے۔ مگر تیزی اور تندی سے نہیں۔

دوسرے میں ان بزرگوں کو یہ مشورہ دوں گا کہ اب ان کا آخری وقت ہے، ان کی ساری عمر دُنیا کے دھندوں اور بکھیڑوں میں گذری، اب ان کو ایسے خاندانی قصوں جھگڑوں سے بالکل الگ رہنا چاہیئے، اور گھر یا خاندان کی اصلاح، حق اور ناحق کا فیصلہ اپنے سے کم عمر لوگوں کے حوالہ کر دینا چاہیئے، اور اپنا زیادہ وقت یادِ خدا، عبادت اور نیک کاموں میں صرف کرنا چاہیئے۔ کیونکہ یہی چیزیں آخرت کا بہترین توشہ ہیں۔

محمد احمد سبزواری ام اے

دو رباعیاں

وقار واثقی

(۱)

وہ شخص کہ احساس نہیں ہو جس کو
ہستی کا ذرا پاس نہیں ہو جس کو
ناکل ہے وہ ایسا ہی کہ بیمار کوئی
جینے کی ذرا آس نہیں ہو جس کو

(۲)

یارب کوئی اب ایسا بھی ساماں کر دے
پھر ہندی مسلماں کو مسلماں کر دے
صدقہ ترے محبوبؐ کا وہ بخش نظر
ذرّے کو بھی جو مہر درخشاں کر دے

دھرم

"ماں پانی" "میرے لال صبر کر"

"ماں! میری زبان سوکھی جا رہی ہے۔ حلق میں کانٹے پڑے جا رہے ہیں"۔

"بیٹا اب زیادہ نہیں چلنا ہے۔ آ میری گود میں آجا ابھی پانی پلاتی ہوں"۔

"ماں پیاس کے مارے۔۔۔ نہ بولا جاتا ہے۔۔۔ نہ میری۔ آنکھیں کھلتی ہیں ماں تم۔ کہاں۔۔۔"

یہ کہہ کر پانچ برس کا معصوم بچہ پیاس کی شدت سے بے چین ہو کر ماں کی گود میں ہی بیہوش ہو گیا۔ لڑکے کو درخت کی چھاؤں میں لٹا کر دکھیا ماں پانی کی تلاش میں آگے بڑھی۔ اس نے دیکھا کہ ایک شخص پانی کا لوٹا سامنے رکھے بیٹھا ہے اس نے جھپٹ کر لوٹا اٹھا لیا اور اپنے بچے کی طرف بھاگی۔ بھلا برہمن مہاراج کیسے برداشت کر سکتے تھے کہ ایک بھکارن ان کا لوٹا اٹھا لے۔ اور پھر کیا معلوم یہ عورت اچھوت ہی ہو۔ پنڈت جی نے دوڑ کر راستے میں پکڑ لیا۔ لوٹا چھین کر دو ڈنڈے لگائے اور سینکڑوں گالیاں دیتے اپنی جگہ آ بیٹھے۔

ماں۔ پانی۔ تو۔۔ کہاں۔۔۔ کے الفاظ فضا میں غائب ہو گئے۔ نہ کوئی جواب دینے والا تھا نہ سننے والا۔ اور سنتا بھی تو کسی کو کیا پڑی تھی کہ ایک غریب بے یار و مددگار بچے کی آواز کا جواب دیتا۔ کچھ مذہب کے ٹھیکیداروں نے سنا بھی تو اس کان سے سن کر اس کان سے اڑا دیا۔

"مذہب کے ٹھیکیدارو! میرا بچہ پیاس سے مر رہا ہے خدا کے لئے تھوڑا پانی۔ میں اور کچھ نہیں چاہتی"۔ کسی نے اس کی بات کا جواب نہ دیا۔ چوٹ کھائی ہوئی ماں بچے کے پاس واپس آگئی۔ اس نے دور ہی سے اپنے بچے کی آواز سنی "ماں۔۔۔ تھوڑا پانی"

عورت نے اپنے کو سنبھالا۔ وہ پھر پانی مانگنے کے لئے پلٹ پڑی "بھائیو میرا بچہ پیاس سے بے چین ہو رہا ہے۔ تھوڑا پانی"۔

"چل چل" برہمنوں نے ڈانٹ کر کہا۔ "نہیں بھائیو میں کچھ نہ کروں گی تھوڑا پانی"۔

پانی مانگتی ہے۔ چل چل ہمارے پاس فالتو پانی نہیں ہے چماروں کے پلانے کے لئے"۔

"عورت نے گڑگڑا کر کہا "مہاراج پانی تو ایشور کی دین ہے۔ اس میں چمار اور برہمن کا کیا سوال"۔

"جا بکی بک بک بیگی"۔ ایک بڑے سے توند کے برہمن نے کہا۔ "بھائی تھوڑا سا پانی دیدو" عورت نے پھر کہا۔

برہمن نے ڈنڈا اٹھا کر کہا "آگے بڑھتی ہے یا پھر خبر لوں"۔ بیچاری ابھی ابھی ڈنڈا کھا چکی تھی سہم کر آگے بڑھی۔

اس نے سوچا مجھے یہ پانی کیوں نہیں دیتے۔ کیا دھرم نے ہم غریبوں پر پانی بھی بند کر دیا ہے"۔

"بھیا کیا یہاں پانی نہیں مل سکتا ہے"؟ عورت نے ایک بھلے آدمی سے سوال کیا۔

"ہاں بہن مل تو سکتا ہے" اس نے جواب دیا "مگر۔۔۔" "مگر کیا؟۔۔۔ کچھ نہیں مجھے تھوڑا سا پانی دیدو۔ میرا بچہ پیاس سے مرا جا رہا ہے"۔ "بہن میں مسلمان تم ہندو۔ پانی کیسے پی سکتی ہو"؟ "اف دھرم" عورت چکرا کر گر پڑی۔

درخت کے نیچے بچے نے آخری ہچکی لی اور ختم ہو گیا۔

(بنگالی سے)

مس کملا چٹرجی۔ مرادآبادی

خریداری

ایک ریڈیائی ڈرامہ

افراد

میاں بیوی ساری والا

تین چار فقیر ٹھیلے والا بساطی دوکان دار

میاں کے چل کر آنے اور کھڑکی کھولنے کی آواز

کھڑکی کھلتے ہی نیچے سڑک پر سے اکوں تانگوں کے چلنے اور شور و غل کی آوازیں اندر آنے لگتی ہیں۔

ساری والا۔ (دور سڑک پر سے) ساڑیاں چاہئیں بنارسی ساڑیاں! بڑھیا بنارسی ساڑیاں!!

بیوی۔ اے ساڑیوں والے۔

میاں۔ تو اتنی گھبراہٹ کیا ہے؟ بس جلدی سے آ گئیں۔

بیوی۔ تم تو ایسی ہی باتیں کرتے ہو۔ چلا بھی جائے گا۔ ہٹو! مجھے پکارنے دو۔

ساری والا (آواز قریب آتی ہے) بڑھیا بنارسی ساڑیاں۔

بیوی (کھڑکی کے قریب جا کر) ساڑیوں والے! اے ساری والے!!

ساری والا۔ بڑھیا بارڈر دار ساڑیاں کدھر لاؤں؟

بیوی۔ ادھر بائیں جانب مڑ کر ڈیوڑھی میں۔

میاں۔ میں کہتا ہوں تمہیں ساڑیوں کی کس قدر ہوس ہے۔ کوئی مہینہ ایسا نہیں گذرتا کہ دو چار خریدی نہ جائیں۔

بیوی۔ بس رہنے بھی دو۔ چھ مہینے گذر گئے کہ میں نے نئی ساری کی صورت بھی نہیں دیکھی۔

میاں۔ تو کیا ضروری ہے کہ ہر روز ایک نئی ساری پہنی جائے۔

بیوی۔ (حسرت سے) اپنی ایسی قسمت کہاں پہننے والیاں پہنتی ہی ہیں۔

میاں۔ میں تو تمہارا اس قدر خیال کرتا ہوں پھر بھی قسمت کا گلہ۔

بیوی (روتی آواز میں) قسمت کا گلہ نہ کروں تو اور کیا کروں۔ جہاں کوئی چیز خریدنے کا نام لیا ہزار جھگڑے اٹھ کھڑے ہوئے۔

ساری والا۔ (ڈیوڑھی سے) بارڈر دار ساڑیاں!! کدھر لاؤں۔

بیوی (مردہ آواز) ادھر زینہ پر سے۔

میاں۔ بس اب آنسو پونچھ ڈالو۔ ساری والا دیکھے گا تو کیا کہے گا۔

(زینہ پر سے دو آدمی چڑھ کر آتے ہیں)

بیوی۔ اس طرف رکھو بنارسی بارڈر دار ہیں؟

ساری والا۔ جی ہاں! بہت بڑھیا۔ ابھی نیا مال آیا ہے (بکس رکھنے اور کھولنے ادھر اُدھر چلنے پھرنے کی آوازیں۔

ساری والا۔ یہ دیکھئے! نہایت بڑھیا ساڑیاں ہیں۔

بیوی۔ یہ نہیں! وہ نیچے والی نکالو۔

ساری والا۔ لیجئے حضور سب ایک سے ایک بڑھیا ہیں۔

بیوی۔ یہ نیلی جو ہے اس کی کیا قیمت ہے؟

میاں۔ لاحول ولا قوۃ! تمہاری بھی کیا پسند ہے۔

بیوی - ابھی پسند کہاں کر رہی ہوں - دام پوچھ رہی ہوں -

ساری والا - پچاس روپیہ اور دیکھئے کیسی سستی ہے - اب اس قسم کا مال آتا نہیں ہے - لیکن مانگ بہت زیادہ ہے - بس یہی ایک ساڑی رہ گئی ہے -

میاں - نہیں یہ نہیں! اور دکھاؤ -

ساری والا - لیجئے حضور ایک سے ایک اعلیٰ مال ہے -

میاں - پلین ہونا چاہئے پلین -

ساری والا - یہ دوسری - صاحب پلین ہے -

میاں - لاحول ولاقوہ - اس کا رنگ کتنا شوخ ہے -

بیوی - شوخ رنگوں کا تو آجکل فیشن ہے -

میاں - لیکن وہ بھی تو ڈھنگ کا ہو -

ساری والا - یہ دیکھئے تازہ آئی ہوئی ہیں - بالکل نیا فیشن!

بیوی - ہاں یہ اچھی ہے -

میاں - تمہیں تو سب اچھی معلوم ہوتی ہیں (توقف) یہ کتنے کی ہے؟

ساری والا - حضور صرف پچانوے روپیہ کی - دیکھئے کس قدر بڑھیا مال ہے کہ آنکھ نہیں ٹھہرتی -

میاں - پچانوے؟ پورے سو کیوں نہیں کہہ دے -

ساری والا - سرکار اس کے جوڑ کی ابھی ایک سو بیس میں بیچے چلا آ رہا ہوں - لیکن یہاں تو گھر کا معاملہ ہے -

میاں - گھر کا معاملہ ہے تو مناسب دام کیوں نہیں کہتے -

بیوی - ہاں ٹھیک دام بتاؤ -

ساری والا - دس کم کئے دیتا ہوں یہ لیجئے ساری - ایسا بڑھیا مال اس قیمت پر بازار میں نہیں مل سکتا -

بیوی - دس کم کر دئے تو کیا بات ہوئی (میاں سے بناوٹی آواز میں) کیوں؟ یہی ساڑیاں تو اس دن دوکان پر پچاس پچاس کی تھیں -

ساری والا - حضور آپ کی خوشی ہے - ایسا مال تو آج بازار میں آیا نہیں ہے -

میاں - تو پچاس کی دیتے ہو؟

ساری والا - بہت گھاٹا پڑ رہا ہے - حضور پچاس کی نہیں مل سکتی -

میاں - کیوں بیگم؟

بیوی - اچھا پانچ اور بڑھا دے -

ساری والا - حضور اس سے کم نہیں مل سکتی - آجکل لڑائی کی وجہ سے سب سامان مہنگا ہو رہا ہے -

بیوی - تو کیا یہاں بھی لڑائی ہو رہی ہیں -

ساری والا - جی نہیں باہر سے مال جو نہیں آ رہا -

میاں - یہ تو دیسی بنی ہوئی ہیں - ریشم و کلابتوں ہر چیز ہندوستان میں ملتی ہے - ہاں مزدوری بڑھ گئی ہے - اس کے دو چار روپیہ زیادہ رکھ لو - (سامان سمیٹنے کی آواز)

بیوی - تو نہیں دو کم پچپن میں -

ساری والا - حضور بڑا گھاٹا پڑ رہا ہے -

بیوی - اچھا تو . . . . . .

میاں (جلدی سے) نہیں نہیں!! اب ایک پیسہ نہ بڑھنا چاہیئے - جو ساڑی میں تمہارے واسطے کلکتہ سے لایا تھا - ایسی ہی تو ہے یہ بتالیس کی ملی تھی -

(سامان اٹھانے اور سمیٹنے کی آواز)

ساری والا - حضور مال میں ضرور فرق ہو گا -

بیوی - اچھا تو . . .

میاں (تنبیہ سے) پھر وہی ایک پیسہ مت بڑھاؤ -

(ساری والا سلام کرکے زینہ پر سے اترنے لگتا ہے)

بیوی (افسوس کے ساتھ) بیٹھے ہوؤں میں ضرور دے دیتا -

میاں - ہونہہ وہ کہتا تھا کہ پچاسی سے ایک پیسہ کم نہ ہو گا - اور تم کہتی ہو بیٹھے میں دے دیتا -

بیوی - تو پچاسی میں بھی بری نہ تھی - چٹے تاروں کی بنی اور بار ڈر کس قدر خوشنما تھا -

میاں - پچاسی روپیہ بھی تو دیکھو۔

بیوی - جیسی چیز ہوگی ویسے دام ہوں گے۔ خود چاہے سیکڑوں روپیہ بہادیں۔ میں جہاں کوئی چیز خریدنے لگی بس روپیوں کا نیال آگیا۔

میاں - تو میں خریدتے وقت ضد ہی کرتا ہوں۔

بیوی - وقت نہیں کرتے ہو لیکن خریدنے کا نام آتے ہی ہزار جھگڑے کھڑے کردے۔

ساڑی والا - (سڑک پر سے آواز) بنارسی ساڑیاں ہیں بڑھیا بنارسی ساڑیاں۔

بیوی - ابھی خاصی اپنی پسند سے خرید لے رہی تھی۔ اب کاہے کو میسر ہوگی۔ ایسی ساڑی۔ جب آئی واپس گئی۔

میاں - اس میں بات ہی کیا ہے۔ دوکان پر چلو۔ سیکڑوں قسم کی ایک سے ایک نفیس ملیں گی۔ جیسی چاہو خرید لو۔

بیوی - بہت دوکان پر گئی۔ روز باقی ہوں نا۔

میاں - جب کہو ہو جا سکتی ہو۔

بیوی - تو اکیلی چلی جاؤں۔ تم سے تو جب کہتی ہوں ہزار بہانے بنانے ہو۔ چلتے ہو ابھی؟

میاں - (گھبرا کر) ابھی؟ ابھی تو مجھے ایک دوست کے ہاں جانا ہے

بیوی - بس لگے بہانہ کرنے۔ چلو اٹھو۔

میاں - ٹھہرو۔

بیوی - بس بہت پیٹے تم۔

میاں - اچھا چلو آج خرید ہی دوں۔ روپیہ نے نوں

(کھٹ کھٹ کی دیر اِدھر اُدھر پلنگ چھپنے کی چیز زینہ پر سے دونوں کے اترنے کی آواز۔ اب سڑک پر آتے ہیں۔ سڑک پر اکّوں تانگوں کی گھنٹیاں ان کے چلنے۔ موٹروں کے ہارن اور شور وغل کی آوازیں۔ مختلف سودے والوں کی آوازیں)

پھول والا - بیلے کے ہار ہیں۔ خوشبودار بیلا۔

بیوی - ایک ہار خرید دو مجھے۔

میاں - بس وقت ضائع نہ کرو پھر منگا لینا۔

ٹھیلے والا - ہر چیز ڈھائی آنہ۔ ہر چیز ڈھائی آنہ۔

میاں - ٹھہرو میں ذرا ایک رومال خرید لوں۔

بیوی - اب خود خریدنے لگے۔

میاں - (ٹھیلے والے (ٹھیلا آکر رک جاتا ہے) کیسے رومال ہیں؟

ٹھیلے والا - یہ دیکھئے ہر رنگ کے رومال ہیں۔ اور سیکڑوں موزے ہر چیز ڈھائی ڈھائی آنہ۔

میاں - یہ بادامی رنگ کا رومال نکالو۔

ایک فقیر - اللہ بھلا کرے مائی! کچھ دیدے۔

(بیوی ایک پیسہ ان سے زمین پر پھینکتی ہے۔ بہت سے فقیر جمع ہو جاتے ہیں)

دوسرا فقیر - اندھے اپاہج کو ایک پیسہ۔

پوپلی بڑھیا فقیرنی - اندھی ہوں بیٹا بچے جیتے رہیں۔ کچھ خدا کے نام پر۔

میاں - ارے ہٹو! ہٹو!! سب مجھے گھیرے لے رہے ہیں۔

بیوی - کچھ دیکر الگ کرو۔ میرے پاس ایک پیسہ تھا وہ دے دیا۔

میاں - نہیں! ایک کو دیا دس اور آجاویں گے۔ (ٹھیلے والے سے) اس کا ڈیزائن اچھا نہیں ہے وہ خاکی نکالو۔

دوسرا فقیر - اندھے اپاہج کو ایک پیسہ۔

پوپلی بڑھیا - بٹیا اندھی اپاہج ہوں کچھ۔ خدا کے نام پر۔

میاں - ارے تم لوگوں نے تو بوکھلا دیا ہے۔ سب سب مجھے مار رہے ہیں۔ (ٹھیلے والے سے) یہ لو ڈھائی آنہ

میں شاید رکھ لیا ہو۔

میاں - کہیں نہیں ہے۔

دوکاندار - منی بیگ؟ کہیں گر گیا ہوگا۔

میاں - ابھی تو رومال خرید کر دام دئے تھے۔

دوکاندار - کتنا کیش تھا؟

میاں - ڈیڑھ سو روپیہ۔

دوکاندار - کسی گرہ کٹ نے مار دیا۔ بھیڑ میں اکثر ایسا ہو جاتا ہے۔

میاں - جی ہاں! بہت بھیڑ تھی۔ کمبخت فقیروں نے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔

دوکاندار - بس بس انہی میں سے کسی کی حرکت ہے۔

بیوی - ایک لڑکا تو گیا تھا بھاگ کر۔

میاں - میں پولیس میں رپورٹ کرتا ہوں۔

دوکاندار - اور یہ کپڑا۔

میاں - اب ساری رہنے دیجئے۔

دوکاندار - اور جمپر کا کپڑا جو کہ کٹ چکا ہے۔

میاں (گھبراہٹ کے ساتھ) پھر خرید لوں گا۔

دوکاندار - نہیں جناب۔

میاں - کوئی اور خرید لے گا۔

دوکاندار - جناب . . . . !

بیوی (میاں سے) خوب خریدی ساڑھی۔

(چلنے کی آواز - میاں بیوی دونوں جاتے ہیں)

عفت کرمانیہ بی اے

طویل مضامین کتنے ہی اچھے کیوں نہ ہوں ممکن ہے رسالہ میں درج کرنے کی گنجائش کئی ماہ تک نہ نکل سکے لیکن چھوٹے مضامین جلد شائع ہو سکتے ہیں۔ اس لئے مضمون نگاران عصمت جہاں تک ممکن ہو مضمون مختصر لکھیں۔

اڈیٹر

طلوعِ سحر

اُفق پر سپیدی سی چھانے لگی — مؤذن کی آواز آنے لگی
ستارے بھی سب ماند اب پڑ گئے — ضیائے قمر جھلملانے لگی
گجر دم کلیسا کی گھڑیال بھی — گجر پانچ کے اب بجانے لگی
سڑک پر کی بتی جلی رات بھر — کھٹی پو تو وہ ٹمٹمانے لگی
طلوعِ سحر کی نسیم سحر — جگت میں دہائی مچانے لگی
عروسِ سحر ہو کے آراستہ — بہار اپنی ہم کو دکھانے لگی
نسیم سحر جو چلی جھوم کر — کلی شاخ پر مسکرانے لگی
چمن کا چمن بن گیا لالہ زار — سمن باغ میں کھلکھلانے لگی
صبا اپنی مستانہ رفتار سے — چمن در چمن گل کھلانے لگی
فضائے چمن بن کے باغِ ارم — شگفتہ دلوں کو لبھانے لگی
سحر خیز نازک مزاجوں کے دل — نسیم سحر گدگدانے لگی
مکانوں میں دھندلی سی اک روشنی — دریچوں سے چھن چھن کے آنے لگی
لگا بانگ پر بانگ دینے خروس — وہ چیل اپنا نغمہ سنانے لگی
لگے کرنے کوّے ادھر کائیں کائیں — ادھر شور کوئل مچانے لگی
ترنم سے چڑیا بھی چونچ اپنی کھول — چوں چوں چوں چوں چہچہانے لگی
گلو نکی پرستار بلبل غریب — محبت کا نغمہ سنانے لگی
وفورِ ترنم میں سرشار ہو — درختوں پہ مینا بھی گانے لگی
برہمن بھجن پاٹ کرنے لگا — صدا اُسکی بھگتوں کو بھانے لگی
پجارن بھی پھولوں کی ڈالی لئے — بصد ناز مندر کو جانے لگی
سجا کر عقیدت سے پھولوں کی بھینٹ — وہ دیوی کو اپنی چڑھانے لگی
دبستاں کی لڑکی بھی کر کے وضو — معلم کو قرآں سنانے لگی

سریلی صداؤں سے زینت بھی اب
عزیزوں کو اپنے جگانے لگی

زینت بیگم - ڈھاکہ

آمریت اور اُس کے اُصول

آج جبکہ یورپ کی سرزمین پر ایک خوفناک اور خونریز لڑائی لڑی جا رہی ہے۔ جبکہ تباہی اور بربادی کی طاقتیں موجودہ سیاسی نظام کو ختم کرنے پر تلی ہوئی ہیں اور جبکہ اُس ہی قوم نے جو ۱۹۱۴ء میں بے شمار خونریزی اور فساد کا باعث ہوئی تھی ایک دفعہ پھر ساری دُنیا کو ایک عالمگیر جنگ میں جھونک دیا ہے۔ ہم سب معلوم ہوتا ہے کہ ان حملہ آور قوموں کے سیاسی اعتقاد اور اس کے ارتقا پر کچھ روشنی ڈالی جائے۔ عوام اس طرزِ حکومت کو جو جرمنی اور اٹلی میں رائج ہے آمریت کے نام سے منسوب کرتے ہیں۔ جرمنی میں اس کا خاص نام نازی ازم (Nazism) اور اٹلی میں فاشیزم Fascism ہے۔ انگریزی میں آمر کو ڈکٹیٹر اور آمریت کو ڈکٹیٹرشپ کہتے ہیں۔

لفظ "ڈکٹیٹر" روم کی قدیم زبان سے تعلق رکھتا ہے۔ مگر وہ حکمراں جس کی طرف یہ لفظ اشارہ کرتا ہے یونان کی ایجاد ہے۔ یونان کی ریاستوں میں ہر وقت بدامنی پھیلی رہتی تھی اور اسی بدامنی کے باعث ایک نہ ایک جابر حکمراں پیدا ہوتا رہتا تھا۔ یہ حکمراں ریاست کا مطلق العنان حاکم ہو کر امن قائم کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ اور امن قائم ہوتے ہی اسکی حکومت بھی ختم ہو جاتی تھی۔ یہ آمر صرف وقتی بادشاہ ہوتا تھا جو کسی خاص سیاسی گتھی کو سلجھانے کے لئے ظہور میں آتا اور جونہی وہ گتھی سلجھ جاتی تھی اس آمر کا وجود بھی ختم ہو جاتا تھا۔ ایک مطلق العنان حاکم ہونے کے باوجود بھی یونانی قوم اس کا اکثر پُرجوش خیر مقدم کرتی تھی۔ کیونکہ بہت سے موقع ایسے ہوتے ہیں جبکہ انسان اپنی پیدا کی ہوئی بدامنی کو دور کرنے کے لئے اپنے آپ کو خوشی سے ایک جابر حاکم کے حوالہ کر دیتا ہے۔ جس طرح ایک سخت دل ڈاکٹر ایک بیمار آدمی کے دل پر فوت کا انجکشن لگاتا ہے اسی طرح سے آمر کا کام ایک بیمار قوم کی بگڑی ہوئی حالت کو سنبھالنا ہوتا تھا۔ اس قسم کے حکمرانوں کی سب سے بڑی مثال جولیس سیزر ہے۔

شہنشاہیت اور آمریت میں بہت فرق ہے۔ شہنشاہیت کے لئے حاکم کا شاہی خاندان سے ہونا ضروری ہے مگر آمر کوئی معمولی آدمی ہو سکتا ہے جو سیاسی تعطل کے وقت اپنی بلند حوصلگی سے حکومت پر قبضہ جمالے۔ جب قانونی حکمراں اپنے فرائض انجام دینے سے قاصر رہتا ہے اور جب مُلک کی حالت تباہی کے دروازے پر پہنچ جاتی ہے تب ایک باہر کا آدمی آمر کی حیثیت سے حکومت میں گھس جاتا ہے رائینزی اور کرامویل Rienzi & Cromwell اس کی زندہ مثالیں ہیں۔

عہد ماضی کی تاریخ پر غور کرنے سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ ۱۹۱۴ء کی لڑائی کے بعد یورپ کی سرزمین آمروں کی پیداوار کے لئے کیونکر زرخیز ثابت ہوئی۔ جنگِ عظیم کے بعد جیتی ہوئی قومیں فتح و نصرت کے نشہ میں چور ہو گئیں اور جو صلح کی شرطیں مقرر کی گئیں وہ ہارے ہوئے ممالک کے لئے شکست سے بھی بدتر تھیں۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ صلح کی شرائط ایک ہولہان دم توڑتی ہوئی دُنیا کو امن وامان کے راستے پر چلانے کے لئے موزوں نہیں تھیں۔ صلح وارسیلیز کی شرائط کے مصنفوں نے بیجا سختی اور درشتی سے کام لیا۔ فتحمند قوموں کے لڑائی سے لوٹے ہوئے سپاہی اس قدر غضبناک

ہو گئے کہ انہوں نے اپنے حاکموں سے صاف صاف کہدیا کہ اگر دشمن کے نیم جاں جسموں کو اچھی طرح سے نہ کچلا گیا تو وہ اُن کا بھی خاتمہ کر دینگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شکست خوردہ قوموں سے زیادہ روپیہ وصول کیا گیا اور ان کو زیادہ سے زیادہ پریشان کیا گیا جرمنی میں روز صبح کو ایک نئی حکومت بنتی اور شام کو ناکارہ ثابت ہو کر ختم ہو جاتی۔ کیونکہ فاتح قومیں سانس لینے تک کا موقعہ نہ دیتی تھیں۔ ادہر جرمنی کا یہ حال تھا۔ اُدہر اٹلی کی بھی جو فاتح ممالک کی طرف سے جنگ میں شامل ہوا تھا کچھ حالت اچھی نہ تھی۔ اٹلی نے اپنا سب کچھ لڑائی کی نذر کر دیا تھا مگر فتح ہونے پر اس کو مال غنیمت میں معقول حصہ نہیں دیا گیا لہذا جرمنی اور اٹلی کی پریشان قوموں نے مجبور ہو کر اپنے آپ کو ہٹلر اور مسولینی جیسے جابر آمروں کے ہاتھ میں دے دیا۔ اس وقت ہمیں یاد آتا ہے کہ جب ۱۸۱۴ء میں نپولین کا اقتدار ختم ہوا تھا تو کاسل رے Castlereagh نے آواز بلند کہا تھا "میں داد فتح و نصرت کے تمغے حاصل کرنے نہیں جا رہا بلکہ یورپ کو امن و امان کے رشتے پر ڈالنے جا رہا ہوں۔ اگر ۱۹۱۸ء میں فاتح قوموں کے سیاست دانوں نے کاسل رے کی مثال پر عمل کیا ہوتا تو ہاری اور جیتی ہوئی دونوں قوموں کے واسطے مفید ثابت ہوتا اسی فائدے کو مدنظر رکھتے ہوئے کینس Keynes نے ۱۹۱۸ء میں فتحمند قوموں کو متنبہ کیا تھا کہ "وہ ہاری ہوئی قوموں کے مردہ جسموں پر لڑائی کا ناچ نہ دکھائیں"۔ مجھے کینس کے الفاظ بہت پسند ہیں وہ کہتے ہیں:-

"Do not execute a war-dance on the prostate bodies of your foes."

چنانچہ لڑائی کے خاتمہ پر ہر جگہ انتشار پھیلا ہوا تھا اور ہر ملک میں بدامنی کو روکنے کے لئے ایک طاقتور آدمی کی ضرورت تھی۔ بعض ملکوں میں تو یہ طاقتور آدمی حکومت سنبھالنے کے لئے تیار بیٹھا تھا۔

پولینڈ میں مارشل پلسڈسکی اپنے تمام ہم قوموں میں ممتاز او ربالا تھا اُس نے حکومت کے چارٹر سے غیر مطمئن ہو کر ۱۹۲۶ء میں وارسا پر حملہ کر دیا اور شہر کی گلیوں اور سڑکوں پر ایک خونریز لڑائی لڑنے کے بعد حکومت کا تختہ اُلٹ دیا اور خود ایک آمر کی حیثیت اختیار کر لی۔

ترکی نے بھی پولینڈ کی طرح ایک ایسے سپاہی کی قیادت میں قدم بڑھایا جس نے لڑائی میں شہرت حاصل کی تھی۔ نوجوان ترکوں نے جرمنی کی فتح پر جوا کھیلا تھا لہذا جرمنی کی شکست نے ترکی میں ایک نئے سردار کے لئے میدان خالی کر دیا۔ چنانچہ قسطنطنیہ کو اپنی قسمت پر چھوڑ کر درہ دانیال کے بہادر سپاہی نے ترکی قومیت کا جھنڈا انگورا کی چٹانوں پر گاڑ دیا جو اتحادیوں کی بحری توپوں کے گولوں سے محفوظ تھا۔ اسی اثنا میں یونانیوں نے ترکی پر حملہ کر کے سمرنا کی طرف دیوانہ وار بڑھنا شروع کر دیا۔ مصطفےٰ کمال نے ان پر جوابی حملہ کر کے ان کو ایشیائے کوچک کے باہر بھگا دیا اور سیورس کی صلح کی دھجیاں اڑا دیں۔ مصطفےٰ کمال نے وقت کی نزاکت کا خیال کرتے ہوئے اپنی پس ماندہ قوم کو نئی تہذیب کے سانچے میں ڈھالنا شروع کیا۔ خلافت ختم ہو گئی کثرتِ ازدواج کا قانون منسوخ ہو گیا اور شریعت اسلام کی بجائے سوٹزرلینڈ Swiss-code کے قوانین عمل میں آئے۔ عورتوں کا برقعہ اور ترکی حروفِ تہجی بھی اس نئی تہذیب کی رَو میں بہہ گئے۔ ہٹلر تک نے اپنے ملک کی قومی زندگی میں زبردست انقلاب پیدا نہیں کیا جتنا کہ ترکی میں مصطفےٰ کمال کے ہاتھوں رونما ہوا۔

روس میں آمریت کا قیام فوجی شکست اور امن قائم کرنے کی خواہشوں کی وجہ سے عمل میں آیا۔ کرینسکی گورنمنٹ کے خاتمے اور انقلابی سورماؤں کو دبانے کا سہرا لینن اور ٹراٹسکی کے سر ہے۔ روس کی آمریت اٹلی اور جرمنی کی آمریتوں میں بہت کچھ مشابہت ہے روس میں بھی حکومت کی ساری مشینری صرف ایک شخص کے ہاتھ میں ہے۔ رعایا سے یہ دریافت نہیں کیا جاتا کہ وہ کیا چاہتی ہے۔ بلکہ اُس کو مجبوراً وہ تمام باتیں قبول کرنا پڑتی ہیں جو آمر اُس کے لئے مناسب سمجھتا ہے۔ پریس ایک گراموفون ہے جس پر ہمیشہ حکومت کے ریکارڈ بجتے رہتے ہیں۔ تمام بغاوتوں اور حکومت کے خلاف آوازوں کو طاقت کے زور سے دبایا جاتا ہے۔ مذہب روسی حکومت کی نظر میں عہد جنون کی یادگار ہے اور تاریخ اقتصادی قوانین کے بدلتے ہوئے اثرات کی ایک مسلسل داستان ہے۔

اٹلی جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں فاتح ممالک کی طرف سے لڑائی میں شامل ہوا تھا مگر اس کو مال غنیمت میں مناسب حصہ نہیں ملا۔ سیاسی بےچینیوں نے مالی مشکلات کو اور بھی ناقابل برداشت بنا دیا۔ بادشاہ کی لوگ عزت کرتے تھے کیونکہ وہ بہادر اور سادہ مزاج تھا مگر اس نے ہمیشہ آمرانہ حیثیت سے حکومت کی تھی۔ لہٰذا لوگ مطمئن نہ تھے لڑائی سے لوٹتے ہوئے غیر مسلح سپاہی شہری زندگی میں مناسب جگہ نہ پا سکے اور انہوں نے انقلاب پیدا کرنے کی ٹھان لی۔ اس کے علاوہ شمالی علاقوں میں اشتراکیت پھیلنی شروع ہو گئی۔ ۱۹۲۰ء میں معاملات انتہا کو پہنچ گئے جبکہ مزدوروں نے یکایک تمام صنعتی کارخانوں پر قبضہ کر لیا۔ مگر جلد ہی ان کو اس کا احساس ہو گیا کہ وہ صنعت و حرفت کی پیچیدہ مشین چلانے کے لئے موزوں نہیں ہیں اور وہ اپنے قبضہ سے دست بردار ہو گئے۔ ادھر یہ حالت تھی ادھر مسولینی نے اپنی کالی قمیصوں والی فوج لے کر روم پر چڑھائی کر دی۔ وزیر اعظم نے بادشاہ سے درخواست کی کہ مارشل لا کا نفاذ کر دیا جائے۔ مگر بادشاہ راضی نہ ہوا اور وزیر اعظم نے استعفیٰ دے دیا۔ وزیر اعظم کے مستعفی ہونے پر بادشاہ نے فسطائی سردار کو اپنے شاہی محل میں بلا لیا۔ مسولینی نے کچھ عرصے تک دوسری جماعتوں کے ساتھ اشتراک عمل کیا اور پریس کی آزادی کو بھی برقرار رکھا مگر انقلابی اثرات ختم ہوتے ہی اُس نے فسطائی حکومت کی تشکیل مکمل کر دی۔ فسطائی جماعت کے علاوہ تمام جماعتیں ختم کر دی گئیں۔ پارلیمنٹ میں صرف فسطائی لوگوں کو داخل ہونے کی اجازت دی گئی۔ حکومت کے خلاف زبانی یا قلمی جدوجہد کو جسمانی تشدد کے ذریعہ دبایا گیا اور پریس کے در و دیوار حکومت کی آواز سے گونج اٹھے۔

سب سے آخری مگر سب سے زیادہ مشہور انقلاب جرمنی کا انقلاب ہے جو ۱۹۳۳ء میں رونما ہوا۔ شکست خوردہ جرمن قوم ایک ایسے بھیڑوں کے گلے کے مانند تھی جس کا گلہ بان کھو گیا ہو۔ صلح ورسیلز کے اثرات دور کرنے کے لئے ایک طاقتور آدمی کی ضرورت تھی۔ آخرکار وہ طاقتور آدمی میدان میں آ گیا۔ ہٹلر کی پہلی آواز میونخ کے قہوہ خانوں سے بلند ہوئی۔ اس نے باواز بلند کہنا شروع کیا کہ جرمنی کو دشمنوں نے شکست نہیں دی ہے بلکہ گھر ہی کے غداروں نے اُس کی پیٹھ میں چھرا گھونپا ہے اور یہ غدار یہودی ہیں جو ہمیشہ سے جرمنی پر غلط طریقہ سے حکومت کر کے اُس کو برباد اور تباہ کرتے رہے ہیں جب ستمبر ۱۹۳۰ء میں ایک سو سات نازی ریشتاغ کے لئے منتخب ہو گئے تو یہ خیال مستحکم ہو گیا کہ ہٹلر کامیاب ہو کر رہے گا۔ ریشتاغ کا صدر ہینڈن برگ ہٹلر کو چانسلر نہیں بنانا چاہتا تھا۔ مگر ہینڈن برگ سے کچھ غلطیاں ہو گئیں جنہوں نے ہٹلر کے لئے کامیابی کا دروازہ کھول دیا۔ پہلی غلطی کہ بروننگ کو جس کی ریشتاغ میں اکثریت تھی برخاست کر دیا۔ دوسرے یہ کہ وان پاپن کو جو بہت بدنام ہو چکا تھا حکومت کا صدر بنا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۳۲ء کے انتخابات میں قدامت پسندوں کو صرف آٹھ فیصدی

ووٹ ملے اور نازی جماعت نے چوالیس فیصدی ووٹ پائے۔ ہینڈن برگ کے مرنے کے بعد ہٹلر نے صدر اور چانسلر کے عہدوں کو ملا دیا چنانچہ اگست ۱۹۳۴ء سے ہٹلر جرمنی کا صدر۔ وزیر اعظم اور سپہ سالار ہے۔ جرمن کی تاریخ میں آج تک کسی شخص نے ایک ساتھ اتنے عہدے نہیں سنبھالے۔

آمریت کے قوانین دس بڑے بڑے فلاسفروں کی دماغی کاوشوں کا نچوڑ ہیں۔ یہ فلاسفر شوپن ہار۔ نطشے۔ بلائکے جارج سورل۔ ولیم جیمس۔ برگسن۔ ولفرڈ پریٹو۔ مکیاولی اور کارل مارکس ہیں۔ مگران میں زیادہ اہم صرف نطشے سورل اور پریٹو ہیں۔ نطشے کہتا تھا کہ عیسائیت مساوات۔ عدم تشدد۔ اُلفتِ ہمایہ۔ اور جمہوریت یہ تمام خوبیاں کمزور طبع اور آرام پسند لوگوں کی ایجاد کردہ ہیں۔ اور دُنیا میں صرف طاقتور آدمی زندہ رہنے کے مستحق ہیں۔ اس کا خیال تھا کہ جب کسی قوم کی حالت بہت زیادہ خراب ہو جاتی ہے تب اس میں ایک فوق البشر پیدا ہوتا ہے جو بگڑی ہوئی حالت کو سنبھال دیتا ہے۔ نطشے کے فلسفہ کے مطابق ہٹلر اور میسولینی جرمنی اور اطالیہ کے فوق البشر ہیں۔ آجکل کی دُنیا کو ترقی پذیر ہونے کے لئے ایک مادہ جدوجہد اور جذبۂ خودی کی ضرورت ہے۔ ایک طاقتور آدمی کا کام ہے کہ وہ ترقی پسند بنے اور دُنیا کی تمام چیزوں کو نظر انداز کر کے صرف اپنی عزت خودداری اور عروج کا خیال رکھے اور جب کبھی بھی ممکن ہو دنیا کو طاقت کے زور سے زیرِ نگیں کرلے۔

طاقت اور تشدد نطشے کے فلسفے کا خاص عُنصر ہیں۔ سورل ایک اخلاقی فلاسفر تھا وہ متدل طبقہ کے آدمیوں کا سخت دشمن تھا اور کہتا تھا کہ صرف مزدور طبقہ کو عروج دیکر انسانیت کے نام کو اُونچا کہا جاسکتا ہے۔ مسولینی نے بھی سورل کے جیسے عقیدوں کے ماتحت کسان طبقہ کو عروج دیا۔ سورل کا خیال تھا کہ صحیح ترقی ایک دھوکہ ہے مگر یہ دھوکہ کارخانوں اور کھیتوں میں ایک حقیقت بن جاتا ہے۔

پریٹو کو ہم فسطائیت کے انتظامی اُصولوں کا بانی کہہ سکتے ہیں۔ وہ بھی نطشے کی طرح طاقت کی پرستش کرتا تھا۔ اُس کا خیال تھا کہ دُنیا میں ہر زمانے میں چند خاص قسم کے آدمی پیدا ہوتے ہیں اور یہ ہی حکومت کے مستحق ہوتے ہیں۔ یہ لوگ فوق البشری حیثیت رکھتے ہیں اور ان کا چال چلن ذہانت اور طاقت دوسروں سے زیادہ ہوتی ہے۔ پریٹو جمہوریت کا دشمن ہے وہ کہتا ہے کہ جو لوگ جمہوری اُصولوں پر منتخب ہوتے ہیں وہ بیوقوف اور بے حد سادے ہوتے ہیں اور حکومت کے قابل نہیں ہوتے۔

آمریت کی پیچیدہ مشین کس طرح چلائی جاتی ہے اس موضوع پر آئندہ روشنی ڈالی جائے گی مگر یہاں صرف اتنا لکھنا کافی ہے کہ آمریت بدامنی کی پیداوار ہے اور قیامِ امن کے بعد اس کا قائم رہنا مشکل ہو جاتا ہے جب جرمنی اور اطالیہ کے سپاہی روزانہ کے فوجی قواعدوں اور گردشوں سے گھبرا اُٹھیں گے اور رعایا میں بھی امن کی خواہش پیدا ہو گی تب ایک زبردست انقلاب کے بعد آمریت کا خاتمہ ہو جائے گا۔

محمد مرغوب صدیقی بی اے

کیا نہ کریں

بہن مسز عبدالسبحان نے "کیا کریں" لکھ کر ہماری دکھتی رگ کو چھیڑ دیا ہے - ابھی وہ ہونگی کوئی ایسی خوش قسمت بہن کو کچھ کرنا ہی نہ ہوتا ہوگا - یہاں تو حوا کی بیٹیوں کی دن رات یہ درگت ہے کہ کولہو کے بیل بھی بھلے - اور "خاص ایک مشغلہ پسند" کر لینے کی ایک ہی کہی - گھر اور بال بچوں کے جنجال سے جو چھٹکارا ملے تو ہوبی بنو Hobby "تلاش کریں - یہاں تو صبح سے شام تک وہی پروگرام ہے جو ہوش سنبھالتے ہی شروع اور عمر گذرتے "گذرتے جب ہوش و حواس میں فتور اور ہاتھ پیروں میں رعشہ آگیا تو ختم ہونے میں آتا ہے - لیکن خوش قسمتی سے اگر کسی نے جان چرا کر - ہاں ان کاموں سے بچنے کی خاطر عدم آباد کی راہ لی تو پھر تو چین لکھا ہے - مگر اسرافیل یعنی خدائی خطرہ کی سیریں جب تک نہ بجے وہ مزے سے چھٹیاں مناتی رہیں گی - میرے خیال میں ایسی ہی کوئی بے مصرف اکیلی اور بے فکری عورت ہوگی جو بیکاری میں وقت گذارتی ہو - عورتوں کی تخلیق تو ابھی فضا میں ہوتی ہے کہ دنیا میں اس کو والدین اور بھائی بہنوں کی خدمتوں سے فرصت نہیں ملتی - اس کے بعد تعلیم کا دور شروع ہوتا ہے اس وقت نصاب کی ان گنت کتابوں کو رٹتے - ہوم ورک اور اسکول کا کام کرتے - پھر دستکاریوں میں مشق جاری رکھنے کے بعد اتنی بھی فرصت آسانی سے نہیں ملتی کہ وہ کسی دلچسپ مشغلہ کی جانب دھیان کرے - امیروں کو تو چھوڑیئے امیروں کی تعداد ہے کتنی - اس فلاش ہندوستان کے مفلس باشندوں میں درمیانی طبقہ کی مصیبتیں سب سے بڑھ کر دردناک ہیں - اکثر اوقات لڑکیوں کو تڑکے اٹھ کے اپنے اور ننھے ننھے بھائی بہنوں کے ناشتے کی تیاری کرنا پڑتی ہے - اس کے بعد برائے نام ہی سہی بالوں میں کنگھی کرنا - غسل کر کے کپڑے بدلنا - تھوڑا اسکول کا کام ختم کر کے اسکول جانا اس قدر دشوار ہوتا ہے کہ صبح سے آٹھ یا نو بجے تک انہیں سانس لینے کی مہلت نہیں ملتی - پھر اسکول میں گاڑی یا بس کی کمی کی وجہ سے اکثر دو یا تین ٹرپ ہوتے ہیں - اسکول تو کہیں دس بجے سے شروع ہوگا - فرسٹ ٹرپ کی لڑکیوں کو ان کے گھروں سے ۷ کبھی ۸ ہی بجے نکل جانا پڑتا ہے - اب بتائیے کہ انہیں ضروریات مثلاً غسل کرنا - یا کپڑے دھونے کی بھی مہلت نہیں ملتی "کیا نہ کریں" اس وقت انکا سوال ہوتا - اسی طرح ان کی ماؤں کی یہ حالت ہوتی ہے - کہ اگر گھر میں دو چار ملازم ہیں تو ان کے پیچھے پکڑ یہ کرو وہ کرو تاکید سے کام کرانے میں مشغول رہتی ہیں نوکر نے جہاں ذرا دیکھا کہ بیگم صاحبہ کسی اور دھن میں لگ گئیں تو وہ بھی کسی بہانے باہر کی ہوا کھانے نکل جاتے ہیں - نہیں تو آرام کرتے ہیں - اگر دو یا ایک ہی ملازم گھر میں ہوئے تو پھر آمدنی کم - اور کام زیادہ ہونے کی وجہ سے خود صاحب خانہ کو ہر دم ہر کام انجام دینا پڑتا ہے - بچوں کی وجہ سے یہ بیچاری کبھی تو تڑکے تڑکے جاگتی ہیں - اور ان کو اسکول وقت پر پہنچنے کو جگاتی ہیں - خواہ ننھے بچے کی وجہ سے تمام رات نیند کیوں نہ ان کی آنکھوں میں کٹی ہو - اب بتلائیے کہ دوپہر میں کچھ دیر یہ بیچاریاں آرام نہ کریں تو کیا کریں - اور وہ بھی اللہ کے فضل سے شاید کسی بیوی کو نصیب ہوتا ہوگا یا نہیں - کیونکہ عام طور پر دوپہر کو جب مرد دفتروں میں ہوتے ہیں اور لڑکیاں لڑکے اسکولوں میں ننھے بچوں کو سلا کر خانہ داری کے ایسے مسئلوں میں مشغول ہو جاتی ہیں - اور دو گھنٹے اس اہم فرض کو ادا کرنے میں گذارتی ہیں - اگر سلائی نہ کریں تو درزی کہاں - بچوں کے اسکول کی فیس اور میاں کے کلب کے اخراجات کہاں سے پورے پڑیں گے -

امیر طبقہ کی بہنوں میں کبھی آئے دن مہمان داری اور سوشیل مصروفیات سے اتنی فرصت نہیں ملتی کہ وہ بیکاری سے گھبرائیں۔ البتہ انہیں تفریح کے لئے وقت مل جاتا ہے۔۔ وہ ٹرینڈ ملازموں کے برتے پر جن کی تنخواہیں بھی معقول ہوا کرتی ہیں کچھ دیر کے لئے اپنی معمولی خانگی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو کر سیر و تفریح بھی کر لیتی ہیں۔ سوشیل نظام کی خدمات بھی انجام دیتی ہیں۔ کتب بینی اور مضمون نگاری پر بھی کافی وقت صرف کر کے اپنی دلبستگی کا انتظام کر لیتی ہیں۔ اعلیٰ سوسائٹی کی خواتین کے لئے موسیقی۔ نقاشی اندرون اور بیرون خانہ کھیلوں سے واقفیت ازبس ضروری ہے۔ بلکہ اب تو جدید خیالات کے زیر اثر رقص کی تعلیم بھی لڑکیوں کو دلانا ضروری ہو گیا ہے۔ کیونکہ اس سے ورزش اور جسم میں چستی پیدا ہونے کا سوال بھی حل ہوتا ہے۔ کچھ دیر گانے بجانے کی مہارت میں گذارنا بھی ضروری ہے۔ عموماً رات کو کھانے کے بعد کچھ دیر تفریح کے لئے گانا بجانا یا پھر برج کا دور بھی لازمی ہوتا ہے۔ اب بتائیے کہ اسکے بعد اور ہم کیا کریں۔ بلکہ یہ کہئیے نہ ہماری اشک شوئی ہوتی کہ ہم کیا نہ کریں۔ اور کوئی فرصت کا دن تجویز کر دیتیں تو ہم دونوں ہاتھ اٹھا کر آپ کو دعائیں دیتے۔

جمیلہ بیگم۔ کلکتہ

مناجاتِ ازل

اے خدائے بدیع ارض و سما — اے ہر ایک ذی حیات کے داتا
تجھ سے اپنی دعا ہے شام و سحر — رحم کر امتِ محمدؐ پر
تجھ سے منہ اپنا موڑنے والے — تیری حدوں کو توڑنے والے
مبتلائے فجور شام و سحر — بحر عصیاں میں غرق آٹھ پہر
فسق و بدعت پہ ہیں کمربستہ — چھوڑ بیٹھے ہیں سیدھا رستہ
حکم قرآں بھلا دیا ہم نے — نفس رہبر بنا لیا ہم نے
زالِ دنیا سے دل لگا بیٹھے — وعدے عقبیٰ کے سب بھلا بیٹھے
اتباعِ نبیؐ کو چھوڑ دیا — رشتہ شیطاں سے ہم نے جوڑ دیا
بخش دے بخش دے ہماری خطا — تو نہ بخشے گا تو کون بخشے گا
دست بستہ کھڑے ہیں تیرے حضور — عفو کر عفو کر ہمارے قصور
نفس و شیطاں سے تو بچا ہم کو — دامِ عصیاں سے تو چھڑا ہم کو
اپنے پیارے نبی کے صدقے میں — نیک بندوں میں کر شمار ہمیں

جائے خالی نہ یہ ازل کی دعا
اس کو یارب ہے آسرا تیرا

ابو الاعجاز ازل
(لاہور)

مناجاتِ حبیب

رحم کر مولا تو ہم پر رحم کر تو رحم کر — ہم تو عاصی ہیں سراسر رحم کر تو رحم کر
آستاں تیرا ہو اور اپنی جبیں ہو اے کریم — تو ہے اول تو ہے آخر رحم کر تو رحم کر
عفو کر سب کے گناہ اپنے کرم سے اے غفور — تو ہے مولا تو ہے داور رحم کر تو رحم کر
نورِ عرفاں سے منور کر دے یارب سب کے دل — تاکہ دل ہوں رشکِ گوہر رحم کر تو رحم کر
[illegible] عطا کر ہم کو اپنے فضل سے — علم کا دے سب کو زیور رحم کر تو رحم کر

حبیب النساء بیگم بی اے ایل ٹی مدراس

(سلسلہ کے لئے اکتوبر ۱۹۴۱ء کا عصمت دیکھئے)

نجمہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی اور خوب روئی بہت دیر تک یہی حالت رہی جمیل صاحب خود بے حال ہو رہے تھے۔ لیکن جب اپنی حسرت نصیب جوگن کی بہت حالت خراب دیکھی تو لٹا دیا صراحی سے پانی لے کر پلایا اور خود اس کے قریب بیٹھ کر کہنے لگے: "نجمہ عرصہ دراز کے بعد اتفاقیہ ملاقات ہوگئی تو تم نے اس قدر چھپانے کی کیوں کوشش کی۔ سارا سفر ختم ہو جاتا اور مجھ کو وہم و گمان بھی نہ ہوتا کہ یہ خستہ حال جوگن میری ہی نجمہ ہے۔" "چھپاتا کیا آپ کو پہچانتے ہی میرا ارادہ دوسرے درجہ میں چلے جانیکا تھا۔ لیکن انسان اور پھر نسوانی کمزوری کہ اپنے نو سالہ بچھڑے ہوئے جان سے زیادہ عزیز کو چھوڑ کر یہاں سے نہ جاسکی اور جو کچھ آپ نے کہا مانتی چلی گئی۔ کل سے آپ کی ہی مہمان ہوں یہاں بھی ساتھ ہی کھایا اور ڈائیننگ کار تک چلی گئی ورنہ کوئی عورت کسی ہم سفر اجنبی کے ساتھ اس قدر جلد بے تکلف نہیں ہو سکتی۔ آپ بھی دل میں کیا کہتے ہونگے کہ بناوٹی سادھنی ہے دراصل کوئی بے حد آزاد اور بے باک عورت ہے۔" جمیل نے جواب دیا "ہرگز نہیں میں تو دنیا سے بے لاگ خدا پرست دیوی سمجھ رہا تھا کیونکہ ایسے لوگوں کو دنیا کی اونچ نیچ اچھے برے کی پروا نہیں رہتی۔ مگر کمال ہے نجمہ مجھ سے تو ہرگز اتنا صبر نہ ہو سکتا لیکن اب جبکہ خدا نے ہمیں زندگی میں پھر ملا دیا ہے تو اب عمر بھر تنہا نہ ہونا چاہیئے۔" یہ سُنکر نجمہ اُٹھ بیٹھی اور کہنے لگیں "اسی لئے جمیل صاحب اسی خیال سے میں اپنے کو ظاہر کرنا نہ چاہتی تھی کہ جب ہماری تقریباً نصف سے زیادہ زندگیاں ختم ہو چکی ہیں اور وہ جوش و خروش و شدتِ محبت کا زمانہ تڑپ تڑپ کر گذار دیا ہے تو اب آخر وقت میں جبکہ ہم دونوں ایک دوسرے کے لئے صبر کر چکے ہیں۔ ساتھ رہنے کا خیال بھی کرنا بیکار اور ناممکن ہے کہیئے آپ کے کتنے بچے ہیں اب تو شکیلہ بیگم بالکل اطمینان سے ہوں گی۔ سالہا سال گذر گئے بدبخت نجمہ ان کی دنیا سے نابود ہو چکی ہے۔" یہ تقریر جمیل صاحب خاموش سُنتے رہے۔ پھر جواب دیا "یہ سب درست لیکن نجمہ ہمارے تعلقات وقتی نہ تھے۔ تم نے تو اپنی زندگی ہی تباہ کر دی۔ میری جُدائی بھی اور خدا جانتا ہے کہ میں بھی اس نو سالہ جُدائی کے لمبے زمانہ میں ایک منٹ کے لئے بھی تمہیں نہ بھول سکا۔ میری ہستی ایک مشین ہے جو اپنا کام کر رہی ہے گو میں اپنے کل فرائضِ زندگی ادا کر رہا ہوں اور دُنیا کی نظروں میں خوش حال ہوں۔ بیوی بھی مجھ سے خوش ہے۔ پانچ بچے موجود ہیں اور چھٹا ان ہی دنوں دُنیا میں آنے والا ہے۔ تمہارا جمیل خوش نصیب کہا جا سکتا ہے۔ مگر جو دل پر گذرتی ہے وہ سوائے خدا کے کسی کو معلوم نہیں۔ میں تو سمجھ چکا تھا کہ تم زندہ ہی نہیں ہو۔ لیکن جب اسی دنیا میں مصیبت کی گھڑیاں گذر رہی ہوں تو کیوں نہ ایک جگہ رہیں کہ کبھی کبھی مل لیا کریں۔ چلو پھر کلکتہ وہاں کسی گاؤں میں کُٹیا بنا لو قریب ہو گی تو ایک دوسرے کو دیکھ لیا کریں گے۔" "اچھا دیکھا جائیگا اس وقت تو میں ایک ضروری کام سے ہندوستان سے باہر جا رہی ہوں۔" "نہیں جناب اب آپکو بالکل تنہا نہیں چھوڑا جائے گا کہ پھر ہمیشہ کے لئے غائب ہو جائیں۔ میں برابر آپکے ساتھ رہوں گا۔ چلو میرے ساتھ پشاور چلو۔ مسز حامد بہت خوش ہوں گی وہ ہمارے کُل حالات سے واقف ہیں وہ نجمہ کو ایک رنگین تیتری مسوری پر دیکھ چکی ہیں اب اس جوگن کو بھی دیکھ لیں۔" نجمہ نے جواب دیا "میں پشاور تو نہ

جاؤں گی اس وقت تو لاہور اُتر جانے دیں ایک نہایت ضروری کام ہے - ہاں واپسی میں جو دن اور تاریخ بتائیں میں آپ کو لاہور اسٹیشن پر مل جاؤں گی "۔ "نجمہ میں تمہارے کہنے کا یقین کیسے کرلوں پھر مجھے دھوکا تو نہیں دے رہی ہو- کلکتہ سے کیسی غائب ہوئی تھیں اب کس طرح جوگن تارا بنی رہیں مجھے یقین نہیں اچھا میں شادی میں نہیں جاتا میں لاہور ہی اُتر جاؤں گا جہاں تم ٹھہرو گی وہاں مجھے بھی رکھ لینا - اس کے بعد جہاں جاؤگی میں ساتھ جاؤں گا جب تم اپنے کاموں سے فراغت پا لوگی تب کلکتہ چلے چلیں گے"۔ ان کا یہ ارادہ سُنکر نجمہ ہنسیں اور کہا ؎

کی مرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ ہائے اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

یہ شعر سُنکر جمیل کی شرمسار آنکھیں نیچے جھک گئیں اور وہ عرق ندامت سے تر ہوگئے دس پندرہ منٹ تک خاموش رہے اس کے بعد منفعل نگاہوں سے نجمہ کی طرف دیکھ کر کہا "لیکن اگر مقتول میں کچھ جان باقی رہ جائے تو گنہگار قاتل کچھ نہ کچھ تلافی کرسکتا ہے"۔ اتنے میں ڈائننگ کار کا بہرہ چائے لے کر آگیا- دن کی روشنی پھیل چکی تھی- ٹرین ایک اسٹیشن پر رُکی ہوئی تھی تب ان کو معلوم ہوا کہ صبح ہوگئی ہے۔ دونوں نے چائے پی جمیل نے ٹکڑے پر مکھن لگاکر نجمہ کو دیتے ہوئے کہا "دیوی جی آپ نے دُنیا تیاگ دی اور جوگن کا لباس اختیار کیا لیکن ابھی تک حج کا خیال نہیں آیا؟ جو ہر ایک زمانے کے ستائے ہوئے مسلمان کو سب سے پہلے سوجھتا ہے"۔ "آپ کو کیا معلوم کہ آپ کی یہ گنہگار جوگن دوبار فریضہ حج ادا کر چکی ہے- علاوہ اس کے تمام ممالک اسلامیہ کی سیاحت بھی کر چکی ہے اور زندگی کا مشغلہ ہی کیا تھا؟ جمیل صاحب آٹھ سال میں ہندوستان سے باہر رہی ہوں- اسی سال واپس آئی تھی- چچا جان بہت بیمار تھے اُن کو دیکھنے اور اپنی جائداد فروخت کرنے کے تے - یہاں پہنچے ابھی سال بھی نہیں گذرا کہ آپ کی زیارت نصیب ہوگئی"۔

جمیل نے کہا "بہت ہی اچھا ہوا آپ کو اپنے مرشد کی زیارت نصیب ہوگئی اور اس پجاری کو بھی اپنی دیوی مل گئی- اب آپ کا ساتھ نہیں چھوڑا جاسکتا میں لاہور اُترتا ہوں مسز حامد کو تار دے دونگا کہ میری طبیعت خراب ہوگئی ہے شادی میں شریک نہیں ہوسکتا"۔ "نہیں نہیں ایسا ہرگز نہ کریں آپ شادی میں جائیں میں لاہور چھ دن رہوں گی اور جس دن آپکا تار ملے گا اسٹیشن پر حاضر ہوجاؤں گی- میں بھی اب خانہ بدوشی کی زندگی سے تنگ آگئی ہوں- چلئے کچھ دن کے لئے کلکتہ ہی چل کر رہوں گی"۔

جمیل اس وعدے سے بہت خوش ہوئے لاہور تک کا سفر نہایت خوشگوار رہا- برابر باتیں ہی ہوتی رہیں مگر غریب نجمہ بھی بہت خوش تھی کہ زندگی میں جمیل کو ایک بار اور دیکھ لیا- جمیل سے اُس کے بچوں کی تصویر لے کر دیکھی جو وہ بیگم حامد کو دینے کو لے جارہے تھے- نجمہ نے لے کر واپس نہ دی - جمیل نے ہر چند چاہا کہ لاہور اُتر کر ان کی جائے قیام دیکھے مگر نجمہ نے لاہور اُترنے کی کسی طرح اجازت نہ دی - جمیل کے بیحد اصرار پر اُنہوں نے پختہ یقین دلا دیا کہ لاہور ریلوے اسٹیشن پر مل جاؤں گی - ان دونوں کا سارا دن اسی طرح باتوں میں کٹا اور ٹرین کی دوسری رات بھی بیٹھ کر بسر کی جب گاڑی امرتسر پہنچی تو جمیل صاحب بہت بے چین ہوگئے کہ اب لاہور قریب ہے - نجمہ جانتی تھی کہ لاہور کے بعد ان سے چا نہ پی جائیگی اس لئے خود کہا کہ "چاہے یہیں منگوا لینی چاہیئے"۔ مگر اُنہوں نے جواب دیا کہ "آپ لاہور اپنے قیام گاہ پر پہنچکر پی لیجئے- میں تو اس وقت نہ پیوں گا بالکل جی نہیں چاہتا"۔ ان کا ملازم آگیا اُس نے بستر وغیرہ درست کیا اور ان کے حکم سے نجمہ کا سامان بھی ٹھیک کردیا بستر ابھی نہ بندھ سکا کہ وہ اپنے کمبل پر بیٹھی تھیں بشیر ملازم کے جانے کے بعد جمیل صاحب درمیانی

سبٹ سے اٹھ کر نجمہ کے پاس بیٹھ گئے اور بہت ہی غمگین لہجہ میں کہا "نجمہ اب ہماری یکجائی کا صرف ایک گھنٹہ باقی ہے گو آپ وعدہ کر رہی ہیں کہ آج سے چھٹے دن ضرور مجھ سے اسٹیشن لاہور پر ملیں گی - لیکن مجھ کو کچھ امید نہیں کہ ایسا ہو گا - اب پھر ہمیشہ کی جدائی کے خیال سے دل بیٹھا جاتا ہے - میں تو شادی کی شرکت بھی چھوڑنے کو تیار تھا اگر آپ اجازت دیتیں" نجمہ نے جو خود بھی منہ جھکائے ہوئے غمگین بیٹھی تھی - جواب دیا "آپ ناحق مجھ پر بدگمانی کرتے ہیں - میری بات کا یقین نہیں آتا - آہ اب تو اس کا اقرار جھوٹا معلوم ہوتا ہے - جس نے اپنی زندگی آپ کے نام پر قربان کر دی - میری تو خود دلی آرزو ہے کہ عمر کا آخری حصہ آپ کے قدموں میں نہیں تو آپ کے قریب بسر ہو جائے" - یہ کہہ کر رونے لگی جمیل بھی بیحد رنجیدہ و پریشان تھے - وقت گذر رہا تھا گاڑی تیز رفتاری سے لاہور پہنچنے کی کوشش کر رہی تھی اور یہ دونوں چاہتے تھے کہ ٹرین ابھی لاہور سے کوسوں دور رہے تو اچھا ہے - جمیل صاحب نے کھڑکی سے باہر دیکھا تو لاہور کی بڑی بڑی عمارتیں نظر آنی شروع ہو گئی تھیں - جن کو دیکھتے ہی وہ بے چینی سے کھڑے ہو گئے اور کہا "اٹھو نجمہ لاہور پہنچ گئے میں تمہارا بستر باندھ دوں" نجمہ اٹھیں رومال سے اپنی آنکھیں خشک کیں بکھرے ہوئے بال چہرے سے ہٹائے اور گھبرا کر باہر کی طرف دیکھا واقعی لاہور تھا - گاڑی آہستہ آہستہ رینگتی ہوئی اسٹیشن پر پہنچ رہی تھی جمیل صاحب نے بیچاری جوگن کا بستر جو صرف ایک کمبل دری اور ایک کشن تھا تینوں چیزیں لپیٹ دیں - ایک جھٹکے کے ساتھ گاڑی ٹھہر گئی - بشیر ملازم آ گیا تھا اس نے نجمہ کا سامان قلی کو دیا - دونوں بھی نیچے اتر آئے اور نجمہ کے منع کرنے پر ان کو سوار کرانے اسٹیشن سے باہر آئے - ایک ٹیکسی کی اور انکو بٹھا دیا - اور نجمہ سے کہا کہ "اب شوفر کو بتا دیجئے کہ کہاں لے جائے؟" نجمہ نے شوفر سے کہا "نسبت روڈ چلو" پھر جمیل سے کہا "خدا کے سپرد اب آپ جائیے ٹرین نہ چھوٹ جائے" - جمیل صاحب کار سے باہر کھڑکی کے قریب کھڑے تھے - اور نجمہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ میں تھا - نجمہ سے یہ سنکر کہ "اب آپ جائیے" ایک بار پھر کہا "میں اس وقت ٹھہر جاؤں اور رات کی ٹرین سے چلا جاؤں بشیر کیا ہے سامان اسی ٹرین سے جانے دیا جائے؟" ڈرتے ڈرتے آہستہ سے کہا اور جواب کے انتظار میں کھڑکی پر سر جھکا دیا۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر نجمہ نے جواب دیا "جمیل صاحب آپ کو میری قسم فوراً جائیے - ٹرین چل دے گی - پانچویں دن اسی جگہ ملیں گے" - یہ سنتے ہی وہ فوراً گاڑی سے علیحدہ ہو گئے اور دوسری طرف منہ پھیر کر تیز قدموں سے چل دئے -

نذر سجاد حیدر

(باقی آئندہ)

بقیہ صفحہ ۴۶۸ کا

وہ بہت خوش تھے - وہ ایک ایسی جگہ ہو کر آئے تھے جہاں دنیا کی آفرینش سے ابتک کوئی انسان نہ پہونچ سکا تھا - اسکے بعد کے چار سال کے عرصہ میں ڈاکٹر بیب کئی مرتبہ سمندر میں اترے - انہوں نے بےتھی اسفیر میں کئی ترمیمیں کر لی تھیں جنکی وجہ سے بہت زیادہ گہرائی تک جانا ممکن ہو گیا - ایک مرتبہ تو اس گولے کے اندر ہی ایک ریڈیو کا آلہ نصب کر دیا گیا تھا - جسکے ذریعہ سے ڈاکٹر بیب نے سطح سمندر کے نیچے سے اپنے مشاہدات نشر کئے - ۱۱ اگست ۱۹۳۳ء کو وہ دو ہزار پانچ سو فٹ کی گہرائی تک اترے اور چار ہی دن کے بعد تین ہزار اٹھائیس فٹ کی گہرائی تک گئے یعنی نصف میل سے کچھ اوپر - جن خطرات کا مقابلہ کرنا پڑا اسکا اندازہ کچھ مشکل نہیں - اگر بلور کا ٹکڑا فولاد کا خول کافی مضبوط نہ ہوتا اور پانی اندر گھس آتا تو لمحہ بھر میں اسکا خاتمہ تھا اور اس کی موت سے جو نقصان سائنس کو ہوتا اس کا اندازہ لگانا آسان نہیں -

اخلاق احمد

پانی

جب کسی مقام کا ذکر آتا ہے تو پہلا سوال عام طور پر یہ کیا جاتا ہے کہ وہاں کی آب وہوا کیسی ہے۔ بات یہ ہے کہ صحت اور زندگی کے لئے صاف ہوا اور اچھا پانی لازمی ہے۔ پانی کی ضرورت انسان کو اس لئے بہت زیادہ ہے کہ بدن کا جزو اعظم پانی ہے۔ اگر کسی شخص کا وزن تین من ہو تو اس میں دو من پانی ہے اور باقی ثقیل اشیا۔ بذریعہ سانس ہمارے بدن کا پانی ہر وقت خارج ہوتا رہتا ہے۔ اس کا تجربہ اس طریقہ سے ہو سکتا ہے کہ اگر ہم کسی شیشے یا آئینہ پر سانس کی ہوا چھوڑ دیں تو وہ بالکل نم ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ پسینہ وغیرہ کے ذریعہ بہت سا پانی خارج ہوتا ہے اس طور پر جو کمی ہوتی ہے۔ اس کا پورا کرنا لازم ہے۔ لہٰذا صحت کے قیام کے لئے ضروری ہے کہ ہم کافی مقدار میں صاف پانی استعمال کریں۔

خالص پانی - صاف پانی سے یہ مُراد نہیں ہے کہ اس کا رنگ شفاف ہو اور وہ بدمزہ نہ ہو۔ اکثر بیماریوں کے مادے نہایت خفیف مقدار میں پانی میں شامل ہو جاتے ہیں اور ان سے پانی کے رنگ و بو اور مزہ میں کوئی فرق نہیں آتا۔ تاہم وہ زہر کی طرح مضر ہو جاتا ہے۔ پانی کے متعلق قدیم زمانہ میں یہ خیال تھا کہ یہ بھی ایک عنصر ہے۔ آتش خاک باد کے علاوہ۔ لیکن تحقیقات سے ثابت ہوا کہ پانی خود عنصر نہیں ہے۔ بلکہ کیمیاوی اتصال سے بنا ہے یعنی دو حصہ آکسیجن اور ایک حصہ ہائیڈروجن۔ لیکن کیمیاوی خالص پانی ہم کو میسر نہیں ہو سکتا۔ پانی کی خاصیت یہ ہے کہ جس ظرف میں رہتا ہے اور جس زمین میں ہو کر گذرتا ہے اور جو چیزیں اسمیں گر جاتی ہیں یہ ان سب چیزوں کے اجزا اپنے میں حل کر لیتا ہے پس اس خیال کو تو چھوڑ ہی دینا چاہیئے کہ ہم ایسا پانی استعمال کریں جو کیمیاوی طور پر خالص ہو کیونکہ ان کا حاصل ہونا ناممکن ہے البتہ حفظ صحت کی غرض سے ہم ایسے پانی کو صاف پانی قرار دیتے ہیں جو مضر حیوانی مادوں اور مضر بخارات اور مضر معدنیات سے پاک ہو بڑے بڑے شہروں میں صاف کیا ہوا پانی بذریعہ نلوں کے ہم پہنچایا جاتا ہے۔ لیکن یہ نل گھر گھر تقسیم نہیں کئے جاتے بلکہ جا بجا راستوں میں نصب کر دئے جاتے ہیں۔ اور اکثر مکانات ان پانی کے نلوں سے بہت دُور ہوتے ہیں صرف امراء اپنے گھروں میں نل لگا سکتے ہیں۔ باقی لوگ بہشتیوں یا کہاروں سے پانی بھرواتے ہیں۔ بہشتی چمڑے کی مشکوں میں پانی گھروں میں بھر جاتے ہیں۔ پانی خواہ کتنا ہی خالص ہو لیکن مشکوں کی وجہ سے نہایت جلد زہریلا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مشکوں کا صاف رکھنا ناممکن ہے۔ اگر بہشتی کے مکان یا محلہ میں ہیضہ۔ چیچک یا محرق بخار ہو تو اس کی چھوت مشک پر فوراً اثر کرتی ہے۔ اور اس طریقہ سے بیماری نہایت آسانی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتی ہے۔ دھات کے برتن نہایت آسانی سے صاف رکھے جا سکتے ہیں۔ اور پانی رکھنے کے لئے موزوں ہیں۔ پیتل کے برتن اہل ہنود کے ہاں اس کام میں لائے جاتے ہیں۔ ان برتنوں میں پانی کے چھوت کا اثر مشکل سے ہو سکتا ہے اور دھاتی برتن پانی کو بھی صاف کرتے رہتے ہیں۔ کیونکہ ان دھاتوں کا اثر جراثیم کے لئے مضر ہوتا ہے اور ہمارے گھروں میں پانی عموماً صراحی یا گھڑوں میں رکھا جاتا ہے۔ ان ظروف میں پانی تو خوب ٹھنڈا ہوتا ہے لیکن بلکہ زہریلے مادے جذب کرتے ہیں۔ پانی کا۔۔۔

خدا کا پیغام

حقیر تر تھا جہاں میں وجود عورت کا جبین دہر پہ گویا کلنگ کا ٹیکا تھا
ذلیل تر تھا غلاموں سے مرتبہ اس کا یہ ناچتی تھی اشاروں پہ آدمی کے سدا
کچھ ایسی آئی اسے لذتِ اسیری راس کبھی نہ اپنی غلامی کا بھی ہوا احساس
جہالت اس طرح داخل تھی اسکی فطرت میں شریک تھی نہ یہ علم و ہنر کی دعوت میں
بہی علوم کی گنگا نہ اُس کے کام رہی اسے مجال بھی کب تھی جو سرکشی کرتی
وفا تھی اس کا دھرم کیش تھا پتی بھگتی کہ جھوٹے ٹکڑوں سے ہوتی تھی پرورش اسکی
وقار اس کا نہ تھا آبرو نہ تھی اس کی بری طرح سے گزرتی تھی زندگی اس کی
ستائے جاتا تھا اس کو عتاب مردوں کا غرض کہ زہر کے پیتی رہی یہ گھونٹ سدا

کہ ایک روز جہاں میں یہ انقلاب ہوا بلند اس کی فضیلت کا آفتاب ہوا
گھٹائیں جہل کی رخصت ہوئیں فضاؤں سے دیا پیام خدا عرش کے مکینوں نے
کہ جاگ جاگ اے بدبخت دخت مشرق جاگ ہمارے حکم سے کھلتے ہیں آج تیرے بھاگ
ستاتے اور تجھے یہ ہمیں گوارا نہ تھا سبھی طرح سے لیا ہم نے امتحاں تیرا
غلط نہیں جو کہیں تجھ کو صبر کی دیوی کہ دل پہ نقش ہمارے ہے شخصیت تیری
نہ ہو فسردہ نئی رو تجھے بتاتے ہیں سروجنی کو ترا رہنما بناتے ہیں
زباں پہ جس کی ہیں تہذیب اور ادب کے سخن بھرا ہے معنی و فکر عمیق سے دامن
لہو میں دوڑتا ہے جس کی جوشِ حب وطن سدا بہار رہے گا جہاں میں جس کا چمن
نفاق و جہل کو دنیا سے یہ مٹائے گی ہماری بزم میں اونچا مقام پائے گی
سنا کے ہند کی زن کو پیامِ خودداری مٹائے گی یہ ہزاروں برس کی بیماری
دل و دماغ میں اس کی ہے جوشِ آزادی گوارا ہوگی نہ اس کو کسی کی بربادی
حریف اس پہ ستم کے پہاڑ ڈھائیں گے ہر ایک جبر و تشدد عمل میں لائیں گے
کسی سے رُک نہ سکے گا مگر قدم اس کا تمہارے واسطے لے گی یہ مول ہر خطرا

اسی طرح سے کرو تم بھی قوم کو بیدار اسی طرح سے تمہارا بھی ہوگا بیڑا پار
اسی سے سیکھو تم بھی بہائے پر اُپکار اسی کی سعی سے قائم تمہارا ہوگا وقار
اسی کی فکر سے عورت نجات پائے گی یہی حیات کو تازہ پیام لائے گی

فرشتے دے کے پیامِ خدا ہوئے خاموش زمین ہوگئی مسرور - آسماں مدہوش

وید پرکاش شاد بی اے مرادآبادی

پاگل

لوگ اسے پاگل کہتے تھے لیکن میرے خیال میں وہ پاگل نہ تھا زمانہ کی نیرنگیوں نے اسے گم کردہ ہوش و حواس کر دیا تھا وہ اکثر ہمارے یہاں آیا کرتا تھا۔ میرے چھوٹے بہن بھائی اس سے ڈرتے تھے لیکن نہ معلوم کیوں مجھے اس سے ایک طرح کی ہمدردی اور انسیت پیدا ہو گئی تھی۔

ایک روز میں نے اسے مخاطب کیا "مٹھو کے باپ" تھوڑی دیر کے بعد اس نے وحشیانہ انداز میں کہا "کیا ہے بائی جی" میں نے کہا "تو کیوں اس طرح پھرا کرتا ہے" اس نے کہا "بائی جی تم نہیں جانتیں۔ ہاں میں کیا کہہ رہا تھا ــ ہو میرا مٹھو لوگ کہتے ہیں مر گیا تم بتاؤ کیا وہ مر گیا"؟ یہ کہہ کر وہ معنی خیز نگاہوں سے میری طرف دیکھنے لگا۔ اسکی حسرت بھری نگاہوں کو دیکھ کر مجھے جھوٹ بولنا پڑا۔ میں نے کہا "نہیں" یہ سُنکر اس نے کہا "عجیب معاملہ" آہا ہا ہا اس نے ایک خوفناک قہقہہ لگایا میں ڈر کر پیچھے ہٹ گئی اس نے کہا "ڈرو نہیں تم کو نہیں معلوم جب پاربتی کے مٹھو پیدا ہوا تھا تو اس نے کہا تھا کیا کہا تھا ــ ہاں اس نے کہا تھا مٹھو ہمیشہ میرے ساتھ رہیگا۔ مٹھو بڑا ہوتا گیا مٹھو کے بعد پاربتی کے گیارہ پیدا ہوئے اس سے نہ پاربتی کو اور نہ مجھے کچھ دلچسپی تھی دن اور رات ــ ہاں میں کیا کہہ رہا تھا"۔ اس نے ایک پُر درد سانس لیتے ہوئے کہا "ایکدن پاربتی پانی لینے گئی میرا مٹھو اب بیس سال کا نوجوان تھا۔ میں اور پاربتی بوڑھے ہو چکے تھے۔ جب پاربتی پانی لیکر آئی تو میں نے پوچھا "مٹھو کہاں ہے"؟ "کھیل رہا ہوگا" اس نے نہایت اطمینان سے کہا میں نے جلا کر کہا "تو نے لڑکے کا ستیاناس کر دیا"۔ پاربتی نے بڑے بھولے انداز سے کہا "جب اس کی شادی ہو جائیگی تو وہ خود اچھا ہو جائیگا" میں نے کہا "اسے کوئی لڑکی بھی دیگا"؟ وہ تحکمانہ انداز سے بولی "کیوں نہیں" ہاں میں کیا کہہ رہا تھا"۔ ہاں مٹھو کی ماں نے مجھ سے مرتے وقت کہا تھا کہ میرے مٹھو کو اچھی طرح رکھنا اس کو کبھی رنجیدہ نہ کرنا جتنی جلدی ہوسکے گا میں اسے لیجاؤں گی مگر تمہیں خبر کر دونگی۔ وہ مر گئی لوگ اس کی ارتھی اٹھا کر لے چلے میں بھی پیچھے پیچھے چلدیا ہاں میں کیا کہہ رہا تھا"۔ میں نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا اس وقت اس کے چہرے پر بجائے بھیانک پن کے حسرت برس رہی تھی اس کی بڑی بڑی خوفناک آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں اس نے پھر کہنا شروع کیا "ہاں تو بائی جی میں مٹھو کو پیار کرتا تھا دن رات اسکی خبرگیری کرتا تھا میری نوکری بھی چھوٹ چکی تھی گیارہ نوکر تھا اور اس کی کمائی پر ہم سب کے پیٹ پل رہے تھے ہاں تو میں کیا کہہ رہا تھا"۔ "میں مکان کی چھت ڈال رہا تھا کہ میرا پاؤں پھسل گیا۔ پھر مجھے نہیں معلوم کیا ہوا۔ جب میں تندرست ہوا تو میں نے سب کو دیکھا مگر میرا مٹھو نہیں دکھائی دیا۔ جب میں نے گیارہ سے پوچھا "میرا مٹھو کہاں ہے" تو اس نے کہا کہ "بابا اسے ہیضہ ہو گیا تھا اور وہ مر گیا" مگر یہ بالکل جھوٹ ہے تمہیں بتاؤ بائی جی جب مجھے پاربتی نے خبر نہیں کی تو میں کیسے یقین کر لوں کہ وہ مر گیا ہاں میں کیا کہہ رہا تھا ــ اچھا اب میں پاربتی کی امانت کو ڈھونڈنے جاتا ہوں رام رام"۔ میں محویت کے عالم میں اس کا قصہ سُن رہی تھی بہت دیر بعد مجھے احساس ہوا کہ وہ جا چکا ہے۔ میں نے گردن اُٹھا کر دیکھا۔ وہ بہت دُور سڑک پہ چلا جا رہا تھا اس کے سفید بال ہوا میں لہرا رہے تھے اور وہ خود اپنی لاٹھی کو گھما رہا تھا۔ دوسرے روز جب میں نے اخبار کھولا تو ایک عنوان پہ میری نظریں رک گئیں عنوان تھا "ایک حادثہ" لکھا تھا کہ کل لاری سے ایک آدمی کچل گیا۔ جب سب نے اسے اُٹھایا تو اس میں سانس باقی تھا اور اس کے ہونٹ حرکت کر رہے تھے ...

سمندر کے نیچے نصف میل گہرائی میں

۶ جون ۱۹۳۰ء کو جزیرہ لونت سچ برمودا کے ساحل کے قریب دو چھوٹی چھوٹی کشتیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ ان میں اور دوسری اور اسی قسم کی کشتیوں میں کوئی فرق نہ معلوم ہوتا تھا۔ کوئی دیکھ کر نہ کہہ سکتا تھا کہ ابھی ان کشتیوں میں ایک ایسا تجربہ ہونیوالا ہے جو سائنس کی دنیا میں انقلاب پیدا کر دے گا۔

واقعہ یہ تھا کہ ان کشتیوں پر ڈاکٹر بیب اور مسٹر بارٹن اس ارادے سے آئے تھے کہ سمندر میں کافی دور اُترنے کی کوشش کریں۔ اب تک لوگ پانچ سو فٹ تک خاص قسم کے لباس میں اُتر چکے تھے مگر ان دونوں کا ارادہ اس سے زیادہ گہرائی تک جانے کا تھا۔

ڈاکٹر ولیم چارلس بیب دراصل امریکہ کے ماہر علم الحیوانات تھے جن کو کچھ عرصے سے آبدوز مخلوقات کے مطالعہ کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔ شروع میں وہ یہ کرتے تھے کہ غوطہ خور کا کنٹوپ پہن کر سمندر میں اُتر جاتے اور پچاس ساٹھ فٹ کی گہرائی پر سمندر کی تہ میں اِدھر اُدھر پھرا کرتے تھے۔ لوگوں نے ان سے کہا کہ وہ یہ خطرناک عادت ترک کر دیں مگر انہوں نے جواب دیا کہ مجھے جس قدر لطف آتا ہے وہ اس خطرے سے کہیں زیادہ ہے۔ اُنہوں نے اپنی کتاب "سمندر کے نیچے نصف میل گہرائی میں" میں لکھا ہے کہ ان کو جتنا لطف سمندر کی تہ میں ٹہلنے اور نئی قسم کی زندگی کا مطالعہ کرنے اور اس کی تصاویر کھینچنے میں آتا ہے اور کسی بات میں نہیں آتا۔

اسی طرح ایک مرتبہ اس آبدوز پر چہل قدمی میں ایک مرتبہ ایک شارک نے ان کے اُوپر حملہ کر دیا۔ اس کا قصہ انہوں نے خود اپنی کتاب میں لکھا ہے۔ ہوا یوں کہ ایک مرتبہ وہ ایک خاص قسم کی مچھلی پکڑنا چاہتے تھے۔ اس لئے اُنہوں نے بطور چارے کے کچھ گوشت کے ٹکڑے سمندر میں ڈالے اور پھر ایک جال لیکر اور کنٹوپ پہن کر خود بھی اُتر گئے۔ وہ اپنے ساتھ ایک لمبا بانس کا ٹکڑا بھی لے گئے جس پر ذرا سی ڈائنا مائٹ تھی ان کا ارادہ یہ تھا کہ ڈائنا مائٹ کے دھماکے سے مچھلی کو بیہوش کرنے کے بعد اسکو جال میں اوپر لے آئیں گے۔ نیچے پہنچنے پر جس قسم کی مچھلی کی ان کو تلاش تھی وہ بھی دکھائی دے گئی۔ ڈائنا مائٹ کے دھماکے سے دو اور مچھلیاں جو گوشت کے ٹکڑے کھانے میں مست ہوگئی تھیں مردہ یا بیہوش ہوگئیں لیکن وہ مچھلی جس کی ان کو تلاش تھی دھماکے کے زور سے دو چٹانوں کے بیچ میں چلی گئی۔ ڈاکٹر بیب اس کی تلاش میں آگے بڑھے اور اِدھر اُدھر ڈھونڈنے لگے وہ مچھلی تو نہ ملی مگر ذرا سی دیر میں ان کو اپنے قریب ایک سپید شارک تیزی سے آتا دکھائی دیا۔ اُنہوں نے جال میں ایک مچھلی گرفتار کر لی تھی یہ شارک اس کو چھینے کے ارادہ سے آرہی تھی جب وہ بہت قریب آگئی تو ڈاکٹر بیب نے اس کی تھوتنی پر اپنا بانس مارا۔ وہ اس بات سے کچھ ایسی پریشان ہوئی کہ بھاگ کھڑی ہوئی۔

جب ڈاکٹر بیب اوپر آئے تو ان کے دوستوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ وہ لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ شارک نے ڈاکٹر کو زندہ نہ چھوڑا ہوگا۔

کچھ عرصہ اس طرح مطالعہ کرنے کے بعد ڈاکٹر بیب کو خیال ہوا کہ زیادہ گہرائی پر مطالعہ کرنا چاہیئے۔ خاص قسم کے لباس سے ایک غوطہ خور تین سو فٹ کی گہرائی تک جا سکتا ہے۔ اگر یہ لباس لوہے اور فولاد کا بنا ہو تو پانچ سو فٹ تک جانا

ممکن ہو۔ بلکہ ایک شخص ایسے ہی لباس میں پانچسو پچیس فٹ گہرائی تک جا چکا تھا۔ لیکن ڈاکٹر بیب اس سے زیادہ گہرائی تک جانا چاہتے تھے۔ دقت یہ تھی کہ زیادہ گہرائی پر سمندر کے پانی کا دباؤ بہت بڑھ جاتا ہو۔ چنانچہ پہلے دو سو فٹ کی گہرائی پر اتنا ہوتا ہے کہ آدمی چند فٹ سے زیادہ نہیں ٹھہر سکتا۔ اور جب اسے اوپر کھینچا جاتا ہے تو آہستہ آہستہ۔ کیونکہ اگر جلدی سے اوپر کھینچ لیا جائے اور اس کے خون میں ہوا کے بلبلے پیدا ہو جائیں اور اس وقت موت واقع ہو جائے۔

ان سب باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ڈاکٹر بیب نے مسٹر اوٹس بارٹن کی مدد سے ایک ایسا آلہ ایجاد کیا جس میں بہت زیادہ گہرائی تک جانا ممکن تھا۔ یہ سوا انچ موٹی فولاد کی چادر کا ایک گولا تھا جس کا قطر چار فٹ اور نو انچ تھا۔ اس میں داخل ہونے کے لئے ایک چودہ انچ قطر کا سوراخ تھا جس کو کس کر پیچوں سے بند کیا جا سکتا تھا۔ اس سوراخ کے سامنے تین گول چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں تھیں جن میں تین انچ موٹا بلور لگا تھا۔ ارادہ یہ تھا کہ ایک میں سے تیز روشنی ڈالی جا سکے گی اور بقیہ دو میں سے دونوں اترنے والے اپنے اطراف کا مشاہدہ کر سکیں گے۔ لیکن ایک حادثہ میں ایک کھڑکی کا بلور ٹوٹ گیا اور اس کو فولاد کی ڈاٹ سے بند کرنا پڑا۔ ہوا کا انتظام انہوں نے اس کے اندر ہی کیا تھا۔ ان کے پاس بعض ادویات ایسی تھیں جو آکسیجن پیدا کرتی ہیں اور بعض ایسی تھیں جو سانس کی نکلی ہوئی خراب ہوا کاربن ڈائی آکسائڈ کو جذب کر لیتی ہیں۔ اس کے اندر ایک ٹیلیفون بھی تھا جس سے کہ اوپر کشتی کے لوگوں سے بات چیت ہو سکتی تھی۔ ایسی چیز کے ہمراہ ڈاکٹر بیب اور مسٹر بارٹن ۶ جون ۱۹۳۰ء کو برموڈا آئے تھے۔ بعد میں یہ آلہ بے تھی اسفیر کہلایا۔

ٹھیک ایک بجے یہ دونوں اس کے اندر داخل ہو گئے اور دروازہ پیچوں کے ذریعہ کس کر بند کر دیا گیا۔ ایک کرین نے اس گولے کو اٹھایا اور سمندر میں ڈال دیا۔ اب اس گولے اور کشتی کو منسلک کرنے والی صرف تین چیزیں تھیں ایک وہ جس سے اس کو نیچے اتارا جا رہا تھا۔ دوسرے ٹیلیفون کی ڈوری جس کے کشتی والے سرے پر ڈاکٹر بیب کی مددگار مس ہولسٹر موجود تھیں تیسرے روشنی کے لئے بجلی کی ڈوری۔ تھوڑی دیر بعد مس ہولسٹر نے اطلاع دی کہ سو فٹ رسی چھوڑی جا چکی ہو۔ بارٹن نے بتایا کہ سب طرف ہلکی ہلکی سبز سی روشنی پھیلی ہوئی۔ جو گہرائی بڑھنے کے ساتھ ساتھ نیلگوں ہوتی جا رہی ہو۔ جس وقت تین سو فٹ نیچا ہونے کی اطلاع دی گئی مسٹر بارٹن نے یکایک محسوس کیا کہ دروازے میں سے تھوڑا سا پانی رس رس کر اندر آ رہا ہے۔ اور تقریباً ایک پائنٹ پانی گولے کی تہ میں جمع ہو گیا ہو۔

یہ دیکھ کر ڈاکٹر بیب نے دو چار مرتبہ دروازے پر روشنی ڈال کر دیکھا اور جب یہ اطمینان ہو گیا کہ سوراخ بڑھ نہیں رہا ہے بلکہ اتنا ہی ہو جتنا پہلے تھا تو گولے کو جلدی جلدی نیچے اتارنے کا حکم دیا۔ ذرا دیر میں اطلاع ملی کہ چھ سو فٹ رسی چھوڑی جا چکی ہو گویا یہ کہ ڈاکٹر بیب اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے ابتک کوئی انسان اتنی گہرائی تک سمندر میں نہ گیا تھا۔ روشنی آہستہ آہستہ نیلگوں ہوئی پھر نیلی پھر سیاہی مائل نیلی اور اب وہ لوگ تاریکی میں تھے۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے اپنی روشنی گل کر دی۔ اسوقت ان کے چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی تھی۔ ڈاکٹر بیب کہتے ہیں "یہ معلوم ہوتا تھا کہ ہم لوگ ایک ابدی رات میں پہونچ گئے ہیں"۔ اس تاریکی میں کہیں کہیں روشنی بھی نظر آتی تھی۔ یہ روشنی بعض مچھلیوں کی تھی۔ اس گہرائی پر جہاں دائم تاریکی رہتی ہو بعض مچھلیاں ایسی ہوتی ہیں جن کے بدن سے روشنی نکلتی ہے یہ مچھلیاں اپنے لئے اور دوسری مچھلیوں کیلئے مشعل کا کام دیتی ہیں۔

آٹھ سو فٹ کی گہرائی پر ڈاکٹر بیب نے واپسی کا حکم دیا۔ ان کو یہ محسوس ہو رہا تھا کہ اس سے زیادہ گہرائی پر جانا خطرناک ہوگا۔ نیچے اترنے کے پورے ایک گھنٹہ بعد گولا پھر سطح سمندر پر آیا۔ جس وقت ڈاکٹر بیب اور مسٹر بارٹن باہر نکلے ہیں تو

ہمارے رسولؐ

اہل قریش سے آپ کا سلوک

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

قریش کو آنحضرت صلعم کے ساتھ اسلام کی وجہ سے جو بغض پیدا ہو گیا تھا اسکو اور بڑھانے کے لئے قبیلہ بنی ہاشم اور بنی امیہ کی قدیمی رقابت بھی تھی ان میں سے ایک کو حجاج کو پانی پلانے کا امتیاز حاصل تھا اور قبیلہ بنو امیہ علم برداری کے شرف سے سرفراز تھے۔ حضرت عبدالمطلب کے انتقال کے بعد بنی ہاشم کا زور کچھ ٹوٹ گیا تھا۔ کیونکہ حضرت ابوطالب زیادہ دولت مند نہ تھے۔ جب آنحضرت صلعم نے نبوت کا اعلان کیا تو قبیلہ بنی امیہ کو ناگوار گذرا۔ وہ سمجھے کہ بنی ہاشم ان پر فوقیت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ مولانا شبلی فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ اس قبیلے نے آنحضرت صلعم کی مخالفت کی اور بدر کے سوا باقی سب لڑائیاں ابوسفیان سے ہوئیں اور وہی ان لڑائیوں میں لشکر رہا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے ساتھ قریش کی مخالفت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ نہایت تند مزاج۔ غیر مہذب اور عیش پسند تھے۔ اور یہ خصائل چونکہ ان کی فطرت بن گئے تھے اس لئے ان عادتوں کا چھوڑنا قریش کو شاق گذرتا تھا۔ مثلاً شراب خواری ان کی گھٹی میں پڑی تھی اور وہ اس کو اپنے نزدیک کوئی بری بات بھی نہیں سمجھتے تھے لیکن احکام الٰہی کی رُو سے اسلام میں جب شراب حرام کر دی گئی تب بھی اہل قریش یہ سمجھتے رہے کہ اوقات نماز کے علاوہ شراب جائز ہے۔ آخر رفتہ رفتہ ان کو اس بُری عادت کو چھوڑنا پڑا۔

اس طرح عرب کے لوگ اپنی لڑکیوں کے ساتھ برا سلوک کیا کرتے تھے۔ اور بیویوں کے ساتھ بھی بری طرح پیش آتے تھے۔ وہ کئی کئی بیویاں کرتے تھے۔ اور ان پر ہر طرح کے جور وستم ڈھاتے تھے عورتوں کے عرب میں کوئی حقوق نہیں تھے۔ یہاں تک کہ عورت کو حق وراثت سے محروم رکھا گیا تھا۔ برخلاف اس کے آنحضرت صلعم کو لڑکیاں بہت محبوب تھیں اور اسلام نے جتنی عورت کی عزت کی ہے اور اس کو حقوق دئے ہیں وہ کسی اور مذہب میں نہیں پائے جاتے۔ آنحضرتؐ لوگوں کو نصیحت کیا کرتے تھے کہ وہ اپنی لڑکیوں سے اچھی طرح پیش آئیں۔

اسی طرح اسلام نے کثرت ازدواج کے متعلق بھی بہت سخت شرائط مقرر کی ہیں۔ اول تو لا تعداد کے مقابل میں چار کی اجازت دی اور وہ بھی ایسی صورت میں کہ حسن سلوک کی مساوات قائم رہے۔ جو قطعاً ناممکن ہو۔ اس کے علاوہ عوارض اور طبعی اختلافات کی شرائط بھی لازم کردیں۔ اگر ان سب شرائط پر صحیح طور سے عمل کیا جائے تو مسلمان کے لئے دیندار رہ کر ایک بیوی سے زیادہ کرنا ناممکن ہے۔ اس قسم کی پابندیاں قریش کو بہت ناگوار گذرتی تھیں۔ کیونکہ ان باتوں سے ان کی آزادی میں فرق آتا تھا۔ چنانچہ آنحضرت صلعم اور ان کے ساتھیوں کو انہوں نے طرح طرح سے ستانا شروع کیا۔

سب سے پہلے قریش کے جور وستم کا پہاڑ ان غریبوں پر ٹوٹا جن کا کوئی یار ومددگار نہ تھا۔ ان میں کچھ غلام اور کنیزیں تھیں۔ کچھ غریب الوطن تھے جو دو ایک پشت سے مکہ میں آرہے تھے۔ اور کچھ کمزور قبیلوں کے آدمی تھے جنہیں

کسی قسم کی قوت حاصل نہ تھی۔ مثال کے طور پر میں آپ کو حضرت خباب کا حال سناتی ہوں۔ یہ جاہلیت میں غلام بنا کر فروخت کروئے گئے تھے۔ قریش نے ان کو طرح طرح کی تکلیفیں دیں۔ ایک دن دھکتے ہوئے کوئلے زمین پر بچھا دئے اور اس پر ان کو چت لٹا دیا ایک شخص چھاتی پر پاؤں رکھے رہا کہ کروٹ بدلنے نہ پائیں یہاں تک کہ کوئلے کر کے نیچے پڑے پڑے ٹھنڈے ہوگئے۔ خباب جاہلیت میں لوہار کا کام کرتے تھے اسلام لائے تو بعض لوگوں کے ذمہ ان کی بقایا تھی مانگتے تو جواب ملتا جبتک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ پھر جاؤ گے ایک کوڑی نہ ملے گی۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا قصہ سنئے:۔ یہ امیہ بن خلف کے غلام تھے۔ جب ٹھیک دوپہر ہوتی تو امیہ ان کو جلتی ہوئی ریت پر لٹاتا اور ایک بڑا سا پتھر سینے پر رکھ دیتا کہ جنبش نہ کرنے پائیں۔ ان سے کہتا کہ اسلام سے باز آؤ ورنہ یوں ہی تڑپ تڑپ کر مر جاؤ گے۔ لیکن اس پر بھی ان کی زبان سے "احد" یعنی خدا واحد ہے نکلتا۔ تو امیہ گلے میں رسی باندھ کر لونڈوں کے حوالہ کر دیا کرتا کہ ان کو شہر کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک گھسیٹتے پھریں لیکن ان کی زبان پر وہی کلمہ یعنی احد احد جاری رہتا۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا حال بھی سنیئے:۔ قریش ان کو بھی جلتی ہوئی زمین پر لٹاتے اور اس بری طرح مارتے کہ یہ بیہوش ہو جاتے ان کے والد اور والدہ کے ساتھ بھی ایسا ہی بے رحمی کا سلوک کرتے۔

سمیہ ان کی والدہ کو ابوجہل نے اسلام لانے کے جرم میں برچھی سے شہید کر دیا۔ حضرت عمار کے والد حضرت یاسیر نے بھی کفار کے ہاتھوں سے اذیت اٹھاتے اٹھاتے انتقال فرمایا۔

قریش نے اس پر اکتفا نہیں کی وہ خود آنحضرت صلعم کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچاتے۔ آپ کی راہ میں کانٹے بچھاتے۔ نماز پڑھتے وقت ہنسی اڑاتے سجدے کے وقت آپ کی گردن پر بعض ناپاک چیزیں لا کر ڈال دیتے گلے میں چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچتے کہ خون کے نشان ابھر آتے۔ آپ کی روحانی قوت کو دیکھ کر لوگ جادوگر کہتے۔ دعوے نبوت کو سنکر مجنوں ٹھہراتے باہر نکلتے تو شریر لڑکے پیچھے غول باندھ کر چلتے۔ نماز با جماعت میں قرآن زور سے پڑھتے تو قرآن کے لانے والے رسول اور قرآن کے اتارنے والے خدا کو برا بھلا کہتے۔

آنحضرت صلعم جب کہیں کسی مجمع میں دعوت اسلام پر وعظ فرماتے تو ابولہب جو آپ کے پیچھے لگا رہتا تھا طعن سے کہتا کہ یہ سراسر جھوٹ ہے۔ ایک صحابیہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ بازار ذو المجاز میں سے گذرے اور مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا "لا الہ الا اللہ" کہو ابولہب نے آپ پر خاک پھینکی اور کہا کہ اس کے فریب میں نہ آنا یہ چاہتا ہے کہ تم لات وعزیٰ کی پرستش چھوڑ دو۔

آخر جب قریش نے دیکھا کہ باوجود روک ٹوک کے اسلام کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے تو انہوں نے سوچا کہ آنحضرت صلعم اور آپ کے خاندان کو محصور کر کے تباہ کر دیا جائے چنانچہ تمام قبائل نے ایک معاہدہ مرتب کیا کہ کوئی شخص آئندہ خاندان بنی ہاشم سے قرابت رکھے۔ نہ ان کے ہاتھ خرید و فروخت کرے اور نہ ان سے میل جول رکھے۔ اور نہ ان کو کھانے پینے کا سامان بہم پہنچائے جب تک کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کے لئے ان کے حوالے نہ کردیں۔ یہ معاہدہ منصور بن عکرمہ نے مرتب کیا اور کعبہ کے دروازے پر آویزاں کر دیا۔

ابوطالب مجبور ہو کر تمام خاندان کے ساتھ شعب بنی ہاشم میں پناہ گزیں ہوئے۔ تین سال تک بنی ہاشم نے اس حصار میں بسر کی۔ یہ زمانہ ان پر ایسا سختی کا گذرا کہ خدا کی پناہ۔ جنگلی درختوں کے پتے کھا کر گذران کی۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ

بچوں کی بھوک سے رونے کی آواز باہر آتی تھی تو قریش سُنکر خوش ہوتے تھے۔ آخران کے استقلال اور صداقت کو دیکھ کر خدا تعالےٰ نے دشمنوں کے دل میں رحم ڈالا اور خود ان ہی کی طرف سے اس معاہدہ کو توڑنے کی کوشش ہوئی۔ ہشام مخزومی خاندان بنی ہاشم کے قریبی رشتہ دار اور اپنے قبیلے میں ممتاز تھے۔ وہ چوری چھپے بنی ہاشم کو غلہ بھیجتے تھے۔ ایک دن وہ زبیر کے پاس گئے اور کہا کیوں زبیر کیا تم کو یہ پسند ہے کہ تم کھاؤ پیو۔ ہر قسم کا لطف اُٹھاؤ اور تمہارے ماموں کو ایک دانہ تک نصیب نہ ہو۔ پھر دونوں مکرمطعم کے پاس گئے چند اور معزز لوگ بھی ان کے ہم خیال ہوگئے۔ دوسرے دن یہ سب ملکر حرم میں گئے زبیر نے لوگوں کی طرف مخاطب ہوکر کہا "اے اہل مکہ یہ کیا انصاف ہے ہم لوگ آرام سے بسر کریں اور بنی ہاشم کو اب دانہ نصیب نہو۔ خدا کی قسم جب تک یہ ظالمانہ معاہدہ چاک نہ کردیا جائیگا مجھے چین نہ آئے گا۔ ابوجہل غصہ سے بولا "اس معاہدہ کو کوئی ہرگز ہاتھ نہیں لگا سکتا" حضرت زبیر کے رفقا نے کہا" تو جھوٹ کہتا ہے جب یہ لکھا گیا تھا تو اس وقت بھی ہم راضی نہ تھے۔ غرض مطعم نے ہاتھ بڑھاکر وہ دستاویز چاک کردی۔ پھر یہ اپنے رفقا کے ہمراہ شعب بنی ہاشم کی طرف گئے اور آنحضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اقربا کو وہاں سے رہا کیا۔

کچھ عرصہ بعد اہل مکہ کو معلوم ہوا کہ مدینہ کے چند رؤسا نے اسلام قبول کرلیا ہے۔ اور صحابہ میں سے چند نے مکہ کی زندگی سے تنگ آکر مدینہ ہجرت کرلی ہے۔ اب تو قریش کو یہ ڈر ہوا کہ کہیں اسلام مدینہ میں جڑ نہ پکڑلے۔ اس لئے انہوں نے ایک جلسۂ عام کیا۔ جس میں سب کی صلاح یہ ہوئی کہ ہر ایک قبیلہ سے ایک ایک شخص چُنا جائے اور سب مل کر آنحضرت کا خاتمہ کردیں۔ اس صورت میں محمد صلعم کا خون تمام قبائل میں بٹ جائیگا۔ اور آل ہاشم اکیلے تمام قبائل کا مقابلہ نہ کرسکیں گے۔ یہ سوچ کر ان لوگوں نے آستانۂ مبارک کا محاصرہ کیا اور اس انتظار میں رہے کہ محمد صلعم باہر نکلیں تو ان کا خاتمہ کردیں۔ آنحضرت صلعم کو ان کے اس ارادے کی خبر ہوگئی اور آپ کے پاس ہجرت کے لئے وحی بھی نازل ہوئی۔ آپ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنے بستر مبارک پر لٹاکر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ باہر نکل گئے اور غار ثور میں آکر چھپ گئے۔ قریش کو خبر ہوئی تو آپ کا تعاقب کیا لیکن خداوند کریم کی مہربانی سے کوئی آپ کا بال بھی بیکا نہ کرسکا۔

جب پتہ نہ چلا تو قریش نے آخر یہ اشتہار دے دیا کہ جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یا حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو گرفتار کرکے لائے گا تو اس کو سو اونٹ انعام میں دئے جائیں گے۔ سراقہ بن جعشم نے سُنا تو انعام کے لالچ سے نکلا اور جب غار ثور پر پہنچا تو آنحضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے روانہ ہورہے تھے۔ یہ گھوڑا دوڑا کر قریب آیا لیکن گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور وہ گر پڑا۔ ترکش سے فال کے تیر نکالے کہ حملہ کرنا چاہئے یا نہیں جواب میں نکلا نہیں لیکن سو اونٹوں کا گراں قدر معاوضہ ایسا نہ تھا کہ فال پر عمل کیا جاتا اس لئے متواتر تین دفعہ قتل کرنے کی کوشش کی لیکن جب تینوں دفعہ ناکامی ہوئی تو آنحضرت صلعم کی خدمت میں عاجزانہ طور پر حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اس کی بے باکی قریش کے انعام کے اشتہار کی وجہ سے تھی پھر جاں بخشی چاہی۔ آنحضرت نے اس کو بخوشی معاف کردیا۔

آنحضرت صلعم کے مدینہ آجانے پر بھی قریش کی حسد کی آگ نہ بجھی انہوں نے آپ کی ہجرت کے چند روز بعد ہی عبداللہ بن ابی کو جو واقعہ ہجرت کے قبل رئیس الانصار تھے یہ خط بھیجا۔

"تم نے ہمارے آدمی کو اپنے ہاں پناہ دی ہے ہم خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ یا تو تم لوگ ان کو قتل کرڈالو یا مدینہ سے نکال دو۔ ورنہ ہم سب تم پر حملہ کرینگے اور تم کو فنا کرکے تمہاری عورتوں پر تصرف کرینگے"

جب عبداللہ بن ابی نے اہل مکہ کی دھمکی کی پرواہ کی تو مکہ والے مدینہ پر چڑھائی کی تیاریاں کرنے لگے۔ بدر کے سوا جتنی لڑائیاں آنحضرت صلعم کے زمانہ میں ہوئیں وہ سب مکہ والوں کی زیادتی کی وجہ سے ہوئیں لیکن اس پر بھی ان کو چین نہ آتا تھا۔ اور وہ ان مسلمانوں پر جو مکہ میں رہ گئے تھے طرح طرح سے ظلم ڈھاتے تھے۔ اور آنحضرت صلعم اور صحابہ کرام کو حج کے لئے کعبہ آنے سے روکتے تھے۔ صلح حدیبیہ کے بعد آنحضرت نے چاہا کہ قریش سے اچھے تعلقات پیدا کریں لیکن قریش کی بدنیتی اور وعدہ خلافی کی وجہ سے وہ صلح بھی کچھ زیادہ دن قائم نہ رہ سکی اور خود قریش کی طرف سے ہی معاہدہ ٹوٹ گیا۔ آخر آنحضرت صلعم مجبور ہو گئے اور مہاجرین اور انصار کو ساتھ لیکر مکہ کا رُخ کیا۔

آپ نے قریش کے آنحضرت صلعم اور مسلمانوں کے ساتھ جور و ستم کے واقعات تو سُن لئے اب یہ دیکھئے کہ شہنشاہ دو عالم ان لوگوں کے ساتھ جو آپ کے خون کے پیاسے تھے کیا سلوک کرتے ہیں۔

مسلمانوں کا دس ہزار کا لشکر نہایت شان و شوکت سے مرالظہران پہنچا (یہ مکہ معظمہ سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے) وہاں پڑاؤ ڈالا گیا۔ قریش کو جب خبر ہوئی تو اُنہوں نے ابوسفیان کو تحقیق کے لئے بھیجا۔ حضرت عمر جوش انتقام سے جلد جلد قدم اُٹھاتے حضرت رسالت مآب کے دربار میں حاضر ہوئے۔ اور فرمایا کہ اب کفار کے استیصال کا موقع آگیا ہے ابوسفیان کے تمام پچھلے کارنامے اور سازشیں معلوم تھیں۔ مدینہ پر بار بار حملہ۔ قبائل کو مشتعل کرنا۔ آنحضرت صلعم کو خفیہ قتل کرنے کی سازش ہر ایک جرم اس کے قتل کے لئے کافی ہے لیکن نبی کریم کی شان ایسی مشہور ہو چکی تھی جس نے ابوسفیان کو جرأت دی کہ "خوف کا کوئی مقام نہیں" چنانچہ ابوسفیان نبی کریم حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضور نے اس کے تمام گناہ معاف فرما دئے اور وہ فوراً ایمان لے آیا۔

پھر دربار نبوی سے اعلان ہوتا ہے کہ جو شخص ہتھیار ڈال دیگا یا ابوسفیان کے ہاں پناہ لے گا یا دروازہ بند کرلے گا اس کو امان دی جائے گی۔ جب تھوڑی سی مخالفت کے بعد مکہ فتح کر لیا جاتا ہے تو آنحضرت صلعم ایک خطبہ دیتے ہیں جس میں حضور فرماتے ہیں:۔

"ایک خدا کے سوا اور کوئی خدا نہیں ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اس نے اپنا وعدہ سچا کیا۔ اس نے اپنے بندہ کی مدد کی اور تمام جتھوں کو تنہا توڑ دیا۔ ہاں تمام مفاخر تمام انتقامات خون بہائے قدیم سب میرے قدموں کے نیچے ہیں صرف حرم کعبہ کی تولیت اور حجاج کی آب رسانی اس سے مستثنےٰ ہے۔

اے قوم قریش!! اب جاہلیت کا غرور اور نسب کا افتخار خدا نے مٹا دیا تمام لوگ آدمؑ کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے۔ خدا فرماتا ہے:۔

لوگو! میں نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہارے قبیلے اور خاندان بنائے کہ آپس میں ایک دوسرے سے پہچان لئے جاؤ۔ لیکن خدا کے نزدیک شریف وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو خدا دانا اور واقف کار ہے۔"

مجمع کی طرف نگاہ کرکے ارشاد ہوتا ہے۔ "جاؤ تم سب آزاد ہو تم پر کوئی الزام نہیں۔" اس مجمع میں وہ ظالم بھی موجود تھے جو اسلام کے مٹانے میں سب سے پیش پیش تھے۔ جن کی زبانیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گالیوں کے بادل برسایا کرتی تھیں۔ جن کی تیغ و سنان نے پیکر قدسی کے ساتھ گستاخیاں کی تھیں جنہوں نے آنحضرت صلعم کے راستے میں کانٹے بچھائے تھے جو وعظ کے وقت آنحضرت صلعم کی ایڑیوں کو لہولہان کر دیا کرتے تھے۔ جن کی تشنہ لبی خون نبوت کے

سوا کسی چیز سے نہ بجھ سکتی تھی۔ جن کے حملوں کا سیلاب مدینے کی دیواروں تک پہنچ کر ٹکراتا تھا۔ جو مسلمانوں کو جلتی ہوئی ریت پر لٹا کر ان کے سینوں پر آتشیں مہریں لگایا کرتے تھے۔

مسلمانو سوچنے کا مقام ہے کہ حضور رسولؐ کی کیا شان تھی۔ جس نے اپنے خون کے پیاسوں کو اس طرح فراخ دلی سے بخشدیا۔ یہی وہ چیز تھی جس نے قریش جیسے سنگدلوں کا دل موم کردیا اور جس نے ان کو آپ کا مطیع اور فرمانبردار بنا دیا۔ اور وہ عرب جو ہر قسم کی برائیوں کا گہوارہ تھا نبی کریم نے اپنے اخلاق کی بدولت اس ملک کو ایسا ممتاز کردیا کہ دنیا کا ہر ایک حصہ اس سے تہذیب کا سبق لے سکے۔ میں اس دعا پر ختم کرتی ہوں کہ:۔

اللہ تعالےٰ ہم سب مسلمانوں کو اپنے پیارے حبیبؐ کے نقش قدم پر چلنا نصیب کرے۔ آمین۔ ثم آمین۔

زبیدہ یزدانی بی اے آنرس (آکسن)

امن یا موت

لوگ امن امن پکارتے ہیں۔ امن کہاں ہے؟ میں ہر ایک سے پوچھتی ہوں؟ قید خانوں میں یا طوق و سلاسل میں؟ غربت و امیری میں؟ تاروں کی چھاؤں میں یا دن کی روشنی میں؟ آہ امن کہاں ہے تاکہ میں اسے ہر ممکن کوشش سے تلاش کروں۔ اس کے متعلق لوگ کیا کیا جانتے ہیں۔ یہ تو مجھے معلوم نہیں۔ البتہ میں تو یہ چاہتی ہوں کہ یا تو مجھے امن مل جائے یا موت!!

ایس۔ بی طاہرہ

ہماری آرزو

یادِ خدا سے اپنا ایوانِ دل سجائیں
ایسی بھی ایک بستی سینے میں ہم بسائیں
از خود زباں پہ جاری ہو نام مصطفیٰ کا
ہر وقت ہو تصور پیغمبر خدا کا
پہچانیں حق و باطل قرآں کی روشنی میں
ہو انقلاب پیدا دنیائے زندگی میں
اے کاش رہنما ہو ہر گام پر شریعت
دل پر کھلے ہمارے عرفاں کی سب حقیقت
نیکی کے راستوں پر اپنا قدم جمائیں
صدق و صفا کی منزل اغیار کو دکھائیں
دیکھیں جو ہم مصیبت دل میں ہو درد پیدا
ہر حال میں ہو اپنا حسنِ عمل ہویدا
بیوہ کی سرپرستی شیوہ ہو زندگی کا
حتی الوسع مٹائیں ہم نقش بیکسی کا
ہاتھوں میں ہو ہمارے صبر و رضا کا دامن
شمع عمل سے پیہم تاریک دل ہو روشن
تہذیبِ نو کی خو سے اللہ ہمیں بچائے
شانِ سلف ہماری ہم کو حیا سکھائے
اک شانِ انکساری ہو سجدۂ جبیں میں
مقصد ہم اپنا پائیں گہوارۂ یقیں میں
خوفِ خدا سے لرزے ہر وقت دل ہمارا
بخشائشوں کا اپنی ہو جائے پھر سہارا
زہد و ورع کا چرچا ہو گھر میں پھر ہمارے
ہر کام ہو ہمارا ایمان کے سہارے
چمکائیں ہم عمل سے پھر نقشِ بندگی کو
کچھ کام کی بنائیں دنیا میں زندگی کو

خانہ داری

جس میں سنگھار و آرائش بھی شامل ہے

بیویوں کو ہدایات

شادی شدہ زندگی میں دیر یا جلد ایسا وقت آتا ہے کہ بیوی پچھتاتی ہے کہ اس شخص سے میرا پلّہ کیوں بندھا۔ اس سے بدتر شخص کون ہو سکتا ہے۔ یہ زمانہ تین دن بعد تین ماہ بعد تین سال بعد یا تیس سال گذرنے پر آ سکتا ہے اور یہ وقت بڑا نازک اور خطرناک ہوتا ہے۔ کوئی ٹھیک نہیں کہہ سکتا کہ یہ نازک وقت میاں بیوی پر آ جائیگا۔ اس وقت شادی زبردست حماقت معلوم ہوا کرتی ہے۔ بعض صورتوں میں کشیدگی کی معقول وجوہ ہوتی ہیں۔ عورت کو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ خوشی ختم ہو چکی لیکن وہ غور کرے تو بات کچھ بھی نہ نکلے۔ شادی کی خوشی دسترخوان پر چنے چنائے کھانے کی طرح نہیں ملا کرتی۔ اس کے لئے محنت کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگانا پڑتا ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ شوہر سے اُلجھا جائے دونوں کو ایک دوسرے کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ جو عورت اپنے شوہر کو آدھا بھی نہیں سمجھتی وہ کیا خاک دنیا کی بازی جیت سکتی ہے۔ وہ عورت کیسی مردانہ ہے جو کہتی ہے کہ یہ دو چار ناامیدیاں مجھے مایوس نہیں کر سکتیں۔ میں کبھی ہار نہ مانوں گی۔

مندرجہ ذیل باتوں سے محبت ڈگمگا جاتی ہے :-

دلکشی کا ماند ہوتے جانا پاس رہنے سے سنسنی خیزی جاتی رہتی ہے۔ لیکن دُنیا کا سنسنی خیزی پر دار و مدار نہیں۔ اگر کوئی اسے مدار سمجھے تو یہ غذا بہت زیادہ ناقابل ہضم پائی جائے گی۔ عورتوں کو آرزوئیں اور ارمان یاد آتے ہیں۔ وہ مستانہ خیز فضا نظروں کے سامنے آ جاتی ہے جو شادی سے پہلے موجود رہتی تھی۔ لیکن یہ دلکشی اور رونق ہلکی سی چیز ہے اور خوشی کی گہری صورتوں سے اس کو کیا نسبت! وہ صورتیں محبت اور رفاقت ہیں جب یہ اضافہ خیزی ماند پڑ جائے تو آہیں بھرنے سے کیا فائدہ بے توجہی بھی ایک زبردست رکاوٹ بن جاتی ہے لیکن عورت جو زیادہ اس کی شکایت کرے خود اس کی ذمہ دار ہوتی ہے شادی کے بعد وہ سمجھنے لگتی ہیں کہ اس کی تگ و دو ختم ہو گئی۔ شوہر اس کا گھر اور نقدی اس کی شوہر کو اپنا بنانے کی کوشش نہیں کی جاتی۔ یہ توجہ شوہر کیلئے دل خوش کن چیز ہوتی ہے جس پر وہ پھولا نہیں سماتا۔ عورتیں اپنے شوہروں کے شوقوں میں حصہ نہیں لیتیں۔ عموماً اُن کی برائیاں کر کے اُن کے دل دکھایا کرتی ہیں۔ اُنہیں چاہیئے کہ اُس شوق میں حصہ لے کے شوہر کا دل ہاتھ میں لے لیں۔ میاں بیوی کو کچھ عرصہ کے لئے علیحدہ مقامات پر رہنا چاہیئے۔ پہلے زمانہ میں مرد پردیس میں اکیلے، کسب معاش کرتے تھے۔ بیویاں وطن میں رہتی تھیں۔ یہ عارضی علیحدگی محبت کو دوام بخشتی تھی اور ملاقاتیں فرحت بخش ہوا کرتی تھیں۔ بیوی کو کاروبار خانگی میں ماہر ہونا چاہیئے اور یہ نہ سمجھے کہ میں کوئی ماما یا باورچن ہوں۔ جو بیوی عمدہ کھانے پکانے جانتی ہے اور شوہر کے مذاق کا خیال رکھتی ہے بڑی کامیاب ہے۔ تعجب ہے ہم دعوت کرتے وقت خیال کرتے ہیں کہ کھانا بُرا پکا تو دوست بُرا مان جائیگا اور ممکن ہے اجنبیت حائل ہو جائے لیکن ہم میاں بیوی کے دائمی تعلقات میں اس کا لحاظ نہیں رکھتے۔ آپس کا معیار زندگی اُسی درجہ پر رکھا جائے جو باہم دوستوں میں رکھا جاتا ہے اور اُن کی خوشنودی کا خیال رکھا جاتا ہے۔ دونوں خود غرضیوں کو بالائے طاق رکھیں اور باہم برداشت کا مادہ پیدا کریں۔

شیشہ کی چیزوں کی صفائی

آجکل اس قسم کے شیشے کی چیزیں مل سکتی ہیں جو تندور کی گرمی میں بھی نہیں چٹختیں - روز عام طور سے شیشہ آسانی سے صاف نہیں ہوتا - سردی گرمی سے چٹخ جاتا ہے - جس گھر میں شیشے کے برتنوں کے دھونے صاف کرنیکا زیادہ کام ہو وہاں لکڑی کا ایک بڑا برتن اس کام کے لئے استعمال کرنا چاہیئے شیشے کے برتن کو آنچ سے محفوظ بنایا جاسکتا ہے - کسی بڑے برتن میں ٹھنڈا پانی بھر کے شیشہ کا برتن اس طرح رکھدیں کہ وہ پانی کے اندر ڈوب جائے - اب آہستہ آہستہ پانی کو کھولائیں - پانی آدھ گھنٹے تک اس طرح کھولتا رہے کہ برتن پانی کے اندر ہی رہے - پھر پانی کا برتن ٹھنڈا ہونے دیا جائے اور شیشہ کی چیز اُس میں اسوقت تک پڑی رہے جبتک وہ بالکل ٹھنڈی نہ ہو جائے - اس طرح پکائے ہوئے شیشے کے برتن میں گرم مائع چیزیں ڈالدی جائیں تو کبھی نہ ٹوٹیں گی - اسی طرح لمپ کی چمنی کو محفوظ کیا جاسکتا ہے - اگر ایسا موقع ہو کہ ایسے نہ پکائے ہوئے شیشے کے برتن میں بہت گرم مائع ڈالنے کی ضرورت ہو تو برتن میں پہلے ایک چمچہ ڈالدیں - اس سے بالعموم شیشہ نہ ٹوٹے گا -

شیشہ چونکہ بالکل شفاف ہوتا ہے اس لئے ذرا سا نشان بھی اُس پر باقی رہ جاتا ہے - شیشہ کے برتن کی صفائی یا عدم صفائی سے گھرستن کا سلیقہ یا پھوہڑپن ظاہر ہوجاتا ہے - گرم صابن دار پانی سب سے بہتر صاف کرنے والی چیز ہے گُھدے ہوئے مقامات کو نرم برش سے صاف کرنا چاہیئے - ٹھنڈے پانی سے آخر میں دھارنا چاہیئے اسمیں سرکہ کے چند قطرے ڈالنے سے شیشہ میں چمک آجاتی ہے - پانی نچڑ جانے کے بعد پُرانے ملایم ململ کے کپڑے سے برتن خشک کردینا چاہیئے - چمک پیدا کرنے کے لئے تیزی سے کپڑا ملنا چاہیئے - جس برتن کے پیندے کے اُوپر ڈنڈی ہو خشک کرتے وقت اسے وہاں سے نہ پکڑیں خوب صاف کرنے کے بعد بھی بعض صورتوں میں دُھندلی رہ جاتی ہیں اور گھر والی کی محنت سے بھی بعض دھبے دُور نہ ہوں گے - اگر ایسا ہو تو ممکن ہے کہ پانی سخت ہو - ایسے پانی کے دھبے دُور کرنے کے لئے ایک چمچہ سرکہ ایک چمچہ نمک اور پیالی بھر پُرانے چائے کے پتے برتن میں ڈال کے آدھے میں ٹھنڈا پانی بھر دیں اور اُوپر تک گرم پانی بھر دیں - ہلا ہلا کے شیشے صاف کریں اور پھر دو تین گھنٹے یوں ہی پڑا رہنے دیں - بیچ بیچ میں دو ایک مرتبہ ہلا دیں - پھر حسب معمول شیشہ دھو ڈالیں -

تنگ مُنہ والے برتن صاف کرنے مشکل ہیں - انہیں گرم پانی اور بھوسی یا سرکہ و نمک یا انڈے کے کچلے ہوئے چھلکے اور ننگ پا لو ریت اور پانی یا راکھ اور پانی سے ہلا ہلا کے صاف کیا جاسکتا ہے -

تھکا ہوا چہرہ

چہرہ پر تھکن کے آثار ہوں تو روز روشن میں چہرہ کے سارے نقائص ہویدا ہو جاتے ہیں - روژ Rouge سے تھکن کے آثار مٹائے جاسکتے ہیں لیکن ہر وقت یہ بھی اطمینان بخش ثابت نہیں ہوتا - بعض اوقات اس کے لگانے سے چہرہ گڑیا کا سا نقلی سُرخ معلوم ہوا کرتا ہے - بناؤ سنگھار سے تھکن اور زردی میں کمی کی جاسکتی ہے - بالکل نہیں چھپائی جاسکتی - اس سلسلے میں ضروری بات یہ ہے کہ اصلی رنگ حاصل کرنے کی کوشش کی جائے اور یہ ناممکن نہیں - موجودہ زمانہ کے بناؤ سنگھار کے طریقوں سے پہلے مغربی عورتوں کا دستور تھا کہ وہ پس پردہ گالوں پر چپت بازی کرتی رہتی تھیں جس سے گالوں میں سُرخی آجاتی تھی - وہ بیچ بیچ کے چپت نہیں لگاتی تھیں بلکہ ہاتھوں سے اس طرح تھپکتی رہتی تھیں کہ رنگ اُبھر آتا تھا - کیونکہ خون چکر کھانے لگتا تھا -

عام طور سے کثرت سے تازہ ہوا ورزش اچھی غذا اور نیند طلسم ثابت ہوگی - لیکن اگر آپ کو کسی خاص روز جلدی تازگی کی ضرورت ہے تو یہ عمل کیجئے - کسی اچھی صاف کرنے والی کریم سے تمام بناؤ سنگھار دُور کردیں اور اندھیرے میں

یا ۲ گھنٹہ لیٹ جائیں اور چہرہ پر گیلا روئی کا کپڑا جمائیں۔ بیس فیصدی گلاب کے پانی (روز واٹر) دبچ ہیزل Witch Hazel میں ملا کے کپڑا گیلا کریں یا اپنی دل پسند جلد کی مقوی دوا Skin Tonic استعمال کریں
تمام بدن ڈھیلا چھوڑ دیں اور سارے خیالات اور تفکرات دماغ سے نکال دیں۔ وقت کو بھول جائیں۔ اس کے بدلے میں گھڑی میں الارم لگا دیں۔ اس کے بعد اُٹھ کے یہ ورزشیں کریں۔ فرش پر گھٹنے کے بل کھڑی ہو کے سانس باہر نکالیں۔ آگے کو جھکیں حتیٰ کہ سر فرش سے چھو جائے۔ پھر سیدھی ہو کے اندر کو سانس لیں۔ چھ دفعہ یہ عمل کریں۔ چہرے کے خون کی گردش پر جادو کا اثر آپ کو محسوس ہوگا۔ اس کے بعد ٹھنڈے پانی سے غسل کریں۔ کسی کھردرے تولیہ سے جلد جلد جسم پر مالش کریں اور غسل کا ایسا لوشن میں جس میں الکحل ملی ہو چہرے پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے دیں اس سے بہتر یہ ہے کہ چہرہ پر برف ملیں اور کسی سخت تولیہ سے خشک کریں۔ اس کے بعد گرم کئے ہوئے کپڑے اور سلیپر پہن لیں کیونکہ ٹھنڈے پاؤں سے چین نہ آئیگا۔ اب چہرہ پر پٹھوں کو تحریک دینے اور خون کی سرخی لانے کے لئے یہ عمل کریں۔ جس مقام پر گردن اور کندھے باہم ملتے ہیں ہاتھ کی پشت سے ہلکی تھپکیاں دیں۔ ہر کان کے نیچے چھوٹے چھوٹے ملائم خلے ہوتے ہیں۔ بیچ کی انگلیاں انہیں رکھ کے ہلکے ہلکے دبائیں اور ٹھہر جائیں۔ یہی عمل انگوٹھوں سے ناک کی جڑ سے اوپر جہاں سے ابرو شروع ہوتے ہیں کریں۔ اس سے تمام چہرے پر فرحت بخش اثر محسوس ہوگا۔ تمام چہرے پر پھر ہلکی ہلکی چٹکیاں لیتے ہوئے انگلیاں پھیریں مگر جلد کھنچنے نہ پائے اور گہرے سانس بھی لیتی رہیں۔ گالوں کو پھلائیں اور ان پر بہت نرمی سے اس طرح پانچوں انگلیاں ہلائیں گویا پیانو کی مشق کی جارہی ہے۔ اگر آنکھوں سے تھکن پھر بھی ظاہر ہو تو انہیں غسل دیں۔ بازار میں اچھے اچھے لوشن ملتے ہیں۔ تھوڑی سی مالش بھی کریں۔ آنکھیں بند کر کے پپوٹے رکھیں اور ہلکے دباؤ سے تھرتھرائیں۔ دن میں کم از کم ایک دفعہ ایسا کرنے سے آنکھیں بہت ٹھیک ہو جاتی ہیں۔ اس طرح پوڈر وغیرہ کا بھاری سنگھار کئے بغیر آپ درست ہیں۔ البتہ اگر آپ کی کھال زیادہ زرد ہو تو رنگین بنیادی کریم لگائیں۔ کریم روز Cream Rouge جلد میں خوب جذب کریں انگلیوں کی حرکت آنکھوں کی طرف رکھیں۔

خانگی ٹوٹکے

زیادہ الکلی Alkali کی جانچ اس طرح ہو سکتی ہے کہ صابن پر اپنی زبان کی نوک لگائیں اگر مزا سخت تیز ہو تو اسمیں خوب الکلی (کھار) پڑی ہے اور صابن سنگھاری کام کی چیز نہیں ہے۔

دھونے کے پانی میں سرکہ ملا کے دھونے سے برتنوں سے پیاز مچھلی اور بعض بُو دار ترکاریوں کی بدبو فوراً جاتی رہتی ہے۔

کمرہ کے قالینوں کی جگہ ادلتے بدلتے رہیں تاکہ سب یکساں طور سے گھسنے پائیں۔ اگر ملائی میں نمک ملا دیا جائے تو بہت جلد پھینٹی جا سکتی ہے۔ پھولوں کی ڈنڈی کاٹنے میں ہمیشہ تیز چاقو استعمال کریں اور ہمیشہ ترچھا کاٹیں۔

سفید کپڑے زیادہ عرصہ رکھنے سے زرد پڑ جائیں تو چھاچھ میں ڈبو دیں۔ اگر زردی زیادہ گہری ہو تو کئی روز یہ عمل کرنا پڑیگا چھاچھ بدلتے رہیں۔ کرسیوں کی بیٹھنے کی جگہ ڈھیلی ہو جائے تو گرم پانی میں سوڈا ملا کے بید دھو ڈالیں۔ پونچھ کے ہوا میں سوکھنے رکھدیں۔ بید تن جائیگی۔ سوڈے کا پانی پاس کی لکڑی پر نہ لگنے دیں ورنہ وارنش جاتا رہے گا۔

گرم پانی میں پھٹکری زیادہ مقدار میں ملائیں۔ پانی کھولتی ہوئی حالت میں ہو۔ اس مرکب کو پلنگ یا میز کرسی کے سوراخوں میں ڈالدیں کھٹمل اور ہر قسم کے کیڑے فوراً مر جائیں گے۔ ہاتھ جل جائے تو فوراً برف کا ٹکڑا اسوقت تک رکھدیں جبتک جلن نہ جاتی رہے۔ اس ترکیب سے جلد خشک ہو جائے گی اور آبلہ بھی نہیں پڑیگا۔

محمد ظفر

سیر بین

جراحی کی کرامت

بعض حالات ایسے پیش آتے رہتے ہیں جبکہ مریض سکتہ کی حالت میں دیکھنے والوں کو مُردہ معلوم ہوتا ہے اور عزیز رشتہ دار وغیرہ اُنہیں سپردِ خاک کراتے ہیں۔ وہ مریض سب کچھ سنتا ہے مگر بے بس ہونے کی وجہ سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ دفن ہو جاتا ہے یا جلا دیا جاتا ہے۔ ہوشیار طبیب حالت کو پہچان جاتا ہے۔ ایسی حالتوں میں کسی مُردہ کا بچا لیا جانا بے شک حیرت انگیز ہے مگر سچ مچ مرے ہوئے آدمیوں کو زندہ کر لینا۔ کرامت ہے۔ بعض پرانے معالجوں سے وہ چار ایسے واقعات سُننے میں آئے ہیں کہ جیسے ہی مرنے والے کا دم نکلا اُنہوں نے مُنہ سے مُنہ ملا کے اپنا سانس اُس کے اندر پھونکا جس سے مرتے ہوئے میں پھر جان آ گئی اور بعد میں وہ اچھا ہو گیا۔ کتابوں میں بھی سو برس پہلے ایسا ایک واقعہ پڑھنے میں آیا۔ نپولین کی روس میں مہم جاری تھی۔ ایک سردار فوج زخمی ہوا۔ فوج اُسے مردہ سمجھ کے چھوڑ گئی۔ اُس کے نائب نے اُسے برف میں دبا پایا۔ اُس نے اُسے کھود کے نکالا اور ایک جراح کے پاس لے گیا۔ اُس نے اُسے مردہ تو سمجھا مگر گولی اُس کے زخم سے نکال ڈالی اور اُس کے مُنہ میں سانس پھونکنے لگا۔ اور وہ زندہ ہو گیا۔ اُس وقت اس کی بڑی شہرت ہوئی۔ اسی سے مصنوعی تنفس کا خیال آیا۔

۲۷ فروری ۳۰ء کو ایک ۴۴ سالہ شخص ماسکو کے ایک بازار میں دن کے گیارہ بجے چلتا چلتا گر کے مر گیا۔ پولیس کے تین ڈاکٹروں نے اُس کے مر جانے کی تصدیق کر دی۔ ماسکو یونیورسٹی کا پروفیسر طب شفاخانہ میں موجود تھا۔ اُس نے بھی اُسے مردہ ہی قرار دیا۔ اسے زندہ کرنے کے مختلف طریقے اختیار کئے گئے۔ مگر کوئی کارگر نہ ہوا۔ آخر اُس نے اپنی ایجاد سے کام لینا چاہا۔ مردہ کا سینہ چاک کیا گیا۔ اور دل سامنے کر لیا گیا۔ اُس نے آلہ سے ریڈیائی برقی لہریں اُس کے دل میں پھونکی گئیں۔ اور پچکاری بھی لگائی گئی۔ پون گھنٹہ بعد اُس کا دل دھڑکنے لگا۔ اس طرح مرنے سے گھنٹہ بھر کے بعد ہی وہ زندہ ہو گیا۔ پروفیسر کا دعویٰ ہے کہ اگر دل کی حرکت کسی بیماری کی وجہ سے بند نہیں ہوئی تو وہ اسے دوبارہ چلا سکتا ہے۔ ۱۶ء میں ایک شخص کے دل سے گولی نکالی گئی۔ مریض اچھا خاصہ ہو گیا حالانکہ اطبا کا مقولہ ہے کہ دل پر جراحی نہیں ہو سکتی یعنی گولی جیسی چیز گھس جائے تو آدمی بچ نہیں سکتا۔

اسی طرح ایک مردہ کو واشنا میں زندہ کیا گیا۔ سینہ چاک کر کے ایک ڈاکٹر نے کل سے بجلی کی لہریں دل میں داخل کیں اور پچکاری سے دل میں دوا بھی پہنچائی گئی۔ بیس منٹ بعد دل دھڑکنے لگا اور مردہ سانس لینے لگا۔ کچھ عرصہ بعد رفتہ رفتہ وہ تندرست ہو گیا اور اب وہ بالکل ہٹا کٹا آدمی ہے۔

اسکیمو کے آداب

قطبی باشندوں اسکیمو ہماری طرح اپنے طبعی وہی قواعد و ضوابط کے پابند ہیں جو صدیوں سے ان کے ہاں رائج ہیں چلے آتے ہیں اُن میں سے چند یہ ہیں:۔ (۱) سورج غروب ہو چکنے بعد کوئی مرد ایسا کام نہ کر سکیگا جس میں کسی آلہ کی ضرورت ہو۔ عورتیں سی سکتی ہیں کپڑے بنا سکتی ہیں اور نرم کرنے کے لئے جوتے چبا سکتی ہیں (۲) جو جانور سب جوڑا جاتا ہے یا مارا جائے قوم کے سارے افراد میں برابر برابر بانٹ جائیگا (۳) ناپاب شکار ہر وقت ساری قوم کی مشترک ملکیت ہے (۴) راستہ وغیرہ میں جو سامان پڑا مل جائے ہر وقت اصل مالک کا مال رہتا ہے (۵) اگر اودبلاؤ میں نیزہ گھسا رہ جائے اور

جانور بھاگ جائے تو پہلے نیزے باز کا کوئی حق نہیں رہتا (۶) قطبی ریچھ جو پہلے دیکھ لے وہ اسی کا مال ہے دریائی گائے مارنے والا ایک دن گھر سے الگ رہے (۸) وہیل مچھلی کو کوئی مارے ساری قوم کی ملکیت ہے (۹) اگر دو شکاری ایک وقت میں ایک ہی پرندہ پر نشانہ لگائیں وہ آپس میں برابر بانٹ لیں (۱۰) اگر کوئی شخص اپنے پڑوسی کو مار دے تو مقتول کا خاندان قاتل کا خاندان بن جائیگا اور وہ ان کی پرورش اور خبر گیری کا ذمہ دار ہوگا۔

لڑکیوں کی فروخت

جاپان میں چھ سو برس سے زیادہ سے لڑکیوں کی خرید فروخت جاری ہے اور حکومت نے اسے جائز قرار دے رکھا ہے اور اس کے لئے لائسنس دیتی ہے۔ لڑکیوں کے باپ انہیں پانچ سے دس سال تک کے لئے فروخت کر دیتے ہیں۔ اوسط ۶ سال ہے۔ اقتصادی بدحالی سے پہلے قیمت عموماً پانچسو پونڈ ہوا کرتی تھی اور بہت خوبصورت لڑکی کے لئے ۷۵۰ پونڈ بھی دیدیے جاتے تھے۔

جب عورتوں نے قیمتی ریشمی کپڑوں کی خریداری چھوڑ دی انہیں کیا معلوم تھا کہ اس سے ریشم پیدا کرنے والوں کی لڑکیوں کی قیمت پانچسو پونڈ سے گر کر دو پونڈ رہ جائے گی۔ بعض حالات میں ۴۰ شلنگ قیمت ٹھہرتی۔ پانچ شلنگ نقد اور باقی کی اقساط جب حالات خراب ہونے شروع ہوئے تھے تو ریشم کا کپڑا بنانیوالوں کو امید تھی کہ اگلے سال صورت حالات بہتر ہو جائیگی مگر اگلے سال اُسے ریشم اور بھی کم قیمت پر فروخت کرنا پڑا اور اب اس کی جان پر بن گئی۔ کھیت پہلے ہی بڑی رقموں کے بدلہ میں رہن رکھتے تھے اور بہت سے زمیندارہ بنک بند ہو چکے تھے۔ کسان کو دو صورتوں میں سے ایک کو اختیار کرنا ضروری تھا۔ گھر کے لئے خوراک یا اُسکے شہتوت کے درختوں کا قیمتی کھاد یعنی ریشم کے کیڑے کے لئے خوراک۔ اُس نے کھاد کو اختیار کیا۔ درخت خوب بڑھے اور کیڑوں نے ریشم خوب دیا۔ مگر اُس کے گھر والے بھوکے مرنے لگے۔ معمولی حالات میں کسان کے لئے لڑکیاں بڑے کام کی چیز ہیں۔ درختوں کی دیکھ بھال اور ریشم کے کویوں کو الگ کرنا ہلکا کام ہے اور عورتوں کے لئے ضروری ہے۔ لڑکیوں کو اُجرت نہیں دینی پڑتی لیکن اب وہ بیکار ہو گئیں اور اُن کے پیٹ بھرنے کا اور بوجھ بڑھ گیا۔ چنانچہ ترکیب یہ سوجھی کہ زائد بیٹیاں ایجنٹوں کو بیچدی جائیں جو انہیں سکھا کے گیتا (رقاصہ) بناتے ہیں۔ یا اُن سے زیادہ بے شرمی کا کام لیتے ہیں۔ لڑکیاں بے حیل وحجت گئیں کیونکہ انہیں اچھے کھانے اور عمدہ عمدہ کپڑے ملنے کی توقع تھی۔ بغیر اس کے وہ لوگ ان لڑکیوں سے کچھ فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ چنانچہ ریشم پیدا کرنے والے علاقہ کے کسانوں میں یہ عام طور سے دیکھا گیا کہ جس کے تین بیٹیاں تھیں۔ اگر ان میں سے دو بک گئیں تو وہ اپنی قسمت پر نازاں تھا۔ یہ تجارت اس قدر بڑھی کہ لڑکیوں سے علاقے خالی ہوگئے۔ مثلاً لشی اوکاٹ ایک گاؤں کے سات ہزار گھروں میں صرف سو لڑکیاں پائی گئیں جو کسی نہ کسی نقص کی وجہ سے نہ بک سکیں۔

اس کے بعد کچھ عجیب اتفاق ہوا حالات سدھرے اور پھر کسانوں کے لئے آمدنی ہونے کی صورت پیدا ہوئی۔ اب لڑکیاں ندارد۔ کام کون کرے۔ چنانچہ وہ دوڑ دوڑ کے ایجنٹوں کے پاس گئے کہ قیمت واپس لے لو۔ اور نچانے وغیرہ کا خرچ بھی لو مگر جواب ملا کہ ایک لڑکی کے لئے ۲۵۰ پونڈ لاؤ۔ حالانکہ باپ کو صرف ۲۵ شلنگ ملے تھے۔ وجہ یہ بتائی گئی کہ تربیت میں اسی قدر خرچ ہوا ہے۔ حالانکہ چندماہ کی تاناری رتی کے بعد ہوٹلوں وغیرہ میں لڑکیاں بھیجدیتے ہیں تاکہ وہاں وہ گاہکوں کے آگے کھانا اور شراب چن سکیں۔ اس عرصہ میں وہ ہنگ یوکو کہلاتی ہیں۔ بعد میں وہ ترقی کر کے گیتا نہیں بنتی ہیں۔ چنانچہ زیادہ سے زیادہ اُن کا خرچ ایک لڑکی پہ صرف دس پونڈ ہوتا ہے ۲۵۰ پونڈ کجا۔

چونکہ قانوناً یہ کاروبار جائز ہے اس لئے ہر لڑکی قیدی کے طور پر رکھی جاتی ہے۔ کوئی بھاگ جائے تو پولیس پکڑ

لاتی ہے۔ اور مالک جو چاہے اسے سزا دے تاکہ پھر اُسے بھاگنے کی جرأت نہ ہو۔ ٹوکیو میں ۱۱۰ لڑکیوں کی خرید و فروخت کرنے والے سوداگر رہتے ہیں جو لڑکیوں کو بھیڑ بکری کی طرح خریدتے ہیں۔ اور کمیشن کی صورت میں ان لڑکیوں سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ سرکاری رپورٹ کے مطابق صرف ٹوکیو میں ۴۷۹۶ لڑکیوں نے ۴۰۰۱۴۰۰ گاہکوں کی تواضع کی۔ اور ریھلاکھ پونڈ کمائے۔

بعض دفعہ مالک کسی مالدار کے ہاتھ کسی خوبصورت لڑکی کو بہت بڑی رقم پر فروخت کر دیتا ہے۔ مالداروں سے ڈھائی ہزار سے ۱۲½ ہزار پونڈ تک وصول ہو جاتا ہے۔ اب جاپان میں اس بُری رسم کے دُور کرنے کے لئے ایک انجمن قائم ہوئی ہے جس کا مقصد ہے کہ اپنی بچیوں کو لونڈی بننے کے لئے نہ بیچو۔ اس نے چالیس ہزار پونڈ چندہ کیا۔ اُس نے ہر ضرورت مند کسان کو چھ پونڈ بلا سود ایک لڑکی کے بدلہ میں قرض دئے کہ وہ نہ بیچے۔ چھ سو لڑکیاں اس طرح سے بچ گئیں مگر رقم بھی آناً فاناً میں ختم ہو گئی۔

۴ ہزار کا لقمہ نیویارک امریکہ کے نیچے گندی نالی کا سلسلہ چلا جاتا ہے۔ اُس میں کسی جگہ ایک گرام کا ایک ہزارواں حصہ دانہ جو ایک پن کے سر سے آدھا ہوتا ہے پڑا تھا۔ شہر کے ایک سب سے بڑے شفاخانہ میں جراحی کے بعد بے خیالی میں پھینک دیا گیا۔ ریڈیم سے ناواقف لوگوں کے لئے یہ قابل توجہ بات نہ ہو لیکن واقف کاروں کو علم ہے کہ ریڈیم اپنے وزن کے برابر خالص سونے سے ۴۲ ہزار گنا زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔ یہ اس کی شعاعوں کی زد میں آجائے مر سکتا ہے۔ جب یہ قیمتی اور خطرناک شے کھوئی جاتی ہے فوراً زبردست تلاش شروع ہو جاتی ہے۔ اس کے لئے سائنس نے ایک آلہ دیا ہے جسے ریڈیم کا کھوجی کہتے ہیں۔ اس کی تلاش بے خطا ہوتی ہے۔ مندرجہ بالا معاملہ میں اس آلہ کے ساتھ نالیوں کے اُوپر اُوپر تلاش جاری رکھی گئی حتیٰ کہ یہ حساس آلہ متحرک ہوا۔ قریب کے آدمی اُترنے کے گڈھے میں مزدور اُترے اور نالی میں سے اس بیش قیمت خزانے کو اُٹھا لائے۔

بعض برقی طلائی ورق سے اس معاملہ میں کام لیا جاتا ہے۔ اس کے ذریعہ سے ایک چھوٹی سی سوئی کا جس میں ۲۳ سو روپیہ کے قریب قیمت کا ریڈیم لگا ہوا تھا اور ایک شفاخانہ سے کھوئی گئی تھی پتہ لگایا گیا۔ سوئی گندے چیتھڑوں میں جا گری تھی۔ نقصان کا اُس وقت پتہ لگا جب یہ کباڑ کوڑا کرکٹ جلانے کی مشین میں ڈالا جا چکا تھا۔ اس کی شدید حرارت میں چاندی کی سوئی تو بلاشبہ پگھل گئی لیکن ریڈیم قائم رہا کیونکہ وہ کسی طرح تلف نہیں کیا جا سکتا وہ بے معلوم لیکن قیمتی ذرہ اس شہر پر شور بھٹی میں کسی جگہ پڑا تھا۔ جب آگ بجھ گئی تو راکھ کی بالٹی پر بالٹی نکالی گئی اور اس برقی طلائی ورق کے پاس رکھی جس بالٹی کے پاس وہ ورق پھڑکا راکھ پھیلا کے دانہ نکال لیا گیا۔ اسی طرح ایک اور شفاخانہ میں ایک دایہ نے ریڈیم والی سوئی جراحی کی میز پر رکھ دی۔ ایک لیس دار پٹی میں وہ چپک کے رہ گئی۔ پٹی اور پٹیوں کے ساتھ کوڑے میں پھینک دی گئی۔ جب نقصان کا حال معلوم ہوا تو کوڑا چالیس میل کے فاصلہ پر کوڑی کو جا چکا تھا۔ تلاش کرنے والے اُس مقام کی طرف لپکے اور کوڑے کے تودے میں سوئی کی تلاش شروع ہو گئی۔ اچانک طلائی ورق تھرتھرایا اور پھر اپنے اصلی حال پر آگیا۔ ایسا چند بار واقع ہوا۔ آخر ڈاکٹروں نے جانچا کہ جب کچھ سور اس کے پاس سے گذرتے ہیں تو ورق تھرتھرا اُٹھتا ہے۔ یہ معلوم ہوتے ہی ایک ایک سور وہاں سے گذارا گیا۔ ایک سور کے پہنچتے ہی ورق ہلا۔ قصائی بلایا گیا۔ وہ سور کاٹ دیا گیا اور اس کے معدہ سے چار ہزار روپیہ کا یہ لقمہ نکلا۔

دانتوں کے دستور بحرالکاہل کے جزیروں میں دانتوں کو نگین کیا جاتا ہے کیونکہ وہاں والوں کے نزدیک جانوروں کے دانت سفید ہوتے ہیں۔ افریقہ کے بعض باشندے دانتوں کو گھس گھس کے نوکدار کر لیتے ہیں تاکہ تیز ہو جائیں۔ بعض انہیں چھیل کے مسوڑھوں کو ہموار کر لیتے ہیں۔ سینی گال میں اوپر کی کیلیں بچپن میں جان بوجھ کے نیچے کو کھینچی جاتی ہیں تاکہ بڑے ہو کے بچہ کے دانت والرس کی طرح باہر نکلے رہیں۔ جنوبی امریکہ کے اصلی باشندے دانتوں میں سونے کے تیرے جیانوں کے چکدار تیرے سرخ سمنٹ میتیں وغیرہ چڑھوا لیتے ہیں۔ یہ دستور اب فرانس میں اور امریکہ کے مالدار اصلی باشندوں میں بھی پھیل گیا ہے کہ وہ ہیرے جواہرات دانتوں میں جڑوا لیتے ہیں۔ پولی نیشیا کے اصلی باشندوں اور ملایا کے جزیروں میں دانت ماتم کے طور پر نکال دیا جاتا ہے۔ آسٹریلیا کے اصلی باشندوں میں جب لڑکا بالغ ہو جاتا ہے تو پہلا کام یہ کیا جاتا ہے کہ اس کا ایک دانت نکال دیا جاتا ہے بلوغ کی یہی علامت سمجھی جاتی ہے۔

پھلجھڑیاں رنڈوے جب شادی کرتے ہیں تو کنواریوں کو ترجیح دیتے ہیں۔ بیوائیں رنڈوں سے شادی کرنا پسند کرتی ہیں۔

ایک چینی کی عمر ۲۵۰ سال بتاتے ہیں جس نے ۲۴ مرتبہ شادی کی۔ آخری بیوی زندہ ہے اور اس کی عمر ۶۰ سال ہے۔ اس چینی کی داڑھی ابتک کالی ہے۔

شناک ٹن (کیلی فورنیا) کے ایک پنساری جون واکر نے دیاسلائی ایجاد کی۔ اسے معلوم تھا کہ کلوریٹ آف پوٹاش بعض دوسری چیزوں سے رگڑ کھا کے بھک سے اڑ جاتا ہے۔ چنانچہ اس نے کلوریٹ آف پوٹاس میں سلفیٹ آف اینٹی منی اور گوند ملا کے اس میں لکڑی کی ایک سلائی ڈال لی۔ گوند اس لئے ملایا تھا کہ دونوں دوائیں لکڑی سے چپک سکیں اسے رگڑنے سے وہ جل اٹھی۔ بارہ آنے کی پچاس دیاسلائیوں کے حساب سے وہ انہیں بیچتا رہا۔

سب سے لمبا سایہ روس کی ملکہ کیتھرائن نے اپنی تخت نشینی کے وقت ۱۷۶۲ء میں پہنا۔ اس کا پچھلا حصہ جو زمین پر گھسٹ کے چلتا ہے ۲۲۵ فٹ لمبا تھا۔ پچاس آدمی اسے پیچھے اٹھا کے چلنے کے لئے رکھے گئے تھے۔

شہد کی مکھی چھ ہزار پھولوں کو چوس کے آدھ سیر شہد بناتی ہے۔

شیر کو شکار نہ ملے تو جب تک وہ ۴۴ میں تک اس کی تلاش میں پھر کے اسے حاصل نہ کرلے اسے چین نہیں آتا۔

افریقہ کے بعض حبشی اپنی زبان آٹھ انچ تک باہر نکال لیتے ہیں۔

سب سے چھوٹے قد کا آدمی ایک جرمن میجر مائٹ ہے۔ وہ بیس انچ اونچا اور ۱۲ سیر وزنی ہے۔ سب سے لمبا آدمی ایک مصری ہے۔ وہ نو فٹ لمبا ہے۔ تین سال پہلے اس کا قد صرف چھ فٹ تھا۔

اگر آدمی چیونٹی کی رفتار کی نسبت سے اپنی ٹانگیں چلائے تو وہ گھنٹہ بھر میں اسی میل طے کرلے۔

آدمی کے بدن میں عمر کا صرف ناک پر اثر نہیں پڑتا۔

دنیا میں اس وقت ۷۹۰۳ مختلف قسم کے گلاب کے پھول ہیں۔

محمد ظفر

بزمِ عصمت

بزمِ عصمت میں صرف وہی خطوط شائع کئے جاتے ہیں جن میں خریداری نمبر کا حوالہ دیا جائے خط بہت مختصر ہو اور وہی مستفسرات ہوں جن کے جواب عصمت میں پہلے شائع ہو چکے ہیں ادارہ کے انتظامی امور یا مضامین کے بارے میں کوئی بات نہ ہو۔ ہر علیحدہ کاغذ پر صاف صاف لکھا ہو۔ اڈیٹر

میں عصمتی بہنوں کو دلی مسرت کے ساتھ یہ خبر سناتی ہوں کہ آٹھ ستمبر کو میرے منجھلے بھائی سید شاہد علی صاحب کو خدا نے فرزند عطا فرمایا ہے اس خوشی میں تین روپے کی حقیر رقم نادار فنڈ کے لئے روانہ کرتی ہوں۔ ایک روپیہ بڑی بھاوج صاحبہ بیگم سید شاہد علی صاحب کی طرف سے۔ بہنوں سے التدعا ہے کہ کوئی بہن تاریخ ولادت اور تاریخی نام لکھ کر ممنون فرمائیں۔ مس شمیم حامد۔ جلیہ

میں نہایت رنج وقلق کے ساتھ اطلاع دیتی ہوں کہ میرے پیارے والد ماجد مولوی محمد لطیف صاحب صدیقی ۱۲ اور ۱۳ نومبر ۱۹۴۰ء کی درمیانی رات کو بوقت ساڑھے بارہ بجے شب اس دارِ فانی سے ملکِ جاودانی کو ہم کو روتا تڑپتا چھوڑ کر سدھارے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ یہ مجروحہ کی حقیر رقم نادار فنڈ کے لئے ارسال ہے ناظرات عصمت دعا فرمائیں کہ خدا مرحوم کو جنت دے ہم غمزدہ دل کو صبر کی توفیق دے۔ میں اگر کوئی عصمتی بہن یا بھائی قطعہ تاریخ تاریخ وفات مع مادہ برآمد کرنے کے لئے تحریر فرمائیں تو باعث مشکور ہی ہوگا۔

غمزدہ حبیبہ خاتون صدیقی چترہ ضلع ہزاری باغ

میں نہایت ہی افسوس کے ساتھ اپنی عصمتی بہنوں کو یہ خبر سناتی ہوں۔ میری عزیز سہیلی سلطانہ بیگم صاحبہ جو کہ عصمت کی خریدار بھی ہیں۔ ان کے والد ماجد صاحب کے ابرار احمد انڈسٹری مجسٹریٹ ۵ ستمبر ۱۹۴۱ء بروز پیر یکایک فالج میں گرفتار ہو کر اس دارِ فانی سے عالمِ بقا کو کوچ کر گئے۔ مرحوم نہایت ہی نیک اور ملنسار تھے ان کی موت کا عزیزوں کو بہت صدمہ ہے خدا ان سب کو صبرِ جمیل عطا فرمائے اور مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین۔

ز۔ ن۔ جبلپوری۔ خریدار نمبر ۴۶۴

محترمہ بہن مسز حمید لکھنؤ نے عصمت کے کسی پرچہ میں بال سیاہ ہونے کا تیل لکھا تھا۔ میری بھابی جن کے قبل از وقت کافی بال سفید ہونے شروع ہو گئے ہیں جس سے وہ بہت فکرمند اور پریشان ہیں۔ کیا امید کر سکتی ہوں کہ بہن صاحبہ اس تیل سے مجھ کو بھی اطلاع دیں گی کہ وہ کہاں سے مل سکتا ہے۔

قمر جہاں قمر محلہ مولوی گنج لکھنؤ

دوربین

بڑودہ کی مردم شماری ۱۹۲۱ء کے بعد ۱۹۳۱ء اور اس کے بعد اب ۱۹۴۱ء میں بڑودہ میں مردم شماری کا کام ہوا۔ ۱۹۳۱ء کے مقابلہ میں آبادی ۱۴ر۶ فی صدی بڑھ گئی ہے۔ ریاست کا رقبہ ۸۱۷۶ مربع میل ہے۔ آبادی فی مربع میل ۹۴۳ ہے اور بعض علاقوں میں ہجوم بہت بڑھ گیا ہے۔ بچوں کی اموات ۳۵ر۲ فی صدی پیدائش سے ۲۱ر۳ تک گھٹ گئی ہیں۔ زچگی کی اموات بھی بہت کچھ کم ہو گئی ہیں۔ گاؤں گاؤں طبی امداد پہنچا دی گئی ہے۔ کچھ تمدنی اصلاحات بھی اس معاملہ میں معاون ہوئی ہے۔ شہر ۵۰ سے ۴۶ ہوگئے۔ گاؤں ۲۹۲۰ سے ۲۸۹۶ رہ گئے۔ بعض گاؤں کو آبادی بڑھ جانے کی وجہ سے شہر کا مرتبہ دے دیا گیا اور بعض گاؤں ناپید ہو گئے یا کئی کئی آپس میں مل گئے۔ ریاست میں ہندو ۲۲ر۱۹ اور مسلمان ۴ر۲۲ فی صدی بڑھ گئے۔ تعلیم میں ۵۰ فی صدی کا اضافہ ہوا۔ ۸ر۳۲ مرد اور ۴ر۱۲ فی صدی عورت۔ پڑھی لکھی عورتوں کی تعداد پچھلے دس سال کے مقابلہ میں دگنی ہوگئی ہے انگریزی داں ۹ر۷۷ بڑھ گئے ہیں۔

امریکہ کی نیم شرکت

سوا دو سال کی لڑائی کے زمانہ میں امریکہ سے روس و برطانیہ کو سامان حرب کی امداد برابر ملتی رہی۔ اب یہ امداد جنگی حفاظت میں پہنچائی جائے گی گو امریکہ میں شرکت جنگ کے خلاف کئی جگہ مظاہرے ہونے کی خبر اخباروں میں آئی مگر وہاں کی سینٹ نے ۱۸ رایوں کی زیادتی سے قانون غیر جانبداری کی ان دفعات کی ترمیم کردی ہے جو تجارتی جہازوں کے مسلح کئے جانے میں حائل تھیں۔ امریکہ کے ۱۲۰۰ تجارتی جہازوں پر تین اور پانچ انچ کی توپیں چڑھا دی جائیں گی۔ جو جو جہاز باہر سے واپس آتا جائے گا مسلح کر دیا جائے گا اور نومبر کے آخر میں ہی کچھ تجارتی جہاز مسلح چلنے شروع ہو جائیں گے۔ ہٹلر نے اپنی تقریر میں کہہ دیا ہے کہ صدر روزولٹ کے شوق شرکت جنگ نے امریکہ کو قعر جنگ میں دھکیل دیا ہے مگر میں نے ہدایت کر دی ہے کہ جب تک امریکی جہاز پہلے گولی نہ چلائیں ہماری آبدوزیں وغیرہ ان پر حملہ نہ کریں۔ امریکی جہازوں کی پیش قدمی پر وہ ان کا جان توڑ کے مقابلہ کریں۔ امریکہ نے چین کے علاقوں سے اپنی بحری فوج بلالی ہے۔ ان علاقوں کو اب غیر معانی انگریزوں نے امریکی حفاظت ہٹ جانے کی وجہ سے خالی کرنا شروع کر دیا ہے۔ امریکہ میں کانوں کے مزدوروں نے ہڑتالیں شروع کر دی ہیں۔ صدر نے دھمکی دی ہے کہ ان کے انسداد کا قانون بنا دیا جائے گا تاکہ ملک کی حفاظت کی تدابیر میں خلل واقع نہ ہو۔

اطالیہ کی کمزوری

انگریزی جہازوں نے اطالوی متعدد رسد رسانی کے کل جہازوں کو جو دو جنگی جہازوں کی حفاظت میں بحیرہ روم میں سے طرابلس جا رہے تھے اور بیش قیمت سامان خوراک وغیرہ سے لدے ہوئے تھے ڈبو دیا۔ ایک تباہ کن جہاز ڈبو دیا گیا۔ دوسرا بری طرح ٹوٹ پھوٹ گیا۔ انگریزی جہازوں کو ذرا بھی ٹھیس نہیں آئی امیر البحر کنگھم نے بتایا کہ اطالوی جنگی جہازوں کی تعداد کم ہوگئی تھی لیکن مرمتوں کے بعد اب ان کی تعداد اتنی ہی ہوگئی ہے جتنی اس کی شرکت جنگ کے وقت تھی۔ کروزر سات سے چار رہ گئے ہیں۔ تارپیڈو کشتیاں اور تباہ کن جہازوں میں ۳۵ فی صدی کی کمی ہوگئی ہے یعنی اب تعداد بقدر ۸۰ کے گھٹ گئی ہے۔ ۳۰ فی صدی آبدوزیں ڈبو دی گئی ہیں۔ شرکت جنگ کے وقت اٹلی کے پاس ۱۲۰ آبدوزیں تھیں۔ امیر البحر نے کہا کہ اطالوی بحری صیغہ کی اخلاقی کیفیت کمزور ضرور ہوگئی ہے

مگر اطالوی بحری قوت کے اثر کو کم سمجھنے میں غلطی نہیں کرنی چاہئے۔ حبش میں صرف گونڈار رہ گیا ہے اُسے بھی انگریزی فوجوں نے اب گھیرے میں لے لیا ہے اور اُمید کی جاتی ہے کہ بہت جلد یہ علاقہ بھی ہتھیار ڈال دے گا۔

جاپان کے حوصلے جاپان نے ارادہ کر لیا ہے کہ چین کی باقی ماندہ جنگی قوت جلد تر کچل کے رکھ دی جائے اُسے معلوم ہے کہ چین کے پاس اس وقت ۲۰ لاکھ فوج ہے اور اس کی قوت بعض بیرونی امداد کی وجہ سے قائم ہے۔ جاپان کا ایک سفیر مسٹر کروسو امریکہ گیا ہے تاکہ وہ اندازہ کرے کہ امریکہ محض اکڑ فوں ہی دکھا رہا ہے یا سچ مچ وہ دست بگریباں ہونے کے لئے ہمہ تن طیار ہے۔ جیسی صورت ہوگی ویسی تدبیر جاپان اختیار کرے گا ظاہری طور پر وہ آخری کوشش کرنے گیا ہے کہ امریکہ اور جاپان میں جنگ نہ چھڑے۔ برطانیہ نے بھی بے شمار فوج اور کچھ جنگی جہاز بحر الکاہل میں بھیج دیئے ہیں کہ جاپان کے میدان جنگ میں آتے ہی جوابی کارروائی شروع کر دیں۔ وزیر اعظم انگلستان مسٹر چرچل نے صاف کہہ دیا ہے کہ ہم جاپان سے لڑنا نہیں چاہتے لیکن اگر وہ ماننے کا ہی نہیں تو ہم بھی بیل ڈانٹے سے لیس ہیں۔ امریکہ سے اُس کے اُلجھتے ہی ہم بھی فی الفور اعلان جنگ کر دیں گے۔ امریکہ اور جاپان کی گفتگو کا اطمینان بخش نتیجہ نہیں نکلا اس لئے اب حالت زیادہ اندیشہ ناک ہو گئی ہے اور ہر وقت جاپان کے شریک جنگ ہونے کا امکان پیدا ہو گیا ہے۔

برطانوی مستعدی برطانیہ بڑی ہمت سے روس کی امداد کر رہا ہے اور ہفتہ وار ٹینک وغیرہ بھیجے جا رہے ہیں اُس کے ہوائی جہاز بھی روسی محاذ پر کام کر رہے ہیں۔ ہندوستان بھی طیار ہو رہا ہے۔ گورنر پنجاب نے راولپنڈی میں تقریر کرتے ہوئے بتایا کہ یہ ہندوستان کی خوش قسمتی ہے کہ دشمن کو عراق ایران اور شام میں روکا جائے گا لیکن ہمیں طیاری میں سستی نہ کرنی چاہئے کیونکہ ۴۲ء میں ہندوستان پر حملہ اور بمباری کا اندیشہ ہو سکتا ہے۔ ترکی ہمارا دوست ہے اور وہ مردانہ وار مستعد کھڑا ہے۔

جبل الطارق کے پاس انگریزوں کا مشہور اور زبردست جنگی جہاز آرک رائل ایک آبدوز نے ڈبو دیا۔ آدمی تقریباً سب بچا لیئے گئے مگر سامان سب ڈوب گیا۔ انگریزی محکمہ نے اعلان کر دیا ہے کہ جلد ہی اس کا انتقام لے لیا جائے گا۔

انگریزوں کے جرمنی اور اُس کے مقبوضہ علاقہ پر ہوائی حملے برابر جاری ہیں۔

اٹلی کے علاقوں پر انگلستان برابر بمباری کر رہا ہے۔ نیپلز کے کارخانے برابر بمباری سے تباہ ہوتے جا رہے ہیں طرابلس پر اچانک انگریزوں نے حملہ کر کے اطالویوں اور جرمنوں کو نرغہ میں لے لیا ہے۔ جنگ شدت سے جاری ہے اور انگریزوں کو فتح کا یقین ہے جس کا اثر دُور رس سمجھا جاتا ہے۔

روس کا شاندار مقابلہ روس برابر مردانہ وار جرمنی سے لڑ رہا ہے۔ جو نیا اور نہایت تند حملہ ماسکو پر جرمنی نے شروع کیا تھا اُس کا انجام یہ ہوا کہ ماسکو بجائے فتح ہونے کے روسی جوابی حملوں کا

مرکز بن گیا ہے۔ جرمنوں پر روسی برابر حملے کر رہے ہیں۔ شمال میں جرمنوں نے قشوین کے فتح کر لینے کا دعوی کیا ہے۔ اور روسیوں نے تسلیم کر لیا ہے۔ کہ اس علاقہ میں والگڈا سے سینٹ گراڈ کو آنے والی ریل کا سلسلہ جرمنوں نے توڑ دیا ہے۔ مشرقی کریمیا تقریباً سارا جرمنوں نے فتح کر لیا ہے۔ اور قوش بھی ہاتھ آگیا ہے۔ صرف سواستوپول مقابلہ کر رہا ہے۔ سردی شروع ہوگئی ہے اور برف جمنے لگی ہے۔ جرمنی کے سپاہی میدانوں میں سردی سے اکڑے ہوئے ... رہتے ہیں۔ خارتوف فتح کرنے کے بعد جرمن دریائے ڈان کی طرف پیش قدمی کر رہے ہیں اور انھوں نے دعوی کیا ہے کہ انھوں نے رشینف فتح کر لیا ہے۔ روسی یورپ اور روس کے درمیان ۵ ہزار میل بحر اوقیانوس اور بحر منجمد شمالی کا ویران پانی کا قطعہ حائل ہے۔ لیکن اسٹبہ میں امریکہ اور روس میں آبنائے بیرنگ صرف ۶۰ میل چوڑی ہے۔ امریکہ سے سامان بڑی آسانی سے روس کو پہنچ سکتا ہے۔ اس کے علاوہ واشنگٹن کی ریاست کے مقام سیٹل سے ولاڈی واسٹک کا فاصلہ ۵۰۰۰ میل ہے۔ لیکن تیز رفتار ہوائی جہاز ۲۶ گھنٹے میں یہ فاصلہ طے کر سکتے ہیں۔ ان وجوہ سے روس جاپان سے جنگ کی صورت میں اس پر نہایت مہلک ہوائی حملے کر سکتا ہے۔

امریکہ اور انگلستان نے کوشش کی کہ اب فنلینڈ روس کے خلاف جنگ بند کر دے۔ کیونکہ اسے وہ سارا علاقہ مل چکا ہے، جو روس نے اس سے چھین لیا تھا۔ گر فنلینڈ جرمنی کے بھڑے بڑے اس نے دونوں کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ جرمنی نے بحر بالٹک میں روسی جزیرہ ڈیگو بھی فتح کر لیا ہے۔ اسٹالینو صنعت و حرفت وغیرہ کا مرکز بھی ہے روسیوں کے ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ سردی بے امید ... کا سہارا ہے۔ جرمنی کے سپاہیوں کے پاس سردی روکنے کا کافی سامان ہے۔ اس کے برعکس روسی سپاہیوں کو گرم لباس وغیرہ میسر ہیں۔ جرمنی روس کے خلاف اپنے تین قسم کے ہوائی جہاز استعمال کر رہا ہے۔ ایک کی رفتار ۳۶۰ اور ۴۰۰ میل فی گھنٹہ کے درمیان ہے یہ جہاز توپوں سے لدے ہوئے ہیں۔

تاروں کا جھرمٹ

مرکزی حکومت کے سامنے ایک مسودہ درپیش ہے جس کی رو سے وظیفوں کے تقرر اور رجسٹر اندراج شادی کی ضرورت قرار دیا گیا ہے۔

کونسل آف اسٹیٹ میں ایک سوال کے جواب میں حکومت کی طرف سے جواب دیا گیا کہ سبھاش چندر بوس جو چند ماہ ہوئے کلکتہ سے حیرت انگیز طریقے سے غائب ہوگئے تھے، بازاری افواہوں اور چند گشتی رسالوں کے مطابق روم یا برلن میں ہیں اور وہ دشمنوں سے سازباز کر رہے ہیں۔ تاکہ ہندوستان میں گڑبڑ پیدا کر دی جائے

شملہ میں ۱۵۰ عورتیں ہوائی حملے کی صورت میں امداد وغیرہ کرنے کے کام کے لئے بھرتی ہوگئی ہیں اور تربیت حاصل کر رہی ہیں

بمبئی میں مختصر نویسی کا مقابلہ ہوا اول درجہ پر آنے والے نے ۲۱۵ لفظ ایک منٹ میں لکھے دوسرے درجہ والے نے ۱۹۰، تیسرے نے ۱۸۵ اور چوتھے درجہ پر ایک لڑکی تھی جس نے ۱۸۰ لفظ لکھے۔ دنیا میں سب سے زیادہ الفاظ لکھنے کا کارنامہ ۲۸۰ لفظ فی منٹ ایک شخص قائم کر چکا ہے۔

مرکزی مجلس وضع قانون میں ڈاکٹر دیش مکھ نے ہندو عورتوں کے مطلوبہ حقوق کے حصول کے متعلق مسودہ پیش کیا۔ اور حکومت کی جانب سے بتایا گیا کہ عورتوں کے مطلوبہ حقوق سے ہمدردی ہر ایک کو ہے۔ مگر ہندو پنڈتوں اور مقتدر آدمیوں نے ہندوستان کے ہر طرف اس مسودہ کی مخالفت کی ہے۔ کسی بہتر موقع کا انتظار کرنا ضروری ہے۔ ڈاکٹر موصوف نے اپنا مسودہ واپس لے لیا۔

چونکہ منڈیوں کا قانون پنجاب میں جاری ہونے والا ہے۔ ساہوکاروں نے بھی ہڑتال کرنے کی ٹھان لی ہے۔

انتظام کیا گیا ہے کہ اخباروں کی قیمت ان کے صفحات کے لحاظ سے حکومت مقرر کیا کرے گی۔